انبیاءِ کرام علیہم السلام کے بعد دُنیا کے مُقدس ترین انسانوں کی سرگزشتِ حیات

سِیَرُ الصَّحابہ رضی اللہ عنہم

حِصّہ دُوم و سوم

سیرِ مُہاجرین

اوّل دوم کامل

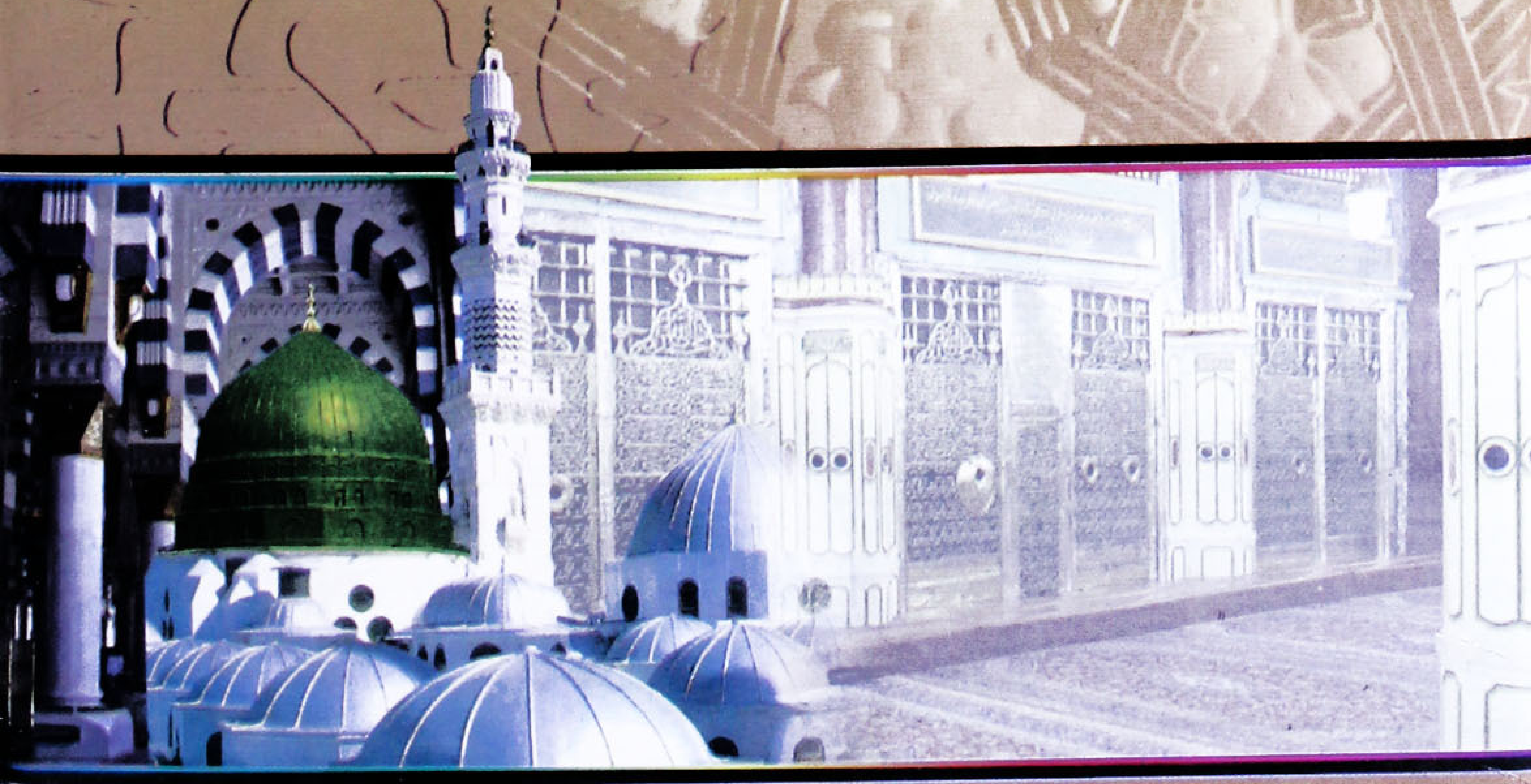

لا یَستَوِی مِنکُم مَن أنفَقَ مِن قَبلِ الفَتحِ وَقَاتَلَ أُولٰئِکَ أعظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِینَ أنفَقُوا مِن بَعدُ وَقَاتَلُوا وَکُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الحُسنٰی

جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور لڑائی کی وہ درجہ میں اُن لوگوں سے بڑے ہیں جنھوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور لڑے اور اللہ نے بھلائی کا وعدہ سب سے رکھا ہے۔

سِیَرُالصَّحَابَہ رضی اللہ عنہم

مہاجرین (حصہ اوّل)

جلد دوم حصہ دوم وسوم 2

سیر مہاجرین اوّل دوم کامل

ان جلیل القدر مہاجر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مفصل سوانح زندگی جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے اور گھر بار اور وطن کی قربانی دے کر ہجرت کی سعادت حاصل کی

تحریر و ترتیب

الحاج مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم

سابق رفیق دارالمصنفین

ناشر

اسلامی کتب خانہ

فضل الٰہی مارکیٹ

چوک اُردو بازار لاہور

فون : 042 - 7223506

Marfat.com

کتاب کی کمپوزنگ کے حقوق محفوظ ہیں

بقیہ حضراتِ عشرہ مبشرہ، اکابر بنی ہاشم و قریش اور اُن حضراتِ صحابہؓ کے حالات، سوانح، اخلاق و فضائل اور اُن کے مذہبی، علمی، سیاسی و دینی مجاہدات اور کارنامے ہیں جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے.....شروع میں ایک مقدمہ ہے جس میں قریش کی تاریخ، اور قبائل مہاجرین کی تفصیل ہے۔

بسلسلہ .... سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم (جلد دوم)

نام کتاب .... مہاجرین (حصہ اول۔دوم، کامل دو حصے)

طابع .... ممتاز احمد

ناشر .... اسلامی کتب خانہ

مطبع .... لعل سٹار پرنٹرز

83877

ملنے کے پتے

- ⇦ مکتبہ رحمانیہ — غزنی سٹریٹ، اقراء سنٹر، اُردو بازار لاہور
- ⇦ ممتاز اکیڈمی — فضل الٰہی مار[illegible] ردو بازار لاہور
- ⇦ مکتبۃ العلم — ۱۸/ اُردو بازار لاہور
- ⇦ خزینہ علم و ادب — الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور

نوٹ

ہماری قارئین سے درخواست ہے کہ ہماری تمام تر کوشش (اچھی پروف ریڈنگ، معیاری پرنٹنگ) کے باوجود اس بات کا امکان ہے کہ کہیں کوئی لفظی غلطی یا کوئی اور خامی رہ گئی ہو تو ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اس غلطی یا خامی کو دُور کیا جائے۔ شکریہ!

(ادارہ)

Marfat.com

فہرست موضوعات

سیر مہاجرین: جلد دوم: حصہ اوّل

عنوانات	صفحہ
دیباچہ	9
مقدمہ	10
اسلام سے پہلے مہاجرین رضی اللہ عنہم کے خانوادے	10
دورِ اوّل	11
۲ - ۵	
دورِ دوم	16
۵ - ۱۵	
قبائل عدنان	16
عدنان کی حکومتیں	19
عدنان کی تجارت	20
آلِ عدنان کا مذہب	20
ایامِ عدنان	22
آلِ عدنان کی لڑائیاں دوسری نسل والوں کے ساتھ	22
عدنانیوں کی خانہ جنگی	23
ایام بکر وتغلب	23
ایام عبس وذبیان	23
ایامِ ربیعہ ومضر	23
ایامِ بنو عامر	24
دیگر ایام مشہور	24
دورِ سوم	25
قریش	25
قبائل قریش اور ان کے مشاہیر	26
ایام قریش	27
یوم فجار اوّل	27
یوم فجار ثانی	27
واقعہ فیل	29
ایک جنگ	30
یوم ذات نکیف	30
خانہ کعبہ کی مرمت	31
قریش کی سیاسی خودمختاری	31
قصی کا ظہور اور قریش کا اجتماع	32
قریش کا تمدن	33

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
نظام عسکری	34
عدالتی نظام	34
نظام مذہبی	34
ندوہ	35
مشورہ	36
حلف فضول	36
قریش کا مذہب	37
لوازمِ تمدن	42
تجارت	42
علوم وفنون	45
رفاہِ عام کے کام	46
اسلام کا ظہور	47
پہلی ہجرت یا مہاجرین کی پہلی جماعت ۴۱ - ۴۵	53
حبشہ کی پہلی ہجرت	53
حبشہ سے مسلمانوں کے اخراج کی کوشش	54
نجاشی کا جواب	55
حضرت جعفر کی تقریر	55
نجاشی کا آیاتِ قرآنی سے متاثر ہونا اور اسلام کی حقانیت کا اعتراف	56
وفد مشرکین کی ایک چال اور اس میں ناکامی	56
مہاجرینؓ حبش کی واپسی	57
دوسری ہجرت	58
حبشہ کی دوسری ہجرت	58
حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال	61
قریش کی ایذارسانی	61
تبلیغ اسلام اور طائف کا سفر	61
مکہ کی واپسی اور مطعم بن عدی کا گھر اور تبلیغ اسلام	62
تبلیغ کا اثر قبائل پر	63
قبیلہ دوس کی خواہش	69
اہل مدینہ کا قبولِ اسلام	69
انصار کی پہلی بیعت	70
انصار کی دوسری بیعت	70
ہجرت کا سلسلہ فتح مکہ تک قائم رہا اور اس کے اسباب	73
مہاجرین کے فضائل ومناقب ۶۱ - ۷۳	74
کلام اللہ اور مہاجرین	74
احادیث نبوی (ﷺ)	80
مہاجرین منافق نہ تھے	86

Marfat.com

اسمائے مہاجرین

(بہ ترتیب کتاب)

عنوانات	صفحہ
حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ	87
حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ	110
حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ	126
حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	142
حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ	169
حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ	185
سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ	192
حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ	201
حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ	211
حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ	220
حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ	227
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما	239
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	278
حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ	314
حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما	345
حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بن العاص رضی اللہ عنہما	360
حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ	369
حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	375
حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ	385
حضرت ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ عنہ	392
حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ	396
حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما	403
حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ	407
حضرت عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ	413
حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ	415
حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ	420
حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ	424
حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ	429
حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ	434
حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ	437

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ	441
حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ	446
حضرت شماس بن عثمان رضی اللہ عنہ	449
حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ	445
حضرت محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ	55
حضرت شقران صالح رضی اللہ عنہ	58
حضرت عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	60
حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ	462

Marfat.com

اسمائے مہاجرین

(بہ ترتیب حروف تہجی)

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
الف		س	
حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ	437	حضرت سالم رضی اللہ عنہ مولی ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ	441
حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ	424	حضرت سعید بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	142
حضرت ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ عنہ	392	حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ	185
حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ	169	ش	
حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ	314	حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ	452
ب		حضرت شقران صالح رضی اللہ عنہ	458
حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ	211	حضرت شماس بن عثمان رضی اللہ عنہ	449
ج		ص	
حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ	220	حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ	369
ح		ط	
حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ	407	حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ	110
حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ	192	ع	
ز		حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ	462
حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ	87	حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ	420
حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ	227		

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ	201
حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما	403
حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ	126
حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ	429
حضرت عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ	413
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما	239
حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما	360
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	278
حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ	446
حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ	415
حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ	385
حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ	434
حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ	345
حضرت عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	460
م	
حضرت محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ	455
حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	375
حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ	396

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ جلد ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات میں ہے، جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے چونکہ اسلام میں ان بزرگوں کی حیثیت بہت بڑی ہے اس لیے ان کو سب سے اول جگہ دی گئی اور ان میں بھی چاروں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد جن کے حالات میں ایک مستقل جلد چھپ چکی ہے، عشرہ مبشرہ میں سے باقی چھ بزرگوار اس جلد میں مذکور ہیں اور ان کو تمام مہاجرین رضی اللہ عنہم میں سب سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

یہ جلد بھی ہمارے رفیق عزیز مولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی کی تالیف ہے، مقدمہ اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے فضل و کمال و اخلاق کا حصہ ان کے ہم نام اور ہم مدرسہ مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین نے لکھا ہے، آئندہ حصہ تمام و کمال ان ہی کا ہوگا۔

کتاب میں دو فہرستیں لگائی گئی ہیں، ایک میں کتاب کی ترتیب کے مطابق ناموں کی فہرست ہے اور دوسری میں حروفِ تہجی کے اعتبار سے نام لکھے گئے ہیں، تاکہ تلاش و مراجعت میں لوگوں کو آسانی ہو۔

سید سلیمان ندوی، ناظم دارالمصنفین

۲۳/ اکتوبر ۱۹۲۸ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدّمہ

اسلام سے پہلے مہاجرین کے خانوادے

مورخین اسلام' اور علمائے انساب نے عرب کی تین قسمیں قرار دی ہیں' بائدہ' عاربہ' اور مستعربہ' بعض صرف دو پر اکتفا کرتے ہیں' عاربہ اور مستعربہ۔

عرب بائدہ عرب کے وہ قبائل ہیں جن کا زمانہ اس قدر قدیم ہے کہ تاریخوں میں ان کے تفصیلی حالات نہیں ملتے' البتہ عرب کے اشعار میں جا بجا ان کا ذکر آ جاتا ہے یا الہامی کتابوں میں کہیں کہیں حالات مل جاتے ہیں' یہ قبائل عاد' ثمود' طسم جدلیس وغیرہ ہیں' عرب عاربہ وہ قحطانی قبائل ہیں' جو یمن اور اس کے قریب و جوار میں آباد ہوئے' ان میں سے حمیر' کہلان' بنی عمرو وغیرہ مشہور ہیں' ان کے حالات کثرت سے ملتے ہیں اور ان کی عظیم الشان یادگاریں ابھی تک سرزمین عرب میں موجود ہیں۔

تیسرا طبقہ عرب مستعربہ کا ہے اور یہی ہمارا موضوع بحث ہے کہ اسی سے سلسلہ اسماعیلی کی ابتدا ہوئی' جس میں مہاجرین کے اکثر خاندان داخل ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام اور اپنی بیوی ہاجرہ کو ''وادی غیر ذی زرع'' میں بسایا' تو وہاں اس وقت جرہمی قبائل آباد تھے' ان میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے شادی کی اور ان سے جو نسل چلی' وہ ''عرب مستعربہ'' کے نام سے موسوم ہوئی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے گیارہ اولادیں ہوئیں' جن میں ایک کا نام قیدار تھا' قیدار کی نسل میں سب سے مشہور عدنان گزرا ہے' قریش کے تمام قبائل اور مہاجرین کے اکثر قبیلوں کا سلسلۂ نسب عدنان ہی تک آ کر منتہی ہو جاتا ہے' اس طرح یہ سلسلہ تاریخ کے تین دوروں پر منقسم ہو جاتا ہے' ایک حضرت

Marfat.com

اسمٰعیل علیہ السلام سے عدنان تک‘ دوسرا عدنان سے فہر تک اور تیسرا فہر سے آخر تک مہاجرین کے حالات میں۔ اگرچہ پہلے اور دوسرے دوروں کا تذکرہ کرنا ضروری نہیں ہے اور صرف قریش کے حالات کا لکھ دینا کافی ہے‘ مگر اس خیال سے کہ اس سلسلہ کی تمام کڑیاں سامنے آ جائیں‘ پہلے دور کا اجمالی اور دوسرے دور کا کسی قدر تفصیلی اور تیسرے دور کا نہایت مفصل طور پر تذکرہ کرتے ہیں۔

دوراوّل:

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی گیارہ اولادوں میں نابت اور قیدار نے نہایت جاہ و جلال اور دنیاوی اعزاز حاصل کیا‘ مورخین اس بارہ میں مختلف الرائے ہیں کہ عدنان آل نابت سے تھا‘ یا آل قیدار سے۔ بعض عدنان کو نابت کی اولاد بتاتے ہیں اور بعض قیدار کی‘ مگر اکثریت اسی طرف ہے کہ عدنان کا سلسلۂ نسب قیدار سے ملتا ہے‘ چنانچہ مورخ ابوالفداء نے اس اختلاف کو لکھ کر اس قول کو ترجیح دی ہے[1]۔ قیدار اپنے تمام بھائیوں میں زیادہ ممتاز اور نام آور تھا‘ اور اسی کی نسل سے مشہور قبائل اور اشخاص پیدا ہوئے‘ الہامی صحائف میں قیدار کا نام ایک صاحب سطوت شخص اور اس کی اولاد کا تذکرہ ایک جری و بہادر قوم کی حیثیت سے آیا ہے‘ چنانچہ یسعیاہ نبی فرماتے ہیں کہ قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی اور تیراندازوں کے جو باقی رہے‘ قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا۔ (یسعیاہ باب ۲۱ آیۃ ۱۶‘ ۱۷)

اس عظمت وشجاعت کے علاوہ تعداد کی کثرت کے اعتبار سے بھی ان کی بستیاں کی بستیاں آباد تھیں‘ چنانچہ یسعیاہ نبی فرماتے ہیں:

”قیدار کی آباد بستیاں اپنی آواز بلند کریں گی“۔ (یسعیاہ باب ۴۲ آیۃ ۱۱)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عام بدویوں کی طرح ان کے قبائل منتشر نہ تھے‘ بلکہ ان کی بستیاں منظم اور ان کی معاشرت اجتماعی تھی‘ اجتماعی زندگی کے لیے ایک نظام اور

---

[1] ابوالفداء جلد ۲ ص ۱۰۶

Marfat.com

ناظم کی سخت ضرورت ہے' جو لوگوں کو منتظم اور منضبط رکھ سکے' ورنہ اجتماعی زندگی نہیں پیدا ہو سکتی' چنانچہ آل اسمٰعیل میں بھی اگرچہ باقاعدہ حکومت نہ تھی' تاہم وہ ایک سردار کے ماتحت زندگی بسر کرتے تھے اور بنو اسمٰعیل کے علاوہ ان کے پڑوسی قبائل بھی اس سردار کی اطاعت ضروری سمجھتے تھے' چنانچہ بنو جرہم ہمیشہ آل اسمٰعیل کے اطاعت گذار رہے[1] آل قیدار کی زندگی اگرچہ بدویانہ تھی اور ان کا تمدن سادہ تھا' تاہم بالکل بدوی نہ تھے' بلکہ تمدن کے کچھ آثار بھی ان میں پائے جاتے تھے اور تنہا بھیڑ بکریوں کی کھال اور دودھ پر ان کی زندگی کا مدارومدار نہ تھا' اس سے ترقی کر کے وہ تجارت بھی کرتے تھے' چنانچہ حزقیال نبی فرماتے ہیں:

''عرب اور قیدار کے سب امیر تجارت کی راہ میں تیرے علاقہ مند تھے' وہ برے اور مینڈھے اور بکری لے کے تیرے ساتھ تجارت کرتے تھے''۔

(حزقیال باب ۲۷ آیۃ ۲۱)

اسماعیلی قبائل نے تجارت کو اس قدر فروغ دیا کہ وہ تجارتی اشیاء لے کر ملکوں ملکوں پھرتے تھے' چنانچہ وہ مشہور قافلہ جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکالا تھا' اسماعیلی تھے اور بغرض تجارت مصر جا رہا تھا' چنانچہ توراۃ میں ہے کہ:

''جب حضرت یوسف علیہ السلام نے آنکھ اٹھائی تو دیکھا کہ اسماعیلیوں کا ایک قافلہ جلعاد سے گرم مصالحہ اور روغن بلسان اور مر اونٹوں پر لادے ہوئے ہیں کہ انھیں مصر کو لے جائے''۔ (پیدائش باب ۳۷ آیۃ ۲۵)

اس تجارتی ترقی کا نتیجہ تمول اور تمول کا نتیجہ تمدن تھا' چنانچہ ان کی عورتیں سونے کے زیورات استعمال کرتی تھیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمول کے ساتھ ان میں تمدن بھی آ چلا تھا' توراۃ میں ایک موقع پر ان زیورات کا ذکر آیا ہے:

''جدعون نے انھیں کہا کہ میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تم میں

---

[1] یعقوبی جلد ا ص ۲۵۴

Marfat.com

سے ہر ایک شخص اپنے لوٹ کے کرن پھول مجھے دے' کہ ان کے کرن پھول سونے کے تھے اس لئے کہ وہ اسماعیلی تھے''۔ (قضاۃ باب ۱۸ آیۃ ۲۴)

ان مذکورہ بالا شہادتوں سے معلوم ہوا کہ اسماعیلی قبائل بداوت کے ابتدائی دور میں نہ تھے' بلکہ اس سے نکل کر تمدن شاہراہ اختیار کر لی تھی' یعنی ان میں دنیاوی شان و شوکت کے ساتھ ساتھ تجارت بھی پھیلی ہوئی تھی' معاشرت بھی اجتماعی اور منتظم تھی' ان کی عورتیں سونے کے زیورات استعمال کرتی تھیں۔

یہ تو بنی اسرائیل کے صحیفوں کی شہادتیں ہیں' ہماری تاریخوں میں بھی کثرت سے ان کے حالات ملتے ہیں اور ان سے بھی ان کی عزت و احترام کا پتہ چلتا ہے' بنو اسمٰعیل علیہ السلام کی ابتدائی تاریخ خانہ کعبہ سے وابستہ ہے' اس لئے ہم بھی خانہ کعبہ کی روشنی میں ان کے حالات تلاش کرتے ہیں' خانہ کعبہ کی تولیت آل اسمٰعیل علیہ السلام میں بڑی عزت کی چیز تھی' کعبہ کا متولی ایک مذہبی پیشوا کی حیثیت رکھتا تھا' تمام قبائل اس کا احترام کرتے تھے' دوسرے لفظوں میں کعبہ کی تولیت عرب کی بادشاہی کے مرادف تھی' حضرت اسمٰعیل کے بعد اس تولیت کا شرف قیدار کو حاصل ہوا' مگر حضرت اسمٰعیل کی نسل سے یہ سلسلہ دو ہی پشتوں کے بعد منقطع ہو گیا' کیونکہ جب حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں نفوس کی کثرت ہوئی اور ارضِ حرم میں اتنی گنجائش باقی نہ رہی' کہ وہ ان سب کو اپنے دامن میں سمیٹ سکے' تو وہ لوگ حرم سے نکل کر اس کے اطراف و جوانب میں پھیل گئے اور صرف چند اشخاص حرم کی پاسبانی کے لئے رہ گئے' مگر یہ سب صغیر السن تھے اور اس صغیر سنی کی وجہ سے تولیت کعبہ کے فرائض نہیں ادا کر سکتے تھے' حضرت اسماعیل کے سسرالی قبیلہ جرہم میں یہ عہدہ منتقل ہو گیا اور مضاض جرہمی اس پر فائز ہوا' چنانچہ حارث جرہمی کہتا ہے:[1]

وکنا ولاہ البیت من بعد نابت نطوف بذاک لمبیت والامر ظاھر

بنو جرہم میں اس اعزاز کو دیکھ کر سمیدع بن ہوبر عمالقی کو رشک ہوا اور مضاض

---

[1] ابو الفداء جلد ا صفحہ ۱۰۵

Marfat.com

جرہمی سے آمادۂ جنگ ہو گیا، مگر شکست کھائی اور جرہم میں کئی پشتوں تک یہ منصب قائم رہا، مگر انھوں نے اپنی حکومت کے زعم میں ظلم وستم اور فسق و فجور کا ایک ہنگامہ برپا کر دیا اور سب سے زیادہ نفرت انگیز اور قابل مذمت حرکت یہ کی کہ حرمتِ کعبہ کا بھی خیال نہ رکھا اور حجاج پر زیادتیاں کرنے لگے، حرم کا چڑھاوا کھا جاتے، لوگوں کو طرح طرح سے ستاتے، غرضکہ ہر طرح خلق اللہ کو پریشان کرنا شروع کر دیا، آل اسمٰعیل ان کی ناروا حرکتوں کو دیکھتے تھے، مگر اوّل تو عزیز داری کے پاس سے کچھ نہیں بولتے تھے، دوسرے حرم میں کشت وخون کو ناپسند کرتے تھے کہ ان کے اخراج میں خونریزی کا ہونا یقینی تھا، آخر کار حرم کی توہین اور خلق اللہ کے مصائب کو دیکھ کر بنو بکر اور عیشان نے سختی سے اس کا تدارک کیا، یہاں تک کہ جنگ کی نوبت آئی اور ایک خونریز جنگ کے بعد بنو جرہم کو یمن کی طرف بھگا کر حرم کو ہمیشہ کے لئے ان کی نجاستوں سے پاک کر دیا، یہ شکست خوردہ تو تھے ہی، انہوں نے چلتے چلتے حجر اسود کو اُکھاڑ کر اس کو حرم کے دیگر تبرکات کے ساتھ چاہِ زمزم میں پھینک کر کنوئیں کو پاٹ دیا۔[1]

اس تاریخ سے حرم کی تولیت اور مکہ کی سیادت پھر آل اسمٰعیل میں لوٹ آئی اور چند پشتوں کے بعد عدنان تک پہنچی، ابھی عدنان کا دور تھا کہ بخت نصر کا ملک عرب پر زبردست حملہ ہوا، جس سے عربوں کی قوتیں ٹوٹ گئیں، سارا عرب ویران ہو گیا اور تمام ملک میں خاک آڑنے لگی عدنان اسی حملہ میں مارا گیا، مگر اس کے لڑکے معد کو ارمیا نبی نے بچالیا، جس سے آئندہ نسل پھیلی۔[2]

دورِ دوم:

پہلے دور میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے لے کر عدنان تک کے مختصر حالات لکھے گئے ہیں، دوسرے دور میں عدنان سے فہر تک کسی قدر تفصیل ہوگی، کیوں کہ مہاجرین کا

---

[1] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۶۴، ۶۵

[2] ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۲۳۹، ۲۹۹

Marfat.com

سلسلۂ نسب اسی تک منتہی ہوتا ہے' عدنان کا سلسلۂ نسب باتفاقِ نسابین حضرت اسمٰعیل تک پہنچتا ہے' لیکن درمیانی پشتوں کی بعداد اور ان کے ناموں میں اختلاف ہے' اس اختلاف کی وجہ تو یہ ہے' کہ وہ عبرانی سے عربی میں منتقل ہوئے ہیں اور جب ایک زبان کے نام دوسری زبان میں جاتے ہیں تو لامحالہ کچھ لب ولہجہ کے اختلاف اور کچھ حروف کے تغیرات سے ان کی اصل صورت باقی نہیں رہتی' اس لئے یہ اختلاف قابل توجہ نہیں ہے البتہ درمیانی کڑیوں کی تعداد کا اختلاف ضرور قابل لحاظ ہے' بعض عدنان سے حضرت اسمٰعیل تک صرف آٹھ دس پشتیں بتاتے ہیں اور بعضوں کے نزدیک ان کی تعداد چالیس تک پہنچ جاتی ہے اور یہی آخری قول صحیح ہے' کیونکہ اگر صرف نو دس پشتیں مانی جائیں' تو عدنان اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے درمیان زمانہ بہت کم رہ جاتا ہے' جو تاریخی مسلمات کے بالکل منافی ہے' چنانچہ علامہ سہیلی روض الانف میں لکھتے ہیں کہ ''عادۃً محال ہے کہ عدنان اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے درمیان چار یا سات پشتیں یا دس یا بیس پشتیں ہوں' کیونکہ ان دونوں کے درمیان اس سے بہت زیادہ زمانہ ہے'' [1]

یہ تو قیاس عقلی ہے' اس کے علاوہ بہت سے علماء عرب میں ایسے تھے' جن کو چالیسوں پشتیں برزباں یاد تھیں' چنانچہ علامہ طبری لکھتے ہیں کہ ''مجھ سے بعض عرب نسابوں نے کہا کہ وہ بہت سے ایسے علمائے عرب کو جانتے ہیں جن کو معد بن عدنان سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تک پشتیں نام بنام حفظ تھیں اور وہ اس پر اشعار عرب سے استدلال کرتے تھے اور ان نسابوں نے علماء کے محفوظ ناموں کو اہل کتاب کے بتائے ہوئے ناموں سے مقابلہ کیا تو تعداد بالکل صحیح نکلی' البتہ لہجہ وزبان کے تغیر سے ناموں میں اختلاف ہو گیا تھا'' [2]

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ عربوں کے نزدیک چونکہ عدنان کا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہونا یقینی تھا' اس لئے انھوں نے صرف مشہور لوگوں کے نام یاد رکھے

---

[1] روض الانف صفحہ ۸ جلد ا مطبوعہ مصر

[2] طبری صفحہ ۱۱۱۸

Marfat.com

اور پورا سلسلہ محفوظ نہیں رکھا' لیکن بہر حال تاریخی شہادت اور عقلی قیاس کا فیصلہ یہی ہے کہ عدنان اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے درمیان چالیس پشتیں تھیں۔

قبائل عدنان:

عدنان کی اولاد اس کثرت سے پھیلی کہ اس کا استقصاء اس دیباچہ میں مشکل ہے اور ہمارے موضوع سخن کے لئے زیادہ کار آمد بھی نہیں' اس لئے ہم ان کے مشہور قبائل اور ان میں سے بھی خاص کو اُن ہی کا تذکرہ کریں گے' جس سے ہماری کتاب کو کچھ تعلق ہوگا' اس سے قبائل عدنان کا اجمالی خاکہ ذہن میں آجائے گا اور آئندہ جہاں قبائل یا اشخاص کے نام آئیں گے وہاں اس کے سمجھنے میں دقت نہ ہوگی۔

عدنان کے دو لڑکے تھے' عک اور معد' مگر آئندہ نسل صرف معد کے لڑکے نزار سے پھیلی۔اس سے پانچ مشہور قبیلے نکلے' جن کو تاریخ عرب میں بہت اہمیت حاصل ہوئی' انمار' ایاد' ربیعہ' قضاعہ اور مضر' ان میں سے انمار اور ایاد بہت کم پھیلے' البتہ ربیعہ' قضاعہ اور مضر نے کثرتِ تعداد دنیاوی اعزاز اور تاریخی اہمیت وغیرہ کے لحاظ سے بہت شہرت حاصل کی۔

ربیعہ بن نزار کے متعدد اولادیں ہوئیں' جن سے بڑے بڑے قبائل نکلے اور نہایت دنیاوی اعزاز حاصل کیا اور حکومتیں قائم کیں' ان کے مشہور قبائل و بطون یہ ہیں' بنو جدیلہ' نہب بن افصے (خاندان حضرت صہیب رضی اللہ عنہ) بنو وائل' بکر بن وائل' بنو عجل' بنو عبد قیس' بنو تغلب وغیرہ' پھر ان سے بھی بہت سے بطون شاخ در شاخ ہو کر نکلے ہیں۔

قضاعہ کو عام مورخین اگرچہ قحطانی النسل خیال کرتے ہیں' مگر از روئے تحقیق وہ عدنانی ہیں' بنو قضاعہ نے بھی دنیاوی حکومت اور قبائل کی کثرت کے اعتبار سے بہت شان و شوکت حاصل کی' حافی بن قضاعہ کے تین لڑکے تھے' عمرو' عمران اور اسلم' ان ہی تینوں سے تمام بطون و شعوب پھیلے۔

---

[1] قبائل کی تفصیل ابن خلدون جلد ۲ سے ماخوذ ہے۔

Marfat.com

بنو عمرو کے مشہور بطون عبدان، بلی (حضرت کعب بن عجرہ، خدیج بن سلامہ، سہل بن رافع، ابو بردہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا خاندان) بہرا (حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کا خاندان)

بنو اسلم کے مشہور بطون ہذیم، جہینہ اور نہد ہیں۔

بنو عمران کے مشہور قبائل بنو سلیم، بنو صحعم، بنو جرم، بنو اسد، بنو تمر، بنو کلب وغیرہ ہیں، پھر ان میں بھی شاخ در شاخ ہو کر سینکڑوں بطون نکلے۔

مضر بن نزار بطون و قبائل کی وسعت اور تاریخی اہمیت میں قضاعہ اور ربیعہ سے زیادہ ممتاز ہے مضر کے دو لڑکے تھے، الیاس اور قیس عیلان ان ہی دونوں کی نسل سے تمام مضری قبائل کا سلسلہ پھیلا۔

بطون خندف بن الیاس بن مضر:

الیاس کے تین لڑکے تھے، مدرکہ، طانجہ، قمعہ یہ تینوں قبیلہ قضاعہ کی ایک عورت خندف قضاعیہ کے بطن سے تھے، اس لیے یہ اسی کی طرف منسوب ہوئے اور ان کے تمام بطون خندف کہلائے۔

قمعہ کے مشہور قبائل بنو خزاعہ اور بنو افصے ہیں، بنو خزاعہ سے بنو مصطلق، بنو کعب حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا خاندان) بنو عدی (ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا خاندان) بنو جہنیہ وغیرہ نکلے ہیں۔ بنو افصے سے بنو مالک اور بنو اسلم (حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کا خاندان) پیدا ہوئے، یہ قبائل مرظہران اور اس کے قرب و جوار میں آباد ہوئے۔

طانجہ کے مشہور بطون و قبائل ضبہ، رباب، تمیم اور مزنیہ (بجیر و کعب مداح رسول رم و معقل ابن یسار رضی اللہ عنہم کا خاندان) ہیں، چھوٹے بطون میں صوفہ اور محارب وغیرہ کا ر ہے، پھر تمیم کی شاخیں، بنو حارث، بنو اسید (حضرت ہند بن زرارہ صحابی اور حنظلہ بن ع کاتب نبوی رضی اللہ عنہم کا خاندان) بنو مالک اور بنو سعد وغیرہ ہیں، یہ سب عراق اور نجد میں ، تھے۔

مدرکہ کے مشہور قبائل ہذیل، قارہ، اسد اور کنانہ ہیں، پھر بنو اسد سے بنو غنم (ام نین حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کا خاندان) بنو ثعلبہ وغیرہ نکلے، یہ بھی

Marfat.com

اضلاع نجد میں آباد تھے' کنانہ سے بنوعبد' مناۃ' بنو مالک اور بنونضر تھے' بنوعبد مناۃ سے بنو بکر' بنومرہ' بنو حارث اور بنو عامر تھے' بنو بکر سے بنولیث (ابوواقد اور قیس بن شداخ رضی اللہ عنہم کا خاندان) بنوسعد (عبدہ بن سعد کا خاندان) بنو جزع وغیرہ پیدا ہوئے۔

بطون قیس عیلان:

بنوخندف کی طرح بنوقیس سے بھی بطون وشعوب کا وسیع سلسلہ پھیلا' قیس عیلان کے تین لڑکے تھے' عمرو' کعب اور حفصہ، ان تینوں سے الگ سلسلے چلے۔

بنوعمرو کے بطون بنوفہم' بنوعدوان وغیرہ ہیں' ان دونوں کی اولادیں طائف اور نجد میں بستی تھیں۔

بنوسعد کے مشہور قبائل غنی' باہلہ' غطفان' مرہ' پھر غطفان سے بنوعبس' بنو ذبیان' بنو اشجع' (خاندان حضرت معقل بن سنان رضی اللہ عنہ) پھر بنوعبس سے بنو حارث (خاندانِ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما) اور ذبیان سے بنوثعلبہ' بنومرہ (خاندانِ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ)۔

بنوحفصہ بن قیس کے دو بڑے بطن بنوسلیم اور بنوہوازن مستقل صدہا بطون کا منبع تھے' بنو مازن (خاندانِ عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ) بھی بنوحفصہ کا ایک بطن تھا' مگر اس کی مستقل ہستی نہ تھی بلکہ سلیم اور ہوازن کے تحت میں تھا۔

بنوسلیم کے بطون بنو ذکوان' بنوعبس (خاندان حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ) بنوثعلبہ' بنوبھز (خاندان حضرت حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ) بنوزغبہ' بنوعوف' بنوسلیم' ان میں سے کچھ نجد کے بالائی حصہ میں آباد تھے' کچھ خیبر کے اطراف میں۔ اس کے علاوہ افریقہ میں ان کی بڑی تعداد تھی۔

بنوہوازن کے مشہور قبائل بنومعاویہ' بنومنبہ' بنوسعد (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رضاعی تعلق اس خاندان سے تھا) پھر بنومنبہ سے بنوثقیف' بنوجشم' بنوسعد وغیرہ ہیں' یہ سب کے سب طائف میں آباد تھے اور بنومعاویہ سے بنونضر' بنوجشم' بنوسلول' بنومرہ' بنوعامر وغیرہ تھے' ان میں بھی شاخ در شاخ ہو کر صدہا بطون نکلے۔

Marfat.com

قبائل کی تقسیم میں بعض خانوادوں کی کسی قدر تفصیل کر دی گئی ہے اور بعض میں صرف مورث اعلیٰ کی طرف تمام شاخوں کو منسوب کر دیا گیا ہے اور شاخ در شاخ کی تفصیل نہیں کی گئی ہے اور نہ درمیانی واسطوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

عدنان کی حکومتیں:

بنی عدنان نجد' حجاز اور تہامہ میں آباد تھے اور ابتداً سب بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے' جہاں شاداب مرغزار اور پانی کے چشمے ملتے' وہیں خیمہ زن ہو جاتے۔ اونٹ اور بکریوں کے گلے ان کا ذریعہ معاش تھے' ایک عرصہ تک اسی حالت میں رہے' مگر عدنان کی چوتھی پشت کے بعد اس کی اولاد میں اس قدر کثرت ہوئی کہ قدیم اقامت گاہیں ان کے لئے کافی نہ ہوسکیں' چنانچہ عدنان کی پانچویں شاخیں اپنے اپنے مستقر سے نکل کر تمام اطراف میں پھیل گئیں' ان میں سے ربیعہ' قضاعہ اور مضر نے بڑا دنیاوی اعزاز حاصل کیا' متعدد بڑی بڑی حکومتیں اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کیں' جو صدیوں تک بڑی شان و شوکت سے چلتی رہیں' چنانچہ بنو قضاعہ کی حکومتیں حجاز سے لے کر شام اور عراق تک پھیلی ہوئی تھیں[1] اور اور ان کے حکمران قبائل میں تنوخ اور سلیم نے بڑا جاہ و جلال حاصل کیا اور دونوں یکے بعد دیگرے شام کے تختِ حکومت پر بیٹھے[2] شام کی سلطنت کے علاوہ تبوک اور دومۃ الجندل میں بھی ان کی ریاستیں تھیں[3] بنو قضاعہ کی طرح اگرچہ ربیعہ کی کوئی باقاعدہ سلطنت نہ تھی' تاہم ان کی سیادت اور ان کا اقتدار تمام قبائل میں مسلم تھا' چنانچہ یہ اظہار سیادت اور تفوق کے لئے اپنا ایک شعار مخصوص کر لیتے تھے' جو تمام قبائل کے لئے واجب التسلیم ہوتا تھا اور کوئی قبیلہ اس کی مخالفت کی جرأت نہیں کر سکتا تھا' حتیٰ کہ اس کی ادنیٰ مخالفت ہی اعلانِ جنگ تصور کی جاتی تھی[4]۔ آل مضر میں بکر و تغلب کی ریاستیں حجاز میں تھیں اور بنو عامر کی حکومت عراق میں تھی[5]۔ ان کے علاوہ نجد میں کندہ نے بڑی شاندار حکومت

---

[1] ابن خلدون جلد ۲ ص ۲۴۹ [2] ایضاً [3] ایضاً

[4] ابن اثیر جلد ا صفحہ ۳۸۴ [5] ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۳۰۰

Marfat.com

قائم کی' اگر چہ علمائے انساب کندہ کو حمیر کی شاخ بتاتے ہیں' مگر قیاسات و قرائن کی رو سے نسباً وہ عدنانی ہیں' اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ مشہور شاعر امراء القیس کندہ کا آخری شہزادہ فصیح عدنانی زبان میں شاعری کرتا تھا اور اس کے کلام میں حمیری زبان کی جھلک تک نہ تھی' اس لسانی استدلال کے علاوہ وہ خود عدنانی ہونے کا مدعی تھا' چنانچہ اپنے باپ کے مرثیہ میں کہتا ہے[1]۔

حمیر معد خباو نائلا وجرهم قدعلموا شمائلا

دوسرے موقعہ پر اپنی مدح میں کہتا ہے:

وأنا الذى عرفت معد فضله

اس کے برخلاف حمیر کا بھی متعدد اشعار میں ذکر کیا ہے' مگر کہیں ہم نسبی کا دعویٰ نہیں کیا۔

عدنان کی تجارت:

اگر چہ قریش کے علاوہ تمام عدنانی بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے' تاہم عام عربوں کی طرح ان کا مخصوص پیشہ تجارت تھا' مقامی خرید و فروخت کے علاوہ ملکوں ملکوں پھر کر بھی بیوپار کرتے تھے' چنانچہ بخت نصر کے مشہور حملہ کے وقت جس میں عدنان کام آیا' عدنانی کاروانِ تجارت اس کے حدودِ سلطنت میں موجود تھے اور بخت نصر نے پہلے ان ہی کو گرفتار کرایا تھا[2]۔

آلِ عدنان کا مذہب:

دنیا کے سب سے بڑے موحد خلیل بت شکن نے دنیا کے سامنے ایک ایسا دین حنیف پیش کیا تھا' جو شرک و بدعات کی آمیزش سے یکسر پاک تھا اور خانہ کعبہ کی بنیاد توحید خالص پر رکھی تھی' تاکہ آستانوں پر جھکنے والی گردنیں صرف ایک خدائے قدوس کے عتبہ توحید پر ناصیہ سائی کریں۔

---

[1] ارض القرآن' جلد ۲ صفحہ ۱۰۸

[2] ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۲۳۷

Marfat.com

﴿ وَاِذْ بَوَّأْنَا لِاِبْرَاهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ، وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴾ (حج : ٤)

''اور جب ہم نے خانہ کعبہ کے مقام میں ابراہیم کو ٹھکانا دیا' تو کہا کہ میرا شریک نہ ٹھہرانا اور میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں' نماز میں کھڑے ہونے والوں' رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک وصاف کرنا اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دے' وہ تیرے پاس پیادہ اور سفر سے دبلی ہو جانے والی سواریوں پر دور دراز راستہ سے آئیں''۔

مگر چند ہی پشتوں کے بعد دین ابراہیم کے شفاف آئینہ میں شرک و بدعات کا زنگ لگ گیا' اور اس نسل میں عمرو بن لحی ایک شخص پیدا ہوا' جس نے مکہ میں بت پرستی رائج کی اور خانہ کعبہ میں متعدد بت لا کر نصب کئے[1] چونکہ خانہ کعبہ تمام عربوں کا مذہبی مرکز تھا اور تمام اکنافِ عرب کے لوگ یہاں موسمِ حج میں جمع ہوتے تھے اور عمرو بن لحی نے بت بھی اسی قلبِ توحید میں نصب کیے تھے' اس لئے بہت جلد آلِ عدنان نے بت پرستی قبول کر لی اور چند ہی دنوں میں یہ وبا تمام عرب میں پھیل گئی' اس کی تفصیل آئندہ قریش کے حالات میں آئے گی' بت پرستی کے علاوہ عدنانیوں میں یہودیت' نصرانیت اور مجوسیت کا اثر بھی جا بجا موجود تھا' چنانچہ قضاعہ اور ربیعہ میں نصرانیت کا اثر غالب تھا' بنی کنانہ میں یہودیت کے اثرات موجود تھے' تمیم میں مجوسیت کی جھلک پائی جاتی تھی' تمیم اور کنانہ دونوں میں کچھ لوگ ستارہ پرستی کی طرف مائل تھے[2] کچھ لوگ عقلی پروازی کی آخری حد الحاد تک پرواز کر چکے تھے' اُن ہی کے متعلق قرآن میں آیا ہے:

﴿ وَقَالُوْا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ﴾ (جاثیہ ع ۳)

''اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے' بس یہی ہماری دنیاوی زندگی ہے اور ہم

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ۴۷ [2] طبقات الامم اندلسی صفحہ ۴۳

Marfat.com

مرتے ہیں اور جیتے ہیں' اور ہم کو صرف زمانہ ہی مارتا ہے''۔[1]

اگرچہ تمام مذکورہ مذاہب کا اثر آلِ عدنان میں پایا جاتا تھا' مگر خال خال' اور نہ ان کا عام مذہب بگڑا ہوا دین ابراہیمی تھا۔

ایام عدنان:

آلِ عدنان میں صدہا خونریز جنگیں ہوئیں اور ادنیٰ ادنیٰ سی باتوں پر صدیوں تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا' اگر اسلام نے آ کر ان میں اخوت اور مساوات کی بنیاد نہ رکھی ہوتی' تو عجب نہیں کہ یہ قوم صفحہ ہستی سے نابود ہوتی' یہ لڑائیاں ایام عرب کے نام سے مشہور ہیں اور دو قسم کی ہیں' ایک وہ لڑائیں ہیں جو آل عدنان اور دوسری نسل سے ہوئیں اور دوسری خود عدنان کی خانہ جنگیاں ہیں۔

آل عدنان کی لڑائیاں دوسری نسل والوں کے ساتھ:

عدنانیوں میں خانہ جنگیوں کے علاوہ کے علاوہ دوسری متعدد جنگیں بھی ہوئیں' جن میں یوم بیضاء' یوم خزار' یوم صفقہ یا یوم مشقر' یوم کلاب ثانی' یوم ذی قار' زیادہ مشہور ہیں۔ یوم بیضاء بنو مذحج یمنی اور بنو معد عدنانی کے درمیان ہوئی تھی جس میں یمن والوں نے بہت سخت ہزیمت اٹھائی تھی' جنگ خزار بھی بنو معد عدنانی اور یمنیوں کے درمیان ہوئی' اس میں بھی عدنانی غالب رہے' جنگ صفقہ یا مشقر فارس اور تمیم عدنانی میں ہوئی' اس میں اہل فارس نے تمیم کے بہت آدمی دھوکے سے قتل کر ڈالے' جنگ کلاب ثانی بنو مذحج اور تمیم کے درمیان ہوئی' اس میں تمیم غالب رہے' یوم ذی قار عرب اور عجم کی عظیم الشان جنگ تھی' اس میں عجمیوں نے بہت بری طرح شکست کھائی' اس جنگ کے متعلق عربوں میں یہ مثل مشہور ہے کہ ھذا اول یوم انتصرت العرب علی العجم یعنی پہلا دن تھا' جس میں عرب عجم پر غالب ہوئے۔[2]

---

1. یعقوبی جلد اصفحہ ۲۹۴

2. ابن اثیر ایام عرب

83877

Marfat.com

عدنان کی خانہ جنگیاں:

عدنانی قبائل میں بے شمار خانہ جنگیاں ہوئیں' جن کا استقصا مشکل اور بے سود بھی ہے' اس لئے ہم صرف چند مشہور مشہور لڑائیوں کے مختصر تذکرہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

ایام بکر وتغلب:

ایامِ عرب میں بکر وتغلب کی لڑائیاں بہت شہرت رکھتی ہیں' اِس کی ابتدا ایک معمولی واقعہ ہے اور چالیس سال تک اس کا سلسلہ برابر قائم رہا' یہ لڑائیاں حرب بسوس کے نام سے بھی مشہور ہیں' اس میں پانچ لڑائیاں بہت زیادہ شہرت رکھتی ہیں یوم عنیزہ' یوم واردات' یوحم حنو' یوم قصیبات' یوم قضہ پہلی میں طرفین برابر رہے' دوسری میں تغلب پر بنو بکر غالب رہے' تیسری میں بکر تغلب پر فتحیاب ہوئے' چوتھی میں بکر نے بڑی زبردست ہزیمت اٹھائی' اس کے علاوہ جنگ نقیع جنگ فصیل متعدد چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں۔[1]

یوم عبس وذبیان:

عبس وذبیان کی لڑائیاں داحس وغبراء کے نام سے مشہور ہیں' داحس اور غبراء دو گھوڑے تھے' ان ہی کا مقابلہ بنائے فساد ہوا اور اس سلسلہ میں متعدد لڑائیاں ہوئیں' جن میں یوم عراعر' یوم ہباہ' یوم بوار' یوم جرار' یوم غرق' وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔[2]

ایام ربیعہ ومضر:

بنو تمیم مضری اور بنو بکر ربیعی میں بہت لڑائیاں ہوئیں' مشہور لڑائیوں کے نام یہ ہیں' یوم نباج' یوم ذبختل' یوم ذی طلوح' یوم جدود' یوم آباذ' یوم غبیط' یوم شقیقہ' ان لڑائیوں میں بنو بکر بنو تمیم پر غالب رہے' یوم فلج' یوم وقیط' یوم زورین' یوم نعف قشادہ' یوم مبائض' یوم شیطین' ان میں بنو بکر نے شکست کھائی اور بنو تمیم فتح یاب ہوئے' ان لڑائیوں کے علاوہ متعدد چھوٹی چھوٹی لڑائیاں' یوم ذی قار' یوم ساہوق' یوم اہباذ' یوم القیعہ وغیرہ ہوئیں۔[3]

---

1. ابن اثیر صفحہ ۳۸۴ تا ۳۹۷
2. تفصیل کے لیے دیکھو ابن اثیر صفحہ ۴۲۰ تا ۴۳۴
3. ایام عرب ابن اثیر جلد ا

Marfat.com

ایام بنو عامر:

بنو عامر قیس عیلان کی شاخ ہوازن کا بہت مشہور قبیلہ تھا اور قبائل عرب میں ممتاز درجہ رکھتا تھا' مضری قبائل سے اس کی متعدد لڑائیاں ہوئیں' جن میں مشہور لڑائیوں کے نام یہ ہیں' یوم شعب جبلہ' یوم ذی نجب' یوم نسار' یوم جفار' یوم مروت' یوم رقم' یوم شعب جبلہ اور ذی نجب' بنو عامر اور بنو تمیم میں ہوئی' پہلی میں عامر غالب رہے' دوسری میں تمیم[1]' یوم نسار اور جفار کا معرکہ بھی ان ہی دونوں میں ہوا' اس میں بنو عامر اگرچہ ثابت قدم رہے تاہم ان کا بہت نقصان ہوا[2]' یوم مروت معمولی جھڑپ تھی' جنگ رقم بنو عامر اور غطفان میں ہوئی اور غطفان غالب رہے۔[3]

دیگر ایام مشہورہ:

یوم اباغ منذر بن ماء السماء تغلبی اور حارث غسانی کے درمیان ہوئی[4] یوم کلاب اول ایام عرب میں بہت مشہور ہے' یہ باہم حارث کندی کی اولاد میں ہوئی' جس میں معد کے بھی متعدد قبائل شریک تھے[5] یوم رحرحان' اس جنگ میں بنو تمیم' بنو عامر' بنو عبس اور بنو ہوازن وغیرہ سب شریک تھے[6] یوم ادارة الاوّل بنو منذر بن امراء القیس اور بنو بکر بن وائل میں ہوئی۔[7]

---

[1] ابن اثیر ج ۱ صفحہ ۴۳۵

[2] ایضاً صفحہ ۴۶۳

[3] ایضاً صفحہ ۴۸۲

[4] ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۳۹۸

[5] ایضاً صفحہ ۳۰۶

[6] ایضاً صفحہ ۴۰۹

[7] ایضاً صفحہ ۴۰۸

Marfat.com

دورِ سوم:

قریش

مہاجرین کی اصل تاریخ فرد قریش سے شروع ہوتی ہے' کیونکہ ان کی بڑی تعداد اسی کی نسل سے تھی' اس خاندان کا بانی فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ ہے'' قریش'' فہر کے مورث اعلیٰ نضر کا خطاب تھا' مگر چونکہ اس کی نسل میں صرف فہر ہی سے سلسلہ پھیلا' اس لئے یہ خطاب بھی فہر کی طرف منتقل ہو گیا اور بنو فہر سب کے سب قریش کہلانے لگے' بنو نضر تجارت پیشہ تھے اور'' تقرش'' تجارت کے معنوں میں آتا ہے' اس لئے بنو نضر کا نام قریش پڑ گیا' اس کے علاوہ قریش ایک بڑی قسم کی مچھلی ہے جو تمام دریائی جانوروں کو کھا جاتی ہے' لہٰذا قوت وغلبہ کے اظہار کے لئے اپنے کو قریش کہنے لگے۔[1]

قبائل قریش اور ان کے مشاہیر[2]:

قریش کے عام حالات معلوم کرنے کے قبل ان کے قبائل کی تقسیم سمجھ لینی چاہیے قریش ایک خاندان کا نام نہیں' بلکہ چھوٹے چھوٹے دس خانوادوں پر مشتمل ہے' جو سب کے سب فہر کی نسل سے نکلے' فہر کے تین لڑکے تھے' محارب' حارث' غالب' محارب اور حارث کی نسل زیادہ نہ پھیلی' تاہم بعض اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور نامورانِ اسلام اس سے تعلق رکھتے تھے' چنانچہ ضحاک بن قیس' ضرار بن خطاب کرز بن جابر رضی اللہ عنہم وغیرہ بنو محارب تھے۔

عشرہ مبشرہ میں ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ' ان کے علاوہ عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ فاتح افریقہ بانی شہر قیروان اور عبدالملک بن قطبی والی اندلس وغیرہ بنو حارث سے تھے۔

البتہ غالب کی اولاد بہت پھلی پھولی' قریش کے دسوں خانوادے اس کی نسل سے تھے' بنو ہاشم' بنو امیہ' بنو نوفل' بنو عبدالدار' بنو اسد' بنو تیم' بنو مخزوم' بنو عدی' بنو جمح' بنو سہم۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۳۲۴، وروض الانف جلد اصفحہ ۷۰

[2] قبائل قریش کی تقسیم ابن خلدون جلد ۲، از صفحہ ۳۲۴' تا ۳۳۰ سے ماخوذ ہے۔

Marfat.com

مشاہیر قریش:

بنو امیہ: خاندانِ سلاطین بنو امیہ دمشق و اندلس' ابوسفیان' امیر معاویہ' حضرت عثمان' ام المومنین ام حبیبہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

بنو عدی: خاندان حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، سعید بن زید رضی اللہ عنہ' جو عشرہ مبشرہ سے ایک تھے۔

بنو تیم: خاندان حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، عمر بن عبداللہ بن جدعان وغیرہم۔

بنی عبد دار: حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ' مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ۔

بنی اسد: زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ' ورقہ بن نوفل' ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا وغیرہ۔

بنو مخزوم: خالد بن ولید رضی اللہ عنہ' عیاش بن ابی ربیعہ' ابوجہل' ابوسلمہ رضی اللہ عنہ' ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا۔

بنو جمح: صفوان بن امیہ' ابومحذورہ موذن نبی صلی اللہ علیہ وسلم' عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ۔

بنو سہم: عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر۔

بنو ہاشم: خاندانِ رسالت' عباس رضی اللہ عنہ' حمزہ رضی اللہ عنہ' مطلب' حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

قریش کے ان چند مشہور خانوادوں کے علاوہ کچھ اور چھوٹے گھرانے تھے' جن کو ان ہی کی شاخ سمجھنا چاہئے۔

بنو زہرہ: خاندان امیہ' عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ' وسعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔

بنو عبدالعزیٰ: خاندان ابوالعاص رضی اللہ عنہ داماد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔

بنو جب: خاندان عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ والی عراق۔

بنو امیہ اصغر: قریش کے مذکورہ خانوادے طرز زندگی کے اعتبار سے دو قسم کے تھے' قریش الظواہر اور قریش البطائح' قریش ظواہر' قریش کے وہ قبائل کہلاتے تھے' جو عام بدویوں کی طرح خانہ بدوش زندگی بسر کرتے تھے۔

قریش البطائح وہ کہلاتے تھے جو مکہ میں آباد تھے اور متمدن زندگی بسر کرتے

Marfat.com

تھے، تفصیل یہ ہے۔

طواہر	بطائح
بنو قصی بن کلاب	بنو محارب
بنو کعب بن لوی	بنو تمیم الادرم
	بنو خزیمہ بن لوی
	بنو سعد
	بنو حارث

ایام قریش

عام عربوں کی طرح قریش بھی سخت جنگجو تھے' بات بات پر تلوار بن نکل آتی تھیں' ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر قتل و غارت کا ہنگامہ برپا ہو جاتا تھا' ان کی مشہور لڑائیوں میں سے بعض یہ ہیں۔

یوم فجار اوّل:

یہ لڑائی قریش کنانہ اور قیس عیلان کے درمیان ہوئی' اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ایک کنانی بنو نضر (قیس عیلان) کے قبیلہ کے ایک شخص کا قرض دار تھا' مگر تنگدستی کی وجہ سے اس کو ادا نہ کر سکتا تھا' نضری قرض خواہ ایک بندر کو بازار عکاظ میں لے کر آیا' اور کنانی کو ذلیل کرنے کے خیال سے کہا کہ اس بندر کو کنانی قرض دار کی رقم سے مساوی قیمت پر کون خریدتا ہے' اتفاق سے ایک کنانی ادھر سے گزر رہا تھا' اس نے سن لیا اور غصہ میں بندر پر ایسی تلوار لگائی کہ وہیں ٹھنڈا ہو کر رہ گیا' نضری شخص نے بنو قیس سے فریاد کی اور کنانی نے اپنے قبیلہ سے مدد مانگی' طرفین کے آدمی جمع ہوئے مگر جنگ کی نوبت نہیں آئی اور آپس میں صلح ہوگئی' یہ واقعہ متعدد صورتوں سے بیان کیا جاتا ہے' مگر نتیجہ سب کا صلح ہے۔ (ابن اثیر ج ا ص ۴۳۹)

Marfat.com

یوم فجار ثانی:

حرب فجار عرب کی سب سے بڑی اور مشہور جنگ ہے' جو عام فیل کے بیس سال بعد ہوئی' اس کا واقعہ یہ ہے' کہ براض قبیلہ کنانہ کا ایک شخص تھا' اس کے قبیلہ والوں نے اس کو نکال دیا یہ اپنے قبیلہ سے نکل کر نعمان بن منذر کے یہاں آیا' نعمان بن منذر تجارت پیشہ تھا اور ہر سال کچھ نہ کچھ مال بازار عکاظ وغیرہ میں بغرض فروخت بھیجا کرتا تھا' عکاظ کے میلہ کا زمانہ آیا' تو براض نعمان کے یہاں موجود تھا' اتفاق سے عروہ رحال بھی وہیں موجود تھا' یہ شخص سلاطین اور امراء کے درباروں میں بہت آیا جایا کرتا تھا' نعمان نے کہا: میں کچھ سامان عکاظ بھیجنا چاہتا ہوں' تم میں سے کون شخص ذمہ داری لیتا ہے' عروہ اور براض دونوں نے اس خدمت کے لئے اپنے کو پیش کیا اور اس مسابقت میں سخت کلامی کی نوبت آ گئی مگر چونکہ عروہ زیادہ تجربہ کار تھا' اس لئے نعمان نے یہ خدمت اسی کے سپرد کی' جب عروہ مال لے کر نکلا' تو براض بھی بدلہ لینے کے لئے اس کے پیچھے ہو لیا اور موقعہ پا کر اس کو قتل کر کے سامان پر قبضہ کر لیا' جب عروہ کے قتل کی خبر مشہور ہوئی' تو قبیلہ قیس کے کچھ لوگ براض سے بدلہ لینے کو نکلے' مگر براض نے ان کو بھی دھوکے سے قتل کر دیا اور مکہ کی طرف روانہ ہو گیا اور امیہ بن حرب سے کہلا دیا کہ میں نے عروہ کو قتل کیا ہے' بنو قیس اس کا بدلہ ضرور لیں گے اس لئے پہلے سے تیار رہنا چاہئے' امیہ کو یہ پیام عکاظ میں ملا' اس نے تمام روسائے قریش کو خبر دی اور پھر باہمی مشورہ سے عامر بن مالک سردارِ بنو قیس کے پاس ایک وفد مصالحت بھیجا' ابھی طرفین میں صلح کی گفت وشنید ہو ہی رہی تھی کہ قریش کے کچھ لوگوں کو یہ غلط خبر ملی کہ قریش اور بنو قیس میں جنگ ہوا چاہتی ہے۔ قریش یہ سن کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے' عامر بن مالک کو جب قریش کی روانگی کی خبر ہوئی تو سمجھا کہ قریش نے دھوکا دیا' اس لئے ایک جمعیت لے کر قریش کا تعاقب کیا' مکہ کے قریب مقابلہ ہوا' قریش کے پاؤں اکھڑنے ہی کو تھے کہ بڑھ کر حرم میں داخل ہو گئے اور بنو قیس واپس ہو گئے' مگر یہ کہتے ہوئے گئے کہ آئندہ سال عکاظ میں ہمارا تمہارا مقابلہ ہوگا۔ چنانچہ سال بھر میں دونوں نے پھر تیاری کی اور حسب وعدہ عکاظ میں سخت مقابلہ ہوا' ابتداً قریش پسپا ہو رہے

Marfat.com

تھے' لیکن ان کے عزم و ثبات نے جنگ کا رُخ بدل دیا اور بنو قیس نے سخت ہزیمت اٹھائی آخر میں اس شرط پر صلح ہو گئی کہ طرفین کے مقتولین شمار کئے جائیں' جن کے زیادہ ہوں' بقدر زیادتی دوسرا اس کی دیت ادا کرے' اس جنگ میں آنحضرت ﷺ بھی شریک تھے اور آپ کا سن مبارک بیس سال کا تھا۔[1]

واقعہ فیل:

اصحاب فیل کا واقعہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے چالیس سال قبل ہوا' اس موقعہ پر بھی بڑی ہولناک جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی' اس کا واقعہ یہ ہے کہ یمن کے عیسائی حبشی بادشاہ ابرہہ اشرم نے یمن میں ایک عظیم الشان کنیسہ تیار کرایا اور نجاشی اور قیصر روم کو لکھا کہ میں نے ایک بے مثل کنیسہ تعمیر کرایا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ خانہ کعبہ کے حجاج کو اس طرف پھیر لوں' عربوں نے سنا تو بہت برافروختہ ہوئے اور اسی حالتِ غضب میں ایک کنانی نے کینسہ میں نجاست ڈال دی' ابرہہ کو اس حرکت کی خبر ہوئی تو اس کے بدلہ میں خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لئے چلا' مکہ کے پاس پہنچ کر لوٹ مار شروع کر دی قریش اور کنانہ کو معلوم ہوا تو مقابلہ کا ارادہ کیا' مگر پھر مشورہ سے طے ہوا کہ چند قریش ابرہہ کی ٹڈی دل فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے' اس لئے خاموش ہو رہے' مکہ کے سردار اس وقت عبدالمطلب تھے' اس لئے ابرہہ نے ان کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم صرف خانہ کعبہ کو ڈھانے کے ارادہ سے آئے ہیں' اگر تم اس میں کسی قسم کا تعرض نہ کرو' تو خواہ مخواہ ہم کو تم سے لڑنے کی ضرورت نہیں ہے[2] عبدالمطلب خود گئے اور جا کر کہا کہ ہم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ تمہارا مقابلہ کر سکیں' خدا خود اپنے گھر کا محافظ ہے۔ اگر اس کو اپنی حرمت کا پاس ہوگا' تو خود ہی بچا لے گا' چنانچہ اس گفتگو کے بعد عبدالمطلب واپس آئے اور قریش کو محفوظ مقامات میں بھیج دیا اور خود مع چند قریش کے خانہ کعبہ کی زنجیر پکڑ کر نہایت رقت انگیز دعائیں مانگیں اور

---

[1] ابن اثیر جلد ا، ص ۴۴۰، ۴۴۴ [2] سیرۃ ابن ہشام' ص ۳۰' ۳۵

Marfat.com

چلے گئے، جب ابرہہ نے حملہ کیا، تو خدا نے اپنے گھر کو اس کے شر سے بچالیا[1] اور اس کی فوج پر آفت آئی، سپاہیوں میں چیچک کی بیماری پھیلی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر پرندوں کا جھنڈ بھیجا۔

ایک جنگ:

قریش، کنانہ، خزاعہ اور قضاعہ میں تولیت حرم کے بارہ میں دو لڑائیاں ہوئیں، تفصیل یہ ہے کہ قصی جب مکہ میں آیا، تو حرم کے متولی بنوصوفہ تھے، قصی چند کنانی اور قضاعی اشخاص کے ساتھ عقبہ گیا اور بنوصوفہ سے کہا کہ تولیتِ حرم کے ہم تم سے زیادہ حقدار ہیں، مگر انھوں نے انکار کردیا، جس پر طرفین میں جنگ ہوئی اور بنوصوفہ نے شکست کھائی، بنوخزاعہ نے جب یہ دیکھا، تو ان کو یقین ہوگیا کہ قصی عنقریب صوفہ کی طرح ان کے اختیارات بھی سلب کر کے ان کو حرم سے الگ کردے گا، اس لئے بنوبکر کو لے کر قصی سے علیحدہ ہوگئے اور چاہا کہ لڑکر قصی کو الگ کردیں، قریش کے معاون قضاعہ اور کنانہ تھے، غرضکہ دونوں میں سخت جنگ ہوئی، فریقین کے ہزاروں آدمی کام آئے، جب دونوں خوب لڑکر تھک گئے، تو معمر بن عوف کنانی کو حکم بنایا اس نے فیصلہ کیا کہ متولی قصی کو تسلیم کیا جائے اور وہ اپنے مقتولین کا معاوضہ نہ لے اور بنوبکر و خزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کرے، اس پر طرفین راضی ہوگئے۔[2]

یوم ذات نکیف:

چونکہ قصی بنوبکر کو خانہ کعبہ کی تولیت سے بے دخل کر کے خود متولی ہوگیا تھا، اس لئے قبیلہ بنوبکر میں قریش کے خلاف ہمیشہ رشک و رقابت کی آگ سلگتی رہی، مگر کوئی موقعہ نہ ملا آخرکار عبدالمطلب کے زمانہ میں دفعتہً یہ آگ بھڑک گئی، چنانچہ انھوں نے ارادہ کرلیا کہ کسی نہ کسی طرح لڑ بھڑ کر قریش کو حرم سے نکال دیں اور جنگ کی تیاریاں شروع کردیں،

---

1. سیرۃ ابن ہشام ص ۳۰ تا ۳۵

2. طبری ص ۱۰۹۶ تا ۱۰۹۷

Marfat.com

ادھر قریش بھی مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گئے' عبدالمطلب نے بنو ہون' بنو حارث' اور بنو مطلق کو جمع کر لیا اور ذات نکیف میں دونوں کا مقابلہ ہوا' بنو بکر بری طرح مغلوب ہوئے اوران کے بہت سے آدمی مارے گئے۔[1]

خانہ کعبہ کی مرمت:

خانہ کعبہ کی مرمت کے موقعہ پر بھی ایک خونریز جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی اس کا واقعہ یہ ہے کہ خانہ کعبہ کی عمارت امتدادِ زمانہ سے بہت کمزور ہو گئی تھی' دیواریں پست تھیں۔ چھت گر گئی تھی۔ اس لئے قریش نے اس کو منہدم کر کے از سر نو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا اور اس قدر اہتمام کیا تھا کہ ناجائز مال سے ایک حبہ بھی نہیں لگایا' جب دیواریں اس قدر بلند ہو گئیں کہ حجر اسود نصب کیا جائے تو قبائل قریش میں سخت اختلاف ہوا کہ اس کا شرف کس کو حاصل ہو' یہ اختلاف اس حد تک بڑھ گیا کہ بنو عبد دار اور بنو عدی نے موت کا حلف لے لیا' چار دن اس کشمکش میں گزرے' آخر میں یہ طے پایا کہ صبح سویرے جو شخص سب سے پہلے مسجد میں داخل ہو' وہ حکم مانا جائے' حسن اتفاق سے دوسرے دن سب سے پہلے آنحضرت ﷺ داخل ہوئے' سب نے باتفاق آپ کو حکم مان لیا' ابھی تک آنحضرت ﷺ اس سے بے خبر تھے' آپ کو اطلاع دی گئی تو آپ نے رفع شر کی بہترین صورت یہ نکالی کہ ایک چادر پھیلا کر حجر اسود کو اس میں رکھ دیا اور فرمایا کہ ہر قبیلہ کا ایک شخص چادر کا ایک ایک کونہ پکڑ کر اٹھائے' غرضکہ اس عاقلانہ تدبیر سے یہ فتنہ عظیم رک گیا۔[2]

قریش کی سیاسی خودمختاری

مکہ چونکہ حجاز میں تھا' اس لئے وہ عرب کے دوسرے صوبوں کی بہ نسبت زیادہ سیاسی اہمیت رکھتا تھا' اور اہمیت کی وجہ سے قدرۃً آس پاس کے حکمرانوں کی نظریں اس

---

1. ابن اثیر جلد ا ص ۴۳۸
2. سیرۃ ابن ہشام

Marfat.com

طرف اٹھتی تھیں' چنانچہ عجمی سلطنتوں میں روم اور ایران نے اور عربوں میں حمیری اور حبشی حکومتوں نے بارہا حجاز کو لینا چاہا' مگر ہمیشہ ناکام رہیں' یہاں تک کہ بعض محققین نے مکہ کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ مکہ ''تبکک'' سے مشتق ہے' جس کے معنی میں نخوت اور غرور توڑنا اور سرکشوں کی گردن جھکانا چونکہ مکہ کی تسخیر میں بڑے بڑے جبابرہ کی گردنیں جھک جاتی تھیں' اس لئے اس کو مکہ کہنے لگے[1] بہرحال مکہ اغیار کی دست برد سے ہمیشہ بچتا رہا' حتیٰ کہ وہاں خود عربوں کی حکومت بھی نہ قائم ہوسکی' اسی آزادی کا یہ نتیجہ تھا' کہ مکہ کے آس پاس بسنے والے قبائل میں کوئی باقاعدہ نظام حکومت قائم نہ تھا' بلکہ عام غیر متمدن اقوام کی طرح ایک سردار کی ماتحتی میں زندگی بسر کرتے تھے' خاص مکہ میں جہاں بہت کچھ تمدن موجود تھا' کوئی نظام اجتماعی نہ تھا' البتہ ان کا ایک مشترک مرکز خانہ کعبہ تھا' جس کے گرد قبائل جمع ہوسکتے تھے' چنانچہ آئندہ چل کر ان کو منتشر قبائل نے جو کچھ بھی حکومت کی شکل اختیار کی' اس کا دارومدار اسی خانہ کعبہ پر تھا' قبائل کے آزاد پسند طبائع اگرچہ کسی کے تابع فرمان ہونا عار سمجھتے تھے' تاہم متولی کعبہ کا وقار ان کی نگاہوں میں بحیثیت مذہبی پیشوا کے ضرور تھا۔

قصی کا ظہور اور قریش کا اجتماع:

وحشت اور تمدن کی یہی طبعی عمر ہوتی ہے' جس کو ختم کرکے تمدن تباہ ہوتا ہے اور وحشت تمدن کی شکل اختیار کرتی ہے' چنانچہ قریش کی بداوت کا دور ختم ہوا اور تمدن کی بنیاد پڑی' اگرچہ شہر مکہ کے قریش ضرور کچھ متمدن تھے' لیکن عام طور پر ان میں بدویت ہی کا دور تھا' لیکن فہر کی پانچویں پشت میں کلاب بن مرہ کی پشت میں قصی نامی ایک مدبر پیدا ہوا جس نے قریش کی کایا پلٹ دی' قصی ابھی بچہ ہی تھا کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا' ماں نے قبیلہ بنی عذرہ میں شادی کرلی' قصی کی بھی نو ونما وہیں ہوئی' جوان ہوا تو غیور طبیعت نے اجنبیوں میں رہنا گوارا نہ کیا' ماں کی زبانی اپنی خاندانی وجاہت وعظمت کا حال معلوم

---

[1] معجم البلدان جلد ۸ ص ۱۳۴

Marfat.com

کر کے فوراً مکہ کا رخ کیا' دودھیال والوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا' اسی وقت حرم کی ولایت حلیل بن حبشہ خزاعی کے ہاتھ میں تھی' قصی نے حلیل کی لڑکی سے شادی کر لی' جب حلیل مر گیا' تو قصی کو خیال ہوا کہ قریش کے ہوتے بنوخزاعہ کو ولایت حرم کا کیا حق ہے' چنانچہ اس نے قریش و کنانہ کو آمادہ کر کے بنوخزاعہ کو لڑ کر حرم سے نکال دیا' چونکہ قصی سے زیادہ خدمتِ حرم کا اہل و مستحق کوئی دوسرا نہ تھا' اس لئے یہ معزز عہدہ اس کے سپرد ہوا' اس سے فراغت کے بعد قصی نے دیکھا کہ قریش کے تمام قبائل منتشر ہیں' کوئی پہاڑوں پر بسا ہے' کوئی خانہ بدوش ہے' نہ ان میں کوئی نظام ہے اور نہ اصول' جس سے ان کی قوت بالکل ٹوٹی ہوئی ہے' چنانچہ اس نے سب کو پہاڑوں اور صحراؤں سے اکٹھا کر کے' ایک جگہ آباد کیا' اسی لئے اس کو مجمع بھی کہتے ہیں' اب اس اجتماعی زندگی کے لئے ایک ایسی طاقت کی ضرورت تھی' جو اس کو منتظم صورت میں قائم رکھ سکے' اس لئے قصی نے ایک چھوٹی سی جمہوری حکومت قائم کی' جو باہمی مشورہ سے چلتی تھی' اس دن سے قریش کی تاریخ کا نیا دور شروع ہوا اور یہ پہلا دن تھا' جب کہ قریش کو حجاز میں سیاسی اہمیت حاصل ہوئی' تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ قصی پہلا شخص ہے' جس کی اطاعت تمام قبائل قریش نے قبول کی اور وہ خود اس سرزمین کا بادشاہ ہوا۔

قریش کا تمدن

حکومت کی بنیاد ڈالنے کے بعد سب سے پہلا اور اہم کام یہ تھا کہ فوجی اور عدالتی نظام کو علیحدہ علیحدہ منظم صورت میں قائم کیا جائے' چنانچہ فوجی' عدالتی اور مذہبی نظام علیحدہ علیحدہ قائم کئے گئے اور جمہوریت کے اصول کو ہر شعبہ حکومت میں ملحوظ رکھا گیا' چنانچہ تمام شعبوں میں ہر قبیلہ کے اشخاص لیے گئے' ان میں بعض بعض عہدے بہت قدیم تھے' لیکن قصی نے تمام صیغوں کو ترقی دے کر بہت سے نئے عہدے بھی اضافہ کئے' ان صیغوں اور عہدوں کی تقسیم حسب ذیل تھی۔

Marfat.com

نظامِ عسکری:

قریش نے چار فوجی عہدے قائم کئے تھے' عقاب' قبہ' اعنہ' سفارہ'

نام عہدہ	توضیح	نام قبیلہ
عقاب	نشانِ قومی کی علمداری	بنوامیہ
قبہ	فوجی کیمپ کا انتظام اور اس کی دیکھ بھال	بنومخزوم
اعنہ	فوج کی سپہ سالاری	بنومخزوم
سفارت	قبائل اور حکومت کے درمیان مراسلت کرنا	بنوعدی

عدالتی نظام:

اس کے دو شعبے تھے' حکومت واشناق'

نام عہدہ	توضیح	نام قبیلہ
حکومت	مقدمات کی سماعت اور ان کا فیصلہ	بنوسہم
اشناق	جرمانہ' خون بہا اور مالی تاوان کی نگرانی	بنوتیم

نظامِ مذہبی:

قریش چونکہ خانہ کعبہ کے متولی تھے' جہاں حج کے موقعہ پر ہزاروں لاکھوں آدمیوں کا اجتماع ہوتا تھا' اس پر بڑی بڑی جائدادیں وقف تھیں' لاکھوں روپیہ نقد اور جنس کی صورت میں جمع ہوتا تھا' اس بنا پر اس کے لئے نہایت وسیع انتظام کی ضرورت تھی' چنانچہ قریش نے اس کا انتظام بہت وسیع پیمانہ پر کیا تھا اور اس سے زیادہ مکمل ان کا کوئی انتظام نہ تھا' اس لئے چھ عہدے تھے' سقایہ' عمارہ' رفادہ' سدانہ' ایسار' اموال' مجرہ۔ سقایہ اور رفادہ حجاج کے متعلق تھے اور باقی خاص خانہ کعبہ کے متعلق۔

سقایہ: یعنی حج کے موسم میں لاکھوں انسانوں کو پانی پلانا' یہ اہم ذمہ داری بنو ہاشم کے سپرد تھی۔

رفادہ: یعنی حجاج کے خورد ونوش کا انتظام' نادار حجاج کی مالی امداد اور ان کے کھانے

Marfat.com

پینے کی خبر گیری' اس کار خیر کی بنیاد قصی نے ڈالی تھی' ایک دن اس نے تمام قریش کو جمع کر کے تقریر کی کہ برادرانِ قریش حجاجِ بیت اللہ معلوم نہیں کتنی مصیبتیں اٹھا کر بڑی بڑی مسافتیں طے کر کے محض زیارتِ بیت اللہ کی خاطر آتے ہیں اور خدا کے مہمان ہوتے ہیں اور تم اپنے آپ کو ''جار اللہ'' خدا کے پڑوسی کہتے ہو' کیا تمہارا اس قدر بھی فرض نہیں کہ تم ان کی خاطر و مدارات کرو' مفلسوں کو کھانا کھلاؤ' ناداروں کی مالی امداد کرو اور ہر طرح ان کی آسائش کا سامان بہم پہنچاؤ[1] اس تقریر کا قریش پر بہت اثر ہوا اور ہر شخص نے ایک سالانہ رقم مقرر کر دی جو حجاج پر صرف ہوتی تھی[2] اس کا انتظام بنو نوفل کے سپرد تھا۔

عمارہ: چونکہ قریش کی ساری عظمت خانہ کعبہ سے تھی' اس لئے ان کو اس کی نگرانی اور دیکھ بھال میں خاص اہتمام تھا اور اس کے لئے علیحدہ علیحدہ عمارہ قائم کیا تھا' جس کے منتظم بنو ہاشم تھے۔

سدانہ: خانہ کعبہ کی کلید برداری یا دربانی' چونکہ خانہ کعبہ ایک حجرے کی شکل کا تھا اور اس میں بیش قیمت سامان بھی رہتا تھا' اس لئے عموماً بند رہا کرتا تھا' صرف ضرورت کے اوقات میں کھولا جاتا تھا' اس دربانی کا شرف بنو عبدالدار کو حاصل تھا۔

ایسار: خانہ کعبہ میں کچھ تیر رکھے ہوئے تھے' جن سے ضرورت کے وقت استخارہ کیا جاتا تھا' اس استخارہ کی خدمت بنو جمح کے سپرد تھی۔

اموال محجرہ: حجاج و زائرین کعبہ بتوں پر بڑے بڑے چڑھاوے چڑھایا کرتے اور جائدادیں وقف کرتے تھے' اس لئے اوقاف و محاصل کے انتظام کے لئے مخصوص ایک عہدہ قائم تھا' جس کو اموال محجرہ کہتے تھے' اس کی نگرانی بنو سہم کے متعلق تھی۔

ندوہ:

دار الندوہ ایک عمارت تھی' جس کو قصی نے خانہ کعبہ کے بالمقابل تعمیر کیا تھا' اس

---

[1] طبری ص ۱۰۹۶ [2] ایضاً

Marfat.com

میں اہم کاموں کے وقت قریش جمع ہو کر مشورہ وغیرہ کرتے تھے' بلکہ بہت سی تقریبات بھی یہیں انجام پذیر ہوتی تھیں۔

مشورہ:

اگرچہ قریش کا ہر کام پبلک کے مشورہ سے انجام پاتا تھا' تاہم بنو اسد کا قبیلہ مشورہ کے لئے مخصوص تھا بغیر ان سے مشورہ کئے ہوئے کوئی کام نہیں انجام پاتا تھا۔

حلف فضول:

عام نظامِ عدالت کے علاوہ قریش نے انسدادِ مظالم کے لئے ایک خاص انجمن قائم کر رکھی تھی' جس کا محرک ایک واقعہ تھا' وہ یہ کہ بنو زبید کا ایک شخص مکہ میں کچھ مال بغرض فروخت لایا' جس کو عاص ابن وائل نے خرید لیا' مگر اس کی قیمت نہیں ادا کی' وہ بیچارہ قبائل قریش میں فریاد لے کر گیا' مگر عاص ابن وائل کی وجاہت سے اس کی فریادرسی کی کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی' ایک صبح کو جب قریش خانہ کعبہ کے گرد جمع تھے' تو اس تاجر نے چند دردناک اشعار پڑھ کر اپنی بے کسی ظاہر کی زبیر بن عبدالمطلب پر اس کا بہت اثر ہوا اور اس نے بنو ہاشم' بنو زہرہ' بنو تیم بن مرہ کو عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع کیا اور سبھوں نے حلف لے کر عہد کیا کہ جب تک بحر صوفہ میں پانی رواں رہے گا اور جب تک حراء اور ثبیر[1] اپنی جگہ پر قائم رہیں گے' اس وقت تک ہم سب مظلوم کی اعانت کرنا اپنا فرض سمجھیں گے' جب تک ظالم سے مظلوم کا بدلہ نہ لے لیں۔

اس حلف کی بنیاد ایسے پاکیزہ مقاصد کے لئے رکھی گئی تھی کہ آنحضرت ﷺ نے[2] فرمایا کہ

شهدت فی دار عبدالله بن جدعان حلفا لو دعیت به فی الاسلام لاجیب.

''یعنی عبداللہ بن جدعان کے گھر میں' میں ایسے حلف میں شریک ہوا کہ اگر اس

---

1. حراء اور ثبیر پہاڑ کے نام ہیں۔
2. روض الانف جلد ا ص ۹۱

Marfat.com

کی شرکت کی دعوت مجھ کو زمانہ اسلام میں بھی دی جائے تو قبول کرلوں''۔

قریش کا مذہب:

قریش کا مذہب اگرچہ مذہب ابراہیمی تھا' لیکن اصنام پرستی ان میں اس قدر چھا گئی تھی کہ دین حنیف کے تمام خط و خال بالکل دھندلے ہو کر رہ گئے تھے اور ان کا پہچاننا مشکل تھا' مکہ کی پاک اور مقدس سرزمین میں بت پرستی کا سب سے پہلا بانی عمرو بن لحی ہے۔ یہ ایک مرتبہ کسی ضرورت سے شام گیا' وہاں ایک شہر میں لوگوں کو بت پوجتے دیکھا' تو پوچھا کہ ان کو کیوں پوجتے ہو' انھوں نے کہا یہ ہمارے معبود ہیں ہم ان کی پرستش کرتے ہیں' اس کے صلہ میں یہ پانی برساتے ہیں اور ہر قسم کی امداد کرتے ہیں' عمرو بن لحی نے کہا' لاؤ ہم کو بھی دو ہم اپنے یہاں لے جا کر ان کی پرستش کریں گے' لوگوں نے ہبل نامی بت اس کو دے دیا' جس کو لا کر اس نے مکہ میں نصب کیا' اور لوگوں کو اس کی پرستش کی ترغیب دینا شروع کر دی۔[1] اس بڑے بت کے علاوہ عمرو بن لحی نے چند چھوٹے چھوٹے بت بھی خانہ کعبہ کے گرد نصب کر دیئے اور مناۃ کو مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام قدید پر لبِ ساحل نصب کیا تھا[2] غرضکہ یہ وبا عمرو بن لحی نے عام عرب میں پھیلائی' چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا: ''یجر قصبه فی النار[3] ''یعنی اس کی آنتیں آگ میں گھسیٹی جاتی ہیں' قریش بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے اور ان کا بھی عام مذہب یہی بت پرستی تھا' وہ متعدد بتوں کی پوجا کرتے تھے' جن میں بعض تو قریش کے مخصوص بت تھے اور بعض قریش اور دیگر قبائل میں مشترک تھے' چنانچہ اساف و نائلہ چاہ زمزم کے پاس نصب تھے اور قریش کے مخصوص بت تھے اور وہ ان کے پاس قربانی کیا کرتے تھے' ان دونوں بتوں کے متعلق قریش کا یہ اعتقاد تھا کہ یہ قبیلہ بنو جرہم کے مرد و عورت تھے' لیکن بعض گناہوں کے باعث پتھر کے ہو گئے۔[4]

---

[1] سیرۃ ابن ہشام' جلد اص ۴۷ مطبوعہ مصر　[2] معجم البلدان جلد ۸ ص ۱۶۷

[3] روض الانف جلد اص ۶۱' مطبوعہ مصر　[5] سیرۃ ابن ہشام جلد اص ۴۹ مطبوعہ مصر

Marfat.com

لات : بنو ثقیف کا بت تھا' مگر قریش اور کنانہ بھی اس کی پوجا کرتے تھے[1] اس کی تاریخ یہ ہے کہ لات مکہ میں ایک پتھر تھا' جس پر حجاج کے لئے ستو گوندھا جاتا تھا اور اسی نام کا ایک شخص بھی بنی ثقیف میں تھا' وہ مر گیا' تو لوگوں نے کہا کہ وہ مرا نہیں' بلکہ اپنے ہم نام پتھر میں گھس گیا ہے' اس وہم سے اس کی پرستش بھی شروع ہو گئی۔

عزیٰ: بنو غطفان کا بت تھا' مگر قریش بھی اس کی پرستش کرتے تھے اور تبرکاً اسی کے نام پر نام رکھتے تھے' چنانچہ عبدالعزیٰ قریش کا مشہور نام ہے' یہ بت بنی غطفان کے باغ میں نصب تھا' قریش برابر وہاں تحائف لے جاتے تھے اور قربانیاں کرتے تھے۔

مناۃ : بنو خزاعہ اور ہذیل کا بت تھا' مگر قریش لات اور عزیٰ کی طرح پرستش کرتے تھے' چنانچہ طواف کرتے وقت کہا کرتے تھے وَالّاتَ وَالْعُزّٰی وَمَنَاۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی فانھن الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترجی ان تینوں بتوں کو قریش خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور ان کا اعتقاد تھا کہ قیامت کے دن یہ ان کی سفارش کریں گے[3] اس اعتقاد کی تردید قرآن پاک میں ان الفاظ میں آئی ہے:

﴿ اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَہُ الْاُنْثٰی تِلْکَ اِذًا قِسْمَۃٌ ضِیْزٰی اِنْ ھِیَ اِلَّا اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْھَا اَنْتُمْ وَاٰبَاءُکُمْ مَّا اَنْزَلَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ سُلْطٰنٍ ﴾

''کیا تم نے لات اور عزیٰ اور تیسرے بت مناۃ پر نظر کی' کیا تمہارے لیے بیٹے اور خدا کے لیے بیٹیاں ہیں' اگر ایسا ہے تو بڑی غیر منصفانہ تقسیم ہے' یہ تو نام ہی نام ہیں' جن کو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں کے رکھ لیا ہے' خدا نے ان کے معبود ہونے کی کوئی سند نہیں اتاری''۔

ہبل : قریش کا یہ بت خانہ کعبہ کے عین وسط میں نصب تھا اور قریش کے تمام

---

[1] معجم البلدان جلد ۸ ص ۴۴۲ [2] معجم البلدان جلد ۱ صفحہ ۳۱۰

[3] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱

Marfat.com

بتوں میں سب سے زیادہ معزز مانا جاتا تھا' یہ بت سنگ سرخ کا انسانی مجسمہ تھا' اس پر انسانی قربانیاں بھی چڑھائی جاتی تھیں' چنانچہ عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ وہ جس وقت اپنے دس بیٹوں کو جوان دیکھیں گے' تو ایک کو ہبل پر نذر چڑھائیں گے[1] لڑائیوں میں ہبل کی جے پکارتے تھے' جنگ احد کے موقعہ پر جب مسلمانوں کو پسپائی ہوئی اور دشمنوں نے مشہور کر دیا کہ خدانخواستہ آنحضرت ﷺ شہید ہو گئے' تو ابوسفیان نے خوشی و مسرت میں اس کی جے کا نعرہ لگایا[2] خانہ کعبہ کے بتوں کی تعداد تین سو ساٹھ تھی' جن میں حضرت اسماعیل اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کی مورتیں بھی شامل تھیں[3] ہبل کے سامنے سات تیر رکھے ہوئے تھے جن سے شادی اور غمی وغیرہ کے موقعہ پر قریش استخارہ کیا کرتے تھے' اگر راست آتا تو وہ کام کرتے ورنہ نہ کرتے[4]

بدعاتِ حج:

اگرچہ قریش مذہب ابراہیمی کے پیرو تھے' مگر امتداد زمانہ سے اس میں اس قدر تغیر و تبدیل ہو گیا تھا کہ مذہب کی اصل صورت مسخ ہو کر رہ گئی تھی' چونکہ حضرت ابراہیمؑ بیت اللہ کے بانی تھے' اس لئے حج ان کی تعلیمات میں راس العبادات تھا' قریش بلکہ پورا عرب اس فریضہ کو ادا کرتا تھا' مگر اس کے ارکان اور طریقۂ ادا میں طرح طرح کی بدعات رائج کر دی تھیں' شہر حرام یعنی رجب' ذیقعدہ' ذی الحجہ اور محرم کو ضرورت کے وقت بدل دیتے تھے' یعنی محرم نام بدل کر صفر رکھ دیتے اور اس میں تمام وہ باتیں جائز سمجھتے' جو غیر شہر حرام میں جائز ہیں' حج کے مہینے میں عمرہ کرنا گناہ سمجھتے تھے۔[5] خاموش حج کرتے' یعنی دورانِ حج میں منہ نہ بولتے' ایک شخص دوسرے شخص کو لگام لگا کر گھسیٹتا ہوا طواف کراتا۔[6]

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ [2] بخاری جلد ۲ کتاب المغازی باب غزوۂ احد

[3] بخاری جلد ۱ ص ۲۱۸ [4] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۸۳

[5] بخاری جلد ۱ باب بنیان الکعبہ باب ایام جاہلیت ص ۵۴۱

[6] بخاری جلد ۱ کتاب المناسک ص ۲۲

Marfat.com

قریش اپنے کو عام حجاج سے ممتاز رکھنے کے لئے بجائے عرفات کے مزدلفہ میں ٹھہرتے [1] اسی پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ثُمَّ اَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ﴾ (سورۂ بقرہ)

آفتاب نکلنے کے بعد افاضہ کرتے تھے۔[2] حجاج بغیر متولی کی اجازت اور اس کی ابتدا کے رمی جمار نہیں کر سکتے تھے رمی جمار کے بعد بغیر متولی کے واپس ہوئے لوٹ نہیں سکتے تھے[3] طواف کے وقت وَاللَّاتَ وَالْعُزّٰى وَ مَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى فانهن الغرانيق العلى وان شفاعتهن لترجى پڑھتے تھے[4] تلبیہ میں خدا کے نام کے ساتھ ساتھ بتوں کو بھی داخل کر لیتے تھے[5] قرآن مجید کی اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے مَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ یعنی ان کے اکثر لوگ خدا پر ایمان بھی لاتے ہیں' تو اس میں دوسروں کو بھی شریک کر لیتے ہیں۔

قریش میں تنہا اصنام پرستی یا بدعاتِ حج ہی نہیں رائج تھیں' بلکہ تمام وہ اخلاق ذمیمہ جن میں سارا عرب مبتلا تھا' مثلاً شراب خواری' قمار بازی' دختر کشی عیاشی' اوہام پرستی وغیرہ وغیرہ ان سے قریش بھی مستثنیٰ نہ تھے' بلکہ علی الاعلان نہایت فخر و مباہات سے یہ کام کرتے تھے' سوتیلی ماں لڑکے کو بطور وراثت ملتی تھی غرض کہ اس قبیل کی صدہا لغویتیں ان میں رائج تھیں' تاہم ان برائیوں کے ساتھ' ساتھ ان میں بہت سی خوبیاں تھی' مظلوموں کی دادرسی ان کا خاص شعار تھا' حلف الفضول کا ذکر اوپر آ چکا ہے' جس سے قریش کے اس شریفانہ جذبہ کا بخوبی اندازہ ہوا ہوگا' مہمان نوازی تو ان کی ضرب المثل تھی' موسم حج میں ہزاروں حجاج کی ضیافت کرتے تھے' ناداروں کے ساتھ نقدی سلوک بھی کرتے تھے اور اس سعادت میں قریش کا ہر فرد برابر کا حصہ لیتا تھا[6] حجاج کے پاس کپڑا نہ ہوتا' تو

---

[1] بخاری جلد ا ص ۲۲۶ — [2] ایضاً ص ۲۲۸

[3] سیرۃ ابن ہشام جلد ا ص ۶۷ — [4] معجم البلدان جلد ۶ ص ۱۶۶

[5] سیرۃ ابن ہشام جلد ا ص ۴۷ — [6] روض الانف

Marfat.com

دیتے[1] یہ خاطر تواضع کچھ حجاج کے ساتھ مخصوص نہ تھی' بلکہ مہمانوں کے لئے بھی قریش کا دستر خوان اسی طرح وسیع تھا' ایفائے عہد میں خواہ کتنا ہی شدید جانی و مالی نقصان کیوں نہ ہو' مگر عہد سے نہ پھرتے تھے۔

مورخ یعقوبی نے قریش کی اجمالی حالت کا یہ نقشہ کھینچا ہے کہ مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے تھے' شہر حرام کی عظمت کرتے تھے' خواہش' مظالم اور قطع رحم کو برابر سمجھتے تھے' جرائم کا تدارک کرتے تھے' حرم کے احترام کا اس سے اندازہ ہوگا کہ قصی جو قریش کا سب سے بڑا محسن تھا اور قریش پر اس کا اثر بھی کافی تھا' جب اس نے صفائی کے خیال سے حرم کے درختوں کو کاٹنا چاہا' تو تمام قریش نے انکار کر دیا۔

کفر و شرک کی اس عام تیرگی میں کہیں کہیں خدا پرستی کا نور بھی تو فگن تھا' چنانچہ قریش میں خدا پرستوں کی خاصی تعداد موجود تھی' مثلاً زید بن عمرو بن نفیل زمانہ جاہلیت میں موحد تھے' دین حنیف کی پیاس میں موسوی اور عیسوی چشموں کی طرف لپکے' مگر کہیں پیاس نہ بجھی' آخر میں خانہ کعبہ میں کھڑے ہو کر خدا کو شاہد بنایا' کہ خدایا میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میں دین ابراہیم علیہ السلام پر ہوں' وہ اس نعمت توحید کو تنہا اپنی ذات تک محدود نہ رکھنا چاہتے تھے' بلکہ قریش میں اپنے عقائد کی اشاعت بھی کرتے تھے' بت کی قربانیوں پر قریش کو علامت کرتے تھے' دختر کشی کی ممانعت کرتے' حتیٰ کہ لڑکیوں کو لے کر خود پرورش کرتے تھے[2] اس کے علاوہ قریش کے اور متعدد اشخاص بھی بت پرستی سے نفرت کرتے تھے' چنانچہ ورقہ بن نوفل' عبداللہ بن جحش' عثمان بن حویرث' زید کے ساتھ ایک مرتبہ بت خانہ میں گئے' تو ان کو خیال ہوا کہ یہ بھی کیا حماقت ہے کہ ہم پتھر کو پوجتے ہیں' جو نہ سن سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے' اور نہ کسی کو فائدہ نقصان پہنچا سکتا ہے[3] خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں متعدد مثالیں ایسی ملتی ہیں' جو زمانہ جاہلیت میں فطرتِ سلیمہ رکھتے تھے' مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

---

1. بخاری جلد ۱ ص ۵۴۰ 2. یعقوبی جلد ۱ ص ۱۹۴

3. سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۷۶

Marfat.com

لوازمِ تمدن

تجارت:

قریش کا پیشہ تجارت تھا' زراعت کو وہ عار سمجھتے تھے' حتیٰ کہ ابو جہل مرتے وقت بھی زراعت پیشہ لوگوں کے ہاتھ سے قتل کے عار کو نہ برداشت کر سکا[1] قریش کی تجارت کا سلسلہ بہت وسیع تھا' ان کے تجارتی قافل ملکوں ملکوں پھر کر بیوپار کرتے تھے' عموماً ان کے کاروانِ تجارت سال میں دو مرتبہ جاتے تھے' سورۂ قریش میں اس کی طرف اشارہ ہے:

﴿لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ الَّذِیْۤ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾ (قریش)

''تعجب ہے' کہ قریش کو اپنے جاڑے اور گرمی کے سفر (تجارت) سے کس قدر الفت ہے' ان کو چاہیے کہ اس گھر کے رب کو پوجیں جس نے ان کو بھوک سے بچانے کے لئے کھانا کھلانا' اور خوف سے امن بخشا''۔

قریش کی تجارت کو قصی نے بہت با اصول اور منتظم کر دیا تھا' نجاشی شاہ حبش اور قیصر شاہِ روم سے اجازت نام حاصل کئے' تا کہ قریش آسانی اور امن سے ان کی حدودِ حکومت میں اپنا تجارتی کاروبار پھیلا سکیں' اس زمانہ میں اگر چہ راستہ پر امن نہ تھے' رہزنی اور لوٹ مار عام تھی' تاہم قریش کے کاروانِ تجارت سے کوئی تعرض نہیں کرتا تھا اور وہ بے خوف وخطر گھوم پھر کر اپنا بیوپار کرتے تھے' اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش حرم کے متولی ہونے کی وجہ سے ''جیر اللہ'' خدا کے پڑوسی کہلاتے تھے اور خانہ کعبہ کی عظمت تمام عرب کرتے تھے' اس نسبت سے وہ لوگ قریش کا بھی بہت احترام کرتے تھے اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کرتے تھے' قریش میں اس درجہ تجارت کا چرچا تھا کہ اس میں مرد عورت' بڑھے جوان بچے سب اپنا سرمایہ لگاتے تھے' چنانچ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بیوگی کے زمانہ میں بڑے پیمانہ

---

[1] بخاری جلد۲ ص ۵۶۵

Marfat.com

پر تجارت کرتی تھیں، بروایت ابن سعد تنہا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال تجارت کل قریش کے سامانِ تجارت کے برابر ہوتا تھا، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال لے کر بصرے تشریف لے گئے ہیں[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس بھی تجارت فرماتے تھے اور آپ کی تجارت کے واقعات کتبِ احادیث میں مذکور ہیں، چنانچہ سائب نامی ایک شخص کی اور آپ کی تجارت مشترک تھی اور بعد اسلام انہوں نے آپ کی خوش معاملگی کی شہادت بھی دی[2] آپ یمن کے بازار جرش میں دوبار تشریف لے گئے، بحرین میں بھی آپ کا جانا ثابت ہے، ابو طالب بھی تاجر تھے، اکابرِ قریش میں ابو جہل اور ابوسفیان وغیرہ تجارت کرتے تھے[3] حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بھی شغل تجارت تھا۔ مدینہ میں مقام سخ پر آپ کا ایک پارچہ بافی کا کارخانہ تھا[4] کبھی کبھی خود مال لے کر باہر تشریف لے جاتے تھے، چنانچہ اسلام کے بعد بصریٰ مالِ تجارت لے کر جاتے تھے[5]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تاجر تھے[6] ان کی تجارت کا سلسلہ ایران تک پھیلا ہوا تھا[7] اور بذات خود تجارت کے سلسلہ میں بہت آیا جایا کرتے تھے، چنانچہ خود کہتے ہیں کہ بہت سے ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تجارت کی دوڑ دھوپ کی وجہ سے نہ سن سکا[8] حضرت عثمان عرب کے بہت بڑے تاجر تھے، اسی بنا پر ان کو غنی کہا جاتا ہے۔ بنو قینقاع کے بازاروں میں آپ کا کھجوروں کا کاروبار تھا[9] زمانہ جاہلیت میں ربیعہ بن حارث کی شرکت میں تجارت کرتے تھے[10] حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ازخود تجارت کی ہے[11] ابان بن سعید قرشی

---

1. سیرۃ ابن ہشام جلد ا ص ۱۰۰
2. ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۱۷
3. ارض القرآن ص ۱۳۸ جلد ا
4. ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۰
5. ابن ماجہ باب المزاح
6. مسند ابن حنبل جلد ا ص ۶۲
7. ایضاً جلد ۳ ص ۳۴۷
8. بخاری جلد ا ص ۲۷۷
9. مسند احمد بن حنبل
10. اصابہ جلد ۲ ص ۱۹
11. بخاری جلد ا ص ۲۸۰

Marfat.com

بھی تاجر تھے' اور شام وغیرہ جا کر تجارت کرتے تھے[1] آنحضرت ﷺ نے شاہان عالم کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے تو ان میں ایک خط قیصر روم کے نام بھی تھا' جب قاصد خط لے کر پہنچا' تو اس وقت قریش کے تاجر وہاں موجود تھے' چنانچہ قیصر نے آنحضرت ﷺ کے متعلق سوالات کیے[2] غرضکہ تمام قریش تجارت پیشہ تھے' چنانچہ ابن اسحاق کے الفاظ یہ ہیں کانت قریش قوما تجارا.[3] چنانچہ قریش نے جب مسلمانوں کو حج سے روکا تو انھوں نے یہ دھمکی دی کہ ہم تمہاری شام کی تجارت روک دیں گے' عرب عموماً ان چیزوں کی تجارت کرتے تھے۔

1. کھانے کا مسالہ اور خوشبودار جڑیں۔
2. سونا لوہا جواہرات۔
3. خام کھالیں' بنا ہوا چمڑا' زین پوش اور بھیڑ بکری وغیرہ۔

توراۃ میں جا بجا ان چیزوں کا ذکر آیا ہے' قریش بھی غالباً ان کی تجارت کرتے ہوں گے' بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چمڑا اور چاندی کی تجارت زیادہ کرتے تھے' قریش کے مہاجرین کے خلاف جو وفد نجاشی کے پاس تحفہ لے کر بھیجا' وہ تحفہ بھی یہی چمڑا تھا۔[4] طبری نے لکھا ہے:

ومعه نضة كثيرة وهي عظم تجارتهم.[5]

عرب کی دس تجارتی منڈیاں تھیں' ان میں قریش زیادہ تر بازار ذوالمجاز اور عکاظ میں شریک ہوتے تھے[6] زمانہ اسلام میں لوگوں نے اس غرض سے حج کی شرکت کو برا جانا' جس پر یہ آیت نازل ہوئی[7]

---

[1] اسد الغابہ جلد ا ص ۳۶
[2] بخاری جلد ا ص ۴
[3] سیرۃ ابن ہشام' ص ۱۰۰
[4] مسند ابن حنبل مسند اہل بیت
[5] طبری ص ۱۳۷۴
[6] یعقوبی جلد ا ص ۳۱۴
[7] کتاب البیوع باب ما جاء فی قول لله تعالی فاذا قضیت الصلوة فانتشروا فی الارض.

Marfat.com

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ (بقرہ : ۲۵)

''تمہارے لئے اس میں کوئی حرج نہیں (کہ زمانہ حج میں) اپنے رب کا فضل تلاش کرو''۔

زمانہ اسلام میں تجارت اور زیادہ چمکی' چنانچہ مہاجرین کا زیادہ وقت بازاروں میں کاروبار تجارت میں گزرتا تھا[۱] اور زمانہ جہالت کی منڈیوں میں بھی وہی چہل باقی رہی' اور زمانہ اسلام میں تقریباً سوا سو برس تک یہ بازار گرم رہے' سب سے پہلے ۱۲۹ھ میں بازار عکاظ خارجیوں کی لوٹ مار کے خوف سے بند ہوا۔

علوم وفنون:

یوں تو شاعری اور زبان آوری کا مذاق تمام عرب میں تھا' تاہم بعض مخصوص قبائل ایسے تھے' جن کی زبان معتبر اور قابل اسناد سمجھی جاتی تھی' ازآنجملہ قبیلہ مضر کی زبان زیادہ معتبر تھی[۲] ان میں بھی قریش زیادہ فصیح اللسان مانے جاتے تھے' ان کی فصاحت کی سند اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ قرآن کریم جو فصاحت و بلاغت کا سرچشمہ ہے' قریش کی زبان میں اترا[۳] خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے فصیح اللسان ہونے کا ذکرہ فرمایا ہے کہ:

''میں تم سب میں فصیح تر ہوں' اس لئے کہ میں قریش کے خاندان سے ہوں اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہے''۔[۴]

قریش میں بڑے بڑے باکمال شعراء پیدا ہوئے' بلکہ خاص بنو ہاشم میں متعدد شعراء تھے' خلفائے اربعہ کو بھی شاعری کا ذوق تھا' چنانچہ ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں ان کے اشعار بھی نقل کئے ہیں[۵]۔ قریش میں ذوق شاعری کے ساتھ ساتھ تعلیم کا بھی کچھ نہ

---

۱ بخاری جلد ۱ ص ۲۷۴

۲ فتح الباری جلد ۳ ص ۴۷۳

۳ بخاری جلد ۱ ص ۴۹۷

۴ طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۷۱

۵ کتاب العمدہ ص ۱۳، ۱۴

۶ فتوح البلدان بلاذری ص ۴۷۷، ۴۷۸

Marfat.com

کچھ رواج تھا' اگر چہ ان میں تعلیم عام نہ تھی تاہم ظہور اسلام کے وقت پڑھے لکھے اشخاص کی خاصی تعداد موجود تھی' چنانچہ حضرت عمر' حضرت علی' حضرت عثمان' ابوعبیدہ' طلحہ' یزید بن ابی سفیان' ابو حذیفہ بن عتبہ' حاطب بن عمرو' ابوسلمہ بن عبدالاسد' ابان ابن سعید' خالد بن سعید' عبداللہ بن سعد' ابوسفیان بن حرب' امیر معاویہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہم اچھی طرح پڑھنا لکھنا جانتے تھے' یہ تعلیم صرف مردوں تک محدود نہ تھی' بلکہ مشہور عورتوں میں ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا لکھنا پڑھنا جانتی تھیں اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا صرف پڑھ سکتی تھیں لکھ نہیں سکتی تھیں' ان کے علاوہ قریش کی غیر معروف عورتیں مثلاً ام کلثوم بنت عقبہ' کریمہ بنت مقداد لکھنا جانتی تھیں۔ عائشہ بنت سعد نے تعلیم حاصل کی تھی۔[1]

رفاہ عام کے کام:

قریش کی مذہبی سیادت کے علاوہ ان کے دوسرے اعمال بھی عام حجازیوں سے ان کو ممتاز کرتے تھے' جس سے ان کے معاصر قبائل میں ان کی قدر و منزلت زیادہ ہوتی تھی' چنانچہ اہل مکہ اور اس کے قریب و جوار کے قبائل کی آسائش کے خیال سے قریش کے خاندان نے متعدد کنویں مختلف مقامات پر کھدوائے تھے' اہل مکہ کی سب سے بڑی خدمت یہی تھی کہ اس بے آب و گیاہ زمین میں ان کے لئے آب شیریں مہیا کیا جائے' ان کے کنوؤں اور ان کے مالکوں کے نام کی تفصیل یہ ہے۔[2]

شہر کے اندرونی کنوئیں

نام شخص	نام کنواں	جگہ
عبد شمس	//	مکہ کے بالائی حصہ میں
ہاشم بن عبد مناف	بدر	ابو طالب کی گھاٹی پر
مطعم بن عدی	سجلہ	

[1] بخاری جلد ۲ ص ۹۰۹

[2] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۸۹

Marfat.com

نام شخص	نام کنواں	جگہ
بنو اسد ابن عبد العزیٰ	سقیہ	
بنو عبد دار	ام احراد	
بنو جمح	سبلہ	
بنو سہم	غمر	

مکہ کے بیرونی کنوئیں

نام شخص	نام کنواں	جگہ
مرہ بن کعب	احرم	
بنی کلاب بن مرہ	خم خم	

اسلام کا ظہور:

قریش بلکہ پورے عرب پر جہالت کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں کہ دفعتہً افق مکہ پر برقِ تجلی چمکی' نورِ حق کا اجالا تمام عرب میں پھیل گیا' ابھی آفتابِ رسالت کی کرنیں پھوٹی ہی تھیں کہ خیرہ چشموں کی آنکھیں تابِ نظارہ نہ لاسکیں' اور ہر چہار جانب سے ظلم و تعدی کے بادل امنڈنے لگے کہ نورحق کی روشنی کو تاریکی میں چھپاویں' یعنی آنحضرت ﷺ نے دعوتِ اسلام کی ابتدا ہی کی تھی کہ ہر طرف سے مخالفت کے طوفان اٹھنے لگے' مگر سیل صداقت برابر پھیلتا گیا' یہاں تک کہ ریگستانِ عرب کو رشکِ گلزار بنا دیا۔

آنحضرت ﷺ نے جب دعوتِ اسلام شروع کی تو ابتداءً مشرکین نے آپ کی تعلیم کو زیادہ اہمیت نہ دی' مگر رفتہ رفتہ جب دعوت کا حلقہ وسیع ہونے لگا' اور لوگ برابر دائرہ اسلام میں داخل ہونا شروع ہوئے' تو ان کو سخت تشویش پیدا ہوئی' اور اس کے استیصال کی تمام امکانی کوششیں شروع کر دیں' وہ اشاعتِ اسلام سے زیادہ پیچ و تاب اپنے مذہب اور اپنے معبودوں کی مذمت پر کھاتے تھے' پہلے تو آنحضرت ﷺ کو خود سمجھاتے بجھاتے رہے مگر جب آپ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا' اور آپ کی تبلیغی سرگرمی برابر جاری رہی تو مجبوراً

Marfat.com

ان لوگوں کو ابو طالب کی طرف رجوع کرنا پڑا کہ وہ آپ کے کفیل تھے' چنانچہ عمائد قریش کا ایک وفد ان کے پاس گیا' اور اپنے ارادہ سے آگاہ کیا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے' ہمارے مذہب کی مذمت کرتا ہے' ہمارے سمجھدار اشخاص کو بے شعور کہتا ہے' اور ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ بتاتا ہے' اس لئے یا تو تم اس کو روکو ورنہ ہمارے حوالہ کر دو' اس وقت ابو طالب نے خوش اسلوبی سے معاملہ کو رفع دفع کر دیا' مگر پھر مشرکین نے دیکھا کہ اس شکایت کا بھی کوئی اثر آنحضرت ﷺ پر نہ پڑا' اور آپ کے سابق طرزِ عمل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تو دوبارہ ابو طالب کے پاس آئے' اس مرتبہ ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کو بہت سمجھایا کہ بیٹا! چچا پر ناقابل برداشت بوجھ نہ ڈالو' اور اپنی قوم کی مخالفت چھوڑ دو' یہ سن کر آنحضرت ﷺ کو خیال پیدا ہوا کہ اب چچا ہماری طرف سے مدافعت نہیں کر سکتے' اور ان کی شفقت بھی ہمارا ساتھ چھوڑ دے گی' اس سے آپ بہت متاثر ہوئے' مگر اس بے بسی کے عالم میں بھی آبدیدہ ہو کر جواب دیا کہ چچا! خدا کی قسم اگر کفار میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب اور بائیں پر ماہتاب رکھ دیں کہ میں اس فریضہ کو چھوڑ دوں' تو بھی نہیں چھوڑ سکتا' تا آنکہ اس میں میں ہلاک ہو جاؤں' یا کامیاب ہوں' اس جواب سے ابو طالب بہت متاثر ہوئے' اور کہا بیٹا جاؤ جو جی میں آئے کرو' میں تم کو کسی حالت میں نہیں چھوڑوں گا۔[1] جب قریش کو ابو طالب کے اس فیصلہ کی اطلاع ہوئی' تو تیسری مرتبہ پھر آئے' مگر اس مرتبہ انہوں نے صاف جواب دے دیا' جب وہ لوگ اس طرف سے بالکل مایوس ہو گئے' تو آنحضرت ﷺ کو جاہ و ثروت کا لالچ دلانا شروع کیا کہ شاید اس سے وہ باز آ جائیں' چنانچہ ابو الولید نے رؤسائے قریش کے مشورہ سے متعدد دنیاوی دلفریبیاں آپ کے سامنے پیش کیں' کہ اگر تم اپنے مذہب کی اشاعت سے مال جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم تمہارے لئے اس قدر مال جمع کر دیں کہ تم ہم سے زیادہ دولت مند بن جاؤ' اور اگر سرداری کی خواہش ہے' تو تم کو اپنا سردار بنالیں' اور اگر بادشاہی کی تمنا ہے'

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ا ص ۱۳۹' ۱۴۰

Marfat.com

تو بادشاہ بنانے پر بھی تیار ہیں۔

جب تمام ترغیبات ابوالولید دے چکا' تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اب میری بھی کچھ سنو!

یہ کہہ کر آپ نے سورہ حم سجدہ کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں' عتبہ نہایت خاموشی اور تاثر سے سنتا رہا' جب سن چکا' تو آپ نے فرمایا کہ یہ میرا جواب ہے۔

عتبہ جب یہاں سے اپنے ساتھیوں میں گیا تو وہ لوگ اس کا بدلا ہوا رنگ دیکھ کر سرگوشیاں کرنے لگے کہ یہ تو وہ عتبہ نہیں معلوم ہوتے' جو یہاں سے بھیجے گئے تھے' سبھوں نے ماجرا پوچھا' انہوں نے کہا: میں نے عجیب وغریب کلام سنا ہے' خدا کی قسم اس سے بہتر کلام آج تک میرے کانوں نے نہیں سنا' واللہ نہ وہ جادو ہے' نہ وہ شعر ہے' اور نہ وہ کہانت ہے' میری رائے ہے کہ تم اُس شخص کو اس کی حالت پر چھوڑ دو' عجب نہیں کہ اس کا کلام غیبی آواز ہو' بالفرض اگر وہ کامیاب ہوگیا' تو اس کی بادشاہت تمہاری بادشاہت ہے اور اس کی عزت تمہاری عزت ہے' اور اگر وہ ناکام رہا' تو عربوں کی کامیابی بھی تمہاری کامیابی ہے' عتبہ کے یہ خیالات سن کر لوگوں نے کہا کہ تم اس کی زبان سے مسحور ہو گئے ہو' عتبہ نے جواب دیا کہ جو کچھ بھی ہو۔ مگر یہ میری رائے ہے' آئندہ تم لوگ جو چاہو کرو۔[1]

غرض جب ترغیب وترہیب کوئی چیز کارگر نہ ہوئی اور آنحضرت ﷺ کسی طرح اپنے فریضہ سے دست کش نہ ہوئے' بلکہ انہماک اور سرگرمی پہلے سے بھی زیادہ بڑھتی گئی' اور قبائل قریش میں مسلمانوں کا روزافزوں اضافہ ہوتا گیا' اکابر قریش میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ' اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ' مشرف باسلام ہو چکے' تو مشرکین کا جنون اور تیز ہو گیا' اور شانِ نبوت میں طرح طرح کی گستاخیاں شروع کر دیں' کوئی آپ پر خاک ڈالتا' کوئی آپ کے دروازہ پر غلاظت پھینک دیتا' ایک مرتبہ آپ سجدہ میں تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آپ کی گردن پر سوار ہو گیا' اور اس زور سے دبایا کہ آنکھیں نکل پڑیں' بعض مرتبہ سنگ دل اس

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد اص ۱۵۴، ۱۵۵

Marfat.com

طرح سے گلا گھونٹے کہ دم گھٹتے گھٹتے رہ جاتا' ایک مرتبہ قریش کچھ مشورہ کر رہے تھے' اتفاقاً آنحضرت ﷺ اس طرف سے گزرے' سبھوں نے دوڑ کر گھیر لیا' اور پوچھا کہ کیا تم ہی ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہو؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میں ہی ہوں۔ اس پر ایک شخص نے مجمع سے نکل کر آپ کی چادر سے آپ کا گلا بڑی زور سے گھونٹنا شروع کیا' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود تھے' یہ دردناک منظر نہ دیکھ سکے' اور رو کر فرمانے لگے کہ کیا تم ایسے آدمی کی جان صرف اس بات پر لینے کو آمادہ ہو کہ وہ خدا کو ایک کہتا ہے۔[1]

آنحضرت ﷺ کا خاندان قریش میں بہت معزز تھا' اس لئے ان مخالفتوں کے باوجود آپ کے بہت سے حامی موجود تھے' آنحضرت ﷺ کے علاوہ دوسرے اکابر قریش جو مشرف باسلام ہو چکے تھے' ان کو بھی خاندانی عظمت اور وجاہت سے زیادہ نہ ستا سکتے تھے' اس لئے سارا غصہ ان غریب مسلمانوں پر ٹوٹتا تھا' جن کا کوئی یار و مددگار نہ تھا اور کفار میں جو کچھ بھی تھا' بھوک پیاس' مار پیٹ ہر طرح سے ان غریب و خستہ حال مسلمانوں پر مظالم ڈھاتے' ان کی درندگی کی داستان صرف مار پیٹ پر ختم نہیں ہوتی' بلکہ مار پیٹ کے علاوہ نئے نئے اندازِ ستم ایجاد کرتے تھے۔

امیہ بن خلف حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو چلچلاتی ہوئی دھوپ میں جب کہ مکہ کی زمین توے کی طرح تپتی ہوئی گرم ریت پر لٹاتا' اور سینہ پر بھاری پتھر رکھ دیتا کہ جنبش نہ کر سکیں' اور کہتا کہ محمد ﷺ سے توبہ کر کے لات و عزیٰ کی پرستش کا اقرار کرو' ورنہ یوں ہی سسک سسک کر مر جاؤ گے' مگر اس وقت بھی اس شیدائے رسالت کی زبان سے احد احد کی صدا بلند ہوتی۔[2]

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما بھی بے یار و مددگار تھے' اس لئے قریش کا دستِ ستم

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ا ص ۱۵۳۔ بخاری باب بنیان الکعبہ باب مبعث النبی میں یہی واقعہ تھوڑے تغیر کے ساتھ مذکورہ ہے۔

[2] سیرۃ ابن ہشام جلد ا ص ۱۷۰ و اسد الغابہ جلد ا ص ۲۰۶۔

Marfat.com

ان پر بھی دراز ہوتا اور ان کو دوپہر کے وقت انگاروں پر لٹاتے' پانی میں غوطہ دیتے' مگر زبان کلمہ حق سے نہ پھرتی' ایک مرتبہ مشرکین ان کو انگاروں پر لٹا رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ اس طرف سے گزرے' اور آپ کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا:

یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰی عَمَّارَ کَمَا کُنْتِ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ.

اچھے ہونے کے بعد بھی ان کی پیٹھ پر زخم کے نشانات باقی تھے۔[1]

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بھی مشرکین کے ظلم وستم کے شکار تھے' وہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی مظلومی کی داستان سناتے تھے کہ مشرکین انگارے دہکاتے اور مجھ کو پیٹھ کے بل لٹاتے' اور ایک شخص چھاتی پر پتھر رکھ کر جنبش نہ کرنے دیتا' اور اس عذاب میں اس وقت تک مبتلا رہتا' جب تک کہ خود میرے زخموں کی رطوبت آگ کو نہ بجھا دیتی۔[2]

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بھی ان ہی بے کس لوگوں میں تھے' جن کو ستا کر مشرکین دل ٹھنڈا کرتے تھے جب انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا' تو مشرکین نے کہا کہ تو ہمارے یہاں افلاس وفقر کی حالت میں آیا تھا' یہاں رہ کر دولت مند ہوا' اب چاہتا ہے کہ جان مال لے کر نکل جائے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا' انہوں نے فرمایا: اگر میں سب مال ومتاع تم کو دے دوں تو مجھے جانے دو گے انہوں نے کہا ہاں' انھوں نے سارا مال حوالہ کر دیا' آنحضرت ﷺ نے اس قربانی کی خبر سنی تو فرمایا: ربح صهيب ربح صهيب صہیب نفع مند رہے' صہیب نفع مند رہے۔[3]

یہ تو مردوں کی مثالیں تھیں' ان اشقیا کے دستِ ستم سے عورتیں بھی نہ بچ سکیں۔

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی والدہ سابقاتِ اسلام میں تھیں' ان کو ابوجہل بہت ستاتا تھا' حتیٰ کہ نیزے سے زخمی کر کے شہید کر ڈالا۔[4]

حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا دائرہ اسلام میں ابتدا ہی میں داخل ہوئیں' ابوجہل ان کو

---

[1] طبقات ابن سعد جزو ثالث قسم اول ص ۱۷۷ ، ۱۷۸

[2] ایضاً ص ۱۱۷ [3] ایضاً ص ۱۱۲ [4] اصابہ ۸ ص ۱۱۸

Marfat.com

بہت اذیتیں دیتا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی قبل از اسلام ان کو بہت مارا کرتے تھے۔ ان ہی میں سے ایک خاتون لبینہ رضی اللہ عنہا تھیں' منجملہ دیگر ضعفائے اسلام کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو بھی خرید کر آزاد کر دیا تھا۔[1]

یہ تمام مہاجرین ضعفائے اسلام میں تھے' جن کا کوئی حامی و مددگار نہ تھا' اس لئے ان پر جو ستم ڈھاتے کم تھے جب کہ ان کی زد سے ذی وجاہت اور صاحبِ حیثیت لوگ نہ بچ سکے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں خاصی عمر کے تھے' اور اپنے قبیلہ میں معزز تھے' تاہم کسی مشرک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت پر ان کی ڈاڑھی نوچ لی۔[2]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب مشرف باسلام ہوئے' تو ان کے چچا حکم بن ابوالعاص رسی سے باندھتے' اور کہتے کہ اب بھی اس نئے دین کو نہ چھوڑو گے؟[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قبل از اسلام اپنی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا اور بہنوئی سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو اسلام پر اس قدر مارا کہ ان کے چہرے سے خون کے فوارے چھوٹنے لگے[4] یہ مذکورہ بالا چند واقعات مثال کے طور پر لکھ دیئے گئے' ورنہ ان کی فہرست اس سے کہیں زیادہ طویل ہے۔

---

1. اصابہ جلد ۸ ص ۹۱
2. ایضاً ص ۱۷۹
3. سیرۃ ابن ہشام جلد ا ص ۱۵۳
4. طبقات جزو اوّل قسم ثالث ص ۱۳۸

Marfat.com

پہلی ہجرت

یا

مہاجرین کی پہلی جماعت

حبشہ کی پہلی ہجرت:

مظلوم مسلمان کفار کی سختیاں سہتے سہتے عاجز آ گئے تھے' نہ کفار کے خوف سے کہیں چل پھر سکتے تھے اور نہ عبادت کر سکتے تھے' اس لئے ان کو ایسی جائے پناہ کی تلاش تھی' جہاں وہ کچھ اطمینان وسکون حاصل کر سکیں' اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ دیا کہ تم لوگ فی الحال حبشہ کو ہجرت کر جاؤ' وہاں کا بادشاہ رحم دل اور منصف مزاج ہے' وہ تم کو آرام سے رکھے گا' اس قسم کے حکم کے لوگ منتظر ہی تھے' حکم پاتے ہی بڑی تعداد ہجرت کے لئے آمادہ ہوگئی' اور مسلمانوں کا یہ پہلا مصیبت زدہ قافلہ راہ خدا میں غریب الوطن ہوا' یہ جماعت ذیل کے اشخاص پر مشتمل تھی' حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ رئیس قافلہ تھے۔

مرد	عورتیں
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ	حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا
حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ	حضرت سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا
حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ	
حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	
حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ	
حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ	حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا
حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ	
حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ	حضرت لیلیٰ بنت ابی حثمہ رضی اللہ عنہا

Marfat.com

مرد	عورتیں
حضرت ابو سبرہ بن ابی رہم رضی اللہ عنہ	
حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ	
حضرت حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ	

اس قافلہ کی روانگی کے بعد لوگ برابر ہجرت کرتے رہے' یہاں تک کہ حبشہ میں مسلمانوں کی کافی تعداد ہوگئی' اور بہت آرام و آسائش کی زندگی بسر کرنے لگے' مگر قریش مسلمانوں کا آرام و آسائش کب گوارا کر سکتے تھے۔

حبشہ سے مسلمانوں کے اخراج کی کوشش:

اس لیے نجاشی کے پاس ایک وفد ہدایا و تحائف کے ساتھ بھیجا کہ وہ کسی نہ کسی طرح پناہ گزین مسلمانوں کو وہاں سے نکال دے' اس وفد کے ارکان میں عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص تھے' یہ دونوں حبش پہنچے' اور نجاشی کے دربار میں حاضری کے قبل پہلے درباری بطریقوں سے ملے' اور فرداً فرداً ہر ایک کو تحفہ دے کر کہا کہ ہماری قوم کے چند سادہ لوح لونڈوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے' جو ہمارے اور تمہارے دونوں کے مذہب سے مختلف ہے' اور وہ اپنے وطن سے بھاگ کر نجاشی کی حکومت میں پناہ گزیں ہوئے ہیں' ہم ان کو پکڑنے آئے ہیں' اس لئے آپ لوگوں کی خدمت میں ہماری درخواست ہے کہ جس وقت ہم بادشاہ سلامت کے حضور میں عرض گذار ہوں' تو برائے مہربانی آپ لوگ ہماری تائید فرمائیں' اور ان کو مشورہ دیں کہ ہمارے مفرورین ہمارے حوالہ کر دیئے جائیں' اس کے بعد نجاشی کی خدمت میں باریاب ہو کر ہدایا پیش کیے' اور عرض کیا کہ ہمارے چند سادہ لوح لڑکوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے' جو ہمارے اور آپ دونوں کے مذہب سے مختلف ہے' اس لیے ہم عرض گزار ہیں کہ اس کو ہمارے حوالہ کر دینے کا حکم صادر فرمایا جائے' بطارقہ کو پہلے ہی ہموار کر لیا تھا' اور اس لیے انہوں نے پر زور طریقہ سے تائید کی کہ بے شک یہ لوگ ان لڑکوں کی نسبت زیادہ تجربہ کار اور ان کے واقف کار ہیں' اس لئے ان کے حوالہ کر دینا ہی مناسب ہے۔

Marfat.com

نجاشی کا جواب:

نجاشی یہ درخواست سن کر بہت برہم ہوا' اور کہا کہ جب تک میں ان لوگوں کو بلا کر خود تحقیقات نہ کرلوں گا' اس وقت تک میں اپنے مہمان اور پناہ گزینوں کو ہرگز حوالہ نہیں کرسکتا' البتہ اگر وہ تمہارے بیان کے مطابق ہیں تو مجھے حوالہ کرنے میں کوئی عذر نہ ہوگا' اور اگر ایسا نہیں ہے' تو تم لوگ کسی طرح ان کو نہیں لے جاسکتے' اور وہ جب تک ہماری پناہ میں رہیں گے' آزادی سے رہ سکیں گے۔

نجاشی کا مسلمانوں کو تحقیق حال کے لیے طلب کرنا:

چنانچہ نجاشی نے مسلمانوں کو بلایا' چونکہ یہ واقعہ ان لوگوں کے لیے بالکل نیا تھا' اس لیے بہت گھبرائے' اور سوچنے لگے' کہ کیا جواب دینا چاہیے' مگر آخر میں یہ فیصلہ کیا کہ جو کچھ واقعہ ہے صحیح صحیح بیان کردیں گے' خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو۔

جب یہ لوگ حاضر ہوئے' تو نجاشی نے پوچھا کہ تمہارا کون سا دین ہے جس کے باعث تم نے آبائی مذہب کو چھوڑ دیا' اور وہ تمہارا جدید مذہب ہم سب لوگوں کے مذہب سے نرالا ہے' اس کا جواب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے ایک مختصر تقریر میں دیا۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر:

ایھا الملك ! ہم جاہل قوم تھے' بتوں کو پوجتے تھے' مردار خوار تھے' فواحش میں مبتلا تھے' قطع رحم کرتے تھے' پڑوسیوں کے ساتھ برا برتاؤ رکھتے تھے' ہمارا زبردست زبردست کو کھا جاتا تھا' ہماری یہ حالت تھی کہ ہم میں خدا نے ایک ایسا پیغمبر مبعوث کیا' جس کے صدق' عفاف' امانت اور نسب کو ہم جانتے ہیں' اس نے ہم کو خدائے واحد کی طرف بلایا کہ ہم صرف اسی کی پرستش کریں' اور اپنے اور اپنے آبا کے اصنام کی پرستش چھوڑ دیں' اس نے ہم کو سچ بولنے' امانت ادا کرنے' صلہ رحمی کرنے' پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے' حرام باتوں اور خونریزی سے محترز رہنے کا حکم دیا' اور فواحش سے' جھوٹ بولنے سے' یتیم کا مال کھانے سے' عفیفہ عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا' اور خدائے

Marfat.com

واحد کی تنہا عبادت کا حکم دیا کہ اس میں کسی کو شریک نہ کریں' اور صوم وصلوٰۃ اور زکوٰۃ کا حکم دیا' ہم نے اس کو مانا' اور اس پر ایمان لائے' اب جب کہ ہم نے شرک چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کی' اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانا' اس پر ہماری قوم ہماری دشمن ہوگئی' اور ہم کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانے لگی' کہ ہم خدا پرستی کو چھوڑ کو اصنام پرستی شروع کر دیں[1]

نجاشی کا آیات قرآنی سے متاثر ہونا اور اسلام کی حقانیت کا اعتراف:

نجاشی نے کہا: ''خدا کا کلام تم کو کچھ یاد ہے''۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں!

نجاشی نے سننے کی خواہش کی' حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کھیعص کا تھوڑا سا ابتدائی حصہ سنایا' جس کو سن کر نجاشی اور اس کے درباری اسقف اس قدر متاثر ہوئے کہ روتے روتے ڈاڑھیاں تر ہوگئیں' نجاشی نے کہا' کہ یہ اور عیسیٰ علیہ السلام کا لایا ہوا مذہب ایک ہی چراغ کے دو پرتو ہیں۔

وفد مشرکین کی ایک چال:

اور عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ (رضی اللہ عنہما) سے کہا کہ تم دونوں چلے جاؤ' یہ لوگ کسی طرح تمہارے حوالہ نہیں کیے جا سکتے' جب یہ دونوں اس طرح ناکام ہوئے' تو ایک دوسری تدبیر سوچی' وہ یہ کہ نجاشی کے سامنے مسلمانوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان کا عقیدہ دریافت کیا جائے' عیسائی ان کو ابن اللہ کہتے ہیں' اور مسلمان عبداللہ بتائیں گے' ان کے اس عقیدہ کا اثر نجاشی پر برا پڑے گا' غرض دوسرے دن عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بہت غلط عقیدہ رکھتے ہیں' اور ان کی شان میں ناروا الفاظ استعمال کرتے ہیں' ہمارے اس قول کی تصدیق آپ ان کو بلا کر کر سکتے ہیں' یہ آزمائش پہلے سے بھی زیادہ سخت تھی' تاہم ان لوگوں نے یہی فیصلہ کیا کہ قرآن میں جو کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مذکور ہے' وہی نجاشی کے سامنے بیان کریں گے۔ خواہ

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۸۲

Marfat.com

اس کا نتیجہ خراب ہی کیوں نہ نکلے۔

مسلمانوں کی دوبارہ طلبی اور وفد کی ناکامی:

غرض کہ یہ لوگ دربار میں بلائے گئے' نجاشی نے سوال کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہو' حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہماری کتاب کی رو سے وہ خدا کے بندے اور اس کے رسول اور اس کی روح تھے' نجاشی نے زمین پر ہاتھ مار کر ایک تنکا اٹھایا' اور کہا جو تم کہتے ہو' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس تنکے سے ذرہ برابر بھی زیادہ نہیں تھے' اس پر بطارقہ بہت زیادہ چین بجبین ہوئے' اور قریش کی سفارت ناکام رہی۔[1]

مہاجرین حبش کی واپسی:

ابھی مہاجرین حبش میں کچھ ہی دن رہے تھے' کہ ان کو اہل مکہ کے اسلام کی غلط خبر ملی' اس خبر سے فطرۃً ان کو وطن لوٹنے کا شوق پیدا ہوا کہ اب وہاں بھی امن و امان نصیب ہوگا' اس خیال سے یہ لوگ مکہ روانہ ہو گئے' مگر مکہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی' اب یہ لوگ بڑی کشمکش میں پڑے' نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن' لیکن بالآخر یہ سب کسی نہ کسی کی امان میں داخل ہو گئے' البتہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک دن ٹھہر کر واپس چلے گئے۔

---

[1] یہ واقعات سیرۃ ابن ہشام جلد ا مسند احمد بن حنبل جلد ا ص ۲۰۲، ۲۰۳ میں مفصل مذکور ہیں۔

Marfat.com

دوسری ہجرت

حبشہ کی دوسری ہجرت:

مہاجرین مکہ میں قیام پذیر تو ہو گئے' مگر مشرکین مکہ ان کو کب چین لینے دیتے' بالخصوص اس وجہ سے اور جلے ہوئے تھے کہ قریش کی سفارت مہاجرین کے مقابلہ میں دربارِ حبش سے ناکام واپس ہوئی تھی' اور مہاجرین وہاں آرام واطمینان کی زندگی بسر کرتے تھے' اس لیے پھر پہلے کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ ایذا رسانی شروع کر دی' اس لئے آنحضرت ﷺ نے دوبارہ ہجرت حبشہ کی اجازت دے دی' مگر اس مرتبہ پہلی ہجرت کی طرح آسانی سے قافلہ چلا جانا دشوار تھا' کفار نے سخت مزاحمت کی' طرح طرح رکاوٹیں ڈالنا شروع کیں' تاہم ۸۳ مرد اور ۲۰ عورتوں کا قافلہ کسی نہ کسی طرح حبش روانہ ہو گیا[1] اکثر کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
۱	حضرت عثمان بن عفانؓ	۸	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
۲	حضرت ابوحذیفہؓ	۹	حضرت مقداد بن عمروؓ
۳	حضرت عبداللہ بن جحشؓ	۱۰	ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ
۴	حضرت شجاع بن وہبؓ	۱۱	معتب بن عوفؓ
۵	حضرت عتبہ بن غزوانؓ	۱۲	عامر بن ربیعہؓ
۶	حضرت طلیب بن عمیرؓ	۱۳	خنیس بن حذافہؓ
۷	عبدالرحمٰن بن عوفؓ	۱۴	عثمان بن مظعونؓ

[1] طبقات ابن سعد جزو اوّل ص ۱۳۸

Marfat.com

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
۱۵	حضرت عبداللہ بن مظعونؓ	۳۷	حضرت ابوفکیہہؓ
۱۶	حضرت قدامہ بن مظعونؓ	۳۸	حضرت مطلب بن ازہرؓ
۱۷	حضرت سائب بن عثمانؓ	۳۹	حضرت عتبہ بن مسعودؓ
۱۸	حضرت ابوسبرہ بن ابی رہمؓ	۴۰	حضرت شرحبیل بن حسنہ
۱۹	حضرت عبداللہ بن مخزمہؓ	۴۱	حضرت حارث بن خالدؓ
۲۰	حضرت حاطب بن عمروؓ	۴۲	حضرت عمرو بن عثمانؓ
۲۱	حضرت عبداللہ بن سہلؓ	۴۳	حضرت عیاش بن ابی ربیعہؓ
۲۲	حضرت سعد بن خولہؓ	۴۴	حضرت ہاشم بن ابوحذیفہؓ
۲۳	حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ	۴۵	حضرت ہبار بن سفیانؓ
۲۴	حضرت سہیل بن بیضاءؓ	۴۶	حضرت عبداللہ بن سفیانؓ
۲۵	حضرت معمر بن ابی سرح	۴۷	حضرت معمر بن عبداللہؓ
۲۶	حضرت عیاض بن زہیرؓ	۴۸	حضرت عبداللہ بن حذافہؓ
۲۷	حضرت جعفر بن ابی طالبؓ	۴۹	حضرت قیس بن حذافہؓ
۲۸	حضرت خالد بن سعیدؓ	۵۰	حضرت ہشام بن عاصؓ
۲۹	حضرت معیقیب بن ابی فاطمہؓ	۵۱	حضرت ابوقیس بن حارثؓ
۳۰	حضرت خالد بن حزامؓ	۵۲	حضرت سائب بن حارثؓ
۳۱	حضرت اسود بن نوفلؓ	۵۳	حضرت حجاج بن حارثؓ
۳۲	حضرت عمرو بن امیہؓ	۵۴	حضرت تمیم بن حارثؓ
۳۳	حضرت یزید بن زمعہؓ	۵۵	حضرت سعید بن حارث
۳۴	حضرت ابوالروم بن عمیر	۵۶	حضرت سعید بن عمروؓ
۳۵	حضرت خراش بن نضرؓ	۵۷	حضرت محمیہ بن جزءؓ
۳۶	حضرت جہم بن قیس	۵۸	حضرت حاطب بن حارثؓ

Marfat.com

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
۵۹	حضرت خطاب بن حارثؓ	۶۴	حضرت سلیط بن عمروؓ
۶۰	حضرت سفیان بن معمرؓ	۶۵	حضرت سکران بن عمروؓ
۶۱	حضرت خالد بن سفیانؓ	۶۶	حضرت مالک بن زمعہؓ
۶۲	حضرت جنادہ بن سفیانؓ	۶۷	حضرت عمرو بن حارثؓ
۶۳	حضرت نبیہ بن عثمانؓ	۶۸	عثمان بن عبد غنمؓ

❀ ❀ ❀

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
۱	حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا	۱۱	حضرت ام کلثوم بنت عمیس رضی اللہ عنہا
۲	حضرت فاطمہ بنت سعدی رضی اللہ عنہا	۱۲	حضرت فاطمہ بجت عمیس رضی اللہ عنہا
۳	حضرت عمیرہ بنت سعدی رضی اللہ عنہا	۱۳	حضرت امینہ بنت خلف رضی اللہ عنہا
۴	حضرت حسنہ ام شرحبیل رضی اللہ عنہا	۱۴	حضرت خزیمہ بنت جہم رضی اللہ عنہا
۵	حضرت حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا	۱۵	حضرت ام حرملہ رضی اللہ عنہا
۶	حضرت ام سلمہ بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا	۱۶	حضرت فاطمہ بنت مجلل رضی اللہ عنہا
۷	حضرت ریطہ بنت حارث رضی اللہ عنہا	۱۷	حضرت فکیہ بنت یسار رضی اللہ عنہا
۸	رملہ بنت ابی عوف رضی اللہ عنہا	۱۸	حضرت برکہ بنت یسار رضی اللہ عنہا
۹	لیلٰی بنت ابی حثمہ رضی اللہ عنہا	۱۹	حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا
۱۰	سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا		

غریب مسلمانوں کو خانماں برباد کرنے کے بعد بھی قریش کی آتش غضب نہ ٹھنڈی ہوئی' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی حمایت کے جرم میں بنو ہاشم کا مقاطعہ کر دیا' اور ایک معاہدہ مرتب کیا' جس کی رو سے بنو ہاشم کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات جرم قرار دیئے گئے' اس ظالمانہ معاہدہ کے بعد بنو ہاشم شعب ابی طالب میں پناہ گزین ہو گئے'

Marfat.com

اور تین سال تک قید و بند میں گذارے' بالآخر قریش کے ایک نرم دل آدمی ہشام بن عمرو کو بنو ہاشم کی بے کسی پر رحم آیا' اور انہوں نے چند معززین کی تائید سے اس معاہدہ کو منسوخ کر کے چاک کر ڈالا' اور ہاشمیوں کو قید تنہائی سے نجات ملی [1]

حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال:

اس معاہدہ کی تنسیخ کو تھوڑے ہی دن ہوئے تھے' کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حامی اور چہیتے چچا ابو طالب کا انتقال ہو گیا' اس سانحہ کے تقریباً سوا مہینہ بعد ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی داغ مفارقت دیا' اور دو اڑھائی مہینہ کے اندر اندر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں محافظ اٹھ گئے۔

قریش کی ایذا رسانی:

اب قریش کے لیے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی' ابو طالب کی حمایت اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تمول اور ان کی وجاہت سب ختم ہو چکے تھے' اس لیے ان کو دل کھول کر بھڑاس نکالنے کا موقعہ ملا' اور انہوں نے کسی ممکن ایذا رسانی سے دریغ نہ کیا' ان میں اکثر واقعات اوپر گزر چکے ہیں' ایک مرتبہ ایک گستاخ نے مٹی لا کر فرق مبارک پر جھونک دی' آپ اسی حالت میں گھر تشریف لائے' ایک صاحبزادی نے اس حالت میں دیکھا تو زار و قطار رونے لگیں' سر سے مٹی دھوتی جاتی تھیں' اور آنسو بہتے جاتے تھے' سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشفی دیتے تھے کہ جانِ پدر مت رو' خدا تمہارے باپ کو کفار کی دراز دستیوں سے روکنے والا ہے' اس موقع پر آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ابو طالب کی زندگی تک قریش میرے ساتھ کوئی ناروا سلوک نہ کر سکے [2]

تبلیغ اسلام اور طائف کا سفر:

ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد مشرکین مکہ کے جور و ستم نے سرزمین حرم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تنگ کر دی' اس لیے آپ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی معیت

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۰۳، ۲۰۵ [2] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۲۷

Marfat.com

میں طائف کا رخ کیا' کہ شاید وہاں کچھ بندگانِ خدا توحید کی صدا پر لبیک کہیں' چنانچہ طائف پہنچ کر سردارانِ ثقیف کے سامنے اسلام پیش کیا' لیکن جواب کیا ملتا ہے؟ کیا خدا نے تم کو بھیجا ہے؟ کیا خدا کو تمہارے علاوہ دوسرا پیغمبر نہیں ملا؟ خدا کی قسم ہم تم سے بات نہیں کر سکتے' کیونکہ اگر تم پیغمبر ہو جیسا کہ تمہارا خیال ہے' تو تم سے گفتگو کرنے میں بڑا خطرہ ہے' اور اگر جھوٹے ہو' تو قابل التفات نہیں [1] آپ یہ جواب سن کر ایک گونہ مایوس ہو گئے' تاہم دس دن ٹھہر کر قبیلہ ثقیف کے ایک ایک سربرآوردہ شخص سے ملے' لیکن سب نے جواب دیا کہ محمد ﷺ ہمارے یہاں سے نکل جاؤ' اور جہاں تمہاری آواز سننے والے ہوں وہاں جاؤ' صرف اس جواب پر اکتفا نہیں کیا' بلکہ کچھ اوباشوں کو لگا دیا' جنہوں نے ذاتِ اقدس ﷺ پر سنگ باری شروع کر دی' اور اس قدر پتھر برسائے کہ آپ ﷺ کے دونوں پاؤں زخموں سے چور ہو گئے' زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ' آپ ﷺ کو بچاتے تھے' اس مدافعت میں وہ بھی زخمی ہوئے [2]

مکہ کی واپسی اور مطعم بن عدی کی امان:

غرض اس طرح آپ وہاں سے مغموم و ناکام واپس ہوئے' راستہ میں زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ نے گذارش کی کہ مکہ میں ہم کس طرح رہ سکتے ہیں' جب کہ قریش ہمارے نکالنے پر تلے ہوئے ہیں' آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا اپنے مذہب کا حافظ و ناصر ہے' وہ خود ہماری حفاظت کا سامان کرے گا' چنانچہ خدا نے آپ کی حفاظت کا سامان کیا' اور مطعم بن عدی نے اپنی پناہ میں لے کر عام اعلان کر دیا کہ میں نے محمد کو پناہ دی' اس لیے کوئی آپ کے ستانے کا ارادہ نہ کرے' اور آپ ﷺ اطمینان سے ان کے گھر میں رہنے لگے [3]

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد ا ص ۲۳۹، زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا نام طبقات میں ہے۔

[2] ابن سعد حصہ سیرۃ ص ۱۴۲۔

[3] ابن سعد حصہ سیرۃ ص ۱۴۲۔

Marfat.com

مطعم بن عدی کا گھر اور تبلیغ اسلام:

اسلام اور بانی اسلام (ﷺ) کے خلاف غیظ و غضب کا جو طوفان اُٹھا تھا' وہ طائف سے واپسی کے بعد پہلے سے بھی زیادہ تند ہو گیا' لیکن آنحضرت ﷺ اس سے مطلق خوف زدہ اور مایوس نہ ہوئے' بلکہ مطعم بن عدی کے گھر میں بیٹھ کر اور قبائل کا دورہ کر کے بدستور اشاعتِ اسلام فرماتے رہے' اور اجتماع کا کوئی موقع ایسا نہ چھوڑا جس میں خدا کا پیغام نہ پہنچایا ہو' حج کے موسم میں حجاج کے فرودگاہوں پر' بالخصوص عکاظ' مجنہ' اور ذوالعکاظ کے بازاروں میں' غرض جہاں کہیں خدا کے کچھ بندے یکجا ہوتے' وہاں آپ ﷺ ان کے کانوں تک اس کا پیغام پہنچا دیتے' پورے دس سال تک آپ ﷺ اسی فرضِ نبوت کو نہایت جانفشانی اور تندہی کے ساتھ ادا کرتے تھے' جن قبائل میں آپ نے گشت لگا کر پیغامِ خداوندی پہنچایا' ان کی فہرست حسب ذیل ہے۔[1]

بنو عامر' بنو محارب' بنو فزارہ' غسان' مرہ' حنیفہ' سلیم' عبس' بنو نضر' بکا' کندہ' کعب' حارث بن کعب' عذرہ' حضارمہ' لیکن اس دعوت کا مشترک جواب یہ ملتا کہ آدمی کا قبیلہ اس آدمی کے حالات زیادہ جانتا ہے' یعنی جب قریش نے تمہاری دعوت کو مسترد کر دیا تو' دوسرے کیوں قبول کریں۔

تبلیغ کا اثر قبائل پر:

اگرچہ عرب کے تمام قبائل میں اسلام کے خلاف یکساں فضا تھی' تاہم انفرادی طور پر ان میں ایسے نفوسِ صالحہ موجود تھے' جن کی فطرت سلیمہ دعوتِ حق سننے پر مستعد تھی' اور ان کے قلب سلیم کا عارضی زنگ تھوڑی کوشش سے دور ہو سکتا تھا' چنانچہ کفر و ضلالت کے بیابان میں توحید کی آواز بالکل بے اثر نہ رہی' بلکہ بہتیرے قبائل میں اس کا خاصا پرتو پڑا' ان قبائل اور ان کے ان مقدس نفوس کا اجمالی خاکہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے' اس سے اندازہ ہو گا کہ ہجرت سے قبل مکہ میں اسلام نے کن کن قبائل کو متاثر کیا۔

---

[1] زرقانی جلد اص ۳۵۹

Marfat.com

نام قبیلہ	اسمائے گرامی
بنو ہاشم	حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ حضرت جعفر بن ابو طالبؓ حضرت علی بن ابو طالبؓ
موالی ہاشم	حضرت آنسہؓ مولیٰ آنحضرت ﷺ حضرت ابو کبشہؓ مولیٰ آنحضرت ﷺ حضرت زید بن حارثہؓ مولیٰ آنحضرت ﷺ
بنو مطلب	حضرت عبیدہ بن حارثؓ حضرت طفیل بن حارثؓ
بنو مطلب کے حلیف	حضرت ابو مرثد غنویؓ حضرت مرثد بن ابی مرثدؓ
بنو عبد شمس	حضرت عثمان بن عفانؓ حضرت خالد بن سعیدؓ
بنو شمس کے حلیف	حضرت عبداللہ بن جحشؓ حضرت ابو احمد بن جحشؓ حضرت عکاشہ بن محصنؓ حضرت شجاع بن وہبؓ
بنو شمس کے حلیف	حضرت عقبہ بن وہبؓ
بنو نوفل کے حلیف	حضرت عتبہ بن غزوانؓ
بنو اسد بن عبدالعزیٰ	حضرت زبیر بن عوامؓ
بنو اسد کے حلیف	حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ
بنو عبد دار	حضرت مصعب بن عمیرؓ

Marfat.com

نام قبیلہ یا بطن	اسمائے گرامی
بنو عبد بن قصی	حضرت طلیب بن عمیرؓ
بنی زہرہ بن کلاب	حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت طلیب بن ازہرؓ حضرت عبداللہ اصغرؓ حضرت عبداللہ بن شہابؓ حضرت عامر بن ابی وقاصؓ مطلب بن ازہرؓ
بنی زہرہ کے حلیف	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت مقداد بن عمرؓ حضرت خباب بن ارتؓ حضرت مسعود بن ربیع رضی اللہ عنہ حضرت عتبہ بن مسعودؓ حضرت شرحبیل بن حسنہؓ
بنو تیم بن مرہ	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ حضرت عامر بن فہیرہؓ خادمِ صدیق اکبرؓ حضرت حارث بن خالد رضی اللہ عنہ حضرت عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ
بنو مخزوم بن یقظہ	حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ ارقم بن ارقم رضی اللہ عنہ حضرت شماس بن عثمانؓ

Marfat.com

نام قبیلہ یا بطن	اسمائے گرامی
بنومخزوم بن یقظہ	حضرت عیاش بن ابی ربیعہؓ حضرت سلمہ بن ہشامؓ حضرت ہاشم بن ابو حذیفہؓ حضرت ہبار بن سفیانؓ حضرت عبداللہ بن سفیانؓ
بنومخزوم کے محالف	حضرت عمار بن یاسرؓ حضرت مصعب بن عوفؓ
بنوعدی	حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ
بنوعدی	حضرت عمرو بن سراقہ رضی اللہ عنہ حضرت نعیم النحام بن عبداللہؓ حضرت معمر بن عبداللہؓ حضرت عدی بن نضلہؓ حضرت عروہ بن ابی اثاثہ
بنوعدی	حضرت مسعود بن سویدؓ حضرت عبداللہ بن سراقہؓ
حلیف بنوعدی	حضرت عامر بن ربیعہؓ حضرت عاقل بن ربیعہؓ حضرت خالد بن ربیعہؓ حضرت ایاس بن ربیعہؓ

Marfat.com

نام قبیلہ یا بطن	اسمائے گرامی
	حضرت عامر بن ربیعہؓ حضرت خولی بن ابی خولیؓ حضرت مجع بن صالح غلام عمر بن خطابؓ
بنو سہم	حضرت خنیس بن حذافہؓ حضرت عبداللہ بن حذافہؓ حضرت ہشام بن عاصؓ حضرت ابو قیس بن حارثؓ حضرت عبداللہ بن حارثؓ حضرت سائب بن حارثؓ حضرت حجاج بن حارثؓ حضرت تمیم بن حارثؓ حضرت سعید بن حارثؓ حضرت سعید بن عمروؓ
بنی جمح بن عمرو	حضرت عثمان بن مظعونؓ حضرت عبداللہ بن مظعونؓ حضرت قدامہ بن مظعونؓ حضرت سائب بن عثمانؓ حضرت معمر بن حارثؓ حضرت خطاب بن حارثؓ حضرت سفیان بن معمرؓ حضرت خالد بن سفیانؓ

Marfat.com

نام قبیلہ یا بطن	اسمائے گرامی
	حضرت جنادہ بن سفیانؓ حضرت نبیہہ بن عثمانؓ
بنو عامر بن لوئی	حضرت ابو سبرہ بن ابی رہمؓ حضرت عبداللہ بن مخرمہؓ حضرت حاطب بن عمروؓ حضرت عبداللہ بن سہیلؓ حضرت عمیر بن عوفؓ حضرت وہب بن سعدؓ حضرت سلیط بن عمروؓ حضرت سکران بن عمرؓ حضرت مالک بن زمعہؓ
بنو فہر بن مالک	حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ حضرت معمر بن ابی سرح رضی اللہ عنہ عیاض بن زہیر رضی اللہ عنہ عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ عثمان بن عبد غنم رضی اللہ عنہ
بنو اسد بن عبدالعزیٰ	حضرت سعید بن عبد قیسؓ حضرت خالد بن حزامؓ حضرت اسود بن نوفلؓ حضرت عمرو بن امیہؓ حضرت یزید بن زمعہؓ

Marfat.com

نام قبیلہ یا بطن	اسمائے گرامی
بنو عبد دار بن قصی	حضرت ابوالروم بن عمیرؓ حضرت فراس بن نضرؓ حضرت جہم بن قیسؓ
بنو عبد بن قصی کے حلیف	حضرت ابو فکیہہؓ
بنی سعد کے حلیف	حضرت محمیہ بن جزاءؓ
قبیلہ دوس	حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ دوسیؓ حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ رئیس قبیلہ

قبیلہ دوس کی خواہش:

جب کہ مکہ میں چاروں طرف مشرکین کی یورش اور دشمنانِ اسلام کا نرغہ تھا' اس وقت بھی اطرافِ مکہ کے وہ قبائل جن پر اسلام کا پرتو پڑ چکا تھا' ذاتِ نبوی (ﷺ) کی حمایت اور امداد پر آمادہ تھے' چنانچہ قبیلہ دوس جو مستحکم قلعہ کا مالک تھا' اس کے سردار طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے خواہش کی آنحضرت ﷺ یہاں ہجرت کر آئیں' لیکن آپؐ نے انکار کر دیا[1] اسی طریقہ سے ایک ہمدانی نے آپؐ کی حفاظت پر آمادگی ظاہر کی[2] لیکن بغیر آپ حکم الٰہی کے مجبور تھے۔

مدینہ کا خواب:

بالآخر جس چیز کا انتظار تھا' آنحضرت ﷺ کو عام رویا میں اس کا مشاہدہ کرا دیا گیا' اور آپؐ نے خواب دیکھا کہ مکہ سے کھجوروں والی زمین میں ہجرت کر رہے ہیں' اس سے آپؐ یمامہ یا ہجر سمجھے' لیکن درحقیقت یہ یثرب کی بابرکت زمین تھی۔[3]

اہل مدینہ کا قبول اسلام:

اوپر گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ حج کے موسم میں حجاج میں تبلیغ اسلام فرماتے

---

[1] مسلم جلد ا باب الدلیل علی ان قاتل نفسہ لا یکفر۔ [2] مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۱۳
[3] بخاری جلد ا ص ۵۵۱

Marfat.com

تھے' اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چند خزرجی اشخاص ملے' آپ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا' ان کا آئینہ قلب اس کے پہلے ہی عکس میں توحید کے پرتو سے چمک اٹھا' البتہ ان کی تعداد اور اولیت میں اختلاف ہے کہ پہلی مرتبہ کتنے لوگ مشرف باسلام ہوئے اور وہ کون کون لوگ تھے' ان کی تعداد باختلاف روایت ۲، ۶ اور ۸ ہے۔ لیکن ۶ کی روایت مرجح ہے' اور اس صورت میں واقعہ کی صورت میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو موسم حج میں بنونجار کے کچھ آدمی ملے' آپ نے دریافت فرمایا کہ تم یہود کے حلیف ہو' انہوں نے اثبات میں جواب دیا' آپؐ نے اسلام پیش کیا' اور قرآن کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں' اور وہ لوگ مشرف باسلام ہوگئے۔ ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں[1]

حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ	حضرت عوف بن حارث رضی اللہ عنہ
حضرت رافع بن مالک رضی اللہ عنہ	حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ
حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ	حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

انصار کی پہلی بیعت:

دوسرے سال موسم حج میں خزرج کے بارہ آدمی آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی' یہ بیعت جہاد نہ تھی' بلکہ چند اخلاقی باتوں کا عہد تھا' یعنی شریک' چوری' زنا' قتل اولاد' اور بہتان سے احتراز اور امر بالمعروف میں اطاعت۔ یہ لوگ جب بیعت کر کے واپس جانے لگے' تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو تعلیم قرآن کے لئے ساتھ کر دیا' یہ وہاں امامت بھی کرتے تھے۔[2]

انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی دوسری بیعت:

تیسری مرتبہ خزرجی مسلمان بہتر اشخاص اپنے ساتھ لائے' اور ان سبھوں نے بیعت کی' مگر یہ بیعت آسان نہ تھی' اس میں جان کی بازی تھی کہ وہ ہزاروں دشمنانِ اسلام کے درمیان آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت اپنے اہل وعیال کی طرح کریں گے۔[3]

---

[1] ابن سعد حصہ سیرۃ ص ۱۴۷۔ [2] سیرۃ ابن ہشام جلد ا ص ۳۳۷۔ [3] ایضاً ص ۲۴۳

Marfat.com

عام ہجرت:

انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بیعت اور اذنِ ہجرت کے بعد ستم رسیدہ مسلمانوں کے لیے بیت الامن مدینہ کی شاہراہ کھل گئی، اور آنحضرت ﷺ نے عام مسلمانوں کو مژدہ سنا دیا، اور ہجرت کا سلسلہ شروع ہوگیا، سب سے پہلے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد اور عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہما نے ابتداء کی[1] اس کے بعد مسلمان ہر طرف سے جوق در جوق اس جائے پناہ میں آنے لگے، ان کی فہرست بہت طویل ہے، اکثروں کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔[2]

عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ	محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ	زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ
ابواحمد بن جحش رضی اللہ عنہ	عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ	کنانہ بن حصین رضی اللہ عنہ
عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ	عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ	آنسہ رضی اللہ عنہ
شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ	زید بن خطاب رضی اللہ عنہ	ابوکبشہ رضی اللہ عنہ
عقبہ بن وہب رضی اللہ عنہ	عمرو بن سراقہ رضی اللہ عنہ	عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ
اربد بن حمیرہ رضی اللہ عنہ	عبداللہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ	طفیل بن حارث رضی اللہ عنہ
منقذ بن نباتہ رضی اللہ عنہ	خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ	حصین بن حارث رضی اللہ عنہ
یزید بن رقیش رضی اللہ عنہ	سعید بن زید رضی اللہ عنہ	مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ
سعید بن رقیش رضی اللہ عنہ	عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ	سویبط بن سعد رضی اللہ عنہ
محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ	واقد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	طلیب بن عمیر رضی اللہ عنہ
قیس بن جابر رضی اللہ عنہ	خولی بن ابی خولی رضی اللہ عنہ	خباب مولیٰ عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ
عمرو بن محصن رضی اللہ عنہ	مالک بن ابی خولی رضی اللہ عنہ	زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ
مالک بن عمرو رضی اللہ عنہ	ایاس بن بکیر رضی اللہ عنہ	ابوسبرہ رضی اللہ عنہ
صفوان بن عمرو رضی اللہ عنہ	عامر بن بکیر رضی اللہ عنہ	مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ
ثقیف بن عمرو رضی اللہ عنہ	عاقل بن بکیر رضی اللہ عنہ	ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۵۶۔

[2] ناموں کی تفصیل سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۵۳ تا ۲۶۳ سے لی گئی ہے۔

Marfat.com

ربیعہ بن اکثم رضی اللہ عنہ زبیر بن عبیدہ رضی اللہ عنہ تمام بن عبیدہ رضی اللہ عنہ سنجرہ بن عبید رضی اللہ عنہ	خالد بن بکیر رضی اللہ عنہ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ	سالم مولیٰ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ——
مستورات زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ام حبیب بنت جحش رضی اللہ عنہا	جدامہ بنت جندل رضی اللہ عنہا ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا ام حبیب بنت ثمامہ رضی اللہ عنہا آمنہ بنت رقیش رضی اللہ عنہا	سنجرہ بنت تمیم رضی اللہ عنہا حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا ام سلمہ رضی اللہ عنہا ——

ہجرت کا سلسلہ فتح مکہ تک کیوں قائم رہا اور اس کے کیا اسباب تھے؟

مدینہ آنے کے بعد مسلمانوں کی زندگی بڑی حد تک محفوظ و مطمئن ہو گئی تھی' تاہم ہجرت عظمیٰ کے بعد اس کا سلسلہ منقطع نہیں کیا گیا' اور کچھ نہ کچھ لوگ برابر ہجرت کرتے رہے' اس کے متعدد وجوہ و اسباب تھے' اوّل یہ کہ ابھی بہت سے ستم رسیدہ مسلمان مشرکین کے پنجہ ظلم میں اسیر تھے' جب جب ان کی گلو خلاصی ہوتی گئی مدینہ آتے گئے' دوسرے یہ کہ ان مسلمانوں کے لئے جو مکہ سے دور دراز مقامات پر رہتے تھے' اتنا وقت درکار تھا کہ ہجرت کے لیے ضروری انتظامات کر سکیں' تیسرا اور سب سے اہم سبب یہ تھا کہ ہجرت کے بعد بھی اسلام میں اتنی قوت پیدا نہ ہوئی تھی کہ وہ اپنے ان پرستاروں کے جان و مال کی پوری حفاظت کر سکیں جو مدینہ کے علاوہ دوسرے مقامات پر رہتے تھے' اور یہ اس وقت تک ناممکن تھا' جب تک کہ مشرکین کی قوت نہ ٹوٹ جائے' اور ان کا سب سے بڑا قبلہ اور مرکز مکہ مکرمہ مسلمانوں کے قبضہ میں نہ آ جائے' اس لیے ہجرت کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہا جب تک خانہ کعبہ پر توحید کا علم نصب نہ ہو گیا' اور ہجرت عظمیٰ کے بعد سے فتح مکہ تک برابر مسلمان آتے رہے' چنانچہ غزوہ خیبر کے قبل تک جو فتح مکہ کے کچھ ہی دن پیشتر ہوا' قابل ذکر اشخاص میں سعید بن عامر بن حذیم' حجاج بن علاط اور عوف بن مالک اشجعی

Marfat.com

رضی اللہ عنہم آئے، پھر عین غزوہ خیبر کے موقعہ پر مہاجرین حبش کا پورا قافلہ مدینہ آ گیا، ان سب کے نام اوپر لکھے جا چکے ہیں، پھر فتح مکہ کے کچھ دن پہلے مسلمانوں کی کافی تعداد آئی، جن میں ذیل کے اشخاص قابل ذکر ہیں، حضرت عمرو بن عاص، خالد بن ولید، مغیرہ بن شعبہ، سلمہ بن اکوع، ابو ہریرہ، دوسی، عبداللہ بن ابی اوفی، ربیعہ بن کعب اسلمی، سلیمان بن صرد رضوان اللہ علیہم اجمعین، اور یہ سلسلہ فتح مکہ تک قائم رہا، فتح مکہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ:

لا ھجرۃ بعد الفتح الاجھاد ونیۃ[1]

''فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں، اب صرف جہاد اور نیت کا ثواب ہے''۔

کیونکہ اب اسلام کو کل عرب میں امن و امان حاصل ہو گیا تھا، اور مسلمان کی حفاظت کے لیے کسی خاص دارالامان کی ضرورت نہیں تھی۔

---

[1] بخاری کتاب الجہاد باب وجوب التفسیر و ما یجب من الجہاد۔

Marfat.com

مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل و مناقب

کلام اللہ اور مہاجرین:

انسان کے لیے تھوڑے عرصہ تک مصائب برداشت کر لینا زیادہ دشوار نہیں ہے' کچھ دنوں کے لیے وہ مالی نقصان بھی اٹھا سکتا ہے' جسمانی اذیتیں بھی برداشت کر سکتا ہے' بلکہ اس سے بڑھ کر ایک مرتبہ جان بھی دے سکتا ہے' مگر جیتے جی ہمیشہ کے لیے خویش و اقارب' اہل و عیال' اور مال و دولت سب چھوڑ کر جلا وطنی کی مصیبت نہیں سہہ سکتا' مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سب سے بڑا ایثار' سب سے بڑی قربانی اور سب سے بڑا اشرف یہی ہے کہ وہ صرف خدا اور رسول کی خوشنودی کے لیے اپنے وطن' اپنے اہل و عیال اور اپنے مال و جائیداد سب کو چھوڑ کر بے خانماں ہوئے' یہ وہ جذبہ فدویت ہے جس کی مثال مذاہبِ عالم کے تاریخی صفحوں میں نہیں مل سکتی' جب وہ گھر سے بے گھر ہوئے تو ان کے جیب و دامن مال و دولت کے زخارف سے خالی تھے' کھانے پینے تک کا سہارا نہ تھا نہ کپڑا تھا' غرض وہ ہر قسم کی مادی دولت سے تہی دامن تھے' لیکن ان کے دل ایمان' خدا اور رسول کی محبت' اور ولولہ مذہب کی دولت سے معمور تھے' اور اس نے ان کو تمام مزخرفات دنیوی سے بے نیاز کر دیا تھا۔

خدا نے ان کے یہ تمام صفات قرآن پاک میں خود بیان فرمائے ہیں' چنانچہ سورۂ حشر میں مہاجرین کی یہ خصوصیات شمار کرائی گئی ہیں:

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴾ (الحشر ع ۱)

''(مالِ غنیمت میں) ان محتاج مہاجرین کا بھی حق ہوتا ہے جو اپنے وطن سے نکالے گئے' اور اپنی جائداد و دولت سے محروم کر دیئے گئے' اور خدا کے فضل اور اس کی رضا مندی کے متلاشی ہیں' اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں' یہ ہیں

Marfat.com

راست باز لوگ''۔

ان کے اقوال وافعال یہ تھے:

﴿ اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ کَثِیْرًا وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴾ (الحج ع ٦)

''وہ لوگ اپنے گھروں سے ناحق اس جرم میں نکالے گئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے' اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے نہ ہٹوا دیتا تو کلیسے اور گرجے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے' گرا دیئے جا چکے ہوتے' اور جو اللہ کی مدد کرے گا' اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا' بیشک اللہ قوت والا اور غالب ہے' یہ لوگ (مہاجرین) اگر ہم ان کو حکومت دے کر زمین پر قادر کر دیں تو یہ نمازیں پڑھیں گے' زکوۃ دیں گے اور لوگوں کو اچھے کام کے لیے کہیں گے اور برے کاموں سے منع کریں گے اور انجام خدا ہی کے لیے ہے''۔

ان قربانیوں کے صلہ میں دنیا اور آخرت کی سب سے گراں بہا نعمت ان کو حاصل تھی' یعنی رضائے الٰہی اور اس کی رحمت۔ درجات اور مراتب کے اعتبار سے بھی وہ خدا کے نزدیک سب سے بلند تر تھے۔

﴿ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا ﴾ (توبہ ع ٢)

''جو لوگ ایمان لائے' اور ہجرت کی اور جان و مال سے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا' یہ لوگ اللہ کے نزدیک بہت بلند مرتبہ ہیں' اور یہی لوگ کامیاب

Marfat.com

ہونے والے ہیں' ان کا رب ان کو اپنی خوشنودی اور رحمت اور ایسے باغوں کی خوشخبری دیتا ہے' جن میں ان کو دائمی آسائش ہے' اور یہ لوگ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے''۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہجرت کے علاوہ ان کی شان یہ بھی ہے کہ وہ اپنی جان اور اپنا مال خدا کی راہ میں لٹاتے ہیں۔

ایک دوسری آیت میں نہ صرف مہاجرین کے لیے بلکہ مہاجرین کے نقش قدم پر چلنے والوں کے لیے بھی اس خوشنودی کا مژدہ سنایا گیا ہے۔

﴿ وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ اَعَدَّلَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ (توبہ ع ۱۳)

''اور مہاجرین و انصار میں سے جن لوگوں نے اسلام میں سبقت کی اور وہ لوگ جنہوں نے خلوصِ قلب سے ان کا اتباع کیا' خدا ان سے راضی ہے اور وہ لوگ خدا سے راضی ہیں۔ اور ان کے لیے ایسے باغ تیار کرائے گئے ہیں' جن کے نیچے نہریں رواں ہیں' ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' یہ بڑی کامیابی ہے''۔

ایمان والوں کی شان یہ ہے کہ وہ رحمتِ الٰہی سے ناامید نہیں ہوتے' اس لیے مہاجرین ہمیشہ اس کی رحمت کے امیدوار رہتے تھے۔

﴿ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (بقرہ ع ۲۷)

''جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی' اور راہِ خدا میں جہاد کیا یہی لوگ خدا کی رحمت کے امیدوار ہیں' اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

خدا ان کی اس امیدِ رحمت کو اس طرح پورا کرے گا کہ ان کے تمام گناہوں سے درگزر کرے گا' اور ان کی خطائیں ان کے نامۂ اعمال سے مٹا دے گا۔

﴿ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِىْ سَبِيْلِىْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا

Marfat.com

لَاُکَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ وَلَاُدۡخِلَنَّهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۞

(آل عمران : ع ۲۰)

"پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے وطن سے نکالے گئے' اور میرے راستے میں تکلیفیں پہنچائیں گئیں' اور لڑے اور مارے گئے' ہم ان کی برائیوں کو مٹا دیں گے' اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جس کے نیچے نہریں رواں ہوں گی"۔

خدا ان کی اس خانہ بربادی کے صلہ میں ان کو دنیا میں بھی بلند مرتبہ کرے گا' اور آخرت میں بھی سرفراز فرمائے گا۔

﴿وَالَّذِيۡنَ هَاجَرُوۡا فِى اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا ظُلِمُوۡا لَـنُبَوِّئَنَّهُمۡ فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً ‌ؕ وَلَاَجۡرُ الۡاٰخِرَةِ اَكۡبَرُ‌ ۘ لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ ﴾ (نحل ع ٦)

"اور جن مسلمانوں نے اپنی مظلومیت کی وجہ سے ہجرت کی ان کو ہم دنیا میں ضرور اچھی جگہ بٹھائیں گے' اور آخرت کا اجر اس سے بہت بڑا ہے کاش وہ لوگ جانتے"۔

مہاجرین نے راہ خدا میں تمام شدائد اٹھائے' جلاوطن ہوئے' ہر طرح کی جسمانی اور روحانی تکلیفیں برداشت کیں مگر ابرو پر شکن تک نہ آئی اور نہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹا' خدا نے ان کو اس استقامت اور صبر کا صلہ دیا۔

﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيۡنَ هَاجَرُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا فُتِنُوۡا ثُمَّ جَاهَدُوۡا وَصَبَرُوۡۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنۡۢ بَعۡدِهَا لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴾ (نحل ع ١٤)

"پھر خدا ان لوگوں کے لئے جنہوں نے مصیبت میں مبتلا ہونے کے بعد گھربار چھوڑا اور جہاد کیا' اور (ان کی تکلیفوں پر) صبر کیا' بیشک تمہارا خدا (ان امتحانوں کے بعد) بخشنے والا مہربان ہے"۔

سورۂ حج میں ایک موقع پر اپنے انعام واکرام کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

﴿وَالَّذِيۡنَ هَاجَرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوۡۤا اَوۡ مَاتُوۡا لَيَرۡزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزۡقًا حَسَنًا

Marfat.com

﴿ وَ اِنَّ اللّٰہَ لَھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ لَیُدْخِلَنَّھُمْ مُّدْخَلًا یَّرْضَوْنَہٗ ﴾ (حج ع ۸)

''جن لوگوں نے خدا کی راہ میں ہجرت کی' پھر شہید ہو گئے یا مر گئے' ان کو خدا ضرور اچھا رزق دے گا' بیشک خدا ہی روزی دینے والوں میں بہتر روزی دینے والا ہے' وہ ان کو ایسی جگہ داخل کرے گا جس سے وہ لوگ خوش ہو جائیں گے''۔

تنگدستی و عسرت کے وقت جب کہ تمام رشتہ داریاں منقطع ہو جاتی ہیں اور احباب کنارہ کش ہو جاتے ہیں' مہاجرین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا' خدا نے اس کے عوض میں ان پر اپنا یہ فضل کیا:

﴿ لَقَدْ تَّابَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ وَالْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ فِیْ سَاعَۃِ الْعُسْرَۃِ ﴾ (توبہ ع ۱۴)

''اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان مہاجرین و انصار پر...... اپنا فضل و کرم کیا' جنہوں نے عسرت کی گھڑیوں میں نبی کا ساتھ دیا''۔

خدا نے صرف اپنے فضل و کرم پر اکتفا نہ کیا' بلکہ صاحبِ مقدور مسلمانوں کو ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی خطاؤں سے درگزر کرنے کی ہدایت فرمائی' اور اس کو موجبِ مغفرت قرار دیا۔

﴿ وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَ السَّعَۃِ اَنْ یُّؤْتُوْٓا اُولِی الْقُرْبٰی وَ الْمَسٰکِیْنَ وَالْمُھٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ (نور ع ۳)

''تمہارے صاحب فضل اور صاحبِ مقدور لوگ قرابت والوں اور محتاجوں اور مہاجرین فی سبیل اللہ کی (مالی) مدد نہ کرنے کی قسم نہ کھالیں' بلکہ چاہیے کہ ان کی خطائیں معاف کر دیں' اور ان سے درگزر کریں' کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا تمہاری مغفرت کرے' اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

ہجرت اخلاص فی الاسلام کی علامت اور ایمان کی کسوٹی ہے' اس سے مومنین اور منافقین میں امتیاز ہوتا ہے' بغیر ہجرت ان پر اعتماد کی اجازت نہیں۔

Marfat.com

﴿ فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ (النساء ع ۱۱)

''جب تک یہ لوگ (منافقین) خدا کی راہ میں ہجرت نہ کر جائیں' اس وقت تک ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ''۔

مسلمانوں میں صرف وہی ایک دوسرے کے دوست ہیں' جنہوں نے راہ خدا میں گھر چھوڑے' اور اس کے راستہ میں جانی اور مالی جہاد کیا' یا جنہوں نے مہاجرین کی امداد کی۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ﴾ (انفال ع ۱۰)

''جو لوگ ایمان لائے' اور انہوں نے ہجرت کی اور راہِ خدا میں اپنی جان و مال سے جہاد کیا' اور جن لوگوں نے ان (مہاجرین) کو جگہ دی' اور ان کی مدد کی' یہی لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں''۔

وراثت کے لیے تنہا ایمان کافی نہیں' بلکہ ایمان کے ساتھ ساتھ ہجرت بھی نہایت ضروری ہے' ورنہ وارث مورث کی وراثت نہیں پا سکتا۔

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يُهَاجِرُوْا مَالَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَىْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ﴾

(انفال ع ۱۰)

''اور وہ لوگ جو ایمان لائے مگر ہجرت نہیں کی' تو تم کو ان کی وراثت سے کوئی تعلق نہیں' جب تک وہ ہجرت نہ کر جائیں''۔

ایمان کی پختگی کا دارومدار ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ پر ہے'

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴾ (انفال ع ۱۰)

''اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی' اور خدا کے راستہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی' یہی لوگ پکے ایمان والے ہیں' اور ان کے لیے مغفرت اور عزت کی روزی ہے''۔

Marfat.com

احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم):

قرآن کے علاوہ احادیث میں بھی ہجرت کی اہمیت اور مہاجرین کے فضائل کا کافی ذخیرہ موجود ہے' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک موقعہ پر مہاجرین کی فضیلت اس پیرایہ میں ظاہر کرتے ہیں: [1]

((لو لا الهجرة لكنت امرأمن الانصار))[1]

''اگر ہجرت نہ ہوتی' تو میں بھی انصار کا ایک فرد ہوتا''۔

ہجرت حفاظتِ دین کی خاطر کی جاتی تھی'

((فقالت لا هجرة اليوم كان المؤمنون يفر احدهم بدينه الى الله و رسوله)). [2]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اب ہجرت کا حکم منسوخ ہو گیا' یہ مومنین کے لیے اس وقت تھی' جب وہ اپنے دین کو بچانے کے لیے خدا اور اس کے رسول کی طرف فتنہ کے خوف سے بھاگ کر پناہ گزین ہوتے تھے''۔

ہجرت کا معاملہ نہایت سخت ہے' اور وہی لوگ اس کو کر سکتے ہیں جو اپنے دین و اعتقاد میں نہایت سخت ہوں'

((جاء اعرابى الى النبى صلى الله عليه وسلم فسأله عن الهجرة فقال : ويحك ان الهجرة شانها شديد)).

''ایک اعرابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر ہجرت کے بارہ میں سوال کیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجھ پر افسوس ہے' ہجرت بہت ہی سخت ہے''۔

ہجرت کا ثمرہ نیت پر ہے'

((عن عمر رضی اللہ عنہ قال سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول الاعمال بالنية فمن كانت هجرته الى الدنيا يصيبها او امرأة يتزوجها فهجرته الى ما هاجر اليه و من كانت هجرته الى الله و رسوله فهجرته الى الله و رسوله)). [3]

---

[1] بخاری باب بنیان الکعبہ' باب ہجرت النبی [2] بخاری جلد ا ص ۵۵۳

[3] بخاری جلد ا باب هجرة النبى صلى الله عليه وسلم و اصحابه الى المدينة.

Marfat.com

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے' پس جس کی نیت ہجرتِ دنیا کے لیے یا کسی عورت سے شادی کی نیت سے ہوگی تو یہ ان ہی چیزوں کے لئے ہوگی اور جو ہجرت اللہ اور رسول کے لیے ہوگی' اس کا اللہ و رسول کی خوشنودی میں شمار ہوگا''۔

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہجرت جاہ و دولت کے لیے نہ تھی' بلکہ جس چیز کے لیے تھی' اس کو خود حضرت خباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((کنا هاجرنا مع رسول الله صلی الله علیه و آله و سلم نبتغی وجه الله نوجب جرنا علی الله))۔[1]

''ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خالصۃً لوجہ اللہ چھوڑتے تھے' اس لیے ہم اجر کے مستحق ہو گئے''۔

چونکہ مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے وطن کو خالصۃً لوجہ اللہ چھوڑتے تھے' اس لئے دوبارہ اس زمین میں رہنا اور مرنا تک گوارا نہ کرتے تھے' چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ہجرت کے بعد کسی ضرورت سے مکہ آئے' اور وہاں آ کر بیمار پڑ گئے۔ حالت نازک ہوئی تو محض اس خیال سے زیادہ پریشان تھے کہ مکہ ہی میں انتقال نہ ہو جائے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کو ناپسند فرماتے تھے' چنانچہ آپ خود بیان کرتے ہیں:

((عند سعد بن ابی وقاص قال جاء نی النبی صلی الله علیه و سلم یعودنی و انا بمکة وهو یکره ان یموت بالارض التی هاجر منها))۔[2]

''حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو مکہ تشریف لائے' اور آپ اس مقام پر موت کو ناپسند فرماتے تھے' جہاں سے ہجرت کی گئی ہو''۔

اسی حدیث میں اس موقع پر ایک روایت میں ہے کہ خود حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے

---

[1] بخاری جلد اوّل باب ہجرۃ النبیؐ و اصحابہ الی المدینۃ [2] بخاری جلد اول ص ۳۸۳

Marfat.com

آنحضرت ﷺ سے دعائے صحت کی درخوست کی تاکہ ان کی ہجرت ناکام نہ رہ جائے۔

((قال مرضت فعادنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت یا رسول اللہ ادع اللہ ان لا یردنی علی عقبی)) [۱]

''حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہوا' آنحضرت ﷺ میری عیادت کو تشریف لائے۔ میں نے درخواست کی کہ حضور ﷺ میرے لیے دعا فرمائیں کہ خدا مجھ کو الٹے پاؤں نہ لوٹائے''۔

اس درخواست پر آپ نے یہ دعا فرمائی:

((اللھم امض اصحابی ھجرتھم ولا یردھم علی اعقابھم)).

''خدایا! میرے اصحاب کی ہجرت پوری کر دے اور ان کو الٹے پاؤں نہ لوٹا''۔

اکابر اصحاب رضی اللہ عنہم ہجرت کو اپنے لیے سرمایہ فخر سمجھتے تھے' چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فخر یہ فرماتے تھے کہ: "ھاجرت الھجرتین اوالتین" [۳]

مہاجرین قیامت کے دن عام مسلمانوں سے ممتاز اور آفات کی طرح تاباں ہوں گے۔

((عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما حین طلعت الشمس فقال سیاتی ناس من امتی یوم القیامۃ نورھم کضوع الشمس قلنا من اولئک یا رسول اللہ' فقال فقراء المھاجرین تتقی بھم المکارہ یموت احدھم و حاجتہ فی صدرہ یحشرون من اقطار الارض)). [۴]

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ طلوع آفتاب کے وقت آنحضرت ﷺ کے پاس تھے' آپ نے فرمایا کہ عنقریب قیامت کے دن میری امت کے کچھ لوگ ایسے اٹھیں گے کہ جن کا نور ضیائے شمس کے مماثل ہوگا' ہم

---

[۱] بخاری جلد اوّل ص: ۳۸ [۲] بخاری باب ہجرۃ الحبشہ [۳] ایضاً
[۴] کنز العمال جلد ۷ ص ۱۳۲

Marfat.com

لوگوں نے کہا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہوں گے' فرمایا فقراء مہاجرین جن کے ذریعہ سے مصیبتوں کا تحفظ کیا جاتا ہے اور اپنی حسرتیں اور تمنائیں سینوں میں لیے ہوئے دنیا سے اٹھتے ہیں' یہ لوگ مختلف اقطاعِ عالم سے اٹھائے جائیں گے"۔

مہاجرین کے لیے عام مسلمانوں سے مدتوں پہلے جنت کے دروازے کھل جائیں گے۔

((قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اتعلم اول زمرة تدخل الجنة من امتي فقراء المهاجرين ياتون يوم القيمة الى باب الجنة و مستفتحون فتقول لهم خزنه او قدحو سبتم قالوا باى شيء نحاسب و انما كانت اسيافنا على عواتقنا في سبيل الله حتى متنا على ذالك فيفتح لهم فيقيلون فيها اربعين عاما قبل ان يدخلها الناس))[1] (مسند ابن عمر)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم میری امت کے اس زمرہ کے لوگوں کو جانتے ہو جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا' وہ فقراء مہاجرین ہوں گے' قیامت کے روز وہ جنت کے دروازہ پر آ کر باب جنت کھلوانا چاہیں گے۔ دربان سوال کریں گے کہ کیا تمہارا حساب ختم ہو چکا ہے وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہمارا کس چیز کا حساب ہوگا' خدا کے راستہ میں ہماری تلواریں ہمارے زیبِ دوش رہیں اور اسی آن کے ساتھ جان دی اس کے بعد جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے' اور عام لوگوں کے داخلہ سے چالیس سال قبل وہ لوگ اس میں آرام کریں گے"۔

مہاجرین کسی حالت اور کسی وقت میں بھی اسلام کی خدمت سے پہلو تہی نہ کرتے تھے فاقہ پر فاقہ ہوتے' مگر ان کی جانفروشیوں میں فرق نہ آتا' غزوۂ خندق کے موقعہ پر علی الصباح کڑکڑاتے جاڑوں میں خالی پیٹ خندق کھودتے تھے' چنانچہ اسی موقعہ

---

[1] کنز العمال جلد ۷ ص ۱۳۳

Marfat.com

پر ایک دن صبح سویرے آنحضرت ﷺ نکلے تو یہ منظر دیکھا:

((قال خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم الى الخندق فاذا المهاجرون والانصار يحفرون فى غداة باردة فلم يكن لهم عبيد يعملون ذلك فلما رأى بابهم من النصب والجوع)).

''رسول اللہ ﷺ خندق کی طرف گئے تو آپ نے دیکھا کہ مہاجرین اور انصار سردی کی صبح میں خندق کھود رہے ہیں' اور ان کے پاس کوئی نوکر چاکر نہیں کہ اس کام کو کر دے اور ان کی تھکن اور بھوک کو دیکھ کر یہ دعا فرمائی۔

اللهم ان العيش عيش الاخرة فاغفر الانصار والمهاجر.

''خدایا! اصل عیش آخرت کا عیش ہے' مہاجرین اور انصار کی مغفرت فرما''۔

ان فضائل کے علاوہ مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک نمایاں فضیلت یہ تھی کہ ان کا دامن نفاق کے داغ سے پاک و صاف تھا' اس لیے منافق وہ لوگ تھے جو در پردہ تو اسلام کے دشمن تھے مگر خوف سے اس کا اظہار نہ کر سکتے تھے' یا وہ تھے جو مال و دولت کی طمع میں مسلمان ہوئے تھے' یا وہ تھے جو خوف سے اسلام لائے تھے' اور مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اسلام ان تینوں چیزوں کی آمیزش سے پاک تھا' اس لیے کہ جب یہ لوگ مشرف باسلام ہوئے' اس وقت اسلام بالکل ابتدائی حالت میں تھا' نہ اس کے پاس مال و زر تھا' نہ قوت و حکومت تھی' بلکہ اس زمانہ میں جو لوگ مسلمان ہوئے ان کی جان اور ان کا مال خود خطرہ میں پڑ گیا تھا' اس لئے ان کا اسلام خالصۃً للہ تھا' ایک سبب یہ بھی تھا کہ مکہ کی سیزدہ سالہ زندگی میں مسلمان تعداد اور قوت دونوں حیثیتوں سے کفار کے مقابلہ میں ضعیف تھے' اس لیے وہ مسلمانوں کا مقابلہ اپنی قوت کے بل پر کرتے تھے' اس لیے ان کی دوستی اور دشمنی دونوں کھلی ہوئی تھیں۔

اس کے برعکس مدینہ میں انصار کے علاوہ کچھ لوگ تو خوف سے اسلام کے دائرہ

---

[1] بخاری جلد ۲ کتاب المغازی باب غزوۂ خندق

Marfat.com

میں داخل ہوئے اور کچھ لوگوں نے مال و زر کی طمع میں اسلام قبول کیا' اس کے علاوہ جن لوگوں کے اقتدار کو اسلام نے صدمہ پہنچایا تھا' وہ در پردہ تو ان کے مخالف تھے' مگر علی الاعلان اس کا اظہار نہیں کر سکتے تھے کہ مسلمانوں میں کافی طاقت آ چکی تھی' خود انصار ان کی پشت پناہ تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی وغیرہ اسی قسم کے لوگوں میں تھے' اس لیے مکی سورتوں میں کہیں نفاق و منافقت کا تذکرہ نہیں ہے' اور مدنی سورتوں میں اس کا بکثرت ذکر آتا ہے' نساء' توبہ' انفال' احزاب' حدید اور فتح مدنی سورتیں ہیں اور ان سب میں مذمت کے ساتھ نفاق کا ذکر ہے' سورۂ منافقون میں مخصوص طور پر ان کی پردہ دری میں نازل ہوئی ہے' سورۂ توبہ میں بھی نہایت تفصیل کے ساتھ ان کی نفاق آمیز دوستی کا راز فاش کیا گیا ہے:

﴿ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾ (توبہ ع ۱۲)

''دیہاتی بدو کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں' اور یہ اسی لائق ہیں کہ خدا نے اپنے رسول پر جو اتارا ہے' اس کے احکام کو نہ جانیں اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے' دیہاتیوں میں کچھ ایسے بھی ہیں کہ جو کچھ خدا کی راہ میں صرف کرتے ہیں اس کو تاوان سمجھتے ہیں اور تم مسلمانوں پر گردش زمانہ کے منتظر ہیں۔ سو ان ہی پر بری گردش ہوگی اور خدا سننے والا جاننے والا ہے''۔

خداوند تعالیٰ نے دوسرے موقع پر مدینہ کی بھی صراحت کر دی ہے:

﴿ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾

(توبہ ع ۱۲)

''اور مسلمانو! تمہارے آس پاس کے دیہاتیوں میں منافق ہیں اور خود مدینہ والوں میں جو نفاق پر اڑے ہوئے ہیں' ان کو تم نہیں جانتے' ہم ان کو جانتے

Marfat.com

ہیں۔ عنقریب ہم ان کو دہرا عذاب دیں گے پھر بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے''۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے منہاج السنہ میں مہاجرین کی اس فضیلت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ:

''احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء کہتے ہیں کہ مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین میں کوئی منافق نہ تھا' بلکہ نفاق انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قبیلوں میں ظاہر ہوا' جب مدینہ میں اسلام کا غلبہ ہوا' اور اس میں اوس وخزرج کے قبیلے داخل ہوئے اور مسلمانوں کو ایک ایسا محفوظ گھر مل گیا جس کے ذریعہ سے وہ اپنی حفاظت کرنے اور لڑنے پر قادر ہو گئے تو مدینہ کے باشندے اسلام میں داخل ہو گئے اور اس کے قرب و جوار کے اعراب خوف اور جان بچانے کے لیے اسلام لائے' یہ لوگ منافق تھے' جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے: وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ اسی لیے نفاق کا ذکر مدنی سورتوں میں ہے' مکی سورتوں میں نہیں ہے' کیونکہ جو لوگ ہجرت کے قبل مکہ میں اسلام لائے تھے' ان میں کوئی منافق نہ تھا اور جن لوگوں نے ہجرت کی ان میں بھی کوئی منافق نہ تھا بلکہ یہ سب اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے تھے' اور اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھنے والے تھے' اور اللہ اور اس کا رسول ان کو ان کے اہل وعیال اور ان کے مال و دولت سے زیادہ محبوب تھا''۔

شاہ معین الدین احمد ندوی

۱۰ جولائی ۲۸ء

دار المصنفین اعظم گڑھ

Marfat.com

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

نام نسب خاندان:

زبیر نام، ابوعبداللہ کنیت، حواری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقب، والد کا نام عوام اور والدہ کا نام صفیہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے، زبیر بن العوام بن خویلد بن اسدی بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب ابن مرہ بن کعب بن لوی القرشی الاسدی، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب قصی بن کلاب پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے، اور چونکہ ان کی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سرورِ کائنات کی پھوپھی تھیں، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے، اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھی حقیقی بھتیجے تھے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے داماد ہونے کے سبب سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساڑھو بھی تھے، اور اس طرح ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کو متعدد نسبتیں حاصل تھیں۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اٹھائیس سال قبل پیدا ہوئے۔ بچپن کے حالات بہت کم معلوم ہیں۔ لیکن اس قدر یقینی ہے کہ ان کی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ابتدا ہی سے ان کی ایسی تربیت کی تھی کہ وہ جوان ہو کر ایک عالی حوصلہ، بہادر، الوالعزم مرد ثابت ہوں، چنانچہ وہ بچپن میں عموماً انہیں مارا پیٹا کرتیں، اور سخت سے سخت محنت و مشقت کے کام کا عادی بناتی تھیں۔ ایک دفعہ نوفل بن خویلد جو اپنے بھائی عوام کے مرنے کے بعد ان کے ولی تھے، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پر نہایت خفا ہوئے کہ کیا تم اس بچے کو اس طرح مارتے مارتے مار ڈالو گی، اور بنو ہاشم سے کہا کہ تم لوگ صفیہ (رضی اللہ عنہا) کو سمجھاتے کیوں نہیں، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے حسب ذیل رجز میں اس خفگی کا جواب دیا۔[1]

---

[1] ابن سعد اصابہ تذکرہ زبیر رضی اللہ عنہ

Marfat.com

من قال انی ابغضه فقد کذب ☆ انما اضربه لکی یلب

''جس نے یہ کہا کہ میں اس سے بغض رکھتی ہوں' اس نے جھوٹ کہا' میں اس کو اس لیے مارتی ہوں کہ عقل مند ہو''۔

ویهزم الجیش ویأتی باسلب ....

''اور فوج کو شکست دے اور مالِ غنیمت حاصل کرے''۔

اس تربیت کا یہ اثر تھا کہ وہ بچپن ہی میں بڑے بڑے مردوں کا مقابلہ کرنے لگے تھے' ایک دفعہ مکہ میں ایک جوان آدمی سے مقابلہ پیش آیا' انہوں نے ایسا ہاتھ مارا کہ اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا' لوگ اسے لاد کر شکایتہً حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس لائے تو انہوں نے معذرت وعفوخواہی کے بجائے سب سے پہلے یہ پوچھا کہ تم نے زبیر (رضی اللہ عنہ) کو کیسا پایا' بہادر یا بزدل [1]

اسلام:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ صرف سولہ برس کے تھے کہ نورِ ایمان نے ان کے خانہ دل کو منور کر دیا[2] بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پانچویں یا چھٹے مسلمان تھے' لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا' تاہم سابقین اسلام میں وہ ممتاز اور نمایاں تقدم کا شرف رکھتے ہیں۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اگرچہ کمسن تھے' لیکن استقامت اور جان نثاری میں کسی سے پیچھے نہ تھے قبولِ اسلام کے بعد ایک دفعہ کسی نے مشہور کر دیا کہ مشرکین نے آنحضرت ﷺ کو گرفتار کر لیا ہے' یہ سن کر جذبہ جانثاری سے اس قدر بے خود ہوئے کہ اسی وقت ننگی تلوار کھینچ کر مجمع کو چیرتے ہوئے آستانہ اقدس پر حاضر ہوئے' رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو پوچھا زبیر! یہ کیا ہے؟ عرض کی ''مجھے معلوم ہوا تھا کہ (خدانخواستہ) حضور گرفتار کر لیے گئے ہیں' سرور کائنات ﷺ نہایت خوش ہوئے' اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی' اہل سیر کا بیان ہے کہ یہ

---

[1] اصابہ جلد ۱ تذکرہ زبیر رضی اللہ عنہ

[2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۵۹

Marfat.com

پہلی تلوار تھی جو راہ فدویت و جان نثاری میں ایک بچے کے ہاتھ سے برہنہ ہوئی"۔ [1]

ہجرت:

عام بلاکشانِ اسلام کی طرح حضرت زبیر رضی اللہ عنہ مشرکین مکہ کے پنجہ ظلم و ستم سے محفوظ نہ تھے' ان کے چچا نے ہر ممکن طریقہ سے ان کو اسلام سے برگشتہ کرنا چاہا' لیکن توحید کا نشہ ایسا نہ تھا جو اتر جاتا' بالآخر اس نے برہم ہو کر اور بھی سختی شروع کی' یہاں تک کہ چٹائی میں لپیٹ کر باندھ دیتا' اور اس قدر دھونی دیتا' کہ دم گھٹنے لگتا' لیکن وہ ہمیشہ یہی کہے جاتے "کچھ کرو اب میں کافر نہیں ہو سکتا"۔ [2]

غرض مظالم و شدائد سے اس قدر تنگ آئے کہ وطن چھوڑ کر حبش کی راہ لی' پھر کچھ دنوں کے بعد وہاں سے واپس آئے' تو خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کا قصد کیا' اس لیے انہوں نے بھی یثرب کی مبارک سرزمین کو وطن بنایا۔

مواخات:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا اسلامی بھائی قرار دیا تھا' لیکن جب مدینہ پہنچنے کے بعد انصار و مہاجرین میں تعلقات پیدا کرنے کے لیے ایک دوسری مواخات منعقد ہوئی' تو اس دفعہ حضرت سلمہ بن سلامہ انصاری رضی اللہ عنہ سے رشتہ اخوت قائم کیا گیا' جو مدینہ کے ایک معزز بزرگ اور بیعتِ عقبہ میں شریک تھے۔

غزوات:

غزوات میں ممتاز حیثیت سے شریک رہے' سب سے پہلے غزوۂ بدر پیش آیا' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس معرکہ میں نہایت جانبازی و دلیری کے ساتھ حصہ لیا' جس طرف نکل جاتے تھے غنیم کی صفیں تہ و بالا کر دیتے تھے' ایک مشرک نے ایک بلند ٹیلے پر کھڑے ہو کر مبارزت چاہی' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بڑھ کر اس سے لپٹ گئے اور دونوں قلا بازیاں کھاتے ہوئے نیچے آئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں میں جو سب سے پہلے

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ [2] اصابہ جلد ا تذکرہ زبیر رضی اللہ عنہ

Marfat.com

زمین پر رکے گا' وہ مقتول ہوگا' چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ مشرک پہلے زمین پر گر کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے واصل جہنم ہوا۔[1]

اسی طرح عبیدہ بن سعید سے مقابلہ پیش آیا' جو سر سے پاؤں تک زرہ پہنے ہوئے تھا' صرف دونوں آنکھیں کھلی ہوئی تھیں' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے تاک کر اس زور سے آنکھ میں نیزہ مارا کہ اس پار نکل گیا' اس کی لاش پر بیٹھ کر بمشکل نیزہ کو نکالا' پھل ٹیڑھا ہوگیا تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور یادگار حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے اس نیزہ کو لے لیا' اس کے بعد پھر خلفاء میں تبرکاً منتقل ہوتا رہا' یہاں تک خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے وارث حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا' اور ان کی شہادت تک ان کے پاس موجود تھا۔

وہ جس بے جگری کے ساتھ بدر میں لڑے اس کا اندازہ صرف اس سے ہوسکتا ہے کہ ان کی تلوار میں دندانے پڑ گئے تھے' تمام جسم زخموں سے چھلنی ہوگیا تھا' خصوصاً ایک زخم اس قدر کاری تھا کہ وہاں پر ہمیشہ کے لئے گڑھا پڑ گیا تھا' حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ہم ان میں انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے۔[2]

معرکہ بدر میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ زرد عمامہ باندھے ہوئے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج ملائکہ بھی اس وضع میں آئے ہیں۔[3]

غرض مسلمانوں کی شجاعت و ثابت قدمی نے میدان مار لیا' حق غالب رہا' اور باطل کو شکست ہوئی۔

غزوۂ احد:

۳ھ میں معرکہ اُحد کا واقعہ ہوا' اثنائے جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار کھینچ کر فرمایا' کون اس کا حق ادا کرے گا؟ تمام جاں نثاروں نے بیتابی کے ساتھ اپنے

---

[1] کنز العمال جلد ۶ ص ۴۱۶ [2] بخاری باب غزوۂ بدر
[3] کنز العمال جلد ۶ ص ۴۱۶

Marfat.com

ہاتھ پھیلائے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے تین دفعہ اپنے آپ کو پیش کیا، لیکن یہ فخر حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ انصاری کے لیے مقدر ہو چکا تھا۔[1]

جنگِ احد میں جب تیر اندازوں کی بے احتیاطی سے فتح شکست سے مبدل ہو گئی، اور مشرکین کے اچانک حملے سے غازیانِ دین کے پاؤں متزلزل ہو گئے، یہاں تک کہ شمع نبوت کے گرد صرف چودہ صحابہ رضی اللہ عنہم پروانہ وار ثابت قدم رہ گئے تھے، تو اس وقت بھی یہ جان نثار حواری جان نثاری کا فرض ادا کر رہا تھا۔[2]

غزوۂ خندق:

۵ھ میں یہودیوں کی مفسدہ پردازی سے تمام عرب مسلمانوں کے خلاف امنڈ آیا، سرورِ کائنات ﷺ نے مدینہ کے قریب خندق کھود کر اس طوفان کا مقابلہ کیا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس حصہ پر معمور تھے جہاں عورتیں تھیں۔[3]

بنو قریظہ اور مسلمانوں میں باہم معاہدہ تھا، لیکن عام سیلاب میں وہ بھی اپنے عہد پر قائم نہ رہے، رسول اللہ ﷺ نے دریافت کے لیے کسی کو بھیجنا چاہا اور تین بار فرمایا: ''کون اس قوم کی خبر لائے گا؟'' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ہر مرتبہ بڑھ کر عرض کی کہ ''میں'' آنحضرت ﷺ نے خوش ہو کر فرمایا: ''ہر نبی کے لیے حواری ہوتے ہیں، میرا حواری زبیر ہے''۔[4]

اس نازک وقت میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی اس طرح بے خطر تنہا آمد و رفت سے آنحضرت ﷺ ان کی اس جانبازی سے اس قدر متاثر تھے کہ فرمایا فداك ابی و أمی یعنی میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔[5]

کفار بہت دنوں تک خندق کا محاصرہ کیے رہے، لیکن پھر کچھ تو ارضی و سماوی مصائب اور کچھ مسلمانوں کے غیر معمولی ثبات و استقلال سے پریشان ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

---

1. زرقانی جلد ۲ ص ۳۲　2. ایضاً
3. مسند جلد ۱ ص ۱۶۴　4. بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ خندق
5. مسند جلد ۱ ص ۱۶۴ و بخاری کتاب المناقب زبیر رضی اللہ عنہ

Marfat.com

غزوہ خیبر:

غزوہ خندق کے بعد غزوہ بنوقریظہ اور بیعت رضوان میں شریک ہوئے' پھر خیبر کی مہم میں غیر معمولی شجاعت دکھائی' مرحب یہودی خیبر کا رئیس تھا وہ مقتول ہوا تو اس کا بھائی یاسر غضبناک ہوکر "هل من مبارز" کا نعرہ بلند کرتے ہوئے میدان میں آیا' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا' وہ اس قدر تنومند اور قوی ہیکل تھا کہ ان کی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ! میرا لختِ جگر شہید ہوگا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! زبیر (رضی اللہ عنہ) اس کو مارے گا' چنانچہ درحقیقت تھوڑی دیر ردوبدل کے بعد وہ واصل جہنم ہوا۔[1]

غرض خیبر فتح ہوا اور اس کے بعد فتح مکہ کی تیاریاں شروع ہوئیں' مشہور صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے تمام کیفیت لکھ کر ایک عورت کے ہاتھ قریش مکہ کے پاس روانہ کی' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوگئی اور ایک جماعت اس عورت کو گرفتاری پر مامور ہوئی' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی اس میں شریک تھے' وہ گرفتار ہوکر آئی اور خط پڑھا گیا تو ابن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا سر ندامت سے جھک گیا' رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عفوخواہی پر جرم معاف فرمادیا' اور یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّىْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ﴾[2]

(ممتحنہ ع ۱)

فتح مکہ:

رمضان ۸ھ میں دس ہزار مجاہدین کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کا قصد کیا اور شاہانہ جاہ و جلال کے ساتھ اس سرزمین میں داخل ہوئے جہاں سے آٹھ سال قبل طرح طرح کے مصائب و شدائد برداشت کرنے کے بعد بے بسی کی حالت میں نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ اس عظیم الشان فوج کے متعدد دستے بنائے گئے تھے' سب سے چھوٹا اور

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۸۲ [2] بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الفتح

Marfat.com

آخری دستہ وہ تھا جس میں خود آنحضرت ﷺ موجود تھے' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس کے علمبردار تھے۔[1]

آنحضرت ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے اور ہر طرف سکون واطمینان ہو گیا' تو حضرت زبیر اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہما اپنے گھوڑوں پر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے' آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہو کر ان کے چہروں سے گردوغبار صاف کیا اور فرمایا میں نے گھوڑے کے لیے دو حصے اور سوار کے لیے ایک حصہ مقرر کیا ہے' جو ان حصوں میں کمی کرے گا خدا اس کو نقصان پہنچائے گا۔[2]

مختلف غزوات:

فتح مکہ کے بعد واپسی کے وقت غزوۂ حنین پیش آیا' کفار کمین گاہوں میں چھپے ہوئے مسلمانوں کی نقل وحرکت دیکھ رہے تھے' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس گھاٹی کے قریب پہنچے تو ایک شخص نے اپنے ساتھیوں سے پکار کر کہا ''لات وعزیٰ کی قسم یہ طویل القامت سوار یقیناً زبیر (رضی اللہ عنہ) ہے' تیار ہو جاؤ' اس کا حملہ نہایت خطرناک ہوتا ہے''۔ یہ جملہ ختم ہی ہوا تھا کہ ایک زبردست جمعیت نے اچانک حملہ کر دیا' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے نہایت پھرتی اور تیز دستی کے سات اس آفتِ ناگہانی کو روکا اور اس قدر شجاعت وجانبازی سے لڑے کہ یہ گھاٹی کفار سے بالکل صاف ہو گئی۔

اس کے بعد جنگ طائف اور تبوک کی فوج کشی میں شریک ہوئے' پھر ۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کا قصد کیا' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس سفر میں بھی ہمرکاب تھے۔

حج سے واپس آنے کے بعد سرورِ کائنات ﷺ نے وفات پائی' اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے' بعض روایات کے مطابق حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بھی خلیفہ اول کی بیعت میں پس وپیش تھا' تاہم وہ زیادہ دنوں تک اس پر قائم نہیں رہے۔

---

[1] بخاری باب غزوۃ الفتح [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۷۳

Marfat.com

جنگ یرموک کا حیرت انگیز کارنامہ:

سوا دو برس کی خلافت کے بعد خلیفہ اول رہ گزین عالم جاودانی ہوئے' اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مسندِ حکومت پر قدم رکھا' خلیفہ اول کے عہد میں فتوحات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام عرب میں جوش پھیلا کر اس کو اور بھی زیادہ وسیع کر دیا' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا دل گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے افسردہ ہو چکا تھا' تاہم ایک مرد میدان و جانباز بہادر کے لیے اس جوش و ولولہ کے وقت عزت نشین رہنا سخت ننگ تھا' خلیفہ وقت سے اجازت لے کر شامی رزم گاہ میں شریک ہوئے۔ اس وقت یرموک کے میدان میں ملکِ شام کی قسمت کا آخری فیصلہ ہو رہا تھا' اثنائے جنگ میں لوگوں نے کہا اگر آپ حملہ کر کے غنیم کے قلب میں گھس جائیں تو ہم بھی آپ کا ساتھ دیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا تم لوگ میرا ساتھ نہیں دے سکتے' لوگوں نے عہد کیا تو اس زور سے حملہ آور ہوئے کہ رومی فوج کا قلب چیرتے ہوئے تنہا اس پر سے اس پر نکل گئے' اور کوئی رفاقت نہ کر سکا' پھر واپس لوٹے تو رومیوں نے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور نرغہ کر کے سخت زخمی کیا' گردن پر دو زخم اس قدر کاری تھے کہ اچھے ہونے کے بعد بھی گڑھے باقی رہ گئے' عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ بدر کے زخم کے بعد یہ دوسرا زخم کا گڑھا تھا جس میں بچپن میں ہم انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے۔[1]

غرض ان ہی حیرت انگیز جانبازیوں کا نتیجہ تھا کہ رومیوں کی ٹڈی دل فوج بھاگ کھڑی ہوئی' اور فرزندانِ توحید تمام ملک شام کے وارث بن گئے۔

فسطاط کی فتح:

فتح شام کے بعد حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں مصر پر حملہ ہوا' انہوں نے چھوٹے چھوٹے مقامات کو فتح کرتے ہوئے فسطاط کا محاصرہ کر لیا اور قلعہ کی

---

[1] بخاری کتاب المغازی

Marfat.com

مضبوطی' نیز فوج کی قلت دیکھ کر دربارِ خلافت سے اعانت طلب کی' امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے اور خط میں لکھا کہ ان افسروں میں ایک ایک ہزار ہزار سوار کے برابر ہے' افسروں میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی تھے' ان کا جو رتبہ تھا اس کے لحاظ سے عمرو رضی اللہ عنہ نے ان کو افسر بنایا اور محاصرہ وغیرہ کے انتظامات ان کے ہاتھ میں دیئے' انہوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کے چاروں طرف چکر لگایا اور جہاں جہاں مناسب تھا مناسب تعداد کے ساتھ سوار اور پیادے متعین کیے' اس کے ساتھ منجنیقوں سے پتھر برسانے شروع کر دیئے' اس پر پورے سات مہینے گزر گئے' اور فتح وشکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک دن تنگ آ کر کہا کہ آج میں مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں' یہ کہہ کر ننگی تلوار ہاتھ میں لی اور سیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے' چند اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کا ساتھ دیا' فصیل پر پہنچ کر سب نے ایک ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کیے' ساتھ ہی تمام فوج نے نعرہ مارا کہ قلعہ کی زمین دہل اُٹھی' عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے' بدحواس ہو کر بھاگے' ادھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور تمام فوج اندر گھس آئی مقوقس حاکم مصر نے یہ دیکھ کر صلح کی درخواست کی اور اس وقت سب کو امان دے دی گئی۔[1]

اسکندریہ کی تسخیر:

فسطاط فتح کر کے اسلامی فوج نے اسکندریہ کا رخ کیا اور مدتوں قلعہ کا محاصرہ کیے پڑی رہی' لیکن جس قدر زیادہ دن گزرتے جاتے تھے' اسی قدر دربار خلافت سے اس کے جلد فتح کرنے کا تقاضا بڑھتا جاتا تھا' غرض ایک روز عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے آخری اور قطعی حملہ کا ارادہ کر لیا اور حضرت زبیر اور مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہما کو فوج کا ہراول بنا کر اس زور سے یورش کی کہ ایک ہی حملہ میں شہر فتح ہو گیا۔

---

[1] فتوح البلدان ص ۲۲۰

Marfat.com

مفتوحہ ممالک کی تقسیم کا مطالبہ:

مصر کامل طور پر مسخر ہو گیا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سپہ سالارِ فوج سے اراضی مفتوحہ کی تقسیم کا مطالبہ کیا اور فرمایا کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے خیبر کو مجاہدین پر تقسیم فرما دیا تھا' اسی طرح تمام ممالک مفتوحہ کو تقسیم کر دینا چاہئے' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی قسم میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا گیا تو انہوں نے لکھا کہ اس کو اسی طرح رہنے دینا چاہئے تاکہ آئندہ نسلیں بھی اس سے مستفید ہوتی رہیں' حضرتِ زبیر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں بھی اس کی مصلحت آ گئی اور خاموش ہو رہے[1]

۲۳ھ میں خلیفہ وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مجوسی کے ہاتھ ناگہانی طور پر زخمی ہو کر سفر آخرت کی تیاری کی تو عہدۂ خلافت کے لیے چھ آدمیوں کے نام پیش کیے اور فرمایا کہ حضرت سرور کائنات ﷺ آخر وقت تک ان سے راضی رہے تھے' ان چھ بزرگوں میں ایک حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ لیکن تین دن کی مسلسل گفت و شنید اور بحث و مباحثہ کے بعد مجلس شوریٰ نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو اس مسند گرامی پر بیٹھا دیا' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی بے چون و چرا اس انتخاب کو تسلیم کر لیا۔[2]

خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ کے عہد میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے نہایت سکون و خاموشی کی زندگی بسر کی اور کسی قسم کی ملکی مہم میں شریک نہیں ہوئے' درحقیقت عمر بھی اس حد سے متجاوز ہو چکی تھی' لیکن ۳۵ھ میں مصری مفسدوں نے بارگاہِ خلافت کا محاصرہ کیا' تو انہوں نے اپنے بڑے صاحبزادہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین کی مساعدت وحفاظت پر مامور کر دیا۔

غرض اٹھارہویں ذی الحجہ جمعہ کے روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مفسدین کے ہاتھ سے شہید ہوئے' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حسبِ وصیت پوشیدہ طریقہ پر رات کے وقت نماز جنازہ ادا کی اور مضافاتِ مدینہ میں حش کوکب نامی ایک جگہ پر سپردِ خاک کیا۔

---

[1] مسند ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جلد ا ص ۱۶۶ [2] بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ

Marfat.com

خلیفہ وقت کے قتل سے تمام مدینہ میں مفسدین کا رعب طاری ہو گیا' ہر شخص دم بخود تھا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے طرف دار اور تمام بنو امیہ مکہ اور دوسرے مقامات کی طرف بھاگ گئے' چونکہ مصری حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرف دار تھے اس لیے انہوں نے اس کو خلافت کا بار گراں اٹھانے پر مجبور کیا' اور مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں لوگوں کو بیعت کے لیے جمع کیا' حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما گو برابر کے دعوے دار تھے' تاہم مصریوں کے خوف سے زبان نہ ہلا سکے اور کسی طرح بیعت کر لی۔[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مسند نشینی کے بعد بھی مدینہ میں امن و امان قائم نہ ہو سکا' سبائی فرقہ جو اس نقلاب کا بانی تھا' اور فتنہ و فساد کے نئے نئے کرشمے دکھاتا رہتا تھا' جاہل بدوی جو ہمیشہ ایسے لوٹ مار کے موقعوں میں شریک ہو جاتے' سبائیوں کے ساتھ ہو گئے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوشش کی کہ یہ لوگ اپنے اپنے وطن کی طرف لوٹ جائیں اور بدویوں کو بھی شہر سے نکال دیا جائے لیکن سبائیوں کے ضد اور انکار سے کامیابی نہ ہوئی۔[2]

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جو اساطین امت میں تھے' کب تک خاموشی کے ساتھ اس شورش و ہنگامہ آرائی کا تماشا دیکھتے' اصلاحِ حال اور رفع فساد کا انتظار کرتے کرتے کامل چار ماہ گزر گئے' لیکن امن و سکون کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی' آخر تھک کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے' اور اصلاح و اقامتِ حدود کا مطالبہ کیا' انہوں نے جواب دیا' بھائی! میں اس سے غافل نہیں' لیکن ایک ایسی قوم کے ساتھ کیا کر سکتا ہوں جس پر میرا کچھ اختیار نہیں' بلکہ خود مجھ پر حکمران ہے۔[3]

غرض جب اس طرف سے بھی مایوسی ہوئی تو یہ دونوں خود عملاً اس شورش کو رفع کرنے کے لیے مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حج کے خیال سے مکہ آئی تھیں' اور اب تک مدینہ کی شورشوں کا حال سن کر یہیں مقیم تھیں' حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما سب سے پہلے ام المومنین

---

[1] تاریخ طبری ص ۳۰۷۷ [2] تاریخ طبری ص ۳۰۸۱

Marfat.com

رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان لفظوں میں مدینہ کی بدامنی کا نقشہ کھینچا۔

انا تحملنا بقتينا هرابا من المدينة من غوغا اعراب وفارقنا قوما حيارى لا يعرفون حقا ولا ينكرون باطلا ولا يمنعون انفسهم.

''ہم اعراب کے شوروشر کے خوف سے مدینہ سے بھاگ آئے ہیں اور ہم نے وہاں ایسی حیران قوم کو چھوڑا ہے جو نہ حق کو پہچانتی ہے اور نہ باطل سے احتراز کرتی ہے' اور نہ اپنی جانوں کی حفاظت کرتی ہے''۔

ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''تو پھر کوئی رائے قائم کر کے اس شورش کو فرو کرنا چاہئے''۔ غرض تھوڑی دیر کی بحث ومباحثہ کے بعد علم اصلاح بلند کرنے پر سب کا اتفاق ہوا' بنو امیہ بھی جو مدینہ سے بھاگ کر یہاں مجتمع ہو گئے تھے' جوشِ انتقام میں ساتھ ہو گئے اور اس طرح داعیانِ اصلاح کی ایک ہزار جماعت بصرہ کی طرف روانہ ہوئی تاکہ وہاں سے اپنی قوت مضبوط کر کے مدینہ کا رخ کرے' راہ میں امویوں نے خلافت وامامت کی بحث چھیڑ کر حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو لڑانا چاہا۔ لیکن ام المومنین رضی اللہ عنہا کی مداخلت سے معاملہ رفت وگذشت ہو گیا' بصرہ کے قریب پہنچے تو عثمان بن حنیف والی بصرہ نے مزاحمت کی' لیکن وہاں داعیانِ اصلاح کے حامیوں کی ایک بڑی جماعت بھی موجود تھی' وہ خود عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں سے دست وگریبان ہو گئی' یہاں تک کہ کشت وخون کی نوبت پہنچ گئی' عثمان بن حنیف کا بیان تھا کہ جب طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تو پھر انہیں علم مخالفت بلند کرنے کا کیا استحقاق ہے؟ ان دونوں کا یہ جواب تھا کہ ہم قہراً وجبراً شریکِ بیعت ہوئے' اور اگر فرض کر لو کہ یہ بیعت صحیح تھی تب بھی اس سے مطالبہ اصلاح کی نفی نہیں ہوتی' غرض معاملہ زیادہ طول کھینچا تو مصالحت کی یہ صورت قرار پائی کہ ایک شخص تحقیقات کے لیے مدینہ روانہ کیا جائے' اگر ثابت ہو کہ طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما بیعت پر مجبور کئے گئے تھے' تو عثمان بن حنیفؓ مزاحمت سے باز آئیں گے ورنہ ان دونوں کو اس جماعت سے کنارہ کش ہونا پڑے گا' چنانچہ کعب رضی اللہ عنہ اس تحقیقات پر مامور ہوئے' انہوں نے جمعہ کے روز مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں داخل ہو کر حاضرین سے بآنگِ بلند آواز

Marfat.com

سوال کیا:

یا اهل المدینة انی رسول اهل البصرة الیکم اکره هؤلاء القوم هذین الرجلین علی بیعة علی ام اتیاها طائعین.

''اے اہل مدینہ! میں اہل بصرہ کا قاصد بن کر آیا ہوں' کیا واقعی اس قوم نے ان دونوں کو علی رضی اللہ عنہ کی بیعت پر مجبور کیا تھا یا وہ خوشی سے اس پر تیار ہوئے تھے؟''

مجمع میں تھوڑی دیر تک سناٹا رہا لیکن اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے نہ رہا گیا' بول اٹھے ''خدا کی قسم ان دونوں نے سخت ناپسندیدگی کے ساتھ بیعت کی تھی''۔ اس سے ایک اچھل پڑ گئی' سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ اسامہ رضی اللہ عنہ سے اُلجھ پڑے' صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ' ابوایوب رضی اللہ عنہ اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کبار صحابہ نے دیکھا کہ لوگ اسامہ رضی اللہ عنہ کو مار ڈالیں گے تو سب نے یک زبان ہو کر کہا ''ہاں خدا کی قسم اسامہ (رضی اللہ عنہ) نے سچ کہا ہے' غرض اسی طرح اسامہ رضی اللہ عنہ کی جان بچ گئی' اور کعب رضی اللہ عنہ بصرہ واپس آئے' دوسری طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان واقعات کی اطلاع مل چکی تھی' انہوں نے عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اولاً تو یہی صحیح نہیں کہ وہ مجبور کیے گئے اور اگر مان بھی لو تو قوم و ملک کی بہتری کے لیے ایسا ہونا ضروری تھا' اور اگر وہ مجھے معزول کرنا چاہتے ہیں تو ان کے پاس کوئی معقول عذر نہیں اور اگر کچھ اور مقصد ہے تو اس پر غور ہو سکتا ہے' اس خط کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے بدل دی' اور کعب رضی اللہ عنہ کی تحقیقات کے باوجود داعیانِ اصلاح کی مزاحمت پر اڑے رہے۔

حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما نے دیکھا کہ اب سہولت کے ساتھ یہ معاملہ طے نہ ہوگا تو ایک روز عشاء کے وقت اپنے ساتھیوں کے ساتھ مسجد پہنچے اور عبدالرحمٰن بن عتاب رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کے لیے کھڑا کر دیا' عثمان بن حنیف ؓ نے اس کو اپنے حق میں مداخلت تصور کر کے ایرانی ''زط'' اور ''سبابچہ'' سپاہیوں کو حملہ کا حکم دے دیا' لیکن حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما نے پامردی کے ساتھ مقابلہ کر کے ان کو بھگا دیا' دوسری طرف چند آدمی دارالامارت میں گھس گئے اور عثمان ابن حنیف ؓ کو پکڑ کر سامنے لائے' ان لوگوں نے اس بے رحمی کے

Marfat.com

ساتھ ان کو مارا کہ تھا اور ڈاڑھیاں نوچی تھیں کہ چہرہ پر ایک بال بھی باقی نہ تھا' حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کو یہ سخت ناگوار گزرا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے متعلق دریافت کیا' انہوں نے حکم دیا کہ عثمان کو چھوڑ دو' جہاں جی چاہے جائے' غرض اس طرح بصرہ پر قبضہ ہو گیا [1] اور ایک بڑی جماعت اس مہم میں ساتھ دینے پر تیار ہو گئی۔

جنگ جمل اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی حق پسندی:

حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما نے اہل کوفہ کو بھی خطوط لکھ کر شرکت کی ترغیب دی لیکن وہاں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے پہنچ کر پہلے ہی ان کو اپنا طرف دار بنا لیا اور تقریباً نو ہزار کی عظیم الشان جمعیت مقام ذی قار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج سے مل کر بصرہ کی طرف بڑھی' حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کو معلوم ہوا تو انہوں نے بھی اپنی فوج کو مرتب و منظم کر کے آگے بڑھایا' دسویں جمادی الآخر ۳۶ھ جمعرات کے دن دونوں فوجوں میں مڈبھیڑ ہوئی' کیسا عبرت انگیز نظارہ تھا' چند دن پیشتر جو لوگ بھائی بھائی تھے' آج باہم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو کر نگاہِ غیظ و غضب سے اپنے مقابل کو گھور رہے ہیں لیکن ذاتی مخاصمت و عداوت سے نہیں بلکہ حق و صداقت کے جوش میں' یہی وجہ ہے کہ ایک ہی قبیلہ کے کچھ آدمی اس طرف ہیں تو کچھ اس طرف' چونکہ دونوں جماعتوں کے سربراہ کاروں کو اصلاح مدنظر تھی' اس لیے پہلے مصالحت کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی' حضرت علی رضی اللہ عنہ تنہا گھوڑا آگے بڑھا کر بیچ میدان میں آئے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا ''ابوعبداللہ! تمہیں وہ دن یاد ہے جب کہ ہم اور تم دونوں ہاتھ میں ہاتھ دیئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گزرے تھے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تم اس کو دوست رکھتے ہو' تم نے عرض کی تھی' ہاں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یاد کرو اس وقت تم سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک دن تم اس سے ناحق لڑو گے [2]۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ہاں! اب مجھے بھی یاد آیا۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۷۴ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۶۶

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ تو صرف ایک بات یاد دلا کر پھر اپنی جگہ پر چلے گئے' لیکن حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے قلب حق پرست میں ایک خاص سخت تلاطم برپا ہو گیا' تمام عزائم اور ارادے فسخ ہو گئے' ام المومنین رضی اللہ عنہا کے پاس آ کر کہنے لگے ''میں برسر غلط تھا' علی (رضی اللہ عنہ) نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ یاد دلا دیا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا پھر اب کیا ارادہ ہے؟ بولے'' اب میں اس جھگڑے سے کنارہ کش ہوتا ہوں''۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہم لوگوں کو دو گروہوں کے درمیان پھنسا کر خود علی (رضی اللہ عنہ) کے خوف سے بھاگنا چاہتے ہیں' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا میں قسم کھاتا ہوں کہ علی رضی اللہ عنہ سے نہیں لڑوں گا''۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا قسم کا کفارہ ممکن ہے' اور اپنے غلام مکحول کو بلا کر آزاد کر دیا' لیکن حواری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دل اچاٹ ہو چکا تھا' کہنے لگے: ''جانِ پدر! علی (رضی اللہ عنہ) نے ایسی بات یاد دلائی کہ تمام جوش فرو ہو گیا' بے شک ہم حق پر نہیں ہیں آؤ تم بھی میرا ساتھ دو''۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا تو تنہا بصرہ کی طرف چل کھڑے ہوئے تاکہ وہاں سے اپنا اسباب و سامان لے کر حجاز کی طرف نکل جائیں' احنف بن قیس نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو جاتے دیکھا تو کہا دیکھو یہ کسی وجہ سے واپس جا رہے ہیں' کوئی جا کر خبر لائے' عمرو بن جرموز نے کہا میں جاتا ہوں اور ہتھیار سج کر گھوڑا دوڑاتے ہوئے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا وہ اس وقت اپنے غلاموں کو اسباب و سامان کے ساتھ روانگی کا حکم دے کر بصرہ کی آبادی سے دور نکل آئے تھے' ابن جرموز نے قریب پہنچ کر پوچھا۔

ابن جرموز: ابوعبداللہ! آپ نے قوم کو کس حال میں چھوڑا؟

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ: سب باہم ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے تھے۔

ابن جرموز: آپ کہاں جا رہے ہیں؟

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ: میں اپنی غلطی پر متنبہ ہو گیا' اس لیے اس جھگڑے سے کنارہ کش ہو کر کسی طرف نکل جانے کا قصد ہے۔

ابن جرموز نے کہا: چلئے مجھے بھی اسی طرف کچھ دور تک جانا ہے' غرض دونوں ساتھ چلے' ظہر کی نماز کا وقت آیا تو زبیر رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے کے لیے ٹھہرے' ابن جرموز

Marfat.com

نے کہا میں بھی شریک ہوں گا' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا میں تمہیں امان دیتا ہوں' کیا تم بھی میرے ساتھ ایسا ہی سلوک روا رکھو گے' اس نے کہا: ہاں! اس عہدو پیمان کے بعد دونوں اپنے گھوڑے سے اترے اور معبود حقیقی کے سامنے سرِ نیاز جھکانے کو کھڑے ہو گئے۔

شہادت:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جیسے ہی سجدہ میں گئے عمرو بن جرموز نے غداری کر کے تلوار کا وار کیا اور حواری رضی اللہ عنہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سرتن سے جدا ہو کر خاک وخون میں تڑپنے لگا' افسوس! جس نے اعلاء کلمۃ اللہ کی راہ میں کبھی اپنی جان کی پروانہ کی اور جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے بارہا مصائب وشدائد کے پہاڑ ہٹائے تھے وہ آج خود ایک کلمہ خوان اور پیرو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شقاوت اور بے رحمی کا شکار ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

ابن جرموز حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تلوار اور زرہ وغیرہ لے کر بارگاہِ مرتضوی رضی اللہ عنہ میں حاضر ہوا' اور فخر کے ساتھ اپنا کارنامہ بیان کیا' جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تلوار پر ایک حسرت کی نظر ڈال کر فرمایا: ''اس نے بارہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے مصائب کے بادل ہٹائے ہیں' اے ابن صفیہ کے قاتل تجھے بشارت ہو کہ جہنم تیری منتظر ہے'' [1]

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے چونسٹھ برس کی عمر پائی اور ۳۶ھ میں شہید ہو کر وادی السباع میں سپرد خاک ہوئے۔ فنور اللہ مرقدہ و حسن مثواہ.

اخلاق وعادات:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا دامن اخلاق زر وجواہر سے مالا مال تھا' تقویٰ' پارسائی' حق پسندی' بے نیازی' سخاوت اور ایثار آپ کا خاص شیوہ تھا' رقت قلب اور عبرت پذیری کا یہ عالم تھا کہ معمولی سے معمولی واقعہ پر دل کانپ اٹھتا تھا۔

خشیتِ الٰہی:

جب یہ آیت نازل ہوئی: اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عِنْدَ

[1] مسند جلد اص ۸۹

Marfat.com

رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ تو سرورِ کائنات ﷺ سے پوچھا ''یا رسول اللہ! کیا قیامت کے روز ہمارے جھگڑے پھر دہرائے جائیں گے؟'' ارشاد ہوا: ہاں! ایک ایک ذرہ کا حساب ہوکر حقدار کو اس کا حق دلایا جائے گا' یہ سن کر ان کا دل کانپ اٹھا۔ کہنے لگے: ''اللہ اکبر! کیسا سخت موقع ہوگا''۔[1]

تقویٰ و پرہیز گاری حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی کتابِ اخلاق کا سب سے روشن باب ہے' وہ خود اس کا خیال رکھتے تھے' اور دوسروں کو بھی ہدایت کرتے تھے' ایک دفعہ وہ اپنے غلام ابراہیم کی دادی ام عطاء کے پاس گئے' دیکھا کہ یہاں ایام تشریق کے بعد بھی قربانی کا گوشت موجود ہے' کہنے لگے: ''ام عطاء! رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے' انہوں نے عرض کی کہ ''میں کیا کروں لوگوں نے اس قدر ہدیئے بھیج دیئے کہ ختم ہی نہیں ہوتے''۔[2]

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جب دعوتِ اصلاح کا علم بلند کیا تو ایک شخص نے آ کر کہا ''اگر حکم دیجئے تو علی رضی اللہ عنہ کی گردن اڑا دوں''۔ بولے تم تنہا اس قدر عظیم الشان فوج کا کیسے مقابلہ کرو گے؟ اس نے کہا میں علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں جا کر مل جاؤں گا' اور کسی وقت موقع پا کر دھوکے سے قتل کر ڈالوں گا''۔ فرمایا: نہیں! رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''ایمان قتل ناگہانی کی زنجیر ہے' اس لیے کوئی مومن کسی کو اچانک نہ مارے''۔[3]

قلتِ روایت کا سبب:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے حواری اور ہر وقت کے حاضر رہنے والوں میں تھے' لیکن کمالِ اتقاء کے باعث بہت کم حدیثیں روایت کرتے تھے ایک دفعہ آپ کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا' پدر بزرگوار کیا سبب ہے کہ آپ حضور ﷺ کی اتنی باتیں بیان نہیں کرتے جتنی اور لوگ بیان کرتے ہیں' فرمایا جانِ پدر! حضور ﷺ کی رفاقت اور معیت میں دوسروں سے میرا حصہ کم نہیں ہے' میں جب سے اسلام لایا'

---

[1] مسند جلد ا ص ۱۶۷ [2] ایضا جلد ا ص ۱۶۶ [3] مسند جلد ا ص ۱۶۶

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ سے جدا نہیں ہوا، لیکن حضورؐ کی صرف اس تنبیہ نے مجھے محتاط بنا دیا ہے:

من کذب علیّ متعمّدا فلیبتوا مقعدہ من النار.

''یعنی جس نے قصداً میری طرف غلط بات منسوب کی، اسے چاہئے کہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالے''۔[1]

مساوات پسندی:

مساواتِ اسلامی کا اس قدر خیال تھا کہ دو مسلمان لاشوں میں بھی کسی تفریق یا امتیاز کو جائز نہیں سمجھتے تھے، جنگِ احد میں آپ کے ماموں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بھائی کی تجہیز و تکفین کے لیے دو کپڑے لا کر دیئے، لیکن ماموں کے پہلو میں ایک انصاری کی لاش بھی بے گور و کفن پڑی تھی، دل نے گوارا نہ کیا کہ ایک کے لیے دو دو کپڑے ہوں اور دوسرا بے کفن رہے، غرض تقسیم کرنے کے لیے دونوں ٹکڑوں کو ناپا، اتفاق سے چھوٹا بڑا نکلا قرعہ ڈال کر تقسیم کیا کہ اس میں بھی کسی طرح کی ترجیح نہ پائی جائے۔[2]

استقلال:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ خطرات کی مطلق پروانہ کرتے اور موت کا خوف کبھی ان کے عزم و ارادہ میں حائل نہ ہوتا، اسکندریہ کے محاصرہ نے طول کھینچا تو چاہا کہ سیڑھی لگا کر قلعہ پر چڑھ جائیں، لوگوں نے کہا قلعہ میں سخت طاعون ہے، فرمایا: ''ہم طعن و طاعون ہی کے لیے آئے ہیں''۔ یعنی موت سے ڈرنا کیا، غرض سیڑھیاں لگائی گئیں اور جان بازی کے ساتھ چڑھ گئے۔

---

[1] ابوداؤد کتاب العلم باب فی التشدید فی الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومسند جلد ۱ ص ۱۶۵، وصحیح بخاری جلد اول ص ۲۱۔

[2] مسند جلد ۱ ص ۱۶۵

Marfat.com

امانت:

حواری رسول ﷺ کی امانت' دیانت اور انتظامی قابلیت کا عام شہرہ تھا' یہاں تک کہ لوگ عموماً اپنی وفات کے وقت ان کو اپنے آل و اولاد اور مال متاع کے محافظ بنانے کی تمنا ظاہر کرتے تھے' مطیع بن الاسود رضی اللہ عنہ نے ان کو وصی بنانا چاہا' انہوں نے انکار کیا تو لجاجت کے ساتھ کہنے لگے ''میں آپ کو خدا' رسول ﷺ اور قرابت داری کا واسطہ دلاتا ہوں' میں نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا ہے کہ زبیر (رضی اللہ عنہ) دین کے ایک رکن ہیں''۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ' مقداد رضی اللہ عنہ' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ وغیرہ نے بھی ان کو اپنا وصی بنایا تھا' چنانچہ یہ دیانتداری کے ساتھ ان کے مال و متاع کی حفاظت کر کے ان کے اہل وعیال پر صرف کرتے تھے۔[1]

فیاضی:

فیاضی' سخاوت اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں بھی پیش پیش رہتے تھے' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ہزار غلام تھے' روزانہ اجرت پر کام کر کے ایک بیش قرار رقم لاتے تھے' لیکن انہوں نے اس میں سے ایک حبہ بھی کبھی اپنی ذات یا اپنے اہل وعیال پر صرف کرنا پسند نہ کیا بلکہ جو کچھ آیا اسی وقت صدقہ کر دیا[2] غرض ایک پیغمبر کے حواری میں جو خوبیاں ہو سکتی ہیں' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی ذات والا صفات میں ایک ایک کر کے وہ سب موجود تھیں۔

ذریعہ معاش اور تمول:

معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا' اور عجیب بات ہے کہ انہوں نے جس کام میں ہاتھ لگایا' کبھی گھاٹا نہیں ہوا۔[3]

---

[1] اصابہ جلد ۳ ص ۶ [2] ایضاً جلد ۲ ص ۶

[3] استیعاب جلد ۱ ص ۲۰۸

Marfat.com

تجارت کے علاوہ مالِ غنیمت سے بھی گراں قدر رقم حاصل کی' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے تمول کا صرف اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ان کے تمام مال کا تخمینہ پانچ کروڑ دو لاکھ درہم (یا دینار) کیا گیا تھا' لیکن یہ سب نقد نہیں بلکہ جائیداد غیر منقولہ کی صورت میں تھا' اطرافِ مدینہ میں ایک جھاڑی تھی' اس کے علاوہ مختلف مقامات میں مکانات تھے' چنانچہ خاص مدینہ میں گیارہ' بصرہ میں دو اور مصر و کوفہ میں ایک ایک مکان تھا۔[1]

قرض اور اس کی ادائیگی:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس قدر تمول کے باوجود بائیس لاکھ کے مقروض تھے' اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ عموماً اپنا مال ان کے پاس جمع کرتے تھے' لیکن یہ احتیاط کے خیال سے سب سے کہہ دیتے تھے کہ امانت نہیں بلکہ قرض کی حیثیت سے لیتا ہوں' ہوتے ہوتے اسی طرح بائیس لاکھ کے مقروض ہو گئے۔[2]

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جب جنگ جمل کے لیے تیار ہوئے تو انہوں نے اپنے صاحبزادہ عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا: ''جانِ پدر! مجھے سب سے زیادہ خیال اپنے قرض کا ہے' اس لیے میرا مال و متاع بیچ کر سب سے پہلے قرض ادا کرنا اور جو کچھ بچ رہے اس میں سے ایک ثلث خاص تمہارے بچوں کے لیے وصیت کرتا ہوں' ہاں! اگر مال کفایت نہ کرے تو میرے مولیٰ کی طرف رجوع کرنا''۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''آپ کا مولیٰ کون ہے؟'' فرمایا: ''میرا مولیٰ خدا ہے جس نے ہر مصیبت کے وقت میری دستگیری کی ہے''۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے حسبِ وصیت مختلف آدمیوں کے ہاتھ جھاڑی بیچ کر قرض ادا کرنے کا سامان کیا' اور چار برس تک موسمِ حج میں اعلان کرتے رہے کہ زبیر (رضی اللہ عنہ) پر جس کا قرض ہو آ کر لے لے' غرض اس طرح سے قرض ادا کرنے کے بعد بھی

---

[1] بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ [2] ایضاً

Marfat.com

اس قدر رقم بچ رہی کہ صرف حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی چار بیویوں میں سے ہر ایک کو بارہ بارہ لاکھ حصہ ملا' موصی لہ اور دوسرے ورثہ کے علاوہ تھے۔[1]

جاگیر وزراعت:

فتح خیبر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زمین کو مجاہدین پر تقسیم فرما دیا تھا' چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بھی اس میں سے ایک وسیع اور سرسبز قطعہ ملا تھا' اس کے علاوہ مدینہ کے اطراف میں بھی ان کے کھیت تھے' جن کو وہ خود آباد کرتے تھے' کبھی کبھی آب پاشی وغیرہ کے متعلق دوسرے شرکاء سے جھگڑا بھی ہو جاتا تھا' ایک دفعہ ایک انصاری سے جن کا کھیت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے کھیت سے ملا ہوا نیچے کی طرف تھا' آب پاشی کے متعلق جھگڑا ہوا انصاری نے بارگاہِ نبوت میں شکایت کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم اپنا کھیت سینچ کر اپنے پڑوسی کے لیے پانی چھوڑ دیا کرو' انصاری اس فیصلہ سے ناراض ہوئے اور کہنے لگے: ''یا رسول اللہ! آپ نے اپنے پھوپھی زادہ کی پاسداری فرمائی''۔ چونکہ انصاری کو اس آب پاشی سے متمتع ہونے کا کوئی حق نہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض ان کی رعایت سے یہ فیصلہ صادر فرمایا تھا' اس لیے چہرہ سرخ ہو گیا' اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم اپنے پورے حق سے فائدہ اٹھاؤ' یعنی خود آب پاشی کر کے پانی کو روک رکھو یہاں تک کہ نالیوں کے ذریعہ سے دوسری طرف بہہ جائے۔[2]

کھیت کی نگرانی اور فصل کی حفاظت کا فرض بسا اوقات خود ہی انجام دیتے تھے' ایک دفعہ عہد فاروقی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنی جاگیر کی دیکھ بھال کے لئے خیبر تشریف لے گئے اور رات کے وقت تک تینوں علیحدہ اپنی اپنی جاگیر کے قریب سوئے' رات کی تاریکی میں کسی یہودی نے شرارت

[1] بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ [2] بخاری کتاب المساقاۃ

Marfat.com

سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی کلائی اس زور سے موڑ دی کہ بے اختیار ہو کر چلا اٹھے' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ مدد کے لیے دوڑے اور واقعہ دریافت کر کے ان کو لیے ہوئے بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے اور یہودیوں کی شرارت کا حال بیان کیا' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی واقعہ کے بعد یہودیوں کو خیبر سے جلاوطن کر دیا۔[1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی مقام جرف میں انہیں ایک جاگیر مرحمت فرمائی تھی' اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقام عقیق کی زمین انہیں دے دی تھی[2] جو مدینہ کے اطراف میں ایک خوش فضا میدان ہے۔

آل واولاد سے محبت:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بیوی بچوں سے نہایت محبت تھی' خصوصاً حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بچوں کو بہت مانتے تھے' چنانچہ اپنے مال میں سے ایک ثلث کی خاص ان کے بچوں کے لیے وصیت کی تھی' لڑکوں کی تربیت کو بھی خاص طور پر ملحوظ رکھتے تھے' جنگِ یرموک میں شریک ہوئے تو اپنے صاحبزادہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو بھی ساتھ لے گئے' اس وقت ان کی عمر صرف دس سال کی تھی' لیکن حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کو گھوڑے پر سوار کر کے ایک آدمی کے سپرد کر دیا کہ جنگ کے ہولناک مناظر دکھا کر جرأت و بہادری کا سبق دے۔

غذا لباس:

دولت وثروت کے باوجود طرزِ معاشرت سادہ تھا' غذا بھی پر تکلف نہ تھی' لباس عموماً معمولی اور سادہ زیب بدن فرماتے' البتہ جنگ میں ریشمی کپڑے استعمال کرتے تھے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر ان کو اجازت دی تھی' آلاتِ حرب کا نہایت شوق تھا اور اس میں تکلف جائز سمجھتے تھے' چنانچہ ان کی تلوار کا قبضہ نقرئی تھا۔

---

[1] ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۰۱ [2] ابن سعد قسم اوّل جلد ۳ ص ۱۷۳

Marfat.com

حلیہ:

بدن چھریرا، قد بلند و بالا، خصوصاً پاؤں اس قدر لمبے کہ گھوڑے پر چڑھتے تو پاؤں زمین سے چھو جاتا، رنگ گندم گوں اور سر پر کندھوں تک بالوں کی لٹیں۔

اولاد و ازواج:[1]

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں اور کثرت کے ساتھ اولاد پیدا ہوئی، بعض بچے تو ان کی حیات ہی میں قضا کر گئے تاہم پھر بھی بہت سی اولاد یادگار رہ گئی، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

1. اسماء بنت ابی بکرؓ، ان کے بطن سے چھ بچے ہوئے، نام یہ ہیں (۱) عبداللہ (۲) عروہ (۳) منذر (۴) خدیجۃ الکبریٰ (۵) ام الحسن عائشہ
2. ام خالد بنت خالد بن سعید، انہوں نے (۶) خالد بنت خالد بن سعید، انہوں نے (۷) خالد (۸) عمر (۹) جیبہ (۱۰) سودہ (۱۱) ہند یادگار چھوڑی۔
3. رباب بنت انیف۔ ان سے (۱۲) مصعب (۱۳) حمزہ اور (۱۴) رملہ پیدا ہوئیں۔
4. زینب بنت بشر۔ ان کے بطن سے (۱۵) عبیدہ (۱۶) جعفر اور (۱۷) حفصہ پیدا ہوئیں۔
5. ام کلثوم بنت عقبہ۔ ان سے صرف ایک لڑکی (۱۸) زینب پیدا ہوئی۔

---

[1] اولاد اور ازواج کی تفصیل فتح الباری جلد ۶ ص ۱۶۱ سے ماخوذ ہے۔

Marfat.com

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب' خاندان:

طلحہ نام' ابو محمد کنیت' فیاض اور خیر لقب' والد کا نام عبید اللہ اور والدہ کا نام صعبہ تھا' پورا سلسلۂ نسب یہ ہے' طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی ابن غالب القرشی التیمی' چونکہ مرہ بن کعب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں اس لیے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا نسب چھٹی ساتویں پشت میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے والد عبید اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یا کم سے کم حضرت رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے قبل وفات پائی' البتہ ان کی والدہ حضرت صعبہ رضی اللہ عنہا نے نہایت طویل زندگی پائی' مسلمان ہوئیں' اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محصور ہونے کے وقت تک زندہ تھیں' چنانچہ امام بخاری کی تاریخ الصغیر میں ایک روایت ہے کہ جب صعبہ رضی اللہ عنہا کو امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے محصور ہونے کی خبر ملی تو وہ گھر سے نکل آئیں اور اپنے صاحبزادہ طلحہ رضی اللہ عنہ سے خواہش کی کہ وہ اپنے اثر سے مفسدین کو دور کر دیں' اس وقت خود حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی عمر ساٹھ برس سے زیادہ تھی' اس لیے اگر تاریخ الصغیر کی روایت صحیح ہے تو حضرت صعبہ رضی اللہ عنہا نے اسی برس سے زیادہ عمر پائی۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے چوبیس پچیس برس قبل پیدا ہوئے' ابتدائی حالات نا معلوم ہیں' لیکن اس قدر یقینی ہے کہ ان کو بچپن ہی سے تجارتی مشاغل میں مصروف ہونا پڑا' اور عنفوانِ شباب ہی میں دور دراز ممالک کے سفر کا اتفاق ہوا۔

اسلام:

ایک دفعہ جب کہ غالباً سترہ یا اٹھارہ برس کی عمر تھی' تجارتی اغراض سے بصریٰ

Marfat.com

تشرف لے گئے وہاں ایک راہب نے حضرت سرورِ کائنات ﷺ کے مبعوث ہونے کی بشارت دی' لیکن یوم ولادت سے اس وقت تک جس قسم کی آب و ہوا میں پرورش پائی تھی اور گردوپیش جس قسم کے مذہبی چرچے تھے' اس کا اثر صرف ایک راہب کی پیشین گوئی سے زائل نہیں ہوسکتا تھا' بلکہ ابھی مزید تعلیم و تلقین کی ضرورت تھی' مکہ واپس آئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحبت اور ان کے مخلصانہ وعظ و پسند نے تمام شکوک رفع کردیئے' چنانچہ ایک روز صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وساطت سے دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور خلعتِ ایمان سے مشرف ہوکر واپس آئے' اس طرح حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ان آٹھ آدمیوں میں سے ہیں جو ابتدائے اسلام میں نجمِ صداقت کی پرتوضیاء سے ہدایت یاب ہوئے اور آخر کار خود بھی آسمانِ اسلام کے روشن ستارے بن کر چمکے۔[1]

اسلام لانے کے بعد حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی عام مسلمانوں کی طرف کفار کے ظلم و ستم سے محفوظ نہ رہے' عثمان بن عبیداللہ نے جو نہایت سخت مزاج اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا حقیقی بھائی تھا' ان کو اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک ہی رسی میں باندھ کر مارا کہ اس تشدد سے اپنے نئے مذہب کو ترک کردیں' لیکن توحید کا نشہ ایسا نہ تھا جو چڑھ کر اتر جاتا۔[2]

مواخات:

مکہ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے ان کا بھائی چارہ کرادیا۔

ہجرت:

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے مکہ میں نہایت خاموش زندگی بسر کی اور اپنے تجارتی مشاغل میں مصروف رہے' چنانچہ جس وقت رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ تشریف لے جارہے تھے' اس وقت وہ اپنے تجارتی قافلہ کے ساتھ شام سے واپس آرہے تھے' راہ میں ملاقات ہوئی' انہوں نے ان دونوں کی خدمت میں کچھ شامی

---

[1] ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۱۵۳ [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۵۹

Marfat.com

کپڑے پیش کئے اور عرض کی کہ اہل مدینہ نہایت بے چینی اور اضطراب کے ساتھ انتظار کر رہے ہیں' غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت عجلت کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے مکہ پہنچ کر اپنے تجارتی کاروبار سے فراغت حاصل کی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اہل وعیال کو لے کر مدینہ پہنچے۔ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنا مہمان بنایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ سے ان کا بھائی چارہ کرادیا۔[1]

غزوات اور دیگر حالات

ہجرتِ مدینہ کے دوسرے سال سے غزوات کا سلسلہ شروع ہوا' اور کفر واسلام کی پہلی آویزش جنگ بدر کی صورت میں ظاہر ہوئی' لیکن حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کسی خاص مہم پر مامور ہو کر ملک شام تشریف لے گئے تھے' اس لیے اس میں شریک نہ ہوسکے' وہاں سے واپس آئے تو دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر غزوۂ بدر کے مالِ غنیمت میں سے اپنے حصے کی درخواست کی۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت میں حصہ دیا اور فرمایا کہ تم جہاد کے ثواب سے بھی محروم نہیں رہو گے۔

بعض اہل سیر کا بیان ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اپنے تجارتی اغراض سے شام گئے تھے' لیکن یہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ اس صورت میں مالِ غنیمت میں حصہ طلب کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی' نیز ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو شام کی طرف قریش کے قافلہ کی تحقیق حال کی خدمت پر مامور کر کے بھیجا تھا' اس روایت سے بھی ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے' بہر حال اگرچہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شریک نہ تھے تاہم وہ اپنی کارگزاریوں کے باعث اس کے اجر وثواب سے محروم نہیں رہے۔[2]

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۱۵۴ [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۵۹

Marfat.com

غزوۂ احد:

۳ھ میں غزوۂ اُحد پیش آیا' اس جنگ میں پہلے مسلمانوں کی فتح ہوئی اور کفار بھاگ کھڑے ہوئے' لیکن مسلمان جیسے ہی اپنی اپنی جگہ سے ہٹ کر لوٹ کھسوٹ میں مصروف ہوئے' کفار نے پھر پلٹ کر حملہ کر دیا' اس ناگہانی حملہ نے مسلمانوں کو ایسا بدحواس کیا کہ ان کو سرورِ کائنات ﷺ کی حفاظت کا بھی خیال نہ رہا اور جو جس طرف تھا اس طرف سے بھاگ کھڑا ہوا۔ میدانِ جنگ میں صرف دس بارہ آدمی ثابت قدم رہ گئے تھے' لیکن وہ سب بھی شمع ہدایت سے دور تھے' اور اس وقت صرف حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ پروانہ وار فدویت و جاں نثاری کے حیرت انگیز مناظر دکھا رہے تھے' کفار کا ہر طرف سے نرغہ تھا' تیروں کی بارش ہو رہی تھی' خون آشام تلواریں چمک چمک کر آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھیں اور صدہا کفار صرف ایک مقدس ہستی کو فنا کر دینے کے لیے ہر طرف سے یورش کر رہے تھے' اس نازل وقت میں جمالِ نبوت کا یہ شیدائی ہالہ بن کر خورشید نبوت کو آگے پیچھے داہنے بائیں ہر طرف سے بچا رہا تھا' تیروں کی بوچھاڑ کو ہتھیلی پر روکتا' تلوار اور نیزہ کے سامنے اپنے سینہ کو سپر بناتا' پھر اسی حال میں کفار کا نرغہ زیادہ ہو جاتا تو شیر کی طرف تڑپ کر حملہ کرتا اور دشمن کو پیچھے ہٹا دیتا' ایک دفعہ کسی نابکار نے ذاتِ قدسی ﷺ پر تلوار کا وار کیا' خادمِ جاں نثار یعنی طلحہ رضی اللہ عنہ جانباز نے اپنے ہاتھ پر روک لیا' اور انگلیاں شہید ہو گئیں تو آہ کے بجائے زبان سے نکلا' حس' یعنی خوب ہوا' سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اس لفظ کے بجائے بسم اللہ کہتے تو ملائکہ آسمانی تمہیں ابھی اٹھا لے جاتے' غرض حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ دیر تک حیرت انگیز جانبازی اور بہادری کے ساتھ مدافعت کرتے رہے' یہاں تک کہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی مدد کے لیے آ پہنچے' مشرکین کا ہلّہ کسی قدر کم ہوا تو سرورِ کائنات ﷺ کو اپنی پشت پر سوار کر کے پہاڑی پر لے آئے' اور مزید حملوں سے محفوظ کر دیا۔[1]

---

1. طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۱۵۵

Marfat.com

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ احد میں فدویت' جان نثاری اور شجاعت کے جو بے مثل جوہر دکھائے یقیناً تمام اقوامِ عالم کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے' تمام بدن زخموں سے چھلنی ہو گیا تھا' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے جسم پر ستر سے زیادہ زخم شمار کیے تھے[1] دربارِ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اسی جان بازی کے صلہ میں ''خیر'' کا لقب مرحمت ہوا' صحابہ رضی اللہ عنہم کو واقعہ اُحد میں ان کی اس غیر معمولی شجاعت اور جانبازی کا دل سے اعتراف تھا' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غزوۂ اُحد کا تذکرہ کرتے تو فرماتے کہ یہ طلحہ (رضی اللہ عنہ) کا مخصوص دن تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو صاحبِ اُحد فرمایا کرتے تھے' خود حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو بھی اس پر فخر کارنامہ پر بڑا ناز تھا اور ہمیشہ لطف و انبساط کے ساتھ اس کی داستان سنایا کرتے تھے۔[2]

متفرق غزوات:

غزوۂ احد کے بعد فتح مکہ تک جس قدر غزوات ہوئے' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سب میں نمایاں طور پر شریک رہے' بیعتِ رضوان کے وقت بھی موجود تھے' اور شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔

فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین پیش آیا' اس معرکہ میں بھی غزوۂ اُحد کی طرح پہلے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے' لیکن چند بہادر اور ثابت قدم مجاہدین کے استقلال و ثبات نے پھر اس کو سنبھال لیا' اور اس طرح جم کر لڑے کہ غنیم کی فتح شکست سے بدل گئی اور بیشمار سامان اور مال غنیمت چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اس جنگ میں بھی ثابت قدم اصحاب رضی اللہ عنہم کی صف میں تھے۔

۹ ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ قیصر روم بڑے ساز و سامان کے ساتھ عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے اس لیے آپؐ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تیاری کا حکم دیا اور جنگی اسباب و سامان کے لیے مال و زر صدقہ کرنے کی ترغیب دی' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس

---

[1] فتح الباری جلد ۷ ص ۶۶ [2] بخاری کتاب المغازی غزوۂ اُحد

Marfat.com

موقع پر ایک بیش قرار رقم پیش کی اور بارگاہ رسالت ﷺ سے فیاض کا لقب حاصل کیا۔[1]

سرورِ کائنات ﷺ ایک طرف حملہ قیصر کے مدافعانہ اہتمام میں مصروف تھے دوسری طرف منافقین جو ہمیشہ درپئے تخریب رہتے تھے' اس موقع پر بھی اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے' اور مدینہ سے کچھ فاصلہ پر سویلم یہودی کے مکان میں مجتمع ہو کر ان تدابیر پر غور کرتے تھے جن سے مسلمانوں میں بددلی پیدا ہو اور اس مہم میں شرکت سے انحراف کریں' آنحضرت ﷺ نے اسباب وسامان کے لیے مال وزر صدقہ کرنے کی ترغیب دی' آنحضرت ﷺ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اس کو اس خانہ برانداز جماعت کی تنبیہ پر مامور فرمایا' انہوں نے چند آدمیوں کو ساتھ لے کر نہایت مستعدی کے ساتھ سویلم کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور اس میں آگ لگا دی' ضحاک بن خلیفہ نے مکان کے پشت سے کود کر حملہ کیا اور اس حالت میں اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور اس کے ساتھی اس کو مسلمانوں کے پنجہ اقتدار سے بچا کر لے بھاگے۔[2]

غرض تیس ہزار مجاہدین نہایت جاہ وجلال کے ساتھ رومیوں کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے' تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی' اس لیے وہاں چودہ دن قیام کر کے سب لوگ واپس آئے پھر ۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ نے آخری حج کیا' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ہمرکاب تھے۔ حج سے واپس آنے کے بعد ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ دوشنبہ کے دن آفتابِ رسالت دنیا سے غروب ہوا' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اس سانحہ کبریٰ سے جو صدمہ ہوا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جس وقت سقیفہ بنی ساعدہ میں سیادت وخلافت کا فیصلہ ہو رہا تھا' اس وقت یہ کسی گوشہ تنہائی میں مصروفِ گریہ تھے۔

عہد صدیقی:

سقیفہ بنی ساعدہ کی مجلس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق کیا' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی کچھ دنوں کے بعد بیعت کی اور مہماتِ امور میں رائے اور مشورہ

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۵۹ [2] سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۳۱۵

Marfat.com

کے لحاظ سے جانشین رسول ﷺ کے ہمیشہ دست و بازو ثابت ہوئے' سوا دو برس کی خلافت کے بعد جب خلیفہ اول مرض الموت کے بستر پر تھے اور انہوں نے منصب کے لیے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو نامزد کیا تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے نہایت آزادی کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جا کر کہا کہ آپ کے موجود ہوتے عمر رضی اللہ عنہ کا ہم لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ اب وہ خود خلیفہ ہوں گے تو خدا جانے کیا کریں گے؟ آپ اب خدا کے ہاں جاتے ہیں' یہ سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دیجئے گا' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا میں خدا سے کہوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر اس شخص کو امیر کیا جو ان میں سب سے زیادہ اچھا تھا۔

عہد فاروقی:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی جو رائے تھے وہ کسی بغض و عداوت سے ملوث نہ تھی بلکہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہی رائے تھی کہ ان کا تشدد ناقابل تحمل ہوگا' لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ اس منصب عظیم کے لیے سب سے موزوں ہیں تو دفعۃً حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا خیال بھی بدل گیا' اور مجلس شوریٰ کے ایک رکن کی حیثیت سے انہوں نے ہمیشہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اعانت کی' اختلافی مسائل میں ساتھ دیا' اور اہم امور میں نہایت مخلصانہ مشورے دیئے' ایک دفعہ عہد فاروقی میں یہ سوال پیدا ہوا کہ ممالکِ مفتوحہ مجاہدین میں باہم تقسیم کر دیئے جائیں اور ایک بڑی جماعت اس کی موید ہوگئی' صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور چند دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس سے اختلاف تھا' تین دن تک بحث ہوتی رہی' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ اس مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید کی' یہاں تک کہ ان ہی کی رائے پر آخری فیصلہ ہوا' اسی طرح معرکہ نہاوند کے موقع پر ایرانی ٹڈی دل نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو مشوش کر دیا اور انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کے متعلق مشورہ چاہا' تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا آپ ہم سے زیادہ بہتر جانتے ہیں البتہ ہم لوگ تعمیل حکم کے لیے تیار ہیں۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ۲۳ھ میں دس برس کی خلافت کے بعد سفر آخرت کی

Marfat.com

تیاری کی اور عہدۂ خلافت کے لیے چھ آدمیوں کا نام پیش کیا' ان میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے' لیکن انہوں نے نہایت فراخ حوصلگی کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے اوپر ترجیح دی اور ان کا نام اس منصب کے لیے پیش کیا' چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی کوشش اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی تائید سے وہی خلیفہ منتخب ہوئے۔

عہد عثمانی:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بارہ برس تک خلافت کی لیکن آخری شش سالہ عہد خلافت میں تمام ملک عام طور پر شورش و بے چینی کا آماجگاہ ہو گیا تھا اور ہر طرف ریشہ دوانی و فتنہ پردازی کا بازار گرم تھا' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے دربار خلافت کو مشورہ دیا کہ اسبابِ شورش کی تفتیش و تحقیق کے لیے تمام ملک میں وفود روانہ کیے جائیں' چنانچہ یہ رائے پسند کی گئی اور ۳۵ھ میں محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ' اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما' عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مختلف حصص ملک میں روانہ کیے گئے' ان لوگوں نے واپس آ کر اپنی تحقیقات کا جو نتیجہ پیش کیا اس پر عمل بھی نہ ہونے پایا تھا کہ مفسدین نے بارگاہِ خلافت کا محاصرہ کر لیا' گو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کوئی خاص اعانت نہیں کی' تاہم وہ اکثر خود ایک غیر جانب دار شخص کی حیثیت سے دریافتِ حال کے لیے محاصرین کی جماعت میں تشریف لے گئے' چنانچہ وہ ایک دفعہ وہاں موجود تھے' کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے احسانات اور فضائل و مناقب بیان کر کے ان سے تصدیق چاہی' تو انہوں نے مفسدین کے سامنے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ اس کی تصدیق کی۔[1]

آخر میں جب محاصرہ زیادہ خطرناک ہو گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے صاحبزادہ محمد کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لیے متعین کر دیا' چنانچہ جب مفسدین نے یورش کی تو محمد بن طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت تندہی اور جانفشانی سے ان کا مقابلہ کیا۔[2]

---

[1] ابن سعد جزء ۳ قسم اوّل ص ۴۷ [2] ابن اثیر جلد ۳ ص ۴۰

Marfat.com

محافظین نے باوجود قلتِ تعداد کے اس سیلاب کو روکے رکھا' لیکن' چند نابکار دوسری طرف سے اندر گھس آئے اور صبر وحلم کے آفتاب کو ہمیشہ کے لیے خونیں شفق کے پردہ میں نہاں کر دیا' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو افسوس کے ساتھ فرمایا: ''خدا عثمان رضی اللہ عنہ پر رحم کرے''۔ لوگوں نے کہا مفسدین اب اپنے فعل پر نادم ہیں' فرمایا خدا انہیں ہلاک کرے' اس کے بعد آیت پڑھی:

﴿ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَّلَا اِلٰى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴾ (یٰسٓ : ۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بادلِ نخواستہ بیعت کی:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مصریوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عنانِ خلافت سنبھالنے پر مجبور کیا' اور مسجد نبوی ﷺ میں لوگوں کو بیعتِ عام کے لیے جمع کیا' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ گو برابر کے دعوے دار تھے تاہم اس شورش وہنگامہ کے وقت زبان نہ ہلا سکے اور بادل نخواستہ بیعت کر لی۔[1]

خلیفۂ وقت کے مقابلہ میں خروج اور اس کی وجہ:

خلیفۂ وقت کا قتل کوئی معمولی حادثہ نہ تھا' اس سے تمام میں شورش اور بدنظمی پھیل گئی' اور مفسدین کی مطلق العنانی نے خود مدینہ کو پرفتن بنا دیا' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کامل چار ماہ تک خاموشی کے ساتھ اس فتنہ وفساد کا تماشا دیکھتے رہے' لیکن جب دربارِ خلافت کی طرف سے اس کے انسداد کی کوئی امید نہ رہی تو خود علم اصلاح بلند کرنے کے لیے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ سے مکہ چلے آئے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حج کے خیال سے مکہ آئی تھیں اور مدینہ کی شورشوں کا حال سن کر اس وقت تک یہیں مقیم تھیں' اس لیے ان دونوں نے سب سے پہلے ام المومنین رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر مدینہ کی کیفیت بیان کی اور علم اصلاح بلند کرنے پر آمادہ کیا' تھوڑی دیر کے بعد بحث ومباحث کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راضی ہو گئی اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق بصرہ جانے کی تیاری ہوئی کیونکہ وہاں ان کے طرفداروں کی ایک بڑی جماعت موجود تھی' اور نہایت آسانی کے

Marfat.com

ساتھ اس مہم کی شرکت پر آمادہ ہو سکتی تھی۔

بصرہ پر قبضہ:

غرض داعیانِ اصلاح کی ایک ہزار جماعت مکہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہوئی' بنوامیہ بھی جو مدینہ سے بھاگ کر مکہ میں پناہ گزین تھے' جوشِ انتقام میں ساتھ ہو گئے' بصرہ کے قریب پہنچے تو عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ والی بصرہ نے مزاحمت کی' پہلے کچھ دنوں تک ان سے مصالحت کی سلسلہ جنبانی ہوتی رہی لیکن جب وہ راہ پر نہ آئے تو بزور شہر پر قابض ہو گئے اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے حامیوں نے جوش وخروش کے ساتھ اہل دعوت کو لبیک کہا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج سے مقابلہ کے لیے بڑھنا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدعیانِ اصلاح کے خروج کا حال معلوم ہو چکا تھا' اس لیے مدینہ سے روانہ ہو کر ذی قار پہنچے اور یہاں سے تقریباً کوفہ کے نو ہزار جنگ آزما نوجوان ساتھ لے کر بصرہ کی طرف بڑھے' حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما نے اس فوج کا حال سنا تو انہوں نے بھی اپنی فوج کو منظم و مرتب کر کے آگے بڑھایا' دسویں جمادی الآخر ۳۶ھ میں دونوں فوجوں میں مٹ بھیڑ ہوئی۔

شہادت:

جنگ شروع ہونے سے پہلے صلح کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی یاد دلائی کہ اس وقت ان کا دل بھی متزلزل ہوا' اور جنگ سے کنارہ کش ہونے کی رائے قائم کر لی' مروان نے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے معاملہ میں ان سے بدظن تھا' اس موقعہ کو غنیمت جان کر ایک تیر مارا جو اگرچہ پاؤں میں لگا لیکن ان کے لیے تیر قضا ثابت ہوا۔[1] لوگوں نے نکالنے کی کوشش کی تو فرمایا چھوڑ دو' یہ تیر نہیں بلکہ پیام خداوندی ہے۔

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۳۷۱

Marfat.com

تجہیز و تکفین:

اختلافِ روایات حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے باسٹھ یا چونسٹھ برس کی عمر میں شہادت حاصل کی' اور غالباً اسی میدانِ جنگ کے کسی گوشہ میں مدفون ہوئے لیکن یہ زمین نشیب میں تھی اس لیے اکثر غرق آب رہتی تھی' ایک شخص نے مسلسل تین دفعہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ اپنی لاش کو اس قبر سے منتقل کرنے کی ہدایت فرما رہے ہیں' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے خواب کا حال سنا تو حضرت ابوبکرہ صحابی رضی اللہ عنہ کا مکان دس ہزار درہم میں خرید کر ان کی لاش کو اس میں منتقل کر دیا' دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اتنے دنوں کے بعد بھی یہ جسم خاکی اسی طرح مصئون و محفوظ تھا' یہاں تک کہ آنکھوں میں جو کافور لگایا گیا تھا وہ بھی بعینہٖ موجود تھا۔[1]

اخلاق و عادات:

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا اخلاقی پایہ نہایت ارفع و اعلیٰ تھا' خشیتِ الٰہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے ان کا پیمانہ لبریز تھا' معرکہ احد اور دوسرے غزوات میں جس جوش و فداکاری کے ساتھ پیش پیش رہے وہ اسی جذبہ کا اثر تھا' اس راہ میں ان کو جان کے ساتھ مال کی قربانی سے بھی دریغ نہ تھا۔

چنانچہ انہوں نے نذر مانی تھی کہ غزوات کے مصارف کے لیے اپنا مال راہِ خدا میں دیا کریں گے' اس نذر کو انہوں نے اس پابندی کے ساتھ پوری کرنے کی کوشش کی کہ خاص قرآنِ پاک میں ان کی مدح میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه منهم من قضى نحبه ﴾ (احزاب : ۳)

''یعنی کچھ آدمی ایسے ہیں جنہوں نے خدا سے جو کچھ عہد کیا اس کو سچا کر دکھایا' چنانچہ بعض ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے اپنی نذر پوری کی''۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بارگاہِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے تو ارشاد ہوا طلحہ (رضی اللہ عنہ) تم بھی ان لوگوں میں ہو جنہوں نے اپنی نذر پوری کی''۔[2]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۶۱ [2] فتح الباری جلد ۸ ص ۳۹۰

Marfat.com

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اقلیم سخاوت کے بادشاہ تھے‘ فقراء و مساکین کے لیے ان کا دروازہ کھلا رہتا تھا‘ قیس ابن ابی حازم کا بیان ہے کہ میں نے طلحہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو بے طلب کی بخشش میں پیش پیش نہ دیکھا۔[1]

غزوۂ ذی القرد میں آنحضرت ﷺ مجاہدین کے ساتھ پانی کے ایک چشمہ پر سے گذرے جس کا نام بیسان مالح تھا‘ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس کو خرید کر وقف کر دیا[2] اسی طرح غزوۂ ذی العسرہ میں تمام مجاہدین کی دعوت کی‘ غزوۂ تبوک کے موقع پر جب کہ عموماً تمام مسلمان افلاس و ناداری کی مصیبت اور فلاکت میں مبتلا تھے‘ انہوں نے مصارفِ جنگ کے لیے ایک گراں قدر رقم پیش کی اور دربارِ رسالت سے فیاض کا خطاب حاصل کیا[3]

ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اپنی جائیداد سات لاکھ درہم میں فروخت کی اور سب راہِ خدا میں صرف کر دیا‘ آپ کی بیوی سعدی بنت عوف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے انہیں غمگین دیکھا‘ پوچھا ”آپ اس قدر اداس کیوں ہیں مجھ سے کوئی خطا تو سرزد نہیں ہوئی؟“ بولے: ”نہیں! تم نہایت اچھی بیوی ہو‘ تمہاری کوئی بات نہیں ہے‘ اصل قصہ یہ ہے کہ میرے پاس ایک بہت بڑی رقم جمع ہوگئی ہے‘ اس وقت اس کی فکر میں تھا کہ کیا کروں‘ میں نے کہا: ”اس کو تقسیم کرا دیجئے“ یہ سن کر انہوں نے اسی وقت لونڈی کو بلا اور چار لاکھ کی رقم اپنی قوم میں تقسیم کرا دی۔[4]

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بنو تیم کے تمام محتاج و تنگدست خاندانوں کی کفالت کرتے تھے‘ لڑکیوں اور بیوہ عورتوں کی شادی کر دیتے تھے‘ جو لوگ مقروض تھے ان کا قرض ادا کر دیتے تھے چنانچہ صبیحہ تیمی پر تیس ہزار درہم قرض تھا‘ وہ سب انہوں نے اپنے پاس سے ادا کر دیا ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی خاص عقیدت تھی اور ہر سال دس ہزار درہم پیش کش خدمت کرتے تھے۔[5]

---

[1] فتح الباری جلد ۷ ص ۶۶ [2] اصابہ جلد ۳ ص ۲۹۱ [3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۶۰

[4] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۱۵۷ [5] ایضاً ص ۱۵۸

Marfat.com

مہمان نوازی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا خاص شیوہ تھا' ایک دفعہ بنی عذرہ کے تین آدمی مدینہ آ کر مشرف بہ اسلام ہوئے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا کون ان کی کفالت کا ذمہ لیتا ہے؟ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کی ''میں یا رسول اللہ ﷺ!'' اور تینوں نومسلم مہمانوں کو خوشی خوشی گھر لے آئے' ان میں سے دو نے یکے بعد دیگرے مختلف غزوات میں شہادت حاصل کی اور تیسرے نے بھی ایک مدت کے بعد حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے مکان میں وفات پائی۔ ان کو اپنے مہمانوں سے جو انس پیدا ہو گیا تھا اس کا اثر یہ تھا کہ ہر وقت ان کی یاد تازہ رہتی تھی اور رات کے وقت خواب میں ان ہی کا جلوہ نظر آتا تھا' ایک روز خواب دیکھا کہ وہ اپنے تینوں مہمانوں کے ساتھ جنت کے دروازہ پر کھڑے ہیں' لیکن جو سب سے پیچھے مرا تھا وہ سب سے آگے ہے' اور جو سب سے پہلے شہید ہوا تھا وہ سب سے پیچھے ہے' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اس تقدم و تاخر پر سخت تعجب ہوا' صبح کے وقت سرورِ کائنات ﷺ سے خواب کا واقعہ بیان کیا تو ارشاد ہوا' اس میں تعجب کی کیا بات ہے' جو زیادہ دنوں تک زندہ رہا اس کو عبادت و نیکو کاری کا زیادہ موقع ملا' اس لیے وہ جنت کے داخلہ میں اپنے ساتھیوں سے پیش تھا۔[1]

احباب کی مسرت[2] و شادمانی ان کے لیے بھی سامانِ انبساط بن جاتی تھی' حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے کے باعث معتوب بارگاہ تھے' ایک مدت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کی خطا معاف کر دی اور وہ خوش خوش دربارِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے دوڑ کر ان سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی' حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں طلحہ (رضی اللہ عنہ) کے اس اخلاق کو کبھی نہ بھولوں گا' کیونکہ مہاجرین میں سے کسی نے ایسی گرمجوشی کا اظہار نہیں کیا تھا۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو دوستوں کی خدمت گذاری سے بھی دریغ نہ تھا' ایک دفعہ ایک اعرابی مہمان ہوا' اور اس نے درخواست کی کہ بازار میں میرا اونٹ فروخت کرا دیجئے'

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۱۶۳ [2] بخاری باب غزوۂ تبوک

Marfat.com

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''گو رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شہری دیہاتی کا معاملہ نہ چکائے تاہم میں تمہارے ساتھ چلوں گا''۔ اور اس کے ساتھ جا کر مناسب قیمت پر اس کا اونٹ فروخت کرا دیا' اعرابی نے اس کے بعد خواہش ظاہر کی کہ دربارِ رسالت ﷺ سے زکوٰۃ کی وصولی کا ایک مفصل ہدایت نامہ دلوا دیجئے تا کہ عمال کو اسی کے مطابق دیا کروں حضرت طلحہؓ نے اپنے مخصوص تقرب کے باعث اس کی یہ خواہش بھی پوری کر دی۔[1]

رسولِ خدا ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو طرزِ عمل بنانا ہر مسلمان کی سب سے بڑی سعادت ہے' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس سعادت کے حصول کو اپنے فرائض میں شامل کر لیا تھا' یہی وجہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی مختلف صحبتوں میں جو کچھ دیکھتے یا سنتے اس کو ہمیشہ یاد رکھتے اور اگر اتفاق سے کبھی کوئی بات بھول جاتے تو سخت مغموم و رنجیدہ نظر آتے' ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو مغموم دیکھ کر پوچھا ''تمہارا حال کیسا ہے؟'' کسی سے کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا؟'' کہنے لگے نہیں! میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا تھا کہ ''اگر کوئی بندہ موت کے وقت ایک کلمہ زبان سے ادا کرے تو نزع کی مصیبت دور ہو جائے گی اور اس کا چہرہ چمکنے لگے گا''۔ مجھے اس وقت وہ کلمہ معلوم تھا' لیکن اب یاد نہیں آتا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا تم اس کلمہ سے بھی زیادہ باعظمت و پراثر کلمہ جانتے ہو جس کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا یعنی لا الہ الا اللہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سن کر اُچھل پڑے فرمایا: ''ہاں خدا کی قسم یہی کلمہ ہے''۔[2]

حسن معاشرت:

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اپنے حسن معاشرت کے باعث بیوی بچوں میں نہایت محبوب تھے' وہ اپنے کنبہ میں جس لطف و محبت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے' اس کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ کی لڑکی ام ابان سے اگرچہ بہت سے معزز اشخاص نے

---

[1] بخاری باب غزوۂ تبوک [2] مسند جلد ۱۶۱

Marfat.com

شادی کی درخواست کی لیکن انہوں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو سب پر ترجیح دی لوگوں نے وجہ پوچھی تو کہا: ''میں ان کے اوصافِ حمیدہ سے واقف ہوں وہ گھر آتے ہیں تو ہنستے ہوئے باہر جاتے ہیں تو مسکراتے ہوئے کچھ مانگو تو بخل نہیں کرتے اور خاموش رہو تو مانگنے کا انتظار نہیں کرتے اگر کوئی کام کر دو شکر گذار ہوتے ہیں اور خطا ہو جائے تو معاف کر دیتے ہیں'' [1]

ذریعہ معاش:

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا چنانچہ نیر اسلام کے طلوع ہونے بشارت بھی اسی تجارتی سفر میں ملی تھی جب مدینہ پہنچے تو زراعت کا شغل بھی شروع کیا اور رفتہ رفتہ اس کو نہایت وسیع پیمانہ پر پھیلا دیا خیبر کی جاگیر کے علاوہ عراقِ عرب میں متعدد علاقے حاصل کیے ان میں سے قناۃ اور سراۃ نہایت مشہور ہے ان دونوں مقامات میں کاشتکاری کا نہایت وسیع اہتمام تھا صرف قناۃ کے کھیتوں پر بیس اونٹ سیرابی کا کام کرتے تھے ان علاقوں کی پیداوار کا صرف اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی روزانہ آمدنی کا اوسط ایک ہزار دینار تھا۔ [2]

تمول:

غرض تجارت و زراعت نے ان کو غیر معمولی دولت و ثروت کا مالک بنا دیا تھا چنانچہ لاکھوں دینار و درہم راہ خدا میں لٹا دینے کے بعد بھی اہل و عیال کے لیے ایک عظیم الشان دولت چھوڑ گئے ایک دفعہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے موسیٰ بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمہارے والد نے کس قدر دولت چھوڑی تو انہوں نے کہا: ''بائیس لاکھ درہم اور دو لاکھ دینار اس کے علاوہ نہایت کثیر مقدار میں سونا اور چاندی'' یہ نقدی کی تفصیل تھی جائیداد غیر منقولہ اس کے علاوہ تھی جس کی کل قیمت کا اندازہ تین کروڑ درہم تھا۔ [3]

---

[1] کنز العمال جلد ۶ ص ۴۱۳ [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۱۵۸

[3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۱۵۸

Marfat.com

غذا ولباس:

طرزِ معاش نہایت سادہ تھا' کپڑے اکثر رنگین پہنتے تھے' ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حالتِ احرام میں رنگین لباس زیبِ جسم دیکھا۔ بولے ''طلحہ یہ کیا ہے؟'' عرض کی: ''امیر المومنین یہ گیروا رنگ ہے''۔ فرمایا: ''آپ لوگ ائمہ دین ہیں' عوام آپ کا اتباع کرتے ہیں' کوئی جاہل دیکھ لے گا تو وہ بھی رنگین کپڑے استعمال کرے گا اور دلیل پیش کرے گا کہ میں نے طلحہ رضی اللہ عنہ کو حالتِ احرام میں پہنے ہوئے دیکھا تھا''۔[1]

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ایک سونے کی انگوٹھی تھی جس میں نفیس سرخ یاقوت کا رنگ جڑا ہوا تھا' لیکن بعد کو یاقوت نکال کر معمولی پتھر سے مرصع کرایا تھا۔[2]

دسترخوان بھی وسیع تھا' لیکن پر تکلف نہ تھا۔

حلیہ:

حلیہ یہ تھا' قد میانہ بلکہ ایک حد تک پست' چہرہ کا رنگ سرخ وسفید' بدن خوب گھٹا ہوا' سینہ چوڑا' پاؤں نہایت پر گوشت اور ہاتھ کی انگلیاں غزوۂ احد میں شل ہوگئی تھیں۔

اولاد وازواج:

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کی تھیں' بیویوں کے نام یہ ہیں' حمنہ بنت جحش' ام کلثوم بنت ابوبکر الصدیق' سعدی بنت عوف' ام ابان بنت عتبہ بن ربیعہ' خولہ بن القعقاع' ان میں سے ہر ایک کے بدن سے متعدد اولاد ہوئی تھی' لڑکوں کے نام یہ ہیں:

محمد، عمران، عیسیٰ، یحییٰ، اسمٰعیل، اسحاق، زکریا، یعقوب، موسیٰ، یوسف

ان کے علاوہ چار صاحبزادیاں تھیں' ان کے نام یہ ہیں:

ام اسحاق ، عائشہ ، صعبہ ، مریم

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۵٦ [2] ایضاً ص ۱۵۷

Marfat.com

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

نام' نسب' خاندان:

عبدالرحمٰن نام' ابو محمد کنیت۔ والد کا نام عوف اور والدہ کا نام شفاء تھا' یہ دونوں زہری خاندان سے تعلق رکھتے تھے' سلسلہ نسب یہ ہے عبدالرحمٰن بن عوف بن عبد جوف بن عبد بن الحارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ القرشی الزہری۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا اصلی نام عبد عمرو تھا' ایمان لائے تو رسول اللہ ﷺ نے بدل کر عبدالرحمٰن رکھا۔[1]

اسلام:

عام روایت کے مطابق حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ واقعہ فیل کے دسویں سال پیدا ہوئے تھے' اس لحاظ سے جس وقت رسول اللہ ﷺ نے دعوتِ توحید کی صدا بلند کی' اس وقت ان کا سن تیس سال سے متجاوز ہو چکا تھا' فطری عفت و سلامت روی کے باعث شراب سے پہلے ہی تائب ہو چکے تھے' صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی راہنمائی سے صراط مستقیم کی شاہراہ بھی نظر آ گئی اور بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر رہروانِ حق کے قافلہ میں شامل ہو گئے' اس وقت تک صرف چند روشن ضمیر بزرگوں کو اس کی توفیق ہوئی تھی اور قافلہ سالار یعنی سرورِ دو عالم ﷺ ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔[2]

ہجرت:

خلعتِ ایمان سے مشرف ہونے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بھی عام بلا کشانِ اسلام کی طرح جلاوطن ہونا پڑا' پہلے ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے' پھر

---

1 مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۷۶   2 طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث

Marfat.com

وہاں سے واپس آئے تو سب کے ساتھ سرزمین یثرب کی طرف ہجرت کر گئے۔[1]

مواخات:

مدینہ پہنچنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن الربیع انصاری رضی اللہ عنہ سے بھائی چارہ کرا دیا' اور وہ انصار میں سے سب سے زیادہ مالدار اور فیاض طبع تھے' کہنے لگے ''میں اپنا نصف مال و منال تمہیں بانٹ دیتا ہوں' اور میری دو بیویاں ہیں' ان کو دیکھو جو پسند آئے اس کا نام بتاؤ' میں طلاق دے دوں گا' عدت گذارنے کے بعد تم نکاح کر لینا''۔ لیکن حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی غیرت نے گوارا نہ کیا' جواب دیا: ''خدا تمہارے مال و منال اور اہل و ایال میں برکت دے' مجھے صرف بازار دکھا دو''۔ لوگوں نے بنی قینقاع کے بازار میں پہنچا دیا' وہاں سے واپس آئے تو کچھ گھی اور پنیر وغیرہ نفع میں بچا لائے' دوسرے روز باقاعدہ تجارت شروع کر دی' یہاں تک کہ چند دنوں کے بعد بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے تو جسم پر مراسمِ شادی کی علامتیں موجود تھیں' استفسار ہوا ''یہ کیا ہے'' عرض کی ''ایک انصاریہ سے شادی کر لی ہے''۔ سوال ہوا: ''مہر کس قدر ادا کیا؟'' عرض کی ''ایک کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا'' حکم ہوا ''تو پھر ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی سہی''۔[2]

غزوات:

۲ھ سے غزوات کا سلسلہ شروع ہوا' حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اکثر معرکوں میں پامردی و شجاعت کے ساتھ شریک رہے' غزوۂ بدر میں دو نوجوان انصاری پہلو میں کھڑے تھے' انہوں نے آہستہ سے پوچھا: ''یاعم! ابوجہل کون ہے جو سرورِ کائنات ﷺ کی شان میں بدزبانی کرتا ہے؟'' اسی اثناء میں ابوجہل سامنے آ گیا۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا: ''وہ دیکھو جس کو تم پوچھتے تھے سامنے موجود ہے''۔ ان دونوں نے جھپٹ کر ایک ساتھ وار کیا اور اس ناپاک ہستی سے دنیا کو نجات دلا دی۔[3]

---

1. طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث
2. بخاری باب بنیان الکعبہ باب کیف اخی النبی ﷺ بین الصحابہ رضی اللہ عنہم
3. مسند جلد ۱ ص ۱۹۳ و بخاری کتاب المغازی باب قتل ابی جہل

Marfat.com

غزوۂ احد میں جس جانبازی وشجاعت سے لڑے اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ بدن پر بیس سے زیادہ آثار جراحت شمار کیے گئے تھے' خصوصاً پاؤں میں ایسے کاری زخم لگے تھے کہ صحت کے بعد بھی ہمیشہ لنگڑا کر چلتے تھے [1]

دومۃ الجندل کی مہم:

شعبان ۶ھ میں دومۃ الجندل کی مہم پر مامور ہوئے' رسول اللہ ﷺ نے بلا کر اپنے دستِ اقدس سے عمامہ باندھا' پیچھے شملہ چھوڑا' اور ہاتھ میں علم دے کر فرمایا: ''بسم اللہ راہ خدا میں روانہ ہو جاؤ' جو لوگ خدا کی نافرمانی وعصیان میں مبتلا ہیں ان سے جا کر جہاد کر' لیکن کسی کو دھوکا نہ دینا' فریب نہ کرنا' بچوں کو نہ مارنا' یہاں تک کہ دومۃ الجندل پہنچ کر قبیلہ کلب کو اسلام کی دعوت دے' اگر وہ قبول کریں تو ان کے بادشاہ کی لڑکی سے نکاح کر لے''۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اس اعزاز کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہو کر دومۃ الجندل پہنچے اور تین دن تک دعوت وتبلیغ اسلام کا فرض اس خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے کہ قبیلہ کلب کے سردار اصبغ بن عمرو الکلبی جو مذہباً عیسائی تھے' اور اس کی قوم کے بہت سے لوگ بطیب خاطر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے' البتہ بعضوں نے جن کو اس کی توفیق نہ ہوئی جزیہ منظور کر لیا' حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے حسب فرمان اصبغ لڑکی تماضر سے شادی کر لی اور رخصت کرا کے مدینہ ساتھ لائے' چنانچہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئے [2]

فتح مکہ:

مکہ کی فوج کشی میں بھی شریک تھے' اس کے زیرنگین ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو قبیلہ بنو جذیمہ کے پاس جو اطراف مکہ میں مسکن گزین تھا دعوت اسلام کے لیے بھیجا' انہوں نے غلطی سے قتل وخون ریزی کا بازار گرم کر دیا۔ سرورِ کائنات ﷺ کو اطلاع ہوئی تو نہایت متاسف ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر بارگاہِ

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۴۶۱ [2] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۶۴

Marfat.com

رب العالمین میں تین دفعہ اپنی براءت ظاہر کی ''خدایا! خالد (رضی اللہ عنہ) نے جو کچھ کیا میں اس سے بری ہوں''۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے خاندان اور قبیلہ بنو جذیمہ میں گو قدیم زمانہ سے عداوت چلی آتی تھی' یہاں تک کہ ان کے والد عوف کو اسی قبیلہ کے ایک آدمی نے قتل کیا تھا' تاہم اخوتِ اسلامی نے اس دیرینہ عداوت کو بھی محو کر دیا' چنانچہ اس خونریزی سے بیزار ہو کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے کہا: ''افسوس تم نے اسلام میں جاہلیت کا بدلہ لیا''۔ انہوں نے جواب دیا: ''میں نے تمہارے باپ کے قاتل کو مارا''۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا: ''بے شک تم نے میرے باپ کے قاتل کو مارا' لیکن درحقیقت یہ فاکہ بن مغیرہ کا انتقام تھا' جو تمہارا چچا تھا''۔[1] اس کے بعد دونوں میں نہایت گرم گفتگو ہوئی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے ارشاد ہوا ''بس خالد! میرے اصحاب کو چھوڑ' اگر تو راہِ خدا میں کوہِ احد کے برابر بھی سونا صرف کرے گا تب بھی ان کے برابر نہ ہوگا''۔

فتح مکہ کے بعد حجۃ الوداع تک جس قدر مہمات اور جنگیں پیش آئیں' حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سب میں شریک رہے' آخری سفر حج سے واپس آنے کے بعد ۱۱ھ میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کا قصہ پیش آیا' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اسی گتھی کے سلجھانے میں شریک تھا' اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں ان کا تیسرا نمبر تھا۔

عہد صدیقی:

خلیفہ اول کے عہد میں حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ایک مخلص مشیر اور صائب الرائے رکن کی حیثیت سے ہر قسم کے مشوروں میں شریک رہے۔ ۱۳ھ میں جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

---

[1] حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے والد عوف اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے چچا فاکہ بن مغیرہ تجارت کے خیال سے یمن جارہے تھے بنو جذیمہ نے راہ میں ایک ساتھ دونوں کو قتل کیا تھا۔ (سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۵۶)

Marfat.com

کا آفتابِ حیات لب بام آیا اور ایک جانشین نامزد کرنے کی فکر دامنگیر ہوئی تو انہوں نے سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو بلا کر اس کے متعلق مشورہ کیا اور اس منصب جلیل کے لیے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا نام لیا' حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے نہایت آزادی اور خلوص کے ساتھ کہا ''عمر کی اہلیت میں کیا شک ہے لیکن مزاج میں سختی ہے''۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ان کی سختی اس لیے تھی کہ میں نرم تھا' لیکن جب یہ بارگراں ان ہی پر آپڑے گا تو خود بخود نرم ہو جائیں گے''۔[1]

غرض چند روز علالت کے بعد خلیفہ اول نے داعی اجل کو لبیک کہا اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے۔

عہد فاروقی:

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر قدم رکھنے کے ساتھ نظامِ خلافت کو پہلے سے زیادہ منظّم و مرتب کر دیا' مہمات مسائل پر بحث و مباحثہ کے لیے ایک مستقل مجلس شوریٰ قائم کی' حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اس مجلس کے نہایت صائب الرائے' پر جوش اور سرگرم رُکن ثابت ہوئے' بہت سے معاملات میں ان ہی کی رائے پر آخری فیصلہ ہوا' عراق پر مستقل اور باقاعدہ فوج کشی کے لیے جب دارالخلافہ کے گرد ایک عظیم الشان لشکر مجتمع ہوا اور عوام نے زور ڈالا کہ خود امیر المومنین اس فوج کی باگ اپنے ہاتھ میں لیں' یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود بھی اس کے لیے تیار ہو گئے تو اس وقت صرف حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ہی تھے جنہوں نے سختی کے ساتھ اس کی مخالفت کی اور کہا کہ لڑائی کے دونوں پہلو ہیں' خدانخواستہ اگر شکست ہوئی اور امیر المومنین کو کچھ صدمہ پہنچا تو پھر اسلام کا خاتمہ ہے' حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی اس مآل اندیشی نے تمام اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی آنکھیں کھول دیں' اور سب نے پرزور الفاظ میں اس کی تائید کی' لیکن مشکل یہ تھی کہ اس مہتم بالشان عہدہ کے لائق کوئی شخص نہ تھا' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا تو انہوں نے صاف

---

[1] طبری ص ۲۲۱۵

Marfat.com

انکار کر دیا غرض اسی حیص بیص میں تھے کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی نگاہِ انتخاب نے یہ مشکل بھی حل کر دی' اور کھڑے ہو کر کہا میں نے پا لیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کون؟ بولے سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) اس حسن انتخاب پر ہر طرف سے صدائے تحسین و آفرین بلند ہوئی۔[1] اور واقعات بہت جلد ثابت کر دیا کہ یہ انتخاب کس قدر موزوں تھا۔

اسی طرح معرکہ نہاوند میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو موقع جنگ پر جانے سے روکا' لیکن کبھی کبھی جوشِ مآل اندیشی پر غالب آ جاتا تھا' چنانچہ جب مہم شام میں اسلامی فوجیں رومیوں کی عظیم الشان تیاریوں کے باعث مقامات مفتوحہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ آئیں' اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سپہ سالارِ اعظم نے رومیوں کے جوش و خروش اور ٹڈی دل اجتماع کی اطلاع دارالخلافہ میں بھیجی' تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو اس قدر جوش آیا کہ بیتاب ہو کر بولے ''امیر المومنین تو خود سپہ سالار بن اور مجھ کو ساتھ لے کر چل' خدانخواستہ اگر ہمارے بھائیوں کا بال بیکا ہوا تو پھر جینا بے سود ہے''۔[2] لیکن اس موقعہ پر دوسرے مآل اندیش صحابہ رضی اللہ عنہم نے مخالفت کی اور اسی پر فیصلہ ہوا۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے انتظامی اور قانونی حیثیت سے جو رائیں دیں' ان کا اجمالی تذکرہ ان شاء اللہ علم و فضل کے سلسلہ میں آئے گا۔

واقعہ ہائلہ:

۲۳ھ میں ایک روز حسب معمول حضرت عمر رضی اللہ عنہ صبح کی نماز پڑھانے کھڑے ہوئے کہ دفعتہً فیروز نامی ایک عجمی غلام نے حملہ کیا اور متعدد زخم پہنچائے' اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر امامت کے مُصلے پر کھڑا کیا' حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے جلدی جلدی نماز تمام کی'[3] اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر ان کے گھر لائے۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا ایثار:

خلیفہ دوم کی حالت غیر ہوئی تو لوگوں نے منصبِ خلافت کے لیے کسی کو نامزد

---

1. طبری ص ۲۲۱۵ 2. طبری ص ۲۲۱۵ 3. ابن سعد جزو ۳ قسم اوّل ص ۲۴۴

Marfat.com

کرنے کی درخواست کی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھ آدمیوں کے نام پیش کر کے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے آخر وقت تک خوش رہے تھے' یہ باہم کسی ایک کو منتخب کر لیں' لیکن تین دن کے اندر یہ مسئلہ طے پا جائے۔

خلیفہ دوم کی تجہیز و تکفین کے بعد حسب وصیت انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا' لیکن دو دن تک کچھ فیصلہ نہ ہو سکا' تیسرے روز حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ مسئلہ چھ آدمیوں میں دائرہ ہے' اس کو تین شخصوں میں محدود کرنا چاہئے' اور جو اپنے خیال میں جس کو زیادہ مستحق سمجھتا ہے اس کا نام لے' چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت رائے دی' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پیش کیا' اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا نام لیا' لیکن حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اپنے حق سے باز آ گئے اور حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے کہا کہ اب تم دونوں میں جو احکامِ الٰہی' سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور طریقہ شیخین رضی اللہ عنہما کی پابندی کا عہد کرے گا' اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی' عام روایت یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا میں سب سے پہلے اس عہد پر راضی ہوں' لیکن صحیح بخاری کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں خاموش رہے۔
بہرحال عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے دونوں کو راضی کر کے اس کا تصفیہ اپنے ہاتھ میں لے لیا' اور ہر ایک کو علیحدہ لے جا کر ان کے فضائل و مناقب یاد دلائے اور کہا: ''مجھے توقع ہے کہ اگر میں تمہیں یہ منصب دوں تو عدل و انصاف کرو گے' اور اگر تمہارے مقابل کو یہ شرف نصیب ہو تو اطاعت سے کام لو گے''۔ غرض اس عہد و پیمان کے بعد حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے مجمع عام میں ایک مؤثر تقریر کی اور حضرت عثمان سے کہا ہاتھ پھیلاؤ اور خود بڑھ کر بیعت کر لی' ان کا بیعت کرنا تھا کہ تمام خلقت ٹوٹ پڑی۔[1]

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی نگاہِ انتخاب نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کیوں ترجیح دی؟ عام خیال یہ ہے کہ ان دونوں کی باہمی یگانگت و محبت اور رشتہ داری کا نتیجہ تھا' چنانچہ طبری کی ایک روایت کے مطابق

[1] بخاری باب الاتفاق علی بیعۃ عثمان رضی اللہ عنہ' لیکن بعض تفصیلی باتیں تاریخ طبری سے ماخوذ ہیں۔

Marfat.com

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابتدا ہی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اپنا شبہ ظاہر کر دیا تھا۔[1] لیکن یہ صحیح نہیں ہے' رشتہ داری بے شک ایک مؤثر چیز ہے' مگر ایسے اہم معاملات میں بنائے فیصلہ نہیں ہو سکتی۔

اصل یہ ہے کہ گو اسلام نے قبائل کو باہم متحد کر دیا تھا تاہم ایک حد تک منافست ومسابقت کا خیال باقی تھا' اور لوگ اس کو پسند نہ کرتے تھے کہ نبوت وخلافت ایک ہی قبیلہ یعنی بنو ہاشم میں مجتمع ہو جائے' چنانچہ خلافت مرتضوی میں جو خانہ جنگیاں برپا ہوئیں' وہ اسی منافست کا نتیجہ تھیں' حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی نگاہ عاقبت بین نے اس کا پہلے ہی اندازہ کر لیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جناب امیر رضی اللہ عنہ پر ترجیح دی ورنہ اسلام کا شیرازہ اسی وقت بکھر جاتا' جیسا کہ بعد کو واقعات نے ثابت کر دیا ہے۔

اس ترجیح کی ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شیخین رضی اللہ عنہما کی روش پر کاربند ہونے میں پس وپیش کیا تھا' جیسا کہ متعدد روایتوں سے ثابت ہوتا ہے' برخلاف اس کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ حامی بھری تھی' بہرحال حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اس عقدہ کو جس ایثار' دوراندیشی اور دانائی کے ساتھ حل کیا وہ یقیناً ان کی زندگی کا مایہ ناز کارنامہ ہے۔

وفات:

عہد عثمانی میں حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے نہایت خاموش زندگی بسر کی اور جہاں تک معلوم ہے مہمات ملکی میں انہوں نے کوئی دلچسپی نہیں لی' یہاں تک کہ روح اطہر نے پچھتر برس تک اس سرائے فانی کی سیر کر کے ۳۱ھ میں داعی حق کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنازہ پر کھڑے ہو کر کہا:

اذهب يا ابن عوف فقد ادركت صفوها وسبقت زلقها .

یعنی "ابن عوف! جا تو نے دنیا کا صاف پانی پایا اور گدلا چھوڑ دیا"۔[2]

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جنازہ اٹھانے والوں میں شریک تھے اور کہتے

---

[1] طبری ص ۲۷۸۰ [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۱۷

Marfat.com

جاتے تھے "واجبلاہ" یعنی یہ پہاڑ بھی چل بسا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کیا۔[1]

علم وفضل:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے کیسہ "فضل وکمال کو علمی زروجواہر سے پر کر دیا تھا"۔ انہوں نے دوسرے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح حدیثیں بہت کم روایت کیں' تاہم خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو بہت اہم اور ضروری موقعوں پر اپنے معلومات سے فائدہ پہنچایا' چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کا جھگڑا چھڑا تو انہوں نے بلند آہنگی کے ساتھ اس حدیث کی تصدیق کی کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکہ میں وراثت نہیں ہے"۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب ایران فتح ہوا اور انہیں فکر دامن گیر ہوئی کہ آتش پرستوں کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیے تو اس وقت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ہی نے اس عقدہ کو حل کیا اور بیان کیا کہ آنحضرت نے ان لوگوں کے ساتھ اہل کتاب کی روش اختیار کی تھی اور انہیں ذمی قرار دیا۔[2]

۱۸ھ میں عمواس میں طاعون پھیلا! اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بلا کر دریافت کیا کہ طاعون سے ہٹنا جائز ہے یا نہیں؟ تو کوئی اس کا قطعی جواب نہ دے سکا' حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اس وقت موجود نہ تھے لیکن جب انہیں خبر ملی تو انہیں نے حاضر ہو کر کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جہاں طاعون ہو وہاں نہ جاؤ' اگر تم پہلے سے طاعون زدہ مقام میں ہو تو وہاں سے نہ ہٹو۔[3]

اصابت رائے:

خدائے تعالیٰ نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو اصابت رائے' اور دور اندیشی کا نہایت وافر حصہ دیا تھا' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت مستحقین خلافت پر

---

[1] استیعاب جلد ۲ وطبقات ابن سعد تذکرہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ۔ [2] کتاب الخراج ص ۷۴ و مسند ص ۱۹۴۔ [3] بخاری باب طاعون

Marfat.com

ریمارک کرتے ہوئے فرمایا تھا: ”عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نہایت صائب الرائے‘ ہوش منداور سلیم الطبع ہیں‘ ان کی رائے کو غور سے سننا اور اگر انتخاب میں مخالفت پیدا ہو جائے تو جس طرف عبدالرحمٰن (رضی اللہ عنہ) ہوں ان کا ساتھ دینا“ [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے صرف حسن ظن نہیں بلکہ دیرینہ تجربات پر مبنی تھی‘ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے خلافت کی گرہ کو جس خوبی کے ساتھ سلجھایا وہ ان کی تجربہ کاری اور ہوش مندی کی نہایت بین شہادت ہے۔

اخلاق وعادات:

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا دامن فضل وکمال اور اخلاقی جواہر پاروں سے مالا مال تھا۔ خصوصاً خوفِ خدا‘ حب رسول‘ صدق وعفاف‘ ترحم‘ فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ ان کے نہایت درخشاں اوصاف تھے۔

خوفِ خدا:

خوفِ خدا کے باعث دنیا کا ہر واقعہ ان کے لیے مرقع عبرت بن جاتا تھا اور اس کی ہیبت وجلال کو یاد کر کے رونے لگتے تھے‘ ایک دفعہ دن بھر روزہ رہے‘ شام کے وقت کھانا سامنے آیا تو بے اختیار مسلمانوں کا گذشتہ فقر وفاقہ یاد آ گیا‘ بولے: ”مصعب بن عمیر (رضی اللہ عنہ) مجھ سے بہتر تھے‘ وہ شہید ہوئے تو کفن میں صرف ایک چادر تھی جس سے سر چھپایا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے‘ اور پاؤں چھپائے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا‘ اسی طرح حمزہ (رضی اللہ عنہ) شہید ہوئے حالانکہ وہ مجھ سے بہتر تھے‘ لیکن اب دنیا ہمارے لیے کشادہ ہو گئی ہے‘ اور ہمیں اس قدر دنیاوی نعمتیں مرحمت کی گئی ہیں کہ مجھے ڈر ہے کہ شاید ہماری نیکیوں کا معاوضہ دنیا ہی میں ہو گیا ہو۔“ اس کے بعد اس قدر رقت طاری ہوئی کہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ [2]

حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

ایک بارگاہ صحابی کی حیثیت سے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۷۸۰۔ [2] بخاری باب غزوۂ اُحد

Marfat.com

محبت اور خدمت و حفاظت میں ہمیشہ پیش رہے' واقعہ اُحد صحابہ رضی اللہ عنہ کی جان نثاری و محبت کا نہایت سخت امتحان تھا' حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اس آزمائش میں پورے اترے' بدن پر بیس زخم کھائے' پاؤں میں ایسا کاری زخم لگا کہ لنگڑا کر چلنے لگے' لیکن جذبہ جانثاری نے میدان سے منہ موڑنے نہ دیا۔

حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کبھی باہر تشریف لے جاتے تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ پیچھے پیچھے ساتھ ہو لیتے' ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے' حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بھی پیچھے چلے' یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نخلستان میں پہنچ کر سربسجود ہو گئے اور اس قدر دیر تک سجدہ میں رہے کہ ان کو خوف ہوا کہ شاید روح اطہر خدا سے جا ملی' گھبرا کر قریب آئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک اُٹھا کر فرمایا کیا ہے عبدالرحمٰن (رضی اللہ عنہ)؟ انہوں نے اپنی گھبراہٹ کی وجہ عرض کی' ارشاد ہوا: ''جبریل علیہ السلام نے مجھ سے کہا کیا میں آپ کو یہ بشارت نہ دوں کہ خداوند جل وعلا نے فرمایا ہے کہ جو آپ پر درود بھیجے گا' میں اس پر درود بھیجوں گا اور جو آپ پر سلام بھیجے گا' میں اس پر سلام بھیجوں گا'' [1] یعنی یہ طویل سجدہ سجدۂ تشکر تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ہمیشہ آپ کی یاد تازہ رہتی تھی' نوفل بن ایاس فرماتے ہیں کہ میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے اکثر لطف صحبت رہتا تھا' درحقیقت وہ خوب ہم نشین تھے' ایک روز ہم کو اپنے دولت کدہ پر لے گئے' پھر خود اندر داخل ہوئے اور غسل کر کے باہر نکلے' اس کے بعد کھانے آیا تو روٹی اور گوشت دیکھ کر بے اختیار رونے لگے' میں نے پوچھا ''ابومحمد! یہ گریہ وزاری کیسی؟ بولے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی لیکن تمام عمر آپ کو اور آپ کے اہل وعیال کو پیٹ بھر جو کی روٹی بھی نہ ملی' ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اتنے دنوں تک دنیا میں رہنا ہمارے لیے بہتر نہیں ہے'' [2]

صدق وعفاف:

دیانتداری' صدق وعفاف حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے دستارِ فضل وکمال کا نہایت

[1] مسند جلد ۱ ص ۱۹۱۔ [2] اصابہ جلد ۴ ص ۱۷۷

Marfat.com

خوبصورت طرہ تھا' صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ان کی صداقت پر اس قدر اعتماد تھا کہ مدعی یا مدعا علیہ ہونے کی حیثیت میں بھی وہ تنہا ان کے بیان کو کافی سمجھتے تھے' ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عدالت میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے مقدمہ دائر کیا کہ ''میں نے آلِ عمر رضی اللہ عنہ سے ایک قطعہ زمین خریدار ہے جو عمر رضی اللہ عنہ کو دربارِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور جاگیر مرحمت ہوا تھا' لیکن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا دعویٰ ہے کہ ان کو اور عمر رضی اللہ عنہ کو ایک ساتھ جاگیر ملی تھی اور فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک ان کا حصہ ہے''۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''عبدالرحمٰن (رضی اللہ عنہ) اپنے موافق یا مخالف شہادت دے سکتے ہیں''۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرے بعد جو شخص میری ازواج (مطہراتؓ) کی نگرانی و محافظت کرے گا وہ نہایت صادق اور نیکوکار ہوگا' چنانچہ یہ فرض مخصوص طور پر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے متعلق تھا' وہ سفر حج کے موقعوں پر ساتھ جاتے تھے''۔ سواری اور پردہ کا انتظام کرتے تھے' جہاں پڑاؤ ہوتا تھا وہاں انتظام واہتمام کے ساتھ اتارتے تھے' غرض انہیں صرف اپنی عصمت وعفت کے باعث امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی خدمت و حفاظت کا فخر نصیب ہوا تھا جو ان کا مخصوص طغرائے امتیاز ہے۔[2]

انفاق فی سبیل اللہ:

ہجرت کے بیان میں گذر چکا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو بے نیازی اور استغنا نے تجارت کی طرف مائل کر دیا تھا' چنانچہ اس میں انہوں نے اس قدر ترقی کی کہ ایک عظیم الشان دولت کے مالک ہو گئے' یہاں تک کہ ایک دفعہ ان کا تجارتی قافلہ مدینہ آیا تو اس میں سات سو اونٹ پر صرف گیہوں آٹا اور دوسری اشیائے خوردنی بارتھیں' اس عظیم الشان قافلہ کا تمام مدینہ میں غل پڑ گیا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو فرمایا: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ عبدالرحمٰن (رضی اللہ عنہ) جنت میں رینگتے ہوئے جائیں گے''۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو ام المومنین رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہو کر عرض کی

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ا ص ۱۹۲۔ [2] اصابہ جلد ۴ ص ۱۷۷

Marfat.com

''میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ یہ پورا قافلہ مع اسباب و سامان بلکہ اونٹ اور کجاوہ تک راہِ خدا میں وقف ہے''۔[1]

صحابہ رضی اللہ عنہم کی دولت ذاتی راحت و آسائش کے لیے نہ تھی بلکہ جو جس قدر زیادہ دولت مند تھا اسی قدر اس کا دستِ کرم زیادہ کشادہ تھا' حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد ہی سے شروع ہو چکا تھا' اور وقتاً فوقتاً قومی و مذہبی ضروریات کے لیے گراں قدر رقمیں پیش کیں' سورۂ براءت نازل ہوئی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو صدقہ و خیرات کی ترغیب دی گئی تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اپنا نصف مال یعنی چار ہزار پیش کیے' پھر دو دفعہ چالیس چالیس ہزار دینار وقف کیے' اسی طرح جہاد کے لیے پانچ سو گھوڑے اور پانچ سو اونٹ حاضر کیے۔[2]

عام خیرات و صدقات کا یہ حال تھا کہ ایک ہی دن میں تیس تیس غلام آزاد کر دیتے تھے ایک دفعہ انہوں نے اپنی ایک زمین چالیس ہزار دینار میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کی اور سب راہِ خدا میں لٹا دیا[3] لیکن اسی فیاضی کے باوجود ہر وقت یہ فکر دامنگیر رہتی تھی کہ کہیں اس قدر تمول آخرت کے لیے موجب نقصان نہ ہو' ایک دفعہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر گذارش کی ''اماں! مجھے خوف ہے کہ کثرتِ مال مجھے ہلاک کر دے گی''۔ ارشاد ہوا بیٹا! راہِ خدا میں صرف کرو' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ''میرے اصحاب رضی اللہ عنہم میں بعض ایسے ہیں کہ مفارقت کے بعد انہیں میرا دیدار نصیب ہو گا''۔[4]

غرض فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کا سلسلہ آخری لمحہ حیات تک قائم رہا' وفات کے وقت بھی پچاس ہزار دینار اور ایک ہزار گھوڑے راہِ خدا میں وقف کیے' نیز بدر میں جو صحابہ رضی اللہ عنہم شریک ہوئے تھے اور اس وقت تک زندہ موجود تھے' ان میں سے ہر ایک کے لیے چار چار سو دینار کی وصیت کی' بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت ایک سو اصحاب بدر بقید

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۱۶ [2] ایضاً ص ۳۱۶

[3] طبقات ابن سعد اول جزو ثالث تذکرۂ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ۔ [4] استیعاب جلد ۲ ص ۴۰۴

Marfat.com

حیات تھے اور سب نے نہایت خوشی کے ساتھ اس وصیت سے فائدہ اٹھایا یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی حصہ لیا۔[1]

امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے لیے بھی ایک باغ کی وصیت کی جو چار لاکھ درہم میں فروخت ہوا' نیز اس سے پہلے مختلف موقعوں پر بڑی بڑی رقمیں پیش کیں' ایک دفعہ ایک جائیداد پیش کی جو چالیس ہزار دینار میں فروخت ہوئی تھی' چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے صاحبزادہ ابوسلمہ سے اکثر بطریق تشکر و دعا فرمایا کرتی تھیں' خدا تمہارے باپ کو سلسبیل جنت سے سیراب کرے۔[2]

مذہبی زندگی:

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نماز نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھتے تھے خصوصاً ظہر کے وقت فرض سے پہلے دیر تک نوافل سے شغل رکھتے تھے۔[3]

اکثر روزے رکھتے تھے' حج کے لیے بھی بارہا تشریف لے گئے' جس سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسند نشین خلافت ہوئے اس سال امارت حج کی خدمت بھی ان ہی کے سپرد ہوئی تھی۔[4]

ذریعہ معاش:

تجارت اصلی ذریعہ معاش تھا' آخر میں زراعت کا کاروبار بھی نہایت وسیع پیمانہ پر قائم ہوگیا تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں ایک وسیع جاگیر مرحمت فرمائی تھی' پھر انہوں نے خود بہت سی قابل زراعت اراضی خرید کر کاشت کاری شروع کی تھی' چنانچہ صرف مقام ''جرف'' کے کھیتوں میں بیس اونٹ آب پاشی کا کام کرتے تھے۔[5]

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے کاروبار میں خدائے پاک نے غیر معمولی برکت دی تھی' وہ خود فرماتے ہیں کہ اگر میں پتھر بھی اٹھاتا تو اس کے نیچے سونا نکل آتا ہے' یہی وجہ ہے کہ اس قدر فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کے باوجود وہ اپنے وارثوں کے لیے نہایت

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳۔ [2] ترمذی ص ۶۲۱۔ [3] اصابہ جلد ۴ ص ۱۷۷

[4] اصابہ جلد ۳ ص ۳۱۷۔ [5] استیعاب جلد ۲ ص ۴۰۳

Marfat.com

وافر دولت چھوڑ گئے، یہاں تک کہ چاروں بیویوں نے جائیداد متروکہ کے صرف آٹھویں حصہ سے اسی ۸۰ ہزار دینار پائے' سونے کی اینٹیں اتنی بڑی بڑی تھیں کہ کلہاڑی سے کاٹ کاٹ کر تقسیم کی گئیں اور کاٹنے والوں کے ہاتھ میں آبلے پڑ گئے' جائیداد غیر منقولہ اور نقدی کے علاوہ ایک ہزار اونٹ اور سو گھوڑے اور تین ہزار بکریاں چھوڑیں۔[1]

غذا ولباس:

دستر خوان وسیع تھا لیکن پر تکلف نہ تھا، کبھی قیمتی اور خوش ذائقہ کھانا سامنے آجاتا تو گذشتہ فقر و فاقہ یاد کر کے آنکھیں پر نم ہو جاتیں، لباس میں زیادہ تر ریشم کا استعمال تھا کیونکہ فقر و فاقہ میں بیماری کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے خاص طور پر اجازت دی تھی ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابوسلمہ ریشمی کرتہ زیب تن کیے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو گریبان میں ہاتھ ڈال کر اس کے چیتھڑے اڑا دیئے' حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اجازت دی ہے"۔ فرمایا: "ہاں! مجھے معلوم ہے لیکن صرف تمہارے لیے اجازت ہے دوسروں کے لیے نہیں"۔[2]

حلیہ:

حلیہ یہ تھا' قد طویل' رنگ سرخ وسفید' چہرہ خوبصورت' ریش دراز' سر پر کان سے نیچے تک گھونگھر دار کاکلیں' کلائی گھٹی ہوئی' انگلیاں موٹی اور مضبوط' سامنے کے دو دانت گر گئے تھے' اور غزوۂ احد میں زخمی ہونے کے باعث پاؤں میں لنگ تھا۔[3]

اولاد وازواج:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں' بیویوں کے ساتھ عموماً لطف ومحبت سے پیش آتے تھے' ایک انصاریہ سے شادی کی تو بیس ہزار دینار مہر میں دیئے۔[4] بیویوں کے نام یہ ہیں۔

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۱۷۔ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث تذکرۂ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ
[3] اصابہ جلد ۴ ص ۱۷۷۔ [4] طبقات قسم اول جزء ثالث تذکرۂ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

Marfat.com

(۱) کلثوم بنت عتبہ بن ربیعہ (۲) تماضر بنت الاصبغ (۳) کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط (۴) سہلہ بنت عاصم (۵) بحریہ بنت ہانی (۶) سہل بنت سہیل (۷) ام حکیم بنت قارظ (۸) بنت ابی الخشخاش (۹) اسماء بنت سلامہ (۱۰) ام حریث' یہ بہرا سے قید ہو کر آئی تھیں۔ (۱۱) مجد بنت یزید (۱۲) غزال بنت کسریٰ' یہ مدائن سے گرفتار ہو کر آئی تھیں' بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ خاندان کسریٰ کی شہزادی تھیں' (۱۳) زینب بنت الصباح بادیہ بنت غیلان۔[1]

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی اولاد نہایت کثیر تھی' جن لڑکوں کے نام معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں:

(۱) سالم' اسلام سے پہلے پیدا ہوئے اور پہلے ہی مرے۔ (۲) محمد (۳) ابوسلمہ فقیہہ' (۴) ابراہیم (۵) اسمٰعیل (۶) حمید (۷) زید (۸) معن (۹) عمر (۱۰) عدی (۱۱) عروہ اکبر (۱۲) سالم اصغر (۱۳) ابوبکر (۱۴) عبداللہ (۱۵) عبدالرحمٰن (۱۶) مصعب (۱۷) سہیل (ابوالابیض) (۱۸) عثمان (۱۹) عروہ (۲۰) یحییٰ (۲۱) بلال۔

صاحبزادیوں کے نام یہ ہیں:

(۱) ام القسم' یہ زمانہ جاہلیت ہی میں پیدا ہوئی تھیں۔ (۲) حمیدہ' امۃ الرحمٰن (۳) صغریٰ (۴) ام یحییٰ (۵) جویریہ (۶) امیہ (۷) مریم۔

---

[1] استیعاب جلد ۲ ص ۴۰۲

Marfat.com

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

نام، نسب، خاندان:

سعد نام، ابو اسحٰق کنیت، والد کا نام مالک اور ابو وقاص کنیت، والدہ کا نام حمنہ تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے، سعد بن مالک بن وہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب ابن فہر بن نضر بن کنانہ القرشی الزہری، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ننہال زہری خاندن میں تھی، اس لیے حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ رشتہ میں آپ کے ماموں تھے، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی بارہا اس رشتہ کا اقرار فرمایا تھا۔[1]

اسلام:

حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ کا سن مبارک صرف انیس سال کا تھا کہ دعوتِ اسلام کی صدائے سامعہ نواز نے توحید کا شیدائی بنا دیا، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر خلعتِ ایمان سے مشرف ہوئے۔

بخاری میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے پہلے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوا تھا، اور ایک دوسری روایت میں وہ اپنے کو تیسرا مسلمان بتاتے ہیں، لیکن محدثین عظام کی تحقیق کے مطابق چھ سات بزرگوں کو ان پر تقدم کا فخر حاصل ہو چکا تھا، البتہ یہ ممکن ہے کہ حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ کو ان کی اطلاع نہ ہو کیونکہ کفار کے خوف سے انہوں نے اپنے ایمان لانے کا اعلان نہیں کیا تھا۔[2]

استقامت:

حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ کی ماں نے لڑکے کی تبدیل مذہب کا حال سنا تو نہایت

---

[1] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۹۱ [2] بخاری مع فتح الباری مناقبِ سعد وقاص رضی اللہ عنہ

Marfat.com

کبیدہ خاطر ہوئیں، بات چیت، کھانا پینا سب چھوڑ بیٹھیں، چونکہ وہ اپنی ماں کے حد درجہ فرماں بردار اور اطاعت شعار تھے، اس لیے یہ سخت آزمائش کا موقع تھا، لیکن جو دل توحید کا لذت آشنا ہو چکا تھا وہ پھر کفر و شرک کی طرف کس رجوع ہو سکتا تھا، ماں مسلسل تین دن تک بے آب و دانہ رہیں، لیکن بیٹے کی جبینِ استقلال پر شکن تک نہ پڑی، خدائے پاک کو یہ شانِ استقامت کچھ ایسی پسند آئی کہ تمام مسلمانوں کے لیے معصیتِ الٰہی میں والدین کے عدمِ اطاعت کا ایک قانون عام بنا دیا گیا۔[1]

﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا﴾

ترجمہ: ''اگر والدین تجھ کو میرے ساتھ شرک پر مجبور کریں جن کا کوئی علم و یقین تیرے پاس نہیں ہے تو اس میں ان کی اطاعت نہ کر''۔

مکہ کی زندگی:

اسلام قبول کرنے کے بعد ہجرتِ نبوی ﷺ تک مکہ میں ہی مقیم رہے گو یہ سرزمین عام مسلمانوں کی طرح ان کے لیے مصائب و شدائد سے خالی نہ تھی، تاہم استقلال کے ساتھ ہر قسم کی سختیاں جھیلتے رہے۔

حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ کفار کے خوف سے عموماً مکہ کی ویران سنسان گھاٹیوں میں چھپ کر معبود حقیقی کی پرستش و عبادت فرمایا کرتے تھے، ایک دفعہ ایک گھاٹی میں چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مصروفِ عبادت تھے، اتفاق سے کفار کی ایک جماعت اس طرف آ نکلی، اور اسلام کا مذاق اڑانے لگے، حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ کو اس بے بسی کی زندگی میں بھی جوش آ گیا، اور اونٹ کی ہڈی اٹھا کر اس زور سے ماری کہ ایک مشرک کا سر پھٹ گیا، اور خون بہنے لگا، بیان کیا جاتا ہے کہ اسلام کی حمایت میں یہ پہلی خونریزی تھی جو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے عمل میں آئی۔[2]

---

[1] مسلم مناقب سعد وقاص رضی اللہ عنہ [2] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۹۱

Marfat.com

ہجرت:

مکہ میں جب کفار کے ظلم وستم سے مسلمانوں کا پیمانۂ صبر وتحمل لبریز ہوگیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہجرتِ مدینہ کا حکم دیا' اس حکم عام کی بناء پر حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی راہ لی' اور اپنے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کے مکان میں فرو کش ہوئے[1] جس نے ایامِ جاہلیت میں ایک خون کیا تھا اور انتقام کے خوف سے مدینہ میں سکونت اختیار کرلی تھی۔

یہاں پہنچ کر مسلمانوں کو آزادی وطمانیت نصیب ہوئی' تاہم قریش مکہ کی حملہ آوری کا خطرہ موجود تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش بینی کرکے حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کو ساٹھ یا اسی سواروں کے ساتھ غنیم کی نقل وحرکت دریافت کرنے کے لیے روانہ فرمایا حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ بھی اس جماعت میں شامل تھے' غرض دورہ کرتے ہوئے حجاز کے ساحلی علاقہ میں قریش کی ایک بڑی تعداد سے مڈبھیڑ ہوئی' چونکہ محض تجسس مقصود تھا' اس لیے کوئی جنگ پیش نہ آئی' مگر حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ کو کہاں تاب تھی' انہوں نے ایک تیر چلا ہی دیا' چنانچہ یہ اسلام کا پہلا تیر تھا جو راہِ خدا میں چلایا گیا۔[2]

دوسری دفعہ خود حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ کے زیر قیادت آٹھ مہاجرین کی ایک جماعت تجسس کے لیے روانہ کی گئی' چنانچہ یہ مقام خرار تک دورکرکے واپس آئے اور کوئی جنگ پیش نہ آئی' اس کے بعد عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے ساتھ دشمن کی خبر گیری پر مامور ہوئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو ایک سربمہر فرمان دیا تھا کہ دو روز سفر کرنے کے بعد کھول کر پڑھیں اور اس کی ہدایتوں پر عمل کریں' انہوں نے حسب ہدایت دو روز کے بعد پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ مکہ اور طائف کے درمیان جو نخلستان ہے وہاں پہنچ کر قریش کی نقل وحرکت کا پتہ چلائیں' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو فرمان کا مضمون سنا کر کہا ''میں کسی کو مجبور نہیں کرتا جس کو شہادت منظور ہو وہ ساتھ چلے

---

[1] ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۹۹ [2] سیرتِ ابن ہشام جلد ا ص ۳۳۸

Marfat.com

ورنہ واپس جائے''۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور تمام دوسرے ساتھیوں نے جوش کے ساتھ سمعاً و طاعۃً کہا' لیکن کچھ دور جانے کے بعد عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا اونٹ جو مشترکہ طور پر دونوں کی سواری میں تھا گم ہوگیا' اور اس طرح وہ دونوں پیچھے چھوٹ گئے' عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے نخلستان میں پہنچ کر قریش کے ایک قافلہ سے جنگ کی اور مالِ غنیمت اور چند قیدیوں کے ساتھ مدینہ واپس آئے' چونکہ یہ وہ مہینہ تھا جس میں رسماً جنگ ممنوع سمجھی جاتی تھی' اس لیے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور فرمایا کہ میں نے تمہیں جنگ کا حکم نہیں دیتا تھا' مسلمانوں نے عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو ملامت کی لیکن وحی الٰہی نے اس مسئلہ کو اس طرح صاف کردیا:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَّصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾ (بقرہ : ۲۷)

''لوگ تم سے ماہِ حرام کی نسبت پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑنا (جائز ہے) کہہ دو اس میں لڑنا بڑا گناہ اور خدا کی راہ سے روکنا اور اس کا نہ ماننا اور مسجد حرام سے باز رکھنا اور اس کے اہل کو اس سے نکال دینا خدا کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر ہے اور فتنہ کشت وخون سے زیادہ بڑا ہے''۔

قریش فدیہ لے کر اپنے قیدیوں کو چھڑانے آئے لیکن اس وقت تک عتبہ بن غزوان اور سعد وقاص رضی اللہ عنہما کا کچھ پتہ نہ تھا' اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک یہ دونوں صحیح وسلامت پہنچ جائیں تمہارے قیدی رہا نہ ہوں گے' غرض جب یہ دونوں جانثار واپس آگئے تو مشرکین چھوڑ دیئے گئے۔

Marfat.com

غزوات

غزوۂ بدر:

معرکۂ بدر سے مستقل جنگوں کی ابتدا ہوئی' حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ نے اس جنگ میں غیر معمولی شجاعت و جان بازی کے جوہر دکھائے اور سعید بن العاص سرخیل کفار کو تہِ تیغ کیا' حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اس کی ذوالکتیفہ نامی تلوار پسند آ گئی تھی' لیے ہوئے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے' چونکہ اس وقت تک تقسیم غنیمت کے متعلق کوئی حکم نازل نہ ہوا تھا اس لیے ارشاد ہوا کہ جہاں سے اُٹھائی ہے وہیں رکھ دو۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے برادر عزیز حضرت عمیر رضی اللہ عنہ اس جنگ میں شہید ہوئے تھے کچھ تو ان کی مفارقت کا صدمہ اور کچھ تلوار نہ ملنے کا افسوس' غرض غمگین و ملول واپس آئے' لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد سورۂ انفال نازل ہوئی اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر تلوار لینے کی اجازت دی۔[1]

غزوۂ اُحد:

۳ھ میں غزوۂ اُحد پیش آیا' اس جنگ میں تیر اندازوں کی غفلت سے اتفاقاً مسلمانوں کی فتح شکست سے مبدل ہوگئی اور ناگہانی حملہ کے باعث اکثر غازیوں کے پاؤں اکھڑ گئے لیکن حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ ان ثابت قدم اصحاب کی صفہ میں تھے' جن کے پائے استقلال کو اخیر وقت تک لغزش نہ ہوئی' حرت سعد رضی اللہ عنہ تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے' اس لیے جب کفار کا نرغہ ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے ترکش سے تیر دیتے جاتے اور فرماتے:

---

[1] مسند جلد ۱ ص ۱۸۰ و مسلم مناقب سعد وقاص رضی اللہ عنہ

Marfat.com

یا سعد ارم فداک امی و ابی.

''یعنی اے سعد! تیر چلا میرے باپ ماں تجھ پر فدا ہوں''۔[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سعد رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی کے لیے ''فداك ابی و امی'' کا جملہ نہیں سنا' لیکن دوسری روایتوں میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کی نسبت بھی ایسے ہی جملے منقول ہیں' بہر حال محدثین کا فیصلہ ہے کہ غزوۂ اُحد میں یہ فخر صرف حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے مخصوص تھا۔[2]

اثنائے جنگ میں ایک مشرک سامنے آیا جس نے اپنے تیز و تند جملوں سے مسلمانوں کو پریشان کر رکھا تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نشانہ بنانے کا حکم دیا' لیکن اس وقت ترکش تیروں سے خالی ہو چکا تھا' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے تعمیل ارشاد کے لیے ایک تیر اٹھا کر جس میں پھل نہیں تھا اس صفائی کے ساتھ اس کی پیشانی پر مارا کہ وہ بدحواسی کے ساتھ برہنہ ہو کر گر گیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تیراندازی اور اس کی بدحواسی پر بے اختیار ہنس پڑے' یہاں تک کہ دندانِ مبارک نظر آنے لگے۔[3]

اسی طرح طلحہ بن ابی طلحہ کے حلق میں تاک کر ایسا تیر مارا کہ زبان کتے کی طرح باہر نکل پڑی اور تڑپ کر داخل سقر ہوا۔[4]

متفرق غزوات:

غزوۂ اُحد سے فتح مکہ تک جس قدر معرکے پیش آئے' حضرت سعد رضی اللہ عنہ بہادری و جانبازی کے ساتھ سب میں پیش پیش رہے' پھر فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین میں اسی فدویت' جان نثاری اور ثبات و پامردی کا کارنامہ پیش کیا' جس کا اظہار غزوۂ اُحد میں کر چکے تھے۔

غزوۂ طائف اور تبوک کی فوج کشی میں بھی شریک تھے' پھر ۱۰ھ میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کا قصد فرمایا تو حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ ہمرکاب تھے' لیکن

---

[1] بخاری کتاب المغازی غزوۂ اُحد [2] فتح الباری کتاب المناقب سعد وقاص رضی اللہ عنہ
[3] مسلم کتاب المناقب مناقبِ سعد رضی اللہ عنہ [4] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۲۸

Marfat.com

مکہ پہنچ کر سخت علیل ہو گئے' یہاں تک کہ جب آنحضرت ﷺ عیادت کے لیے تشریف لائے تو زندگی سے مایوس ہو کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ میں مالدار آدمی ہوں' لیکن ایک لڑکی کے سوا کوئی وارث نہیں ہے' اس لیے اگر اجازت ہو تو اپنا دو ثلث مال کارِ خیر میں لگا دوں؟ ارشاد ہوا: ''نہیں!'' پھر عرض کی: ''دو ثلث نہیں تو نصف سہی''۔ حکم ہوا: ''نہیں!'' صرف ایک ثلث اور یہ بھی بہت ہے' تم اپنے وارثوں کو مالدار تونگر چھوڑ کر جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے دستِ سوال نہ پھیلاتے پھریں' تم جو کچھ بھی خدا کی رضا جوئی کے لیے صرف کرو گے اس کا اجر ملے گا' یہاں تک کہ اپنی بیوی کے منہ میں جو لقمہ ڈالتے ہو اس کا بھی ثواب پاؤ گے۔[1]

ایک مبارک پیشین گوئی:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ مکہ میں مرنا بھی پسند نہ تھا' بیماری جس قدر طول کھینچتی جاتی تھی اسی قدر ان کی بیقراری بڑھتی جاتی تھی' رسول اللہ ﷺ نے اشکبار دیکھ کر پوچھا ''روتے کیوں ہو؟'' عرض کی: ''معلوم ہوتا ہے کہ اسی سرزمین کی خاک نصیب ہوگی' جس کو خدا اور رسول کی محبت میں ہمیشہ کے لیے ترک کر چکا تھا''۔ آنحضرت ﷺ نے تشفی دیتے ہوئے ان کے قلب پر ہاتھ رکھ کر تین دفعہ دعا فرمائی:

اللھم اشف سعداً ! اللھم اشف سعداً ![2]

''یعنی اے خدا سعد (رضی اللہ عنہ) کو صحت عطا کر! سعد کو صحت عطا کر''۔

رسول اللہ ﷺ کے دہن مبارک سے جو الفاظ نکلے تھے وہ اس مریض بسترِ مرگ کے لیے آبِ حیات ثابت ہوئے' یعنی دعاء مقبول ہوئی اور وہ صحیح وتندرست ہوئے ساتھ ہی یہ بشارت سنائی کہ اے سعد (رضی اللہ عنہ)! تم اس وقت تک نہ مرو گے جب تک تم سے ایک قوم کو نقصان اور دوسری قوم کو نفع نہ پہنچ لے۔[3]

یہ پیشین گوئی عجمی فتوحات کے ذریعہ پوری ہوئی' جن میں عجم قوم نے آپ کے

---

[1] مسلم کتاب الوصیۃ [2] ایضاً [3] ایضاً

Marfat.com

ہاتھوں سے نقصان اور عرب قوم نے فائدہ اُٹھایا۔

مکہ سے واپس آنے کے اسّی سال بعد رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سقیفہ بنی ساعدہ میں کثرت آراء سے مسند نشین خلافت ہوئے' حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی جمہور کا ساتھ دیا اور خلیفہ اوّل کے ہاتھ پر بلا توقف بیعت کر لی۔

خلیفہ اول نے صرف سوا دو برس کی خلافت کے بعد داعی حق کو لبیک کہا اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو جانشین کر کے رحلت گزین عالم جاوداں ہوئے' اس وقت اندرونی مہمات کا فیصلہ ہو کر شام و عراق پر فوج کشی کی ابتداء ہو چکی تھی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسند نشین ہونے کے ساتھ ہی تمام عرب میں جوش وخروش کی آگ بھڑ کا دی' اور ان حملوں کا انتظام زیادہ وسیع پیانہ پر قائم کر دیا' خصوصاً عراق کی فوج کشی پر سب سے پہلے توجہ کی' چونکہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے آئندہ کارناموں کا تعلق تمام تر اسی سرزمین سے وابستہ ہے' اس لیے اس ملک کی لشکر کشی کے ابتدائی حالات تسلسل قائم رہنے کے خیال سے درج ذیل ہیں۔

عراق کی فوج کشی:

اہل عرب اور ایرانیوں میں نہایت قدیم زمانہ سے عداوت چلی آتی تھی' ایرانیوں نے بارہا عربوں کے تفرق' اختلاف اور کمزوری سے فائدہ اٹھا کر تمام عرب کو تباہ و برباد کر دیا تھا' خصوصاً عراقِ عرب اور سرحدی علاقوں پر مستقل قبضہ جما لیا تھا' لیکن عرب بھی دب کر رہنے والے نہ تھے' جب موقع ملتا بغاوت کر دیتے تھے' چنانچہ پوران دخت کے زمانہ میں جب طوائف الملوکی کے باعث ایرانی حکومت کا نظام ابتر ہو گیا تو سرحدی قبائل کو پھر شورش کا موقع ملا اور مثنی رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ خلافت میں حاضر ہو کر باقاعدہ عراق پر حملہ آوری کی اجازت طلب کی' چونکہ عام عرب میں اسلام کی روشنی پھیل چکی تھی' اس لیے اس کے ایک وسیع خطہ کا کسی دوسری حکومت کے زیر اقتدار رہنا مذہبی اور قومی نقطہ نگاہ سے

Marfat.com

نہایت خطرناک تھا' اس بنا پر خلیفہ اوّل نے مثنیٰ رضی اللہ عنہ کو اجازت دے دی' اور حضرت خالد سیف اللہ رضی اللہ عنہ کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ مدد کے لیے روانہ کیا' انہوں نے حملہ کر کے بہت سے سرحدی مقامات فتح کر لیے' لیکن چونکہ دوسری طرف شام کی مہم بھی درپیش تھی اور وہاں کمک کی بہت زیادہ ضرورت تھی' اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مثنیٰ (رضی اللہ عنہ) کو اپنا جانشین کر کے شامی رزمگاہ کی طرف روانہ ہو جائیں' لیکن خالد سیف اللہ رضی اللہ عنہ کا جانا تھا کہ عراق کی مہم دفعتہً سرد پڑ گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر قدم رکھا تو پھر نئے سرے سے عراق کی مہم پر توجہ مبذول فرمائی اور حضرت ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ کو ایک فوج گراں کے ساتھ اس طرف روانہ فرمایا' انہوں نے ایرانیوں کو متفرق معرکوں میں شکست دے کر تمام متصلہ علاقوں پر قبضہ کر لیا اور مشرقی فرات کے کنارے ایک مقام پر جس کا نام مروحہ تھا' غنیم کی ایک زبردست فوج کے سامنے صف آرائی کی' چونکہ بیچ میں دریا حائل تھا' اس لیے ایرانی سپہ سالار بہمن نے کہلا بھیجا کہ یا تو تم اس پار اتر کر آؤ یا ہم آئیں' ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ نے سردارانِ فوج کے اختلاف کے باوجود شجاعت کے نشے میں خود دریا کے پار اتر کر مقابلہ کیا' لیکن اس غلطی کا جو نتیجہ ہونا چاہیے تھا وہ ہوا یعنی مسلمانوں کو نہایت افسوس ناک شکست ہوئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کمک بھیج کر فوج کو از سر نو مستحکم کر دیا اور چونکہ ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ کام آ چکے تھے' اس لیے مثنیٰ شیبانی رضی اللہ عنہ کو سپہ سالاری کی خدمت سپرد کر دی' انہوں نے معرکہ بویب اور دوسری جنگوں میں دشمن کو پے در پے شکستیں دے کر عراق کے ایک وسیع خطہ پر قبضہ کر لیا۔

ایرانیوں کو اب تک مسلمانوں کی جارحانہ قوتوں کا اندازہ نہ تھا' ان فتوحات نے ان کی آنکھیں کھول دیں' اراکین سلطنت نے حکومت کیانی کو محفوظ رکھنے کے لیے نئی تدبیریں اختیار کیں' پوران دخت کو جو ایک عورت تھی تخت سے اتار کر خاندانِ کسریٰ کے اصلی وارث یزدگرد کو تخت نشین کیا اور تمام ملک میں اتحاد' اتفاق اور جوش و خروش کی آگ بھڑکا دی' یہاں تک کہ مسلمانوں کے مفتوحہ مقامات میں بھی بغاوت و سرکشی کی آگ

Marfat.com

بھڑک اٹھی اور مثنی رضی اللہ عنہ کو مجبوراً عرب کی سرزمین میں ہٹ آنا پڑا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان واقعات سے مطلع ہو کر تمام عرب میں پر جوش و جادو بیان خطیب پھیلا دیئے' کہ وہ اپنی پر تاثیر تقریوں سے قبائل عرب کو جنگ میں شریک ہونے کے لیے آمادہ کریں' اس کا اثر یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں دار الخلافت کی طرف جنگ آزما بہادروں کا ایک طوفان امنڈ آیا' حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ عہد صدیقی سے ہوازن کے عامل تھے' انہوں نے اپنے اثر سے ایک ہزار آدمی بھیجے' جن میں سے ہر ایک تیغ و تفنگ کا ماہر تھا' غرض فوج توقع سے زیادہ فراہم ہو گئی لیکن سب سے زیادہ دقت یہ تھی کہ اس عظیم الشان لشکر کی سربراہی کے لیے کوئی شخص موزوں نظر نہ آتا تھا' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے درخواست کی گئی تو انہوں نے بھی اس بارِ گراں کو اٹھانے سے انکار کر دیا' عوام کے اصرار سے خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ تیار ہو گئے' لیکن اہل الرائے صحابہ رضی اللہ عنہم مانع ہوئے کہ آپ کا جانا کسی طرح مناسب نہیں ہے' لوگ اسی حیص بیص میں تھے کہ دفعتہً حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اُٹھ کر کہا کہ میں نے پا لیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کون؟ بولے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تمام حاضرین اس انتخاب پر پھڑک اُٹھے' اور سب نے متفقہ طور پر تائید کی۔[1]

سپہ سالاری:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نہایت بلند پایہ صحابی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے' اس کے ساتھ بہادری و شجاعت میں بھی بے نظیر تھے' تمام فوج نے ان کی سپہ سالاری کو نہایت پسندیدگی و فخر کی نگاہ سے دیکھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو سپہ سالاری کے لحاظ سے مجبور ہو کر منظور کر لیا اور ہر قسم کی ہدایتیں اور نشیب و فراز سمجھا کر رزمگاہ کی طرف کوچ کرنے کی اجازت دے دی۔

غرض اس طرح حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تاریخ زندگی کا وہ صفحہ شروع ہوا جو سب

---

[1] طبری ص ۱۶۱۵

Marfat.com

سے زیادہ درخشاں وتاباں ہے اور جس نے دنیا کے بڑے بڑے اولوالعزم‘ حوصلہ مند اور خوش تدبیر نامِ آوروں کی صف میں ان کو ممتاز کر دیا ہے‘ وہ اپنے لشکر کو آراستہ کر کے منزل بہ منزل طے کرتے ہوئے ثعلبہ پہنچے یہاں تین مہینے تک قیام رہا‘ پھر وہاں سے چل کر مشراف میں خیمہ زن ہوئے‘ مثنی رضی اللہ عنہ مقام ذی قار میں آٹھ ہزار نبرد آزما سپاہیوں کے ساتھ ان کی آمد کا انتظار کر رہے تھے‘ لیکن داعیٔ اجل نے ملاقات کا موقع نہ دیا اور وہ اپنے بھائی کو سپہ سالارِ اعظم سے ملنے کی ہدایت کر کے رہ گزین عالمِ جاوداں ہوئے‘ معنی نے حسبِ ہدایت مشراف میں آ کر ملاقات کی اور مثنی رضی اللہ عنہ نے جو ضروری مشورے دیئے تھے‘ حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ سے بیان کیے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے مشراف میں اپنی فوج کا باقاعدہ جائزہ لیا‘ جو کم وبیش تیس ہزار ٹھہری‘ پھر میمنہ ومیسرہ وغیرہ کی تقسیم کر کے ہر ایک پر جدا جدا افسر مقرر کیے اور مقام کا نقشہ‘ فرودگاہ کا ڈھنگ‘ لشکر کا پھیلاؤ اور رسد کی کیفیت وغیرہ سے دربارِ خلافت کو مطلع کیا‘ وہاں سے حکم آیا کہ مشراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ پر اس طرح مورچے جمائیں کہ پشت پر عرب کے پہاڑ ہوں اور سامنے دشمن کا ملک ہو‘ چنانچہ وہ یہاں سے روانہ ہو کر عذیب میں عجمیوں کے میگزین پر قبضہ کرتے ہوئے قادسیہ پہنچے اور مناسب موقعوں پر مورچے جما دیئے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے سردارانِ قبائل میں سے چودہ نامور اشخاص منتخب کیے‘ سفیر بنا کر مدائن روانہ کیا تاکہ شاہِ ایران کو اسلام یا جزیہ قبول کرنے کی دعوت دیں‘ چنانچہ انہوں نے پہلے اسلام پیش کیا‘ اور طرفین میں بڑی ردوقدح ہوتی رہی‘ آخر میں مسلمانوں نے کہا اگر تم اسلام نہیں قبول کرتے تو ہم اپنے نبی کی پیشین گوئی یاد دلاتے ہیں کہ ایک دن تمہاری زمین ہمارے تصرف میں آئے گی‘ مسلمانوں کی صاف بیانی پر غضبناک ہو کر‘ مسلمانوں کی اس دلیری پر جھلا کر خاک دھول منگا کر کہا لو یہ تم کو ملے گا‘ عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنی چادر میں لے لیا‘ اور سعد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان کے سامنے رکھ کر کہا کہ ”فتح مبارک ہو دشمن نے خود اپنی زمین ہم کو دے

Marfat.com

دی''۔ غرض سفراء واپس آ گئے' اور جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں' عجمی سپہ سالار رستم نے بھی جو ساباط میں مقیم تھا' اپنی فوج کو آگے بڑھا کر قادسیہ میں ڈیرے ڈالے۔

رستم کی فوجیں قادسیہ پہنچیں تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جاسوس پھیلا دیئے کہ دشمن کی نقل و حرکت سے ہر وقت مطلع کرتے رہیں' نیز غنیم کی فوج کا رنگ ڈھنگ' لشکر کی ترتیب اور پڑاؤ کی حالت دریافت کرنے کے لیے فوجی افسر متعین کر دیئے' اس میں کبھی کبھی دشمن کا سامنا بھی ہو جاتا تھا' چنانچہ ایک دفعہ رات کے وقت غنیم کے کیمپ میں گشت کر رہے تھے' ایک جگہ ایک بیش بہا گھوڑا بندھا دیکھا' تلوار سے باگ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے اٹکالی' لوگوں نے ان کا تعاقب کیا تو ایک سپاہی کو قید کر کے لڑتے بھڑتے صاف نکل آئے' قیدی نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے سامنے آ کر اسلام قبول کیا' اور عجمی فوج کے بہت سے اسرار بیان کیے۔

عرصہ تک صرف اسی قسم کی جھڑپ ہوتی رہی' اور کوئی باقاعدہ جنگ پیش نہ آئی' رستم قصداً جنگ سے جی چراتا تھا' اس نے ایک دفعہ پھر صلح کی کوشش کی اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس کی خواہش پر متعدد سفارتیں روانہ کیں' آخری سفارت میں مغیرہ رضی اللہ عنہ بھیجے گئے' لیکن مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی' رستم کو ناکامی ہوئی تو اس نے غضبناک ہو کر کہا کہ ''کل تمہاری فوجیں تہ و بالا کر ڈالوں گا''۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر رستم کا مقولہ بیان کیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بھی جوش و خروش کے ساتھ مسلمانوں کو تیاری کا حکم دے دیا۔

جنگِ قادسیہ:

رستم اس قدر غضب ناک ہو گیا تھا کہ اس نے اسی وقت فوج کو کمر بندی کا حکم دے دیا اور دوسرے روز صبح کے وقت درمیان کی نہر کو عبور کر کے میدانِ جنگ میں صف آراء ہوا' دوسری طرف حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا لشکر بھی تیار تھا' مشہور شعراء اور پر جوش خطیب رزمیہ اشعار اور جادو اثر تقریروں سے تمام بہادر سپاہیوں کے شجاعانہ ولولے بھڑکا رہے تھے' اس کے ساتھ قاریوں کی خوش الحانی اور جہاد کی آیتوں نے جنت کے عاشقوں کو

Marfat.com

بیتاب کر رکھا تھا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے قاعدہ کے موافق اللہ اکبر کے تین نعرے بلند کیے' اور چوتھے پر جنگ شروع ہو گئی گو وہ خود عرق النساء کے عارضہ میں مبتلا ہونے کے باعث عام فوج کا ساتھ نہ دے سکے اور خالد ابن عرفطہ کو قائم مقام کر کے میدانِ جنگ کے قریب جو قصر تھا اس کے بالا خانہ پر رونق افروز ہوئے تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے یعنی جس وقت جو حکم دینا مناسب سمجھتے تھے پرچوں پر لکھ کر اور گولیاں بنا کر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے اور خالد ان ہی ہدایتوں کے مطابق موقع بموقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے' ایک دفعہ ایرانی ہاتھیوں کے ریلے سے قریب تھا کہ بجیلہ سواریوں کے پاؤں اکھڑ جائیں' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ رنگ دیکھ کر فوراً قبیلہ اسد کو حکم بھیجا کہ بجیلہ کو مدد پہنچائیں' پھر جب اس کالی آندھی نے اس طرف رخ کیا تو قبیلہ تمیم کو جو نیزہ بازی اور قادر اندازی میں کمال رکھتے تھے کہلا بھیجا کہ تمہارا کمال ہاتھیوں کے مقابلہ میں کیا ہوا؟ یہ سن کر انہوں نے اس جوش سے تیر برسائے کہ دفعتہً جنگ کا نقشہ بدل گیا' غرض تمام دن اسی زور کا رن ہوا' شام ہوئی تو دونوں فریق اپنے اپنے پڑاؤ میں واپس آئے' قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا جس کو عربی میں یوم الارماث کہتے ہیں۔

دوسرے روز پھر جنگ شروع ہوئی' عین ہنگامہ کارزار میں شام کی امدادی فوجیں بھی پہنچ گئیں' اس تائید غیبی سے مسلمانوں کا جوش دوبالا ہو گیا اور اس زور شور سے تیغ وسنان اور تیر وتفنگ کا بازار گرم ہوا کہ دور سے دیکھنے والوں کی رگِ شجاعت میں ہیجان پیدا ہو رہا تھا۔ ابو محجن ثقفی جن کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے شراب خواری کے جرم میں اپنے قصر میں مقید کر دیا تھا' اس ولولہ انگیز منظر کو دیکھ کر بیتاب ہو رہے تھے' ضبط نہ کر سکے تو سلمیٰ سعد رضی اللہ عنہ کی بیوی سے درخواست کی کہ اس وقت مجھ کو چھوڑ دو' لڑائی سے جیتا بچا تو پھر خود آ کر بیڑیاں پہن لوں گا' سلمیٰ نے انکار کیا تو حسرت کے ساتھ یہ اشعار پڑھنے لگے:

کفی حزنا ان تردی الخیل بالقنا   واترک مشدودا علی وثاقیا

''اس سے بڑھ کر کیا غم ہو گا کہ سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں' اور میں زنجیر میں

Marfat.com

بندھا پڑا ہوں"۔

اذا قمت عنانی الحدید واغلقت مصاریع دونی تصم المنادیا

"جب میں کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو زنجیر باگ کھینچ لیتی ہے اور دروازے اس طرح سامنے بند کر دیئے جاتے ہیں کہ پکارنے والا پکارتے پکارتے تھک جاتا ہے"۔

ان اشعار سے سلمیٰ نے متاثر ہو کر ان کی بیڑیاں کاٹ دیں اور وہ سعد رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار ہو کر دہکتی ہوئی آگ میں کود پڑے اور ان لوگوں کو اپنی شجاعت و جانبازی سے متحیر کر دیا' حضرت سعد رضی اللہ عنہ بھی حیران تھے کہ یہ کون بہادر ہے؟ شام کو جنگ ختم ہوئی تو ابو محجن نے خود آ کر بیڑیاں پہن لیں' سلمیٰ نے یہ حالات سعد رضی اللہ عنہ سے بیان کیے تو انہوں نے کہا: "خدا کی قسم میں ایسے فدائی اسلام کو سزا نہیں دے سکتا"۔ اور اسی وقت رہا کر دیا' ابو محجن پر بھی اس قدر دانی کا یہ اثر ہوا کہ آئندہ شراب سے توبہ کر لی۔

تیسرے روز حسبِ معمول پھر معرکہ شروع ہوا' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے آج آخری فیصلہ کا ارادہ کر لیا تھا' لیکن شام ہو گئی اور جنگ کے زور و شور میں کچھ فرق نہ آیا۔ زیادہ وقت ہاتھیوں کی وجہ سے تھی' وہ جس طرف جھک پڑتے' صفیں کی صفیں درہم برہم کر دیتے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے قعقاع اور چند دوسرے بہادر سپاہیوں کو بلا کر کہا کہ تم ہاتھیوں کو مار لو تو پھر میدان تمہارے ہاتھ میں ہے' انہوں نے نہایت جانبازی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی اور نرغہ کر کے بڑے بڑے ہاتھیوں کو مار ڈالا تو دوسرے ہاتھی خود بخود بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہاتھیوں سے میدان صاف ہونا تھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو سمیٹ کر پھر نئے سرے سے ترتیب دیا اور حکم دیا کہ جب میں تیسرا نعرہ بلند کروں تو غنیم پر حملہ کر دیا جائے' لیکن ابھی پہلا ہی نعرہ بلند ہوا تھا کہ قعقاع رضی اللہ عنہ نے جوش سے بیتاب ہو کر حملہ کر دیا' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللّٰھم اغفرلہ و انصرہ یعنی اے خدا قعقاع کو معاف کرنا اور اس کا مددگار رہنا' قعقاع رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر دوسرے قبائل بھی ٹوٹ پڑے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ہر قبیلے کے حملہ پر کہتے جاتے تھے کہ اے خدا اس کو معاف کرنا اور اس کا معین و مددگار رہنا' غرض دن ختم ہونے کے بعد تمام رات ہنگام کارزار گرم رہا'

Marfat.com

لیکن بالآخر مسلمانوں کے ثبات و استقلال نے ایرانیوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے رستم کو بھی مجبوراً بھاگنا پڑا، مگر ہلال نامی ایک مسلمان سپاہی نے تعاقب کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ خلافت میں نامہ فتح روانہ کر کے مقتولین و مجروحین کی تجہیز و تدفین اور مرہم پٹی کا اہتمام کیا' چونکہ وہ خود اس جنگ میں شریک نہ تھے اس لیے بعض سپاہیوں کو ان کی طرف سے بدگمانی تھی' چنانچہ ایک شاعر نے علانیہ اس خیال کو ظاہر کر دیا:

وقاتلت حتی انزل اللہ نصرہ ۔۔۔ وسعد بباب القادسیہ معصم

''میں نے جنگ کی یہاں تک کہ خدا نے اپنی مدد بھیجی' حالانکہ سعد قادسیہ کے دروازے سے چمٹے رہے''۔

فابنا وقد آمت نساء کثیرۃ ۔۔۔ ونسوۃ سعد لیس فیھن ایم

''ہم لوٹے تو بہت سی عورتیں بیوہ ہوئیں' حالانکہ سعد (رضی اللہ عنہ) کی بیویوں میں سے کوئی بھی بیوہ نہ ہوئی''۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لیے تمام فوج کو جمع کیا اور ایک مفصل تقریر کر کے اپنی معذوری ظاہر کی۔

عراقِ عرب پر عام لشکر کشی:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے معرکہ قادسیہ کے بعد ۱۵ھ میں تمام عراقِ عرب کو زیرنگین کر لینے کا تہیہ کر لیا' ایرانی بابل میں پناہ گزین تھے' اس لیے سب سے پہلے اسی طرف بڑھے' انہوں نے خود عجمیوں پر اس قدر رعب بٹھا دیا کہ راہ میں بڑے بڑے سرداروں نے پیشوائی کر کے صلح کر لی اور بابل تک موقع بموقع پل تیار کرا دیئے' کہ اسلامی فوجیں آسانی کے ساتھ گذر جائیں' بابل پہنچ کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک ہی حملہ میں اس کو فتح کر لیا اور خود یہاں قیام کر کے زہرہ کی افسری میں کچھ فوجیں آگے روانہ کر دیں' انہوں نے کوثی پہنچ کر دم لیا اور وہاں کے رئیس شہریار کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کر لیا۔

Marfat.com

کوثی ایک تاریخی جگہ تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے یہیں قید کیا تھا، چنانچہ قید خانہ کی جگہ اس وقت تک محفوظ تھی، حضرت سعد رضی اللہ عنہ بابل سے تشریف لائے تو ان کی زیارت کو گئے اور درود پڑھ کر یہ آیت پڑھی:

﴿تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ﴾

کوثی سے آگے بڑھ کر پایہ تخت کے قریب ایک مستحکم مقام بہرہ شیر تھا، اس نام کی وجہ یہ تھی کہ یہاں خاص کسریٰ کا شکاری شیر رہتا تھا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا لشکر جب اس شہر کے قریب پہنچا تو شیر مقابلہ کے لیے چھوڑا گیا، اس نے تڑپ کر اسلامی شیروں پر حملہ کیا، لیکن حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بھائی نے جو ہراول کے افسر تھے، اس صفائی سے تلوار ماری کہ وہیں ڈھیر ہو گیا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس بہادری پر خوش ہو کر ان کی پیشانی چوم لی، اور انہوں نے ان کے قدم کو بوسہ دیا۔

بہرہ شیر کا کامل دو ماہ تک محاصرہ رہا اور اسی اثناء میں متعدد ہولناک جنگیں ہوئیں، لیکن کچھ نہ ہو سکا، ایک روز خود ایرانی فوجیں تنگ آ کر جوش وخروش کے ساتھ قلعہ سے باہر نکلیں اور دیر تک شجاعانہ لڑتی رہیں، اسی حالت میں ان کا سپہ سالار شہر براز جو نہایت بہادر افسر تھا ایک مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا، اس کا مقتول ہونا تھا کہ عجمی فوجیں بھاگ کھڑی ہوئیں، اور شہر والوں نے صلح کا پھریرا اڑا دیا۔

بہرہ شیر اور مدائن (پایہ تخت عراق) کے درمیان صرف دجلہ حائل تھا، ایرانیوں نے مسلمانوں کے خوف سے جہاں جہاں پل تھے سب توڑ کر بیکار کر دیئے تھے، لیکن حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی اولوالعزمی کے آگے دنیا کی کون سی چیز حائل ہو سکتی تھی؟ انہوں نے اہل فوج کو مخاطب کر کے کہا: ''برادرانِ اسلام! دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دریا کے دامن میں پناہ لی ہے، آؤ اس کو بھی تیر جائیں تو پھر مطلع صاف ہے''۔ یہ کہہ کر گھوڑا دریا میں ڈال دیا، سپہ سالار اعظم کی جانبازی دیکھ کر تمام فوج نے بھی جوش کے ساتھ گھوڑے ڈال دیئے اور باہم باتیں کرتے ہوئے دوسرے کنارے پر جا پہنچے، ایرانی اس عجیب و غریب جوش واستقلال کا منظر دیکھ کر ''دیو آمدند'' کہتے ہوئے بھاگے تاہم سپہ سالار خود

Marfat.com

تھوڑی سی فوج کے ساتھ جما رہا اور دریا سے نکلنے پر مزاحم ہوا' لیکن مسلمانوں نے اس کو کاٹ کر ڈھیر کر دیا' اور مدائن پہنچ کر شاہی محلات پر قبضہ کرلیا یزدگرد شاہ ایران پہلے ہی بھاگ چکا تھا' البتہ تمام اسباب و سامان موجود تھا' جو بجنسہ تدسہ روانہ کیا گیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ جس وقت مدائن میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا' نہایت عبرت ہوئی اور بے اختیار زبان سے یہ آیتیں نکلیں:

﴿ كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ وَّ زُرُوْعٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ وَّ نَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ كَذٰلِكَ وَ اَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا آخَرِيْنَ ﴾ (دخان ع ۲)

''(اگلی قومیں) کس قدر باغ' چشمے' کھیتیاں اور طرح طرح کی نعمتیں' عمدہ عمدہ محلات چھوڑ کر چل بسیں جس میں خوش باش زندگی بسر کرتی تھی اور ہم نے ان چیزوں کا مالک دوسری قوموں کو بنا دیا''۔

مدائن فتح ہونے کے ساتھ تمام عراق عرب پر تسلط قائم ہو گیا' بڑے بڑے رؤساء اور جاگیرداروں نے سپر ڈال کر صلح کر لی' اور تمام ملک میں امن و امان کی منادی ہو گئی' جو لوگ گھر بار چھوڑ کر بھاگ گئے تھے وہ پھر واپس آ گئے اور حاکم و محکوم میں اس قدر ارتباط پیدا ہوا کہ باہم ازواج و مناکحت کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

عراقِ عرب کے مفتوح ہونے کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے اہتمام سے جلولا' اور تکریب پر فوج کشی ہوئی اور نہایت کامیابی و فیروز مندی کے ساتھ ان مقامات پر اسلامی پھریرا نصب کر دیا گیا' اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دربارِ خلافت سے آگے بڑھنے کی اجازت طلب کی تو جواب آیا کہ ''دولت و حکمرانی کے مقابلہ میں مجھے ایک ایک سپاہی کا خون زیادہ محبوب ہے' کاش ہمارے اور عجمیوں کے درمیان سد سکندری حائل ہوتی کہ نہ ہم ان کی طرف بڑھتے اور نہ وہ ہم پر حملہ آور ہوتے' غرض سر دست اسی پر اکتفا کر کے ممالک مفتوحہ کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لو''۔

امارت:

اس فرمان کے مطابق حضرت سعدؓ کی سپہ سالاری کا زمانہ ختم ہو گیا اور وہ

Marfat.com

والیٔ ملک کی حیثیت سے مدائن کو صوبہ کا مرکز بنا کر نظم و نسق میں مصروف ہو گئے' اصل یہ کہ کسی غیر قوم پر حکمرانی اور ملکی نظام کو بہترین اصول پر مرتب کرنا بھی اس قدر مشکل ہے جس قدر کسی ملک کو فتح کرنا' حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنی فطری قابلیت کے باعث ان دونوں مشکلات پر غالب آ گئے' انہوں نے جس خوبی و عمدگی کے ساتھ اپنے عہدۂ جلیلہ کے فرائض انجام دیئے' اس سے زیادہ اس زمانہ میں ممکن نہیں تھا اور بارِ خلافت کے ایماء سے تمام عراق کی مردم شماری اور پیمائش کرائی' اراضی مفتوحہ کو ملک کے اصلی باشندوں کے ہاتھ میں رہنے دیا' البتہ جس زمین کا کوئی وارث نہ تھا' اس کا پھر نئے سرے سے بندوبست کیا' اسی طرح لگان اور جزیہ کے اصول بنائے اور رعایا کے امن و آسائش کا انتظام کیا' عجمیوں کے ساتھ اس قدر خلق و شفقت سے پیش آئے کہ ان کے دل پر قبضہ کر لیا' چنانچہ بڑے بڑے امراء اور رؤساء اسی اثر سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے' جمیل ابن بصبہری' بطام بن نرسی' رفیل اور فیروز وغیرہ جو عراق کے مشہور رؤساء تھے خود بخود مسلمان ہو گئے' اسی طرح دیلم کی چار ہزار فوج جو شاہی رسالہ کے نام سے موسوم تھی حلقہ بگوشِ اسلام ہوئی۔

تعمیر کعبہ:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک عرصہ تک مدائن میں قیام کرنے کے بعد محسوس کیا کہ یہاں کی آب و ہوا نے اہل عرب کا رنگ و روپ بالکل بدل دیا ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس سے مطلع کیا گیا تو حکم آیا کہ عرب کی سرحد میں کوئی مناسب سرزمین تلاش کر کے ایک نیا شہر بسائیں اور عربی قبائل کو آباد کر کے اس کو مرکز حکومت قرار دیں' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس حکم کے مطابق مدائن سے نکل کر ایک موزوں جگہ منتخب کر کے کوفہ کے نام سے ایک وسیع شہر کی بنیاد ڈالی' عرب کے جدا جدا قبیلوں کو جدا جدا محلوں میں آباد کیا' وسط شہر میں ایک عظیم الشان مسجد بنوائی' جس میں تقریباً چالیس ہزار نمازیوں کی گنجائش رکھی گئی' مسجد کے قریب ہی بیت المال کی عمارت اور اپنا محل تعمیر کرایا جو قصر سعد کے نام سے مشہور تھا۔

Marfat.com

کچھ دنوں کے بعد بیت المال میں چوری ہوگئی' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس کی رپورٹ دارالخلافہ میں بھیجی تو حکم آیا کہ بیت المال کو مسجد سے ملا دیا جائے تاکہ ہر وقت نمازیوں کی آمدورفت سے خزانہ محفوظ رہے' چنانچہ انہوں نے روزبہ نام ایک مشہور پارسی معمار کو بلا کر یہ خدمت سپرد کی' اس نے نہایت خوبی وموزونی کے ساتھ بیت المال کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس کاریگری کی بڑی قدر کی اور خوش ہو کر اس کو دارالخلافت بھیج دیا' جہاں ہمیشہ کے لیے اس کا روزینہ مقرر ہو گیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا قصر چونکہ وسط بازار میں تھا' اس لیے شور وشغب کے ساتھ باہم گفتگو کرنا بھی دشوار تھا' انہوں نے اس سے بچنے کے لیے قصر کے سامنے ایک ڈیوڑھی بنوائی اور اس میں پھاٹک لگوایا' بارگاہِ خلافت میں اس ڈیوڑھی کی اطلاع پہنچی تو اس خیال سے کہ اہل حاجت کے لیے یہ سد راہ نہ ہو جائے' حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو حکم ہوا کہ کوفہ جا کر اس میں آگ لگا دیں' چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی' اور حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ اطاعت شعاری کے ساتھ خاموشی سے دیکھا کیے۔

متفرق انتظامات:

کوفہ دراصل ایک فوجی چھاؤنی تھی' جہاں تقریباً ایک لاکھ نبرد آزما سپاہی بسائے گئے تھے' ان کو علی قدر مراتب تنخواہیں دی جاتی تھیں' تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ دس دس سپاہیوں پر افسر ہوتے تھے' جو امراء الاعشار کہلاتے تھے' تنخواہیں ان کو دی جاتی تھیں اور وہ اپنے ماتحت سپاہیوں کو تقسیم کر دیتے تھے' ایک دفعہ امرائے اعشار نے تنخواہوں کی تقسیم میں بے اعتدالی کی' اور اس کی وجہ سے فوج میں برہمی کے آثار نمایاں ہوئے' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فوراً دربارِ خلافت کو اس واقعہ سے مطلع کیا اور فرمانِ خلافت کے مطابق دوبارہ نہایت صحت وتحقیق کے ساتھ لوگوں کے عہدے اور روزینے مقرر کیے' اور اس دفعہ دس کے بجائے سات سات سپاہیوں پر ایک افسر متعین کیا۔[1]

---

[1] طبری ص ۲۴۹۵

Marfat.com

شام کی اسلامی فوجوں نے حمص پر چڑھائی کی تو اہل جزیرہ ایک جمعیت عظیم کے ساتھ رومیوں کی مدد کے لیے روانہ ہوئے' لیکن حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ نے جو ملک کے اندرونی وسرحدی واقعات سے ہر وقت باخبر رہتے تھے ایک فوج گراں بھیج کر ان کو وہیں روک لیا اور آگے بڑھنے نہ دیا۔[1]

۲۱ھ میں ایرانیوں نے عراقِ عجم میں نہایت عظیم الشان جنگی تیاریاں کیں اور مسلمانوں کو ان کے مفتوحہ ممالک سے نکال دینا چاہا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تیاریوں کا حال سنا تو تمام فوجی مرکزوں میں اسلامی فوج کو بھی آراستہ کرنے کے احکام صادر کیے' کوفہ سب سے بڑا مرکز تھا' حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ نے یہاں نہایت اہتمام کے ساتھ تیاریاں شروع کیں اور دربارِ خلافت کے ایماء سے نعمان بن مقرن کو جو پہلے ان کی ماتحتی میں افسر مال تھے' اس فوج کا امیر عسکر مقرر کیا' لیکن یہاں ایک جماعت ایسی پیدا ہوگئی تھی جو قصداً جنگ سے جی چراتی تھی' اور کہتی تھی کہ بصرہ والوں نے خواہ مخواہ فارس پر حملہ کر کے یہ لڑائی مول لی ہے' حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ خلافت میں ان لوگوں کی شکایت لکھی تو ان میں سے جراح بن سنان اور اس کے چند ساتھیوں کو ان سے شدید عداوت پیدا ہوگئی اور انہوں نے مدینہ پہنچ کر شکایت کی' کہ وہ نماز اچھی طرح نہیں پڑھاتے' ظاہر ہے کہ حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ جیسے عالی مرتبت و بلند پایہ صحابی کی نسبت یہ شکایت کس قدر مہمل تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اس کے لغو ہونے کا یقین تھا تاہم رفع حجت کے خیال سے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو تحقیقات کے لیے روانہ فرمایا' انہوں نے کوفہ کی ایک ایک مسجد میں گشت کر کے اس شکایت کی حقیقت دریافت کی تو ہر جگہ سب نے یک زبان ہو کر اس کی تکذیب کی اور لغو بتایا' محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ تحقیقات سے فارغ ہو کر دونوں فریق کو ساتھ لیے ہوئے مدینہ پہنچے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھنے کے ساتھ پوچھا: ''سعد (رضی اللہ عنہ)! تم کیسی نماز پڑھاتے ہو کہ لوگ شکایت کرتے ہیں؟'' انہوں نے جواب دیا کہ پہلی دو رکعتوں میں لمبی سورتیں پڑھتا ہوں اور دونوں آخری میں صرف فاتحہ پر اکتفا کرتا ہوں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ

---

[1] ابن اثیر جلد ۲ ص ۱۲۸۱

Marfat.com

نے فرمایا: "بے شک تمہاری نسبت یہی گمان ہو سکتا ہے"۔[1]

معزولی:

گو الزام بے بنیاد ثابت ہوا' تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خیال سے کہ ایک جماعت مخالفت پر آمادہ ہو گئی تھی ان کو اس عہدہ سے سبکدوش ہی کر دینا مناسب سمجھا' چنانچہ حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ جن کو اپنا جانشین بنا آئے تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان ہی کو مستقل کر دیا اور ان کو دوبارہ واپس جانے کی زحمت نہ دی۔[2]

حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ کو اپنے اوپر اس بیہودہ الزام کے قائم ہونے کا نہایت افسوس تھا' فرمایا کرتے تھے کہ میں عرب میں سب سے پہلا شخص ہوں جس نے راہِ خدا میں تیر اندازی کی ہے' ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ درخت کے سوکھے پتے کھا کھا کر لڑے تھے' لیکن خدا کی شان آج یہ بنو اسد پیدا ہوئے ہیں جو خود مجھے مذہب سکھاتے ہیں کہ میں نماز اچھی نہیں پڑھاتا۔[3]

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی سفارش:

۲۳ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مجوسی غلام کے ہاتھ سے شہادت پائی' حالتِ نزع میں لوگوں نے خلیفہ نامزد کرنے کی طرف توجہ دلائی تو انہوں نے اس منصب کے لیے چھ آدمیوں کے نام پیش کیے' ان میں ایک حضرت سعد رضی اللہ عنہ بھی تھے اور فرمایا کہ اگر خلافت کے لیے منتخب ہو سکیں تو جو منتخب ہو اسے چاہیے کہ ان کی خلافت سے فائدہ اٹھائے کیونکہ میں نے انہیں کسی کمزوری یا خیانت کی وجہ سے معطل نہیں کیا تھا۔

دوبارہ تقرری:

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تجہیز و تکفین کے بعد مجلس شوریٰ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے

---

[1] طبری ص ۲۶۰۶، ۲۶۰۷ [2] ایضاً ص ۲۶۰۸

[3] بخاری باب مناقبِ سعد رضی اللہ عنہ

Marfat.com

سر پر دستارِ خلافت باندھی اور انہوں نے حسب وصیت حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو دوبارہ کوفہ کا والی مقرر کیا' لیکن اس تقرری کے تین سال بعد یعنی ۲۶ھ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مہتمم بیت المال سے اختلاف پیدا ہو جانے کے باعث پھر معزول ہو گئے۔[1]

دورِ فتنہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی گوشہ نشینی:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے معزول ہونے کے بعد مدینہ میں عزلت نشینی اختیار کر لی' یہاں تک کہ جب خلیفہ ثالث کے آخری عہد حکومت میں فتنہ وفساد کا بازار گرم ہوا تو یہ ہنگامہ بھی ان کی گوشہ گیری میں مخل نہ ہوا' البتہ جب مفسدین نے کاشانہ خلافت کا محاصرہ کر لیا تو ان کو سمجھانے کی کوشش کی' مگر ناکام رہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی' لیکن معاملات ملکی سے بے تعلق رہنے کی روش پر اس وقت بھی قائم رہے' چنانچہ علی رضی اللہ عنہ جب طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کے مقابلہ میں اپنی فوج کے ساتھ روانہ ہوئے تو لوگوں نے ان کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی' لیکن انہوں نے معذرت کی اور کہا ''مجھے ایسی تلوار بتاؤ جو مسلم و کافر میں امتیاز رکھتے''۔[2]

حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ سے خود ان کے صاحبزادہ عمر بن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ جب کہ وہ جنگل میں اونٹ چرا رہے تھے آ کر کہا ''کیا یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ آپ جنگل میں اونٹ چرائیں اور لوگ بادشاہت وحکومت کے لیے اپنی اپنی قسمت آزمائیں''۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا: ''خاموش میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ خدا مستغنی اور پرہیزگار بندہ کو محبوب رکھتا ہے''۔[3]

جنابِ مرتضیٰ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے منازعات کا فیصلہ کرنے کے لیے

---

[1] استیعاب جلد ۲ تذکرۂ سعد رضی اللہ عنہ

[2] ابن سعد جزو ۳ قسم اول ترجمہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

[3] اسد الغابہ تذکرۂ سعد رضی اللہ عنہ میں اجمالاً اس کا ذکر ہے۔

Marfat.com

جب پنچایت مقرر ہوئی، تو حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ بھی اس خوشی میں کہ اب خانہ جنگیوں اور خونریزیوں کا خاتمہ ہو جائے گا، فیصلہ سننے کے لیے دومۃ الجندل تشریف لائے، لیکن جب یہ بے نتیجہ ثابت ہوئی تو پھر اپنے عزلت کدہ میں واپس آ گئے، اور تمام جھگڑوں سے قطعی طور پر کنارہ کش رہے۔

وفات:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر مقام عقیق میں اپنے لیے ایک قصر تعمیر کرایا تھا، چنانچہ عزلت نشینی کی زندگی اسی میں بسر ہوئی، آخر عمر میں قویٰ مضمحل ہو گئے تھے اور آنکھوں کی بصارت بھی جاتی رہی تھی، یہاں تک کہ ۵۵ھ میں طائر روح نے باغِ رضوان کے اشتیاق میں ہمیشہ کے لیے اس قفس عنصری کو خیر باد کہا[1] حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ جنگِ میں جو اونی کپڑا میرے جسم پر تھا اس سے کفن کا کام لیا جائے، چنانچہ اس پر عمل کیا گیا اور[2] لاش مدینہ لائی گئی۔ بعض امہات المومنین رضی اللہ عنہن اس وقت زندہ تھیں انہوں نے حکم دیا کہ اس جاں نثارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ مسجد میں لایا جائے، چنانچہ مسجد میں ان کے حجروں کے سامنے نماز ادا کی گئی، امہات المومنین رضی اللہ عنہن بھی نماز میں شریک تھیں کسی نے مسجد میں نماز جنازہ پر اعتراض کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ”لوگ کس قدر جلد بھول گئے، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہل بن البیضاء رضی اللہ عنہ پر مسجد میں نماز نہیں پڑھائی تھی؟[3]

غرض اس تزک واحتشام کے ساتھ مقام بقیع میں مدفون ہوئے۔ ستر برس سے زیادہ عمر پائی اور اس عرصہ میں اپنے عظیم الشان کارناموں کی ایسی یادگار چھوڑ گئے کہ ان کے اندر قیامت تک فخر ومباہات کے علاوہ ان پر رطب اللسان رہیں گے۔

علم وفضل:

حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ کا علمی پایہ نہایت ارفع تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے

---

[1] طبقات ابن سعد جزء سادس [2] اسد الغابہ تذکرہ سعد رضی اللہ عنہ

[3] ابن سعد جز و۳ قسم اوّل تذکرہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

Marfat.com

تھے کہ جب سعد (رضی اللہ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث روایت کریں تو پھر اس کے متعلق دوسرے سے نہ پوچھو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تحصیل علم میں کبھی پیش و پیش یا شرم وحجاب دامنگیر نہ ہوتا تھا' ایک دفعہ بارگاہِ نبوت میں حاضر تھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو کچھ عطیے مرحمت فرمائے' لیکن اس میں سے ایک شخص کو محروم رکھا' حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اس محرومی پر سخت تعجب ہوا' عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا خیال ہے کہ وہ بھی مومن ہے' ارشاد ہوا ''مومن یا مسلم'' لیکن حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو تشفی نہ ہوئی' انہوں نے پھر اپنا سوال دہرایا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دفعہ بھی وہی جواب دیا' غرض حضرت سعد نے مکرر سہ کرر اس سوال کو جاری رکھا' یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر تشفی کر دی کہ بسا اوقات اس سے جس کو عطیے دیتا ہوں وہ شخص جس کو کچھ نہیں دیتا میرے نزدیک زیادہ محبوب ہوتا ہے۔[1]

اخلاق و عادات:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے مصحف اخلاق میں خشیتِ الٰہی' حبِ رسول' تقویٰ' زہد' بے نیازی' اور خاکساری سب سے روشن ابواب ہیں' خوف خدا اور عبادت گذاری کا یہ حال تھا کہ عموماً رات کے اخیر حصے میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آ کر نماز پڑھا کرتے تھے[2] طبیعت رہبانیت کی طرف بہت مائل تھی' لیکن اسلام میں ممنوع ہونے کی وجہ سے مجبور تھے' چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ عثمان بن مظعون (رضی اللہ عنہ) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رہبانیت اور تبتل سے منع نہ فرمایا ہوتا تو میں اس کو اختیار کر لیتا۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت و جاں نثاری کا صرف اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تقریباً تمام غزوات میں ہمرکاب رہے' غزوۂ اُحد میں جب شکست رونما ہوئی اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پریشانی اور گھبراہٹ میں منتشر ہو گئے تو اس وقت تھوڑی دیر تک تنہا انہوں نے

---

[1] بخاری کتاب الایمان باب اذا لم یکن الاسلام

[2] مسند ابن حنبل جلد ا ص ۱۷۰ [3] ایضاً ص ۱۷۵

Marfat.com

اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے خیر الانام ﷺ کی حفاظت کا فرض انجام دیا تھا' سفر میں عموماً خود شوق سے رسول اللہ ﷺ کے خیمے کے گرد رات بھر پہرا دیتے تھے' ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کسی غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے' رات کے وقت ایک جگہ قیام ہوا' یہاں دشمنوں کا سخت خطرہ تھا' آنحضرت ﷺ دیر تک جاگتے رہے اور فرمانے لگے کہ کاش' میرے اصحاب میں سے کوئی مرد صالح آج پہرہ دیتا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ابھی یہ جملہ تمام بھی نہیں ہوا تھا کہ اسلحہ کی جھنکار سننے میں آئی' آنحضرت ﷺ نے پوچھا کون ہے؟ عرض کی سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) ارشاد ہوا: ''تم کیسے آئے؟''۔ عرض کی: ''خود بخود یہ خیال پیدا ہوا کہ آج رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرنا چاہیے''۔ اس فرض کو انجام دینے آیا ہوں' آنحضرت ﷺ اس جاں نثاری سے نہایت خوش ہوئے اور دعا دی۔[1]

عتبہ بن ابی وقاص حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا حقیقی بھائی تھا' اس نے حالت کفر میں غزوۂ اُحد میں رسول اللہ ﷺ کا روئے مبارک زخمی کیا تھا' حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''واللہ میں عتبہ سے زیادہ کبھی کسی شخص کے خون کا پیاسا نہیں ہوا''۔

اتباعِ سنت اور رسول اللہ ﷺ کے اعمال واحکام کی کامل پیروی کو اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے' اہل کوفہ نے دربارِ خلافت میں شکایت کی کہ یہ نماز اچھی نہیں پڑھاتے تو فرمانے لگے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز سے سرمو انحراف نہیں کرتا۔[2]

ایک دفعہ مدینہ سے اپنے قصر کی طرف جو مقام عقیق میں تھا' تشریف لے جا رہے تھے' راہ میں ایک غلام کو درخت کاٹتے دیکھا' چونکہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کو حرم قرار دیا تھا' اس لیے انہوں نے اس کے اوزار چھین لیے' غلام کے مالک نے آکر اس کا مطالبہ کیا تو فرمانے لگے: ''معاذ اللہ میں رسول اللہ ﷺ کی بخشش کو واپس کردوں گا؟ اور اوزار کے واپس دینے سے قطعاً انکار کر دیا۔[3]

---

[1] مسلم مناقب سعد رضی اللہ عنہ
[2] بخاری باب صفۃ الصلوٰۃ
[3] مسلم باب فضل المدینہ

Marfat.com

زہد وتقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جس وقت دنیائے اسلام حکومت و بادشاہت کے جھگڑوں میں مبتلا تھی' اس وقت وہ مدینہ کے ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے اس فتنہ سے محفوظ رہنے کی دعائیں مانگ رہے تھے اور جو کوئی ان جھگڑوں کے متعلق کچھ پوچھتا تو فرماتے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ''میرے بعد عنقریب ایک فتنہ برپا ہوگا' جس میں سونے والا بیٹھنے والے سے' بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اچھا ہوگا'' [1]

تواضع اور خاکساری کا صرف اس سے اندازہ ہوگا کہ سپہ سالاری اور گورنری کے بعد بھی جب کہ کسریٰ کے وارثوں نے اپنا عظیم الشان محل ان کے لیے خالی کر دیا تھا' ان کو اونٹ اور بکریاں تک چرانے میں عار نہ تھا' افسر کی اطاعت کا یہ حال تھا کہ گھر میں آگ لگائی گئی' وہ خاموشی کے ساتھ تماشہ دیکھتے رہے۔

ذریعہ معاش وجاگیر:

ایک زمانہ وہ تھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ درخت کے پتے کھا کھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں جانبازی دکھاتے تھے لیکن اسلام نے بہت جلد روحانیت کے ساتھ ساتھ مادی حیثیت سے بھی اپنے فدائیوں کی عسرت و تنگ حالی کو دولت وثروت سے مبدل کر دیا' خیبر کی مفتوحہ اراضی میں جاگیر ملی' ایران کے مالِ غنیمت میں حصہ ملا' اسی طرح دورِ فتنہ وفساد میں ایک غیر آباد زمین خرید کر زراعت کا مشغلہ اختیار کیا' غرض اخیر زندگی میں ایک بڑی دولت کے مالک ہوئے' کوفہ میں اور مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر مقام عقیق میں عالی شان محلات تعمیر کرائے مگر باوجود اس کے غذا ولباس کی سادگی میں کچھ فرق نہیں آیا تھا۔

حلیہ:

حلیہ یہ تھا' قد بلند وبالا' جسم فربہ' ناک چپٹی سر بڑا اور ہاتھ کی انگلیاں نہایت موٹی اور مضبوط۔

---

[1] مسند جلد ا ص ۱۶۹

Marfat.com

ازواج:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں' بیویوں کے نام یہ ہیں:
(۱) بنت الشہاب (۲) بنت قیس بن معدی کرب (۳) ام عامر بنت عمرو (۴) زبد (۵) ام بلال بنت ربیع (۶) ام حکیم بنت قارظ (۷) سلمیٰ بنت حفص (۸) ظبیہ بنت عامر (۹) ام حجر۔

اولاد:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے چونتیس اولادیں تھیں ان میں سے لڑکے سترہ تھے' لڑکیاں بھی اس قدر تھیں' سب کے نام حسب ترتیب درج ذیل ہیں۔

لڑکے:

(۱) اسحاق اکبر (۲) عمر (۳) محمد (۴) عامر (۵) اسحاق اصغر (۶) اسماعیل (۷) ابراہیم (۸) موسیٰ (۹) عبداللہ (۱۰) عبداللہ اصغر (۱۱) عبدالرحمٰن (۱۲) عمیر اکبر (۱۳) عمیر الاصغر (۱۴) عمرو (۱۵) عمران (۱۶) صالح (۱۷) عثمان۔

لڑکیاں:

(۱) ام الحکیم کبریٰ' (۲) حفصہ (۳) ام القسم (۴) کلثوم (۵) ام عمران (۶) ام الحکیم صغریٰ (۷) ام عمرو (۸) ہند (۹) ام الزبیر (۱۰) ام موسیٰ (۱۱) حمنہ (۱۲) ام عمر (۱۳) ام ایوب (۱۴) ام اسحاق (۱۵) رملہ (۱۶) عمرہ (۱۷) عائشہ۔

Marfat.com

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ

نام نسب' خاندان:

عامر نام ابوعبیدہ کنیت' امین الامۃ لقب' گو والد کا نام عبداللہ تھا' لیکن دادا کی طرف منسوب ہو کر ابن الجراح کے نام سے مشہور ہوئے' سلسلہ نسب یہ ہے عامر بن عبداللہ بن الجراح ابن ہلال بن اُہیب بن ضبہ بن الحارث بن الفہر القرشی الفہری' حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں فہر پر حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

ماں بھی اسی فہری خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور اصحابِ سیر کی تحقیق کے مطابق مسلمان ہوئیں۔

اسلام:

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ و دعوت پر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے' اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقم کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔[1]

ہجرت:

اسلام قبول کرنے کے بعد قریش مکہ کے ظلم وستم سے دو مرتبہ ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے' پھر آخری دفعہ سب کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت فرما ہوئے' یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ میں باہم بھائی چارہ کرا دیا۔[2]

غزوات:

مشرکین قریش نے مدینہ پہنچے کے بعد بھی مسلمانوں کو چین سے بیٹھنے نہ دیا' اور

---

1 طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۲۹۸ 2 اصابہ جلد ۴ ص ۶ے

Marfat.com

مبارزت طلبی کر کے میدانِ جنگ کی دعوت دی' چنانچہ غزوۂ بدر اس سلسلہ کی پہلی کڑی تھی' حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ شجاعت و جانبازی کے ساتھ اس جنگ میں سرگرمِ پیکار ہوئے' ان کے والد عبداللہ بھی اس وقت تک زندہ تھے اور کفار کی طرف سے لڑنے آئے تھے' انہوں نے تاک تاک کر خود اپنے لختِ جگر کو نشانہ بنانا چاہا' حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تھوڑی دیر تک طرح دیتے رہے' لیکن جب دیکھا کہ وہ باز نہیں آتے تو بالآخر جوشِ توحید نسبی تعلق پر غالب آ گیا' اور ایک ہی ہاتھ میں ان کا کام تمام کر دیا' درحقیقت یہ والہانہ جوش اور مذہبی وارفتگی کی نہایت سچی مثال تھی جس میں ماں' باپ' بھائی' بہن غرض تمام رشتہ دار بالکل ایک اجنبی دشمن کی طرح نظر آتے ہیں' چنانچہ قرآن پاک نے اس انقطاع الی اللہ کی ان الفاظ میں داد دی:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ﴾ (سورہ مجادلہ رکوع ۳)[1]

''تم نہ پاؤ گے اس قوم کو جو خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لائی کہ وہ خدا اور اس کے رسول کے مخالفین سے محبت رکھتے ہوں گے گو وہ ان کے باپ' بیٹے' بھائی یا ان کے کنبہ کے ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی وہ مسلمان ہیں جن کے دلوں کے اندر خدا نے ایمان نقش کر دیا ہے اور اپنے فیضان غیبی سے ان کی مدد کی ہے''۔

غزوۂ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک زخمی ہو گیا اور زرہ کی دو کڑیاں چبھ گئیں تھیں جس سے سخت تکلیف ہوئی تھی۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے دانت سے پکڑ کر کھینچا' اگرچہ ان کڑیوں نے نکلتے نکلتے ان کے دو دانت شہید کر دیئے' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری میں دو دانت کیا جان بھی نثار ہو جاتی تو پرواہ نہ تھی۔[2]

غزوۂ خندق' اور بنو قریظہ کی سرکوبی میں بھی سرگرمِ پیکار تھے' پھر ٦ھ میں جب

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۸۵ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۲۹۸

Marfat.com

قبیلہ ثعلبہ اور انمار نے قحط زدہ ہو کر اطرافِ مدینہ میں غارت گری شروع کی تو بارگاہِ رسالت سے ان کی سرکوبی پر مامور ہوئے' چنانچہ انہوں نے ربیع الثانی کے مہینے میں چالیس آدمیوں کے ساتھ ڈاکوؤں کے مرکزی مقام ذی القصہ پر چھاپہ مار کر ان کو پہاڑوں میں منتشر کر دیا اور ایک شخص کو گرفتار کر کے لے آئے جس نے مدینہ پہنچ کر بطیبِ خاطر اسلام قبول کر لیا۔[1]

اسی سال بیعت رضوان میں شریک ہوئے' بلکہ مقامِ حدیبیہ میں قریش مکہ سے جو عہد نامہ طے پایا' اس پر اُن کی شہادت بھی تھی۔[2] پھر ۷ھ میں خیبر کی فتح کشی میں رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب ہوئے' اور اس کی فتح میں شجاعت و بہادری کے ساتھ حصہ لیا' ان مہمات سے فارغ ہو کر سرورِ کائنات ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ایک جمعیت کے ساتھ ذات السلاسل کی طرف روانہ فرمایا' وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے' اس لیے انہوں نے دربارِ رسالت سے کمک طلب کی' آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی زیر امارت دو سو جنگی بہادر روانہ فرمائے' اس امدادی فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ شامل تھے' غرض جب یہ فوج حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اس شرفِ گرامی کا استحقاق نہ تھا' تاہم ان کی ضد اور اصرار سے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اطاعت کا طوق خود اپنے گلے میں ڈال لیا اور نہایت کامیابی کے ساتھ حملہ کر کے غنیم کو زیر و زبر کر دیا۔[3]

رجب ۸ھ میں ایک دوسری مہم خود حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت ساحلی علاقہ کی طرف روانہ کی گئی' تاکہ قریشی قافلوں کی نقل و حرکت کا پتہ چلائیں' اور سامانِ رسد میں صرف کھجوریں ساتھ کر دی گئیں' یہاں تک کہ جب یہ سرمایہ ختم ہونے لگا تو چند دنوں

---

1. طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۲۹۸

2. ایضاً 3. ایضاً ص ۹۵

Marfat.com

تک صرف ایک ایک کھجور پر قناعت کرنا پڑی' لیکن خدائے پاک نے بہت جلد یہ مصیبت دور کردی اور سمندر کے کنارے ایک عظیم الشان مچھلی مل گئی کہ مجاہدین نے عرصہ تک اس پر گذر اوقات کی اور کامیابی کے ساتھ مدینہ واپس آئے [1]

اسی سال مکہ فتح ہوا' پھر حنین اور طائف کی جنگیں پیش آئیں' حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تمام معرکوں میں کانبازی کے ساتھ پیش پیش رہے۔

متفرق خدمات:

جنگی مہمات کے علاوہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو بعض دوسری اہم خدمتیں بھی سپرد ہوئیں' مثلاً ۹ھ میں اہل نجران نے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر ایک معلم دین کی درخواست کی جو مذہبی تعلیم و تلقین کے سوا ان کے جھگڑوں کو بھی فیصل کرے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ابوعبیدہ اُٹھ'' جب وہ کھڑے ہوئے تو اہل نجران سے مخاطب ہو کر فرمایا:
''یہ امت کا امین ہے' اس کو تمہارے ساتھ کرتا ہوں''۔[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بحرین سے مصالحت کرلی تھی' اور علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کو بحرین کا امیر مقرر کیا تھا' حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ایک دفعہ وہاں سے جزیہ کی رقم لانے پر مامور ہوئے' جب لے کر مدینہ پہنچے تو اس روز نمازِ صبح میں انصار کا غیر معمولی مجمع ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متبسم ہو کر فرمایا شاید تم لوگوں کو ابوعبیدہ (رضی اللہ عنہ) کے آنے کی اطلاع ہوگئی ہے' لوگوں نے عرض کی: ''ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!'' سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بشارت ہو کہ آج تمہیں خوش کردوں گا' لیکن خدا کی قسم میں تمہارے فقر و افلاس سے نہیں ڈرتا بلکہ مجھے ڈر ہے کہ پہلی قوموں کی طرح تمہارے اوپر بھی دنیا کشادہ ہو جائے گی' اور جس طرح ان کو منافست باہمی اور حسد و طمع سے ہلاک کر دیا ہے' تمہیں بھی ہلاک کرے گی''۔[3]

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ سیف البحر [2] بخاری قصہ اہل نجران

[3] بخاری کتاب الرقاق باب ما یحذر من زہرۃ الدنیا

Marfat.com

۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے' حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ہمرکاب تھے' اس سفر سے واپس آنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے وفات پائی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کا جھگڑا پیدا ہو گیا' لیکن صلحائے امت کی کوشش سے بہت جلد فرو ہو گیا' اس آتش خرمن سوز کے بجھانے میں امین امت کی کوششیں بھی کسی سے کم نہ تھیں' چنانچہ انہوں نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا:

یا معشر الانصار انکم کنتم اوّل من نصر فلا تکونوا اوّل من غیر۔[2]

''اے گروہِ انصار! تم نے سب سے پہلے امداد و اعانت کا ہاتھ بڑھایا تھا' اس لیے تم ہی سب سے پہلے افتراق واختلاف کے بانی ہو جاؤ''۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خود ان کے نام کو پیش کر کے فرمایا' دیکھو یہ عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) موجود ہیں' جن کی نسبت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے' کہ اُن کی ذات سے خدا نے دین کو معزز کیا ہے' یہ دیکھو ابوعبیدہ بن الجراح (رضی اللہ عنہ) موجود ہیں' جن کو امین الامت کا خطاب عطا کیا گیا ہے' ان دونوں میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو' بیعت کر لو' لیکن ان دونوں بزرگوں نے بالاتفاق صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں اپنے استحقاق سے انکار کیا' اور بڑھ کر سب سے پہلے بیعت کر لی[2] اس کے بعد تمام مہاجرین و انصار بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے' اور فتنہ کا ابر تاریک افق اسلام سے چھٹ گیا۔

شام کی سپہ سالاری:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسند نشینی کے بعد ۱۳ھ میں ملک شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کا اہتمام کیا' حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو حمص پر' یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو دمشق پر' شرحبیل کو اردن پر' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو فلسطین پر مامور کیا' اور ہدایت کی کہ جب سب ایک جگہ مجتمع ہو جائیں' تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سپہ سالار عام ہوں گے۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جب عرب کی سرحد سے باہر نکلے' تو کثیر التعداد رومی

---

[1] یعقوبی جلد ۲ ص ۱۳۷ [2] ایضاً

Marfat.com

فوجوں کا سامنا ہوا یہ دیکھ کر انہوں نے تمام اسلامی فوجوں کو یکجا کر لیا' اور دربارِ خلافت سے مزید کمک طلب کی' چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بیدار مغزی اور حسن تدبیر کے ساتھ فصیل پھاند گئے' اور شہر میں داخل ہو کر دروازے کھول دیئے' حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اپنی فوج کے ساتھ تیار کھڑے تھے' فوراً اندر گھس گئے' عیسائیوں نے یہ رنگ دیکھا تو مصلحت اندیشی کے ساتھ اسلامی سپہ سالار اعظم سے مصالحت کر لی' اور مفتوحہ حصہ کو بھی صلح میں رکھا' اور اس پر صلح کے شرائط جاری کیے۔[1]

معرکہ فحل:

دمشق فتح کر کے اسلامی فوجیں آگے بڑھیں' اور مقامِ فحل میں خیمہ افگن ہوئیں' رومیوں کا پڑاؤ فحل کے سامنے مقام بیسان میں تھا' انہوں نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس مصالحت کا پیام بھیجا اور گفت وشنید کے لیے ایک سفیر بلایا' چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اس عہدہ پر مامور ہوئے' لیکن یہ سفارت بے نتیجہ رہی' اور رومیوں نے براہِ راست حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے گفتگو کرنے کے لیے قاصد بھیجا' جس وقت وہ پہنچا تو یہ دیکھ کر متحیر رہ گیا کہ یہاں ہر ایک ادنیٰ واعلیٰ ایک ہی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے' اور افسری اور ماتحتی کی کوئی تمیز نظر نہیں آتی' آخر اس نے گھبرا کر پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ لوگوں نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا' اس وقت وہ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے' اس نے متعجب ہو کر کہا کیا درحقیقت تم ہی سردار ہو؟ فرمایا: ''ہاں!'' قاصد نے کہا: ''تمہاری فوج کو دو اشرفیاں فی کس دیں گے' تم یہاں سے چلے جاؤ' حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے انکار فرمایا اور قاصد کے تیور دیکھ کر فوج کو تیاری کا حکم دے دیا' غرض دوسرے دن جنگ شروع ہوئی۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ایک ایک صف میں جا کر کہتے تھے:

عباد الله استوجبوا من الله النصر بالصبر فان الله مع الصابرين.

''خدا کے بندو! صبر کے ساتھ خدا سے مدد چاہو کیونکہ خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ خود قلبِ فوج میں تھے' اور دانشمندی کے ساتھ سب کو لڑا

---

[1] ابن اثیر جلد ۲ ص ۳۴۰

Marfat.com

رہے تھے' یہاں تک کہ مسلمانوں کی قلیل تعداد نے رومیوں کی پچاس ہزار باقاعدہ فوج کو شکست دے دی' اور ضلع اُردن کے تمام مقامات فرزندانِ توحید کے زیر نگین ہو گئے۔

فتح حمص:

یہاں سے چھوٹے چھوٹے مقامات فتح کرتے ہوئے حمص کی طرف بڑھے' اور محاصرہ کا سامان پھیلا دیا' اہل حمص کچھ عرصہ تک کمک کی امید پر مدافعت کرتے رہے' لیکن جب ہر طرف سے مایوسی ہوئی تو انہوں نے خود بخود شہر حوالہ کر دیا۔[1] حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے یہاں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر لاذقیہ کا رُخ کیا اور راہ میں شیرز' حماۃ' معرۃ النعمان اور دوسرے مقامات میں اسلامی جھنڈا گاڑتے ہوئے منزلِ مقصود پر دم لیا۔

لاذقیہ نہایت مستحکم مقام تھا' حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کو فتح کرنے کی ایک نئی تدبیر اختیار کی' یعنی میدان میں بہت سے پوشیدہ غار کھدوائے' اور محاصرہ اٹھا کر حمص کی طرف روانہ ہو گئے' شہر والوں نے جو مدت کی قلعہ بندی سے تنگ آ گئے تھے' اس کو تائید غیبی خیال کیا' اور اطمینان کے ساتھ شہر پناہ کا دروازہ کھول کر کاروبار میں مصروف ہو گئے لیکن حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اسی رات کو اپنے سپاہیوں کے ساتھ پلٹ کر غاروں میں چھپ رہے تھے' صبح کے وقت نکل کر دفعتہً شہر میں گھس گئے' اور آسانی کے ساتھ اسلام کا علم بلند کر دیا۔[2]

یرموک کی فیصلہ کن جنگ:

رومیوں کی مواتر ہزیمتوں نے اُن کے آتش غیظ و غضب کو بھڑا دیا اور ہرقل شہنشاہِ روم کی دعوت پر تمام اطرافِ ملک سے ٹڈی دل فوج مجتمع ہو گئی' حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو خود شامی امراء اور رؤساء نے جو باوجود مذہبی اختلاف کے ان کے اخلاق کے گرویدہ ہو گئے تھے' تمام واقعات کی اطلاع دی انہوں نے اچھی طرح سے غنیم کی تیاریوں کی تحقیقات کر کے اپنے ماتحت افسروں کو جمع کیا' اور ایک پر جوش تقریر کے بعد اس مہیب سیلاب کو روکنے کے متعلق مشورہ طلب کیا' یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میری رائے یہ ہے کہ

---

[1] ابن اثیر جلد ۲ ص ۳۸ و فتوح البلدان ص ۱۳۷ [2] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۳۸

Marfat.com

عورتوں اور بچوں کو شہر میں چھوڑ کر ہم لوگ مقابلہ کے لیے نکلیں' اس کے ساتھ خالد رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو لکھا جائے کہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مدد کو آئیں''۔ شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یزید کی رائے یقیناً مخلصانہ ہے' لیکن ہم کو اپنا ننگ و ناموس شہر کے عیسائی باشندوں کے رحم پر نہ چھوڑنا چاہیے''۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا' تم پھر سردست اس کی تدبیر یہ ہے' کہ ہم عیسائیوں کو شہر بدر کر دیں' شرحبیل رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا' اے امیر یہ صریحاً نقض عہد ہوگا تجھ کو ہرگز اس کا حق نہیں ہے' حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فوراً اپنی غلطی تسلیم کر لی' اور بالآخر بحث و مباحثہ کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ مفتوحہ ممالک چھوڑ کر تمام فوجیں دمشق میں جمع ہوں' غرض اس قرارداد کے بعد حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے عیسائیوں سے جو کچھ جزیہ یا خراج لیا تھا واپس کر دیا اور فرمایا یہ تمہاری حفاظت کا معاوضہ تھا' لیکن جب ہم سردست اس سے عاجز ہیں تو پھر ہم کو اس سے مستفید ہونے کا کوئی استحقاق نہیں ہے۔ چنانچہ کئی لاکھ رقم جو وصول ہوئی تھی سب واپس کر دی گئی' عیسائیوں پر اس قدر حق پسندی و انصاف کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے تھے' اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ ''خدا تم کو پھر واپس لائے''۔[1]

دمشق میں جب اسلامی فوجیں مجتمع ہو گئیں تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر یرموک کے میدان میں (جو جنگی ضروریات کے لحاظ سے نہایت مناسب موقع تھا) مورچہ جمایا' اسی اثناء میں اُردن سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا خط پہنچا کہ آپ کی معاودت نے اس علاقہ پر بہت برا اثر ڈالا ہے اور ہر طرف بغاوت و شورش پھیل گئی ہے' حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ ہم کو مصلحتہً پیچھے ہٹنا پڑا تاکہ تمام منتشر قوت جمع ہو جائے' بہرحال تم اپنی جگہ جمے رہو' میں عنقریب آ کر تم سے ملتا ہوں۔

مسلمانوں کے پیچھے ہٹ آنے سے رومیوں کی ہمت بڑھ گئی اور ایک عظیم الشان جمعیت کے ساتھ یرموک پہنچ کر مسلمانوں کا مقابلہ میں خیمہ زن ہوئے تاہم جو عربی تلوار کا مزہ چکھ چکے تھے وہ دل سے صلح کے متمنی تھے' سپہ سالار اعظم باہان کی بھی یہی خواہش تھی'

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۴۳، ۱۴۴

Marfat.com

غرض جارج نامی ایک رومی قاصد اسلامی لشکر گاہ میں پہنچا کہ کسی مسلمان سفیر کو ساتھ لے جائے اس وقت شام ہو چکی تھی' ذرا دیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی' مسلمانوں کے مؤثر طریقہ عبادت خشوع وخضوع اور محویت واستغراق نے اس پر عجیب وغریب کیفیت طاری کی' وہ استعجاب سے دیکھتا رہا' یہاں تک کہ جب نماز ہو چکی تو اس نے حضرت ابو عبیدہ ؓ سے سوالات کیے جن میں ایک یہ بھی تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ حضرت ابوعبیدہ ؓ نے قرآن کی یہ آیتیں پڑھیں۔

﴿ یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ کَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَا اِلٰی مَرْیَمَ ﴾ (نساء ع ۲۳)

''اے اہل کتاب! اپنے دین میں زیادہ غلو نہ کرو اور خدا کی طرف حق کے سوا غلط بات نہ منسوب کرو حقیقت میں مسیح بن مریم خدا کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اس نے ان کی طرف ڈال دیا تھا''۔

﴿ لَنْ یَّسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّکُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِکَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴾ (نساء ع ۲۳)

''مسیح بن مریم اور ملائکہ مقربین کو خدا کی بندگی میں عار نہیں ہے''۔

جارج نے ان آیتوں کا ترجمہ سنا تو بے اختیار پکار اٹھا' بے شک عیسیٰ علیہ السلام کے یہی اوصاف ہیں اور درحقیقت تمہارا پیغمبر سچا ہے' یہ کہہ کر بطیب خاطر مسلمان ہو گیا' وہ اپنی قوم میں واپس جانا نہیں چاہتا تھا' لیکن حضرت ابوعبیدہ ؓ نے اس خیال سے کہ رومیوں کو بدعہدی کا گمان نہ ہو واپس جانے پر مجبور کیا' اور فرمایا کہ کل جو سفیر یہاں سے جائے گا اس کے ساتھ چلے آنا۔[1]

غرض دوسرے روز حضرت خالد ؓ سفیر بنا کر بھیجے گئے لیکن اس سفارت کا بھی اس کے سوا کوئی نتیجہ نہ نکلا کہ دونوں فریق اور بھی زیادہ جوش وخروش کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہو گئے' کیونکہ مسلمانوں کی صرف دو شرطیں تھیں جو ہر موقع پر پیش کی جاتی تھیں اور اس میں تغیر وتبدل قطعاً ناممکن تھا' یعنی ''اسلام'' یا ''جزیہ'' دوسری طرف رومی جو اپنی

---

[1] طبری کے نزدیک جارج خالد ؓ کی کوششوں سے اسلام لایا۔

Marfat.com

شہنشاہی کے نشہ میں سرشار تھے ایسی شرائط کو سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے' بہر حال جنگ شروع ہوئی اور گو مسلمان تعداد میں صرف تیس بتیس ہزار تھے تاہم افسران فوج کی دانش مندی فن سپہ گری کی واقفیت اور خود سپاہیوں کے غیر معمولی جوش نے غنیم کے پاؤں اکھاڑ دیئے' اس جنگ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تقریباً ستر ہزار رومی کھیت رہے' مسلمان بھی کم وبیش تین ہزار شہید ہوئے' جن میں ضرار بن ازور' ہشام بن العاص ابن سعید وغیرہ رضی اللہ عنہم جیسے جنگ آزما افسر بھی تھے۔

فتح یرموک کے بعد تمام ملک شام میں مسلمانوں کے خیر مقدم کے لیے تیار حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حمص پہنچ کر حضرت خالد سیف اللہ رضی اللہ عنہ کو قنسرین روانہ کیا اور خود حلب کی طرف بڑھے' یہ دونوں مقامات آسانی کے ساتھ مفتوح ہو گئے' چند دنوں کے بعد اہل انطاکیہ نے بھی سپر ڈال دی' غرض بیت المقدس کے سوا تمام شام پر آسانی کے ساتھ قبضہ ہو گیا۔

بیت المقدس:

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ فلسطین کی مہم حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی' چنانچہ وہ بڑے بڑے شہر فتح کر کے عرصہ سے بیت المقدس کا محاصرہ کیے ہوئے تھے' حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اپنی مہم سے فرصت ہوئی تو وہ بھی اس فوج سے آ ملے' عیسائیوں نے ایک عرصہ کی قلعہ بندی سے تنگ آ کر صلح کی درخواست کی اور مزید اطمینان کے لیے یہ شرط لگائی کہ امیر المومنین خود یہاں آ کر اپنے ہاتھ سے معاہدۂ صلح لکھیں۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر اس شرط سے مطلع کیا اور ملک شام تشریف لانے کی دعوت دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ سے روانہ ہو کر مقام جابیہ پہنچے' حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ماتحت افسروں کے ساتھ ان کا استقبال کیا' بیت المقدس کے نمائندے بھی یہیں پہنچے اور معاہدۂ صلح ترتیب پانے کے بعد اس مقدس شہر پر قبضہ ہو گیا۔[1]

رومیوں کی آخری کوشش:

شام جیسے سرسبز و شاداب ملک کا ہاتھ سے نکل جانا رومیوں کے لیے سخت سوہان روح تھا' انہوں نے جزیرہ اور آرمینیہ والوں کی امداد سے ایک مرتبہ پھر قسمت آزمائی کی

[1] فتوح البلدان ص ۱۴۵

Marfat.com

اور ایک عظیم الشان جمعیت کے ساتھ حمص کی طرف بڑھے۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ادھر سے فوجیں جمع کیں اور دربارِ خلافت کو تمام واقعات سے مطلع کیا' چنانچہ امیر المومنین کے حکم سے عراق سے ایک بہت بڑی کمک پہنچ گئی اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اس عظیم الشان قوت کے ساتھ رومی سیلاب کو روکنے کے لیے آگے بڑھے۔ میدانِ جنگ میں پہنچ کر باقاعدہ صف آرائی کی اور ایک پر جوش و مؤثر تقریر کے بعد فرمایا: ''مسلمانو! آج جو ثابت قدم رہ گیا اور اگر زندہ بچا تو ملک و مال ہاتھ آئے گا اور مارا گیا تو شہادت کی دولت ملے گی' میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو شخص مرے اور مشرک ہو کر نہ مرے وہ ضرور جنت میں جائے گا''۔ اس زمانہ میں اسلام کا ہر ایک فرزند جوش ملی اور غیرت دینی کا مجسم پتلا تھا' اس تقریر نے اور بھی گرما دیا' غرض مجاہدین نے اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کے پاؤں اکھڑے گئے اور مرج الدیباج تک بھاگتے چلے گئے' اس طرح رومیوں کی آخری کوشش بھی ناکام رہی اور پھر انہیں کبھی پیش قدمی کا حوصلہ نہ ہوا۔

امارت:

حضرت خالد سیف اللہ رضی اللہ عنہ دمشق کے امیر یا والی مقرر ہوئے تھے' لیکن ۱۷ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر کے یہ عہدہ بھی حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو تفویض کر دیا' حضرت خالد رضی اللہ عنہ دمشق سے روانہ ہونے لگے تو انہوں نے لوگوں سے کہا ''تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ امین امت تمہارا والی ہے''۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں کہا: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ''خالد رضی اللہ عنہ خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے'' غرض اس لطف و محبت کے ساتھ امارت یا ولایت کا چارج لینے کے بعد ملکی انتظامات میں مصروف ہوئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انتظامی حیثیت سے ملک شام میں جو مختلف اصلاحیں جاری کیں' ان میں سے اکثر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے عمل میں آئیں' ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو نہایت سرگرمی کے ساتھ شام سے چار ہزار اونٹ غلے سے لدے

Marfat.com

ہوئے بھیجے[1] اشاعتِ اسلام کا بھی ان کو خاص خیال تھا' چنانچہ قبیلہ تنوخ' بنو سلیح اور عرب کے دوسرے بہت سے قبائل جو مدت سے شام میں آباد ہو گئے تھے اور عیسائی مذہب کے پیرو تھے' صرف ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی کوشش سے حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے' بعض شامی اور رومی عیسائی بھی ان کے اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام لائے۔

طاعون عمواس:

۱۸ھ میں تمام ممالک مفتوحہ میں نہایت شدت کے ساتھ طاعون کی وبا پھیلی خصوصاً شام میں اس نے بہت نقصان پہنچایا' یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود تدبیر و انتظام کے لیے دارالخلافہ چھوڑ کر مقام سرغ پہنچے' حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے سرداروں نے نے یہاں استقبال کیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شدت کی کیفیت سن کر پہلے مہاجرین اور پھر انصار سے مشورہ طلب کیا' سب نے مختلف رائیں دیں' اس کے بعد مہاجرین فتح سے جو عموماً قریش کے بوڑھے تجربہ کار لوگ تھے مشورہ چاہا' انہوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ سردست یہاں سے لوگوں کا منتقل ہو جانا مناسب ہوگا' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منادی کرا دی کہ میں کل صبح واپس جاؤں گا' سب ساتھ چلیں' چونکہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نہایت شدت کے ساتھ تقدیر کے قائل تھے' اس لیے ان کو یہ حکم ناگوار ہوا اور آزاری کے ساتھ کہا "افرارا من قدر اللہ" یعنی تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہو' حضرت عمر رضی اللہ عنہ عموماً حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی رائے سے اختلاف ظاہر کرنا ناپسند کرتے تھے' اس لیے انہوں نے کہا: "کاش! تمہارے سوا کوئی دوسرا یہ جملہ کہتا' ہاں تقدیر الٰہی سے بھاگتا ہوں لیکن تقدیر الٰہی کی طرف"۔[2]

غرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ واپس آئے اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر بلایا کہ کچھ دنوں کے لیے یہاں چلے آؤ' تم سے کچھ کام ہے' حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اس طلبی کا مقصد سمجھ گئے اور لکھا کہ جو مقصد ہے وہ ہوگا۔ میں مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے

---

1. طبری ص ۲۵۷۷۔ 2. مسلم باب الطاعون

Marfat.com

لیے یہاں سے ٹل نہیں سکتا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ کسی طرح ٹلنے کا نام نہیں لیتے تو پھر بتا کید لکھا کہ فوج کو لے کر کسی بلند اور صحت بخش مقام کی طرف چلے جاؤ' اس وقت جہاں پڑاؤ ہے وہ نہایت نشیبی اور مرطوب جگہ ہے' حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے انتخاب پر جابیہ اٹھ گئے۔[1]

جابیہ پہنچ کر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ طاعون میں مبتلا ہوئے' جب مرض کی زیادہ شدت ہوئی' تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جوان کے اسلامی بھائی تھے اپنا جانشین کیا اور لوگوں کو جمع کر کے ایک نہایت مؤثر تقریر کی' آخر میں فرمایا: "صاحبو! یہ مرض خدا کی رحمت اور تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ہے' پہلے بہت سے صلحائے روزگار اس میں جاں بحق ہو گئے ہیں' اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے خدا سے اس سعادت میں حصہ پانے کا متمنی ہے"۔[2]

نماز کا وقت آیا تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے جانشین کو نماز پڑھانے کا حکم دیا' ادھر نماز ختم ہوئی اور ادھر راضی برضائے الٰہی یعنی ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ امین الامت نے داعی حق کو لبیک کہا' حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ نے تجہیز و تکفین کا سامان کیا اور حاضرین کے سامنے ایک مؤثر پر درد تقریر کے بعد کہا "صاحبو! آج تم سے ایک شخص ایسا اٹھ گیا کہ خدا کی قسم میں نے اس سے زیادہ صاف دل' بے کینہ' سیر چشم' عاقبت اندیش' باحیا اور خیر خواہِ خلق کبھی نہیں دیکھا' پس خدا سے اس کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا کرو"۔[3]

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اٹھاون برس کی عمر پائی اور اس قلیل عرصہ میں اپنے حیرت انگیز کارناموں کا منظر دکھا کر ۱۸ھ میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

اخلاق وعادات:

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے صحیفہ اخلاق میں خدا ترسی' اتباع سنت' تقویٰ' زہد' تواضع' مساوات اور ترحم کے ابواب نہایت روشن ہیں۔

---

[1] فتح الباری جلد ۱۰ ص ۱۵۹ [2] مسند جلد ۱ ص ۱۹۶۔ [3] اصابہ جلد ۴ ص ۱۲

Marfat.com

خوفِ خدا کا یہ حال تھا کہ محض معمولی واقعات ان کے لیے سرمایہ عبرت بن جاتے اور اکثر خدا کی ہیبت و جلال کو یاد کر کے چشم پرنم ہو جاتے تھے' ایک دفعہ ایک شخص ان کے گھر آیا دیکھا تو زار و قطار رو رہے ہیں' اس نے متعجب ہو کر پوچھا "ابو عبیدہ (رضی اللہ عنہ) خیر ہے؟ یہ رونا دھونا کیسا؟" کہنے لگے "ایک روز رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے آیندہ فتوحات اور تمول کا ذکر کرتے ہوئے شام کا تذکرہ فرمایا اور کہا' ابو عبیدہ! اگر اس وقت تک تمہاری عمر وفا کرے تو تمہارے لیے صرف تین خادم کافی ہوں گے' ایک خاص تمہاری ذات کے لیے' ایک تمہارے اہل و عیال کے لیے اور ایک سفر میں ساتھ جانے کے لیے' اسی طرح سواری کے تین جانور کافی ہیں' ایک تمہارے لیے' ایک غلام کے لیے اور ایک اسباب و سامان کے لیے' لیکن اب دیکھتا ہوں تو میرا گھر غلاموں سے اور اصطبل کے گھوڑوں سے بھرا ہوا ہے' آہ! میں رسول اللہ ﷺ کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ شخص میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوگا جو اسی حال میں ملے گا جس حال میں میں اسے چھوڑ جاؤں گا"[1]

ہادی دین ﷺ کی اطاعت محبت اور خدمت گذاری میں امین امت سے زیادہ کون پیش پیش رہتا؟ واقعہ بدر میں باپ کو قتل کیا' رسول برحق ﷺ کی راحت رسانی کے لیے دو دانت شہید کیے۔ غزوۂ ذات السلاسل میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے اختلاف ہوا تو صرف اس لیے طوق اطاعت گلے میں ڈال لیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اتفاق باہمی کی ہدایت کی تھی اور فرمایا کہ میں تمہاری اطاعت نہیں کرتا بلکہ فرمانِ رسول اللہ ﷺ پر گردن جھکاتا ہوں۔[2]

امین امت رضی اللہ عنہ کا آخری لمحہ حیات بھی اطاعتِ رسول میں گذرا' شام میں طاعون کی شدت ہوئی تو بڑے بڑے ثابت قدم بزرگوں کے پاؤں ڈگمگا گئے' لیکن انہوں نے صرف اس وجہ سے ٹلنے کا نام نہ لیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے بھاگنے کی ممانعت کی تھی' حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ زہد و بے نیازی کے بادشاہ تھے' ان کی نظر میں دنیا اور اس کی

---

[1] مسند جلد ۱ ص ۱۹۶ [2] مسند جلد ۱ ص ۱۹۶

Marfat.com

نعمتیں ایک حقیر ذرہ سے بھی زیادہ بے وقعت تھیں' شام کی آب و ہوا نے بڑے بڑے صحابہ کے طرزِ معاشرت کو بدل دیا تھا' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سفر شام کے موقع پر افسروں کو پر تکلف قبائیں' اور زرق برق پوشاک پہنے دیکھا تو اس قدر غصہ ہوئے کہ گھوڑے سے اتر پڑے اور سنگریزے اٹھا کر ان کی طرف پھینکنے لگے کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادتیں اختیار کر لیں' لیکن حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ جس حال میں ملے وہ وہی عرب کی سادگی تھی' بدن پر سادہ کپڑے اور سواری میں اونٹنی جس کی نکیل بھی معمولی رسی کی تھی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے قیام گاہ پر تشریف لائے تو وہاں اس سے بھی زیادہ سادگی تھی' یعنی ڈھال' تلوار اور اونٹ کے کجاوہ کے سوا کوئی سامانِ راحت نہ تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ابو عبیدہ! کاش تم ضروری سامان تو فراہم کر لیتے'' اس بے نیازِ عالم نے جواب دیا ''امیر المومنین! ہمارے لیے بس یہی ہے''۔[1]

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس چار سو دینار اور چار ہزار درہم بطور انعام بھیجے' انہوں نے تمام رقم فوج میں تقسیم کر دی اور اپنے لیے ایک حبہ بھی نہ رکھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا ''الحمد للہ! کہ اسلام میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں''۔[2]

امین امت رضی اللہ عنہ کی خاکساری اور تواضع کا اس سے اندازہ ہوگا کہ انہوں نے باوجود سپہ سالار اعظم ہونے کے جاہ و حشم سے کبھی سروکار نہ رکھا' رومی سفراء جب کبھی اسلامی لشکر گاہ میں آئے تو انہیں ہمیشہ سردارِ فوج کی شناخت میں دقت پیش آئی' ایک دفعہ ایک رومی قاصد آیا' وہ یہ دیکھ کر متحیر ہو گیا کہ یہاں سب ایک ہی رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں' بالآخر اس نے گھبرا کر پوچھا تھا..... سردار کون ہے؟ لوگوں نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا' دیکھا تو ایک نہایت معمولی وضع قطع کا عرب فرش خاک پر بیٹھا ہے۔

مساواتِ اسلامی کا حد درجہ خیال تھا' ان کے لشکر گاہ میں ایک معمولی مسلمان سپاہی کو بھی وہی عزت حاصل تھی جو ایک بڑے سے بڑے سردار کو ہو سکتی ہے' ایک دفعہ ایک مسلمان نے غنیم کے ایک سپاہی کو پناہ دی' حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن

---

[1] اصابہ جلد ۴ ص ۱۲۔ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جز و ثالث ص ۳۰۱۔

Marfat.com

العاص ؓ نے اس کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا' لیکن سپہ سالارِ اعظم حضرت ابوعبیدہ بن الجراح ؓ نے فرمایا "ہم اس کو پناہ دیتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک مسلمان سب کی طرف سے پناہ دے سکتا ہے" [1]

حضرت ابوعبیدہ ؓ کا خلق وترحم خلق اللہ کے لیے عام تھا' شام میں ان کی شفقت اور رعایا پروری نے عیسائیوں کو بھی مرہون منت بنا رکھا تھا' وہاں عیسائیوں کو نماز کے وقت ناقوس بجانے کی اور عام گذرگاہوں میں صلیب نکالنے کی سخت ممانعت تھی' لیکن انہوں نے عرضی پیش کی کہ کم سے کم سال میں ایک دفعہ عید کے روز صلیب نکالنے کی اجازت دی جائے' حضرت ابوعبیدہ ؓ نے خوشی کے ساتھ یہ درخواست منظور کر لی' اس رواداری کا یہ اثر ہوا کہ شامی خود اپنے ہم مذہب رومیوں کے دشمن ہو گئے اور خوشی کے ساتھ جاسوسی اور خبر رسانی کے فرائض انجام دینے لگے۔

حضرت ابوعبیدہ ؓ کی خانگی زندگی کے حالات نامعلوم ہیں تاہم اس قدر یقینی ہے کہ جذبہ انقطاع الی اللہ نے بیوی بچوں سے غیر معمولی شغف پیدا ہونے نہ دیا۔

حلیہ:

حلیہ یہ تھا' قد لمبا' جسم نحیف ولاغر' چہرہ کم گوشت' سامنے کے دو دانت خدمت رسول ﷺ میں قربان ہو گئے تھے' ڈاڑھی گھنی نہ تھی' اور بعض روایات کے مطابق خضاب استعمال کرتے تھے۔

اولاد وازواج:

حضرت ابوعبیدہ ؓ کی صرف دو بیویوں سے اولاد ہوئی' ہند بنت جابر سے یزید اور ورجا سے عمیر پیدا ہوئے' لیکن دونوں لاولد فوت ہوئے۔

---

[1] مسند جلد ۱ ص ۱۹۵۔

Marfat.com

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ

نام نسب' خاندان:

سعید نام' ابوالاعور کنیت' والد کا نام زید اور والدہ کا نام فاطمہ بنت بعجہ تھا' سلسلہ نسب یہ ہے' سعید بن زید بن عمرو بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن زراح ابن عدی بن کعب بن لوی القرشی العدوی۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب کعب بن لوی پر آنحضرت ﷺ سے اور نفیل پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مل جاتا ہے' حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے والد زید اُن سعادت مند بزرگوں میں تھے جن کی آنکھوں نے اسلام سے پہلے ہی کفر و شرک کے ظلمت کدہ میں توحید کا جلوہ دیکھا تھا اور ہر قسم کے فسق و فجور یہاں تک کہ مشرکین کے ذبیحہ سے بھی محترز رہے تھے' چنانچہ ایک دفعہ ان سے اور آنحضرت ﷺ سے قبل بعثت وادیٔ بلدح[1] میں ملاقات ہوئی۔ آنحضرت ﷺ کے سامنے کھانا پیش کیا گیا تو آپ نے انکار فرمایا' پھر انہوں نے بھی انکار کیا اور کہا: ''میں تمہارے بتوں کا چڑھایا ہوا ذبیحہ نہیں کھاتا''۔[2]

زید کا دل کفر و شرک سے متنفر ہوا تو جستجوئے حق میں دور دراز ممالک کی خاک چھانی' اور شام پہنچ کر ایک یہودی عالم سے مقصود کی رہبری چاہی' اس نے کہا اگر خدا کے غضب میں حصہ لینا ہے تو ہمارا مذہب حاضر ہے' زید نے کہا: ''میں اسی سے بھاگا ہوں' پھر اس میں گرفتار نہیں ہو سکتا' البتہ کوئی دوسرا مذہب بتا سکتے ہو تو بتاؤ' اس نے دین حنیف کا پتہ دیا' انہوں نے پوچھا: ''دین حنیف کیا ہے؟'' بولا: ''دین حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب ہے جو نہ یہودی تھے نہ عیسائی بلکہ صرف خدائے واحد کی پرستش کرتے تھے''۔ یہاں سے بڑھے تو ایک عیسائی عالم سے چارہ خواہ ہوئے' اس نے کہا: ''اگر خدا کی لعنت کا

---

[1] تنعیم کی راہ میں ایک مقام کا نام تھا۔ فتح الباری جلد ۷ ص ۱۸۰ [2] بخاری باب حدیث زید

Marfat.com

طوق چاہتے ہو تو ہمارا مذہب موجود ہے''۔ زید نے کہا: ''خدارا کوئی ایسا مذہب بتاؤ جس میں نہ خدا کا غضب ہو نہ لعنت' میں ان دونوں سے بھاگتا ہوں'' بولا میرے خیال میں ایسا مذہب صرف دین حنیف ہے' غرض جب ہر جگہ سے دین ابراہیم (علیہ السلام) کا پتہ ملا تو شام سے واپس ہوئے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا: ''خدایا! تجھے گواہ بناتا ہوں کہ اب میں دین حنیف کا پیرو ہوں''۔[1]

زید کو اس کفرستان میں اپنے موحد ہونے کا نہایت فخر تھا' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے ایک دفعہ زید کو دیکھا کہ کعبہ سے پشت ٹیک کر کہہ رہے تھے: ''اے گروہِ قریش! خدا کی قسم میرے سوا تم میں کوئی بھی دین ابراہیم (علیہ السلام) پر قائم نہیں ہے''۔[2]

ایام جاہلیت میں اہل عرب عموماً اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے' لیکن خدائے واحد کے اس تنہا پرستار کو ان معصوم ہستیوں کے بچانے میں خاص لطف حاصل ہوتا تھا' اور جب کوئی ظالم باپ اپنی بے گناہ بچی کے حلق پر چھری پھیرنا چاہتا تو اس کی کفالت اپنے ذمہ لے لیتے اور جب جوان ہو جاتی تو اس کے باپ سے کہتے: ''جی چاہے لے لو یا میری ہی کفالت میں رہنے دو''۔[3]

اسلام:

جب رسول اللہ ﷺ نے دین حنیف کو زیادہ مکمل صورت میں دوبارہ دنیا کے سامنے پیش کیا اور دعوتِ توحید شروع کی تو گو اس وقت اس کے سچے شیدائی زید صفحہ ہستی پر موجود نہ تھے تاہم ان کے فرزند سعید رضی اللہ عنہ کے لیے یہ آواز بالکل مانوس تھی' انہوں نے جوش کے ساتھ لبیک کہا اور اپنی نیک بخت بیوی کے ساتھ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن تھیں لیکن وہ خود اس وقت تک اسلام کی حقیقت سے ناآشنا تھے' بہن اور بہنوئی کی تبدیل

---

[1] بخاری باب حدیث زید میں مفصل قصہ مذکور ہے۔ [2] ایضاً [3] ایضاً

Marfat.com

مذہب کا حال سن کر نہایت برافروختہ ہوئے' اور دونوں میاں بیوی کو اس قدر مارا کہ لہولہان ہو گئے[1] لیکن یہاں کچھ ایسی وارفتگی تھی کہ اس تمام زدوکوب کا صرف یہی ایک جواب تھا۔

من ز جاناں گرچہ صد اندوہ جان خواہم کشید   تا نہ پنداری کہ خود را برکراں خواہم کشید

یہاں تک کہ ان بزرگوں کی اسی استقامت واستقلال نے خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اسلام کی حقانیت کا جلوہ دکھا دیا' اور بالآخر عمر بن الخطاب سے فاروقِ اعظم بنا دیا۔

ہجرت اور غزوات:

حضرت سعید رضی اللہ عنہ مہاجرین اوّلین کے ساتھ مدینہ پہنچے اور حضرت رفاعہ بن عبدالمنذر انصاری رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے کچھ دنوں کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں اور حضرت رافع بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ میں بھائی چارہ کرا دیا۔[2]

۲ھ میں قریش مکہ کا وہ مشہور قافلہ جس کی وجہ سے جنگ بدر پیش آئی ملک شام سے آ رہا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اس تجسس پر مامور فرمایا' یہ دونوں حدودِ شام میں تجبار پہنچ کر کشد جہنی کے مہمان ہوئے اور جب قافلہ وہاں سے آگے بڑھا تو نظر بچا کر تیزی کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری کیفیت سے مطلع کریں' لیکن قافلہ نے کچھ سن گن پا کر ساحلی راستہ اختیار کیا' اور کفارِ قریش کی ایک بڑی جمعیت کے جو اس کی مدد کے لیے آئی تھی' اور پرستارانِ حق کے درمیان بدر کے میدان میں وہ مشہور معرکہ پیش آیا جس نے اسلام کو ہمیشہ کے لیے سر بلند کر دیا۔

غرض جس وقت حضرت سعید رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے اس وقت غازیانِ دین فاتحانہ سرور وانبساط کے ساتھ میدانِ جنگ سے واپس آ رہے تھے' چونکہ یہ بھی ایک خدمت پر مامور تھے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بدر کے مالِ غنیمت میں حصہ رحمت فرمایا اور

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جز ۳ص ۱۹۲۔ [2] طبقات ابن سعد حصہ بدریین ترجمہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ

Marfat.com

جہاد کے ثواب سے بھی بہرہ ور ہونے کی بشارت دی۔[1]

حضرت سعید رضی اللہ عنہ جنگ بدر کے سوا تمام غزوات میں مردانگی وشجاعت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمرکاب رہے' لیکن افسوس ہے کہ کسی غزوہ کے متعلق کوئی تفصیلی واقعہ نہیں ملتا۔

عہد فاروقی میں جب شام پر باقاعدہ فوج کشی ہوئی تو حضرت سعید رضی اللہ عنہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت پیدل فوج کی افسری پر متعین ہوئے' دمشق کا محاصرہ اور یرموک کی فیصلہ کن جنگ میں نمایاں شجاعت و جانبازی کے ساتھ شریک کارزار تھے' اثنائے جنگ میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کو دمشق کی گورنری پر مامور کیا' لیکن شوق جہاد نے اس سے بیزار کر دیا' حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ میں ایسا ایثار نہیں کر سکتا کہ آپ لوگ جہاد کریں اور میں اس سے محروم رہوں اس لیے خط پہنچنے کے ساتھ ہی کسی کو میری جگہ بھیج دیجئے۔ میں عنقریب آپ کے پاس پہنچتا ہوں۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے مجبور ہو کر حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو دمشق پر متعین کیا اور حضرت سعید رضی اللہ عنہ پھر میدانِ رزم میں پہنچ گئے۔

وفات:

فتح شام کے بعد حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی تمام زندگی نہایت سکون و خاموشی سے بسر ہوئی' یہاں تک کہ ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں ستر برس تک اس سرائے فانی میں رہ کر رحلت گزین عالم جاوداں ہوئے چونکہ نواحِ مدینہ میں بمقام عقیق آپ کا مستقل مسکن تھا' اس لیے وہیں وفات پائی جمعہ کا دن تھا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نمازِ جمعہ کی تیاری کر رہے تھے کہ وفات کی خبر سنی' اسی وقت عقیق کی طرف روانہ ہو گئے' حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ نے غسل دیا' حضرت عبداللہ بن عمر بن عمر رضی اللہ عنہما نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور مدینہ لا کر سپردِ خاک کیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔[2]

---

1. طبقات ابن سعد تذکرہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ 2. ایضاً حصہ بدر میں تذکرہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ
3. طبقات ابن سعد حصہ بدریین تذکرہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ

Marfat.com

ذاتی حالات اور اخلاق و عادات:

حضرت سعید رضی اللہ عنہ کا دل دنیاوی جاہ و حشمت سے مستغنی تھا' صرف مقام عقیق کی جاگیر پر گذر اوقات تھی' آخر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عراق میں بھی ایک جاگیر دی تھی۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں اروی نام ایک عورت نے جس کی زمین ان کی جاگیر سے ملی ہوئی تھی' مدینہ کے عامل مروان بن حکم کے دربار میں شکایت کی کہ انہوں نے اس کی کچھ زمین دبالی ہے' مروان نے تحقیقات کے لیے دو آدمی متعین کیے' حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''جو اپنے مال کے آگے قتل ہو وہ شہید ہے''۔ پھر مروان سے کہا: ''کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں نے اس کے ساتھ ظلم کیا ہے؟'' حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ''اگر کوئی شخص کسی کی ایک بالشت زمین بھی ظلم وزبردستی سے لے گا تو ویسی ویسی سات زمینیں قیامت میں اس کے گلے کا ہار ہوں گی''۔ مروان نے قسم کھانے کو کہا تو یہ اپنی زمین سے باز آ گئے اور اس عورت کے حق میں بددعا کے طور پر فرمایا: ''اے خدا! اگر یہ جھوٹی ہے تو اندھی ہو کر مرے اور اس کے گھر کا کنواں خود اس کے لیے قبر بنے''۔ خدا کی قدرت بددعا کا تیر ٹھیک نشانہ پر لگا' وہ عورت بہت جلد بصارت کی نعمت سے محروم ہوگئی اور ایک روز گھر کے کنویں میں گر کر راہی عدم ہوئی' چنانچہ یہ واقعہ اہل مدینہ کے لیے ضرب المثل ہو گیا' اور وہ عموماً یہ بددعا دینے لگے۔ اعماك الله كما اعمى اروى.

حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے سامنے بہت سے انقلابات برپا ہوئے' بیسیوں خانہ جنگیاں پیش آئیں اور گو وہ اپنے زہد و اتقاء کے باعث ان جھگڑوں سے ہمیشہ کنارہ کش رہے تاہم جس کی نسبت جو رائے رکھتے تھے اس کو آزادی کے ساتھ ظاہر کرنے میں تامل نہیں کرتے تھے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو وہ عموماً کوفہ کی مسجد میں فرمایا کرتے تھے'' تم لوگوں نے عثمان (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ جو سلوک کیا' اس سے اگر کوہ احد متزلزل ہو جائے تو کچھ

---

1. استیعاب جلد ۲ ص ۵۵۴

Marfat.com

عجب نہیں''۔[1]

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے' ایک روز وہ جامع مسجد میں عوام کے ایک حلقہ میں بیٹھے تھے کہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو انہوں نے نہایت تعظیم وتکریم کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور اپنے پاس بٹھایا' اسی اثناء میں ایک دوسرا آدمی اندر آیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں نا ملائم کلمات استعمال کرنے لگا' حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہو سکا بولے: ''مغیرہ! لوگ تمہارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثاروں کو گالیاں دیتے ہیں اور تم منع نہیں کرتے' اس کے بعد اصحاب عشرہ رضی اللہ عنہم سے آٹھ آدمیوں کا نام لے کر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی ہے اور اگر چاہو تو میں نویں آدمی کا نام بھی لے سکتا ہوں' لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا نواں میں ہوں''۔[2]

حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے حالات کتب میں بہت کم ہیں تاہم وہ بالاتفاق ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تھے جو آسمانِ اسلام کے مہر و ماہ ہیں' وہ لڑائیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے رہتے تھے اور نماز میں پیچھے۔[3]

حلیہ یہ تھا قد لمبا' بال بڑے بڑے اور گھنے۔

اہل وعیال:

حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کی تھیں' بیویوں کے نام یہ ہیں' فاطمہ (ام الجمیل) جلیسہ بن سوید' امامہ بنت الدجیج' حزمہ بنت قیس' ام الاسود' ضخ بنت الاصبغ بنت قربہ' ام خالد' ام بشیر بنت ابی مسعود انصاری۔

ان بیویوں نیز لونڈیوں کے بطن سے زیادہ کثرت کے ساتھ اولاد ہوئی' لیکن ان

---

[1] بخاری باب بنیان الکعبہ باب اسلام سعید بن زید رضی اللہ عنہ [2] مسند جلد ۱ ص ۱۸۷

[3] اسد الغابہ ترجمہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ

Marfat.com

سے اکثر لا ولد ہوئی، جن لڑکیوں اور لڑکوں کے معلوم ہو سکے، وہ علیحدہ علیحدہ درج ذیل ہیں:

لڑکے:

عبدالرحمٰن اکبر، عبدالرحمٰن اصغر، عبداللہ اکبر، عبداللہ اصغر، عمر اکبر، عمر اصغر، محمد، اسود، زید، طلحہ، خالد، ابراہیم اکبر، ابراہیم اصغر۔

لڑکیاں:

عاتکہ، ام موسیٰ، ام الحسن، ام سلمیٰ، ام حبیب کبریٰ، ام حبیب صغریٰ، ام زید کبریٰ، ام زید صغریٰ، ام سعید، ام سلمہ، حفصہ، ام خالد، عائشہ، زینب، ام عبدالحولا، ام صالح۔[1]

[1] طبقات ابن سعد جزو ثالث سے ازواج و اولاد کی تمام تفصیل ماخوذ ہے۔

Marfat.com

سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

نام نسب:

حمزہ نام' ابو یعلی اور ابو عمارہ کنیت' اسد اللہ لقب' آنحضرت ﷺ کے حقیقی چچا تھے' ماں کی طرف سے یہ تعلق تھا کہ ان کی والدہ ہالہ بنت وہیب سرورِ کائنات ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کی چچا زاد بہن تھیں' پورا سلسلہ نسب یہ ہے حمزہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی۔

اس نسبی تعلق کے علاوہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے' یعنی ابولہب کی لونڈی حضرت ثویبہ نے دونوں کو دودھ پلایا تھا' سن میں حضور انور ﷺ سے دو برس بڑے تھے' شمشیر زنی' تیر اندازی اور پہلوانی کا بچپن ہی سے شوق تھا' سیر و شکار سے بھی غیر معمولی دلچسپی تھی چنانچہ زندگی کا بڑا حصہ اسی مشغلہ میں بسر ہوا۔

اسلام:

دعوتِ توحید کی صدا گو ایک عرصہ سے مکہ کی گھاٹیوں میں گونج رہی تھی' تاہم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جیسے سپاہی منش کو ان باتوں سے کیا تعلق؟ انہیں صحرا نوردی اور سیر و شکار سے کب فرصت تھی جو شرک و توحید کی حقانیت پر غور کرتے لیکن خدا نے عجیب طرح سے ان کی رہنمائی کی' ایک روز حسب معمول شکار سے واپس آ رہے تھے' کوہِ صفا کے پاس پہنچے تو ایک لونڈی نے کہا: ''ابو عمارہ! کاش تھوڑی دیر پہلے تم اپنے بھتیجے محمد (ﷺ) کا حال دیکھتے' وہ خانہ کعبہ میں اپنے مذہب کا وعظ کہہ رہے تھے کہ ابو جہل نے نہایت سخت گالیاں دیں اور بہت بری طرح ستایا' لیکن محمد (ﷺ) نے کچھ جواب نہ دیا اور بے بسی کے ساتھ لوٹ گئے' یہ سنتا تھا کہ رگِ حمیت میں جوش آ گیا' تیزی کے ساتھ خانہ کعبہ کی طرف بڑھے' ان کا قاعدہ تھا کہ شکار سے واپس آتے ہوئے کوئی راہ میں مل جاتا تو کھڑے ہو کر ضرور

Marfat.com

اس سے دو دو باتیں کر لیتے تھے' لیکن اس وقت جوشِ انتقام نے مغضوب الغضب کر دیا تھا' کسی طرف متوجہ نہ ہوئے اور سیدھے خانہ کعبہ پہنچ کر ابوجہل کے سر پر زور سے اپنی کمان دے ماری جس سے وہ زخمی ہو گیا' یہ دیکھ کر بنی مخزوم کے چند آدمی ابوجہل کی مدد کے لیے دوڑے اور بولے ''حمزہ شاید تم بھی بد دین ہو گئے''۔ فرمایا: ''جب اس کی حقانیت مجھ پر ظاہر ہو گئی تو کون چیز اس سے باز رکھ سکتی ہے[1]؟ ہاں! میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ خدا کے رسول ہیں' اور جو کچھ وہ کہتے ہیں سب حق ہے' خدا کی قسم اب میں اس سے پھر نہیں سکتا' اگر تم سچے ہو تو مجھے روک کر دیکھ لو''۔ ابوجہل نے کہا ابو عمارہ کو چھوڑ دو' خدا کی قسم میں نے ابھی اس کے بھتیجے کو سخت گالیاں دی ہیں۔

یہ اسلام کا وہ زمانہ تھا کہ آنحضرت ﷺ ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں پناہ گزین تھے' اور مومنین کا حلقہ صرف چند کمزور ناتواں ہستیوں پر محدود تھا' لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اضافہ سے دفعۃً حالت بدل گئی اور کفار کی مطلق العنان دست درازیوں اور ایذا رسانیوں کا سدباب ہو گیا' کیونکہ ان کی شجاعت وجانبازی کا تمام مکہ لوہا مانتا تھا۔[2]

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آستانۂ نبوی ﷺ پر دستک دی' چونکہ شمشیر بکف تھے' اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تردد ہوا لیکن اس شیر خدا نے کہا ''کچھ مضائقہ نہیں' آنے دو' اگر مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ورنہ اس کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا''۔ غرض وہ اندر داخل ہوئے اور کلمہ توحید ان کی زبان پر تھا اور مسلمان جوشِ مسرت سے اللہ اکبر کے نعرے بلند کر رہے تھے۔[3]

مواخات:

مکہ کی مواخات میں حضرت خیر الانام ﷺ کے محبوب غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلامی بھائی قرار پائے' ان کو حضرت زید رضی اللہ عنہ سے اس قدر

1۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۹۳ 2۔ اسد الغابہ تذکرۂ حمزہ رضی اللہ عنہ

3۔ طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ۳ ص ۹۲

Marfat.com

محبت ہو گئی تھی کہ جب غزوات میں تشریف لے جاتے تو ان ہی کو ہر قسم کی وصیت کر جاتے تھے۔[1]

ہجرت:

بعثت کے تیرہویں سال تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے' جہاں ان کو زور بازو اور خداداد شجاعت کے جوہر دکھانے کا نہایت اچھا موقع ہاتھ آیا' چنانچہ پہلا اسلامی پھریرا ان ہی کو عنایت ہوا' اور تین آدمیوں کے ساتھ ساحلی علاقہ کی طرف روانہ کیے گئے کہ قریشی قافلوں کے سدراہ ہوں' غرض وہاں پہنچ کر ابو جہل کے قافلہ سے جس میں تین سو سوار تھے مڈبھیڑ ہوئی اور طرفین نے جنگ کے لیے صف بندی کی' لیکن مجدی بن عمرو الجہنی نے بیچ بچاؤ کر کے لڑائی روک دی اور حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ بغیر کشت وخون واپس آئے۔[2]

غزوات:

اسی سال ماہ صفر میں خود حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلی دفعہ تقریباً ساٹھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ قریش مکہ کی نقل وحرکت میں سدراہ ہونے کے لیے ابوا پر فوج کشی فرمائی' حضرہ حمزہ رضی اللہ عنہ علمبردار تھے اور تمام فوج کی کمان ان کے ہاتھ میں تھی' لیکن قریش کا قافلہ آگے بڑھ چکا تھا' اس لیے جنگ وجدل کا موقع پیش نہ آیا تاہم اس مہم کا سب سے زیادہ نتیجہ خیز اثر یہ تھا کہ بنوخمرہ سے ایک دوستانہ معاہدہ طے پا گیا۔[3]

اسی طرح ۲ھ میں غزوۂ عشیرہ پیش آیا' اس میں بھی علمبرداری کا طرۂ افتخاری حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے دستار فضل وکمال پر آویزاں تھا' لیکن اس دفعہ بھی کوئی جنگ واقع نہ ہوئی اور صرف بنومدلج سے امداد باہمی کا ایک عہد نامہ طے پایا۔[4]

غزوۂ بدر:

اسی سال بدر کا مشہور معرکہ پیش آیا' صف آرائی کے بعد عتبہ' شیبہ' اور ولید نے

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث
[2] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص۲
[3] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص۳
[4] ایضاً ص۴

Marfat.com

کفار کی طرف سے نکل کر مبارز طلبی کی تو غازیانِ دین میں سے چند انصاری نوجوان مقابلہ کے لیے آگے بڑھے لیکن عتبہ نے پکار کر کہا محمد (ﷺ)! ہم ناجنسوں سے نہیں لڑ سکتے ہمارے مقابل والوں کو بھیجو"۔ ارشاد ہوا: "حمزہ، علی، عبیدہ (رضی اللہ عنہم)! اٹھو اور آگے بڑھو" حکم کی دیر تھی کہ یہ تینوں نبرد آزما بہادر نیزے ہلاتے ہوئے اپنے حریف کے مقابل جا کھڑے ہوئے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی حملہ میں عتبہ کو واصل جہنم کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اپنے حریف پر غالب آئے، لیکن حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اور ولید میں دیر تک کشمکش جاری رہی، وہ زخمی ہو گئے تو ان دونوں نے ایک ساتھ حملہ کر کے اس کو تہ تیغ کر دیا[1] یہ دیکھ کر طعیمہ بن عدی جوشِ انتقام میں آگے بڑھا لیکن شیر خدا نے ایک ہی وار میں اس کو بھی ڈھیر کر دیا، مشرکین نے طیش میں آ کر عام ہلہ کر دیا، دوسری طرف سے مجاہدین اسلام بھی اپنے دلاوروں کو نرغہ میں دیکھ کر ٹوٹ پڑے، نہایت گھمسان کا رن پڑا، اسد اللہ حمزہ رضی اللہ عنہ کے دستار پر شتر مرغ کی کلغی تھی اس لیے جس طرح گھس جاتے تھے صاف نظر آتے تھے، دونوں ہاتھوں میں تلوار تھی اور مردانہ وار دو دستی حملوں سے پرے کا پرا صاف کر رہے تھے، غرض جب تھوڑی دیر میں غنیم بہت سے قیدی اور مال غنیمت چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا تو بعض قیدیوں نے پوچھا: "یہ کلغی لگائے کون ہے؟" لوگوں نے کہا: "حمزہ (رضی اللہ عنہ)!" بولا: "آج ہم کو سب سے زیادہ نقصان اسی نے پہنچایا"۔[2]

غزوۂ بنی قینقاع:

بنو قینقاع نام کی اطرافِ مدینہ میں یہودیوں کی ایک جماعت تھی، چونکہ یہ عبداللہ بن ابی سلول کے حلیف تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ سے دوستانہ معاہدہ طے پا گیا تھا، لیکن غزوۂ بدر کی کامیابی نے ان کے دلوں میں رشک وحسد کی آگ بھڑکا دی، اور علانیہ سرکشی پر آمادہ ہو گئے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس عہد شکنی کے باعث اسی سال ماہ شوال میں ان پر فوج کشی فرمائی، اور بزور اطرافِ مدینہ سے جلا وطن کر دیا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس معرکہ میں بھی علمبرداری کے منصب پر مامور تھے۔[3]

---

[1] ابوداؤد جلد ۱ ص ۲۶۳ [2] اسد الغابہ تذکرہ حمزہ رضی اللہ عنہ [3] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۹

Marfat.com

غزوۂ احد:

بدر کی شکست فاش نے مشرکین قریش کے توسن غیرت کے لیے تازیانہ کا کام کیا' اور جوشِ انتقام سے برانگیختہ ہو کر ۳ھ میں قریش کا سیلاب عظیم پھر مدینہ کی طرف بڑھا' حضرت سرورِ کائنات ﷺ نے اپنے جاں نثاروں کے ساتھ نکل کر کوہِ اُحد کے دامن میں اس کو روکا۔ ۷ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی' کفار کی طرف سے سباع نے بڑھ کر مبارز طلبی کی تو حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اپنی شمشیر خارا شگاف تولتے ہوئے میدان میں آئے اور للکار کر کہا ''اے سباع! اے ام انمار مضغہ نجس کے بچے! کیا تو خدا اور اس کے رسول سے لڑنے آیا ہے''۔ یہ کہہ کر اس زور سے حملہ کیا کہ ایک ہی وار میں اس کا کام تمام ہو گیا[1] اس کے بعد گھمان کی جنگ شروع ہوئی' اس شیر خدا نے روباہ کفر کی ٹڈی دل میں گھس کر کشتوں کے پشتے لگا دیتے اور جس طرف جھک پڑے صفیں کی صفیں الٹ دیں' غرض اس جوش سے لڑے کہ تنہا تیں کافروں کو واصل جہنم کر دیا۔[2]

شہادت:

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے چونکہ جنگ بدر میں چن چن کر اکثر صنادید قریش کو تہہ تیغ کیا تھا اس لیے تمام مشرکین قریش سب سے زیادہ ان کے خون کے پیاسے تھے' چنانچہ جبیر بن مطعم نے ایک غلام کو جس کا نام وحشی تھا' اپنے چچا طیمہ بن عدی کے انتقام پر خاص طور سے تیار کیا تھا اور اس صلہ میں..... آزادی کا لالچ دیا تھا' غرض وہ جنگ اُحد کے موقع پر ایک چٹان کے پیچھے گھات پر بیٹھا ہوا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا انتظار کر رہا تھا' اتفاقاً وہ ایک دفعہ قریب سے گذرے تو اس نے اچانک زور سے اپنا حربہ پھینک کر مارا کہ دو ٹکڑے ہو کر گر پڑے[3] اس شیر خدا کی شہادت پر کافر کی عورتوں نے خوشی و مسرت کے ترانے گائے' ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ نے ناک کان کاٹ کر زیور بنائے' نیز شکم چاک کر کے جگر نکالا اور چبا چبا کر تھوک دیا' حضرت سرورِ کائنات ﷺ نے سنا تو پوچھا: ''کیا اس نے کچھ

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب قتل حمزہ رضی اللہ عنہ [2] اسد الغابہ تذکرۂ حمزہ رضی اللہ عنہ

[3] بخاری باب قتل حمزہ رضی اللہ عنہ

Marfat.com

کھایا بھی ہے"۔ لوگوں نے عرض کی : "نہیں!" فرمایا: "اے خدا! حمزہ (رضی اللہ عنہ) کے کسی جزو کو جہنم میں داخل ہونے نہ دینا" [1]

تجہیز و تکفین:

اختتام جنگ کے بعد شہدائے اسلام کی تجہیز و تکفین شروع ہوئی' حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عم محترم کی لاش پر تشریف لائے' چونکہ ہند نے ناک کان کاٹ کر نہایت دردناک صورت بنا دی تھی' اس لیے یہ منظر دیکھ کر بے اختیار دل بھر آیا' اور مخاطب ہو کر فرمایا "تم پر خدا کی رحمت ہے' کیوں کہ تم رشتہ داروں کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے' نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے' اگر مجھے صفیہ کے رنج و غم کا خیال نہ ہوتا تو میں تمہیں اسی طرح چھوڑ دیتا کہ درند اور پرند کھا جائیں' اور تم قیامت میں ان ہی کے شکم سے اٹھائے جاؤ' خدا کی قسم مجھ پر تمہارا انتقام واجب ہے' میں تمہارے عوض ستر کافروں کا مثلہ کروں گا" لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد وحی الٰہی نے اس ناجائز انتقام کی ممانعت کر دی' اس لیے کفارہ یمین ادا کر کے صبر و شکیبائی اختیار فرمائی۔ [2]

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن تھیں' بھائی کی شہادت کا حال سنا تو روتے ہوئے جنازہ کے پاس آئیں' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھنے نہ دیا اور تسلی و تشفی دے کر واپس فرمایا' حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے صاحبزادہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو دو چادریں دے گئی تھیں کہ ان سے کفن کا کام لیا جائے' لیکن پہلو میں ایک انصاری کی لاش بھی بے گور و کفن تھی' اس لیے انہوں نے دونوں شہیدان ملت میں ایک ایک چادر تقسیم کر دی' اس ایک چادر سے سر چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر برہنہ ہو جاتا تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چادر سے چہرہ چھپاؤ اور پاؤں پر گھاس اور پتے ڈال دو غرض اس عبرت انگیز طریقہ سے سید الشہداء کا جنازہ تیار ہوا' سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز پڑھائی' اس کے بعد ایک ایک کر کے شہدائے اُحد کے جنازے ان کے پہلو میں رکھے گئے اور آپ نے علیحدہ علیحدہ ہر ایک پر نماز پڑھائی' اس طرح تقریباً

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جز ثالث ص ۷ [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جز ثالث ص ۷

Marfat.com

ستر نمازوں کے بعد غازیانِ دین نے بصد اندوہ والم اس شیر خدا کو اسی میدان میں سپردِ خاک کیا۔[1]

آنحضرت ﷺ کا حزن وملال:

سرورِ کائنات ﷺ کو اس سانحہ پر شدید قلق تھا' مدینہ منورہ تشریف لائے اور بنی عبدالاشہل کی عورتوں کو اپنے اپنے اعزہ واقارب پر روتے سنا تو فرمایا: ''افسوس! حمزہ (رضی اللہ عنہ) کے لیے رونے والیاں بھی نہیں''۔ انصار نے یہ سن کر اپنی عورتوں کو آستانہ نبوت پر بھیج دیا' جنہوں نے نہایت رقت آمیز طریقہ سے سید الشہداء رضی اللہ عنہ پر گریہ وزاری شروع کی' اس حالت میں آنحضرت ﷺ کی آنکھ لگ گئی' کچھ دیر کے بعد بیدار ہوئے تو دیکھا کہ وہ اب تک رو رہی ہیں' فرمایا: ''کیا خوب! یہ سب اب تک یہیں بیٹھی رو رہی ہیں' انہیں حکم دو کہ واپس جائیں اور آج کے بعد پھر کسی مرنے والے پر نہ روئیں''۔[2] بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت سے مدینہ کی عورتوں کا یہی دستور ہو گیا تھا کہ جب وہ کسی پر روتی تھیں تو پہلے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ پر دو آنسو بہا لیتی تھیں۔

قاتل سے بیزاری:

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی رضی اللہ عنہ اسلام قبول کر کے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے دیکھ کر پوچھا: ''کیا تم ہی وحشی ہو؟'' عرض کی: ''ہاں!'' فرمایا: ''تم نے حمزہ (رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا تھا؟'' بولے: ''حضور ﷺ کو جو کچھ معلوم ہوا وہ صحیح ہے''۔ ارشاد ہوا: ''کیا تم اپنا چہرہ مجھ سے چھپا سکتے ہو؟'' غرض اسی وقت باہر آنا پڑھا' اور پھر تمام عمر سامنے نہ جا سکے' آنحضرت ﷺ کے بعد جب مسیلمہ کذاب پر فوج کشی ہوئی تو یہ بھی اس میں شریک ہوئے کہ شاید میں اس کو قتل کر کے حمزہ رضی اللہ عنہ کے نقصان کی تلافی کر سکوں' چنانچہ وہ اس ارادہ میں کامیاب ہوئے[3] اس طرح خدا نے ان کی ذات سے اسلام کو جس قدر نقصان پہنچایا تھا اس سے زیادہ فائدہ پہنچایا۔

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جز و ثالث ص ۹ [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۰۔

[3] بخاری باب قتل حمزہ رضی اللہ عنہ

Marfat.com

اخلاق:

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے اخلاق میں سپاہیانہ خصائل نہایت نمایاں ہیں' شجاعت' جانبازی' اور بہادری ان کے مخصوص اوصاف تھے' مزاج قدرۃً تیز و تند تھا' شراب حرام ہونے سے پہلے اس کے عادی تھے' ایک دفعہ ایک انصار کے میخانہ میں صحبتِ احباب گرم تھی' اور دورِ ساغر کے ساتھ ایک رقاصہ کی خوش الحان راگنیوں سے محفل کا رنگ جما ہوا تھا' اسی حالت میں اس نے دو اونٹوں کی طرف اشارہ کر کے جو سامنے بندھے ہوئے تھے یہ مصرعہ پڑھا ؎

الا یا حمزة للشرف النواء

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نشہ کی مدہوشی میں بے اختیار کود ے اور دونوں کے جگر اور کوہان کو کاٹ لائے' یہ اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تھے' انہوں نے یہ حال دیکھا تو آبدیدہ ہو کر دربارِ نبوت میں شکایت کی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیے ہوئے اسی وقت اس محفل طرب میں تشریف لائے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ملامت فرمانے لگے' لیکن یہاں ہوش و حواس پر نشہ کا قبضہ ہو چکا تھا' انہوں نے ایک دفعہ سر سے پاؤں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گھور کر دیکھا اور آنکھیں لال پیلی کر کے بولے: ''تم سب میرے باپ کے غلام ہو''۔ آپ نے مدہوشی کی یہ کیفیت دیکھی تو الٹے پاؤں لوٹ آئے۔[1]

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک اور تمام نیک کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے' چنانچہ شہادت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لاش سے مخاطب ہو کر اس طرح ان محاسن کی داد دی تھی

رحمة الله عليك فانك كنت ما علمت وصولاً للرحم فعولا للخيرات.[2]

''تم پر خدا کی رحمت ہو کیونکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے تم قرابت داروں کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے' نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے''۔

---

[1] بخاری کتاب فرض الخمس [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۷

Marfat.com

ازواج واولاد:

حضرت حمزہ نے متعدد شادیاں کیں' بیویوں کے نام یہ ہیں' بنت الملہ' خولہ بنت قیس' سلمٰی بنت عمیس' ان میں سے ہر ایک کے بطن سے اولاد ہوئی' لڑکوں کے نام یہ ہیں: ابو یعلی' عامر' عمارہ آخر الذکر دونوں لاولد فوت ہوئے' ابو یعلی سے چند اولادیں ہوئیں لیکن وہ سب بچپن ہی میں قضا کر گئیں' اس طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسل شروع ہی میں منقطع ہو گیا۔[1]

سلمٰی بنت عمیس کے بطن سے امامہ نام ایک لڑکی بھی تھی' فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مراجعت فرمائی تو بھائی بھائی کہہ کر اس نے پیچھا کیا' حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے رشتہ داروں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنی اپنی تربیت میں لینے کا دعویٰ پیش کیا' لیکن آپ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ دیا کیونکہ ان کی بیوی اسماء بنت عمیس' امامہ کی حقیقی خالہ تھیں' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امامہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لینے کی ترغیب دی تھی' لیکن آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا حمزہ (رضی اللہ عنہ) میرا رضاعی بھائی تھا۔[2]

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۷

[2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۷

Marfat.com

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

عباس نام‘ ابوالفضل کنیت‘ والد کا نام عبدالمطلب اور والدہ کا نام نتیلہ تھا‘ شجرہ نسب یہ ہے۔

عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمناف الہاشمی القرشی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے‘ لیکن عمر میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا‘ غالباً حضرت عباس رضی اللہ عنہ دو یا تین برس آپ سے پہلے پیدا ہوئے تھے۔[1]

ابتدائی حالات:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ عہد طفولیت میں ایک مرتبہ گم ہو گئے تھے‘ ان کی والدہ نے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھانے کی نذر مانی‘ چنانچہ ان کے صحیح و سلامت مل جانے کے بعد نہایت تزک و احتشام کے ساتھ یہ نذر پوری کی گئی‘ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ پہلی عرب خاتون تھی‘ جنہوں نے ایامِ جاہلیت میں خانہ کعبہ کو دیبا و حریر سے مزین کیا۔[2]

زمانہ جاہلیت میں وہ قریش کے ایک سربرآوردہ رئیس تھے‘ خانہ کعبہ کا اہتمام و انصرام اور لوگوں کو پانی پلانے کا عہدہ ان کو اپنے والد عبدالمطلب سے وراثت میں ملا تھا۔[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خلعتِ نبوت عطا ہوا اور آپ نے مکہ میں علانیہ دعوتِ توحید کی صدا بلند فرمائی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے گو بظاہر ایک عرصہ تک بیعت کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا‘ تاہم دل سے وہ اس تحریک کے حامی تھے‘ چنانچہ اہل یثرب نے جب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی اور زمانہ حج میں بہتر انصار نے کفار سے چھپ کر منیٰ کی ایک گھاٹی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس راز داری

---

[1] استیعاب تذکرہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۰۹ [3] ایضاً

Marfat.com

کے موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے' انہوں نے انصار سے خطاب کر کے کہا ''گروہِ خزرج! تم کو معلوم ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے خاندان میں معزز و محترم رہے ہیں اور دشمنوں کے مقابلہ میں ہم نے ہمیشہ ان کی حفاظت کی ہے' اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں' اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی سے صاف جواب دے دو۔[1] انصار رضی اللہ عنہم نے اس کے جواب میں جاں نثاری و وفاشعاری کی حامی بھری اور اس کے کچھ عرصہ بعد ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔

جنگِ بدر:

مشرکین قریش کے مجبور کرنے پر ان کے ساتھ معرکہ بدر میں شریک ہوئے' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت حال سے آگاہ تھے' آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہدایت فرمائی کہ اگر اثنائے جنگ میں ابوالبختری' عباس اور دوسرے بنی ہاشم سامنے آجائیں تو قتل نہ کیے جائیں' کیونکہ وہ زبردستی میدان میں لائے گئے ہیں۔ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ بول اٹھے کہ ''ہم اپنے باپ' بیٹے' بھائی سے درگذر نہیں کرتے' تو بنی ہاشم میں کیا خصوصیت ہے' واللہ اگر عباس مجھ کو ہاتھ آئیں گے تو میں ان کو تلوار کی لگام دوں گا''۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: ''ابو حفص دیکھتے ہو' عم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ تلوار کے قابل ہے؟'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اجازت دیجئے کہ اس کا سر اڑا دوں''۔ لیکن حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک بلند پایہ صحابی تھے' یہ جملہ اتفاقاً زبان سے نکل گیا تھا آپ نے کچھ مواخذہ نہ فرمایا۔[2]

اس جنگ میں دوسرے مشرکین قریش کے ساتھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ' عقیل رضی اللہ عنہ اور نوفل بن حارث بھی گرفتار ہوئے تھے' اتفاق سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی مشکیں اس قدر کس کر باندھی گئی تھیں کہ وہ دردناک آواز کے ساتھ کراہ رہے تھے' یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی کراہ سن کر رات کو آرام نہ فرما سکے' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم ہوا تو انہوں

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۲۴۲ [2] ابن سعد قسم اول جزو ۴ ص ۵

Marfat.com

نے ان کی مشکیں ڈھیلی کر دیں۔[1]

اسیرانِ جنگ کے پاس کپڑے نہ تھے' آنحضرت ﷺ نے سب کو کپڑے دلوائے لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قد اس قدر اونچا تھا کہ کسی کا کرتا ان کے بدن پر ٹھیک نہیں اترتا تھا' عبداللہ بن ابی نے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ہم قد تھا' اپنا کرتہ منگوا کر دیا۔[2] آنحضرت ﷺ نے منافق ہونے کے باوجود مرنے کے بعد اس کی لاش کو اپنا کرتہ پہنانے کے لیے دیا' وہ درحقیقت اس احسان کا معاوضہ تھا۔

دربارِ رسالت نے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا' چونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی والدہ انصار کے ایک قبیلہ (خزرج سے تھیں) اس لیے انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ عباس رضی اللہ عنہ ہمارے بھانجے ہیں ہم ان کا فدیہ چھوڑ دیتے ہیں' لیکن آنحضرت ﷺ نے مساوات کی بنا پر گوارا نہیں فرمایا اور دولت مند ہونے کے باعث ان سے ایک بڑی رقم طلب فرمائی۔[3]

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ناداری کا عذر پیش کر کے کہا: ''میں دل سے پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا' مشرکین نے مجھ کو بجبر اس جنگ میں شریک کیا' ارشاد ہوا کہ: ''دل کا حال خدا جانتا ہے اگر آپ کا دعویٰ صحیح ہے تو خدا اس کا اجر دے گا' لیکن ظاہری حالت کے لحاظ سے کوئی رعایت نہیں ہو سکتی' ناداری کا عذر بھی قابل تسلیم نہیں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ مکہ میں ام الفضل کے پاس ایک بڑی رقم رکھ کر آئے ہیں''۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے متعجب ہو کر کہا ''خدا کی قسم! اس رقم کا حال میرے اور ام الفضل کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا' بے شک آپ رسولِ خدا ہیں اور اپنی طرف سے نیز اپنے بھتیجے عقیل ونوفل بن حارث کی طرف سے گراں قدر فدیہ دے کر مخلصی حاصل کی۔[4]

---

[1] ابن سعد قسم اوّل جزو۴ص ۷

[2] طبقات ابن سعد قسم اوّل دور ربع ص ۷

[3] بخاری جلد۲ص ۵۷۲ [4] مسند جلد۱ص ۳۵۳

Marfat.com

تاخیر اسلام اور قیامِ مکہ کی غایت:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ایک عرصہ تک مکہ میں مقیم رہنا اور علانیہ دائرہ اسلام میں داخل نہ ہونا درحقیقت ایک مصلحت پر مبنی تھا' وہ کفار مکہ کی نقل وحرکت اور ان کے رازہائے سربستہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاع دیتے تھے' نیز اس سرزمین کفر میں جو ضعفائے اسلام رہ گئے تھے ان کے لیے تنہا مامن وملجا تھے' یہی وجہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جب کبھی رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت طلب کی تو آپ نے باز رکھا اور فرمایا کہ ''آپ کا مکہ میں مقیم رہنا بہتر ہے' خدا نے جس طرح مجھ پر نبوت ختم کی ہے اسی طرح آپ پر ہجرت ختم کرے گا''۔[1]

گو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرصہ تک اپنے ایمان وعقیدہ کو مشرکین قریش سے مخفی رکھا تاہم وہ اپنے دلی رجحان کو چھپا نہ سکے' ایک مرتبہ حضرت حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر مکہ آئے' اس زمانہ میں جنگ خیبر درپیش تھی' اور اہل مکہ نہایت بے چینی کے ساتھ اس کے نتیجہ پر آنکھیں لگائے ہوئے تھے۔ لوگوں نے ان کو مدینہ کی طرف سے آتے ہوئے دیکھ کر گھیر لیا اور جنگ کی خبر پوچھی بولے: ''خیبر کی جنگ میں مسلمانوں کو نہایت عبرت ناک شکست ملی' محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) گرفتار ہوئے' اور ان کے اکثر جان نثار قتل کیے گئے۔ میں اپنا مال لینے آیا ہوں کہ دوسرے تاجروں کو خبر نہ ہونے سے پہلے اہل خیبر سے تمام مالِ غنیمت خرید لوں۔''

اس خبر سے یکایک تمام مکہ میں خوشی ومسرت کی لہر دوڑ گئی' وادئ بطحاء کا ہر بچہ بادۂ انبساط سے مخمور ہوگیا' گھر گھر خوشی کے ترانے گائے جانے لگے' لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا گھر ماتم کدہ تھا' وہ افسردہ دل اور مغموم صورت حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ سے تخلیہ میں ملے اور پوچھا: ''حجاج! کیا یہ خبر صحیح ہے؟'' بولے: ''نہیں' خدا کی قسم آپ کے لیے نہایت خوش آیند خبر ہے' خدا نے آپ کے بھتیجے کو خیبر پر کامل فتح عطا فرمائی' اکثر رؤسائے خیبر قتل کیے گئے۔ ان کا تمام مال واسباب مجاہدین اسلام کے ہاتھ آیا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۱۰

Marfat.com

اس حال میں چھوڑا کہ خیبر کی شہزادی داخل حرم ہو رہی تھی' میں اسلام قبول کر چکا ہوں' اور یہاں صرف اس لیے آیا ہوں کہ بلطائف الحیل اپنا مال لے کر رسول اللہ ﷺ سے جاملوں' آپ میرے جانے کے بعد تین دن تک اس خبر کو پوشیدہ رکھیں' کیونکہ مجھے تعاقب کا خوف ہے''۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی مسرت وانبساط کی کوئی انتہا نہ رہی' وہ بمشکل تین دن تک اس کو چھپا سکے اور چوتھے روز نہا دھو کر اور بیش قیمت کپڑے زیب بدن کر کے ہاتھ میں عصا لیے ہوئے خانہ کعبہ آئے اور طواف کرنے لگے' لوگوں نے چھیڑ کر کہا: ''خدا کی قسم! یہ مصیبت پر اظہارِ صبر ہے''۔ بولے: ''قسم ہے اس ذات کی جس کی تم نے قسم کھائی ہرگز نہیں! بالکل غلط ہے' خیبر فتح ہو گیا اور اس کا ایک ایک چپہ محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب کے تصرف میں ہے''۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا: ''یہ خبر کہاں سے آئی؟'' فرمایا: ''حجاج بن علاط (رضی اللہ عنہ) نے بیان کیا جو اسلام قبول کر چکے ہیں اور یہاں محض اپنا مال لینے آئے تھے''۔ اس حقیقت نے مشرکین مکہ کی تمام مسرت خاک میں ملا دی اور وہ ایک فریب خوردہ دشمن کی طرح دانت پیسنے لگے۔[1]

اسلام وہجرت:

فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ہجرت کی اجازت مل گئی' چنانچہ وہ مع اہل وعیال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علانیہ بیعت کر کے مستقل طور سے مدینہ میں سکونت پذیر ہوئے۔

غزوات

مکہ کی فوج کشی میں شریک تھے' حنین کی جنگ میں حضرت خیر الانام ﷺ کے ہمرکاب تھے' اور رہوار رسالت کی باگ تھامے ہوئے ساتھ ساتھ دوڑتے تھے' فرماتے ہیں کہ اثنائے جنگ میں جب کفار کا غلبہ ہوا اور مسلمانوں کے منہ پھر گئے' تو ارشاد ہوا ''عباس (رضی اللہ عنہ)! نیزہ برداروں کو آواز دو''۔ فطرۃً میری آواز نہایت بلند تھی' میں نے ''این اصحاب السمر؟'' کا نعرہ مارا تو سب کے سب یکا یک پلٹ پڑے اور مسلمانوں

---

1. اسد الغابہ تذکرہ حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ

Marfat.com

کا بگڑا ہوا کھیل بن گیا۔[1] محاصرہ طائف' غزوۂ تبوک اور حجۃ الوداع میں بھی شریک تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات:

حجۃ الوداع سے واپس آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے' مرض روز بڑھتا گیا' حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے بنی ہاشم تیمار داری کی خدمت انجام دیتے تھے' وفات کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ باہر نکلے' لوگوں نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج کیسا ہے؟ چونکہ بظاہر حالت سنبھل گئی تھی' اس لیے انہوں نے کہا کہ "خدا کے فضل سے اب اچھے ہیں"۔ لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ خاندانِ ہاشم کا دیرینہ تجربہ رکھتے تھے' انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: "تمہارا کیا خیال ہے؟ خدا کی قسم تین دن کے بعد تم غلامی کرو گے' میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب اس مرض میں وفات پائیں گے کیونکہ میں خاندانِ عبدالمطلب کے چہروں سے موت کا اندازہ کر سکتا ہوں' آؤ چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد منصب خلافت کس کو حاصل ہوگا' اگر ہم مستحق ہیں تو معلوم ہو جائے گا' ورنہ عرض کریں گے کہ ہمارے لیے وصیت فرما جائیں' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: "خدا کی قسم میں نہ پوچھوں گا' اگر پوچھنے میں آپ نے انکار کر دیا تو پھر آئندہ ہمیشہ کے لیے اس سے محروم ہو جاؤں گا"۔[2] حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انکار سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بھی جرأت نہ ہوئی۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی روز وفات پائی' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے بنو ہاشم کی مدد سے تجہیز و تکفین کی خدمت انجام دی' چونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم تھے' خاندانِ ہاشم میں سب سے معمر تھے' اس لیے تعزیت و ماتم پرسی کے خیال سے لوگ ان ہی کے پاس آئے۔[3]

بارگاہ نبوت میں اعزاز:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عم محترم کی نہایت تعظیم و توقیر فرماتے تھے اور ان کی معمولی

---

[1] مسند جلد ۱ ص ۲۰۷ [2] بخاری جلد ۲ ص ۹۲۷ [3] استیعاب تذکرۂ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

Marfat.com

اذیت سے بھی آپ کو تکلیف ہوتی تھی' ایک مرتبہ انہوں نے بارگاہِ نبوت میں شکایت کی کہ قریش جب باہم ملتے ہیں تو ان کے چہروں پر تازگی و شگفتگی برستی ہے' لیکن جب ہم سے ملتے ہیں تو بشاشت کے بجائے برہمی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر غضبناک ہوئے اور فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ جو شخص خدا اور رسول کے لیے تم لوگوں سے محبت نہ کرے گا اس کے دل میں نور ایمان نہ ہوگا۔[1] چچا باپ کے قائم مقام ہے۔

ایک دفعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مدینہ کے محصل مقرر ہوئے' انہوں نے حسب قاعدہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بھی رقم طلب کی' انہوں نے انکار کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سختی سے تقاضا کیا' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر صورت واقعہ عرض کی' آپ نے فرمایا: تم عباس (رضی اللہ عنہ) سے کیا چاہتے ہو' بدر کے فدیہ میں تم ان سے بہت کچھ لے چکے' عباس (رضی اللہ عنہ) رسولِ خدا کا چچا ہے۔ اور چچا باپ کے قائم مقام ہے۔[2]

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی عزت و احترام کا مخصوص لحاظ رکھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اگر کبھی گھوڑے پر سوار ہو کر ان کی طرف سے گذرتے تو تعظیماً اتر پڑتے' اور فرماتے کہ ''یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم ہیں''۔[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر ان کو اپنے مشوروں میں شریک کرتے تھے' اور قحط و خشک سالی کے موقعوں پر ان سے دعائیں کراتے تھے' قحط عام الرمادہ کے موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا: ''خدایا! پہلے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑ کر حاضر ہوتے تھے' اور اب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم کا وسیلہ لے کر آئے ہیں' ان کے طفیل ہم کو سیراب کر''۔[4]

---

[1] جامع ترمذی مناقب حضرت عباس رضی اللہ عنہ و مسند جلد ۱ ص ۲۰۷

[2] جامع ترمذی وغیرہ مناقب عباس رضی اللہ عنہ [3] استیعاب تذکرۂ عباس رضی اللہ عنہ

[4] بخاری جلد ۱ ص ۵۲۶

Marfat.com

ان کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے منبر پر بیٹھ کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا تو یکا یک صاف و شفاف آسمان پر لکہ ہائے ابر نمودار ہوئے اور تھوڑی ہی دیر میں بارانِ رحمت سے تمام کوہ و بیابان جل تھل ہو گئے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کو اس طرح نظم کیا ہے۔

سال الام و قد تتابع جدبنا فسقی الغمام بعزة العباس (ﷺ)

''امام کے دعا مانگنے پر بھی خشک سالی بڑھتی گئی لیکن عباس رضی اللہ عنہ کی شرافت کے طفیل میں ابر نے سیراب کر دیا''۔

عم النبی وصنو والدہ الذی ورث النبی بذاك دون الناس

''وہ آنحضرت ﷺ کے چچا اور آپ کے والد کے حقیقی بھائی ہیں انہوں نے تمام لوگوں کے مقابلہ میں رسول اللہ ﷺ کی وراثت پائی''۔

احیی الالہ بہ البلاد فاصبحت محضرة الاجناب بعد الیاس

''ان کے طفیل میں خدا نے ملک کو زندہ کر دیا اور نا امیدی کے بعد پھر تمام میدان سرسبز ہو گئے''۔

چونکہ یہ بارش نہایت غیر متوقع تھی' اس لیے لوگ فرطِ مسرت سے ان کے ہاتھ پاؤں چوم چوم کر کہتے تھے'' ساقی حرمین! مبارک ہو' ساقی حرمین! مبارک ہو''۔[1]

وفات:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ اٹھاسی برس کی عمر پا کر ۳۲ھ میں بماہ رجب یا رمضان جمعہ کے روز رہگزین عالم جاوداں ہوئے' خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے قبر میں اتر کر سپردِ خاک کیا۔[2]

اخلاق:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نہایت فیاض' مہمان نواز اور رحم دل تھے' حضرت سعد بن

---

[1] استیعاب تذکرہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ [2] استیعاب تذکرہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

Marfat.com

ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مقام بقیع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو آتے دیکھ کر فرمایا: "یہ عباس (رضی اللہ عنہ) عم رسول ہیں' یہ قریش میں سب سے زیادہ کشادہ دست ہیں' اور اپنے رشتہ داروں کا خیال رکھتے ہیں"۔[1]

دل نہایت نرم تھا' دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے تو آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو جاتا' یہی وجہ ہے کہ ان کی دعاؤں میں خاص اثر ہوتا تھا۔

تمول وذریعہ معاش:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ ایامِ جاہلیت میں نہایت متمول تھے' چنانچہ جنگِ بدر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بیس اوقیہ سونا فدیہ لیا تھا جو دوسرے قیدیوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھا۔[2]

تجارت ذریعہ معاش تھی' ساتھ ہی وہ سودی لین دین بھی کرتے تھے' لوگوں کو سود پر قرض دیتے تھے' یہ سلسلہ فتح مکہ تک قائم رہا' حجۃ الوداع کے موقع پر محرم ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنا مشہور آخری خطبہ دیا تو اس میں فرمایا: "آج سے عرب کے تمام سودی کاروبار بند کیے گئے اور سب سے پہلا سودی کاروبار جس کو میں بند کرتا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب (رضی اللہ عنہ) کا ہے۔[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت کے خمس اور فدک کی آمدنی سے بھی ان کی اعانت فرماتے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ سے فدک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری متروکہ جائیداد میں وراثت کا مطالبہ کیا لیکن "لا نورث ما ترکنا صدقة" کی حدیث سن کر خاموش ہو گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں باغِ فدک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر دیا تھا' لیکن وہ دونوں باہمی اتفاق سے اس کا انتظام قائم نہ رکھ

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۰۱ [2] مسند جلد ۱ ص ۳۵۳

[3] صحیح مسلم وابوداؤد

Marfat.com

سکے اور بارگاہِ خلافت میں تقسیم کر دینے کی درخواست پیش کی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ محض گذارہ کے لیے دیا گیا ہے اس میں وراثت کا قاعدہ جاری نہیں ہوسکتا۔[1]

حلیہ:

حلیہ یہ تھا' قد بلند وبالا' چہرہ خوبصورت' رنگ سفید اور جلد نہایت نازک۔

ازواج واولاد:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں جن سے کثرت سے اولادیں ہوئیں' سب سے پہلی بیوی لبابہ بنت حارث تھیں' ان سے حسب ذیل اولادیں ہوئیں:

فضل' عبداللہ' عبیداللہ' عبدالرحمٰن' قثم' معبد' ام حبیبہ۔

ام ولد سے یہ اولادیں ہوئیں:

کثیر' تمام' صفیہ' امیمہ۔

تیسری بیوی جمیلہ تھیں' ان کے بطن سے حارث تھے۔[2]

---

[1] بخاری باب غزوۂ خیبر

[2] طبقات ابن سعد قسم اول جز ۴ ص ۲

Marfat.com

حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ

نام‘ نسب:

بلال نام‘ ابو عبداللہ کنیت‘ والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ تھا‘ یہ حبشی نژاد غلام تھے‘ لیکن مکہ ہی میں پیدا ہوئے‘ بنی جمح ان کے آقا تھے۔[1]

اسلام:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ صورت ظاہری کے لحاظ سے گو سیاہ فام حبشی تھے‘ تاہم آئینہ دل شفاف تھا‘ اس کو ضیائے ایمان نے اس وقت منور کیا‘ جب کہ وادیٔ بطحاء کی اکثر گوری مخلوق غرورِ حسن و زعم شرافت میں ضلالت و گمراہی کی ٹھوکریں کھا رہی تھی‘ جن معدودے چند بزرگوں نے داعی حق کو لبیک کہا تھا ان میں صرف سات آدمیوں کو اس کے اعلان کی توفیق ہوئی تھی جن میں ایک یہ غلام حبشی بھی تھا‘[2] سچ ہے ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست ☆ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ابتلاء و استقامت:

کمزور ہمیشہ سب سے زیادہ ظلم و ستم کا آماجگاہ رہتا ہے‘ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی جو ذاتی حالت تھی‘ اس کے لحاظ سے وہ اور بھی اس ناموسِ جفا کے شکار ہو گئے‘ گوناگوں مصائب اور طرح طرح کے مظالم سے ان کے استقلال و استقامت کی آزمائش ہوئی‘ تپتی ہوئی ریگ‘ جلتے ہوئے سنگریزوں اور دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹائے گئے‘ مشرکین کے لڑکوں نے گلوئے مبارک میں رسیاں ڈال کر بازیچہ اطفال بنایا‘ لیکن ان تمام روح فرسا و جان گسل آزمائشوں کے باوجود توحید کا حبل متین ہاتھ سے نہ چھوٹا‘ ابوجہل ان کو منہ کے بل سنگریزوں پر لٹا کر اوپر سے پتھر کی چکی رکھ دیتا اور جب آفتاب کی تمازت بیقرار کر دیتی تو کہتا‘ بلال (رضی اللہ عنہ)! اب بھی محمد کے خدا سے باز آ‘ لیکن اس وقت بھی دہن مبارک

---

[1] اسد الغابہ جلد ا ص ۲۰۶ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۶

Marfat.com

سے یہی ''احد احد'' نکلتا[1]

ستم پیشہ مشرکین میں امیہ بن خلف سب سے زیادہ پیش پیش تھا' اس کی جدت طرازیوں نے ظلم و جفا کے نئے طریقے ایجاد کیے تھے' وہ ان کو طرح طرح سے اذیتیں پہنچاتا' کبھی گائے کی کھال میں لپیٹتا' کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر جلتی ہوئی دھوپ میں بٹھاتا اور کہتا: ''تمہارا خدا لات اور عزیٰ ہے''۔ لیکن اس وارفتہ توحید کی زبان سے ''احد احد'' کے سوا اور کوئی کلمہ نہ نکلتا' مشرکین کہتے کہ تم ہمارے ہی الفاظ کا اعادہ کرو تو فرماتے کہ میری زبان ان کو اچھی طرح ادا نہیں کر سکتی۔[2]

آزادی:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک روز حسبِ معمول وادیٔ بطحاء میں مشق ستم بنائے جا رہے تھے' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس طرف سے گذرے تو یہ عبرت ناک منظر دیکھ کر دل بھر آیا اور ایک گرانقدر رقم معاوضہ دے کر آزاد کر دیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا: ''ابوبکر! تم مجھے اس میں شریک کر لو''۔ عرض کی: ''یارسول اللہ میں آزاد کرا چکا ہوں''۔[3]

ہجرت:

وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے' حضرت سعد ابو رویحہ عبداللہ ابن عبدالرحمٰن خثعمی رضی اللہ عنہ سے مواخات ہوئی' ان دونوں میں نہایت شدید محبت پیدا ہو گئی تھی' عہد فاروقی میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے شامی مہم میں شرکت کا ارادہ کیا تو حضرت عمر نے پوچھا: ''بلال! تمہارا وظیفہ کون وصول کرے گا؟'' عرض کی: ''ابو رویحہ (رضی اللہ عنہ) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں میں جو برادرانہ تعلق پیدا کر دیا ہے وہ کبھی منقطع نہیں ہو سکتا''۔[4]

مؤذن:

مدینہ کا اسلام مکہ کی طرف بے بس اور مجبور نہ تھا' یہاں پہنچنے کے ساتھ شعارِ

---

[1] اسد الغابہ جلد ا ص ۲۰۶
[2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۱۶۵
[3] ایضاً و بخاری
[4] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۷

Marfat.com

اسلام و دین متین کی اصولی تدوین و تکمیل کا سلسلہ شروع ہوا' مسجد تعمیر ہوئی' خدائے لایزال کی عبادت و پرستش کے لیے نماز پنجگانہ قائم ہوئی اور اعلان عام کے لیے اذان کا طریقہ وضع کیا گیا' حضرت بلال رضی اللہ عنہ سب سے پہلے وہ بزرگ ہیں جو اذان دینے پر مامور ہوئے۔[1]

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز نہایت بلند و بالا و دلکش تھی' ان کی ایک صدا توحید کے متوالوں کو بے چین کر دیتی تھی' مرد اپنا کاروبار عورتیں شبستانِ حرم اور بچے کھیل کود چھوڑ کر والہانہ وارفتگی کے ساتھ ان کے اردگرد جمع ہو جاتے' جب خدائے واحد کے پرستاروں کا مجمع کافی ہو جاتا تو نہایت ادب کے ساتھ آستانۂ نبوت پر کھڑے ہو کر کہتے حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح الصلوۃ یا رسول! یعنی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! نماز تیار ہے' غرض آپ تشریف لاتے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی صدائے سامعہ نواز تکبیر اقامت کے نعروں سے بندگانِ توحید کو بارگاہِ ذوالجلال والاکرام میں سربسجود ہونے کے لیے صف بصف کھڑا کر دیتی۔[2]

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اگر کسی روز مدینہ میں موجود نہ ہوتے تو حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ان کی قائم مقامی کرتے تھے' صبح کی اذان عموماً کچھ رات رہتے ہوئے دیتے تھے' یہی وجہ ہے کہ صبح کے وقت دو اذانیں مقرر کی گئی تھیں' آخری اذان حضرت عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ دیتے تھے۔ چونکہ وہ نابینا تھے' اس لیے ان کو وقت کا پتہ نہ چلتا تھا جب لوگ ان سے کہتے کہ "صبح ہوگئی" تو اٹھ کر ندائے تکبیر بلند فرماتے تھے' اسی بنا پر رمضان میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کے بعد اکل و شراب جائز تھا' کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ بلال رضی اللہ عنہ کی اذان صرف اس لیے ہے کہ جو لوگ رات بھر عبادتِ الٰہی میں مصروف رہے ہیں وہ کچھ دیر آرام کریں اور جو تمام رات خوابِ راحت میں سرشار رہے ہیں وہ بیدار ہو کر نمازِ صبح کی تیاری کریں' لیکن وہ صبح کا وقت نہیں ہوتا بلکہ رات

---

[1] بخاری باب بدء الاذان [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۱۷۶

Marfat.com

باقی رہتی ہے[1]

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سفر و حضر ہر موقع پر رسول اللہ ﷺ کے مؤذن خاص تھے، ایک دفعہ سفر در پیش تھا، ایک جگہ رات ہوگئی، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی "یا رسول اللہ ﷺ! اگر اسی جگہ پڑاؤ کا حکم ہوتا تو بہتر تھا"، ارشاد ہوا: "مجھے خوف ہے کہ نیند تم کو نماز سے غافل کر دے گی"، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اپنی شب بیداری پر اعتماد تھا، انہوں نے بڑھ کر ذمہ لیا کہ وہ سب کو بیدار کر دیں گے، غرض پڑاؤ کا حکم ہوا اور سب لوگ مشغولِ راحت ہوئے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے مزید احتیاط کے خیال سے شب زندہ داری کا ارادہ کر لیا اور رات بھر اپنے کجاوہ پر ٹیک لگائے بیٹھے رہے، لیکن اتفاقِ وقت اس حال میں بھی آنکھ لگ گئی اور ایسی غفلت طاری ہوئی کہ طلوعِ آفتاب تک ہوشیار نہ ہوئے، آنحضرت ﷺ نے خواب راحت سے بیدار ہو کر سب سے پہلے ان کو پکارا اور فرمایا: "بلال (رضی اللہ عنہ)! تمہاری ذمہ داری کیا ہوئی؟" عرض کی: "یا رسول اللہ! آج کچھ ایسی غفلت طاری ہوئی کہ مجھے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا"۔ ارشاد ہوا: "بے شک خدا جب چاہتا ہے تمہاری روحوں پر قبضہ کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے تم میں واپس کر دیتا ہے، اچھا اُٹھو اذان دو اور لوگوں کو نماز کے لیے جمع کرو[2]۔"

غزوات

حضرت بلال رضی اللہ عنہ تمام مشہور غزوات میں شریک تھے، غزوۂ بدر میں انہوں نے امیہ بن خلف کو تہِ تیغ کیا جو اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا، اور خود ان کی ایذا رسانی میں بھی اس کا ہاتھ سب سے پیش پیش تھا[3]۔

فتح مکہ میں بھی آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے، آپ ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو اس مؤذن خاص کو معیت کا فخر حاصل تھا[4]۔ انہیں حکم ہوا کہ کعبہ کی چھت پر کھڑے

---

[1] بخاری باب الاذان بعد الفجر و باب اذان الاعمٰی۔　[2] بخاری باب الاذان بعد ذہاب الوقت

[3] اسد الغابہ جلد ا ص ۲۰۷۔　[4] کتاب المغازی باب دخول النبی ﷺ من اعلیٰ مکہ

Marfat.com

ہو کر توحید کی پر عظمت صدائے تکبیر بلند کریں' خدا کی قدرت وہ حریم قدس جس کو ابوالانبیاء ابراہیم علیہ السلام نے خدائے واحد کی پرستش کے لیے تعمیر کیا تھا' مدتوں صنم خانہ رہنے کے بعد پھر ایک حبشی نژاد کے نغمہ توحید سے گونجا۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنے محسن و ولی نعمت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے عرض کی: ''یا خلیفہ رسول! آپ نے خدا کے لیے آزاد کیا ہے یا اپنی مصاحبت کے لیے''۔ فرمایا: ''خدا کے لیے''۔ بولے ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ راہِ خدا میں جہاد کرنا مومن کا سب سے بہتر کام ہے' اس لیے میں چاہتا ہوں کہ پیامِ موت تک اسی عمل خیر کو لازمہ حیات بنالوں''۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بلال رضی اللہ عنہ! میں تمہیں خدا اور اپنے حق کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے اس عالم پیری میں داغِ مفارقت نہ دو''۔ اس مؤثر فرمان نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو عہد صدیقی کے غزوات میں شریک ہونے سے باز رکھا۔[2]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر قدم رکھا تو انہوں نے پھر شرکت جہاد کی اجازت طلب کی' خلیفہ اوّل کی طرح خلیفہ دوم نے بھی ان کو روکنا چاہا لیکن جوشِ جہاد کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا' بے حد اصرار کے بعد اجازت حاصل کی' اور شامی مہم میں شریک ہو گئے۔[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۶ھ میں شام کا سفر کیا تو دوسرے افسرانِ فوج کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بھی مقام جابیہ میں ان کو خوش آمدید کہا اور بیت المقدس کی سیاحت میں ہمرکاب رہے' ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے اذان دینے کی فرمائش کی تو بولے: ''گو میں عہد کر چکا ہوں کہ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لیے اذان نہ

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۱۶۷

[2] بخاری و طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۱۶۸

[3] بخاری و طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۱۶۸

Marfat.com

دوں گا' تاہم آج آپ کی خواہش پوری کروں گا' یہ کہہ کر اس عندلیب توحید نے کچھ ایسے لحن میں خدائے ذوالجلال کی عظمت وشوکت کا نغمہ سنایا کہ تمام مجمع بیتاب ہو گیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی' حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی بے اختیار رو رہے تھے' غرض سب کے سامنے عہد نبوت کا نقشہ کھنچ گیا اور تمام سامعین نے ایک خاص کیفیت محسوس کی۔[1]

شام میں توطن:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ملک شام کی سرسبز وشاداب زمین پسند آ گئی تھی' انہوں نے خلیفہ دوم سے درخواست کی کہ ان کو اور ان کے اسلامی بھائی حضرت ابورویحہ رضی اللہ عنہ کو یہاں مستقل سکونت کی اجازت دی جائے۔ یہ درخواست منظور ہوئی تو ان دونوں نے قصبہ خولان میں مستقل اقامت اختیار کر لی اور حضرت ابو الدرداء انصاری رضی اللہ عنہ کے خاندان سے جو پہلے ہی یہاں آ کر آباد ہو گیا تھا رشتہ مناکحت کی سلسلہ جنبانی فرماتے ہوئے کہا: ''ہم دونوں کافر تھے' خدا نے ہماری ہدایت کی' ہم غلام تھے' اس نے آزاد کر دیا' ہم محتاج تھے' اس نے مالدار بنایا' اب ہم تمہارے خاندان سے پیوستہ ہونے کی آرزو رکھتے ہیں' اگر تم رشتہ ازدواج سے یہ آرزو پوری کرو گے تو خدا کا شکر ہے' ورنہ کوئی شکایت نہیں''۔ آپ نے کالے' گورے' حبشی اور عربی کی تفریق مٹا دی تھی' انصار نے نہایت خوشی کے ساتھ ان کے اس پیام کو لبیک کہا اور اپنی لڑکیوں سے شادی کر دی۔[2]

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایک عرصہ تک شام میں متوطن رہنے کے بعد ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں: ''بلال (رضی اللہ عنہ)! یہ خشک زندگی کب تک؟ کیا تمہارے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ہماری زیارت کرو؟ اس خواب نے گذشتہ زندگی کے پرلطف افسانے یاد دلائے' عشق ومحبت کے مرجھائے ہوئے زخم پھر ہرے ہو گئے' اسی وقت مدینہ کی راہ لی اور روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر مرغ بسمل کی طرح

---

1 تاریخ طبری واسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۸ 2 اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۸

Marfat.com

تڑپنے لگے' آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا' اور مضطربانہ جوش و محبت کے ساتھ جگر گوشانِ رسول ﷺ یعنی امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کو چمٹا چمٹا کر پیار کر رہے تھے' ان دونوں نے خواہش ظاہر کی کہ آج صبح کے وقت اذان دیجئے' گوارادہ کر چکے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد وہ اذان نہ دیں گے' تاہم ان کی فرمائش ٹال نہ سکے' صبح کے وقت مسجد کی چھت پر کھڑے ہو کر نعرۂ تکبیر بلند کیا تو تمام مدینہ گونج اٹھا' اس کے بعد نعرۂ توحید نے اس کو اور بھی پر عظمت بنا دیا' لیکن جب اشھد ان محمد رسول اللہ کا نعرہ بلند کیا تو عورتیں تک بیقرار ہو کر پردوں سے نکل پڑیں اور تمام عاشقانِ رسول ﷺ کے رخسار آنسوؤں سے تر ہو گئے' بیان کیا جاتا ہے کہ مدینہ میں ایسا پراثر منظر کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا[1]

وفات:

۲۰ھ میں اس مخلص باوفا نے اپنے محبوب آقا کی دائمی رفاقت کے لیے دنیائے فانی کو خیر باد کہا' کم وبیش ساٹھ برس کی عمر پائی' دمشق میں باب الصغیر کے قریب مدفون ہوئے[2]

اخلاق:

محاسن اخلاق نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پایہ فضل وکمال کو نہایت بلند کر دیا تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے ابو بکر سیدنا و اعتق سیدنا یعنی ابو بکر رضی اللہ عنہ سردار ہیں' اورانہوں نے سردار بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کیا ہے[3]

حبیبِ خدا ﷺ کی خدمت گذاری ان کا مخصوص مقصد حیات تھا' ہر وقت بارگاہ نبوی میں حاضر رہتے' آپ کہیں باہر تشریف لے جاتے تو خادم جان نثار کی طرح ہمراہ ہوتے۔ عیدین و استسقاء کے مواقع پر بلم لے کر آگے آگے چلتے[4] وعظ و پند کی مجلسوں میں ساتھ جاتے' افلاس و ناداری کے باوجود ان کو جو کچھ میسر آ جاتا اس کا ایک حصہ رسول

---

۱ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۸۔ ۲ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۹۔ ۳ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۸۴۔
۴ طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۶۸۔

Marfat.com

اللہ ﷺ کی ضیافت کے لیے پس انداز کرتے‘ ایک دفعہ برنی کھجوریں (جو نہایت خوش ذائقہ ہوتی ہیں) آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے‘ آپ نے تعجب سے پوچھا ”بلال! یہ کہاں سے؟“ عرض کی میرے پاس جو کھجوریں تھیں وہ نہایت خراب قسم کی تھیں‘ چونکہ مجھے حضور کی خدمت میں پیش کرنا تھا اس لیے میں نے دو صاع دے کر یہ ایک صاع اچھی کھجوریں حاصل کیں‘ ارشاد ہوا ”اُف! اُف! ایسا نہ کیا کرو‘ یہ تو عین ربا ہے‘ اگر تمہیں خریدنا تھا تو پہلے اپنی کھجوروں کو فروخت کرتے پھر اس کی قیمت سے اس کو خرید لیتے“۔[1]

حضرت بلال رضی اللہ عنہ مکہ کی زندگی میں جن عبرتناک مظالم و مصائب کے متحمل ہوئے‘ اس سے ان کی غیر معمولی استقامت و استقلال کا اندازہ ہوا ہو گا‘ تواضع و خاکساری ان کی فطرت میں داخل تھی‘ لوگ ان کے فضائل و محاسن کا تذکرہ کرتے تو فرماتے ”میں صرف ایک حبشی ہوں جو کل تک معمولی غلام تھا۔[2]“ صداقت‘ بے لوثی اور دیانت داری نے ان کو نہایت معتمد علیہ بنا دیا تھا‘ ان کے ایک بھائی نے جو بزعم خود اپنے آپ کو عرب سمجھتے تھے‘ ایک عربی خاتون کے پاس نکاح پیام بھیجا‘ اس کے خاندان والوں نے جواب دیا کہ اگر بلال (رضی اللہ عنہ) ہمارے پاس آ کر تصدیق کریں گے تو ہم کو بخوشی منظور ہے‘ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا ”صاحبو! میں بلال بن رباح ہوں اور یہ میرا بھائی ہے‘ میں جانتا ہوں کہ اخلاق و مذہب کے لحاظ سے یہ بڑا آدمی ہے‘ اگر تم چاہو تو اس سے بیاہ دو ورنہ انکار کرو“ انہوں نے کہا ”بلال! تم جس کے بھائی ہو گے اس سے تعلق پیدا کرنا ہمارے لیے عار نہیں“۔[3]

مذہبی زندگی:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے مؤذنِ خاص تھے‘ اس بنا پر ان کو ہمیشہ خانہ خدا میں حاضر رہنا پڑتا تھا‘ معاملاتِ دنیوی سے سروکار نہ ہونے کے باعث عبادت و

---

[1] بخاری جلد ۱ ص ۳۱۱ [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۶۹

[3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۸۳

Marfat.com

شب زندہ داری ان کا خاص مشغلہ تھا' ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم کو کس عمل خیر پر سب سے زیادہ ثواب کی اُمید ہے' عرض کی ''میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا ہے' البتہ ہر طہارت کے بعد نماز ادا کی ہے''۔[1] نماز میں سب سے پہلے آمین کہتے تھے' لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے سبقت نہ کیا کرو''۔[2]

ایمان کو تمام اعمال حسنہ کی بنیاد سمجھتے تھے' ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل کیا ہے؟ بولے ''خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ' پھر جہاد' پھر حج مبرور''۔[3]

حلیہ:

حلیہ یہ تھا' قد نہایت طویل' جسم لاغر' رنگ نہایت گندم گوں بلکہ مائل بہ سیاہی' سر کے بال گھنے' خمدار اور اکثر سفید تھے۔[4]

ازواج:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے متعدد شادیاں کیں' ان کی بعض بیویاں عرب کے نہایت شریف و معزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں' ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سے خود رسول اللہ ﷺ نے نکاح کرا دیا تھا' بنی زہرہ اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے خاندان میں بھی رشتہ مصاہرت قائم ہوا تھا' لیکن کسی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔[5]

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۱۱۲۴ [2] اصابہ تذکرہ بلال رضی اللہ عنہ بحوالہ بخاری

[3] بخاری جلد ۲ ص ۱۱۲۴ [4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۰

[5] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۹

Marfat.com

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ

نام، نسب:

جعفر نام، ابوعبداللہ کنیت، والد کا نام عبدالمناف (ابوطالب) اور والدہ کا نام فاطمہ تھا، شجرۂ نسب یہ ہے۔ جعفر بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی القرشی الہاشمی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سگے بھائی تھے، اور عمر میں ان سے تقریباً دس (۱۰) سال بڑے تھے۔

اسلام:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مشغولِ عبادت تھے، خاندانِ ہاشم کے سردار ابوطالب نے اپنے دو عزیزوں کو بارگاہ صمدیت میں سربسجود دیکھا تو دل میں خاص اثر ہوا، اپنے صاحبزادہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر کہا: ''جعفر! تم بھی اپنے ابن عم کے پہلو میں کھڑے ہو جاؤ''۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے بائیں طرف کھڑے ہو کر نماز ادا کی، ان کو خدائے لایزال کی عبادت و پرستش میں ایسا مزہ ملا کہ وہ بہت جلد یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں پناہ گزین ہونے کے قبل ہمیشہ کے لیے اس کے پرستاروں میں داخل ہوئے۔ اس وقت تک اکتیس بتیس آدمی اس سعادت سے مشرف ہوئے تھے۔

ہجرتِ حبش:

مشرکین مکہ کی ستم آرائیوں سے تنگ آ کر جب مسلمانوں کی جماعت نے حبش کی راہ لی تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی اس کے ساتھ ہو گئے، لیکن قریش نے یہاں بھی چین

ل اسد الغابہ جلد ا ص ۲۸۷ و ابن سعد جزو ۴ قسم الاول ص ۲۳

Marfat.com

لینے نہ دیا' نجاشی کے دربار میں مکہ سے گران قدر تحائف کے ساتھ ایک وفد آیا اور اس نے درباری پادریوں کو تائید پر آمادہ کر کے نجاشی سے درخواست کی کہ "ہماری قوم کے چند ناسمجھ نوجوان اپنے آبائی مذہب سے برگشتہ ہو کر حضور کے قلمروئے حکومت میں چلے آئے ہیں' انہوں نے ایک ایسا نرالا مذہب ایجاد کیا ہے جس کو پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا' ہم کو ان کے بزرگوں اور رشتہ داروں نے بھیجا ہے کہ حضور ان لوگوں کو ہمارے ساتھ واپس کر دیں"۔ درباریوں نے بھی بلند آہنگی کے ساتھ اس مطالبہ کی تائید کی' نجاشی نے مسلمانوں سے بلا کر پوچھا کہ "وہ کون سا نیا مذہب ہے جس کے لیے تم لوگوں نے اپنا خاندانی مذہب چھوڑ دیا ہے؟"

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی دربارِ حبش میں اسلام پر تقریر:

مسلمانوں نے نجاشی سے گفتگو کے لیے اپنی طرف سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا' انہوں نے اس طرح تقریر کی: "بادشاہ سلامت! ہماری قوم نہایت جاہل تھی' ہم بت پوجتے تھے' مردار کھاتے تھے' بدکاریاں کرتے تھے' رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو ستاتے تھے' طاقت ور کمزوروں کو کھا جاتا تھا' غرض ہم اسی بدبختی میں تھے کہ خدا نے خود ہی ہماری جماعت میں سے ایک شخص کو ہمارے پاس رسول بنا کر بھیجا' ہم اس کی شرافت' راستی' دیانت داری اور پاکبازی سے اچھی طرح آگاہ تھے' اس نے ہم کو شرک و بت پرستی سے روک کر توحید کی دعوت دی' راست بازی' امانت داری' ہمسایہ اور رشتہ داروں سے محبت کا سبق ہم کو سکھایا اور ہم سے کہا کہ ہم جھوٹ نہ بولیں' بے وجہ دنیا میں خونریزی نہ کریں' بت پرستی چھوڑ دیں' ایک خدا پر ایمان لائیں' نماز پڑھیں' روزے رکھیں' زکوۃ دیں' ہم اس پر ایمان لائے اور اس کی تعلیم پر چلے' ہم نے بتوں کو پوجنا چھوڑا' صرف ایک خدا کی پرستش کی' اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا' اس پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی' اس نے طرح طرح سے ظلم و تشدد کر کے ہم کو پھر بت پرستی اور جاہلیت کے برے کاموں میں مبتلا کرنا چاہا' یہاں تک کہ ہم لوگ ان کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر آپ کی حکومت میں چلے آئے"۔

نجاشی نے کہا: "تمہارے نبی پر جو کتاب نازل ہوئی اس کو کہیں سے پڑھ کر

Marfat.com

سناؤ''۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کی چند آیتیں تلاوت کیں تو نجاشی پر ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی۔ اس نے کہا: ''خدا کی قسم! یہ اور تورات ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں اور قریش کے سفیروں سے مخاطب ہو کر کہا: ''واللہ! میں ان کو کبھی واپس جانے نہ دوں گا''۔

سفرائے قریش نے ایک دفعہ پھر کوشش کی اور دوسرے روز دربار میں باریاب ہو کر عرض کی: ''حضور! کچھ یہ بھی جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان لوگوں کا کیا خیال ہے''۔ نجاشی نے جواب دینے کے لیے مسلمانوں کو بلایا' ان لوگوں کو سخت تردد تھا کہ کیا جواب دیں۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا کچھ بھی ہو' خدا اور رسول نے جو کچھ بتایا ہے' ہم اس سے انحراف نہیں کریں گے' غرض دربار میں پہنچے تو نجاشی نے پوچھا: ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت تمہارا کیا اعتقاد ہے؟'' حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہم ان کو خدا کا بندہ' پیغمبر اور اس کی روح مانتے ہیں''۔ نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا: ''واللہ جو کچھ تم نے کہا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں ہیں''۔ یہ سن کر دربار کے پادری جو ابن اللہ کا عقیدہ رکھتے تھے' نہایت برہم ہوئے' نتھنوں سے خرخراہٹ کی آوازیں آنے لگیں' لیکن نجاشی نے کچھ پرواہ نہ کی' اور قریش کی سفارت ناکام واپس آئی [1]

حبش سے مدینہ:

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کی ہجرت کے چھ سال بعد تک حبشہ ہی میں رہے' ۷ھ میں وہ حبش مدینہ آئے' یہ وہ زمانہ تھا کہ خیبر فتح ہو گیا تھا اور مسلمان اس کی خوشی منا رہے تھے' کہ مسلمانوں کو اپنے ان دور افتادہ بھائیوں کی واپسی کی دوہری خوشی حاصل ہوئی' حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سامنے آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گلے سے لگایا اور پیشانی چوم کر فرمایا: ''میں نہیں جانتا کہ مجھ کو جعفر کے آنے سے زیادہ خوشی ہوئی یا خیبر کی فتح سے''۔[2]

---

[1] مسند احمد جلد ۱ ص ۲۰۱ تا ۲۰۳

[2] طبقات ابن سعد جلد ۴ قسم اوّل ص ۲۳ امختصراً بخاری ذکر غزوہ خیبر میں ہے۔

Marfat.com

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی واپسی کو ابھی ایک سال بھی گذرنے نہ پایا تھا کہ ان کے امتحان کا وقت آ گیا۔

غزوۂ موتہ:

جمادی الاولیٰ ۸ھ میں موتہ پر فوج کشی ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا علم حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو عطا کر کے فرمایا کہ ''اگر زید شہید ہوں تو جعفر (رضی اللہ عنہ) اور اگر جعفر (رضی اللہ عنہ) بھی شہید ہوں تو عبداللہ ابن رواحہ (رضی اللہ عنہ) اس جماعت کے امیر ہوں گے'' [1] چونکہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اپنے مخصوص تعلقات کی بنا پر متوقع تھے کہ شرفِ امارت ان ہی کو حاصل ہوگا، اس لیے انہوں نے کھڑے ہو کر عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا کبھی یہ خیال نہ تھا کہ آپ زید (رضی اللہ عنہ) کو مجھ پر امیر بنائیں گے''۔ ارشاد ہوا: ''اس کو جانے دو تم نہیں جان سکتے کہ بہتری کس میں ہے''۔ [2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوہ کے انجام و نتیجہ سے آگاہ تھے، اس لیے فرمایا کہ اگر زید (رضی اللہ عنہ) شہید ہوں تو جعفر علم سنبھالیں، اگر وہ بھی شہید ہوں تو عبداللہ بن رواحہ (رضی اللہ عنہ) ان کی جگہ لیں۔ [3]

شہادت:

موتہ پہنچ کر معرکہ کارزار گرم ہوا، تین ہزار غازیانِ دین کے مقابلہ میں غنیم کا ایک لاکھ ٹڈی دل لشکر تھا، امیر فوج حضرت زید رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ گھوڑے سے کود پڑے اور علم کو سنبھال کر غنیم کی صفیں چیرتے ہوئے آگے بڑھے، دشمنوں کا ہر طرف سے نرغہ تھا، تیغ و تبر، تیروسنان کی بارش ہو رہی تھی، یہاں تک کہ تمام بدن زخموں سے چھلنی ہو گیا، دونوں ہاتھ بھی یکے بعد دیگرے شہید ہوئے مگر اس جانباز نے اس حالت میں بھی توحید کے جھنڈے کو سرنگوں ہونے نہ دیا۔ [4] بالآخر شہید ہو کر گرے تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اور ان کے بعد حضرت خالد سیف اللہ رضی اللہ عنہ نے علم ہاتھ میں لیا اور

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ موتہ [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جلد ۳ ص ۳۲

[3] طبقات ابن سعد حصہ مغازی غزوۂ موتہ [4] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۸۸

Marfat.com

مسلمانوں کو بچا لائے۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس جنگ میں شریک تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے جعفر کی لاش کو تلاش کر کے دیکھا تو صرف سامنے کی طرف پچاس زخم تھے، تمام بدن کے زخموں کا شمار تو نوے سے بھی متجاوز تھا۔[2] لیکن ان میں سے کوئی زخم پشت پر نہ تھا۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حزن و ملال:

میدانِ جنگ میں جو کچھ ہو رہا تھا، خدا کے حکم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھا، چنانچہ خبر آنے سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ وغیرہ کی شہادت کا حال بیان فرما دیا، اس وقت آپ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے، اور روئے انور پر حزن و ملال کے آثار نمایاں تھے۔[4]

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں آٹا گوندھ چکی تھی، اور لڑکوں کو نہلا دھلا کر صاف کپڑے پہنا رہی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا جعفر (رضی اللہ عنہ) کے بچوں کو لاؤ، میں نے ان کو حاضر خدمت کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آبدیدہ ہو کر ان کو پیار فرمایا، میں نے کہا میرے ماں باپ فدا ہوں، حضور آبدیدہ کیوں ہیں کیا جعفر اور ان کے ساتھیوں کے متعلق کوئی اطلاع آئی ہے، فرمایا: ہاں! وہ شہید ہو گئے، یہ سن کر میں چیخنے چلانے لگی، محلّہ کی عورتیں میرے اردگرد جمع ہو گئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے، اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے فرمایا کہ آلِ جعفر کا خیال رکھنا، آج وہ اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔[5]

سیدۂ جنت حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو بھی اپنے عم محترم کی مفارقت کا شدید غم تھا، شہادت کی خبر سن کر بادیدۂ تر واعماہ! واعماہ! کہتے ہوئے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بے شک! جعفر (رضی اللہ عنہ) جیسے شخص پر رونے والیوں کو رونا چاہئے"۔

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی [2] بخاری باب غزوۂ موتہ [3] بخاری باب غزوۂ موتہ
[4] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۸۸ [5] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۰۹

Marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرصہ تک شدید غم رہا' یہاں تک کہ روح الامین نے یہ بشارت دی کہ ''خدا نے جعفر (رضی اللہ عنہ) کو دو کٹے ہوئے بازوؤں کے بدلہ میں دو نئے بازو عنایت کیے ہیں' جن سے وہ ملائکہ جنت کے ساتھ مصروفِ پرواز رہتے ہیں۔[1] چنانچہ ذوالجناحین اور طیاران کا لقب ہو گیا۔

فضائل ومحاسن:

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کشادہ دست وفیاض تھے' غرباء ومساکین کو کھانا کھلانے میں ان کو خاص لطف حاصل ہوتا تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ابوالمساکین کے نام سے یاد فرمایا کرتے تھے' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اکثر بھوک کے باعث پیٹ کو کنکروں سے دبائے رکھتا تھا' اور آیت یاد بھی رہتی تو اس کو لوگوں سے پوچھتا پھرتا' کہ شاید کوئی مجھ کو اپنے گھر لے جائے اور کچھ کھلائے' لیکن میں نے جعفر (رضی اللہ عنہ) کو مسکینوں کے حق میں سب سے بہتر پایا' وہ ہم لوگوں (اصحاب صفہ) کو اپنے گھر لے جاتے تھے' اور جو کچھ ہوتا تھا' سامنے لا کر رکھ دیتے تھے' یہاں تک کہ بعض اوقات گھی یا شہد کا خالی مشکیزہ تک لا دیتے اور اس کو پھاڑ کر ہمارے سامنے رکھ دیتے اور ہم اس کو چاٹ لیتے تھے۔[2]

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب کا پایہ نہایت بلند تھا' خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کرتے تھے کہ ''جعفر (رضی اللہ عنہ)! تم میری صورت وسیرت دونوں میں مجھ سے مشابہ ہو''[3] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ ''مجھ سے پہلے جس قدر نبی گزرے ہیں ان کو صرف سات رفیق دیئے گئے تھے' لیکن میرے رفقائے خاص کی تعداد چودہ ہے' ان میں سے ایک جعفر (رضی اللہ عنہ) بھی ہیں''[4] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جعفر رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں''[5] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان کے صاحبزادہ کو سلام

---

1. مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۰۹
2. صحیح بخاری مناقب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ
3. صحیح بخاری مناقب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ
4. جامع ترمذی مناقب اہل بیت
5. جامع ترمذی مناقب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ

Marfat.com

کرتے تو کہتے: ''السلام علیک یا ابن ذی الجناحین'' [1] حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کچھ مانگتا تو وہ انکار کر دیتے، لیکن جب اپنے والد جعفر رضی اللہ عنہ کا واسطہ دیتا تو بغیر کچھ دیئے نہ رہتے۔

ازواج واولاد:

بیویوں کی صحیح تعداد نہیں معلوم، آپ کی بیوی اسماء سے تین صاحبزادے تھے عبداللہ، محمد اور عون، ان میں صرف عبداللہ سے نسل چلی۔

[1] صحیح بخاری غزوۂ موتہ

Marfat.com

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

زید نام' ابو اسامہ کنیت' حب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) لقب' والد کا نام حارثہ اور والدہ کا نام سعدی بنت ثعلبہ تھا' پورا سلسلہ نسب یہ ہے' زید بن حارثہ بن شرحبیل بن کعب ابن عبدالعزیٰ بن امراء القیس بن عامر بن نعمان بن عامر بن عبدود بن عوف بن کنانہ بن بکر بن عوف بن عذرہ بن زید اللات بن رفیدہ بن ثور بن کلب بن وبرہ بن ثعلب بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ۔

ابتدائی حالات:

گذشتہ بالا نسب سے ظاہر ہوا ہوگا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے والد حارثہ بنی قضاعہ سے تعلق رکھتے تھے جو یمن کا ایک نہایت معزز قبیلہ تھا' ان کی والدہ سعدی بنت ثعلبہ بنی معن سے تھیں جو قبیلہ طے کی ایک شاخ تھی' وہ ایک مرتبہ اپنے صغیر السن بچے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر اپنے میکہ گئیں' اسی اثناء میں بنو قین کے سوار جو غارتگری سے واپس آ رہے تھے' اس نونہال کو خیمہ کے سامنے سے اٹھا لائے اور غلام بنا کر عکاظ کے بازار میں فروخت کے لیے پیش کیا' ستارہ اقبال بلند تھا' غلامی میں بھی سیادت مقدر تھی' حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے چار سو درہم میں خرید کر اپنی پھوپھی ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیش کیا' جن کی وساطت سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا شرف نصیب ہوا جس پر ہزاروں آزادیاں اور تمام دنیا کی شہنشاہیاں قربان ہیں۔[1]

حضرت زید رضی اللہ عنہ کے والد حارثہ بن شرحبیل کو قدرۃً اپنے لخت جگر کے گم ہو جانے کا شدید غم ہوا' آنکھوں سے سیل اشک بہائے' دل آتش فراق سے بھڑک اُٹھا اور

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ثانی قسم اوّل ص ۲۷

Marfat.com

محبت پدری نے الفاظ کی رنگ آمیزی سے اس طرح رنج والم کا نقشہ کھینچا ہے

بکیت علی زید و لم ادر ما فعل   احی فیرجی ام اتی دونہ الاجل

''میں نے زید پر گریہ وزاری کی لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کیا ہو گیا' آیا زندہ ہے جس کی امید رکھی جائے یا اسے موت آ گئی''۔

فواللہ ما ادری و ان کنت سائلا   اغالك سهل الارض ام غالك الجبل

''خدا کی قسم میں جانتا ہوں اگرچہ پوچھتا بھی ہوں کہ کیا تجھے نرم زمین نگل گئی یا پہاڑ کھا گیا؟''

فیالیت شعری هل لك الدهر رجعة   فحسبی من الدنیا رجوعك لی بجل

''کاش! میں جانتا کہ آیا تیرا آنا کبھی ممکن ہے؟ پس تیرا واپس آنا ہی میرے لیے دنیا میں کافی ہے''۔

تذکرینہ الشمس عند طلوعها   وتعرض ذکراہ اذ اقارب الطفل

''آفتاب اپنے طلوع ہونے کے وقت اس کو یاد دلاتا ہے' اور جب غروب کا وقت قریب آ جاتا ہے تو اس کی یاد کو پھر تازہ کر دیتا ہے''۔

وان هبت الارواح هیجن ذکرہ   فیاطول ما حزنی علیه و یاوجل

''باد بہاری کی لپٹ اس کی یاد کو برانگیختہ کر دیتی ہے' آہ! مجھے اس پر کس قدر شدید رنج والم ہے''۔

ساعمل نص العیش فی الارض جاهداً   ولا اسام التطواف او تسام الابل

''عنقریب میں اونٹ کی طرح چل کر تمام دنیا چھان ماروں گا' میں اس آوارہ گردی سے اپنی زندگی بھر نہیں تھکوں گا یہاں تک کہ اونٹ تھک جائے گا''۔

حیاتی او تاتی علی منیتی   وکل امرء فان وان غرہ الامل

''یا مجھ پر موت آ جائے.... ہر آدمی فانی ہے' اگرچہ سراب امید سے دھوکا دے''۔

واوصی به قیسا و عمرا کلیهما   واوصی یزید اثم من بعدهم جبل

''میں قیس اور عمر دونوں کو اس کے جستجو کی وصیت کرتا ہوں' اور یزید کو پھر ان

Marfat.com

کے بعد جبل کو وصیت کرتا ہوں''۔

جبل سے مراد جبلہ بن حارثہ ہیں جو حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی تھے اور یزیدان کے اخیافی بھائی تھے۔

ایک سال بنی کلب کے چند آدمی حج کے خیال سے مکہ آئے تو انہوں نے ایک یوسف گم گشتہ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور یعقوب صفت باپ کا ماجرائے غم کہہ سنایا' بولے ''یقیناً انہوں نے میری فرقت میں نوحہ خوانی کی ہوگی' تم میری طرف سے میرے خاندان والوں کو یہ اشعار سنا دینا''۔

احن الی قومی و ان کنت فائیا　　بانی قطین البیت عند المشاعر

''میں اپنی قوم کا مشتاق ہوں گو ان سے دور ہوں' میں خانہ کعبہ میں مشعر حرام کے قریب رہتا ہوں''۔

فکفوا من الوجد الذی قد شماکم　　ولاتعملوا فی الارض نص الاباعر

''اس لیئے اس غم سے باز آ جاؤ' جس نے تم کو پر الم بنا رکھا ہے اور اونٹوں کی طرح چل کر دنیا کی خاک نہ چھانو''۔

فانی بحمد اللہ فی خیرا سرۃ　　کدام معدٍ کابرا بعد کابر

''الحمدللہ کہ میں بنی معد کے ایک معزز اور اچھے خاندان میں ہوں جو پشتہا پشت سے معزز ہے''۔

بنی کلب کے زائروں نے واپس جا کر ان کے والد کو اطلاع دی تو تعجب سے ان کی آنکھیں چمک اٹھیں اور وفور یاس نے یک بیک یقین نہ ہونے دیا۔ بولے: ''ربّ کعبہ کی قسم کیا میرا ہی نور نظر تھا؟ ان لوگوں نے جب تفصیل کے ساتھ حلیہ جائے قیام اور مربی کے حالات بیان کیے تو اسی وقت اپنے بھائی کعب بن شرحبیل کو ہمراہ لے کر مکہ کی طرف چل کھڑے ہوئے' اور حضرت سرورِ کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بصد منت ولجاجت عرض کی: ''اے ابن عبداللہ! اے ابن عبدالمطلب! اے اپنی قوم کے رئیس زادہ! تم اہل حرم اور اس کے مجاور ہو' مصیبت زدوں کی دستگیری کرتے ہو' قیدیوں کو کھانا

Marfat.com

دیتے ہو، ہم تمہارے پاس اس غرض سے آئے ہیں کہ ہمارے لڑکے کو آزاد کر کے ہم کو رہین منت بنا دو، زرِ فدیہ جس قدر چاہو لو، ہم بیش قرار معاوضہ دینے کو تیار ہیں''۔ ارشاد ہوا: ''وہ کون ہے؟'' بولے: ''زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہ)'' آنحضرت ﷺ نے حضرت زید کا نام سنا تو ایک لمحہ تفکر کے بعد فرمایا: ''کیا اس کے سوا کوئی اور حاجت نہیں؟'' عرض کی: ''نہیں!'' فرمایا: ''بہتر زید (رضی اللہ عنہ) کو بلا کر اختیار دو، اگر وہ تمہیں پسند کرے تو تمہارا ہے، اور اگر مجھے ترجیح دے تو خدا کی قسم میں ایسا نہیں ہوں جو اپنے ترجیح دینے والے پر کسی کو ترجیح دوں''۔ حارثہ اور کعب نے اس شرط پر شکریہ کے ساتھ رضا مندی ظاہر کی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بلائے گئے، آنحضرت ﷺ نے پوچھا: ''تم ان دونوں کو پہچانتے ہو؟'' عرض کی: ''ہاں! یہ میرے ماں باپ اور چچا ہیں''۔ آپ نے ان کے ہاتھ میں قرعہ انتخاب دے کر فرمایا: ''میں کون ہوں؟ اس سے تم واقف ہو، میری ہم نشینی کا حال بھی تم کو معلوم ہے، اب تمہیں اختیار ہے چاہے مجھے پسند کرو یا ان دونوں کو''۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو شہنشاہِ کونین کی غلامی میں جو لطف ملتا تھا اس پر صدہا آزادیاں نثار تھیں۔ بولے: ''میں ایسا نہیں ہوں جو حضور ﷺ کسی کو ترجیح دوں، آپ ﷺ ہی میرے ماں باپ ہیں''۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی اس مخلصانہ وفا شعاری نے اس کے باپ اور چچا کو محوِ حیرت کر دیا، تعجب سے بولے: ''زید (رضی اللہ عنہ)! افسوس تم آزادی، باپ چچا اور خاندان پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو''۔ فرمایا: ''ہاں! مجھے اس ذات پاک میں ایسے ہی محاسن نظر آئے ہیں کہ میں اس پر کسی کو کبھی ترجیح نہیں دے سکتا''۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اپنی غیر متزلزل وفا شعاری سے آقائے شفیق کے دل میں محبت کی دبی ہوئی چنگاری کو مشتعل کر دیا، آنحضرت ﷺ نے خانہ کعبہ میں مقام حجر کے پاس ان کو لے جا کر اعلان فرمایا کہ ''زید آج سے میرا فرزند ہے، میں اس کا وارث ہوں گا، وہ میرا وارث ہوگا''۔ اس اعلان سے ان کے باپ اور چچا کے افسردہ دل گل شگفتہ کی طرح کھل گئے گو والد کو مفارقت گوارا نہ تھی تاہم اپنے لختِ جگر کو ایک شفیق و معزز باپ کی آغوشِ عاطفت میں دیکھ کر اطمینان ہو گیا، اور امتنان و مسرت کے ساتھ واپس گئے۔

اس اعلان کے بعد حضرت زید آنحضرت ہی کے انتساب کے ساتھ

Marfat.com

زید بن محمد (ﷺ) کے نام سے زبان زدِ عام و خاص ہوئے' یہاں تک کہ جب اسلام کا زمانہ آیا اور قرآن پاک کی الہامی زبان نے صرف اپنے نسبی آباء کے ساتھ انتساب کی ہدایات فرمائی تو وہ پھر حارثہ کی نسبت سے زید بن حارثہ مشہور ہوئے۔[1]

اسلام:

آنحضرت ﷺ کو خلعت نبوت عطا ہوا تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ابتدا ہی میں شرفِ بیعت حاصل کیا' محققین کا فیصلہ ہے کہ وہ غلاموں میں سب سے پہلے مومن تھے' حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو ان سے رسول اللہ ﷺ نے بھائی چارہ کرا دیا' ان دونوں میں اس قدر محبت ہوگئی تھی کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جب غزوات میں تشریف لے جاتے تھے تو ان ہی کو اپنا وصی بنا کر جاتے تھے۔[2]

شادی:

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کی آیا اور کنیز تھیں' آپ ﷺ ان کو نہایت محبوب رکھتے تھے' اور اماں کہہ کر مخاطب فرماتے تھے' ایک روز آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی جنتی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کو ام ایمن (رضی اللہ عنہا) سے نکاح کرنا چاہئے' حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جو رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے' ان سے نکاح کر لیا' چنانچہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما جو اپنے والد کے بعد حبِ رسول اللہ ﷺ کے لقب سے مشہور ہوئے ان ہی کے بطن سے مکہ میں پیدا ہوئے۔[3]

ہجرت:

مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو آنحضرت ﷺ کی طرح یہ بھی حضرت کلثوم

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۲۷ تا ۲۹

[2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث تذکرۂ حمزہ رضی اللہ عنہ

[3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث تذکرۂ حمزہ رضی اللہ عنہ ص ۳۰

Marfat.com

بن ہدم رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے، حضرت اسید بن حضیر انصاری رضی اللہ عنہ جو قبیلہ عبدالاشہل کے معزز رئیس تھے، ان کے اسلامی بھائی بنائے گئے، وہ اب تک خاندانِ نبوت کے ایک ممبر کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، لیکن یہاں پہنچ کر آپ نے ان کے لیے ایک علیحدہ مکان مخصوص فرما دیا اور اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کر دیا، اس طرح درحقیقت یہ دوسرا طرۂ افتخار تھا جو حضرت زید رضی اللہ عنہ کے دستارِ فضل پر نصب ہوا، لیکن یہ پیوند زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا، نسبی و خاندانی عدم توازن نے دونوں کے سطحِ مزاج میں نشیب و فراز پیدا کر دیا، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے دربارِ نبوت میں بار بار ناموافقت کی شکایت کی اور بالآخر طلاق دینے پر مجبور ہو گئے، انقضائے عدت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی معرفت پیام نکاح بھیجا تو انہوں نے کہا: ''جب تک خدا کی طرف سے کچھ حکم نہ آئے میں کچھ نہیں کر سکتی''۔ چنانچہ اس کے بعد ہی اس آیت نے ان کو امہات المومنین میں داخل کر دیا۔[1]

فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ وَطَرًا زَوَّجْنٰکَھَا.

''جب زید (رضی اللہ عنہ) نے حاجت پوری کی تو ہم نے اس کو تم سے بیاہ دیا''۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنّٰی اور زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام سے مشہور تھے اس لیے منافقین نے اس واقعہ کو نہایت ناگوار پیرایہ میں شہرت دی اور کہنے لگے: ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک طرف تو بہو سے نکاح کرنا حرام قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف خود اپنے لڑکے زید (رضی اللہ عنہ) کی بیوی سے نکاح کرتے ہیں لیکن قرآن پاک نے اس مفسدہ پردازی کا اس طرح پردہ فاش کر دیا:

﴿ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ﴾

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ خدا کے رسول اور انبیاء کی مہر ہیں۔

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۳۰

Marfat.com

اور مسلمانوں کو حکم ہوا:

﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾

''لوگوں کو ان کے باپ کی نسبت سے پکارو' یہ خدا کے نزدیک زیادہ قرین انصاف ہے''۔

چنانچہ اس کے بعد ہی وہ اپنے والد حارثہ کی نسبت سے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مشہور ہوئے۔[1]

غزوات

حضرت زید رضی اللہ عنہ تیر اندازی میں مخصوص کمال رکھتے تھے' ان کا شمار ان مشاہیر صحابہ رضی اللہ عنہم میں تھا جو اس فن میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے' معرکہ بدر سے غزوۂ موتہ تک جس قدر اہم و خون ریز معرکے پیش آئے سب میں پامردی و شجاعت کے ساتھ شریک کارزار ہوئے' غزوۂ مریسیع میں چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ میں اپنی جانشینی کا فخر بخشا اس لیے اس مہم میں حصہ نہ لے سکے۔[2]

متفرق کارنامے:

مشہور معرکوں کے علاوہ اکثر چھوٹی چھوٹی مہمات خاص ان کی سپہ سالاری میں سر ہوئیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس فوج کشی میں زید رضی اللہ عنہ شریک ہوتے تھے اس میں امارت کا عہدہ ان ہی کو عطا ہوتا تھا[3] اس طرح نو دفعہ سپہ سالار بنا کر بھیجے گئے۔[4] ان مہمات میں سے پہلی مہم سریہ قردہ تھی جس میں انہوں نے غنیم کو نہایت کامیابی کے ساتھ شکست دی' اور بہت سے اونٹ' مال و اسباب اور دشمن کے ایک سردار فرات بن حیان عجلی کو گرفتار کر کے لائے۔[5]

ربیع الثانی ۶ھ میں بنی سلیم کی سرکوبی پر مامور ہوئے جو مقام جموم میں مسکن گزین

---

1. بخاری کتاب التفسیر
2. طبقات ابن سعد حصہ مغازی
3. طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۱
4. طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۱
5. طبقات حصہ مغازی باب سریہ قردہ ص ۲۶

Marfat.com

تھے‘ اس مہم میں بھی حضرت زید رضی اللہ عنہ کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی‘ بہت سے اونٹ بکریاں اور قیدی پکڑ کر لائے۔[1]

اسی سال قریش کے ایک قافلہ کو جو شام سے واپس آ رہا تھا روکنے کا حکم ہوا‘ حضرت زید رضی اللہ عنہ ایک سو ستر سواروں کے ساتھ یکایک مقام عیص میں اس قافلہ پر جا پڑے اور تمام اہل قافلہ کو مع سامان گرفتار کر لائے‘ مالِ غنیمت میں چاندی کا ایک بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا جو صفوان بن امیہ کے لیے شام سے آ رہا تھا‘ قیدیوں میں ابوالعاص بن الربیع رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد بھی تھے‘ جنہوں نے اپنی اہلیہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر نیک اختر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی پناہ حاصل کر کے مخلصی پائی۔[2]

اسی سال ماہ جمادی الثانیہ میں مقام طرف پر حملہ آور ہوئے‘ لیکن کوئی جنگ نہ ہوئی کیونکہ غنیم پہلے ہی خائف ہو کر بھاگ گیا تھا۔[3] اس کے بعد مقام حسمٰی پر فوج کشی ہوئی‘ پانچ سو جانباز مجاہدان کے زیر کمان تھے‘ حضرت زید رضی اللہ عنہ احتیاط کے خیال سے دن کو پہاڑوں میں چھپ جاتے تھے اور رات کو یلغار کرتے ہوئے قطع منازل کرتے تھے‘ یہاں تک کہ ایک روز یکایک غنیم پر جا پڑے‘ ہنید اور اس کے خاندان کو جس نے دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو قسطنطنیہ کی سفارت سے واپس آتے وقت لوٹ لیا تھا‘ تہ تیغ کیا اور ایک ہزار اونٹ‘ پانچ ہزار بھیڑ بکریاں اور بہت سے قیدی گرفتار کر کے زید بن رفاعہ کے ساتھ دربار نبوت میں ارسال کیے‘ چونکہ اس قوم کے ایک ممبر ابو یزید بن عمرو نے دور اندیشی سے پہلے ہی پہنچ کر اسلام قبول کر لیا تھا اس لیے ان کی سفارش پر تمام قیدی رہا کر دیئے گئے‘ اور مالِ غنیمت واپس کر دیا گیا۔[4] پھر اسی سال ماہِ رجب میں وادی قریٰ کی مہم پر بھیجے گئے اور کامیابی کے ساتھ واپس آئے۔

ماہِ رمضان المبارک ۶ ھ میں حضرت زید رضی اللہ عنہ اسلامی کاروانِ تجارت کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے‘ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بہت سا سامانِ تجارت ان کے

---

[1] ایضاً سریہ جموم ص ۶۲ [2] طبقات حصہ مغازی باب سریہ عیص ص ۶۳
[3] طبقات حصہ مغازی باب سریہ طرف ص ۶۳، ۶۴ [4] ایضاً ص ۶۳، ۶۴

Marfat.com

ساتھ تھا' مدینہ سے سات منزل دور وادی قری کے نواح میں پہنچے تو بنی بدر کی ایک رہزن و غارت پیشہ جماعت نے تمام قافلہ کو لوٹ لیا اور کلمہ گویانِ توحید کو سخت اذیتیں پہنچائیں' حضرت زید رضی اللہ عنہ بمشکل جان بچا کر مدینہ واپس آئے اور دربارِ نبوت میں اس واقعہ کی اطلاع دی چونکہ اس قسم کے متعدد واقعات پیش آ چکے تھے' اس لیے حضرت سرورِ کائنات ﷺ نے ان کو ایک جمعیت کے ساتھ اس قبیلہ کی سرکوبی پر مامور فرمایا' حضرت زید رضی اللہ عنہ بکمال احتیاط کے ساتھ دن کو چھپتے ہوئے اور رات کو یلغار کرتے ہوئے یکا یک ان ڈاکوؤں پر جا پڑے اور قرار واقعی سزا دے کر مدینہ واپس آئے' انہوں نے آستانہ نبوت پر پہنچ کر دستک دی تو آنحضرت ﷺ جس حالت میں تھے اُسی حالت میں باہر تشریف لے آئے اور جوشِ مسرت سے گلے لگا کر ان کی پیانی پر بوسہ دیا' اور دیر تک مفصل کیفیت دریافت فرماتے رہے۔[1]

مہم موتہ اور شہادت:

موتہ دمشق کے قریب ایک مقام کا نام تھا' حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ جو شاہِ بصریٰ کے دربار میں سفارت کی خدمت انجام دے کر واپس آ رہے تھے اسی مقام پر شرحبیلی ابن عمر غسانی کے ہاتھ سے شہید ہوئے' یہ پہلا موقعہ تھا کہ دربارِ رسالت کے ایک قاصد کے ساتھ اس قسم کی جسارت کی گئی۔[2] آنحضرت ﷺ نے ان کے انتقام کے لیے تین ہزار مجاہدین کی جمعیت فراہم کر کے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو لوائے قیادت عطا کیا اور فرمایا اگر زید (رضی اللہ عنہ) شہید ہوں تو جعفر (رضی اللہ عنہ) اور ان کے بعد عبداللہ بن رواحہ اس جماعت کے امیر ہوں گے۔[3] حضرت جعفر رضی اللہ عنہ چونکہ اپنے مخصوص تعلقات کی بنا پر متوقع تھے کہ امارت کے طغرائے امتیاز ان کے سینہ پر آویزاں ہوگا اس لیے انہوں نے کھڑے ہو کر عرض کی ''یا رسول اللہ ﷺ! میرا کبھی یہ خیال نہ تھا کہ آپ ﷺ زید (رضی اللہ عنہ) کو مجھ پر امیر بنائیں گے' ارشاد ہوا: ''اس کو جانے دو تم نہیں جان سکتے کہ بہتر کیا ہے؟[4]

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی سریہ زید الی ام القریٰ ص ۶۵ [2] ایضاً باب غزوۂ موتہ

[3] بخاری باب غزوۂ موتہ [4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۲

Marfat.com

جمادی الاولیٰ ۸ ھ میں یہ مہم روانہ ہوئی' چونکہ غنیم کو اس فوج کشی کی اطلاع پ
سے مل چکی تھی' اس لیے ایک لاکھ کا ٹڈی دل لشکر امنڈ آیا تھا' لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ
اس کثرت کی پرواہ نہ کی اور علم سنبھال کر پیادہ پا دشمن کی صف میں گھس گئے' ان کے اتبا
میں دوسرے سردارانِ فوج نے بھی ہلہ کر دیا' دیر تک گھمسان کی جنگ رہی' اسی حالت می
نیزہ کے ایک وار نے اسلامی سالارِ فوج یعنی حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب غلام حضر
زید رضی اللہ عنہ کو شہید کیا' ان کے بعد یکے بعد دیگرے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور حضر
عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے علم سنبھالا اور شدید کشت وخون کے بعد واصل بحق ہوئے' ا
کے بعد حضرت خالد سیف اللہ رضی اللہ عنہ نے علم ہاتھ میں لیا اور غازیانِ دین کو مجتمع کر کے ایک
ایسا حملہ کیا کہ غنیم کے پاؤں اکھڑ گئے۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ جنگ سے اطلاع آنے کے قبل ہی لوگوں کو امرائے
فوج کے خبر شہادت سنا دی اور وفورِ غم سے آبدیدہ ہو گئے۔[2] حضرت زید رضی اللہ عنہ کی ایک
صاجزادی شفیق باپ کا سایہ اُٹھ جانے سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں' تو آپ بھی ضبط
نہ فرما سکے۔ اور اس قدر روئے کہ گلوگرفتہ ہو گئے' حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی:
''یا رسول اللہ! یہ کیا ہے''۔ فرمایا: ''یہ جذبہ محبت ہے''۔[3]

انتقام:

حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے محبوب و وفا شعار غلام کی مفارقت کا شدید غم
تھا' حجۃ الوداع سے واپس آنے کے بعد ان کے صاجزادہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو
ایک جمعیت کے ساتھ انتقام پر مامور فرمایا' چونکہ وہ نہایت کمسن تھے اس لیے بعض نے ان
کی سیادت پر ناپسندیدگی ظاہر کی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم لوگ پہلے جس طرح اس
کے باپ کی سرداری پر طعن وطنز کرتے تھے اسی طرح اب اس کی امارت کو ناپسند کرتے ہو'
خدا کی قسم زید سزاوارِ امارت ومحبوب ترین شخص تھا' اور اس کے بعد اسامہ (رضی اللہ عنہ) مجھ کو سب

---

[1] بخاری باب غزوۂ موتہ [2] ایضاً [3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۳۲

Marfat.com

سے زیادہ محبوب ہے۔[1]

یہ مہم ابھی روانہ بھی نہیں ہوئی تھی کہ آفتابِ رسالت غروب ہوگیا، لیکن خلیفہ اوّل نے ہجوم مصائب وصعوباتِ گوناگوں کے باوجود کوچ کا حکم دے دیا اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اپنے پدر شفیق کے قاتلوں سے انتقام لے کر غیر معمولی کامیابی کے ساتھ مدینہ واپس آئے۔

اخلاق:

حضرت زید رضی اللہ عنہ کے صحیفہ اخلاق میں وفا شعاری کا باب سب سے نمایاں ہے، گذشتہ واقعات سے اس کا اندازہ ہوا ہوگا، آقائے نامدار کی رضامندی ان کا پر لطف مقصد حیات تھا حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا گو ایک معمر عورت تھیں تاہم انہوں نے محض اس لیے ان سے نکاح کرلیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بہت زیادہ محبوب رکھتے تھے۔[2]

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے متعلقین کا بے حد ادب واحترام ملحوظ رکھتے تھے، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس (جن کو انہوں نے ناموافقت کے باعث طلاق دے دی تھی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پیام لے کر گئے تو محض اس خیال سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کی خواہش ظاہر فرمائی ہے تعظیماً دیکھ نہ سکے اور جو کچھ کہنا تھا منہ پھیر کر کہا۔[3]

گو حضرت زید رضی اللہ عنہ کے اخلاقی کارناموں کی تفصیل نہیں ملتی تاہم درحقیقت ان کے وہ اوصاف حسنہ ومحاسن جمیلہ ہی تھے جس نے ان کو اور ان کی اولاد کو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب بنا دیا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہتے تو آپ ان ہی کو اپنا جانشین بناتے۔[4]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک دفعہ ان کے پوتے محمد بن اسامہ کو مدینہ کی مسجد میں دیکھا تو تعظیم سے گردن جھکالی اور بولے "اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے تو اس کو بھی

---

[1] بخاری ذکر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما [2] طبقات ابن سعد تذکرۂ ام ایمن رضی اللہ عنہا

[3] مسلم باب زواج زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا [4] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۳۱

Marfat.com

محبوب رکھتے''۔[1]

حلیہ اور عمر:

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا حلیہ یہ تھا' قد کوتاہ' ناک پست اور رنگ گہرا گندمی۔ ۵۴ یا ۵۵ برس کی عمر میں شہادت پائی۔[2]

ازواج:

مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں' بیویوں کے نام یہ ہیں۔
ام ایمن' ام کلثوم بنت عقبہ' درہ بنت ابولہب' ہند بنت العوام' زینب بنت جحش' ناموافقت کے باعث ان کو طلاق دے دی اور اس کے بعد وہ امہات المومنین میں شامل کی گئیں۔[3]

اولاد:

دو لڑکے اسامہ بن زید' زید بن زید اور ایک لڑکی رقیہ پیدا ہوئی' لیکن حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے سوا مؤخر الذکر دونوں بچوں نے بچپن ہی میں داغِ مفارقت دیا۔[4]

---

[1] بخاری ذکر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ
[2] اصابہ تذکرہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ
[3] اسد الغابہ تذکرہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ
[4] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۳۰

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

نام و نسب:

عبداللہ نام' ابوالعباس کنیت' والد کا نام عباس اور والدہ کا نام ام الفضل لبابہ تھا' شجرۂ نسب یہ ہے۔

عبداللہ بن العباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف القرشی الہاشمی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم اور ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے خواہر زادہ تھے' کیونکہ ان کی والدہ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہن تھیں۔

ولادت:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہجرت سے تین سال قبل مکہ کی اس گھاٹی میں تولد پذیر ہوئے جہاں مشرکین قریش نے تمام خاندان ہاشم کو محصور کر دیا تھا' حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان کو بارگاہِ نبوت میں لے کر آئے تو آپ نے منہ میں لعابِ دہن ڈال کر دعا فرمائی۔[1]

اسلام:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بظاہر فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا' لیکن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے ابتدا ہی میں داعی توحید کو لبیک کہا تھا' ابن سعد کی روایت ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد عورتوں میں ان کا ایمان سب پر مقدم تھا' اس بنا پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یومِ ولادت ہی سے توحید کی لوریوں میں پرورش پائی اور ہوش سنبھالنے کے ساتھ وہ قدرۃً ایک پرجوش مسلم ثابت ہوئے' امام بخاری ترجمۃ الباب میں فرماتے ہیں:[2]

کان ابن عباس مع امه من المستضعفین ولم یکن مع ابیه علی دین قومه وقال

---

[1] اسد الغابہ تذکرۂ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما [2] بخاری جلد ۱ ص ۱۸۰

Marfat.com

الاسلام یعلو ولا یعلی۔

''ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنی ماں کے ساتھ ضعفائے اسلام میں تھے (جو اپنی مجبوریوں کے باعث مکہ میں رہ گئے تھے) وہ اپنے والد کے ساتھ اپنی قوم کے مذہب پر نہ تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اسلام سربلند رہے گا مغلوب نہ ہوگا''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جب یہ آیت تلاوت فرماتے: ﴿اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ﴾ تو فرماتے کہ میں بھی اپنی والدہ کے ساتھ ان لوگوں میں شامل تھا جن کو خدا نے معذور قرار دیا ہے۔[1]

ہجرت:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ ۸ھ میں فتح سے کچھ عرصہ پہلے حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے[2] حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت گیارہ برس سے زیادہ نہ تھی' لیکن وہ اپنے والد کے حکم سے اکثر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک روز انہوں نے واپس آ کر بیان کیا: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کو میں نہیں جانتا ہوں' کاش مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کون تھے؟'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا' آپ نے ان کو بلا کر فرطِ محبت سے اپنے آغوشِ عاطفت میں بٹھایا' اور سر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی: ''اے خدا! اس میں برکت نازل فرما اور اس سے علم کی روشنی پھیلا''۔[3]

عہد طفولیت اور مصاحبت رسول:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما گو فطرۃ ذہین' سلیم الطبع' متین اور سنجیدہ تھے' تاہم انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کا جو زمانہ پایا وہ درحقیقت ان کا عہد طفولیت تھا' جس میں انسان کو کھیل کود سے دل آویزی ہوتی ہے' فرماتے ہیں کہ میں لڑکوں

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۶۶۰ [2] اسد الغابہ تذکرہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

[3] اصابہ تذکرہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

Marfat.com

کے ساتھ گلیوں میں کھیلتا پھرتا تھا' ایک روز رسول اللہ ﷺ کو پیچھے آتے ہوئے دیکھا تو جلدی سے اپنے گھر کے دروازہ میں چھپ گیا' لیکن آپ ﷺ نے آ کر مجھے پکڑ لیا اور سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا: "جا معاویہ کو بلا لا"۔ وہ آنحضرت ﷺ کے کاتب تھے' میں دوڑ کر ان کے پاس گیا اور کہا چلئے رسول اللہ ﷺ آپ کو یاد فرماتے ہیں' کوئی خاص ضرورت ہے۔[1]

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں اور ان کو نہایت عزیز رکھتی تھیں' اس لیے وہ اکثر ان کی خدمت میں حاضر رہتے' کبھی کبھی رات کے وقت بھی ان ہی کے گھر سو رہتے تھے' اس طرح ان کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے مستفیض ہونے کا بہترین موقع میسر تھا' فرماتے ہیں کہ "ایک مرتبہ میں رات کے وقت اپنی خالہ (حضرت) میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس سو رہا تھا' آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور چار رکعت نماز پڑھ کر استراحت فرما ہوئے' پھر کچھ رات باقی تھی کہ بیدار ہوئے اور مشکیزہ کے پانی سے وضو کر کے نماز پڑھنے لگے میں بھی اُٹھ کر بائیں طرف کھڑا ہو گیا' آپ ﷺ نے میرا سر پکڑ کر مجھے داہنی طرف کر لیا"۔[2]

اسی سلسلہ میں بارہا خدمت گذاری کا شرف بھی حاصل ہوا' ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے بیدار ہوئے' انہوں نے وضو کے لیے پانی لا کر رکھ دیا' آپ ﷺ نے وضو فرما کر پوچھا: "پانی کون لایا تھا؟" حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا نام لیا' آنحضرت ﷺ نے خوش ہو کر دعائیں دیں اور فرمایا: "اللھم فقھہ فی الدین و علمہ التاویل" یعنی اے خدا! اس کو مذہب کا فقیہ بنا اور تاویل کا طریقہ سکھا۔[3]

ایک دفعہ وہ نماز میں آنحضرت ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوئے' آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اپنے برابر کھڑا کر لیا' لیکن وہ حیص بیص میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے' آنحضرت ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر پوچھا: "تمہارا کیا حال ہے؟" عرض کی: "یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ کے برابر کھڑا ہونا کسی کے لیے مناسب ہے' حالانکہ آپ رسولِ

---

[1] مسند جلد ا ص ۲۹۱ [2] بخاری جلد ا ص ۹۷ [3] مسند احمد جلد ا ص ۳۲۸' و مستدرک جلد ۳ ص ۳۴

Marfat.com

خدا ہیں' آنحضرت ﷺ نے ان کے لیے ازدیاد علم وفہم کی دعا فرمائی [1]

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا عہد:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما صرف تیرہ برس کے تھے کہ حضرت سرورِ کائنات ﷺ نے اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی' سوا دو برس کے بعد خلیفہ اوّل نے بھی داغِ مفارقت دیا' خلیفہ دوم یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے جوہر قابل پا کر خاص طور سے اپنے دامن تربیت میں لے لیا' اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی علمی صحبتوں میں شریک کیا' یہاں تک کہ لوگوں کو اس پر رشک ہوتا تھا' صحیح بخاری میں خود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھ کو شیوخِ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے' اس پر بعض بزرگوں نے کہا کہ آپ اس نوعمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں' اور ہمارے لڑکوں کو جوان کے ہمسر ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے'' [2]

محدث ابن عبدالبر استیعاب میں تحریر فرماتے ہیں: ''کان عمر یحب ابن عباس و یقربہ'' یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو محبوب رکھتے تھے' اور ان کو تقرب دیتے تھے' بسا اوقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا' عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کا جواب دینا چاہتے لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی ہمت بندھاتے اور فرماتے: ''علم سن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں ہے' تم اپنے نفس کو حقیر نہ بناؤ'' [3] حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر پیچیدہ اور مشکل مسائل ان سے حل کراتے تھے' اور ان کی فطری ذہانت و طباعی سے خوش ہو کر داد دیتے تھے' ان شاء اللہ علم و فضل کے بیان میں اس کی تفصیل آئے گی۔

خلیفہ ثالث کے عہد میں عبداللہ بن ابی سرح والی مصر کے زیر اہتمام ۲۷ھ میں افریقہ پر فوج کشی ہوئی' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایک جماعت کے ساتھ مدینہ منورہ

---

[1] مسند احمد جلد اوّل ص ۲۳۰ و مستدرک جلد ۳ ص ۵۳۵ [2] بخاری جلد ۲ ص ۶۱۵ [3] ایضاً ص ۶۵۱

Marfat.com

سے چل کر اس مہم میں شریک ہوئے اور ایک سفارت کے موقع پر جرجیر شاہِ افریقہ سے مکالمہ ہوا' اس کو ان کی ذہانت و طباعی سے نہایت حیرت ہوئی اور بولا: ''میں خیال کرتا ہوں کہ آپ حبرِ عرب (عرب کے کوئی عالم متبحر) ہیں''۔[1]

امارت حج:

چونکہ ۳۵ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محصور تھے' اس لیے اس سال وہ خود امارتِ حج کا فرض انجام نہ دے سکے' انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بلا کر فرمایا: ''خالد بن عاص کو میں نے مکہ کا والی مقرر کیا ہے' میں ڈرتا ہوں کہ امارتِ حج کے فرائض انجام دینے پر شاید ان کی مزاحمت کی جائے اور اس طرح خانہ خدا میں بھی فتنہ و فساد اٹھ کھڑا ہو' اس لیے میں تم کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجتا ہوں''۔[2]

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اس خدمت کو سرانجام دے کر واپس آئے تو مدینہ نہایت پر آشوب ہو رہا تھا' خلیفہ ثالث شہید ہو چکے تھے' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بارِ خلافت اٹھانے پر لوگ مجبور کر رہے تھے' انہوں نے ان سے مشورہ طلب کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ: خلافت کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ میں خیال کرتا ہوں کہ اس حادثہ عظیم کے بعد کوئی شخص اس بار کو اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما: یہ ضرور ہے کہ اب جس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی اس پر خونِ ناحق کا اتہام لگایا جائے گا' تاہم لوگوں کو اس وقت آپ کی ضرورت ہے۔

غرض اہل مدینہ کے اتفاقِ عام سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے اور نئے سرے سے ملکی نظم و نسق کا اہتمام شروع ہوا' حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ سر دست موجود عمال و حکام برقرار رکھے جائیں' لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سختی کے ساتھ اس سے انکار کیا تو انہوں نے دوسرے روز اپنی رائے واپس لے لی۔ اور

---

[1] اصابہ تذکرہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما [2] طبری واقعات ۳۵ھ

Marfat.com

کہا: امیر المومنین! میں نے رائے دینے کے بعد غور کیا تو آپ ہی کا خیال انسب نظر آیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فوراً اصل حقیقت کو تاڑ گئے اور بولے: میرے خیال میں مغیرہ رضی اللہ عنہ کی پہلی رائے خیر خواہی پر مبنی تھی، لیکن دوسری دفعہ انہوں نے آپ کو دھوکہ دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ: خیر خواہی کیا تھی؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما: آپ جانتے ہیں کہ معاویہ اور ان کے احباب دنیا دار ہیں، اگر آپ ان کو برطرف کر دیں گے تو وہ تمام ملک میں شورش و فتنہ پردازی کی آگ بھڑکا دیں گے، اور اہل شام و عراق کو خلیفہ ثالث کے انتقام پر اُبھار کر آپ کے خلاف کھڑا کر دیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ: اس میں شک نہیں کہ تمہاری رائے مصالح دنیاوی کے لحاظ سے نہایت صائب ہے، تاہم میرا ضمیر اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں جن لوگوں کی بداعمالیوں سے واقف ہوں ان کو اپنے عہدوں پر برقرار رہنے دوں، خدا کی قسم میں کسی کو نہ رہنے دوں گا، اگر سرکشی کریں گے تو تلوار سے فیصلہ کروں گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما: میری بات مانئے، گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائیے یا اپنی جاگیر پر ینبوع چلے جائیے، لوگ تمام دنیا کی خاک چھان ماریں گے، لیکن آپ کے سوا کسی کو خلافت کے لائق نہ پائیں گے، خدا کی قسم اگر آپ ان مصریوں کا ساتھ دیں گے تو کل ضرور آپ پر عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا اتہام لگایا جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ: اب کنارہ کش ہونا میرے امکان سے باہر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے بجائے شام کا والی مقرر کرنا چاہا، لیکن انہوں نے انکار کیا، اور بار بار یہی مشورہ دیا کہ آپ معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو برقرار رکھ کر اپنا طرفدار بنا لیجئے، یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے برہم ہو کر نہایت سختی سے انکار کر دیا اور فرمایا: ''خدا کی قسم یہ کبھی نہیں ہو سکتا''۔[1]

---

[1] طبری ص ۳۰۸۵

Marfat.com

غرض اس تشدد آمیز طرزِ عمل پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ واقعہ بن کر سامنے آیا' تمام ملک میں جناب امیر رضی اللہ عنہ کے خلاف مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی' ایک طرف حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مطالبہ اصلاح وانتقام کا علم بلند کر کے بصرہ پر قبضہ کر لیا اور دوسری طرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام میں ایک عظیم الشان جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

جنگ جمل:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرہ کو محفوظ رکھنے کے خیال سے ایک فوجِ گراں کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے' لیکن وہ پہلے داعیانِ اصلاح کے قبضہ میں آ چکا تھا' اس لیے طرفین نے میدانِ ذی قار میں صف آرائی کی' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جناب امیر رضی اللہ عنہ کی طرف سے اہل حجاز کی افسری پر مامور ہوئے اور جنگ شروع ہونے پر نہایت شجاعت و جانبازی کے ساتھ نبرد آزما ہوئے' یہاں تک کہ حامیانِ عرشِ خلافت کی فتح پر اس افسوس ناک خانہ جنگی کا خاتمہ ہوا۔

ولایت بصرہ:

بصرہ پر دوبارہ قبضہ ہونے کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یہاں کے گورنر بنائے گئے اور زیاد ان کے مشیر اور بیت المال کے مہتمم مقرر ہوئے۔

معرکہ صفین:

جنگ جمل کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے معرکہ صفین پیش آیا' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بصرہ سے ایک جماعت فراہم کر کے جناب امیر رضی اللہ عنہ کی حمایت میں میدانِ جنگ میں پہنچے اور نہایت جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرمِ کارزار ہوئے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو میسرہ کا افسر مقرر فرمایا تھا۔

چونکہ دونوں طرف سے روزانہ تھوڑی تھوڑی فوجیں نکل کر معرکہ آراء ہوتی تھیں' اس لیے اس جنگ کا سلسلہ طویل عرصہ تک قائم رہا' لیکن رفتہ رفتہ حامیانِ خلافت کا پلہ بھاری ہونے لگا یہاں تک کہ ایک روز شامی فوجوں نے شکست کے خوف سے اپنے

Marfat.com

نیزوں پر قرآن مجید بلند کر کے صلح کی دعوت دی، گو جناب مرتضٰی رضی اللہ عنہ اور ان کے ہوا خواہوں نے اپنی فوج کو اس دامِ تزویز سے محفوظ رکھنے کی بے پناہ کوشش کی تاہم مخالف کا جادو چل چکا تھا، ایک بڑی جماعت نے دعوتِ قرآن کو تسلیم کرنے پر اصرار کیا۔

ثالثی اور اس کا حشر:

غرض جنگ ملتوی ہوگئی اور مسئلہ خلافت کا فیصلہ دو حکم پر محمول ہوا، شامیوں نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو حکم مقرر کیا اور اہل عراق کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہوا، حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ثالث بنانا چاہتے تھے لیکن لوگوں نے اس پر اعتراض کیا اور کہا: "آپ اور عبداللہ بن عباس ایک ہی ہیں، حکم کو غیر جانبدار ہونا چاہئے"۔

دونوں فریق کے اتفاق سے دومتہ الجندل حکمین کے لیے مقامِ اجلاس قرار پایا، اور ہر ایک نے اپنے حکم کے ساتھ چار ہزار آدمیوں کی جمعیت ساتھ کر دی، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو فوج گئی تھی اس کے افسر شریح بن ہانی اور مذہبی نگران حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نہایت نیک طینت و سادہ مزاج تھے، وہ جب تخلیہ میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کسی فیصلہ پر متفق ہو کر باہر تشریف لائے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا: "خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ عمرو نے آپ کو دھوکہ دیا ہوگا، اگر کسی رائے پر اتفاق ہوا ہو تو آپ ہرگز اعلان میں سبقت نہ کیجئے گا، وہ نہایت چالاک ہیں، کیا عجب ہے کہ آپ کے بیان کی مخالفت کر بیٹھیں"۔ بولے: "ہم دونوں ایک ایسی رائے پر متحد ہوئے ہیں کہ اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں"۔ غرض دوسرے روز مسجد میں مسلمانوں کا مجمع ہوا، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے اصرار پر کھڑے ہو کر یہ متفق علیہ فیصلہ سنایا۔

صاحبو! ہم نے علی اور معاویہ دونوں کو معزول کر کے پھر نئے سرے سے مسلمانوں کو مجلس شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا، وہ جس کو چاہے اپنا امیر بنائے۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ نہایت صحیح ثابت ہوا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے قرار داد سے منحرف ہو کر کہا: ''صاحبو! بیشک علی (رضی اللہ عنہ) کو جیسا کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے معزول کیا' میں بھی معزول کرتا ہوں' لیکن معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو اس منصب پر قائم رکھتا ہوں کیونکہ وہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں''۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اس خلاف بیانی پر ششدر رہ گئے' چلا کر کہنے لگے' یہ کیا غداری ہے؟ یہ کیا بے ایمانی ہے؟ افسوس! ابن عباس نے مجھے عمرو کی غداری سے ڈرایا تھا' لیکن میں نے اس پر اطمینان رکھا' مجھے کبھی یہ گمان نہ تھا کہ وہ مسلمانوں کی خیر خواہی پر کسی چیز کو ترجیح دیں گے' غرض اس ثالثی نے گتھی کو سلجھانے کے بجائے اور زیادہ الجھا دیا' جناب امیر رضی اللہ عنہ کے اعوان و انصار میں تفریق و اختلاف کی ہوا چل گئی اور ایک بڑی جماعت نے لشکر حیدری سے کنارہ کش ہو کر خارجی فرقہ کی بنیاد ڈالی' اس کا عقیدہ تھا کہ معاملاتِ دین میں حکم مقرر کرنا کفر ہے' اس بنا پر دونوں حکم اور ان کے انتخاب کرنے والے کافر ہیں۔[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو خارجیوں کے پاس بھیجا کہ بحث و مباحثہ سے ان کی ضلالت دور کر دیں' لیکن قلوب تاریک ہو چکے تھے' آنکھوں پر ضلالت و گمراہی کا پردہ پڑ چکا تھا' اس لیے ارشاد و ہدایت کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔

معرکہ نہروان:

خارجیوں نے نہروان میں مجتمع ہو کر عملاً سرکشی اختیار کی اور تمام ملک میں قتل و غارتگری کا بازار گرم کر دیا' حضرت علی رضی اللہ عنہ دوبارہ شام پر فوج کشی کے خیال سے روانہ ہو چکے تھے' ان سرکشوں کا حال سن کر نہروان کی طرف پلٹ پڑے' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما گورنری کے عہدہ پر بصرہ پہنچ گئے تھے' وہ وہاں سے تقریباً سات ہزار کی جمعیت فراہم

---

[1] یہ تمام واقعات طبری سے ماخوذ ہیں۔

Marfat.com

کر کے مقام نخیلہ میں افواجِ خلافت سے مل گئے اور نہروان پہنچ کر نہایت بہادری و پامردی کے ساتھ سرگرم پیکار ہوئے۔[1]

ایران کی حکومت:

جنگ نہروان نے گو خارجیوں کا زور توڑ دیا تھا تاہم ان کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں نے فارس' کرمان اور ایران کے دوسرے اضلاع میں پھیل کر ایک عام شورش برپا کر دی' اور ذمیوں کو بھڑکا کر آمادۂ بغاوت کر دیا' چنانچہ ایران کے اکثر صوبوں میں عمال نکال دیئے گئے' اور عجمیوں نے خراج ادا کرنے سے قطعاً انکار کر دیا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام عمال کو بلا کر اس شورش کے متعلق مشورہ طلب کیا' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں ایران میں تسلط قائم کرنے کا ذمہ لیتا ہوں''۔ چونکہ بصرہ ایران کے باغی اضلاع سے بالکل متصل تھا اور وہ ایک عرصہ سے وہاں کامیابی کے ساتھ گورنری کے فرائض انجام دے رہے تھے' اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور ان کو تمام ایران کا حاکم اعلیٰ بنا دیا۔[2]

بغاوت کا استیصال:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بصرہ پہنچ کر زیادہ بن ابیہ کو ایک زبردست جمعیت کے ساتھ ایران کی بغاوت فرو کرنے پر مامور فرمایا' چنانچہ انہوں نے بہت جلد کرمان فارس' اور تمام ایران میں امن وسکون پیدا کر دیا۔[3]

مکہ میں عزلت نشینی:

ایک روایت کے مطابق ۴۰ھ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی ہی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بصرہ کے عہدۂ امارت سے مستعفی ہو کر مکہ میں عزت نشینی اختیار کر لی' وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو الاسود دُئلی قاضی بصرہ میں باہم مخالفت تھی' ابوالاسود نے بارگاہِ خلافت میں ان کی شکایت لکھی کہ انہوں نے

---

[1] اخبار الطوال [2] تاریخ طبری ص ۳۴۴۹ [3] ایضاً

Marfat.com

بیت المال میں تصرف بے جا کیا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُن سے جواب طلب کیا تو انہوں نے لکھا:

ان الذی بلغك باطل و انی لما تحت یدی ضابط قائم له و له حافظ فلا تصدق الظنون.

"آپ کو جو خبر ملی ہے وہ قطعاً غلط ہے' میرے قبضہ میں جو کچھ ہے میں اس کا محافظ و نگہبان ہوں' آپ ان بدگمانیوں کو باور نہ فرمائیں"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں ان سے بیت المال کا تمام و کمال حساب طلب کیا' عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ ناگوار گذرا' انہوں نے برداشتہ خاطر ہو کر لکھا:

فهمت تعظيمك مرارة ما بلغك انی رزأته من مال اهل هذا البلد فابعث الی عملك من أحببت فانی ظاعن عنه والسلام[1]

"میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس شکایت کو کہ میں نے اس شہر والوں کے مال میں کچھ خورد برد کیا ہے' زیادہ اہمیت دینا چاہتے ہیں' اس لیے آپ اپنے کام پر جس کو چاہئے بھیج دیجئے میں اس سے کنارہ کش ہوتا ہوں"۔

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب زیادہ باز پرس کی تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ ابھی میں نے اپنا پورا حق نہیں لیا ہے اور بیت المال سے ایک بڑی رقم لے کر مکہ چلے گئے"۔[2]

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ جانے سے منع کرنا:

۶۰ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد جب یزید مسند نشین حکومت ہوا تو شیعیانِ علی مرتضیٰ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اس انقلاب سے فائدہ اُٹھانے پر ابھارا اور کوفہ آنے کی دعوت دی' چنانچہ وہ مدینہ سے مکہ آئے اور یہاں سے عازم کوفہ ہوئے۔

چونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کوفیوں کی غداری کا دیرینہ تجربہ رکھتے تھے'

---

1 تاریخ طبری ص ۳۴۵۴ 2 طبری ذکر بیعت حسن بن علی رضی اللہ عنہما

Marfat.com

اس لیے انہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بہ اصرار کوفہ جانے سے منع کیا اور کہا:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما: اے ابن عم! میں اپنے دل کو مطمئن کرنا چاہتا ہوں' لیکن وہ نہیں ہوتا' اس طریقہ سے جانے میں مجھ کو تمہاری ہلاکت و تباہی کا خوف ہے' اہل عراق نہایت غدار ہیں' تم ان کے قول و قرار پر اعتبار نہ کرو' تم اہل حجاز کے سردار ہو' اس لیے کوفہ جانے سے یہاں مقیم رہنا زیادہ مناسب ہے' ہاں! اگر اہل کوفہ درحقیقت تمہارے عقیدت کیش ہیں تو ان کو لکھو کہ وہ پہلے اپنے ملک سے دشمن کو نکال باہر کریں' پھر ان کے پاس جاؤ' اگر یہ منظور نہ ہو تو یمن کی راہ لو' وہاں بہت سے قلعے اور گھاٹیاں ہیں' ملک نہایت وسیع و فراخ ہے اور تمہارے والد کا اثر بھی خاصا ہے' علاوہ ازیں دشمن کے دور ہونے کے باعث لوگوں سے مراسلت و مکاتبت کر سکتے ہو اور تمام ملک میں اپنے داعی پھیلا سکتے ہو' مجھے امید ہے کہ اس طرح زیادہ آسانی و اطمینان کے ساتھ تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ: اے ابن عم! خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ آپ میرے سچے خیر خواہ مہربان ہیں' لیکن اب سفر کوفہ کی تیاریاں ہو چکی ہیں' اور میں نے وہاں جانے کا عزم مصمم کر لیا ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما: اگر تم جاتے ہو تو خدارا بیوی' بچوں کو ساتھ نہ لے جاؤ' خدا کی قسم مجھے خطرہ ہے کہ کہیں تم بھی اس طرح نہ شہید کیے جاؤ جس طرح (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) اپنی عورتوں اور بچوں کے سامنے ذبح کیے گئے۔

لیکن مشیت الٰہی میں کس کو دخل تھا' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ضد و اصرار کے باوجود حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے تمام خاندان کے ساتھ راہی کوفہ ہوئے اور میدانِ کربلا نے وہ خونیں منظر پیش کیا جس سے جگر پاش پاش ہوتا ہے' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے خاندان کی تباہی کا جو روح فرسا صدمہ ہوا ہوگا اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ وہ بیس سال سے گوشہ نشین تھے' لیکن اس واقعہ کے بعد تمام دنیا ان کے سامنے تیرہ و تار تھی' بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اخیر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔[1]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۵۔

Marfat.com

شاید اسی جگر خراش سانحہ کا اثر ہو۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی بیعت سے انکار:

اسی سال حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے مکہ میں خلافت کا دعویٰ کیا' چونکہ حجاز عراق میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے معتقدین کی ایک بڑی جماعت تھی' اس لیے انہوں نے ان سے بیعت کے لیے بے حد اصرار کیا اور بصورتِ انکار آگ میں جلا دینے کی دھمکی دی' لیکن وہ تمام جھگڑوں سے کنارہ کش ہو چکے تھے' اس بنا پر انہوں نے نہایت سختی سے انکار کیا' اور ابوالطفیل کو کوفہ بھیج کر اپنے معتقدین سے مدد طلب کی۔

ابوطفیل کا بیان ہے کہ ہم کوفہ سے چار ہزار جان نثاروں کی ایک جماعت لے کر نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے غلافِ کعبہ تھام کر پناہ حاصل کی' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مکان کے اردگرد لکڑیوں کا انبار لگایا جا چکا تھا' ہم نے ان سے کہا: "اگر آپ اجازت دیجئے تو اس شخص سے مخلوقِ الٰہی کو نجات دیں"۔ بولے: "نہیں یہ حرم ہے! یہاں کشت و خون جائز نہیں' تم صرف میری حفاظت کرو اور مجھے پناہ دو"۔[1]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما درحقیقت بنوامیہ کی بہ نسبت حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتے تھے' ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: "کیا آپ ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے لڑ کر حرم الٰہی کو حلال کرنا چاہتے ہیں؟" بولے: "معاذ اللہ! حرم میں خونریزی کرنا تو صرف بنوامیہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی قسمت میں لکھا ہے' میں خدا کی قسم کبھی ایسی جرأت نہ کروں گا' میں نے کہا: "لوگ ابن زبیر (رضی اللہ عنہما) کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں' معلوم نہیں ان کی خلافت کا دعویٰ کس بنا پر ہے؟" فرمایا: "کیوں نہیں! ان کے والد زبیر رضی اللہ عنہ حواریٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے' ان کے نانا ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق غار تھے' ان کی ماں اسماء رضی اللہ عنہا ذات النطاق تھیں' ان کی خالہ عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین تھیں' ان کے والد کی پھوپھی خدیجہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۵

Marfat.com

تھیں، اور ان کی دادی صفیہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کی پھوپھی تھیں، پھر وہ ایک خود بھی پاکـ
باز مومن اور قاریِ قرآن ہیں، خدا کی قسم! اگر وہ میرے ساتھ کوئی احسان کریں گے تو ایک
رشتہ دار کا احسان ہوگا اور اگر وہ میری پرورش کریں گے تو یہ اپنے ایک ہمسر محترم کی
پرورش ہوگی۔[1]

طائف منتقل ہونا:

لیکن اس دلی ہمدردی و جانبداری کے باوجود انکار بیعت سے جو مخالفت پیدا ہو
گئی تھی، اس کی بنا پر مکہ میں ان کا رہنا خطرہ سے خالی نہ تھی، اس لیے کوفی معاونین کی
حفاظت میں مکہ سے طائف منتقل ہو گئے اور بقیہ زندگی کے دن وہیں پورے کیے۔

وفات:

۶۸ھ میں پیمانہ حیات لبریز ہو گیا، ایک روز سخت بیمار ہوئے، بستر علالت کے
اردگرد احباب و معتقدین کا ہجوم تھا، بولے: ''میں ایک ایسی جماعت میں دم توڑوں گا جو
روئے زمین پر خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب، مشرف و مقرب ہے، اس لیے اگر
میں تم لوگوں میں مروں تو یقیناً تم ہی وہ بہتر جماعت ہو''۔ غرض ہفت روزہ علالت کے بعد
طائر روح نے قفس عنصری چھوڑا، محمد بن حنفیہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور سپردِ خاک کر
کے کہا: ''خدا کی قسم! آج دنیا سے حبر امت اٹھ گیا''۔ غیب سے ندا آئی:

﴿ يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴾ (فجر)

''یعنی اے نفس مطمئن اپنے خدا کی طرف خوشی خوشی لوٹ آ''۔[2]

---

1. بخاری جلد ۲ ص ۶۷۲
2. اصابہ جلد ۳ ص ۶۴

Marfat.com

علم و فضل

فضل و کمال کے اعتبار سے ابن عباس رضی اللہ عنہما اس عہد مبارک کے ممتاز ترین علماء میں تھے ان کی ذات ایسی زندہ کتاب خانہ تھی، جس میں تمام علوم و معارف بہ ترتیب جمع تھے، قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، شاعری، وغیرہ کوئی ایسا علم نہ تھا جس میں ان کو یدطولیٰ حاصل نہ رہا ہو۔

تفسیر:

بالخصوص قرآن پاک کی تفسیر و تاویل میں جو مہارت اور آیاتِ قرآنی کی شانِ نزول اور ناسخ و منسوخ کے علم میں جو وسعت ان کو حاصل تھی، وہ کم کسی کے حصہ میں آئی، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، جو علم و فضل میں ان کے ہمسر تھے، فرماتے تھے کہ: ''عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) قرآن کے کیا اچھے ترجمان ہیں''۔ شقیق تابعی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حج کے موسم میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے خطبہ دیا اور اس میں سورہ نور کی تفسیر بیان کی، میں کیا بتاؤں وہ کیا تفسیر تھی، اس سے پہلے نہ میرے کانوں نے سنی تھی، نہ آنکھوں نے دیکھی تھی، اگر اس تفسیر کو فارس اور روم والے سن لیتے تو پھر اسلام سے ان کو کوئی چیز نہ روک سکتی''۔ [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی علمی مجلسوں میں یہ برابر شریک ہوتے تھے اور قرآن پاک کے فہم میں وہ اکثر بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بازی لے جاتے تھے، ایک دن فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے حلقہ مجلس میں اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا مجمع تھا، ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کا مطلب پوچھا:

﴿ اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِیْهَا مِنْ کُلِّ الثَّمَرَاتِ وَ اَصَابَهُ الْکِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّیَّةٌ ضُعَفَآءُ فَاَصَابَهَا اِعْصَارٌ فِیْهِ

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۷

Marfat.com

نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ (بقرہ : ۲۶٦)

''کیا تم میں سے کوئی اس کو پسند کرے گا کہ اس کا کھجور اور انگور کا باغ ہو جس کے نیچے نہریں رواں ہوں، اس کے لیے ہر قسم کے پھل اس میں موجود ہوں، اور اس شخص پر بڑھاپا آ گیا ہو اور اس کے ناتواں بچے ہوں، اس حالت میں اس باغ میں ایسا بگولا آیا جس میں آگ بھری تھی، اس نے باغ کو جلا دیا، اسی طریقہ سے اللہ تمہارے لیے کھول کھول کر نشانیاں بیان کرتا ہے، شاید تم بچو''۔

لوگوں نے کہا واللہ اعلم! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بے معنی جواب پر غصہ آ گیا بولے اگر نہیں معلوم تو صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ نہیں معلوم، ابن عباس رضی اللہ عنہما جھجکتے ہوئے بولے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، فرمایا تم اپنے کو چھوٹا نہ سمجھو جو دل میں ہو بیان کرو، کہا اس میں عمل کی مثال دی گئی ہے، جواب گو صحیح تھا، تاہم ناکافی تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیسا عمل؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ اس سے زیادہ نہ بتا سکے، تب خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ اس میں اس دولت مند کی تمثیل ہے جو خدا کی اطاعت بھی کرتا ہے، لیکن اس کو شیطانی وسوسہ گناہوں میں مبتلا کر دیتا ہے، اور اس کے تمام اچھے اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی ذہانت اور ذکاوت کی وجہ سے ان کو شیوخِ بدر کے ساتھ مجلسوں میں شریک کرتے تھے، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس سے شکایت پیدا ہوئی، انہوں نے کہا کہ ان کو ہمارے ساتھ مجلسوں میں کیوں شریک کرتے ہو، ان کے برابر تو ہمارے لڑکے ہیں، فرمایا: تم لوگ ان کا مرتبہ جانتے ہو، اس کے بعد، ان کی ذہانت کا مشاہدہ کرانے کے لیے ایک دن ان کو بلا بھیجا اور لوگوں سے پوچھا کہ

﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ...... الخ ﴾ (نصر)

''جب خدا کی نصرت اور فتح آ گئی تو اے پیغمبر! توبہ اور استغفار کرنا''۔

کے بارہ میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے کہ اس کے کیا معنی ہیں، کسی نے جواب دیا کہ نصرت

---

[1] بخاری جلد اوّل کتاب التفسیر باب قولہ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ ...... الخ

Marfat.com

وفتح پر ہم کو خدا کی حمد وثناء کا حکم دیا گیا ہے' کوئی خاموش رہا' پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ابن عباس (رضی اللہ عنہما)! تمہارا بھی یہی خیال ہے' انہوں نے کہا نہیں' پوچھا پھر کیا ہے؟ عرض کی اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا اشارہ ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو تم کہتے ہو یہی میرا بھی خیال ہے[1] درحقیقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی فہم تفسیر قرآن میں ایسی دقیقہ رس تھی کہ وہاں تک مشکل سے دوسروں کا خیال پہنچ سکتا تھا' چنانچہ اس سورہ کا مقصد خاص محرمانِ اسرار کے علاوہ عام لوگ کم سمجھ سکتے تھے' جب یہ آیت نازل ہوئی تو اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم میں مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ گئی کہ اس میں خدا نے فتح ونصرت اور اسلام کی مقبولیت کے ایفائے عہد پر حمد وثناء کا حکم دیا ہے' لیکن مقرب بارگاہِ رسالت' محرمِ اسرارِ نبوت' ثانی اثنین فی الغار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے جوئے اشک رواں ہوگئی' کہ اس کی صبح وصل کا نور چھنتا ہوا اور شامِ فراق کی تاریکی چھاتی ہوئی نظر آ گئی تھی۔[2]

بظاہر اس سورہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا لیکن اگر انسان کے مقصد حیات کو پیش نظر رکھ کر اس کی ترتیب اور اس کے معنی پر غور کیا جائے تو مطلب واضح ہو جاتا ہے' دنیا میں انسان ایک نہ ایک مقصد لے کر آتا ہے' اور اس کے حصول کے بعد اس کے آنے کا مقصد پورا ہو جاتا ہے' پھر قیام کی ضرورت باقی نہیں رہتی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دین الٰہی کی تبلیغ کے لیے دنیا میں تشریف لائے تھے' وہ پوری ہو چکی تو خدا نے فرمایا کہ جب خدا کی مدد اور اس کی فتح آ چکی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ جوق در جوق خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اب تم خدا کی تحمید وتقدیس کرو' اس سے مغفرت چاہو' وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے' یعنی خدا کو کچھ کام تمہارے ذریعہ لینا تھا وہ لے چکا اب تم کو اس سے ملنے کی تیاری کرنی چاہئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تفسیر میں ہمیشہ عام' جامع اور قرین عقل شق کو اختیار کرتے تھے' سورۂ کوثر کی تفسیر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور متعدد اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم

---

[1] بخاری جلد ۱ ص ۷۴۳' کتاب التفسیر باب قولہ فسبح بحمد ربک..... الخ [2] صحیح بخاری

Marfat.com

کے ذریعہ سے منقول ہے' حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ کوثر کے نزول کے وقت پوچھا: ''جانتے ہو کوثر کیا چیز ہے''۔ لوگوں نے عرض کی خدا اور اس کا رسول خوب جانتا ہے' فرمایا: خدا نے مجھ سے ایک نہر کا وعدہ کیا ہے جس میں بے شمار بھلائیاں ہیں' قیامت کے دن اس حوض پر میری امت آئے گی''۔[1] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور انس رضی اللہ عنہ کوثر سے مراد نہر لیتے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ''خیر کثیر''۔[2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تفسیر سے عطیہ الٰہی کی وسعت اور عظمت بہت بڑھ جاتی ہے' اور دوسری تفسیریں بھی اس کے تحت میں آ جاتی ہیں' اور قرآنِ پاک کا سلسلہ کلام کا بھی یہی اقتضا ہے کہ کوثر سے مراد ''خیر کثیر'' لیا جائے' تاکہ اس کے بعد کفار سے براءت ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ اور فتح و نصرت (فتح مکہ) کی بشارت اسی سلسلہ میں داخل ہو جائے:

﴿قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى﴾ (شوریٰ : ۳)

''کہہ دو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! (تبلیغ رسالت کے عوض) میں تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا' صرف یہ کہ قرابت داری کی محبت ملحوظ رکھو''۔

عام مفسرین ''قربیٰ'' سے مراد خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت لیتے ہیں' لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما قریش کے تمام قبائل کو اس میں شامل کرتے ہیں' ایک مرتبہ کسی نے ان سے مودۃ فی القربیٰ کی تفسیر پوچھی' سعید بن جبیر بولے اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت ہے' یعنی آپ کے اہل بیت کی قرابت''۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا تم نے جلد بازی سے کام لیا' قریش کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت نہ رہی ہو' اس آیت میں یہ سب شامل ہیں۔[3]

تفسیر قرآن اور فہم قرآن کی فطری ملکہ کے علاوہ شانِ نزول اور ناسخ و منسوخ کے بارہ میں اس قدر حاضر المعلومات تھے کہ بمشکل کوئی ایسی آیت نکل سکے گی جس کے تمام جزئیات اور ماله و ما علیه سے پوری ان کو واقفیت نہ ہو۔

---

[1] مسلم [2] بخاری کتاب التفسیر انا اعطینك الكوثر [3] ایضاً باب قوله تعالیٰ قل لا .. الخ

Marfat.com

﴿ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤی اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ﴾ (نساء : ۱۳)

''اے مسلمانو! (اظہارِ اسلام کے لیے) جو تم کو سلام کرے' اس کو تم خواہ مخواہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے''۔

بظاہر یہ ایک عام حکم ہے اس کی تفسیر بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ممنونِ احسان ہے' وہ بیان کرتے ہیں کہ کسی غزوہ میں ایک شخص کچھ مالِ غنیمت لیے ہوئے تھے' مسلمانوں کا سامنا ہوا تو اس نے سلام کیا' ان لوگوں نے (شبہ میں) مار ڈالا' اور مالِ غنیمت چھین لیا' اس پر یہ حکم نازل ہوا۔[1] اسی طریقہ سے اس آیت:

﴿ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِیْنَ ﴾ (حجر : ۲)

''ہم نے تم میں سے بعض ان لوگوں کو جو آگے بڑھ کر کھڑے ہوتے ہیں جان لیا ہے اور ان کو بھی جو پیچھے کھڑے ہوتے ہیں''۔

کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ ایک خوبصورت عورت جماعت کی نماز میں شریک ہوتی تھی' بعض محتاط اشخاص اگلی صف میں چلے جاتے تھے کہ اس پر نظر نہ پڑے اور بعض دیکھنے کی نیت سے پیچھے رہتے تھے' اور رکوع میں بغل کے راستے سے نظر ڈال لیتے تھے' ان کی اس خیانت پر یہ آیت نازل ہوئی۔[2] قرآن مجید کا یہ حکم:

﴿ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اَتَوْا وَّ یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴾ (آل عمران : ۱۹)

''اور جو لوگ اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں' اور جو نہیں کیا ہے اس پر تعریف چاہتے ہیں تو ایسے لوگوں کی نسبت ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے' بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے''۔

بظاہر انسانی فطرت کے کس قدر خلاف ہے' کیونکہ ہر شخص اپنے کیے پر خوش ہوتا ہے اور جو نہیں کرتا ہے اس پر بھی تعریف کا خواہاں رہتا ہے' اگر بہت بلند اخلاق کا شخص

---

[1] بخاری باب قولہ تعالیٰ لا تقولوا، و مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۲۲۹۔

[2] مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۳۰۵۔

Marfat.com

ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہ دوسرا جذبہ اس میں نہ ہوگا' اس حکم کے مطابق تو ہم سب عذاب میں مبتلا ہوں گے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ اس کو ہم لوگوں سے کوئی تعلق نہیں' یہ ایک خاص موقعہ پر اہل کتاب کے بارہ میں نازل ہوئی تھی' پھر یہ آیت:

﴿ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ ﴾(ال عمران : ١٩)

''جب خدا نے ان لوگوں سے جن کو کتاب دی ہے یہ وعدہ لیا کہ وہ اسے لوگوں کو کھول کھول کر سنائیں گے''۔

تلاوت کر کے کہا کہ ان کو یہ حکم ملا تھا' مگر انہوں نے بالکل اس کے برعکس عمل کیا' ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کسی بات کے متعلق استفسار فرمایا' انہوں نے اصل جواب جو ان کی کتاب میں تھا چھپا ڈالا اور اپنے حسب منشاء دوسرا فرضی جواب دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر کیا کہ انہوں نے اصل جواب دیا ہے' اور پھر اس فعل پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خوشنودی کے طالب ہوئے اور اپنی اس چالاکی پر شاداں و فرحاں ہوئے' اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جو لوگ اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں (جیسا کہ اہل کتاب اپنی چالاکی پر خوش ہوئے تھے) اور جو نہیں کیا ہے اس پر تعریف کے خواہاں ہوتے ہیں (جیسا کہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے خواہاں ہوئے تھے) تو ایسے لوگوں کے لیے عذاب سے چھٹکارا نہیں ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔[1]

ذیل کے واقعہ سے ان کی فراست' طباعی' دقیقہ سنجی' اور قوتِ استنباط کا اندازہ ہوگا' ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع میں سوال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے اخیر عشرہ کی ایک طاق رات ہے' تم لوگ اس سے کون سی طاق رات سمجھتے ہو؟ کسی نے ساتویں کسی نے پانچویں' کسی نے تیسری بتائی' ابن عباسؓ سے فرمایا تم کیوں نہیں بولتے' عرض کی اگر آپ فرماتے ہیں تو مجھ کو کیا عذر ہوسکتا ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے بولنے ہی کے لیے تمہیں بلایا ہے' کہا میں اپنی ذاتی

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ا ص ۲۹۸

Marfat.com

رائے دوں گا' فرمایا ذاتی رائے تو پوچھتا ہی ہوں' کہا میں آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات کے عدد کو بہت اہمیت دی ہے' چنانچہ فرمایا ہے کہ سات آسمان' سات زمین' ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا ہے کہ ہم نے زمین کو پھاڑا اور اس میں غلہ' انگور' شاخ' زیتون، کھجور کے درخت، گنجان باغ' اور میوے اگائے' یہ بھی سات باتیں ہیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ جواب سن کر فرمایا کہ تم لوگ اس بچہ سے بھی گئے گذرے ہوئے ہو' جس کے سر کے گوشہ بھی ابھی درست نہیں ہوئے' یہ جواب کیوں نہ دیا[1] گو بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی سات کی تعیین کی تھی' لیکن کسی استدلال کے ساتھ نہیں' سبھوں نے ایک ایک طاق رات اپنے قیاس وفہم کے مطابق لی' کسی نے سات کی شب بھی لی... لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قرآن سے اس کی تائید پیش کی' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تفسیر میں نہایت دلیری سے کام لیتے تھے' بعض محتاط صحابہ رضی اللہ عنہم اس دلیری کو ناپسند کرتے تھے' لیکن بالآخر ان کو بھی ان کی مہارتِ تفسیر کا اعتراف کرنا پڑا۔

ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص آیا' اور اس نے آیت کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا کا مطلب پوچھا' انہوں نے امتحان کی غرض سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بھیج دیا کہ ان سے پوچھ کر بتاؤ' اس نے جا کر پوچھا' انہوں نے بتایا کہ آسمان کا فتق یہ ہے کہ پانی نہ برسائے زمین کا فتق یہ ہے کہ نباتات نہ اگائے' سائل نے واپس آ کر یہ جواب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو سنایا انہوں نے کہا ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کو نہایت سچا علم مرحمت ہوا ہے' مجھ کو تفسیر قرآن میں ان کی دلیری پر حیرت ہوتی تھی لیکن اب معلوم ہوا کہ درحقیقت علم ان ہی کا حصہ ہے[2] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کے بعد قرآن کے سائلین کو خود جواب نہ دیتے تھے' بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بھیج دیتے تھے' ایک مرتبہ عمرو بن حبشی نے ایک آیت کے متعلق ان سے استفسار کیا' انہوں نے کہا: ''ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے پوچھو' قرآن کے جاننے والے جو لوگ باقی رہ گئے ہیں' ان میں سب سے زیادہ معلومات وہی رکھتے ہیں''[3]

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۹ [2] اصابہ جلد ۴ ص ۹۲ [3] ایضاً

Marfat.com

علوم قرآنی میں علم النسخ کی اہمیت بالکل عیاں ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس بحر زخار کے بھی شناور تھے' اور تمام ناسخ اور منسوخ احکام ان کے ذہن میں مستحضر تھے' یہ اس علم کو اس قدر اہمیت دیتے تھے کہ بغیر اس پر حاوی ہوئے وعظ کی لب کشائی کی اجازت نہ دیتے تھے' ایک مرتبہ کسی راستہ سے گذر رہے تھے' ایک واعظ وعظ کہہ رہا تھا' اس سے پوچھا ناسخ منسوخ جانتے ہو کسے کہتے ہیں' اس نے کہا نہیں' فرمایا: ''تو تم خود بھی ہلاک ہوئے اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا''۔[1]

گو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قرآن کی تعلیم میں بخل نہ کرتے تھے' اور ان کا دروازہ ہر طالب قرآن کے لیے کھلا ہوا تھا' تاہم وہ اس نکتہ سے بھی بے خبر نہ تھے' کہ جب کثرت سے قرآن کی اشاعت ہوگی اور ہر کس و ناکس فہم قرآن کا مدعی ہو جائے گا' تو امت میں اختلاف کا دروازہ کھل جائے گا' ان کی اس نکتہ رسی کا اعتراف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی کرنا پڑا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں سارے ممالک محروسہ میں حافظ قرآن مقرر کر دیئے تھے کہ وہ مسلمانوں کو قرآن کی تعلیم دیں' ایک دن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' حاکم کوفہ کا خط آیا کہ کوفہ والوں نے اتنا اتنا قرآن پڑھ لیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ مژدہ سن کر تکبیر کا نعرہ لگایا' لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما بولے کہ اب ان میں اختلاف کا تخم پڑ گیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غصہ سے پوچھا تم کو کیسے معلوم ہوا' اس واقعہ کے بعد یہ گھر چلے آئے' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں ان کا کہنا کھٹکتا رہا' چنانچہ آدمی بھیج کر ان کو بلا بھیجا' انہوں نے عذر کر دیا' دوبارہ پھر آدمی بھیجا کہ تم کو آنا ہوگا' اس تاکید پر یہ چلے آئے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم نے کوئی رائے ظاہر کی تھی' انہوں نے کہا پناہ بخدا اب میں کبھی دوبارہ کوئی خیال نہ ظاہر کروں گا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں طے کر چکا ہوں کہ جو تم نے کہا اس کو کہلوا کر رہوں گا' اس اصرار پر انہوں نے کہا کہ آپ نے جب کہا کہ میرے پاس خط آیا ہے' کہ کوفہ والوں نے اتنا اتنا قرآن یاد کر لیا' اس پر میں نے کہا کہ

---

[1] کتاب الناسخ والمنسوخ ابوجعفر نحاس

Marfat.com

ان لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ تم نے کیسے جانا' انہوں نے سورۂ بقرہ کی یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ يُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ، وَ اِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَ يُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ، وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ﴾ (بقرہ ع ۲۵)

''اے محمد (ﷺ)! لوگوں میں سے بعض ایسے آدمی بھی ہیں جن کی باتیں تم کو دنیاوی زندگی میں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنی دلی باتوں پر خدا کو گواہ بناتا ہے' حالانکہ وہ دشمنوں میں بڑا جھگڑالو ہے اور جب وہ تمہارے پاس لوٹ کر جائے تو ملک میں پھرے تاکہ اس میں فساد پھیلائے اور کھیتی اور نسل کو تباہ کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا اور جب اس سے کہا جائے کہ خدا سے ڈرو تو ان کو عزتِ نفس گناہ پر آمادہ کرے' ایسے شخص کے لیے جہنم کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے' اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی رضا جوئی کے لیے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ بندوں پر شفقت کرنے والا ہے''۔

یہ آیتیں سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' تم نے سچ کہا[1]

حدیث:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان مخصوص صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہیں جو علم حدیث کے اساطین سمجھے جاتے ہیں' اگر حدیث کی کتابوں سے ان کی روایتیں علیحدہ کر لی جائیں تو اس کے بہت سے اوراق سادہ رہ جائیں گے' ان کی مرویات کی مجموعی تعداد ۲۶۶۰ ہے' ان میں

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۴۰' علی شرط شیخین

Marfat.com

۷۵ متفق علیہ ہیں، یعنی بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں، ان کے علاوہ ۱۸ روایتوں میں بخاری منفرد ہیں، اور ۴۹ میں مسلم [1]

ان کی روایات کی کثرت اور معلومات کی وسعت خود ان کی ذاتی کاوش و جستجو کا نتیجہ ہیں، گو بہت سی روایتیں براہِ راست خود زبانِ وحی والہام سے لی ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر ۱۴، ۱۵ سال سے زائد نہ تھی، ظاہر ہے کہ اس عمر میں علم کا اتنا سرمایہ کہاں سے حاصل کر سکتے تھے۔ ان کے ذوقِ علم اور تلاش و جستجو کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک انصاری سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے، مگر آپ کے اصحاب زندہ ہیں چلو ان سے تحصیل علم کریں، انہوں نے کہا ابن عباس! مجھ کو تم پر حیرت ہوتی ہے، تم دیکھتے ہو کہ لوگ علم میں خود تمہارے محتاج ہیں، پھر تم دوسروں کے پاس جاتے ہیں، یہ جواب سن کر ان کو چھوڑ دیا اور تنہا جہاں کہیں سراغ ملتا کہ فلاں شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنی ہے، فوراً مشقت اٹھا کر اس کے پاس پہنچتے اور اطلاع دیتے، وہ گھر سے نکل آتا اور کہتا کہ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنی ہے، وہ کہتا...... ابن عم رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے کیوں زحمت گوارا کی، کسی دوسرے کو بھیج دیا ہوتا، کہتے نہیں یہ میرا فرض تھا، اس طریقہ سے عرب کے گوشہ گوشہ سے ایک ایک دانہ چن چن کر خرمن علم کا انبار لگایا، جب ان کے فضل وکمال کا چرچا زیادہ ہوا، اس وقت ان انصاری نے جنہوں نے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا تھا، ندامت کے ساتھ اقرار کیا کہ "ابن عباس (رضی اللہ عنہما) ہم سے زیادہ عقل مند تھے"۔ [2]

ابو سلمہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے تھے کہ جس شخص کے متعلق مجھ کو پتہ چلتا کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنی ہے تو میں خود اس کے

---

1. تہذیب الکمال ص ۲۰۲
2. مستدرک حاکم جلد ۳ فضائل ابن عباس رضی اللہ عنہما سعی ابن عباس رضی اللہ عنہما فی طلب العلم

Marfat.com

مکان پر جا کر حاصل کرتا حالانکہ اگر میں چاہتا تو راوی کو اپنے یہاں بلوا سکتا تھا۔[1]

ابو رافع رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے اس لیے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال دیکھنے اور اقوال سننے کا زیادہ موقع ملتا تھا' ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پاس کاتب لے کر آتے اور پوچھتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں فلاں دن کیا کیا' کیا۔ ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے اور کاتب قلمبند کرتا جاتا۔[2]

اسی تلاش و جستجو نے ان کو اقوال و افعال نبوی کا سب سے بڑا حافظ بنا دیا تھا' اکثر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو عمر اور مرتبہ میں ان سے کہیں زیادہ تھے' ان کے مقابلہ میں اپنے قصورِ علم کا اعتراف کرنا پڑتا تھا' یہ فتویٰ دیتے تھے کہ حائضہ طواف رخصت کیے بغیر لوٹ جائے' حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کاتب وحی کو معلوم ہوا تو انہوں نے پوچھا تم حائضہ عورت کو یہ فتویٰ دیتے ہو' انہوں نے کہا: ہاں! زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ فتویٰ نہ دیا کرو' انہوں نے کہا! میں تو یہی دوں گا' اگر آپ کو شک ہے تو فلاں انصاریہ سے جا کر پوچھ لیجیے کہ اس کو یہ حکم دیا تھا یا نہیں' زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جا کر پوچھا تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ صحیح نکلا' چنانچہ ہنستے ہوئے واپس آئے اور بولے تم نے سچ کہا تھا۔[3]

اسی طریقہ سے ایک مرتبہ ان میں اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ میں محرم کے سر دھونے کے بارہ میں اختلاف ہوا' یہ کہتے تھے محرم سر دھو سکتا ہے' مخرمہ اس کے خلاف تھے' اس پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عبداللہ بن حنین کو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس تحقیق کے لیے بھیجا' یہ اس وقت کپڑا آڑ کیے ہوئے کنوئیں پر نہا رہے تھے' عبداللہ نے سلام کیا' انہوں نے پوچھا کون! کہا میں ہوں عبداللہ بن حنین' ابن عباس (رضی اللہ عنہما) نے پوچھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احرام کی حالت میں کس طرح سر دھوتے تھے' ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے عملاً نقشہ کھینچ کر بتا دیا۔[4]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اوّل ص ۵ [2] اصابہ جلد ۴ ص ۹۲ [3] مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۲۲۶
[4] ابوداؤد کتاب المناسک المحرم لغیل راسہ

Marfat.com

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول وفعل کے بارہ میں اختلاف ہوتا تو وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف رجوع کرتے' اس بارہ میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہاں سے احرام باندھا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم میں بہت اختلاف ہے' سعید بن جبیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ ابوالعباس مجھ کو حیرت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں آپ کے احرام باندھنے کی جگہ کی تعیین میں بہت زیادہ اختلاف ہے' انہوں نے کہا میرے معلومات اس بارہ میں سب سے زیادہ ہیں' چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی حج کیا ہے' اس لیے لوگوں میں اختلاف پیدا ہوگیا' اس کا سبب یہ ہے کہ جب آپ نے ذوالحلیفہ کی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد احرام باندھا اور لبیک کہنا شروع کیا' جو لوگ اس وقت موجود تھے انہوں نے اسی کو یاد رکھا' پھر جب آپ اونٹنی پر سوار ہوئے اور وہ چلی تو پھر آپ نے لبیک کہا' اس وقت جو لوگ موجود تھے وہ یہ سمجھے کہ آپ نے یہیں سے ابتدا کی ہے' چنانچہ وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب آپ اونٹنی پر سوار ہو کر چلے اس وقت سے لبیک کہنا شروع کیا' اس کے بعد جب آپ بلندی پر چڑھے اس وقت سے کہنا شروع کیا' لیکن میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپ نے مسجد میں احرام باندھا' اس کے بعد جب اونٹنی چلی تب' اور جب بلند مقام پر چڑھے تب' دونوں مرتبہ لبیک کہا۔[1]

روایتوں میں احتیاط:

عموماً کثیر الروایت راویوں کے متعلق یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ وہ روایت کرنے میں محتاط نہیں ہوتے' اور رطب و یابس کا امتیاز نہیں رکھتے' لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ذات اس سے مستثنیٰ اور اس قسم کے شکوک وشبہات سے ارفع و اعلیٰ تھی' وہ حدیث بیان کرتے وقت اس کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے کہ کوئی غلط روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نہ منسوب ہونے پائے' جہاں اس قسم کا کوئی خفیف سا بھی خطرہ ہوتا' وہ بیان نہ کرتے تھے' چنانچہ اکثر کہا کرتے تھے کہ ہم اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتے تھے' جب تک

---

[1] ابوداؤد کتاب المناسک باب وقت الاحرام

Marfat.com

جھوٹ کا خطرہ نہ تھا' لیکن جب سے لوگوں نے ہر قسم کی رطب و یابس حدیثیں بیان کرنا شروع کر دیں' اس وقت سے ہم نے روایت ہی کرنا چھوڑ دیا[1] لوگوں سے کہتے کہ تم کو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے وقت یہ خوف نہیں معلوم ہوتا کہ تم پر عذاب نازل ہو جائے' یا زمین شق ہو جائے اور تم اس میں سما جاؤ[2] اسی احتیاط کی بنا پر فتویٰ دیتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لیتے تھے[3] کہ آپ کی طرف نسبت کرنے کا بار نہ اٹھانا پڑے۔

حلقہ درس:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا حلقہ درس بہت وسیع تھا' سینکڑوں طلب گار روزانہ ان کے خرمن کمال سے خوشہ چینی کرتے تھے' ان کی زندگی کا ہر لمحہ درس و تدریس کے لیے وقف تھا کبھی کوئی شخص ان کے چشمہ فیض سے ناکام واپس نہ ہوا' اس عام فیض کے علاوہ بعض مجلسیں خصوصیت کے ساتھ درس و تدریس اور علمی مذاکروں کے لیے مخصوص تھیں' اور ان میں باقاعدہ ہر علم وفن کی جدا جدا تعلیم ہوتی تھی' ابو صالح تابعی بیان کرتے ہیں کہ ''میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف ایک ایسی علمی مجلس دیکھی کہ اگر سارا قریش اس پر فخر کرے تو بھی بجا ہوگا' اس مجلس کا یہ حال تھا کہ عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) کے مکان کے سامنے آدمیوں کا اتنا اژدحام تھا کہ ان کی کثرت سے آمدورفت مشکل تھی' میں نے جا کر اس اژدحام کی اطلاع دی تو مجھ سے پانی مانگا' میں پانی لایا' انہوں نے وضو کیا' وضو کر کے بیٹھ گئے' پھر مجھ سے کہا جاؤ قرآن کے جس شعبہ کے متعلق جو سائل ہوں ان کو اطلاع دو' میں نے اطلاع دی' دیکھتے دیکھتے سائلوں سے سارا گھر اور تمام حجرے بھر گئے۔ جس نے جو سوال کیا اس کے سوال سے زیادہ اس کو جواب دے کر رخصت کیا' پھر مجھ سے کہا جاؤ حرام و حلال اور فقہ کے سائلوں کو بلاؤ' میں نے ان لوگوں کو اطلاع دی' چنانچہ ان کا جم غفیر

---

[1] مسند دارمی باب فی الحدیث عن الثقات

[2] ایضاً باب ما یتقی من تفسیر حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

[3] مسند احمد ابن حنبل جلد ا ص ۳۵۰

Marfat.com

آیا' اور جن کو جو سوالات کرنا تھے' پیش کیے' فرداً فرداً سب کو نہایت تشفی بخش اور ان کے سوالات سے زیادہ جواب دے کر رخصت کیا' پھر فرمایا کہ اب تمہارے دوسرے بھائیوں کی باری ہے' اس کے بعد فرائض وغیرہ کے سائلوں کو بلایا' ان کی تعداد بھی اتنی بڑی تھی کہ پورا گھر بھر گیا' ان کے پیشروؤں کی طرح ان کے سوالات سے زیادہ جوابات دے کر فارغ ہوئے تو مجھ سے کہا کہ عربی زبان' شعر و شاعری اور ادب و انشاء سے سائلوں کو بلاؤ' چنانچہ میں نے اطلاع دی' یہ لوگ آئے' ان کے ہجوم کا بھی وہی حال تھا' ان لوگوں نے جو سوالات کیے' ان کے سوالات سے زیادہ جوابات دیئے' ابو صالح یہ واقعہ بیان کر کے کہتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کی اتنی بڑی مجلس نہیں دیکھی تھی ۔[1]

درس کے ان مستقل حلقوں کے علاوہ کبھی کسی نماز کے بعد تقریر اور خطبہ کے ذریعہ سے تعلیم دیتے' عبداللہ بن شقیق بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عصر کے بعد ہم لوگوں کے سامنے تقریر کی' اور اتنی دیر تک کرتے رہے کہ آفتاب غروب ہو گیا' اور تارے نکل آئے' لوگوں نے نماز نماز کی آوازیں بلند کرنا شروع کیں' ایک تمیمی نے مسلسل نماز کہنا شروع کیا' ابن عباس رضی اللہ عنہما جھنجھلا کر بولے لا اُمّ لكَ' تو مجھ کو سنت کی تعلیم دیتا ہے' میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے' آپ ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھتے تھے عبداللہ بن شقیق کے دل میں یہ بات کھٹکتی رہی' انہوں نے جا کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں صحیح ہے ۔[2]

حضر کے علاوہ سفر میں بھی ان کا یہ چشمہ فیض جاری رہتا تھا' چنانچہ جب چند دنوں کے لیے حج کی غرض سے مکہ معظمہ تشریف لے جاتے تھے' اس وقت بھی ان کی قیامگاہ طالبانِ علم کی درس گاہ بن جاتی ۔[3]

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۸

[2] مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرہا باب الجمع بین الصلوٰتین فی الحضر

[3] استیعاب جلد ۱ ص ۳۵۳

Marfat.com

ترجمان کا تقرر:

اسلامی فتوحات کے بعد جب اسلام عرب کے حدود سے نکل کر ایران و مصر وغیرہ میں پھیلا' تو وہ قومیں اسلام کے حلقہ اثر میں آئیں جن کی زبان عربوں سے جدا تھی' ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی آسانی کے لیے مخصوص ترجمان رکھے کہ ان کو سوال میں زحمت نہ ہو۔[1]

تلامذہ:

ان کی اس فیض رسانی وعلم وعرفان کی بارش نے ان کے تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع کر دیا تھا' جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے' مشہور تلامذہ اور شاگردوں کی مختصر فہرست یہ ہے۔

بیٹوں میں محمد اور علی' پوتوں میں محمد بن علی' بھائیوں میں کثیر' بھتیجوں میں عبیداللہ ابن عبیداللہ اور عبداللہ بن معبد' عام لوگوں میں عبداللہ بن عمر' ثعلبہ بن حکم' مسور بن مخرمہ ابوالطفیل' ابوامامہ بن سہل' سعید بن مسیّب' عبداللہ بن حارث' عبداللہ بن عبداللہ' عبداللہ بن شداد' یزید بن اصم' ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن' ابو جمرہ ضبعی' ابومجلز لاحق بن حمید' ابو رجاء عطاردی' قاسم بن محمد' عبید بن سباق' علقمہ بن وقاص' علی بن حسین' عبیداللہ ابن عبداللہ بن عتبہ' عکرمہ' عطاء' طاؤس' کریب' سعید بن جبیر' مجاہد' عمرو بن دینار' ابوالجوزاء' اوس بن عبداللہ ربعی' ابوالشعثاء جابر بن زید' بکر بن عبداللہ مزنی' حصین بن جندب' حکم بن اعرج' ابوالجویرہ حطان بن خفاف' حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف' رفیع ابوالعالیہ' مقسم' ابو صالح السمان' سعد بن ہشام' سعید بن ابوالحسن بصری' سعید بن حویرث' سعید بن ابی ہند' ابوالحباب سعید بن یسار' سلیمان بن یسار' ابوزمیل سماک بن ولید' سنان بن سلمہ' صہیب' طلحہ بن عبداللہ بن عوف' عامر الشعبی' عبداللہ بن ابی ملیکہ' عبداللہ بن کعب ابن مالک' عبداللہ بن عبید عبید بن حنین' عبدالرحمٰن بن مطعم' عبدالرحمٰن بن وعلہ' عبدالعزیز بن رفیع' عبدالرحمٰن

---

[1] مسلم جلد اوّل

Marfat.com

بن عاص نخعی' عبید اللہ بن عبد اللہ بن ابی ثور' عبید اللہ بن یزید المکی' علی بن ابو طلحہ' عمرو بن مرہ' عمرو بن میمون' عمران بن حطان' عمار بن ابی عمار' محمد بن عباد بن جعفر' مسلم بن صبیح' سلم القریز' موسیٰ بن سلمہ' میمون بن مہران جزری' نافع بن جبیر بن مطعم' ناعم' نضر بن انس' یحیٰ بن یعمر' ابوالبختری الطائی' ابوالحسان الاعرج' یزید بن ہرمز' ابوحمزہ قصاب' ابوالزبیر مکی' ابو عمر البہرانی' ابوالمتوکل الناجی' ابولنضرہ العبدی' فاطمہ بنت حسین' محمد بن سیرین وغیرہم۔[1]

فقہ وفرائض:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ فقہ کی سنگ بنیاد ہیں' اس کی تشریح کے لیے ایک دفتر چاہیے' اس لیے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں' تاہم ان کی فقہ دانی کا سرسری اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ابوبکر محمد بن موسیٰ خلیفہ مامون الرشید کے پرپوتے نے جو اپنے زمانہ کے امام تھے' ان کے فتاویٰ ۲۰ جلدوں میں جمع کیے تھے۔[2]

مکہ میں فقہ کی بنیاد ان ہی نے رکھی' وہ تمام فقہاء جن کا سلسلہ مکہ کے شیوخ تک پہنچتا ہے' وہ سب بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کے خوشہ چین تھے' ایک فقیہ ومجتہد کے لیے قیاس ناگزیر ہے' کیونکہ وقتاً فوقتاً بہت سے ایسے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں' جو حضرت حامل شریعت علیہ السلام کے عہد میں نہ تھے' اور ان کے متعلق کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے' ایسے وقت میں مجتہد کا یہ فرض ہے کہ وہ منصوصہ احکام اور ان میں علت مشترک نکال کر ان پر قیاس کر کے حکم صادر کرے' ورنہ فقہ کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے گا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو وہ پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے' اگر اس سے جواب مل جاتا تو فبہا' ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف رجوع کرتے' اگر اس سے بھی مقصد برآری نہ ہوتی' تو حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا فیصلہ دیکھتے' اگر اس سے بھی عقدہ حل نہ ہوتا تو' پھر اجتہاد کرتے۔[3] مگر اسی کے ساتھ قیاس بالرائے کو برا سمجھتے تھے' چنانچہ وہ اس کی مذمت میں کہتے ہیں کہ ''جو شخص کسی مسئلہ میں ایسی

---

[1] تہذیب التہذیب [2] اعلام الموقعین [3] علام الموقعین جلد ا ص ۱۳

Marfat.com

رائے دیتا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں نہیں ہے، تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب وہ خدا سے ملے گا تو اس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا۔[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کچھ لوگ مرتد ہو گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو زندہ جلا دیا، ابن عباس رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو کہا اگر ان کی جگہ میں ہوتا، تو جلانے کی بجائے قتل کی سزا دیتا، کیونکہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص مذہب تبدیل کرے اس کو قتل کر دو، پھر فرمایا کہ "جو عذاب خدا کا مخصوص ہے، اس کو تم لوگ نہ دو"۔ یعنی آگ میں کسی کو نہ جلاؤ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو فرمایا ابن عباس (رضی اللہ عنہما) پر افسوس ہے۔[2]

فقہ کے ساتھ ساتھ فرائض میں بھی ورک تھا، اگرچہ وہ اس فن حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے برابر نہ تھے، تاہم عام صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی اس فن میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، عبید اللہ بن عبداللہ کا بیان ہے کہ حساب اور فرائض میں ابن عباس رضی اللہ عنہما ممتاز درجہ رکھتے تھے۔[3]

دیگر علوم:

ان مذہبی علوم کے علاوہ ان تمام علوم میں جو اس زمانہ میں لازمہ شرافت سمجھے جاتے تھے، کافی دستگاہ اور ناقدانہ نظر رکھتے تھے، اوپر گذر چکا ہے کہ مذہبی علوم کے علاوہ ان کے حلقہ درس میں عربی شعر و شاعری اور ادب و انشاء کے طالبین بھی آتے تھے، عربوں میں شاعری لازمہ شرافت تھی، بالخصوص قریش کی آتش بیانی مشہور تھی، ابن عباس رضی اللہ عنہما نہ صرف سخن سنج تھے، بلکہ خود بھی اشعار کہتے تھے، ابن رشیق نے ان کے یہ چند اشعار کتاب العمدہ میں نمونہ کے طور پر نقل کیے ہیں:

اذا طارقات الهم ضاجعت الفتى　　　واعمل فكر الليل والليل عاكر

"جب رات کے آنے والے غم کسی جواں مرد کے ساتھ ہم خواب ہوتے ہیں اور شب کے آخر حصہ میں تفکرات اپنا عمل کرتے ہیں"۔

---

[1] اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۱۳　[2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۹　[3] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۹۳

Marfat.com

وباکرنی فی حاجة لم یجد بها   سوای ولا من نکبة الدھر ناصر

''اور وہ صبح کو میرے پاس اسی حالت میں اپنی حاجت لے کر آتا ہے کہ اس میں اور اس کی زمانہ کی بدبختیوں میں اس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا''۔

فرجت بمالی ھمہ من مقامہ   وزائلہ ھم طروق مسامر

''تو میں اپنے مال کے ذریعہ اس کا غم دور کرتا ہوں اور اس کے رات کے آنے والی تفکرات دور ہو جاتے ہیں''۔

وکان لہ فضل علی بظنّہ   بی اخیرانی للذی ظن شاکر

''اور میں اسی کا ممنون ہوں کیونکہ وہ میرے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے اور جو شخص میرے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے' اس کا میں مشکور ہوں''۔

شعر گوئی کے ساتھ ساتھ فصیح و بلیغ بھی تھے' اگرچہ خطیب کی حیثیت سے انہوں نے کوئی شہرت نہیں حاصل کی' تاہم ان کی روزانہ کی گفتگو بھی ادب کی چاشنی سے خالی نہ ہوتی تھی' مسروق کا بیان ہے کہ جب ابن عباس رضی اللہ عنہما گفتگو کرتے تھے' تو فصیح ترین آدمی معلوم ہوتے تھے۔[1]

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان میں اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں جو گفتگو ہوئی ہے' وہ حسن بیان کا ایک دل آویز نمونہ ہے۔[2]

معاویہ رضی اللہ عنہ : اجرك الله ابا العباس فی ابی محمد الحسن بن علی.	معاویہ رضی اللہ عنہ: ابوالعباس خدا تمہیں ابی محمد الحسن بن علی کی موت پر اجر دے۔
فقال ابن عباس رضی اللہ عنہ: انا لله و انا الیه راجعون و غلبه البکاء فرده ثم قال لا یسدد الله مکانه حفرتك ولا یزید موته فی اجلك والله لقد اصبنا بمن هو اعظم منه	ابن عباس رضی اللہ عنہما: ابن عباس نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور آنسو ضبط کر کے بولے' خدا کی قسم ان کی موت سے تمہاری قبر پُر نہ ہو جائے گی اور نہ ان کی موت سے تمہاری زندگی میں کچھ اضافہ ہوگا خدا کی قسم ہم کو ان سے بڑے کی موت

[1] کتاب العمدہ ص ۵ [2] استیعاب جلد ا ص ۳۸۴ [3] کتاب البیان والتبیین جاحظ جلد ۲ ص ۱۸۰

Marfat.com

فقد فما صنيعا و الله بعده.	کا صدمہ اٹھانا پڑا' خدا کی قسم اس کے بعد ہمارا کیا چارہ تھا۔
معاويه رضی اللہ عنہ : كم كانت سنة.	معاویہ رضی اللہ عنہ: ان کی عمر کتنی تھی۔
ابن عباس رضی اللہ عنہ : مولده اشهر من ان تتعرف سنة.	ابن عباس رضی اللہ عنہما: ان کی ولادت اتنی مشہور ہے کہ تم کو ان کی عمر معلوم کرنے کی ضرورت نہیں۔
معاويه رضی اللہ عنہ : احسبه ترك اولادا صغارا.	معاویہ رضی اللہ عنہ: میرا خیال ہے کہ انہوں نے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے۔
ابن عباس رضی اللہ عنہ : كان كانا صغيرا فكسرولئن اختار الله لابى محمد ما عنده وقبضه الى رحمته لقد ابقى الله ابا عبدالله وفى مثله الخلف الصالح.	ابن عباس رضی اللہ عنہما: ہم سب چھوٹے تھے' پھر بڑے ہوئے' اگر خدا نے ابو محمد (حسن رضی اللہ عنہ) کو اپنی رحمت کی طرف بلا لیا اور ابھی اس نے ابو عبداللہ (حسین رضی اللہ عنہ) کو زندہ رکھا ہے اور ان کے ایسے لوگ خلف صالح ہوتے ہیں۔

تقریر اس قدر شیریں ہوتی تھی کہ بے ساختہ سننے والوں کی زبانوں سے مرحبا نکل جاتا' ہم نے مستدرک حاکم کے حوالہ سے اوپر کہیں نقل کیا ہے کہ شقیق بیان کرتے تھے کہ "ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ حج کے موسم میں سورۂ نور کی تفسیر اس اچھوتے انداز سے بیان کی تھی کہ اس سے بہتر نہ میرے کانوں نے سنی تھی' نہ آنکھوں نے دیکھی تھی' اگر اس کو فارس و روم سن لیتے تو پھر ان کو اسلام سے کوئی چیز نہ روک سکتی"۔ ابن ابی شیبہ کی روایت میں اتنا اور اضافہ ہے کہ ایک شخص بولا کہ "ابن عباس رضی اللہ عنہما کی شیریں بیانی اور حلاوت پر میرا بے اختیار دل چاہتا تھا کہ ان کا سر چوم لوں"۔[1]

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جامعیت:

اوپر کی تفصیلات سے ان کی جامعیت کا اندازہ ہوا ہوگا' عبید اللہ بن عبداللہ کے

---

[1] اصابہ بحوالہ ابن ابی شیبہ تذکرہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

Marfat.com

اس تبصرہ سے اس کا پورا اندازہ ہوگا وہ کہا کرتے تھے کہ اس زمانہ کے علوم میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا' معاملہ فہمی اور اصابت رائے میں وہ سب پر فائق تھے' نسب دانی اور تاویل قرآن کے بڑے ماہر تھے' احادیث نبوی اور ابوبکر عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے فیصلوں کا ان سے زیادہ کوئی واقف کار نہ تھا' شعر و شاعری' ادب' تفسیر' حساب اور فرائض میں ممتاز درجہ رکھتے تھے' اور ان سب میں ان کی رائے بے نظر ہوتی تھی' ان کے علمی مذاکرے کے دن مقرر تھے' کسی دن فقہ کا درس دیتے تھے' کسی دن تاویل قرآن پر روشنی ڈالتے' کسی دن مغازی کے واقعات کا تذکرہ کرتے' کسی دن ایامِ عرب کی داستان سناتے' کسی دن شعر و شاعری کا چرچا ہوتا' غرض ان کا چشمہ معرفت ہر دن نئے رنگ سے ابلتا تھا' میں نے کسی بڑے سے بڑے عالم کو نہیں دیکھا جو تھوڑی دیر کے لیے ان کی صحبت میں بیٹھا ہو اور ان کے کمالِ عمل کے سامنے اس کی گردن نہ جھک گئی ہو' کسی علم کے متعلق کوئی سوال بھی کرتا اس کو اس کا جواب ضرور ملتا''۔[1]

معاصرین کا اعتراف:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں گو عمر میں بہت چھوٹے تھے' مگر ان کا علم سب سے بڑا تھا' ان کے تمام معاصرین جن میں سے بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم تک تھے ان کے فضل و کمال کے معترف تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ابن عباس (رضی اللہ عنہما) ادھیڑ عمر والوں میں نوجوان ہیں' ان کی زبان سائل اور ان کا ذہن رسا ہے' مجاہد تابعی کہتے تھے کہ ''میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ سے بہتر کسی شخص کا فتویٰ نہیں دیکھا' علاوہ اس شخص کے جو قال رسول اللہ کہتا ہے''۔ طاؤس کہتے تھے کہ ''میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ سو اصحاب رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے کہ جب وہ کسی مسئلہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مباحثہ کرتے اور دونوں میں اختلافِ رائے ہوتا تو آخر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کی رائے پر فیصلہ ہوتا''۔

---

1. اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۳، ۱۹۴

Marfat.com

﴿ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ﴾ (نساء : ۱۳)

''اے مسلمانو! (اظہارِ اسلام کے لیے) جو تم کو سلام کرے' اس کو تم خواہ مخواہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے''۔

بظاہر یہ ایک عام حکم ہے اس کی تفسیر بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ممنونِ احسان ہے' وہ بیان کرتے ہیں کہ کسی غزوہ میں ایک شخص کچھ مالِ غنیمت لیے ہوئے تھے' مسلمانوں کا سامنا ہوا تو اس نے سلام کیا' ان لوگوں نے (شبہ میں) مار ڈالا' اور مالِ غنیمت چھین لیا' اس پر یہ حکم نازل ہوا[1] اسی طریقہ سے اس آیت:

﴿ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنْکُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِیْنَ ﴾ (حجر : ۲)

''ہم نے تم میں سے بعض ان لوگوں کو جو آگے بڑھ کر کھڑے ہوتے ہیں جان لیا ہے اور ان کو بھی جو پیچھے کھڑے ہوتے ہیں''۔

کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ ایک خوبصورت عورت جماعت کی نماز میں شریک ہوتی تھی' بعض محتاط اشخاص اگلی صف میں چلے جاتے تھے کہ اس پر نظر نہ پڑے اور بعض دیکھنے کی نیت سے پیچھے رہتے تھے' اور رکوع میں بغل کے راستے سے نظر ڈال لیتے تھے' ان کی اس خیانت پر یہ آیت نازل ہوئی۔[2] قرآن مجید کا یہ حکم:

﴿ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوْ وَّ یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَا فَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴾ (آل عمران : ۱۹)

''اور جو لوگ اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں' اور جو نہیں کیا ہے اس پر تعریف چاہتے ہیں تو ایسے لوگوں کی نسبت ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے' بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے''۔

بظاہر انسانی فطرت کے کس قدر خلاف ہے' کیونکہ ہر شخص اپنے کیے پر خوش ہوتا ہے اور جو نہیں کرتا ہے اس پر بھی تعریف کا خواہاں رہتا ہے' اگر بہت بلند اخلاق کا شخص

---

[1] بخاری باب قولہ تعالیٰ لا تقولوا، ومسند احمد بن حنبل جلد ا ص ۲۲۹۔

[2] مسند احمد بن حنبل جلد ا ص ۳۰۵۔

Marfat.com

ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہ دوسرا جذبہ اس میں نہ ہوگا' اس حکم کے مطابق تو ہم سب عذاب میں مبتلا ہوں گے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ اس کو ہم لوگوں سے کوئی تعلق نہیں' یہ ایک خاص موقعہ پر اہل کتاب کے بارہ میں نازل ہوئی تھی' پھر یہ آیت:

﴿ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ ﴾(ال عمران : ۱۹)

''جب خدا نے ان لوگوں سے جن کو کتاب دی ہے یہ وعدہ لیا کہ وہ اسے لوگوں کو کھول کھول کر سنائیں گے''۔

تلاوت کر کے کہا کہ ان کو یہ حکم ملا تھا' مگر انہوں نے بالکل اس کے برعکس عمل کیا' ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کسی بات کے متعلق استفسار فرمایا' انہوں نے اصل جواب جو ان کی کتاب میں تھا چھپا ڈالا اور اپنے حسب منشاء دوسرا فرضی جواب دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر کیا کہ انہوں نے اصل جواب دیا ہے' اور پھر اس فعل پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خوشنودی کے طالب ہوئے اور اپنی اس چالاکی پر شاداں و فرحاں ہوئے' اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جو لوگ اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں (جیسا کہ اہل کتاب اپنی چالاکی پر خوش ہوئے تھے) اور جو نہیں کیا ہے اس پر تعریف کے خواہاں ہوتے ہیں (جیسا کہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے خواہاں ہوئے تھے) تو ایسے لوگوں کے لیے عذاب سے چھٹکارا نہیں ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔[1]

ذیل کے واقعہ سے ان کی فراست' طباعی' دقیقہ سنجی' اور قوتِ استنباط کا اندازہ ہوگا' ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع میں سوال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے اخیر عشرہ کی ایک طاق رات ہے' تم لوگ اس سے کون سی طاق رات سمجھتے ہو؟ کسی نے ساتویں کسی نے پانچویں' کسی نے تیسری بتائی' ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم کیوں نہیں بولتے' عرض کی اگر آپ فرماتے ہیں تو مجھ کو کیا عذر ہو سکتا ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے بولنے ہی کے لیے تمہیں بلایا ہے' کہا میں اپنی ذاتی

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ا ص ۲۹۸

Marfat.com

رائے دوں گا' فرمایا ذاتی رائے تو پوچھتا ہی ہوں' کہا میں آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات کے عدد کو بہت اہمیت دی ہے' چنانچہ فرمایا ہے کہ سات آسمان' سات زمین' ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا ہے کہ ہم نے زمین کو پھاڑا اور اس میں غلہ' انگور' شاخ' زیتون، کھجور کے درخت، گنجان باغ' اور میوے اگائے' یہ بھی سات باتیں ہیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ جواب سن کر فرمایا کہ تم لوگ اس بچہ سے بھی گئے گذرے ہوئے ہو' جس کے سر کے گوشہ بھی ابھی درست نہیں ہوئے' یہ جواب کیوں نہ دیا۔[1] گو بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی سات کی تعیین کی تھی' لیکن کسی استدلال کے ساتھ نہیں' سبھوں نے ایک ایک طاق رات اپنے اپنے قیاس وفہم کے مطابق لی' کسی نے سات کی شب بھی لی... لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قرآن سے اس کی تائید پیش کی' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تفسیر میں نہایت دلیری سے کام لیتے تھے' بعض محتاط صحابہ رضی اللہ عنہم اس دلیری کو ناپسند کرتے تھے' لیکن بالآخر ان کو بھی ان کی مہارتِ تفسیر کا اعتراف کرنا پڑا۔

ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص آیا' اور اس نے آیت کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَا کا مطلب پوچھا' انہوں نے امتحان کی غرض سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بھیج دیا کہ ان سے پوچھ کر بتاؤ' اس نے جا کر پوچھا' انہوں نے بتایا کہ آسمان کا فتق یہ ہے کہ پانی نہ برسائے زمین کا فتق یہ ہے کہ نباتات نہ اگائے' سائل نے واپس آ کر یہ جواب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو سنایا انہوں نے کہا ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کو نہایت سچا علم مرحمت ہوا ہے' مجھ کو تفسیر قرآن میں ان کی دلیری پر حیرت ہوتی تھی لیکن اب معلوم ہوا کہ درحقیقت علم ان ہی کا حصہ ہے۔[2] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کے بعد قرآن کے سائلین کو خود جواب نہ دیتے تھے' بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بھیج دیتے تھے' ایک مرتبہ عمرو بن حبشی نے ایک آیت کے متعلق ان سے استفسار کیا' انہوں نے کہا: "ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے پوچھو' قرآن کے جاننے والے جو لوگ باقی رہ گئے ہیں' ان میں سب سے زیادہ معلومات وہی رکھتے ہیں"۔[3]

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۹ [2] اصابہ جلد ۴ ص ۹۲ [3] ایضاً

Marfat.com

علوم قرآنی میں علم النسخ کی اہمیت بالکل عیاں ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس بحر زخار کے بھی شناور تھے' اور تمام ناسخ اور منسوخ احکام ان کے ذہن میں مستحضر تھے' یہ اس علم کو اس قدر اہمیت دیتے تھے کہ بغیر اس پر حاوی ہوئے وعظ کی لب کشائی کی اجازت نہ دیتے تھے' ایک مرتبہ کسی راستہ سے گذر رہے تھے' ایک واعظ وعظ کہہ رہا تھا' اس سے پوچھا ناسخ منسوخ جانتے ہو کسے کہتے ہیں' اس نے کہا نہیں' فرمایا: ''تو تم خود بھی ہلاک ہوئے اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا'' [1]

گو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قرآن کی تعلیم میں بخل نہ کرتے تھے' اور ان کا دروازہ ہر طالب قرآن کے لیے کھلا ہوا تھا' تاہم وہ اس نکتہ سے بھی بے خبر نہ تھے' کہ جب کثرت سے قرآن کی اشاعت ہوگی اور ہر کس و ناکس فہم قرآن کا مدعی ہو جائے گا' تو امت میں اختلاف کا دروازہ کھل جائے گا' ان کی اس نکتہ رسی کا اعتراف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی کرنا پڑا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں سارے ممالک محروسہ میں حافظ قرآن مقرر کر دیے تھے کہ وہ مسلمانوں کو قرآن کی تعلیم دیں' ایک دن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' حاکم کوفہ کا خط آیا کہ کوفہ والوں نے اتنا اتنا قرآن پڑھ لیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ مژدہ سن کر تکبیر کا نعرہ لگایا' لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما بولے کہ اب ان میں اختلاف کا تخم پڑ گیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غصہ سے پوچھا تم کو کیسے معلوم ہوا' اس واقعہ کے بعد یہ گھر چلے آئے' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں ان کا کہنا کھٹکتا رہا' چنانچہ آدمی بھیج کر ان کو بلا بھیجا' انہوں نے عذر کر دیا' دوبارہ پھر آدمی بھیجا کہ تم کو آنا ہوگا' اس تاکید پر یہ چلے آئے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم نے کوئی رائے ظاہر کی تھی' انہوں نے کہا پناہ بخدا اب میں کبھی دوبارہ کوئی خیال نہ ظاہر کروں گا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں طے کر چکا ہوں کہ جو تم نے کہا اس کو کہلوا کر رہوں گا' اس اصرار پر انہوں نے کہا کہ آپ نے جب کہا کہ میرے پاس خط آیا ہے' کہ کوفہ والوں نے اتنا اتنا قرآن یاد کر لیا' اس پر میں نے کہا کہ

---

[1] کتاب الناسخ والمنسوخ ابو جعفر نحاس

Marfat.com

ان لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ تم نے کیسے جانا' انہوں نے سورۂ بقرہ کی یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ يُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِي قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ' وَ إِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَ يُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ، وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴾ (بقرہ ع ۲۵)

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! لوگوں میں سے بعض ایسے آدمی بھی ہیں جن کی باتیں تم کو دنیاوی زندگی میں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنی دلی باتوں پر خدا کو گواہ بناتا ہے' حالانکہ وہ دشمنوں میں بڑا جھگڑالو ہے اور جب وہ تمہارے پاس لوٹ کر جائے تو ملک میں پھرے تا کہ اس میں فساد پھیلائے اور کھیتی اور نسل کو تباہ کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا اور جب اس سے کہا جائے کہ خدا سے ڈرو تو ان کو عزتِ نفس گناہ پر آمادہ کرے' ایسے شخص کے لیے جہنم کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے' اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی رضا جوئی کے لیے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ بندوں پر شفقت کرنے والا ہے''۔

یہ آیتیں سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' تم نے سچ کہا۔[1]

حدیث:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان مخصوص صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہیں جو علم حدیث کے اساطین سمجھے جاتے ہیں' اگر حدیث کی کتابوں سے ان کی روایتیں علیحدہ کر لی جائیں تو اس کے بہت سے اوراق سادہ رہ جائیں گے' ان کی مرویات کی مجموعی تعداد ۲۶۶۰ ہے' ان میں

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۴۰' علی شرط شیخین

Marfat.com

۷۵ متفق علیہ ہیں، یعنی بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں؛ ان کے علاوہ ۱۸ روایتوں میں بخاری منفرد ہیں، اور ۴۹ میں مسلم۔[۱]

ان کی روایات کی کثرت اور معلومات کی وسعت خود ان کی ذاتی کاوش و جستجو کا نتیجہ ہیں، گو بہت سی روایتیں براہِ راست خود زبانِ وحی والہام سے لی ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر ۱۴، ۱۵ سال سے زائد نہ تھی، ظاہر ہے کہ اس عمر میں علم کا اتنا سرمایہ کہاں سے حاصل کر سکتے تھے۔ ان کے ذوقِ علم اور تلاش و جستجو کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک انصاری سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے، مگر آپ کے اصحاب زندہ ہیں چلو ان سے تحصیل علم کریں، انہوں نے کہا ابن عباس! مجھ کو تم پر حیرت ہوتی ہے، تم دیکھتے ہو کہ لوگ علم میں خود تمہارے محتاج ہیں، پھر تم دوسروں کے پاس جاتے ہیں، یہ جواب سن کر ان کو چھوڑ دیا اور تنہا جہاں کہیں سراغ ملتا کہ فلاں شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنی ہے، فوراً مشقت اٹھا کر اس کے پاس پہنچتے اور اطلاع دیتے، وہ گھر سے نکل آتا اور کہتا کہ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنی ہے، وہ کہتا...... ابن عم رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے کیوں زحمت گوارا کی، کسی دوسرے کو بھیج دیا ہوتا، کہتے نہیں یہ میرا فرض تھا، اس طریقہ سے عرب کے گوشہ گوشہ سے ایک ایک دانہ چن چن کر خرمن علم کا انبار لگایا، جب ان کے فضل وکمال کا چرچا زیادہ ہوا، اس وقت ان انصاری نے جنہوں نے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا تھا، ندامت کے ساتھ اقرار کیا کہ "ابن عباس (رضی اللہ عنہما) ہم سے زیادہ عقل مند تھے"۔[۲]

ابو سلمہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے تھے کہ جس شخص کے متعلق مجھ کو پتہ چلتا کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنی ہے تو میں خود اس کے

۱۔ تہذیب الکمال ص ۲۰۲

۲۔ مستدرک حاکم جلد ۳ فضائل ابن عباس رضی اللہ عنہما سعی ابن عباس رضی اللہ عنہما فی طلب العلم

Marfat.com

مکان پر جا کر حاصل کرتا حالانکہ اگر میں چاہتا تو راوی کو اپنے یہاں بلوا سکتا تھا۔[1]

ابو رافع رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے' اس لیے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال دیکھنے اور قوال سننے کا زیادہ موقع ملتا تھا' ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پاس کاتب لے کر آتے اور پوچھتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں فلاں دن کیا کیا' کیا۔ ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے اور کاتب قلمبند کرتا جاتا۔[2]

اسی تلاش و جستجو نے ان کو اقوال و افعال نبوی کا سب سے بڑا حافظ بنا دیا تھا' اکثر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو عمر اور مرتبہ میں ان سے کہیں زیادہ تھے' ان کے مقابلہ میں اپنے قصورِ علم کا اعتراف کرنا پڑتا تھا' یہ فتویٰ دیتے تھے کہ حائضہ طواف رخصت کیے بغیر لوٹ جائے' حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کاتب وحی کو معلوم ہوا تو انہوں نے پوچھا تم حائضہ عورت کو یہ فتویٰ دیتے ہو' انہوں نے کہا: ہاں! زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ فتویٰ نہ دیا کرو' انہوں نے کہا میں تو یہی دوں گا' اگر آپ کو شک ہے تو فلاں انصاریہ سے جا کر پوچھ لیجئے کہ اس کو یہ حکم دیا تھا یا نہیں' زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جا کر پوچھا تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ صحیح نکلا' چنانچہ ہنستے ہوئے واپس آئے اور بولے تم نے سچ کہا تھا۔[3]

اسی طریقہ سے ایک مرتبہ ان میں اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ میں محرم کے سر دھونے کے بارہ میں اختلاف ہوا' یہ کہتے تھے محرم سر دھو سکتا ہے' مخرمہؓ اس کے خلاف تھے' اس پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عبداللہ بن حنین کو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس تحقیق کے لیے بھیجا' یہ اس وقت کپڑا آڑ کیے ہوئے کنوئیں پر نہا رہے تھے' عبداللہؓ نے سلام کیا' انہوں نے پوچھا کون! کہا میں ہوں عبداللہ بن حنین' ابن عباس (رضی اللہ عنہما) نے پوچھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احرام کی حالت میں کس طرح سر دھوتے تھے' ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے عملاً نقشہ کھینچ کر بتا دیا۔[4]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اوّل ص ۵ [2] اصابہ جلد ۴ ص ۹۲ [3] مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۲۲۶
[4] ابوداؤد کتاب المناسک المحرم لغیل راسہ

Marfat.com

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول وفعل کے بارہ میں اختلاف ہوتا تو وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف رجوع کرتے' اس بارہ میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہاں سے احرام باندھا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم میں بہت اختلاف ہے' سعید بن جبیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ ابو العباس مجھ کو حیرت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں آپ کے احرام باندھنے کی جگہ کی تعیین میں بہت زیادہ اختلاف ہے' انہوں نے کہا میرے معلومات اس بارہ میں سب سے زیادہ ہیں' چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی حج کیا ہے' اس لیے لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا' اس کا سبب یہ ہے کہ جب آپ نے ذوالحلیفہ کی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد احرام باندھا اور لبیک کہنا شروع کیا' جو لوگ اس وقت موجود تھے انہوں نے اسی کو یاد رکھا' پھر جب آپ اونٹنی پر سوار ہوئے اور وہ چلی تو پھر آپ نے لبیک کہا' اس وقت جو لوگ موجود تھے وہ یہ سمجھے کہ آپ نے یہیں سے ابتدا کی ہے' چنانچہ وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب آپ اونٹنی پر سوار ہو کر چلے اس وقت سے لبیک کہنا شروع کیا' اس کے بعد جب آپ بلندی پر چڑھے اس وقت سے کہنا شروع کیا' لیکن میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپ نے مسجد میں احرام باندھا' اس کے بعد جب اونٹنی چلی تب' اور جب بلند مقام پر چڑھے تب' دونوں مرتبہ لبیک کہا۔[1]

روایتوں میں احتیاط:

عموماً کثیر الروایت راویوں کے متعلق یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ وہ روایت کرنے میں محتاط نہیں ہوتے' اور رطب ویابس کا امتیاز نہیں رکھتے' لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ذات اس سے مستثنیٰ اور اس قسم کے شکوک وشبہات سے ارفع واعلیٰ تھی' وہ حدیث بیان کرتے وقت اس کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے کہ کوئی غلط روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نہ منسوب ہونے پائے' جہاں اس قسم کا کوئی خفیف سا بھی خطرہ ہوتا' وہ بیان نہ کرتے تھے' چنانچہ اکثر کہا کرتے تھے کہ ہم اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتے تھے' جب تک

---

[1] ابوداؤد کتاب المناسک باب وقت الاحرام

Marfat.com

جھوٹ کا خطرہ نہ تھا، لیکن جب سے لوگوں نے ہر قسم کی رطب و یابس حدیثیں بیان کرنا شروع کردیں، اس وقت سے ہم نے روایت ہی کرنا چھوڑ دیا۔[1] لوگوں سے کہتے کہ تم کو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے وقت یہ خوف نہیں معلوم ہوتا کہ تم پر عذاب نازل ہو جائے، یا زمین شق ہو جائے اور تم اس میں سما جاؤ[2] اسی احتیاط کی بنا پر فتویٰ دیتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لیتے تھے[3] کہ آپ کی طرف نسبت کرنے کا بار نہ اٹھانا پڑے۔

حلقہ درس:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا حلقہ درس بہت وسیع تھا، سینکڑوں طلب گار روزانہ ان کے خرمن کمال سے خوشہ چینی کرتے تھے، ان کی زندگی کا ہر لمحہ درس و تدریس کے لیے وقف تھا کبھی کوئی شخص ان کے چشمہ فیض سے ناکام واپس نہ ہوا، اس عام فیض کے علاوہ بعض مجلسیں خصوصیت کے ساتھ درس و تدریس اور علمی مذاکروں کے لیے مخصوص تھیں، اور ان میں باقاعدہ ہر علم و فن کی جدا جدا تعلیم ہوتی تھی، ابو صالح تابعی بیان کرتے ہیں کہ ''میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف ایک ایسی علمی مجلس دیکھی کہ اگر سارا قریش اس پر فخر کرے تو بھی بجا ہوگا، اس مجلس کا یہ حال تھا کہ عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) کے مکان کے سامنے آدمیوں کا اتنا اژدحام تھا کہ ان کی کثرت سے آمد و رفت مشکل تھی، میں نے جا کر اس اژدحام کی اطلاع دی تو مجھ سے پانی مانگا، میں پانی لایا، انہوں نے وضو کیا، وضو کر کے بیٹھ گئے، پھر مجھ سے کہا جاؤ قرآن کے جس شعبہ کے متعلق جو سائل ہوں ان کو اطلاع دو، میں نے اطلاع دی، دیکھتے دیکھتے سائلوں سے سارا گھر اور تمام حجرے بھر گئے۔ جس نے جو سوال کیا اس کے سوال سے زیادہ اس کو جواب دے کر رخصت کیا، پھر مجھ سے کہا جاؤ حرام و حلال اور فقہ کے سائلوں کو بلاؤ، میں نے ان لوگوں کو اطلاع دی، چنانچہ ان کا جم غفیر

---

1. مسند دارمی باب فی الحدیث عن الثقات
2. ایضاً باب ما یتقی من تفسیر حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم
3. مسند احمد ابن حنبل جلد ۱ ص ۳۵۰

Marfat.com

آیا' اور جن کو جو سوالات کرنا تھے' پیش کیے' فرداً فرداً سب کو نہایت تشفی بخش اور ان کے سوالات سے زیادہ جواب دے کر رخصت کیا' پھر فرمایا کہ اب تمہارے دوسرے بھائیوں کی باری ہے' اس کے بعد فرائض وغیرہ کے سائلوں کو بلایا' ان کی تعداد بھی اتنی بڑی تھی کہ پورا گھر بھر گیا' ان کے پیشروؤں کی طرح ان کے سوالات سے زیادہ جوابات دے کر فارغ ہوئے تو مجھ سے کہا کہ عربی زبان' شعروشاعری اور ادب وانشاء سے سائلوں کو بلاؤ' چنانچہ میں نے اطلاع دی' یہ لوگ آئے' ان کے ہجوم کا بھی وہی حال تھا' ان لوگوں نے جو سوالات کیے' ان کے سوالات سے زیادہ جوابات دیئے' ابو صالح یہ واقعہ بیان کر کے کہتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کی اتنی بڑی مجلس نہیں دیکھی تھی۔[1]

درس کے ان مستقل حلقوں کے علاوہ کبھی کسی نماز کے بعد تقریر اور خطبہ کے ذریعہ سے تعلیم دیتے' عبداللہ بن شقیق بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عصر کے بعد ہم لوگوں کے سامنے تقریر کی' اور اتنی دیر تک کرتے رہے کہ آفتاب غروب ہو گیا' اور تارے نکل آئے' لوگوں نے نماز نماز کی آوازیں بلند کرنا شروع کیں' ایک تمیمی نے مسلسل نماز کہنا شروع کیا' ابن عباس رضی اللہ عنہما جھنجلا کر بولے لا اُمّ لکَ' تو مجھ کو سنت کی تعلیم دیتا ہے' میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا ہے' آپ ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھتے تھے عبداللہ بن شقیق کے دل میں یہ بات کھٹکتی رہی' انہوں نے جا کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں صحیح ہے۔[2]

حضر کے علاوہ سفر میں بھی ان کا یہ چشمہ فیض جاری رہتا تھا' چنانچہ جب چند دنوں کے لیے حج کی غرض سے مکہ معظمہ تشریف لے جاتے تھے' اس وقت بھی ان کی قیامگاہ طالبانِ علم کی درس گاہ بن جاتی۔[3]

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۸

[2] مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرہا باب الجمع بین الصلوٰتین فی الحضر

[3] استیعاب جلد ۱ ص ۳۵۴

Marfat.com

ترجمان کا تقرر:

اسلامی فتوحات کے بعد جب اسلام عرب کے حدود سے نکل کر ایران و مصر وغیرہ میں پھیلا' تو وہ قومیں اسلام کے حلقہ اثر میں آئیں جن کی زبان عربوں سے جدا تھی' ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی آسانی کے لیے مخصوص ترجمان رکھے کہ ان کو سوال میں زحمت نہ ہو۔[1]

تلامذہ:

ان کی اس فیض رسانی وعلم وعرفان کی بارش نے ان کے تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع کر دیا تھا' جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے' مشہور تلامذہ اور شاگردوں کی مختصر فہرست یہ ہے۔

بیٹوں میں محمد اور علی' پوتوں میں محمد بن علی' بھائیوں میں کثیر' بھتیجوں میں عبیداللہ ابن عبیداللہ اور عبداللہ بن معبد' عام لوگوں میں عبداللہ بن عمر' ثعلبہ بن حکم' مسور بن مخرمہ' ابوالطفیل' ابوامامہ بن سہل' سعید بن مسیب' عبداللہ بن حارث' عبداللہ بن عبداللہ' عبداللہ بن شداد' یزید بن اصم' ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن' ابو جمرہ ضبعی' ابومجلز لاحق بن حمید' ابو رجاء عطاردی' قاسم بن محمد' عبید بن سباق' علقمہ بن وقاص' علی بن حسین' عبیداللہ ابن عبداللہ بن عتبہ' عکرمہ' عطاء' طاؤس' کریب' سعید بن جبیر' مجاہد' عمرو بن دینار' ابوالجوزاء' اوس بن عبداللہ ربعی' ابوالشعثاء' جابر بن زید' بکر بن عبداللہ مزنی' حصین بن جندب' حکم بن اعرج' ابوالجویرہ' حطان بن خفاف' حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف' رفیع ابوالعالیہ' مقسم' ابو صالح السمان' سعد بن ہشام' سعید بن ابوالحسن بصری' سعید بن حویرث' سعید بن ابی ہند' ابوالحباب سعید بن یسار' سلیمان بن یسار' ابوزمیل سماک بن ولید' سنان بن سلمہ' صہیب' طلحہ بن عبداللہ بن عوف' عامر الشعبی' عبداللہ بن ابی ملیکہ' عبداللہ بن کعب ابن مالک' عبداللہ بن عبید عبید بن حنین' عبدالرحمٰن بن مطعم' عبدالرحمٰن بن وعلہ' عبدالعزیز بن رفیع' عبدالرحمٰن

---

[1] مسلم جلد اوّل

Marfat.com

بن عاص نخعی، عبید اللہ بن عبداللہ بن ابی ثور، عبید اللہ بن یزید المکی، علی بن ابوطلحہ، عمرو بن مرہ، عمرو بن میمون، عمران بن حطان، عمار بن ابی عمار، محمد بن عباد بن جعفر، مسلم بن صبیح، سلم القریز، موسیٰ بن سلمہ، میمون بن مہران جزری، نافع بن جبیر بن مطعم، ناعم، نضر بن انس، یحییٰ بن یعمر، ابوالبختری الطائی، ابوالحسان الاعرج، یزید بن ہرمز، ابوحمزہ قصاب، ابوالزبیر مکی، ابو عمرالبہرانی، ابوالمتوکل الناجی، ابولنضرہ العبدی، فاطمہ بنت حسین، محمد بن سیرین وغیرہم۔[1]

فقہ وفرائض:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ فقہ کی سنگ بنیاد ہیں، اس کی تشریح کے لیے ایک دفتر چاہئے، اس لیے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں، تاہم ان کی فقہ دانی کا سرسری اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ابوبکر محمد بن موسیٰ خلیفہ مامون الرشید کے پرپوتے نے جو اپنے زمانہ کے امام تھے، ان کے فتاویٰ ۲۰ جلدوں میں جمع کیے تھے۔[2]

مکہ میں فقہ کی بنیاد انہی نے رکھی، وہ تمام فقہاء جن کا سلسلہ مکہ کے شیوخ تک پہنچتا ہے، وہ سب بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کے خوشہ چین تھے، ایک فقیہ ومجتہد کے لیے قیاس ناگزیر ہے، کیونکہ وقتاً فوقتاً بہت سے ایسے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں، جو حضرت حامل شریعت علیہ السلام کے عہد میں نہ تھے، اوران کے متعلق کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے، ایسے وقت میں مجتہد کا یہ فرض ہے کہ وہ منصوصہ احکام اوران میں علت مشترک نکال کران پر قیاس کر کے حکم صادر کرے، ورنہ فقہ کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو وہ پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے، اگراس سے جواب مل جاتا تو فبہا، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف رجوع کرتے، اگراس سے بھی مقصد برآری نہ ہوتی، تو حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا فیصلہ دیکھتے، اگراس سے بھی عقدہ حل نہ ہوتا تو، پھر اجتہاد کرتے۔[3] مگراسی کے ساتھ قیاس بالرائے کو برا سمجھتے تھے، چنانچہ وہ اس کی مذمت میں کہتے ہیں کہ ''جو شخص کسی مسئلہ میں ایسی

---

[1] تہذیب التہذیب [2] اعلام الموقعین [3] علام الموقعین جلد ا ص ۱۴

Marfat.com

رائے دیتا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں نہیں ہے، تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب وہ خدا سے ملے گا تو اس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا۔[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کچھ لوگ مرتد ہو گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو زندہ جلا دیا، ابن عباس رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو کہا اگر ان کی جگہ میں ہوتا، تو جلانے کی بجائے قتل کی سزا دیتا، کیونکہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص مذہب تبدیل کرے اس کو قتل کردو، پھر فرمایا کہ "جو عذاب خدا کا مخصوص ہے، اس کو تم لوگ نہ دو"۔ یعنی آگ میں کسی کو نہ جلاؤ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو فرمایا ابن عباس (رضی اللہ عنہما) پر افسوس ہے۔[2]

فقہ کے ساتھ ساتھ فرائض میں بھی ورک تھا، اگرچہ وہ اس فن حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے برابر نہ تھے، تاہم عام صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی اس فن میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، عبید اللہ بن عبداللہ کا بیان ہے کہ حساب اور فرائض میں ابن عباس رضی اللہ عنہما ممتاز درجہ رکھتے تھے۔[3]

دیگر علوم:

ان مذہبی علوم کے علاوہ ان تمام علوم میں جو اس زمانہ میں لازمہ شرافت سمجھے جاتے تھے، کافی دستگاہ اور ناقدانہ نظر رکھتے تھے، اوپر گذر چکا ہے کہ مذہبی علوم کے علاوہ ان کے حلقہ درس میں عربی شعر و شاعری اور ادب و انشاء کے طالبین بھی آتے تھے، عربوں میں شاعری لازمہ شرافت تھی، بالخصوص قریش کی آتش بیانی مشہور تھی، ابن عباس رضی اللہ عنہما نہ صرف سخن سنج تھے، بلکہ خود بھی اشعار کہتے تھے، ابن رشیق نے ان کے یہ چند اشعار کتاب العمدہ میں نمونہ کے طور پر نقل کیے ہیں:

اذا طارقات الهم ضاجعت الفتى　　واعمل فكر الليل والليل عاكر

"جب رات کے آنے والے غم کسی جواں مرد کے ساتھ ہم خواب ہوتے ہیں اور شب کے آخر حصہ میں تفکرات اپنا عمل کرتے ہیں"۔

---

[1] اعلام الموقعین جلد ا ص ۱۳ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۹ [3] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۹۳

Marfat.com

وبا کرنی فی صاحبة لم یجدبها سرای ولا من نکبة الدھر ناصر

''اور وہ صبح کو میرے پاس اسی حالت میں اپنی حاجت لے کر آتا ہے کہ اس میں اور اس کی زمانہ کی بدبختیوں میں اس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا''۔

فرجت بمالی ھمه من مقامه وزائله ھمّ طروق مسامر

''تو میں اپنے مال کے ذریعہ اس کا غم دور کرتا ہوں اور اس کے رات کے آنے والی تفکرات دور ہو جاتے ہیں''۔

وکان له فضل علی بظنّه بی اخیرانی للذی ظن شاکر

''اور میں اسی کا ممنون ہوں کیونکہ وہ میرے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے اور جو شخص میرے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے' اس کا میں مشکور ہوں''۔

شعر گوئی کے ساتھ ساتھ فصیح و بلیغ بھی تھے' اگرچہ خطیب کی حیثیت سے انہوں نے کوئی شہرت نہیں حاصل کی' تاہم ان کی روزانہ کی گفتگو بھی ادب کی چاشنی سے خالی نہ ہوتی تھی' مسروق کا بیان ہے کہ جب ابن عباس رضی اللہ عنہما گفتگو کرتے تھے' تو فصیح ترین آدمی معلوم ہوتے تھے۔[1]

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان میں اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں جو گفتگو ہوئی ہے' وہ حسن بیان کا ایک دل آویز نمونہ ہے۔[2]

معاویہ رضی اللہ عنہ : اجرك الله ابا العباس فی ابی محمد الحسن بن علی.	**معاویہ رضی اللہ عنہ:** ابوالعباس خدا تمہیں ابی محمد الحسن بن علی کی موت پر اجر دے۔
فقال ابن عباس رضی اللہ عنہ: انا لله و انا الیه راجعون و غلبه البکاء فرده ثم قال لا یسدد الله مکانه حفرتك ولا یزید موته فی اجلك والله لقد اصبنا بمن ھو اعظم منه	**ابن عباس رضی اللہ عنہما:** ابن عباسؓ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور آنسو ضبط کر کے بولے' خدا کی قسم ان کی موت سے تمہاری قبر پُر نہ ہو جائے گی اور نہ ان کی موت سے تمہاری زندگی میں کچھ اضافہ ہوگا خدا کی قسم ہم کو ان سے بڑے کی موت

[1] کتاب العمدہ ص ۵ [2] استیعاب جلد ا ص ۳۸۴ [3] کتاب البیان والتبیین جاحظ جلد ۲ ص ۱۸۰

Marfat.com

فقد فما صنیعا واللہ بعدہ.

کا صدمہ اٹھانا پڑا' خدا کی قسم اس کے بعد ہمارا کیا چارہ تھا۔

معاویہ رضی اللہ عنہ : کم کانت سنۃ.

معاویہ رضی اللہ عنہ: ان کی عمر کتنی تھی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ : مولدہ اشہر من ان تتعرف سنۃ.

ابن عباس رضی اللہ عنہما: ان کی ولادت اتنی مشہور ہے کہ تم کو ان کی عمر معلوم کرنے کی ضرورت نہیں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ : احسبہ ترک اولادا صغارا.

معاویہ رضی اللہ عنہ: میرا خیال ہے کہ انہوں نے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ : کان کانا صغیرا فکسرولئن اختار اللہ لابی محمد ما عندہ وقبضہ الی رحمتہ لقد ابقی اللہ ابا عبداللہ وفی مثلہ الخلف الصالح.

ابن عباس رضی اللہ عنہما: ہم سب چھوٹے تھے' پھر بڑے ہوئے' اگر خدا نے ابو محمد (حسن رضی اللہ عنہ) کو اپنی رحمت کی طرف بلا لیا اور ابھی اس نے ابو عبداللہ (حسین رضی اللہ عنہ) کو زندہ رکھا ہے اور ان کے ایسے لوگ خلف صالح ہوتے ہیں۔

تقریر اس قدر شیریں ہوتی تھی کہ بے ساختہ سننے والوں کی زبانوں سے مرحبا نکل جاتا' ہم نے مستدرک حاکم کے حوالہ سے اوپر کہیں نقل کیا ہے کہ شقیق بیان کرتے تھے کہ ''ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ حج کے موسم میں سورۂ نور کی تفسیر اس اچھوتے انداز سے بیان کی تھی کہ اس سے بہتر نہ میرے کانوں نے سنی تھی' نہ آنکھوں نے دیکھی تھی' اگر اس کو فارس و روم سن لیتے تو پھر ان کو اسلام سے کوئی چیز نہ روک سکتی''۔ ابن ابی شیبہ کی روایت میں اتنا اور اضافہ ہے کہ ایک شخص بولا کہ ''ابن عباس رضی اللہ عنہما کی شیریں بیانی اور حلاوت پر میرا بے اختیار دل چاہتا تھا کہ ان کا سر چوم لوں''۔[1]

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جامعیت:

اوپر کی تفصیلات سے ان کی جامعیت کا اندازہ ہوا ہوگا' عبیداللہ بن عبداللہ کے

[1] اصابہ بحوالہ ابن ابی شیبہ تذکرہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

Marfat.com

اس تبصرہ سے اس کا پورا اندازہ ہوگا وہ کہا کرتے تھے کہ اس زمانہ کے علوم میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا' معاملہ فہمی اور اصابت رائے میں وہ سب پر فائق تھے' نسب دانی اور تاویل قرآن کے بڑے ماہر تھے' احادیث نبوی اور ابوبکر عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے فیصلوں کا ان سے زیادہ کوئی واقف کار نہ تھا' شعرو شاعری' ادب' تفسیر' حساب اور فرائض میں ممتاز درجہ رکھتے تھے' اور ان سب میں ان کی رائے بے نظر ہوتی تھی' ان کے علمی مذاکرے کے دن مقرر تھے' کسی دن فقہ کا درس دیتے تھے' کسی دن تاویل قرآن پر روشنی ڈالتے' کسی دن مغازی کے واقعات کا تذکرہ کرتے' کسی دن ایامِ عرب کی داستان سناتے' کسی دن شعرو شاعری کا چرچا ہوتا' غرض ان کا چشمہ معرفت ہر دن نئے رنگ سے ابلتا تھا' میں نے کسی بڑے سے بڑے عالم کو نہیں دیکھا جو تھوڑی دیر کے لیے ان کی صحبت میں بیٹھا ہو اور ان کے کمالِ عمل کے سامنے اس کی گردن نہ جھک گئی ہو' کسی علم کے متعلق کوئی سوال بھی کرتا اس کو اس کا جواب ضرور ملتا'' [1]

معاصرین کا اعتراف:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں گو عمر میں بہت چھوٹے تھے' مگر ان کا علم سب سے بڑا تھا' ان کے تمام معاصرین جن میں سے بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم تک تھے ان کے فضل وکمال کے معترف تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ابن عباس (رضی اللہ عنہما) ادھیڑ عمر والوں میں نوجوان ہیں' ان کی زبان سائل اور ان کا ذہن رسا ہے' مجاہد تابعی کہتے تھے کہ ''میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ سے بہتر کسی شخص کا فتویٰ نہیں دیکھا' علاوہ اس شخص کے جو قال رسول اللہ کہتا ہے''۔ طاؤس کہتے تھے کہ ''میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ سو اصحاب رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے کہ جب وہ کسی مسئلہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مباحثہ کرتے اور دونوں میں اختلافِ رائے ہوتا تو آخر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کی رائے پر فیصلہ ہوتا''۔

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۳، ۱۹۴

Marfat.com

انتخاب نے گلہ بانی کی درس گاہ سے نکال کر اپنے حلقہ تلمذ میں داخل کر لیا' اور علم و فضل کے آسمان پر مہر منیر بنا کر چمکایا۔

علم کا شوق:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ابتدا ہی سے علم کے شائق تھے' قبولِ اسلام کے ساتھ ہی انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے تعلیم دیجئے''۔ بشارت ملی

انك غلام معلم. تم تعلیم یافتہ لڑکے ہو۔[1]

اس شوق کا یہ اثر تھا کہ شب و روز سرچشمہ علم سے مستفیض ہوتے' خلوت' جلوت' سفر' حضر' غرض ہر موقع پر ساقی معرفت کی خدمت میں حاضر رہتے تھے' لیکن طلب صادق کی پیاس نہ بجھتی' یہاں تک کہ آپ جب داخل حرم نہ ہوتے تو اپنی والدہ حضرت ام عبد رضی اللہ عنہا کو بھیجتے کہ وہ خانگی زندگی کے معلومات بہم پہنچائیں۔[2]

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت وصحبت کا اثر:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام خاص میں شامل تھے' مسواک اٹھا کر رکھنا جوتا پہنانا' سفر کے موقع پر کجاوہ کسنا اور عصا لے کر آگے چلنا آپ کی مخصوص خدمت تھی' اس خدمت گذاری کے ساتھ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمدم و ہمراز بھی تھے۔[3] مخصوص صحبتوں میں شریک کئے جاتے۔ بلا اذن تخلیہ کے موقعوں پر حاضر ہوتے اور راز کی تمام باتیں سن سکتے تھے' چنانچہ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو حضور کے بستر مسواک اور وضو کے پانی والے کو معزز خطاب دے رکھا تھا۔[4]

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''ہم یمن سے آئے اور کچھ دنوں تک مدینہ میں رہے' ہم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کثرت سے

---

[1] مسند ابوداؤد طیالسی و مسند احمد جلد ا ص ۳۸۹ و ابن سعد و دلائل ابی نعیم و اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۶

[2] مسند امام اعظم ص ۱۸۴ [3] مستدرک جلد ۳ ص ۳۱۶

[4] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۰۹

Marfat.com

آتے جاتے دیکھا کہ ہم ان کو (عرصہ تک) خاندان رسالت کا ایک رکن گمان کرتے رہے''۔[1] غرض اس خدمت گذاری اور ہروقت کی حاضر باشی نے ان کو قدرۃً سب سے زیادہ خرمن کمال کی خوشہ چینی کا موقع دیا۔

قرآن:

قرآن کریم جو اصل اصول اسلام ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے سب سے بڑے عالم تھے، فرماتے ہیں کہ ''ستر سورتیں میں نے خاص مہبط وحی والہام کے دہن مبارک سے سن کر یاد کی تھیں[2]۔ ان کا دعویٰ تھا کہ قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں جن کی نسبت میں یہ نہ جانتا ہوں کہ کب، کہاں اور کس بارہ میں اتری ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ ''اگر کوئی شخص قرآن مجید کا مجھ سے زیادہ عالم ہوتا تو میں اس کے پاس سفر کر کے جاتا''۔ ایک دفعہ انہوں نے مجمع عام میں دعویٰ کیا کہ ''تمام صحابہ جانتے ہیں کہ میں قرآن کا سب سے زیادہ عالم ہوں، گو سب سے بہتر نہیں ہوں''۔ شقیق اس جلسہ میں موجود تھے، وہ کہتے ہیں کہ ''اس واقعہ کے بعد میں اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کے حلقوں میں شریک ہوا، مگر کسی کو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دعویٰ کا منکر نہیں پایا''۔

ابو الاحوص فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے چند احباب کے ساتھ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے مکان میں تھے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ چلنے کے قصد سے کھڑے ہوئے تو ابومسعود رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا: ''میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان سے زیادہ کوئی شخص قرآن کا عالم ہے''۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کیوں نہیں! یہ اس وقت بارگاہِ رسالت میں حاضر رہتے تھے جب کہ ہم لوگ غائب ہوتے تھے اور ان کو ان موقعوں میں باریاب ہونے کی اجازت تھی جب کہ ہم لوگ روک دیئے جاتے تھے''۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ میں عبداللہ بن مسعود کو اس دن سے بہت دوست رکھتا ہوں جس دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''قرآن چار

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۴۳ [2] بخاری جلد ۲ ۷۴۸

Marfat.com

آدمیوں سے حاصل کرو"۔ اور سب سے پہلے ابن ام عبد رضی اللہ عنہ کا نام لیا' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب وفات پائی تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرے سے کہا: "کیا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے جیسا کسی کو چھوڑا؟ دوسرے نے کہا نہیں وہ خلوت جلوت ہر موقع پر حاضر رہتے تھے جبکہ ہم لوگوں کے لیے یہ ممکن نہ تھا"۔[1]

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس عہد نبوت کا جمع کیا ہوا ایک مصحف بھی تھا جس کو وہ نہایت عزیز رکھتے تھے' چنانچہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب مصحف صدیقی کے سوا تمام مصاحف کو تلف کر دینے کا حکم دیا تو انہوں نے نہایت ناگواری کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی۔

چونکہ اس مصحف کے نقل و ترتیب کی خدمت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے انجام دی تھی' اس لیے وہ اکثر ان کی ناتجربہ کاری پر معترض ہوتے تھے' شقیق بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا' ستر سے کچھ زیادہ سورتیں میں نے خاص رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سن کر یاد کی تھیں' حالانکہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اس وقت لڑکے تھے' اور لڑکوں کے ساتھ کھیلتے پھرتے تھے[2] اس سے بڑھ کر ان کی قرآن دانی کی اور کیا سند ہو سکتی ہے کہ خود حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر لوگوں سے فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے سیکھو' عبداللہ بن مسعود' سالم' معاذ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم۔[3]

تفسیر:

قرآن مجید تفسیر اور مناسب موقعوں پر برجستہ آیاتِ قرآنی کی تلاوت میں خاص مہارت رکھتے تھے' ایک دفعہ یہ حدیث زیر بحث تھی کہ "جو شخص جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کا مال مارے گا' قیامت کے روز خدا اس پر نہایت غضب ناک ہوگا"۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کی تصدیق میں برجستہ یہ آیت تلاوت فرمائی۔[4]

---

[1] مسلم باب میں فضائل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۹

[3] بخاری باب القراء میں اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم [4] مسند جلد ۱ ص ۳۷۷' و بخاری جلد ۲ ص ۶۵۲

Marfat.com

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ ﴾

''بے شک وہ لوگ جو خدا کے عہد اور اپنی قسموں کے معاوضہ میں نفع قلیل حاصل کرتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا''۔

اسی طرح ایک دفعہ اپنے حلقہ درس میں بیان فرما رہے تھے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوا کیا گیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ ''شرک' پھر قتل اولاد پھر اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا'' اس حدیث کو بیان کر کے انہوں نے برجستہ اس آیت سے اس کی تصدیق فرمادی''۔[1]

﴿ وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا ﴾ (سورہ فرقان ع ۷)

''جو لوگ خدا کے ساتھ (کسی) دوسرے خدا کو نہیں پکارتے اور ناحق جان نہیں مارتے کہ اللہ نے اس کو حرام کر رکھا ہے اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور جو شخص ایسا کرے گا وہ ان گناہوں کا خمیازہ اٹھائے گا''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تفسیریں حدیث و تفسیر کی کتابوں میں بکثرت منقول ہیں' اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

تفسیر بالرائے سے احتراز:

محض اپنی رائے و قیاس سے آیات قرآنی کی تشریح و تفسیر کرنا علمائے امت کے نزدیک بالاتفاق ناجائز ہے' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اگر کسی کو ایسا کرتے دیکھتے تو نہایت برہم ہوتے' ایک مرتبہ کسی نے آ کر کہا کہ ایک شخص مسجد میں یوم تاتی السماء بدخان مبین کی تفسیر محض اپنی رائے سے کر رہا ہے' وہ کہتا ہے کہ ''قیامت کے روز اس قدر دھواں ہوگا کہ لوگ اس میں سانس لے کر زکام یا اسی قسم کی ایک بیماری میں مبتلا ہو جائیں گے''۔ بولے: ''دانشمندی یہ ہے کہ اگر انسان کسی امر سے واقف ہو تو بیان کرے اور اگر ناواقف ہو تو

[1] مسند احمد جلد اص ۳۸۰

Marfat.com

اللہ اعلم کہہ کر خاموش ہو جائے' یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب کہ قریش کی نافرمانی اور آنحضرت ﷺ کی بددعا کے باعث تمام عرب قحط کی مصیبت میں مبتلا تھا' لوگ جب آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تھے تو بھوک کی شدت اور ضعف و ناتوانی کے باعث زمین سے آسمان تک دھواں ہی دھواں نظر آتا تھا' خدائے پاک نے اس موقع پر کفار کو متنبہ کیا کہ اس سے بھی ایک زیادہ ہولناک اور سخت انتقام کا دن آنے والا ہے' اور وہ جنگ بدر کا دن ہے''۔[1]

قرأت:

قرأت میں غیر معمولی کمال حاصل تھا' صحاح میں بکثرت ایسی روایتیں ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ قرأت میں ابن ام عبد یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی پیروی کی جائے' ایک مرتبہ وہ نماز میں سورۂ نساء تلاوت فرما رہے تھے کہ خیر الامم ﷺ حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مسجد تشریف لائے اور ان کی خوش الحانی اور باقاعدہ ترتیل سے خوش ہو کر فرمایا:

اسئل تعطه اسئل تعطه.

''(جو کچھ) سوال کرو پورا کیا جائے گا (جو کچھ) سوال کرو پورا کیا جائے گا''۔

پھر ارشاد ہوا کہ ''جو پسند کرتا ہے کہ قرآن کو اسی طرح تروتازہ پڑھنا سیکھے' جس طرح وہ نازل ہوا ہے تو وہ اس کو قرأۃ ابن ام عبد کی اتباع کرنا چاہئے''۔

دوسرے روز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس بشارت و تہنیت کے خیال سے تشریف لائے' اور پوچھا کہ ''رات آپ نے خدا سے کیا دعا مانگی؟'' بولے: ''میں نے کہا اے خدا! مجھے ایمان عطا کر جس کو کبھی جنبش نہ ہو' ایسی نعمت دے جو کبھی ختم نہ ہو' اور خلد بریں میں (حضرت) محمد (مصطفیٰ ﷺ) کی دائمی رفاقت نصیب کر''۔[2]

وہ تلاوتِ قرآن کے نہایت شائق تھے' اور تنہائی کے موقع میں عموماً اس سے دل

---

[1] مسند جلد ا ص ۳۸۱ و بخاری جلد ۲ ص ۷۱۰ [2] مسند جلد ا ص ۴۵۴

Marfat.com

بہلایا کرتے، بسا اوقات خود آنحضرت ﷺ بھی ان سے قرآن کی کوئی سورت پڑھوا کر سنتے اور محظوظ ہوتے، خود کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ارشاد ہوا کہ سورہ نساء پڑھ کر سناؤ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ پر نازل ہوا اور آپ کو میں سناؤں! ارشاد ہوا: ''کیوں نہیں! لیکن میں دوسرے کی زبان سے سننا چاہتا ہوں''۔ غرض آپ نے تعمیل ارشاد کی اور جب اس آیت پر پہنچا ''فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَجِئْنَابِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا'' آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔[1]

روایت میں خوف واحتیاط:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بارگاہِ نبوت میں جو مخصوص تقرب حاصل تھا، اس کے لحاظ سے نہایت وسیع معلومات رکھتے تھے، لیکن روایت میں وہ حد درجہ محتاط تھے ابو عمرو شیبانی کہتے ہیں کہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی صحبت میں کامل ایک سال رہا، لیکن بہت کم قال رسول اللہ ﷺ کا لفظ ان کی زبان سے سنا، ایک مرتبہ انہوں نے ایک حدیث بیان کی تو تمام جسم میں رعشہ آ گیا، اور کہنے لگے ''آپ نے اسی طرح فرمایا تھا یا اس کے قریب قریب یا اسی کے مشابہ''۔[2]

عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ تقریباً ایک سال تک عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں میری آمد و رفت رہی، لیکن میں نے کبھی ان کو رسول اللہ ﷺ کے انتساب سے کچھ بیان کرتے ہوئے نہیں سنا، ایک مرتبہ حدیث بیان کرتے ہوئے اتفاقاً ان کی زبان سے قال رسول اللہ ﷺ کا فقرہ نکل گیا، تو دیکھا کہ ان کا تمام بدن تھرا اٹھا اور خوف وہراس سے عرق عرق ہو گئے۔[3]

تلامذہ کو احتیاط کی ہدایت:

شاگردوں کو بھی عموماً روایت حدیث میں احتیاط کی ہدایت کیا کرتے اور فرماتے

---

[1] ایضاً ص ۷۴۳ و بخاری جلد ۲ ص ۶۵۹ [2] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۴

[3] ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۱۰

Marfat.com

کہ جب تم کوئی حدیث بیان کرو تو اس خیال کو پیش نظر رکھو کہ رسولِ خدا ﷺ سب سے زیادہ مقدس پرہیزگار اور ہدایت یاب تھے۔[1]

کثرتِ روایات کی وجہ:

لیکن ان واقعات سے یہ قیاس نہ کرنا چاہئے کہ وہ مطلقاً حدیثیں روایت نہیں کرتے تھے' کیونکہ معلم دین ہونے کی حیثیت سے حضرت خیر الانام ﷺ کی تعلیمات و ارشادات کا پھیلانا ان کے فرائض منصبی میں داخل تھا' یہی وجہ ہے کہ خوف و احتیاط کے باوجود صحاح و مسانید میں ان سے بکثرت روایات منقول ہیں۔ چنانچہ آپ کی جملہ مرویات کی تعداد ۸۴۸ ہے ان میں سے ۶۴ بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں' ان کے علاوہ ۲۱ بخاری میں ہیں اور ۳۵ مسلم میں ہیں۔[2]

مذاکرۂ حدیث کا شوق:

بسا اوقات وہ مذاکرہ حدیث کے شوق میں تلامذہ واحباب کے گھر پر تشریف لے جاتے اور دیر تک عہد نبوت کا ذکر مذکور ہوتا رہتا' وابصہ اسدی فرماتے ہیں کہ میں کوفہ میں دوپہر کے وقت اپنے گھر میں تھا کہ یکایک دروازہ سے السلام علیک کی آواز بلند ہوئی' میں نے جواب دیا باہر نکل کر دیکھا' تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے' میں نے کہا ابو عبدالرحمٰن! یہ ملاقات کا کون سا وقت ہے' بولے آج بعض مشاغل ایسے پیش آ گئے کہ دن چڑھ گیا اور اب فرصت ملی تو یہ خیال آیا کہ کسی سے باتیں کر کے عہد مقدس کی یاد تازہ کرلوں"۔ غرض وہ بیٹھ کر حدیثیں بیان فرمانے لگے' اور دیر تک پر لطف صحبت رہی۔[3]

آدابِ روایت:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حدیث روایت کرتے وقت نہایت مؤدب متین اور سنجیدہ بن جاتے تھے' اور اس طرح نقشہ کھینچ دیتے تھے کہ گویا سامع خود حضرت رسول مقبول ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے سن رہا ہے' ایک مرتبہ انہوں نے ایک طولانی حدیث بیان

---

[1] مسند احمد جلد اوّل ص ۳۸۵ [2] تہذیب الکمال ص ۲۳۴ [3] مسند احمد جلد اوّل ص ۴۴۸

Marfat.com

فرمائی جس میں قیامت' جنت اور مومنین وسبحان رب العزت کے سوال وجواب کا تذکرہ تھا' حدیث ختم کر کے متبسم ہوئے اور فرمایا ''تم پوچھتے نہیں کہ میں کیوں ہنستا ہوں؟'' لوگوں نے کہا آپ کیوں ہنستے ہیں؟ اس لیے کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح تبسم فرمایا تھا۔[1]

فقہ:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان فاضل صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہیں جو فقہ کے موسس اور بانی سمجھے جاتے ہیں' خصوصاً فقہ حنفی کی عمارت تمام تر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی سنگ اساس پر تعمیر ہوئی۔

پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے تو اس کے ساتھ تعلیم دین کی خدمت بھی سپرد ہوئی تھی' اس بنا پر ان کو قدرۃً ایک حلقہ درس قائم کرنا پڑا' اور عام مسلمانوں میں مسائل فقہ اور اپنے اجتہادات کی ترویج واشاعت کا نہایت کافی موقع ہاتھ آیا' اس طرح تمام خطہ عراق' فقہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا پیرو ہو گیا اور ان کی درس گاہ سے بڑے بڑے اہل کمال سند فضیلت لے کر نکلے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مخصوص تلامذہ میں سے علقمہ اور اسود نے فقہ میں خاص شہرت حاصل کی' پھر ان کے بعد ابراہیم نخعی نے کوفہ کی فقہ کو بہت کچھ وسعت دی' یہاں تک کہ ان کو فقیہ العراق کا لقب ملا۔

ابراہیم نخعی کے پاس حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ کا نہایت کافی ذخیرہ تھا' جو ان کو تمام تر زبانی یاد تھا' ان سے حماد نے حاصل کیا' اور حماد سے منتقل ہو کر وہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حصہ میں آیا' جنھوں نے اپنے علم واجتہاد سے اس کو اس قدر وسعت دی کہ آج اکثر دنیائے اسلام ان کے فیوض سے مالا مال ہے۔

اصولِ فقہ:

قرآن' حدیث' اجماع اور قیاس فقہ اسلامی کی عمارت کے چار ستون ہیں' اور

[1] ایضاً مسند عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

Marfat.com

یہی اصولِ فقہ کے موضوع فن بھی ہیں' ان میں سے دونوں موخر الذکر کی ضرورت رسول اللہ ﷺ کے بعد پیش آئی' کیونکہ مہبط وحی والہام کی موجودگی میں اجماع و قیاس کی ضرورت ہی کیا تھی۔

اجماع:

اجماع کو عملی حیثیت سے رواج دینا گو حضرت ابوبکر و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا خاص طغرائے امتیاز ہے' تاہم اصولی حیثیت سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو مستحسن قرار دیا اور فرمایا:

ما رای المسلمون حسناً فھو عند اللہ حسن و ما راوا سیئا فھو عند اللہ سیء[1]

''جس چیز کو تمام مسلمان بہتر سمجھ لیں وہ خدا کے نزدیک بھی بہتر ہے اور جس کو برا سمجھ لیں وہ خدا کے نزدیک بھی برا ہے''۔

اور یہی درحقیقت اجماع کی اصلی روح ہے۔

قیاس:

اصولِ فقہ کا چوتھا رکن قیاس ہے' جو درحقیقت قرآن پاک' حدیث نبوی اور اجماع ہی کی ایک شاخ ہے' لیکن توسیع فقہ اور نئے نئے مسائل کی گتھیوں کو سلجھانے کے لحاظ سے وہ خاص اہمیت رکھتا ہے' یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں تمام جزئیات مذکور نہیں' اور نہ اس قدر احاطہ ممکن تھا' اس لیے علت مشترکہ نکال کر ان جزئیاتِ غیر منصوصہ کو احکام منصوصہ پر قیاس کرنا فقیہ یا مجتہد کا سب سے اہم فرض ہے اور درحقیقت یہی وہ موقع ہے جہاں اس کی قوتِ اجتہاد تفریع مسائل واستنباط احکام کا امتحان ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عملاً قیاس شرعی سے کام لے کر آئندہ نسلوں کے لیے ایک وسیع شاہراہ قائم کر دی اور ضمناً بہت سے ایسے قاعدے مقرر کر دیئے جو آج ہمارے علم اصولِ فقہ کی بنیاد ہیں' ہم یہاں ان کے چند قیاسی مسائل نقل کرتے ہیں جن

---

1 مسند احمد جلد اوّل ص ۳۷۹

Marfat.com

سے ان کی قوتِ استنباط کا اندازہ ہوگا۔

حج یا عمرہ کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی احرام باندھ لے اور دشمن کے سدراہ ہو جانے سے حج یا عمرہ کے ارکان کو پورا نہ کر سکے تو وہ صرف قربانی کا جانور بھیج کر احرام کھول دے' اور آئندہ جب کبھی موقع میسر آئے اپنے ارادہ کو پورا کرے' جیسا کہ خود آنحضرت ﷺ نے غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر کیا تھا' لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ''مجبوری'' کو علت مشترکہ قرار دے کر مریض یا دوسرے مجبور اشخاص کے لیے بھی یہی حکم جاری فرماتے ہیں' چنانچہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ ''میں عمرہ کے لیے احرام باندھ چکا تھا کہ اتفاقاً سانپ نے کاٹ کھایا اور اب جانے کی طاقت نہیں رہی''۔ بولے: ''تم صرف قربانی بھیج کر احرام کھول دو' اور جب ممکن ہو عمرہ ادا کرو''۔[1]

اس قیاس سے ضمناً دو نہایت اہم اصول منضبط ہوتے ہیں (۱) اشتراکِ علت اشتراکِ حکم کا باعث ہے (۲) سبب کا خاص ہونا حکم کی تعمیم پر کچھ اثر نہیں ڈالتا۔

علم فرائض کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ میت سے جس کو زیادہ قرابت ہوگی' اس کو وراثت میں ترجیح دی جائے گی' مثلاً حقیقی بھائی کو اخیافی یا علاتی بھائی پر صرف اس لیے ترجیح ہے کہ اوّل الذکر کو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے قرابت ہے' برخلاف اس کے دونوں مؤخر الذکر میں صرف ایک ہی حیثیت پائی جاتی ہے' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس اصول کو دوسرے قرابت داروں میں بھی پیش نظر رکھتے ہیں مثلاً ایک میت نے زید اور بکر دو چچا زاد بھائی چھوڑے اور زید اس رشتہ کے علاوہ میت کا اخیافی بھائی بھی ہے' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس صورت میں ازدیادِ قربت کی علت مرجحہ نکال کر زید کو بکر پر ترجیح دیتے ہیں' لیکن جمہور علمائے اہل سنت عصبہ ہونے کی حیثیت سے ان دونوں میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔[2]

---

[1] موطا امام محمد ص ۲۳۲

[2] التوضیح والتلویح

Marfat.com

اجتہاد:

مذکورہ بالا قیاسی مسائل کے علاوہ فقہ اسلامی کی بہت سی پیچیدہ گتھیاں صرف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ناخن اجتہاد سے حل ہوئیں' آپ استنباطِ احکام وتفریع مسائل پر غیر معمولی قدرت رکھتے تھے' اور نصوص شرعیہ میں ناسخ ومنسوخ' موقت ومؤبد کی تفریق کر کے صحیح استنباطِ حکم راہ پیدا کر لیتے تھے' مثلاً ایک دفعہ استفتاء آیا کہ ایک حاملہ عورت کے لیے جس کا شوہر مر گیا ہو' عدت کیا ہے' چونکہ قرآن مجید میں عدت کے متعلق مختلف احکام ہیں' سورہ بقرہ میں عام حکم یہ ہے۔

﴿ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ﴾.

''تم میں سے جو لوگ مر جائیں' اور بیویاں چھوڑیں تو وہ (عورتیں) اپنے آپ کو چار مہینے دس دن تک روکے رکھیں''۔

اور سورۂ نساء میں خاص حاملہ عورتوں کے لیے جن کے شوہر مر گئے ہوں یہ حکم ہے:

﴿ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾

''اور جو عورتیں حاملہ ہوں ان کی مدت یہ ہے کہ اپنا حمل وضع کریں''۔

اس بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ جس میں زیادہ مدت صرف ہو وہی اس کا زمانہ عدت قرار دیا ہے' تاکہ دونوں آیتوں کا توافق پیدا ہو جائے' لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حاملہ عورت کے حق میں سورۂ بقرہ کی آیت کو سورۂ نساء کی آیت سے منسوخ قرار دے کر وضع حمل عدت قرار دی' اور فرمایا کہ میں اس کے لیے مباہلہ کر سکتا ہوں کہ سورہ بقرہ سورہ نساء کے بعد نازل ہوئی ہے۔[1]

یہ مسئلہ کہ جہری نمازوں میں مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ آج تک احناف اور دیگر فرقِ اسلامیہ کے درمیان ایک معرکۃ الآراء مبحث ہے اور اس کا کسی طرح

---

[1] التوضیح والتلویح

Marfat.com

فیصلہ ہی نہیں ہونے پاتا' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ بحث پیدا ہو چکی تھی' چنانچہ ایک شخص نے بطریق استفتاء اس مسئلہ کو ان کے سامنے پیش کیا' انہوں نے جواب دیا۔

انصت فان فی الصلوة شغلا سیکفیک ذاك الامام[1]

''خاموش رہو کیونکہ نماز میں توجہ قائم نہیں رہتی' امام کا پڑھنا تمہارے لیے کافی ہے''۔

اس جواب میں درحقیقت حسب ذیل تین دلیلوں کی طرف اشارہ ہے' جو آج بھی احناف کے لیے مخالفین کے مقابلہ میں بمنزلہ سپر ہے۔

1. اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔
''جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور خاموش رہو''۔
2. مقتدی کی قرأت سے نماز میں توجہ قلب باقی نہیں رہتی۔
3. آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے من کان لہ امام فقرأة الامام قرأة لہ یعنی جو امام کے پیچھے ہو اس کے لیے امام کی قرأت کافی ہے۔

ایک مرتبہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس فرائض کا یہ استفتاء آیا کہ ''ایک میت نے ورثہ میں ایک لڑکی ایک پوتی اور ایک بہن چھوڑی ہے' اس کی جائداد کس طرح تقسیم ہوگی''۔ انہوں نے جواب دیا کہ لڑکی اور بہن نصف کی مستحق ہے اور پوتی محروم الارث ہے۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے جواب کے ساتھ یہی استفتاء حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں آیا انہوں نے فرمایا ''اگر میں رسول خدا ﷺ کے فرمان پر ابوموسیٰ کے قول کو ترجیح دوں تو میں گمراہ ہوں گا' بیشک لڑکی نصف پائے گی' لیکن دو ثلث پورا کرنے کے لیے ایک سدس پوتی کو بھی ملے گا' اور جو باقی رہے گا وہ بہن کا حصہ ہے''۔[2] یہ جواب حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو فرمایا: ''جب تک یہ بڑا عالم ہم میں موجود ہے اس وقت تک ہم سے پوچھنے کی ضرورت نہیں''۔ چنانچہ آج بھی فتویٰ تمام مسلمانوں کا معمول بہ ہے۔

---

[1] موطا امام محمد جلد ۱ ص ۹۶ [2] مسند احمد جلد ۱ ص ۴۲۸، بخاری جلد ۲ ص ۹۹۷

Marfat.com

معاصرین فضل وکمال کے معترف تھے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تبحر علمی و ملکہ اجتہاد کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معترف تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب ان کو دیکھتے تو چہرہ بشاش ہو جاتا اور فرماتے:

کیف ملی علما[1] (مستدرک حاکم مناقب)

''ایک ظرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے''۔

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے چند کوفیوں نے ان کے تقویٰ' حسن خلق اور تبحر علمی کی بے حد تعریف کی' انہوں نے پوچھا: ''کیا تم سچے دل سے کہتے ہو؟'' بولے ''ہاں!'' فرمایا: ''تم لوگوں نے عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کی جو کچھ تعریف کی ہے' میں ان کو اس سے بھی بہتر خیال کرتا ہوں''۔[2]

ایک دفعہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ اگر کسی کے حلق سے بیوی کا دودھ فرو ہو جائے تو اس کے لیے کیا حکم ہے' انہوں نے جواب دیا کہ وہ اس پر حرام ہو جائے گی' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ موجود تھے' انہوں نے (روک کر کہا) آپ یہ کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ رضاعت صرف دو سال تک ہے' حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے خوش ہو کر اعترافِ فضل کے لہجہ میں لوگوں سے کہا ''جب تک یہ حبر (یعنی عالم متبحر) تم میں موجود ہے مجھ سے کچھ نہ پوچھو''۔[3]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے جو تہہ بند ٹخنوں سے نیچے لٹکائے ہوئے تھا کہا: ''تہہ بند ذرا اوپر کر کے باندھو'' اس نے کہا ابن مسعود تم بھی تہہ بند اوپر کرو' بولے ''میں تمہارے جیسا نہیں ہوں' میری ٹانگیں پتلی ہیں''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس ردوقدح کا حال سنا تو اس شخص کے کوڑے لگوائے کہ تو نے عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) جیسے شخص سے منہ زوری کی۔[4]

---

1. طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۱۰ 2. طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۱۰
3. مؤطا امام مالک ص ۲۲۳ 4. اصابہ جلد ۳ ص ۱۳۰

Marfat.com

نامعلوم مسائل میں رائے زنی سے احتراز:

ایک طرف تو ان کی قوتِ اجتہاد و جلالتِ شان کا یہ حال تھا' لیکن دوسری طرف حزم و احتیاط کا یہ عالم تھا کہ نامعلوم مسائل میں کبھی رائے زنی سے کام نہ لیتے اور اپنے شاگردوں کو ہمیشہ ہدایت فرمایا کرتے کہ جس چیز کو تم نہ جانتے ہو اس کی نسبت یہ نہ کہا کرو کہ میری رائے یہ ہے یا میرا خیال یہ ہے' بلکہ صاف کہہ دیا کرو کہ میں نہیں جانتا۔[1]

مسروق جو ان کے خاص تلامذہ میں ہیں' بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اکثر مسرت و افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ عنقریب ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جبکہ علماء باقی نہ رہیں گے اور لوگ ایسے جاہلوں کو سردار بنالیں گے جو تمام امور کو محض اپنی عقل و رائے سے قیاس کریں گے۔[2]

ایک مرتبہ ان کے پاس یہ استفتاء آیا کہ ایک عورت کا نکاح ہوا لیکن اس میں مہر کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا' یہاں تک کہ اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا' اس کے لیے کیا حکم ہے وہ مہر و وراثت کی مستحق ہے یا نہیں؟ چونکہ ان کو اس کے متعلق کوئی واقفیت نہ تھی اس لیے لوگوں کے ضد اور اصرار کے باوجود تقریباً ایک مہینہ تک خاموش رہے' لیکن جب زیادہ مجبور کیے گئے تو بولے: ''میرا فیصلہ یہ ہے کہ وہ مہر مثل اور وراثت کی مستحق ہے اور اس کو عدت میں بیٹھنا چاہیے''۔ پھر فرمایا: ''اگر یہ صحیح ہے' تو خدا کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے۔ خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری ہیں'' اس وقت حاضرین میں دو صحابی حضرت جراح رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسنان رضی اللہ عنہ موجود تھے' انہوں نے اٹھ کر کہا: ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق کے حق میں بھی یہی فیصلہ فرمایا تھا۔'' اس توافق سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو غیر معمولی مسرت حاصل ہوئی۔[3]

فتویٰ سے رجوع کرنا:

اگر وہ کبھی کوئی فتویٰ دیتے اور بعد کو اس کے خلاف ثابت ہو جاتا تو فوراً اس سے

[1] اعلام الموقعین ص ۶۴ [2] اعلام الموقعین ص ۶۴ [3] ابوداؤد باب فیمن تزوج ولم یسم صداقھا

Marfat.com

رجوع کر لیتے' ایک مرتبہ کوفہ میں ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ ''اگر کسی نے اپنی بیوی کو ہاتھ نہ لگایا ہو تو اس کے بعد اس کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے؟'' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواز کا فتویٰ دیا' لیکن جب مدینہ آئے اور لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ربیبہ لڑکیوں کے سوا اور تمام صورتوں میں ناجائز ہے' چنانچہ انہوں نے کوفہ واپس آ کر براہ راست مستفتی سے ملاقات کی اور اپنے فتویٰ سے رجوع کر کے فسخ نکاح کا حکم دیا'' [1]

معاصرین سے استفادہ:

نامعلوم مسائل میں ان کو اپنے اہل علم معاصرین سے استفادہ کرنے میں عار نہ تھا' ایک مرتبہ انہوں نے اپنی بیوی سے ایک لونڈی خرید کی اور شرط یہ قرار پائی کہ اگر وہ فروخت کی جائے تو اس کی قیمت ان کی بیوی کو ملے گی' چونکہ ان کو خود اس بیع کی تکمیل میں شک تھا' اس لیے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فتویٰ پوچھا' انہوں نے جواب دیا کہ بیع مشروط سے ملکیت حاصل نہیں ہوتی تم اس کے قریب نہ جاؤ۔ [2]

امام محمد نے کتاب الآثار میں روایت کی ہے کہ ''صحابہ کرام میں سے چھ شخص مجتہد تسلیم کئے جاتے تھے' اور وہ باہم مسائل فقیہہ میں بحث و مذاکرہ کرتے رہتے تھے' علی رضی اللہ عنہ' ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ایک ساتھ اور عمر رضی اللہ عنہ' زید بن ثابت رضی اللہ عنہ' اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک ساتھ''۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ عمرؓ' زید اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم باہم ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے' اور اسی وجہ سے ان کے مسائل باہم ملتے جلتے ہیں۔

ارباب علم کی قدر شناسی:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ارباب علم وفضل کی نہایت عزت کرتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت ان کا قول تھا کہ ''اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے اور عمر (رضی اللہ عنہ) کا علم دوسرے پلہ میں تو عمر کا پلہ بھاری رہے گا''۔ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ

[1] موطا امام مالک ص ۱۹۳ [2] موطا امام محمد ص ۳۴۲

Marfat.com

ایک گھڑی بیٹھنا میں سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہوں۔[1]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی نسبت فرمایا کرتے تھے "ابن عباس بہترین ترجمان قرآن ہیں' اگر وہ (عہد رسالت میں) ہم لوگوں کا سن پاتے تو کوئی ان کی برابری نہ کرسکتا"۔[2]

علقمہ ان کے شاگرد تھے' انہوں نے محض اپنی ذہانت و کثرتِ معلومات کے باعث ان کے حلقہ درس میں ممتاز عزت حاصل کر لی تھی' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ان کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ "علقمہ کے معلومات سے میرے معلومات زیادہ نہیں ہیں"۔[3]

احترام خلافت:

منصبِ خلافت کا نہایت ادب و احترام ملحوظ رکھتے تھے' اور کبھی خلیفہ وقت کا کوئی حکم یا فعل سنت ماضیہ کے خلاف نظر آتا تو عملاً اس کی مخالفت نہ فرماتے تھے کہ اس سے امت مرحومہ میں تفریق و انتشار کا اندیشہ تھا' ایک سال حج کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں دو کے بجائے چار رکعتیں ادا کیں' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو خبر ملی تو متاسف ہو کر بولے انا للہ و انا الیہ راجعون میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں' ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں بھی دو ہی رکعتیں تھیں' اب یہ کیا انقلاب[4] ہے؟" لیکن عملاً انہوں نے چار ہی رکعتیں پڑھیں۔ لوگوں نے اس پر تعجب ظاہر کیا تو بولے کہ خلافت کا احترام ضروری ہے۔[5]

درس و تدریس:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ میں باقاعدہ حدیث' فقہ اور قرآن پاک کی تعلیم دیتے تھے' ان کی درس گاہ میں شاگردوں کا بڑا مجمع رہتا تھا' جن میں سے علقمہ' اسود' مسروق' عبیدہ بن حارث' قاضی شریح اور ابووائل نہایت نامآور ہوئے' خاص کر علقمہ ان کی

---

[1] استیعاب تذکرہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ　[2] تذکرۃ الحفاظ جلد ا ص ۳۵

[3] تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۳۰۸　[4] بخاری جلد ا ص ۱۴۷　[5] مسند اعظم ص ۸۶

Marfat.com

صحبت میں اس التزام سے رہے تھے اور ان کے طور وطریقہ کے اس قدر پابند تھے کہ لوگوں کا بیان تھا کہ جس نے علقمہ کو دیکھ لیا اس نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیا۔

شاگردوں کی ایک جماعت سفر میں بھی عموماً ہمراہ ہوتی تھی' علقمہ اس قدر اہتمام کرتے تھے کہ اگر خود جانے سے مجبور ہوتے تو اپنے کسی رفیق کو ساتھ کر دیتے اور تاکید کرتے کہ ہمیشہ حاضر خدمت رہیں' عبدالرحمٰن بن یزید کا بیان ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حج کا قصد کیا۔ علقمہ نے مجھ کو ان کے ہمراہ بھیجا اور تاکید کی کہ ہر وقت حاضر رہوں اور جو کچھ معلومات حاصل ہوں ان سے ان کو مطلع کروں''۔[1]

ایک مرتبہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے ان کے وسیع حلقہ درس کو دیکھ کر کہا ''ابو عبدالرحمٰن! کیا آپ کی طرح آپ کے یہ نوجوان شاگرد بھی باقاعدہ قرأت کر سکتے ہیں؟'' بولے: ''اگر آپ کی خواہش ہو تو کسی کو سنانے کا حکم دوں''۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے کہا کیوں نہیں؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے علقمہ کی طرف اشارہ کیا' انہوں نے تقریباً پچاس آیتوں کی ایک سورۃ پڑھ کر سنائی' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر کہا ''کیا رائے ہے؟'' انہوں نے نہایت تعریف کی۔[2]

معتقدین کا ہجوم:

تلامذہ کے علاوہ معتقدین کا ایک بڑا مجمع بھی ہر وقت حاضر رہتا تھا' شقیق کا بیان ہے کہ ''ہم لوگ مسجد میں بیٹھ کر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مکان سے برآمد ہونے کا انتظار کرتے رہتے تھے''۔[3]

طارق بن شہاب کہتے ہیں ''ہم لوگ عبداللہ بن مسعودؓ کے گرد بیٹھتے اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتے تھے ایک روز جب معمول بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص السلام یا ابا عبدالرحمٰن کہتا ہوا تیزی کے ساتھ اس طرف سے گذرا انہوں نے جواب دیا ''صدق الله و رسوله یعنی خدا اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے''۔ یہ کہہ کر داخل حرم ہوئے ہم

---

[1] مسند احمد جلد ۱ ص ۴۶۱ [2] بخاری جلد ۲ ص ۶۳۰ [3] مسند احمد جلد ۱ ص ۳۷۷

Marfat.com

لوگوں کو اس جواب پر سخت حیرت تھی' باہم مشورہ ہوا کہ ان کے برآمد ہونے کے بعد کون اس کے متعلق سوال کرے گا؟ میں نے کہا کہ میں پوچھوں گا' غرض وہ تشریف لائے اور میں نے پوچھا۔ بولے: ''رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ خاص خاص آدمیوں کو سلام کرنا تجارت کا ترقی کرنا' اعزہ کے ساتھ بدسلوکی' جھوٹی گواہی دینا اور حق کو چھپانا قربِ قیامت کی نشانی ہے''۔[1]

قوتِ تقریر اور وعظ و پند:

تقریر و خطابت میں خاص مہارت رکھتے تھے' ایجاز و اختصار کے ساتھ تاثیر ان کی تقریر اور وعظ کی ممتاز صفت تھی' ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مختصر تقریر فرمائی' پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تقریر کا حکم دیا' ان دونوں نے باری باری اختصار کے ساتھ اپنا بیان ختم کیا' تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو حکم ہوا' انہوں نے کھڑے ہو کر حمد و نعت کے بعد کہا:

ایھا الناس ان اللہ ربنا و ان الاسلام دیننا و ان ھذا نبینا (و اوما بیدہ الی النبی ﷺ) رضینا ما رضی اللہ لنا و رسولہ . السلام علیکم.

''صاحبو! بے شک خدا ہمارا مالک ہے' اسلام ہمارا مذہب ہے اور یہ (ہاتھ سے آنحضرت ﷺ کی طرف اشارہ کر کے) ہمارے نبی ﷺ ہیں' خدا اور اس کے رسول نے جو کچھ ہمارے لیے پسند کیا ہے ہم نے بھی اس کو پسند کیا۔ السلام علیکم''۔

آنحضرت ﷺ نے اس مختصر تقریر کی نہایت تعریف کی اور فرمایا: ''ابن ام عبد نے سچ کہا''۔[2]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے مواعظ حسنہ میں عموماً توحید' نماز با جماعت اور خوف خدا کی تلقین فرماتے' اور تمثیلات سے ذہن نشین کراتے تھے' مثلاً ایک وعظ میں انہوں نے فرمایا کہ ''ایک شخص نے جس کے نامہ اعمال میں توحید کے سوا اور کوئی نیکی نہ تھی' مرنے کے وقت وصیت کی کہ میری لاش کو جلا کر اور چکی میں پیس کر سمندر میں ڈال دینا'

[1] مسند احمد جلد ا ص ۴۰۱ [2] تذکرۃ الحفاظ جلد ا ص ۱۳

Marfat.com

لوگوں نے اس کی وصیت پوری کی' خدا نے اس کی روح سے سوال کیا ''تو نے اپنی لاش کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟'' بولا: ''خدایا تیرے خوف اور ڈر سے'' اس گذارش پر دریائے رحمت جوش میں آیا اور وہ بخش دیا گیا''[1] اس تمثیل سے درحقیقت یہ سمجھانا تھا کہ خشیت باری تمام اعمالِ حسنہ کی روح ہے۔

کثرتِ وعظ:

وہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ وعظ و پند کی کثرت اس کے اثر کو زائل کر دیتی ہے' اس بنا پر لوگوں کے ضد و اصرار کے باوجود بہت کم منبر وعظ پر تشریف لے جاتے اور جو کچھ کہنا ہوتا اس کو نہایت مختصر صاف و سادہ لیکن موثر الفاظ میں فرماتے کہ سامعین تقریر کی طوالت سے گھبرا نہ اٹھیں' ایک مرتبہ وعظ سننے کے شوق میں معتقدین کا ہجوم تھا' یزید بن معاویہ نخعی نے ان کو خبر دی' لیکن وہ بہت دیر کے بعد گھر سے برآمد ہوئے اور فرمایا: ''صاحبو! مجھے معلوم تھا کہ آپ دیر سے میرا انتظار کر رہے ہیں' لیکن میں اس ڈر سے باہر نہیں آیا کہ کثرتِ بیان آپ کو تھکا دے گی' رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کی تکلیف کے خیال سے کئی کئی دن ناغہ دے کر وعظ فرماتے تھے''۔[2]

یوں تو ان کا دولت کدہ ہر وقت طالبان علم کا مرجع رہتا تھا' لیکن طلوع آفتاب کے بعد کے وقت مسئلہ مسائل کے لیے مخصوص تھا' ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک دن فجر کی نماز کے بعد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گئے' وہ اس وقت تسبیح و تہلیل میں مصروف تھے' طلوعِ آفتاب کے بعد ایک شخص نے پوچھا میں نے رات نماز میں پوری مفصل پڑھیں' عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا شعر کی طرح جلدی جلدی پڑھی ہوں گی' ہم نے قرائن کی تلاوت سنی ہے اور مجھے وہ قرائن یاد ہے جن کو آنحضرت ﷺ پڑھا کرتے تھے' آپ دس مفصل اور دو سورتیں آل عمران کی پڑھتے تھے۔[3]

---

[1] مسند احمد جلد ۱ ص ۳۹۸ [2] مسند احمد جلد ۱ ص ۳۷۷

[3] مسلم جلد اوّل ص ۳۰۴' مطبوعہ مصر اس حدیث میں اور واقعات بھی ہیں' مگر ان کو تعلیم سے تعلق نہیں ہے اس لیے ہم نے حذف کر دیئے۔

Marfat.com

اخلاق:

سنت نبوی ﷺ کی پیروی کے شوق نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اخلاق و معاشرت میں ایک گونہ حضرت خیر الانام ﷺ کے مکارم و محامد کی جھلک پیدا کر دی تھی' عبدالرحمٰن بن یزید کا بیان کہ ہم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: ''آپ ہم کو کسی ایسے شخص کا پتہ دیجئے جو خلق و ہدایت میں آنحضرت ﷺ سے قریب تر ہو تاکہ ہم اس سے کچھ حاصل کریں''۔ بولے: ''عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ کی ہدایت' حسن خلق اور طور طریقے کے پابند تھے اور محمد ﷺ کے دوستوں میں سے جو لوگ موجود ہیں وہ جانتے ہیں کہ بارگاہِ نبوت میں تقرب کے لحاظ سے ابن ام عبد کا درجہ سب سے بلند ہے'' [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کوفہ تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے چند دیرینہ احباب ان سے ملنے آئے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امتحاناً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نسبت ان کے خیالات دریافت کئے' سب نے بالاتفاق تعریف کی اور کہا: ''امیر المومنین ؓ ہم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے زیادہ متقی پرہیز گار خلیق' نرم دل اور بہتر ہم نشین نہیں دیکھا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بے شک میرا بھی یہی خیال ہے' بلکہ تم نے جو کچھ تعریف کی میں ان کو اس سے زیادہ بہتر سمجھتا ہوں' انہوں نے قرآن پڑھا' حلال کو حلال اور حرام کو حرام کیا۔ وہ دین کے فقیہ اور سنت کے عالم تھے''۔ [2]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک دفعہ اپنے ایک دوست ابو عمیر سے ملنے گئے' اتفاق سے وہ موجود نہ تھے انہوں نے ان کی بیوی کو سلام کہلا بھیجا اور پینے کے لیے پانی مانگا' گھر میں پانی موجود نہ تھا' ایک لونڈی کسی ہمسایہ کے یہاں سے لانے گئی اور دیر تک واپس نہ آئی' ابو عمیر کی بیوی نے غضبناک ہو کر اس کو سخت وست کہا اور اس پر لعنت بھیجی' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر تشنہ لب واپس چلے آئے۔ دوسرے روز ابو عمیر سے ملاقات

---

[1] جامع ترمذی مناقب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ [2] طبقات ابن سعد قسم ۱ جلد ۳ ص ۱۱۰

Marfat.com

ہوئی تو انہوں نے اس قدر جلد بازی کے ساتھ واپس چلے آنے کی وجہ پوچھی' بولے: ''خادمہ نے جب پانی لانے میں دیر کی تو تمہاری بیوی نے اس پر لعنت بھیجی' چونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس پر لعنت بھیجی جاتی ہے اگر وہ بے قصور ہوتا ہے تو بھیجنے والے پر لوٹ آتی ہے' میں نے خیال کیا کہ خادمہ اگر معذور ہوئی تو بے وجہ میں اس لعنت کے واپس آنے کا باعث ہوں گا'' [1]

ایک بار انہوں نے ایک شخص سے ایک لونڈی خریدی لیکن قیمت بے باق ہونے سے پہلے بائع مفقود الخبر ہو گیا' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ایک سال تک اس کو تلاش کیا' مگر کچھ پتہ نہ چلا بالآخر مایوس ہو کر ایک ایک دو دو درہم کر کے اس کی طرف سے صدقہ کر دیا اور فرمایا کہ اگر وہ واپس آئے گا تو قیمت ادا کر دوں گا اور یہ صدقہ میری طرف سے ہو گا۔[2]

تمیم بن حرام فرماتے ہیں کہ مجھ کو اکثر اصحاب رسول ﷺ کی ہم نشینی کا فخر حاصل ہے' لیکن میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو دنیا سے بے نیاز اور آخرت کا طالب نہ دیکھا[3] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دو برس تک ان کا وظیفہ بند کر دیا تھا' وفات کے وقت انہوں نے ان کی اولاد کے لیے جاری کر دینا چاہا لیکن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نہایت بے نیازی کے ساتھ انکار کر دیا۔ بولے: ''کیا آپ کو میری اولاد کے محتاج و دست نگر ہو جانے کا اندیشہ ہے؟ میں نے انہیں حکم دیا ہے کہ ہر رات کو سورۃ واقعہ پڑھ لیا کریں' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو ہر رات کو سورۃ واقعہ پڑھے گا وہ کبھی فاقہ مست نہ ہو گا''۔[4]

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو مہمان نوازی کا نہایت شوق تھا' انہوں نے کوفہ میں موضع الرمادہ کا مکان مخصوص طور سے مہمانوں کے لیے خالی کر دیا تھا۔[5]

---

[1] مسند احمد جلد ۱ ص ۴۰۸ [2] بخاری جلد ۲ ص ۷۹۷

[3] اصابہ تذکرہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ [4] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۹

[5] تاریخ طبری ص ۲۸۴۲

Marfat.com

مذہبی زندگی:

عبید اللہ بن عبداللہ کا بیان ہے کہ رات کے وقت جب کہ تمام دنیا محو راحت ہوتی تھی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیٹھ کر صبح تک آہستہ آہستہ قرآن کی تلاوت فرماتے تھے[1] رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی تمام طاق راتیں شب قدر کی تلاش میں بسر ہوتی تھیں، ابوعقرب کہتے ہیں کہ میں رمضان میں ایک روز علی الصباح ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ مکان کی چھت پر بیٹھے ہوئے فرما رہے ہیں: ''خدا اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سچ کہا''۔ میں نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ بولے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس روز جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس میں شعاع نہیں ہوتی چنانچہ آج میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔[2]

سارا گھر صبح سویرے بیدار ہو کر عبادت میں مشغول ہو جاتا تھا، خود صبح صادق سے طلوعِ آفتاب تک تسبیح وتہلیل میں مصروف رہتے تھے۔

ابو وائل راوی ہیں کہ ایک دن ہم لوگ صبح کی نماز پڑھ کر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ دروازہ پر کھڑے ہو کر سلام کیا، اندر آنے کی اجازت ملی لیکن ہم لوگ تھوڑی دیر دروازے پر ٹھہرے رہے کہ اتنے میں لونڈی نے آ کر کہا آتے کیوں نہیں، ہم لوگ گھر میں گئے تو وہ بیٹھے ہوئے تسبیح پڑھ رہے تھے، کہا اجازت ملنے کے بعد تم لوگوں کو اندر آنے سے کس نے روکا تھا؟ ہم لوگوں نے کہا: کسی نے نہیں، خیال ہوا ممکن ہے، بعض اہل بیت سو رہے ہوں، کہاں ابن ام عبد کی اولاد پر تم نے غفلت کا گمان کیا، اس کے بعد پھر تسبیح میں مشغول ہو گئے، جب سمجھے کہ آفتاب نکل چکا تو لونڈی سے کہا دیکھو آفتاب طلوع ہوا، اس نے جا دیکھا تو طلوع ہو چکا تھا تو پھر یہ دعا پڑھی، اس خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو آج کے دن معاف کر دیا، مہدی راوی کہتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ بھی کہا تھا اور ہمارے

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ [2] مسند احمد جلد ۱ ص ۴۰۶

Marfat.com

گناہوں کے بدلے میں ہم کو ہلاک نہیں کیا'' [1]

نمازیں نہایت کثرت سے پڑھتے تھے' فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل خیر کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ نماز کا اپنے وقت پر ادا کرنا' میں نے کہا پھر کیا ہے؟ فرمایا: ''والدین کے ساتھ نیکوکاری'' میں نے کہا: ''پھر؟'' حکم ہوا: ''راہ خدا میں جہاد کرنا'' اس کے بعد خاموش ہو گیا' ہاں اگر میں اپنا سوال آگے بڑھاتا تو آپ اس پر کچھ اور اضافہ فرماتے [2] غرض اس ارشاد کے مطابق وہ فرائض ٹھیک وقت پر ادا کرتے تھے' ایک مرتبہ ولید بن عقبہؓ والی کوفہ کو پہنچنے میں دیر ہو گئی' حضرت عبداللہؓ نے بغیر توقف و انتظار نماز پڑھا دی' ولید رضی اللہ عنہ نے برہم ہو کر کہلا بھیجا: ''آپ نے ایسا کیوں کیا؟'' کیا امیر المومنین کا کوئی حکم ہے یا اپنی ایجاد؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہ تو امیر المومنین کا حکم ہے' اور نہ اپنی ایجاد' البتہ خدا کو یہ ناپسند ہے کہ تم اپنے مشاغل میں مصروف رہو اور لوگ نماز میں تمہارے منتظر رہیں۔ [3]

رمضان کے علاوہ ہفتہ میں دو دن دوشنبہ اور جمعرات عموماً روزوں کے لیے مخصوص تھے' عاشورا کا روزہ بھی پابندی کے ساتھ رکھتے تھے' باوجود اس کے عبدالرحمن ابن یزید کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کے سوا اور کسی فقیہ کو اس قدر کم روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا' چنانچہ ایک دفعہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ روزے کیوں نہیں رکھتے؟ بولے: ''میں روزہ پر نماز کو ترجیح دیتا ہوں' اگر روزے رکھوں گا تو ضعف کے باعث نماز نہ ہو سکے گی''۔ [4]

خشیت الٰہی اور خوفِ قیامت سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا دل ہمیشہ مضطرب رہتا تھا' وہ فرمایا کرتے تھے ''کاش! میں مرنے کے بعد اٹھایا نہ جاتا''۔ [5]

خانگی زندگی:

بیوی بچوں سے محبت رکھتے تھے' گھر میں داخل ہوتے تو باہر ہی سے کھنکھارتے

---

[1] مسلم جلد اوّل ص ۳۰۵ باب ترتیل القراۃ واجتناب الھذا [2] بخاری جلد ا ص ۳۹۰
[3] مسند احمد جلد اوّل ص ۴۵۰ [4] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۱۹ [5] ایضاً ص ۱۱۰

Marfat.com

بلند آواز سے کچھ بولتے، تاکہ گھر کے لوگ باخبر ہو جائیں، ان کی اہلیہ محترمہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز عبداللہ کھنکھارتے ہوئے اندر آئے، اس وقت ایک بڈھی عورت مجھے تعویذ پہنا رہی تھی، میں نے ان کے ڈر سے اس کو پلنگ کے نیچے چھپا دیا، عبداللہ رضی اللہ عنہ آ کر میرے پاس بیٹھ گئے، اور گلے کی طرف دیکھ کر پوچھا "یہ دھاگہ کیسا ہے؟" میں نے کہا "تعویذ ہے" انہوں نے اس کو توڑ کر پھینک دیا اور کہا "عبداللہ کا خاندان شرک سے بری ہے، رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا ہے کہ تعویذ اور گنڈے شرک میں داخل ہیں"۔ میں نے کہا "آپ یہ کیا فرماتے ہیں میری آنکھیں جوش کر آتی تھیں تو میں فلاں یہودی سے تعویذ لینے جایا کرتی تھی اور اس کے تعویذ سے سکون ہو جاتا تھا، بولے یہ سب عمل شیطانی ہے، تمہارے لیے صرف رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا کافی ہے[1]

اذهب البأس رب الناس اشف وانت الشافی لا شفاء الا شفاءك شفاء الله لا يغادر سقما.

"خوف دور کر اے پروردگار، شفا دے تو ہی شفا دینے والا ہے، تیرے سوا کوئی شفا نہیں، وہ شفا ایسی ہے جو کسی بیماری کو نہیں چھوڑتی"۔

پوشاک نہایت سادہ پہنتے تھے، ہاتھ میں ایک آہنی انگوٹھی رہتی تھی۔[2] جو غالباً مہر وغیرہ کے کام آتی ہوگی، غذا بھی پر تکلف نہ تھی، کھانے کے بعد عموماً نبیذ (چھوہاروں کا شربت) استعمال فرماتے تھے، ایک مرتبہ علقمہ نے ان سے کہا: "خدا آپ پر رحم کرے، آپ تمام امت کے مقتدا اور پیشوا ہو کر نبیذ پیتے ہیں، بولے: "میں نے رسول اللہ ﷺ کو نبیذ پیتے ہوئے دیکھا تھا، اگر میں آپ کو نہ دیکھتا تو استعمال نہ کرتا"۔[3]

وظیفہ:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے لیے بیت المال سے پانچ ہزار درہم کا سالانہ وظیفہ مقرر تھا جو ان کی وفات سے دو برس پہلے خلیفہ ثالث کے حکم سے بند کر دیا گیا تھا، لیکن

---

[1] مسند احمد جلد ۱ ص ۳۸۱ و ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۸۶ [2] طبقات [3] مسند اعظم ص ۲۰۱

Marfat.com

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے سفارش کر کے ان کی اولاد کے لیے واگذار کرا دیا' اس طرح ان کے پسماندوں کو یک مشت دس یا پندرہ ہزار درہم مل گئے' اس کے علاوہ انہوں نے تقریباً ۹۰ ہزار درہم نقد چھوڑے [1]

حلیہ:

حلیہ یہ تھا' جسم لاغر' قد کوتاہ' رنگ گندم گوں' اور سر پر کانوں تک نہایت نرم و خوبصورت زلف' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اس کو اس طرح سنوارتے تھے کہ ایک بال بھی بکھرنے نہیں پاتا تھا۔

ٹانگیں نہایت پتلی تھیں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ ان کو چھپائے رکھتے تھے' ایک مرتبہ وہ آنحضرت ﷺ کے لیے مسواک توڑنے کے خیال سے پیلو کے درخت پر چڑھے تو ان کی پتلی پتلی ٹانگیں دیکھ کر لوگوں کو بے اختیار ہنسی آ گئی' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''تم ان کی پتلی ٹانگوں پر ہنستے ہو حالانکہ یہ قیامت کے روز میزانِ عدل میں کوہِ احد سے بھی زیادہ بھاری ہوں گی''۔ [2]

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۱۱۳۔

[2] ایضاً ص ۱۱۰۔

Marfat.com

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

نام، نسب، خاندان:

عبداللہ نام، ابوموسیٰ کنیت، والد کا نام قیس اور والدہ کا نام طیبہ تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے:
عبداللہ بن قیس بن سلیم بن حضار بن حرب بن عامر بن عنز بن بکر بن عامر بن عذر بن وائل بن ناجیہ بن الجماہر بن الاشعر بن ادد بن زید بن یشجب۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ یمن کے رہنے والے تھے، ان کا خاندان قبیلہ اشعر سے تعلق رکھتا تھا، اسی کے انتساب سے وہ اشعری مشہور ہوئے، اور ان کی والدہ طیبہ بنت وہب قبیلہ عک سے تعلق رکھتی تھیں، وہ اپنے صاحبزادہ کی ہدایت سے ایمان لائیں، اور مدینہ پہنچ کر وفات پائی۔[1]

اسلام:

ساقی توحید کے صلائے عام پر نزدیک والوں نے اپنے کان بند کر لیے تھے، لیکن تشنہ کامانِ حق دور دراز ممالک سے دشوار گزار منزلیں طے کر کے آتے تھے، اور اپنی پیاس بجھاتے تھے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ یمن سے چل کر مکہ آئے اور بادۂ اسلام کے ایک ہی جام میں سرشار ہو گئے، وہ مکہ میں قبیلہ عبد شمس سے حلیفانہ تعلق پیدا کر کے پھر مراجعت فرمائے وطن ہوئے[2] کہ اپنے اعزہ اور احباب کو یہ مژدۂ جانفزا سنائیں۔

ہجرت:

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اشعری خاندان کے ایک ذی اثر رئیس تھے، اس لیے ان کی

---

[1] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۴۵　[2] ایضاً

Marfat.com

دعوتِ حق نے بہت جلد قبولیت عام حاصل کر لی اور وہ تقریباً پچاس حلقہ بگوشانِ اسلام کی ایک جماعت لے کر بحری راستہ سے بارگاہِ نبوت ﷺ کی طرف چل کھڑے ہوئے' لیکن طوفان و بادِ مخالف نے اس کشتی کو حجاز کی بجائے حبش پہنچا دیا' حضرت جعفرؓ اور دوسرے ستم زدگانِ اسلام جو یہاں ہجرت کر کے آئے تھے اور اب تک موجود تھے' مدینہ منورہ کے قصد سے روانہ ہوئے تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بھی اس قافلہ میں شریک ہو گئے' اور عین اس وقت مدینہ پہنچے جب کہ مجاہدین اسلام خیبر فتح کر کے واپس آ رہے تھے' چنانچہ آنحضرتؐ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی تمام جماعت کو بھی خیبر کے مالِ غنیمت میں حصہ مرحمت فرمایا[1]

غزوات

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فتح مکہ اور غزوۂ حنین میں شریک تھے' بنو ہوازن رزمگاہ حنین سے بھاگ کر وادی اوطاس میں پھر مجتمع ہونے لگے تو آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کو ایک جمعیت کے ساتھ ان کے استیصالِ کامل پر مامور فرمایا' انہوں نے اوطاس پہنچ کر بنو ہوازن کے سردار درید بن الصمہ کو قتل کیا اور خدا نے اس کے ساتھیوں کو شکست فاش دی' لیکن اتفاقاً جشمی نام ایک مشرک کے تیر نے ان کو بھی زخمی کر دیا' حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اس اس مہم میں شریک تھے' فرماتے ہیں کہ میں نے بڑھ کر ان سے پوچھا: ''یا عم! کس نے آپ کو زخمی کیا؟'' انہوں نے اشارہ سے بتایا تو میں اس پر جھپٹ پڑا' وہ مجھ کو دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا لیکن میں تعاقب کرتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا' کیا تجھے شرم نہ آئی؟ کیا تو ثابت قدم نہ رہے گا؟'' غرض وہ (ان غیرت انگیز جملوں سے جوش میں آ کر) پلٹ پڑا اور تلوار کے دو دو ہاتھ چلنے لگے' یہاں تک کہ میں نے اس کو قتل کیا اور ابو عامر کو آ کر بشارت دی کہ خدا نے آپ کے دشمن کو مار ڈالا۔

حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کا زخم نہایت مہلک تھا' انہوں نے حالت نزع میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین بنایا اور کہا ''جانِ برادر! رسول اللہ ﷺ کی

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۶۰۸

Marfat.com

خدمت میں سلام عرض کرنا اور کہنا کہ میرے لیے دعائے مغفرت فرمائیں' اس وصیت کے تھوڑی دیر بعد روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی' حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو سپرد خاک کر کے فوج کو مراجعت کا حکم دیا اور بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر میدانِ جنگ کی کیفیت اور حضرت ابو عامر کی وصیت بیان کی' سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت پانی مانگ کر وضو فرمایا' پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اے خدا! ابو عامر (رضی اللہ عنہ) کو بخش دے' اے خدا تو اس کو قیامت کے روز اپنی بہت سی مخلوق پر تفوق عطا فرما'' حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لیے بھی' فرمایا خدایا عبداللہ ابن قیس کی خطائیں بخش دے اور قیامت کے دن اس کا باعزت داخلہ فرما'' [1]

۹ھ میں غزوۂ تبوک کا اہتمام شروع ہوا تو حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھیوں نے بھیجا کہ دربارِ نبوت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ان کے لیے سواریوں کا انتظام کریں' اتفاق سے آنحضرت اس وقت حالت غیظ میں تھے' لیکن حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اس کا اندازہ نہ کر سکے' اور عرض کی ''یا رسول اللہ میرے ساتھیوں نے مجھ کو بھیجا ہے کہ حضور ان کو سواریاں مرحمت فرمائیں'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غصہ میں بیٹھے ہی تھے برہم ہو کر فرمایا ''واللہ! تمہیں کوئی سواری نہ دوں گا'' حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کچھ اپنی محرومی اور کچھ اس خوف سے کہ شاید رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ناراض ہیں نہایت غمزدہ واپس آ کر اپنے ساتھیوں کو اس کی اطلاع دی' لیکن وہ ابھی اچھی طرح کھڑے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ پکارتے ہوئے آئے: ''عبداللہ بن قیس کہاں ہو؟ چلو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم یاد فرماتے ہیں'' وہ ان کے ساتھ پھر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دو ساتھ بندھے ہوئے اونٹوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان کو اپنے ساتھیوں کے پاس لے جاؤ' حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ ان کو لیے ہوئے اپنی قوم میں آئے اور کہا کہ ''رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دو اونٹ تمہاری سواری کے لیے مرحمت فرمائے ہیں' لیکن خدا کی قسم! چند آدمیوں کو میرے ساتھ کسی ایسے شخص کے پاس چلنا ہوگا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سنی تھی' تا کہ یہ نہ خیال کرو کہ

[1] بخاری جلد۲ ص ۶۹۹

Marfat.com

میں نے پہلے جو کچھ کہا تھا وہ دل سے گھڑ کر کہا تھا' لوگوں نے کہا "خدا کی قسم ہم آپ کو سچا سمجھتے ہیں' آئندہ جو آپ کی خوشی ہو" غرض انہوں نے چند آدمیوں کو ساتھ لے جا کر لوگوں سے تمام واقعہ کی تصدیق کرادی۔[1]

ولایت یمن:

تبوک سے واپس آنے کے بعد ایک روز دو اشعری بزرگ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے کر دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی عہدہ کی خواہش کی' آپ مسواک فرما رہے تھے' اس سوال پر دفعتہً مسواک رک گئی' اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا: "ابوموسیٰ! ابوموسیٰ!" انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ میں ان کے دل کے حال سے آگاہ نہ تھا اور نہ یہ جانتا تھا کہ وہ کسی عہدہ کی خواہش کریں گے" ارشاد ہوا کہ جو کوئی خود سے کسی عہدہ کی خواہش کرے گا اس کو ہرگز اس پر مامور نہ کروں گا' لیکن ابوموسیٰ تم یمن جاؤ میں نے تم کو وہاں کا عامل مقرر کیا۔[2]

یمن دو حصوں پر منقسم تھا' ایک اقصائے یمن جس میں جند اور عدن وغیرہ دور کے اضلاع شامل تھے' اور دوسرا یمن ادنیٰ یا زیریں یمن' اول الذکر پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا تقرر ہوا' اور دوسرے پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مامور ہوئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو رخصت کرتے وقت حسب ذیل نصیحت فرمائی:

یسرا ولا تعسرا و بشراو لا تنفروا تطاوعا.

"یعنی ملک والوں سے نرمی کے ساتھ پیش آنا سختی نہ کرنا' لوگوں کو خوش رکھنا' متنفر نہ کر دینا اور باہم میل جول سے رہنا"۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے ملک میں جو سے ایک قسم کی شراب بنائی جاتی ہے' اس کو "مزر" کہتے ہیں نیز شہد سے ایک طرح کی

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۶۳۲ [2] بخاری جلد ۲ ص ۱۰۲۳

Marfat.com

شراب ہوتی ہے جو ''بتع'' کے نام سے مشہور ہے' اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ ''ہر وہ چیز جو نشہ لائے حرام ہے'' [1]

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ چونکہ اپنے وطن میں گورنر ہو کر آئے تھے جہاں پہلے سے ان کا اثر موجود تھا' اس لیے قدرۃً انہوں نے اپنی خدمات نہایت کامیابی کے ساتھ انجام دیئے' حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے دوستانہ تعلقات و مراسم کا سلسلہ بھی قائم تھا' بسا اوقات یہ دونوں بزرگ سرحد پر آ کر فروکش ہوتے اور باہم ملاقات کر کے تبادلہ خیالات فرماتے تھے' ایک مرتبہ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی ملاقات کے لیے تشریف لائے تو دیکھا کہ ان کے پاس لوگوں کا ہجوم ہے اور ایک شخص کے دونوں ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہیں' انہوں نے تعجب سے پوچھا کہ ''عبداللہ بن قیس! یہ کون ہے؟'' بولے ''یہ مرتد ہو گیا ہے'' انہوں نے اس کے قتل کا مشورہ دیا' حضرت ابوموسیٰ نے کہا کہ ''یہ اسی لیے گرفتار ہو کر آیا ہے' آپ گھوڑے سے اتر آیئے''۔ بولے ''جب تک وہ قتل نہ ہوگا' میں نہ اتروں گا''۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل کا حکم دیا تو وہ اتر کر اندر آئے اور دیر تک دوستانہ صحبت قائم رہی' حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ ''آپ قرآن کس طرح پڑھتے ہیں'' بولے کہ ''رات دن میں جب موقع مل جاتا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے پڑھ لیتا ہوں'' پھر پوچھا کہ ''آپ کس طرح تلاوت کرتے ہیں؟'' بولے کہ ''میں رات ایک نیند سو کر اُٹھ بیٹھتا ہوں اور اس وقت خدا کو جس قدر منظور ہوتا ہے پڑھ لیتا ہوں''۔ [2]

حجۃ الوداع میں شرکت:

۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج فرمایا' حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ یمن سے شرکت کے لیے آئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ''عبداللہ بن قیس! کیا تم حج کے ارادے

---

[1] بخاری کتاب المغازی

[2] بخاری باب بعث ابی موسیٰ و معاذ الی الیمن

Marfat.com

سے آئے ہو؟" عرض کی "ہاں! یا رسول اللہ ﷺ!" فرمایا نیت کیا تھی؟ بولے میں نے کہا تھا کہ "جو رسول اللہ ﷺ کی نیت ہے وہی میری نیت ہے" ارشاد ہوا کہ "قربانی اپنے ساتھ لائے ہو؟" عرض کی "نہیں" حکم ہوا کہ "تم طواف اور سعی کر کے احرام کھول دو" یہ اس وجہ سے کہ حج قران کی صورت میں قربانی لانا ضروری تھا۔[1]

یمن میں فتنہ وفساد:

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ حج سے فارغ ہو کر پھر یمن واپس آئے، لیکن یہاں اسود عنسی کے ادعائے نبوت نے بہت جلد تمام ملک میں شورش و بغاوت پھیلا دی، یہاں تک کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے مرکز حکومت "مآرب" چلے آنے پر مجبور ہوئے، لیکن یہ بھی زیادہ دنوں تک محفوظ نہ رہ سکا اور بالآخران دونوں کو حضر موت میں پناہ لینی پڑی۔[2]

گو ابن مکتوح مرادی کی تلوار نے بہت جلد اسود عنسی کا قصہ تمام کر دیا تاہم آنحضرت ﷺ کی وفات سے دفعتہً پھر ارتداد و سرکشی کی آگ بھڑک اٹھی، لیکن خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک زبردست مہم بھیج کر از سرنو تسلط قائم کر دیا، اور اس طرح یمن کے امراء اور حکام پھر اپنے اپنے عہدوں پر واپس آ گئے، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بھی حضر موت سے اپنے دارالحکومت "مآرب" واپس آئے اور خلیفہ دوم کی ابتدائے خلافت تک نہایت تدبر و جانفشانی کے ساتھ گورنری کے فرائض انجام دیتے رہے۔

فتح نصیبین:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب بیرونی فتوحات کا زیادہ وسیع پیمانہ پر انتظام کیا گیا، اور حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت رزمگاہِ عراق کی طرف ایک بہت بڑی مہم روانہ ہوئی تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی شوق جہاد میں عہدۂ امارت سے مستعفی ہو کر اس فوج کشی میں شریک ہوئے۔

---

[1] بخاری جلد۲ ص ۶۲۴ [2] تاریخ طبری ص ۱۸۵۴

Marfat.com

عراق کا اکثر حصہ فتح کر لینے کے بعد حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ نے ۱۷ھ میں دریائے دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقہ یعنی الجزیرہ پر ایک عام فوج کشی کا اہتمام کیا' اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو نصیبین کی فتح پر مامور کیا' انہوں نے نہایت کامیابی کے ساتھ یہ مہم سر انجام دی۔[1]

ولایت بصرہ:

اسی سال دربارِ خلافت نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا والی مقرر کیا' اس موقع پر اہل بصرہ کے نام جو فرمان آیا تھا' اس کے الفاظ یہ تھے:

اما بعد فانی قد بعث ابا موسٰی امیرا علیکم لیاخذ لضعیفکم من قویکم ولیقاتل بکم عدوکم ولیدفع عن ذمتکم ولیحصی لکم فیئکم ثم لیقسمه بینکم ولینقی لکم طرقکم.[2]

''میں نے ابوموسیٰ کو تم پر امیر بنا کر بھیجا ہے تاکہ قوی سے کمزور کا حق دلائیں' تمہارے دشمنوں سے لڑیں' ذمیوں کی حفاظت کریں' تمہاری آمدنی کا تم کو حساب دیں' پھر اس کو تم میں تقسیم کریں اور تمہارے راستوں کو تمہارے لیے صاف رکھیں''۔

فتح خوزستان:

بصرہ کی سرحد خورستان سے ملی ہوئی تھی اور وہ اب تک ایرانیوں کے قبضہ میں تھا' ۱۶ھ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اس کو فتح کرنے کے خیال سے اہواز پر فوج کشی کی تو یہاں کے رئیس نے ایک قلیل سی رقم دے کر صلح کر لی' اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ وہیں رک گئے' ۱۷ھ میں ان کی جگہ پر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ آئے' اس انقلاب میں اہواز کے رئیس نے سالانہ رقم بند کر دی' اور علانیہ بغاوت کا اظہار کیا' مجبوراً انہوں نے لشکر کشی کی' اور

---

[1] طبری ص ۲۵۰۶ [2] ایضاً ص ۲۵۳۲

Marfat.com

اہواز کو فتح کر کے مناذر کا رخ لیا' یہ ایک نہایت مستحکم مقام تھا' حضرت مہاجر بن زیاد رضی اللہ عنہ جو ایک معزز افسر تھے' یہاں ایک معرکہ میں شہید ہوئے اور قلعہ والوں نے اس کا سر کاٹ کر برج کے کنگرہ پر لٹکا دیا۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ حضرت مہاجر رضی اللہ عنہ کے بھائی ربیع کو اس کے محاصرہ پر چھوڑ کر سوس کی طرف بڑھے' ربیع نے مناذر کو سر کر لیا' اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے سوس کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے رسد بند کر دی' قلعہ میں کھانے پینے کا سامان ختم ہو چکا تھا' مجبوراً رئیس شہر نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ اس کے خاندان کے سو آدمی زندہ چھوڑ دیئے جائیں' حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے منظور کیا' رئیس نے ایک ایک کر کے سو آدمیوں کو پیش کیا' اور وہ سب چھوڑ دیئے گئے' لیکن بدقسمتی سے اس نے شمار میں خود اپنا نام نہیں لیا' چنانچہ جب سو آدمیوں کی تعداد پوری ہوگئی تو انہوں نے رئیس کو جو شمار سے باہر تھا قتل کرا دیا۔

سوس کے بعد رامہرمز کا محاصرہ ہوا اور آٹھ لاکھ درہم سالانہ پر صلح ہوگئی' یزدگرد نوجوان شہنشاہِ ایران اس وقت قم میں مقیم تھا' اس کو حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی فتوحات کی خبریں پہنچیں تو اس نے اپنے ماموں ہرمزان کو خوزستان کی حفاظت کے لیے بھیجا' ہرمزان نے شوستر پہنچ کر اس کو مستحکم کیا اور تمام ملک میں جوش پیدا کر کے اپنے گرد ایک بہت بڑی فوج جمع کر لی' حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان حالات سے دربارِ خلافت کو مطلع کیا' اور مدد کی درخواست کی' وہاں سے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے نام جو کوفہ کے گورنر تھے' حکم آیا کہ نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ مدد کو بھیجیں' لیکن غنیم کی کثرت اور سروسامان کے مقابلہ میں یہ جمعیت بیکار تھی' حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس سروسامان سے شوستر کا رخ کیا' اور شہر کے قریب پہنچ کر ڈیرے ڈالے' ہرمزان نے خود قلعہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا اور شکست کھا کر پھر قلعہ بند ہو گیا۔

شوستر نہایت مستحکم مقام تھا' اس کی تسخیر کے متعلق حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی تمام کوششیں بے نتیجہ رہیں' لیکن خدا نے غیب سے سامان پیدا کر دیا' ایک دن شہر کا ایک آدمی چھپ کر ان کے پاس آیا اور کہا کہ اگر میری جان و مال کو امن دیا جائے تو میں شہر پر قبضہ

Marfat.com

کرادوں' حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے منظور کیا' اس نے ایک عرب کو جس کا نام اشرس تھا' ساتھ لیا' اور نہر وجیل سے گذر کر ایک تہ خانہ کی راہ لی۔ خاص شہر میں داخل ہوا' اشرس کے منہ پر چادر ڈال دی' اور کہا کہ نوکر کی طرح میرے پیچھے چلے آؤ' چنانچہ شہر کے گلی کوچوں سے گذرتا ہوا خاص ہرمزان کے محل میں آیا' شہری نے ان کو تمام عمارات کی سیر کرائی اور موقع کے نشیب و فراز دکھا کر' حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا' اشرس نے تفصیل کے ساتھ تمام کیفیت بیان کی' اور کہا کہ دوسو جانباز میرے ساتھ ہوں تو شہر فوراً فتح ہو جائے' حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فوج کی طرف دیکھا' دوسو بہادروں نے بڑھ کر کہا خدا کی راہ میں ہماری جان حاضر ہے' اشرس ان کو لے کر اسی تہ خانہ کی راہ شہر میں داخل ہوئے اور پہرہ والوں کو تہ تیغ کر کے اندر کی طرف سے دروازے کھول دیئے ادھر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ تمام فوج کے ساتھ موقع پر موجود تھے' دروازہ کھلنے کے ساتھ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور شہر میں ہلچل پڑ گئی' ہرمزان نے بھاگ کر قلعہ میں پناہ لی' مسلمان قلعہ کے نیچے پہنچے تو اس نے برج پر چڑھ کر کہا کہ میرے ترکش میں اب تک سو تیر ہے' اور جب تک اتنی ہی لاشیں یہاں نہ ڈھیر ہو جائیں میں گرفتار نہیں ہوسکتا' تاہم میں اس شرط پر اتر آتا ہوں کہ تم مجھ کو مدینہ پہنچا دو اور جو کچھ فیصلہ ہو عمر (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ سے ہو' حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے منظور کیا اور اس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ بھیج دیا۔[1]

شوستر کے بعد جندی سابور پر حملہ ہوا' اس کا کئی دن تک محاصرہ رہا' ایک دن شہر والوں نے خود شہر کے دروازے کھول دیئے' اور نہایت اطمینان کے ساتھ تمام لوگ اپنے کاروبار میں مصروف ہوئے' مسلمانوں کو ان کے اطمینان پر تعجب ہوا' سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ تم ہم کو جزیہ کی شرط پر امن دے چکے' اب کیا جھگڑا رہا' سب کو حیرت ہوئی کہ امن کس نے دیا؟ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگوں سے چھپا کر امن کا رقعہ لکھ دیا ہے' حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک غلام کی خود رائی حجت نہیں ہوسکتی' شہر

---

[1] طبری ص ۲۵۰۶

Marfat.com

والے کہتے تھے کہ ہم آزاد اور غلام نہیں جانتے' بالآخر دربارِ خلافت سے استصواب کیا تو حکم ہوا کہ مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے' اور جس کو اس نے امان دے دی تمام مسلمان امان دے چکے[1] اس شہر کی فتح نے تمام خوزستان میں اسلام کا سکہ بٹھا دیا اور اس طرح نہ صرف فتوحات کی فہرست میں ایک نئے ملک کا اضافہ ہوا' بلکہ بصرہ (جہاں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ عہدۂ امارت پر سرفراز ہوئے تھے' دشمنوں سے بالکل محفوظ ہو گیا)۔

معرکہ نہاوند:

خوزستان کی شکست سے متاثر ہو کر ۲۱ھ میں ایرانیوں نے نہاوند میں ایک آخری اور فیصلہ کن جنگ کی تیاریاں کیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لیے روانہ فرمایا اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ بصرہ سے ان کو مدد پہنچائیں' چنانچہ وہ ایک بڑی جماعت کے ساتھ خود کمک لے کر گئے اور نہاوند فتح کر کے واپس آئے۔[2]

تبادلہ:

بصرہ کی کثرتِ آبادی کے لحاظ سے اس صوبہ کا رقبہ نہایت مختصر تھا' اس بنا پر اہل بصرہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی وساطت دربارِ خلافت میں یہ درخواست پیش کی کہ خوزستان کے مفتوحہ علاقہ میں سے رامہرمز' ابذج اور ماہ یا ماسپندان کے اضلاع بصرہ سے ملحق کر دیئے جائیں لیکن اہل کوفہ اس علاقہ کی فتح میں برابر کے شریک تھے' انہوں نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ والی کوفہ سے درخواست کی کہ' وہ اس علاقہ کو کوفہ میں شامل کرنے کی کوشش کریں' لیکن حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں بالکل غیر جانب داری اختیار کر لی' اور فرمایا کہ مجھے ان جھگڑوں میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔

غرض حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی تحریک پر یہ اضلاع بصرہ سے ملحق کر دیئے گئے' اور اہل کوفہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے ناخوش ہو کر مسلسل شکایتوں کے بعد ان کو

---

[1] طبری ص ۲۵۶۸　[2] ایضاً ۲۶۶

Marfat.com

معزول کرا دیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ والوں سے پوچھا کہ تم کس کو اپنا والی بنانا چاہتے ہو؟ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جس خوش اسلوبی کے ساتھ بصرہ والوں کی حمایت کی تھی اس کے لحاظ سے انہوں نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کا نام لیا' چنانچہ وہ ان کی درخواست پر ۲۲ھ میں بصرہ سے کوفہ تبدیل کر دیئے گئے' لیکن ایک ہی سال کے بعد یعنی ۲۳ھ میں پھر بصرہ منتقل کیے گئے۔[1]

الزام:

اسی سال ضبہ نام ایک شخص نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف دربارِ خلافت میں حسب ذیل شکایتیں کیں:

1. ابو موسیٰ نے اسیرانِ جنگ میں سے ساٹھ رئیس زادے چھانٹ کر اپنے لیے رکھے ہیں۔
2. انہوں نے عنانِ حکومت زیاد بن سمیہ کو سپرد کر دی ہے' اور وہی سیاہ و سپید کا مالک ہے۔
3. انہوں نے حطیہ شاعر کو ایک ہزار انعام دیا ہے۔
4. عقیلہ نام ایک لونڈی ہے جس کو دونوں وقت نہایت عمدہ غذائیں بہم پہنچائی جاتی ہیں' حالانکہ اس قسم کی غذا عام مسلمانوں کو میسر نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان شکایتوں کو اپنے ہاتھ سے قلمبند کیا' اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو دارالخلافہ طلب کر کے باضابطہ تحقیقات کی' چنانچہ پہلا الزام غلط ثابت ہوا' دوسرے الزام کا انہوں نے جواب یہ دیا کہ زیاد صاحب تدبیر و سیاست ہے' اس لیے میں نے اس کو اپنا مشیر کار بنایا ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زیاد کو بلا کر امتحان لیا تو حقیقت میں قابل آدمی تھا' اس لیے انہوں نے خود حکام بصرہ کو ہدایت کی کہ زیاد کو مشیر کار بنائیں' تیسرے الزام کے جواب میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حطیہ کو میں نے اپنے جیب خاص سے انعام دیا ہے کہ وہ ہجو نہ کہے' لیکن چوتھے الزام کا وہ کوئی جواب نہ دے سکے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معمولی فہمائش کے بعد ان کو رخصت کر دیا۔[2]

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۶۷۸ [2] ایضاً ص ۲۷۱۱

Marfat.com

فتح اصفہان:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اسی سال یعنی ۲۳ھ میں اصفہان پر فوج کشی کی اور اس کو فتح کر کے اسلامی ممالک محروسہ میں داخل کر دیا۔[1]

اصفہان فتح کر کے واپس آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اسی سال بصرہ سے کوفہ کی گورنری پر منتقل کر دیا' لیکن کچھ دنوں بعد ہی وہ پھر بصرہ تبدیل ہو کر آ گئے۔

تعمیر نہر ابی موسیٰ:

بصرہ میں لوگوں کو پانی کی سخت تکلیف تھی' دربارِ خلافت میں اس کی شکایت پہنچی تو حکم آیا کہ دریائے دجلہ سے نہر کاٹ کر لائی جائے۔ وہ شہر سے تقریباً دس میر دور تھا' لیکن اس کی ایک شاخ صرف چھ میل پر واقع تھی' حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے خود مستعد ہو کر اس شاخ سے شہر بصرہ تک ایک نہر بنوائی جو اب تک ''نہر ابی موسیٰ'' کے نام سے مشہور ہے۔

اخیر ذی الحجہ ۲۳ھ میں خلیفہ دوم نے شہادت پائی اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر قدم رکھا' اس انقلاب میں عہد فاروقی کے اکثر عمال و حکام ایک ہی سال کے بعد سبکدوش ہو گئے' لیکن حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ۲۹ھ تک بصرہ میں عہدۂ امارت کے فرائض انجام دیتے رہے' بیان کیا جاتا ہے کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو چار سال تک برقرار رکھنے کی وصیت فرمائی۔[2]

معزولی:

۲۹ھ میں کردوں نے بغاوت کر دی' حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے مسجد میں ان کے خلاف جہاد کا وعظ کہا اور راہِ خدا میں پیادہ پا چلنے کے فضائل بیان کیے' اس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے مجاہدین جن کے پاس گھوڑے موجود تھے' وہ بھی پیادہ پا چلنے پر تیار ہو گئے' لیکن حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے چند مخالفین نے کہا کہ ''ہم کو جلدی نہ کرنا چاہئے' دیکھیں ہمارا والی

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۷۱۳ [2] تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۶۳

Marfat.com

کس شان سے چلتا ہے'' غرض صبح کے وقت دار الامارت کے قریب مجاہدین کا مجمع ہوا' حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہو کر برآمد ہوئے' لوگوں نے بڑھ کر گھوڑے کی باگ پکڑ لی' اور اس پر اعتراض کیا۔

ظاہر ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ نہ تھا کہ جن کے پاس گھوڑے موجود ہوں وہ راہ خدا میں ان سے کام نہ لیں' لیکن در حقیقت خلیفہ سوم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا نصف اخیر فتنہ اور سازش کا دور تھا' مفسدہ پردازوں نے اسی وقت دار الخلافہ کی راہ لی اور دربار خلافت سے ان کی معزولی کا مطالبہ کیا' چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر کے ایک کمسن نوجوان عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو اس منصب پر مامور فرمایا۔[1]

امارت کوفہ:

۳۴ھ میں اہل کوفہ کی درخواست پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پھر سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کی جگہ کوفہ کے والی مقرر کیے گئے' لیکن یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام دنیائے اسلام پر آشوب تھی' اور ملک میں ہر طرف سازش وفتنہ پردازی کا بازار گرم تھا' چونکہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی یاد تھی' اس لیے ان کو یقین تھا کہ عنقریب ہولناک خانہ جنگیاں کا سلسلہ شروع ہوگا' وہ عموماً اپنے وعظ میں اہل کوفہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی سناتے اور اس آنے والے دورِ فتنہ سے کنارہ کش رہنے کی ہدایت فرماتے تھے' چنانچہ ۳۵ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مسند نشینی کے بعد وہ خطرہ بالکل سر پر آ گیا۔

خانہ جنگی سے اجتناب:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے خلیفہ ثالث کے قصاص اور مطالبہ اصلاح کا علم بلند کر کے بصرہ کا رخ کیا' حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے مقابلہ کے لیے مدینہ سے چل کر مقام ذی قار میں آئے اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو حضرت عمار بن

[1] تاریخ طبری ص ۲۸۲۸

Marfat.com

یاسر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوفہ بھیجا کہ وہاں لوگوں کو خلافت کی اعانت پر آمادہ کریں، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کوفہ پہنچے تو اس وقت حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مسجد میں ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے تقریر کر رہے تھے کہ "سرور کائنات ﷺ نے جس فتنہ کا خوف دلایا تھا وہ اب سر پر ہے، اس لیے اسلحہ بیکار کر دو اور عزلت نشین ہو کر بیٹھ جاؤ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ فتنہ وفساد کے زمانہ میں سونے والا بیٹھنے والے سے، اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے۔"[1] اسی اثناء میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ داخل مسجد ہوئے اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا "آپ ابھی ہماری مسجد سے نکل جائیے" وہ نہایت سکون وخاموشی کے ساتھ منبر سے اتر آئے، اور ملک شام کے ایک غیر معروف گاؤں میں جا کر گوشہ نشین ہو گئے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو بارہا جس خطرہ سے آگاہ کیا تھا، اس کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، جنگ جمل میں عرب کے ہزاروں گھر بے چراغ ہو گئے، اور میدانِ صفین میں حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی باہمی آویزش نے بیشمار مسلمانوں کا خون پانی طرح بہا دیا۔

حکم مقرر ہونا:

معرکہ صفین میں جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حامیوں نے حریف کا پلہ بھاری دیکھا، تو اپنے نیزوں پر دمشق کا مصحف اعظم بلند کر کے عجیب وغریب طریقہ پر مصالحت کی دعوت دی، گو جناب امیر رضی اللہ عنہ اس پر راضی نہ تھے، تاہم قرآن کی دعوت کا رد کرنا آسان نہ تھا، خود آپ کی فوج میں پھوٹ پڑ گئی، انجام کار تمام مابہ النزاع امور کا فیصلہ طرفین کے دو ثالث پر محول ہوا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو حکم مانا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہوا، دومۃ الجندل مقامِ اجلاس قرار پایا، اور دونوں حکم ایک مقرر تاریخ پر مجتمع ہوئے، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ایک نہایت نکتہ رس اور معاملہ فہم بزرگ تھے، انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ

---

[1] بخاری کتاب الفتن

Marfat.com

اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کر کے ان کی رائے کا اندازہ کیا' تو ان کو یقین ہو گیا کہ یہ دونوں کسی امر پر متفق نہیں ہو سکتے' کیونکہ اگر ایک طرف کمال غیر جانبداری و بے لوثی ہے تو دوسری طرف شدید خودغرضی و پاسداری۔

غرض دونوں حکم باہم مشورہ کے لیے گوشہ خلوت میں مجتمع ہوئے' حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے محض بے لوثی کے ساتھ صرف مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے خیال سے اس عہدہ کو قبول کیا تھا' ان کی رائے تھی کہ عنانِ خلافت کسی غیر جانبدار کے ہاتھ میں دے دی جائے تو اس خانہ جنگی کا دروازہ خودبخود بند ہو جائے گا۔ چنانچہ دونوں میں حسب ذیل گفتگو ہوئی:

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ: عمرو! تم ایک ایسی رائے کے متعلق خیال رکھتے ہو جس سے خدا کی خوشنودی اور قوم کی بہبودی دونوں میسر آئے۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ: وہ کیا ہے؟

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ: عبداللہ بن عمر کو منصب خلافت پر متمکن کرنا چاہئے' کیونکہ انہوں نے ان خانہ جنگیوں میں کسی طرح حصہ نہیں لیا ہے۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ: معاویہ (رضی اللہ عنہ) میں کیا خرابی ہے؟ آپ جانتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم شہید ہوئے' معاویہ ان کے قصاص کے دعوے دار ہیں' ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ان کی بہن ہیں' اور خود ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کا شرف حاصل ہے۔

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ: معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے جن فضائل کا تم نے تذکرہ کیا' وہ استحقاقِ خلافت کے لیے کافی نہیں' اگر فضل و شرف ہی پر معیار ہو تو علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کون ہے' رہا قصاص کا دعویٰ تو اس کے لیے معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو خلافت کے معاملہ میں مہاجرین اولین پر ترجیح نہیں دی جا سکتی' ہاں اگر تم مجھ سے اتفاق کرو' تو فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا عہد لوٹ آئے' اور فاضل و عالم عبداللہ اپنے باپ کی یاد پھر تازہ کر دے۔

عمرو بن العاص : میرے لڑکے عبداللہ پر آپ کی نظر انتخاب کیوں نہیں پڑتی؟ فضل و

Marfat.com

منقبت میں تو وہ بھی کچھ کم نہیں۔

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ: بیشک وہ صاحب فضل و منقبت ہیں، لیکن ان خانہ جنگیوں میں شریک کر کے تم نے ان کے دامن کو بھی داغدار کر دیا ہے' برخلاف اس کے طیب بن الطیب عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ کا لباسِ تقویٰ تمام دھبوں سے محفوظ ہے۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ: ابو موسیٰ! اس منصب کی صلاحیت صرف اسی میں ہو سکتی ہے' جس کے دو داڑھ ہوں' ایک سے کھائے اور دوسرے سے کھلائے۔

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ: عمرو! تمہارا برا ہو' شدید کشت و خون کے بعد مسلمانوں نے ہمارا دامن پکڑا ہے' اب ہم ان کو پھر فتنہ و فساد میں مبتلا نہیں کریں گے۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ: پھر آپ کی کیا رائے ہے؟

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ: ہمارا خیال ہے کہ علی (رضی اللہ عنہ) اور معاویہ (رضی اللہ عنہ) دونوں برطرف کیے جائیں' اور مسلمانوں کی مجلس شوریٰ کو پھر نئے سرے سے اختیار دیا جائے کہ وہ جس کو چاہے منتخب کرے۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ: مجھے بھی اس سے اتفاق ہے۔

اس قرار داد کے بعد دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہا ''خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ عمرو (رضی اللہ عنہ) نے آپ کو دھوکہ دیا ہوگا' اگر کسی رائے پر اتفاق ہوا ہو تو آپ ہرگز اعلان میں سبقت نہ کیجئے گا' کیا عجب ہے کہ وہ آپ کی مخالفت کر بیٹھیں' حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نہایت نیک طینت بزرگ تھے' انہیں دنیا کی فریب کاریوں کی کیا خبر تھی' بولے: ''ہم دونوں ایک ایسی رائے پر متفق ہوئے ہیں کہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں''۔ غرض دوسرے روز مسجد میں مسلمانوں کا مجمع ہوا' حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ''منبر پر چڑھ کر فیصلہ سنا دو''۔ بولے: ''میں آپ پر سبقت نہیں کر سکتا' آپ فضل و منقبت اور سن و سال میں مجھ سے افضل اور بڑے ہیں''۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ

Marfat.com

پر ان کا یہ افسوں چل گیا' وہ بغیر سوچے سمجھے کھڑے ہو گئے اور حمد و ثناء کے بعد فرمایا:

''صاحبو! ہم نے علی (رضی اللہ عنہ) اور معاویہ (رضی اللہ عنہ) دونوں کو معزول کیا اور پھر نئے سرے سے مجلس شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا' وہ جس کو چاہے اپنا امیر بنائے''۔

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اپنا فیصلہ سنا کر اتر آئے تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا:

''صاحبو! علی (رضی اللہ عنہ) کو ابوموسیٰ (رضی اللہ عنہ) کی طرح میں بھی معزول کرتا ہوں' لیکن معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو اس منصب پر برقرار رکھتا ہوں' کیونکہ وہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں''۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نہایت متقی' پرہیزگار اور نیک نفس بزرگ تھے' اس خلاف بیانی پر ششدر رہ گئے' چلا کر کہنے لگے' یہ کیا غداری ہے؟ یہ کیا بے ایمانی ہے؟ سچ یہ ہے کہ تمہاری حالت بالکل اس کتے کی طرح ہے جس پر بوجھ لادو جب بھی ہانپتا ہے اور چھوڑ دو جب بھی ہانپتا ہے:

﴿ انما مثلک کمثل الکلب ان تحمل علیه یلهث اور تترکه یلهث ﴾ (الآیة)

عمرو بن العاص نے جواب دیا اور آپ پر ''چار پائے بر و کتابے چند'' کی مثل صادق آتی ہے: (مثلك كمثل الحمار يحمل اسفارا)

وفات:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اپنے فریب کھا جانے پر اس قدر ندامت ہوئی کہ وہ اسی وقت مکہ معظمہ روانہ ہو گئے اور پھر کسی چیز میں حصہ نہ لیا' وفات کے سن اور مقام میں مختلف روایتیں ہیں' بعض لوگ ان کی وفات کا مقام مکہ بتاتے ہیں' اور بعض کوفہ' لیکن مرجح مکہ کی روایت ہے' بہر حال باختلاف روایت ۴۲ھ ۴۴ھ ۵۲ھ میں بیمار پڑے' اور بروایت صحیحہ ذوالحجہ ۴۴ھ میں وفات پائی۔[1] آخر وقت تک احکام نبوی ﷺ کا لحاظ رہا' جب حالت زیادہ نازک ہوئی اور غشی طاری ہو گئی' تو جس عورت کی گود میں سر تھا' اس نے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اوّل ص ۱۲۱

Marfat.com

گریہ وزاری شروع کر دی' اس وقت بولنے کی طاقت نہ تھی' ہوش آیا تو کہا جس چیز سے رسول اللہ ﷺ نے براءت کی ہے' اس سے میں بھی بری ہوں' جیب و گریبان پھاڑنے والی' نوحہ و بکا کرنے والی اور کپڑے پھاڑنے والی عورتوں سے آپ نے براءت ظاہر کی ہے۔[1]

اس کے بعد کفن و دفن وغیرہ کے متعلق ضروری وصیتیں کیں کہ جنازہ تیز چال سے لے چلنا جنازہ کے ساتھ انگیٹھی نہ لے چلنا' لحد اور میری میت کے درمیان کوئی مٹی روکنے والی چیز نہ رکھنا' قبر پر کوئی عمارت نہ بنانا' اور میں نوحہ و بین کرنے والی' جیب و گریبان چاک کرنے والی اور سر نوچنے والی عورتوں سے بری ہوں۔[2] وصیت سے فراغت ہوئی کہ طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر کے اپنے اصلی نشیمن میں پہنچ گیا' وفات کے وقت ۶۱ سال کی عمر تھی۔

حلیہ:

پستہ قد اور لاغر اندام تھے۔

اولاد:

وفات کے بعد متعدد نسلی یادگاریں چھوڑیں' نام یہ ہیں' ابراہیم' ابوبکر' ابوبردہ' موسیٰ۔[3]

ذریعہ معاش:

ابتدا میں تنگدستی کی زندگی تھی' لیکن پھر فارغ البالی کا دور آیا' متعدد مہمیں ان کی افسری میں سر ہوئیں' مدتوں تک مختلف ممالک کے گورنر رہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں دوسرے مہاجرین کے ساتھ ان کا وظیفہ بھی مقرر کیا' غرض اطمینان اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرتے تھے۔

---

1. مسلم کتاب الایمان باب تحریم ضرب الخدود و شق الجیوب
2. مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۹۷
3. تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۶۲

Marfat.com

فضل وکمال

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ان مخصوص صحابہ رضی اللہ عنہم میں تھے، جن کو بارگاہِ رسالت میں خاص تقرب اور شرفِ پذیرائی حاصل تھا، اس لیے وہ نبوت کے چشمۂ فیض سے پوری طرح سیراب تھے، وہ ان چھ آدمیوں سے ایک تھے، جن کو خود عہد رسالت میں مسائل کے جواب اور فتویٰ دینے کی اجازت تھی [1]

اسود تابعی کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ میں حضرت علی اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما سے زیادہ کسی کو صاحب علم نہیں دیکھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ:

''ابوموسیٰ (رضی اللہ عنہ) سرتاپا علم کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں'' [2]

اہل علم سے اکثر ان کی علمی صحبتیں اور علمی بحثیں رہتی تھیں، جنھوں نے ان کے علم کو اور چمکا دیا تھا، یوں تو ان کے علمی احباب کا حلقہ بہت وسیع تھا، مگر ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے خاص طور سے وہ علمی گفتگو کرتے تھے، اور کبھی کبھی یہ گفتگو نیک نیتی کے ساتھ بحث ومناظرہ تک پہنچ جاتی، اور جب تک مسئلہ کی پوری تنقیح نہ ہو جاتی برابر جاری رہتی۔

ایک مجلس میں تیمّم کا مسئلہ چھڑا، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا اگر کسی کو نہانے کی ضرورت پیش آ جائے، اور اس کو ایک مہینہ پانی نہ ملے، تو کیا تیمم کر کے نماز پڑھ لے؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں، خواہ ایک مہینہ تک پانی نہ ملے جب بھی تیمّم نہ کرے، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا تو پھر سورۂ مائدہ کی اس آیت کے متعلق کیا کہتے ہو؟

﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾

''پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمّم کرو''۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اوّل ص ۲۱ [2] ایضاً ص ۲۰

Marfat.com

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''اگر لوگوں کو تیمّم کی اجازت دے دی جائے تو سردیوں کے موسم میں جب پانی ٹھنڈا ملتا ہے لوگ تیمم ہی پر اکتفا کرنے لگیں گے''۔ اس پر شقیق (راوی) بولے: ''کیا صرف اس خطرہ سے آپ تیمّم کو برا سمجھتے ہیں؟'' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں' حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا ''تم نے عمار کا وہ واقعہ جس کو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا تھا' نہیں سنا کہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کے لیے بھیجا' اتفاق سے ان کو راہ میں غسل کی ضرورت پیش آئی' اور پانی نہ ملا تو انہوں نے جانور کی طرح زمین پر لوٹ کر تیمّم کیا' اور واپس آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا' آپ نے ان کو تیمّم کا طریقہ بتا کر فرمایا کہ اس قدر کافی تھا''۔ اس پر عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا مگر شاید آپ کو یہ نہیں معلوم کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کو کافی نہ سمجھا''۔[1]

ایک مرتبہ دونوں میں حدیث کا مذاکرہ ہو رہا تھا' حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے قریب علم اُٹھ جائے گا' جہالت کا دور دورہ ہوگا' اور قتل و غارت کی گرم بازاری ہوگی''۔[2]

اشاعتِ علم:

علم کی اشاعت اور اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی وہ پوری کوشش کرتے تھے' ان کا اصول یہ تھا کہ جو کچھ کسی کو معلوم ہو اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچانا اس کا فرض ہے۔ ایک مرتبہ خطبہ میں لوگوں سے خطاب کر کے کہا کہ ''جس شخص کو خدا علم دے' اس کو چاہیے کہ اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی اس کی تعلیم دے' اس کے ساتھ جو اس کو معلوم نہ ہو اس کے متعلق ہرگز ایک لفظ بھی وہ اپنی زبان سے نہ نکالے۔[3]

ان کے درس کے طریقے مختلف تھے' مستقل حلقہ درس کے علاوہ کبھی کبھی وہ لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیتے' ایک مرتبہ خطبہ دیا۔

---

[1] بخاری کتاب التیمم باب التیمم ضربۃ [2] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۹۲

[3] ابن سعد جزو ۴ قسم اوّل ص ۱۸

Marfat.com

''لوگو! شرک سے بچنے کی کوشش کرو کہ یہ چیونٹی کی چال سے زیادہ غیر محسوس ہے''۔[1]

جہاں کہیں چند آدمی ایک جگہ ان کو اکٹھا مل جاتے' اُن کے کانوں تک وہ کوئی نہ کوئی حدیث ضرور پہنچا دیتے' ایک دفعہ بنو ثعلبہ کے چند آدمی کہیں جا رہے تھے' ان کو راہ میں ایک حدیث سنا دی۔[2]

اصفہان کی مہم سے واپس ہوتے وقت ایک جگہ پڑاؤ کیا' کافی مجمع تھا' کہا میں تم لوگوں کو ایک حدیث سنانا چاہتا ہوں جو ہم لوگوں کو آنحضرت ﷺ نے سنائی تھی' لوگوں نے کہا خدا! آپ پر رحم کرے' ضرور سنایئے۔ بولے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

''قیامت کے قریب ''ہرج'' زیادہ ہوگا۔

لوگوں نے پوچھا: ''ہرج'' کیا ہے؟

کہا: قتل اور جھوٹ۔

لوگوں نے کہا: کیا اس سے بھی زیادہ قتل ہوگا' جتنا ہم لوگ کرتے ہیں؟

فرمایا: اس سے مقصد کفار کا قتل نہیں ہے' بلکہ باہمی خونریزی ہے' حتیٰ کہ پڑوسی پڑوسی کو' بھائی بھائی کو' بھتیجا چچا کو' اور چچا بھتیجے کو قتل کرے گا۔

لوگوں نے کہا: سبحان اللہ عقل و ہوش رکھتے ہوئے؟

کہا: عقل و ہوش کہاں عقل و ہوش تو اس زمانہ میں باقی نہ رہے گا' حتیٰ کہ آدمی خیال کرے گا کہ وہ کسی (حق) بات پر ہے' لیکن درحقیقت وہ کسی (حق) بات پر نہ ہوگا''۔

یہ حدیث سنا کر بولے کہ ہم میں سے تم میں سے کوئی بھی آنحضرت ﷺ کی اس پیشین گوئی سے نہ نکل سکے' اس سے نکلنے کی صرف یہ صورت ہے کہ ہم بلا کچھ کیے اس طریقہ سے پاک و صاف نکل جائیں جس طرح اس میں شریک ہوئے تھے۔[3]

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۰۳ [2] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۷۱

[3] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۰۶

Marfat.com

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے تعلیم دینے کا طریقہ نہایت نرم تھا' اگر کبھی کوئی شخص نادانی سے بھی کوئی اعتراض کرتا' تو خفا ہونے کے بجائے نہایت نرمی سے اس کو سمجھا دیتے' عبداللہ الرقاشی روایت کرتے ہیں کہ:

''میں ایک مرتبہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا' وہ قعدہ میں تھے کہ کسی نے زور سے ایک فقرہ کہا جو مسنون دعاؤں میں سے نہ تھا' ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نماز ختم کر چکے' تو پوچھا یہ کس نے کہا تھا' لوگ خاموش رہے' پھر پوچھا فلاں بات کس نے کہی تھی' لوگ پھر چپ رہے' تو بولے حطان شاید تم نے کہا ہوگا' انہوں نے کہا میں نے نہیں کہا' اتنے میں ایک شخص نے اقرار کیا کہ میں نے کہا اور اس سے میرا مقصد بدنیتی نہ تھا' بلکہ بھلائی تھی' ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کسی قسم کی ترش روئی کے بغیر مسنون نماز کا پورا طریقہ بتا دیا'' [1]

قرآن پاک:

قرآن پاک اسلام کے تمام علوم و معارف کا سرچشمہ ہے' اس کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو غیر معمولی شغف و انہماک تھا' فرصت کا سارا وقت آپ قرآن پاک کی تلاوت اور اس کی تعلیم میں صرف ہوتا' یمن کی گورنری کے زمانہ میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اکثر ان سے ملنے آتے اور دیر تک علمی صحبت رہتی' ایک مرتبہ انہوں نے پوچھا' آپ قرآن کس طرح تلاوت کرتے ہیں' بولے ''رات دن میں جب موقع مل جاتا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے پڑھ لیتا ہوں'' [2]

قرآن نہایت خوش الحانی سے پڑھتے تھے' یہ اس قدر خوش گلو اور شیریں آواز تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ:

''ان کو لحن داؤدی سے حصہ ملا ہے'' [3]

---

[1] مسلم کتاب الصلوٰۃ باب التشہد فی الصلوٰۃ [2] بخاری [3] ابن سعد جزء ۴ قسم اوّل ص ۸۰

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا قرآن پڑھنا بہت پسند تھا' جہاں ان کو قراءت کرتے ہوئے سنتے کھڑے ہو جاتے' ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کہیں تشریف لیے جا رہے تھے' ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا' وہیں کھڑے ہو گئے اور سن کر آگے بڑھے' صبح کو جب ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے' تو فرمایا کہ ابوموسیٰ (رضی اللہ عنہ) کل تم قرآن پڑھ رہے تھے' ہم نے تمہاری قراءت سنی تھی' عرض کیا اے خدائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اگر مجھ کو حضور کی موجودگی کا علم ہوتا' تو میں آواز میں اور دلکشی پیدا کرتا۔[1]

ایک مرتبہ مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بلند آواز سے عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے' آواز سن کر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اپنے اپنے حجروں میں پردوں کے پاس آ کر کھڑی ہو کر سننے لگیں' صبح کو جب ان کو اطلاع ہوئی تو کہا اگر مجھ کو اس وقت معلوم ہو جاتا تو میں ان کو قرآن کا اس سے بھی زیادہ مشتاق بنا دیتا۔[2]

ابوعثمان نہدی بیان کرتے تھے کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے تھے' ان کی آواز اتنی سریلی اور دلکش ہوتی تھی کہ چنگ و بربط میں بھی وہ دلکشی نہیں۔[3]

کبھی کبھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمائش کرتے کہ ابوموسیٰ (رضی اللہ عنہ) خدا کی یاد دلاؤ' یہ قرآن پڑھ کر سناتے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا' انہوں نے پوچھا' ابوموسیٰ کا کیا حال ہے' کہا لوگوں کو قرآن پڑھاتے ہیں' فرمایا وہ بلند مرتبہ آدمی ہیں' مگر اس کو ان کے سامنے نہ کہنا۔[4]

ان کو غیر معمولی قراءت دانی کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشہور عالم قرآن حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کو بھی نومسلموں کی تعلیم قرآن کے لیے یمن بھیجا تھا۔[5]

---

1. مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۶۶
2. طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ۴ ص ۸۰
3. ایضاً 4. ایضاً
5. مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۹۷

Marfat.com

حدیث:

قرآن کے ساتھ ان کو حدیث کے علم سے بھی وافر حصہ ملا تھا' حفظِ حدیث کے اعتبار سے وہ اپنے معاصروں میں امتیازی پایہ رکھتے تھے' کوفہ میں مستقل حلقہ درس تھا جس سے بڑے بڑے اربابِ کمال پیدا ہوئے' ان کے نام آئندہ آئیں گے' ان کی تعداد مرویات ۳۶۰ تک پہنچتی ہے' ان میں ۵۰ متفق علیہ ہیں' ان کے علاوہ ۴ بخاری اور ۲۵ مسلم میں ہیں''۔[1]

ان میں سے اکثر روایات خود صاحب حدیث (ﷺ) کی زبان سے سنی ہوئی ہیں' ان کے بعد پھر حضرت ابوبکر' ابن عباس' ابی بن کعب' عمار بن یاسر' معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم سے روایتیں کی ہیں' تلامذہ کی تعداد بھی کافی ہے' مختصر فہرست یہ ہے:

ابراہیم' ابوبکر' ابو بردہ' موسیٰ' انس بن مالک' ابوسعید خدری' طارق بن شہاب' ابوعبدالرحمٰن سلمی' زر بن حبیش' زید بن وہب' عبید بن عمیر' ابوالاحوص' عوف بن مالک' ابوالاسود دیلی' سعید بن مسیب' ابوعثمان نہدی' قیس بن ابی حازم' ابورافع صائغ' ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود' مسروق بن اوس حنظلی' ہزیل بن شرحبیل' مرہ بن شرحبیل' اسود بن یزید' عبدالرحمٰن بن یزید' حطان بن عبداللہ رقاشی' ربعی بن خراش' زہدم بن مضرب' ابووائل' شقیق' ابن سلمہ' صفوان بن محرز وغیرہم۔[2]

اس فضل و کمال کے باوجود ان کو اپنی غلطی اور دوسروں کے کمال اعتراف میں بخل نہ تھا' ایک مرتبہ کسی نے لڑکی' پوتی اور بہن کی وراثت کے متعلق فتویٰ پوچھا' انہوں نے جواب دیا لڑکی اور بہن کو نصف نصف ملے گا' مستفتی نے جا کر یہ جواب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو سنایا اور ان سے بھی فتویٰ دریافت کیا' انہوں نے کہا' اگر میں اس کی تائید کروں تو گمراہ ہوں۔ میں اس مسئلہ میں وہی فیصلہ کروں گا جو آنحضرت ﷺ نے کیا ہے' لڑکی کو آدھے ملے گا' پوتی کو دوتہائی پورا کرنے کے لیے چھٹا حصہ لے گا' باقی جو بچے گا وہ بہن کا حصہ ہے' مستفتی نے یہ جواب جا کر ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو سنایا' انہوں نے کہا جب تک یہ عالم تم میں موجود ہے' اس وقت تک مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔[3]

---

[1] تہذیب الکمال [2] تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۶۳ [3] بخاری کتاب الفرائض باب میراث ابنہ ابن مع ابنہ

Marfat.com

اخلاق و عادات

خشیت الٰہی اور رقت قلب مذہب کی روح ہے' حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ میں یہ دونوں وصف موجود تھے' خود بھی روتے اور دوسروں کو بھی رُلاتے' بصرہ کے قیام کے زمانہ میں ایک ایک مرتبہ خطبہ دیا کہ:

''لوگو! خوب روؤ اگر نہ رو سکتے ہو تو کم از کم رونی صورت بناؤ کیونکہ دوزخی (جنہوں نے دنیا ہنس کر گذاری) اس قدر روئیں گے کہ آنسو خشک ہو جائیں گے پھر خون کے آنسو روئیں گے' آنسوؤں کی فراوانی کا یہ حال ہوگا کہ اگر اس میں کشتیاں چلائی جائیں تو بہہ نکلیں'' [1]

اتباعِ سنت:

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ تھی' وہ کوشش کرتے تھے کہ ان کی نقل و حرکت' قول و فعل بلکہ ہر ہر ادا ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ بن جائے' ایک موقعہ پر انہوں نے اپنی حرص کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

''ابو مجلز راوی ہیں کہ ایک مرتبہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ مکہ سے مدینہ آ رہے تھے' راستہ میں عشاء کی نماز کا وقت آیا تو دو رکعت نماز پڑھی' پھر کھڑے ہو کر سورۂ نساء کی ۱۰۰ آیتیں ایک رکعت میں پڑھیں' لوگوں نے اس پر اعتراض کیا' انہوں نے کہا میری ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے' کہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم مبارک رکھا ہے وہیں میں بھی قدم رکھوں' اور جو کام آپ نے کیا ہے' وہی میں بھی کروں'' [2]

رمضان کے روزوں کے علاوہ نوافل کے روزے محض اس لیے رکھتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رکھا کرتے تھے' عاشورہ کا روزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برابر رکھا کرتے تھے' یہ لوگوں کو ہدایت کرتے کہ عاشورہ کا روزہ رکھو۔

---

[1] ابن سعد قسم اوّل جز ۴ ص ۸۱ [2] مسند احمد ابن حنبل جلد ۴ ص ۴۱۹

Marfat.com

سنت سے لے کر مستحبات تک کی خود پابندی کرتے اور اپنے اہل وعیال سے پابندی کراتے۔ قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا مسنون ہے' حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ لڑکیوں تک کو حکم دیتے تھے' کہ وہ اپنے ہاتھ سے ذبح کریں۔[1]

احکامِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ ہر آن و ہر لحہ رہتا تھا' کسی موقع پر فروگذاشت نہ ہونے پاتی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا کہ جب کوئی شخص کسی کے یہاں جائے تو اجازت لے کر گھر میں داخل ہو اگر تین مرتبہ اجازت مانگنے پر بھی اجازت نہ دے تو لوٹ جائے' حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اس فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سختی سے عامل تھے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی' آپ غالباً کسی کام میں مشغول تھے' اس لیے کوئی توجہ نہ کی' انہوں نے تین مرتبہ اجازت مانگی' پھر لوٹ آئے' دوسرے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تم کیوں واپس ہو گئے تھے' کہا میں نے تین مرتبہ اجازت مانگی' جب نہ ملی' تو لوٹ گیا' کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تم کو تین مرتبہ اجازت مانگنے کے بعد بھی اجازت نہ ملے تو لوٹ جانا چاہئے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''شاہد لاؤ کہ تمہارے علاوہ کسی دوسرے نے بھی اس حکم کو سنا ہے''۔ یہ گھبرائے ہوئے انصاری اصحاب کی مجلس میں آئے' ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو یہ حکم معلوم تھا' انہوں نے جا کر شہادت دی۔[2]

یہی پاس ولحاظ زندگی کے آخری لحہ تک رہا۔

مرض الموت میں ایک گھر کی کسی عورت کی گود میں سر رکھے ہوئے تھے' اسی حالت میں غشی طاری ہو گئی' عورت نے گریہ وزاری شروع کر دی' اس وقت تو بولنے کی طاقت نہ تھی' ہوش آیا تو کہا جس چیز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے براءت ظاہری کی ہے' اس سے میں بھی بری ہوں' جیب وگریبان پھاڑنے والی' نوحہ وبکا کرنے والی' سر نوچنے والی اور کپڑے پھاڑنے والی عورتوں سے آپ نے براءت کی ہے۔[3]

---

[1] بخاری کتاب الاضاحی باب من ذبح ذبیحتہ

[2] بخاری کتاب الاستیذان باب التسلیم والاستیذان ثلاثاً

[3] مسلم کتاب الایمان باب تحریم ضرب الخدود وشق الجیوب

Marfat.com

موت سے پہلے کفن و دفن وغیرہ کی وصیتوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی وصیت کی
کوئی میری موت پر نوحہ اور بین نہ کرے' جیب اور گریبان چاک نہ کرے' سر کو نہ نو
ان سب سے میں بری ہوں۔[1]

تقویٰ:

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا دامن عفاف کبھی معصیت کی آلودگیوں سے داغدار نہ ہوا' وہ
اس درجہ محتاط تھے کہ غیر عورتوں کی ہوا تک لگنا گوارا نہ کرتے تھے' کہا کرتے تھے کہ عورتوں
کی لپٹ سے مجھ کو سڑے ہوئے مردار کی عفونت زیادہ خوش آئندہ ہے۔[2]

طہارت اور صفائی کے خیال سے ہمیشہ شیشی میں پیشاب کرتے تھے کہ کوئی چھینٹ
نہ پڑنے پائے' دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اس غیر ضروری شدت کو محسوس کرتے اور اس کا اظہار بھی
کر دیتے تھے' حذیفہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا کہ کاش تمہارے ساتھی اتنا تشدد نہ کرتے۔[3]

توکل:

خدا کی ذات پر پورا اعتماد اور قضاء و قدر پر پورا یقین تھا' چنانچہ وبائی مقامات
سے الگ نہ ہوتے تھے' ایک مرتبہ طاعون کی وبا پھیلی' ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے کہا یہاں سے ہٹ
کر وابق چلے چلیے۔ کہا میں خدا کے پاس جاؤں گا' وابق نہ جاؤں گا۔[4]

خدمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

خطرناک سے خطرناک موقعوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور آپ کی حفاظت
کی سعادت حاصل کرتے تھے' کسی غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے راستہ میں
رات گذارنے کے لیے مجاہدین نے قیام کیا' جنگ کا زمانہ تھا' دشمن ہر وقت تاک میں
رہتے تھے' اس خطرہ سے یہ رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کے پاس پہنچے۔ اتفاق سے آپ
موجود نہ تھے' یہ تلاش میں نکلے' راستہ میں ایک صحابی جو اسی نیت سے نکلے تھے' مل گئے' دونوں

---

[1] مسند احمد ابن حنبل جلد ۴ ص ۳۹۷ [2] ابن سعد جز و ۴ قسم اوّل ۳۹۷
[3] مسلم کتاب الطہارت باب المسح علی الخفین [4] ابن سعد قسم اوّل جز و ۴ ص ۸۲

Marfat.com

گے بڑھے' اتنے میں آنحضرت ﷺ آتے ہوئے دکھائی دیئے ان دونوں نے عرض کیا
اس وقت آپ دشمن کی زمین میں ہیں' آپ کے متعلق ہر وقت خطرہ ہے' اس لیے جب
پ کو کوئی ضرورت پیش آیا کرے تو کسی کو حکم دے دیا کیجئے' وہ ساتھ ہو جایا کرے''۔[1]

رم وحیا:

الحیاء شعبة من الایمان حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ میں ایمان کا یہ عنصر بہت
لب تھا۔ رات کو سوتے وقت خاص قسم کا کپڑا پہن لیتے تھے کہ نیند کی غفلت میں ستر نہ
ھل جائے' ایک مرتبہ کچھ اشخاص کو دیکھا وہ پانی کے اندر ننگے نہا رہے ہیں' تو بولے مجھ کو
ر بار مر کر زندہ ہونا پسند ہے مگر یہ فعل پسند نہیں ہے۔[2]

ادگی:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی زندگی کے مختلف دور تھے' ابتدائی دور نہایت
سرت کا تھا' مگر جیسے جیسے اسلام کو فروغ ہوتا گیا' ان کی عسرت میں کمی آتی گئی' متعدد مہمیں
ن کی ماتحتی میں سر ہوئیں' برسوں تک مختلف صوبوں کے حاکم رہے' لیکن ان دونوں حالتوں
یں ان کی ظاہری زندگی میں کوئی فرق نہ آیا' نہ مال و دولت جمع کیا' نہ نخوت و رعونت پیدا
ہوئی' گورنری کے بعد ایک مرتبہ مشہور صحابی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی' ابو
ذر رضی اللہ عنہ فقیر منش آدمی تھے' دنیا سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا' حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بھائی بھائی
کہتے ہوئے دوڑ کر لپٹ گئے لیکن ابوذر رضی اللہ عنہ بار بار یہ کہہ کر ہٹاتے تھے' اب تم میرے بھائی
نہیں ہو' اس منصب سے پہلے بھائی تھے' دوبارہ جب پھر ملاقات ہوئی تو پہلے کی طرح لپکے'
انہوں نے کہا ابھی ہٹے رہو پہلے میرے سوالات کے جوابات دو' پھر پوچھا تم نے لوگوں پر
حکومت کی ہے؟ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں' کہا عمارتیں تو نہیں بنوائیں' زراعت تو نہیں کی'
جانور تو نہیں پالے؟ انہوں نے سب کی نفی کی تو پھر ان سے دل کھول کر ملے۔[3]

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۱۵ [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ۴ ص ۸۲
[3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ۴ ص ۱۶۹

Marfat.com

اسی خاکساری اور تواضع کی وجہ سے وہ اپنی مذہبی خدمات کا اظہار برا سمجھتے تھے ابو بردہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم چھ آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں نکلے' ان چھ میں صرف ایک کے پاس اونٹ تھا' اسی پر سب باری باری سوار ہوتے تھے' پیادہ پا چلنے کی مشقت سے ہمارے پاؤں پھٹ گئے اور ناخن گر گئے' تو ہم لوگوں نے چیتھڑے لپیٹ لیے' اسی لیے اس غزوہ کو ذات الرقاع ''چیتھڑے والا'' کہتے ہیں' راوی کا بیان ہے کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اس واقعہ کو بیان تو کر گئے مگر بعد میں اتنے واقعہ کا اظہار بھی برا سمجھا۔[1]

امتِ مسلمہ کی خیر خواہی:

امتِ مسلمہ کی خیر خواہی اور اس کا مفاد ہر وقت پیش نظر رہتا تھا' اس کے مقابلہ وہ بڑی سے منفعت کو ٹھکرا دیتے تھے' جب حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان کشمکش شروع ہوئی تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس لکھ بھیجا کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے میری بیعت کر لی ہے' اگر تم بھی بیعت کر لو تو میں حلفیہ وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے ایک لڑکے کو بصرہ اور دوسرے کو کوفہ کی امارت پر سرفراز کروں گا' اور تمہاری ضروریات کے لیے میرا دروازہ ہر وقت کھلا رہے گا' میں اپنے خاص قلم سے یہ خط لکھ رہا ہوں' امید ہے کہ تم بھی اپنے دست و قلم سے اس کا جواب دو گے' اس خط کو پڑھ کر انہوں نے یہ جواب لکھا:

''تم نے امت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بہت اہم اور نازک معاملہ کی بابت لکھا ہے' جو چیز تم نے میرے سامنے پیش کی ہے' اس کی مجھ کو حاجت نہیں ہے''۔[2]

جنگ جمل اور جنگ صفین دونوں میں غیر جانبدار رہے' اور دوسروں کو بھی اس کی شرکت سے روکتے تھے' جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو کوفہ بھیجا کہ وہ کوفہ والوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کی شرکت پر آمادہ کریں' تو ابو موسیٰ اور ابو مسعود رضی اللہ عنہما

---

[1] مسلم کتاب الجہاد والسیر باب غزوہ ذات الرقاع

[2] طبقات ابن سعد جلد ۴ قسم اوّل ص ۸۳

Marfat.com

نے ان سے جا کر کہا کہ:

"جب سے تم اسلام لائے ہو آج تک ہمارے نزدیک اس جنگ کی شرکت سے زیادہ تم نے کوئی ناپسندیدہ کام نہیں کیا"۔ [1]

ان کے بھائی ابورہم بہت ہنگامہ پسند تھے اور شورشوں اور ہنگاموں میں نہایت ذوق وشوق سے شریک ہوتے تھے اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فتنہ وفساد سے سخت متنفر تھے وہ ان کو برابر سمجھاتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب دو مسلمان ایک دوسرے کے خلاف تلوار اٹھائیں گے اور ایک دوسرے کو قتل کریں گے تو دونوں جہنم میں جائیں گے۔ [2]

ان کی اس بے لوثی اور غیر جانبداری کی بنا پر جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو ثالث مقرر کیا' اس وقت رفع فساد کے خیال سے ان کو مجبوراً گوشہ عزلت سے نکلنا پڑا' اور نہایت نیک نیتی سے مصالح امت کا خیال رکھتے ہوئے حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کو معزول کر کے کسی تیسرے کو خلیفہ منتخب کرنے کا مشورہ دیا' مگر افسوس ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی چالاکی نے نیک نیتی کے مشورہ کو بیکار کر دیا۔

امت کے اس تفرقہ کے خیال سے بسا اوقات وہ اپنا فتویٰ مسترد کر دیتے' وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج میں شریک ہو چکے تھے' آپ نے بیت اللہ کا طواف اور صفا اور مروہ کی سعی کے بعد احرام کھلوا دیا تھا' آپ کے بعد بھی اسی پر عمل رہا' ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بھی یہی فتویٰ دیتے تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ میں حج تمام ہونے کے بعد احرام کھلوانے لگے' ایک مرتبہ حج کے موقع پر لوگوں نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ فتوی دینے میں اتنی عجلت نہ کیجئے' امیر المومنین نے اس میں ترمیم کر دی ہے اگرچہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اس فتویٰ میں حق بجانب تھے' مگر اختلاف کے خیال سے فوراً اعلان کر دیا' لوگو! جس جس کو میں نے فتویٰ دیا ہو اس کو ابھی ٹھہر جانا چاہئے' امیر المومنین آتے ہیں ان کی اقتدا کرنی چاہئے۔ [3]

---

[1] بخاری کتاب الفتن باب الفتنة امتی تموج کموج البحر [2] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۰۳۔ [3] مسلم کتاب الحج باب فی نسخ التحمل من الاحرام والامر باتمام

Marfat.com

مخصوص فضائل:

ان مذکورہ فضائل کے علاوہ بعض مخصوص فضائل ایسے تھے جو ان کے لیے طغرائے امتیاز ہیں' ایک بدوی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ محمد (ﷺ) جو کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا' اس کو پورا کرو' آپ نے فرمایا' بشر یعنی بشارت ہو' اس نے کہا: ''بشارت ہو چکی کچھ دلواؤ'' اس جاہلانہ جواب سے چہرۂ مبارک پر برہمی کے آثار نمایاں ہو گئے' پھر حضرت بلالؓ اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما سے کہا کہ اس نے بشارت سے انکار کر دیا' تم دونوں قبول کرو' عرض کیا زہے نصیب' پھر ایک برتن میں پانی منگا کر اس میں ہاتھ منہ دھویا اور کلی کر کے ان دونوں کی طرف بڑھایا کہ اس کو پیو' اور سینہ اور چہرہ پر ملو' انہوں نے اس آب حیات کو پیا اور سینہ اور چہرہ پر ملا' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا پردہ کی آڑ سے دیکھ رہی تھیں' آواز دی تھوڑا میرے لیے بھی چنانچہ اس شراب طہور کے چند جرعے ان کو بھی ملے۔[1] بظاہر یہ واقعہ نہایت معمولی ہے' مگر یہ بشارت کیا تھی؟ اور اس شراب طہور میں کیا نشہ تھا؟ اس کا جواب عشق و محبت کی زبان سے سننا چاہیے۔

غزوۂ حنین کے بعد آنحضرت ﷺ نے ابو عامر کو ایک دستہ کے ساتھ اوطاس روانہ کیا؟ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے قاتل کا تعاقب کر کے اس کو قتل کیا' پھر لوٹ کر ابو عامر کے گھٹنے سے تیر نکالا' زخم سے خون جاری ہو گیا' زخم کاری تھا' بچنے کی امید نہ تھی' ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا میری طرف سے حضور انور ﷺ کی خدمت میں سلام کے بعد دعائے مغفرت کی درخواست کرنا یہ کہہ کر ابو عامر واصل بحق ہو گئے' حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے لوٹ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ان کا پیام پہنچا دیا' آپ نے وضوء کر کے ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائی' حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی' حضور (ﷺ) میرے لیے بھی دعا فرمائیں' آپ نے دعا فرمائی' خدایا عبداللہ بن قیس (ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ) کے گناہوں کو بخش دے اور قیامت کے دن ان کا معزز اور شریفانہ داخلہ فرما۔[2]

---

[1] مسلم کتاب فضائل الصحابہ باب من فضائل ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ [2] بخاری کتاب المغازی باب غزوہ اوطاس

Marfat.com

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما

نام نسب خاندان:

عمار نام ابوالیقظان کنیت والد کا نام یاسر اور والدہ کا نام سمیہ تھا پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

عمار بن یاسر بن عامر بن مالک بن کنانہ بن قیس بن الحصین بن الودیم بن ثعلبہ بن عوف بن حارثہ بن عامر الاکبر بن یام بن عنس بن مالک العنسی القحطانی۔[1]

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والد حضرت یاسر رضی اللہ عنہ قحطانی النسل تھے یمن ان کا اصلی وطن تھا اپنے ایک مفقود الخبر بھائی کی تلاش میں دوسرے دو بھائیوں حارث اور مالک کے ساتھ مکہ پہنچے وہ دونوں واپس لوٹ گئے لیکن انہوں نے یہیں طرح اقامت ڈال دی اور بنو مخزوم سے حلیفانہ تعلق پیدا کر کے ابو حذیفہ بن المغیرہ مخزومی کی ایک لونڈی سمیہ نام سے شادی کر لی جس سے حضرت عمار رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے ابو حذیفہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو ان کے بچپن ہی میں آزاد کر کے تاحیات دونوں باپ بیٹے کو لطف و محبت سے اپنے ساتھ رکھا۔[2]

اسلام:

ابو حذیفہ کی وفات کے بعد ہی اسلام کا غلغلہ بلند ہوا حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور حضرت صہیب ابن سنان رضی اللہ عنہ ایک ساتھ ایمان لائے تھے فرماتے ہیں کہ میں نے صہیب کو ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر دیکھ کر پوچھا ''تم کس ارادہ سے آئے ہو؟''۔ بولے: ''پہلے تم اپنا ارادہ بیان کرو''۔ میں نے کہا: ''محمد (ﷺ) سے مل کر ان کی کچھ باتیں سننا چاہتا ہوں''۔ بولے: ''میرا بھی مقصد یہی ہے''۔ غرض دونوں ایک ساتھ داخل

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۷۷

Marfat.com

ہوئے' اور ساقی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہی جام نے دونوں کو نشہ توحید سے مخمور کر دیا' حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے ساتھ یا کچھ آگے پیچھے ان کے والدین بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔[1]

صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جس وقت ایمان لائے' تو انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ صرف پانچ غلام اور دو عورتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا[2] یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے اپنے اسلام کو ظاہر کر دیا تھا' ورنہ صحیح روایت کی بنا پر اس وقت تک تیں اصحاب سے زیادہ اس دائرہ میں داخل ہو چکے تھے' جنہوں نے مشرکین کے خوف سے اعلان نہیں کیا تھا۔[3]

حضرت عمار رضی اللہ عنہ گو ایک بے یارو مددگار غریب الوطن تھے' دنیاوی وجاہت و طاقت بھی حاصل نہ تھی' اور سب سے زیادہ ان کی والدہ ماجدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اس وقت تک بنی مخزوم کی غلامی سے آزاد نہیں ہوئی تھی' تاہم جوشِ ایمان نے ایک دن سے زیادہ مخفی ہو کر رہنے نہ دیا' مشرکین نے ان کو اور ان کے خاندان کو لاچار و مجبور دیکھ کر سب سے زیادہ مشقِ ستم بنا لیا' طرح طرح کی اذیتیں دیں' ٹھیک دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت میں لٹایا۔ دہکتے ہوئے انگاروں سے جلایا' اور گھٹنوں پانی میں غوطے دیئے لیکن جلوۂ توحید نے کچھ ایسا وارفتہ کر دیا تھا کہ ان تمام سختیوں کے باوجود ان کو اسلام سے برگشتہ نہ کر سکے۔[4]

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو ابوجہل نے نہایت وحشیانہ طریقے پر اپنے نیزہ سے شہید کیا' چنانچہ تاریخ اسلام کی یہ پہلی عبرتناک شہادت تھی جو استقلال و استقامت کے ساتھ راہِ خدا میں واقع ہوئی' ان کے والد حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور بھائی

---

1. طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۷۷
2. بخاری باب فضائل الصدیق رضی اللہ عنہ
3. فتح الباری جلد ۷ ص ۷۱ و اسد الغابہ جلد ۴ ص ۴۴
4. ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۷۷

Marfat.com

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی اسی گرداب اذیت میں جان بحق ہوئے۔[1]

ایک دفعہ مشرکین نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف سے گذرے تو ان کے سر پر دست مبارک پھیر کر فرمایا: ''اے آگ! تو ابراہیم علیہ السلام کی طرح عمار (رضی اللہ عنہ) پر ٹھنڈی ہو جا'' اسی طرح جب ان کے گھر کی طرف سے گذرتے اور خاندانِ یاسر کو مبتلائے مصیبت دیکھتے تو فرماتے ''اے آلِ عمار تمہیں بشارت ہو جنت تمہاری منتظر ہے''۔[2]

ایک دفعہ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گردشِ زمانہ کی شکایت کی' ارشاد ہوا ''صبر کرو! صبر کرو'' پھر دعا فرمائی ''اے خدا! آلِ یاسر کو بخش دے''۔[3]

ایک روز مشرکین نے ان کو پانی میں اس قدر غوطے دیئے کہ بالکل بدحواس ہو گئے' یہاں تک کہ اسی حالت میں ان جفا کاروں نے جو کچھ چاہا ان کی زبان سے اقرار کرا لیا' اس کے بعد گو اس مصیبت سے گلوخلاصی ہوگئی' تاہم غیرت ملی نے عرق عرق کر دیا' دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے تو آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''عمار! کیا خبر ہے؟'' عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نہایت ہی بری خبر ہے۔ آج مجھے اس وقت تک مخلصی نہ ملی جب تک میں نے آپ کی شان میں برے الفاظ اور ان کے معبودوں کے حق میں کلماتِ خیر استعمال نہ کیے''۔ ارشاد ہوا: ''تم اپنا دل کیسا پاتے ہو؟'' عرض کی ''میرا دل ایمان سے مطمئن ہے'' سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے پونچھے' فرمایا: ''کچھ مضائقہ نہیں اگر یہ پھر ایسا ہی کرو'' اس کے بعد ہی قرآنِ پاک میں یہ آیت نازل ہوئی:[4]

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ﴾ (نحل : ١٠٦)

''جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کا انکار کرے مگر وہ جو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا

---

[1] اصابہ تذکرہ سمیہ ام عمار رضی اللہ عنہا [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۸۸

[3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۸۷ [4] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۷۸

Marfat.com

دل ایمان سے مطمئن ہے (اس سے کوئی مواخذہ نہیں)''۔

ایک مرتبہ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ''کیا قریش مسلمانوں کو اس قدر اذیت پہنچاتے تھے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ دینے پر مجبور ہو جائیں؟'' بولے ''خدا کی قسم ہاں! وہ ان کو مارتے تھے' بھوکا اور پیاسا رکھتے تھے' یہاں تک کہ ضعف اور کمزوری سے وہ اٹھنے بیٹھنے سے بھی مجبور ہو جاتے تھے' اسی حالت میں وہ جو کچھ چاہتے تھے ضمیر کے خلاف ان سے اقرار کرا لیتے تھے''۔[1] غرض حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی انہیں گرفتارانِ مصائب میں تھے' جنہوں نے راہِ خدا میں صبر و استقامت کے ساتھ گوناگوں مصائب اور مظالم برداشت کیے' لیکن آئینہ دل سے توحید کا عکس زائل نہ ہوا' ضعیفی کے عالم میں جن لوگوں نے ان کی پیٹھ ننگی دیکھی تھی' وہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت تک کثرت کے ساتھ سیاہ لکیریں تپتی ہوئی ریت اور دہکتے ہوئے انگاروں کے داغ' کی ان کی پیٹھ پر موجود تھے۔[2]

ہجرت:

ان کے حبشہ کی ہجرت کے متعلق اربابِ سیر میں اختلاف ہے' بعضوں کا خیال ہے کہ وہ دوسری ہجرت میں شریک تھے' مدینہ کی ہجرت کا عام حکم ہوا تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے بھی اس سرزمین امن کی راہ لی' اور حضرت مبشر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں حضرت حذیفہ بن الیمان انصاری رضی اللہ عنہما سے بھائی چارہ کرا دیا' اور مستقل سکونت کے لیے ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا۔[3]

تعمیر مسجد:

مدینہ کی ہجرت کے چھ سات مہینوں کے بعد مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بنیاد ڈالی گئی' سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جوش دلانے کے لیے خود کام میں حصہ لیا'

---

1. اسد الغابہ تذکرۂ عمار رضی اللہ عنہ
2. ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۷
3. طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۷۹

Marfat.com

حضرت عمار رضی اللہ عنہ اینٹ گارا لا لا کر دیتے تھے اور زبان پر رجز جاری تھا:

نحن المسلمون نبتنی المساجدا۔ [1]

''ہم مسلمان ہیں' ہم مسجد بناتے ہیں''۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور عمار رضی اللہ عنہ دو دو اینٹ اٹھاتے تھے' ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گذرے تو آپ نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کے سر سے غبار صاف کر کے فرمایا افسوس عمار (رضی اللہ عنہ)! تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا۔[2] تم اسے خدا کی طرف دعوت دو گے اور وہ تمہیں جہنم کی طرف بلائے گا۔[3]

ایک دفعہ کسی نے ان کے سر پر اس قدر بوجھ لاد دیا کہ لوگ چلا اُٹھے ''آج عمار مر جائیں گے' آج عمار مر جائیں گے''۔ وہ اس سے پہلے بھی تکلیف مالایطاق کی شکایت کر چکے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو کچھ اینٹیں اتار کر پھینک دیں اور فرمایا اور افسوس! ابن سمیہ تمہیں گروہ باغی قتل کرے گا''۔[4]

غزوات

غزوۂ بدر سے تبوک تک جس قدر اہم معرکے پیش آئے' سب میں وہ جانبازی و شجاعت کے ساتھ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے' عہد صدیقی کی اکثر خونریز جنگوں میں بھی خوب دادِ شجاعت دی' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یمامہ کی جنگ میں ان کا ایک کان شہید ہو گیا' جو سامنے ہی زمین پر پھڑک رہا تھا' لیکن وہ بے پرواہی کے ساتھ حملے پر حملے کر رہے تھے اور جس طرف رُخ کرتے تھے صفیں کی صفیں تہ و بالا کر دیتے تھے' ایک دفعہ مسلمانوں کے پاؤں پیچھے پڑنے لگے' انہوں نے ایک بلند چٹان

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۷۹ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۸۷

[3] بخاری شریف جلد ۱ [4] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۸۱

Marfat.com

پر کھڑے ہو کر للکارا "اے گروہِ مسلمانان! کیا جنت سے بھاگ رہے ہو؟ میں عمار بن یاسر ہوں' آؤ میرے پاس آؤ"۔[1] اس صدا نے سحر کا کام کیا' اور جنت کے شیدائی یکا یک سنبھل کر ٹوٹ پڑے۔

کوفہ کی حکومت:

خلیفہ دوم نے ۲۰ھ میں ان کو کوفہ کا والی بنایا' اور اہل کوفہ کے نام حسب ذیل فرمان جاری فرمایا:

امابعد فانی بعثت الیکم عمار بن یاسر ﷺ امیر او ابن مسعود ﷺ معلمًا وزیرًا' وقد جعلت ابن مسعود ﷺ علی بیت ما لکم و انھم لمن النجبآء من اصحٰب محمد من اھل بدر فاسمعوا لھما و اطیعوا و اقتد و ابھما و قد اشرتکم بابن ام عبد علی نفسی و بعث عثمان بن حنیف علی السواد و رزقتھم کل یوم شاۃ فاجعل شطرھا و بطنھا لعمار و الشطر الباقی بین ھؤلاء الثلا ثۃ۔[2]

"اما بعد! میں عمار بن یاسر کو امیر اور ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) کو معلم اور وزیر مقرر کر کے بھیجتا ہوں' خزانہ کا اہتمام و انصرام بھی ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) کے متعلق کیا ہے' یہ دونوں حضرت محمد ﷺ کے ان شریف اصحاب میں سے ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک تھے' اس لیے ان دونوں کی فرمانبرداری اطاعت اور پیروی کرو' میں نے ام عبد کے بیٹے (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) کو اپنے سے الگ کر کے تمہارے پاس بھیج کر تم کو اپنے اوپر ترجیح دی ہے' عثمان بن حنیف کو عراق (کی پیمائش) پر مامور کر کے بھیجتا ہوں اور ان کے رسد کے لیے روزانہ ایک بکری مقرر کرتا ہوں جس کا ایک حصہ اور شکم عمار کے لیے مخصوص رہے گا' اور باقی حصے ان تینوں میں منقسم ہوں گے"۔

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۸۱ [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۸۲

Marfat.com

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ایک سال ۹ ماہ تک نہایت خوش اسلوبی اور بیدار مغزی کے ساتھ اپنے فرائض منصبی انجام دیئے' لیکن اسی اثناء میں اہل بصرہ اور اہل کوفہ کی باہمی منافست اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی غیر جانبداری نے کوفہ کے رئیسوں کو ان سے ناراض کر دیا' واقعہ کی تفصیلی کیفیت یہ ہے۔

بصرہ کی کثرتِ آبادی کے لحاظ سے اس صوبہ کا رقبہ نہایت مختصر تھا' اس بنا پر عمرو بن سراقہ نے بصرہ والوں کی طرف سے دربارِ خلافت میں درخواست کی کہ کوفہ کے وسیع علاقہ سے ماہ یا ماسبندان کا پرگنہ بصرہ میں شامل کر دیا جائے' کوفہ والوں کو خبر ہوئی تو وہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ والی کوفہ سے خواستگار ہوئے' کہ وہ اس کی مخالفت کریں اور رامہرمز اور ایذج کے اضلاع پر بھی اپنا دعویٰ پیش کریں' کیونکہ ان دونوں کو اہل بصرہ کی اعانت و امداد کے بغیر ہم لوگوں نے فتح کیا تھا' لیکن حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے سرد مہری کے ساتھ اس کو ٹال دیا' اور فرمایا: "مجھے ان جھگڑوں کی کیا ضرورت ہے؟" اس پر ایک کوفی رئیس عطارد نے غضبناک ہو کر کہا "اے کن کٹے! پھر تو ہم سے خراج کس بنا پر طلب کرتا ہے؟" حضرت عمار رضی اللہ عنہ صرف یہ کہہ کر خاموش ہو رہے "افسوس! تم نے میرے سب سے زیادہ بہتر اور محبوب کان کو گالی دی۔"[1]

غرض حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں بالکل غیر جانبداری اختیار کر لی' اور کوفہ والوں کے احتجاج کے باوجود رامہرمز' ایذج اور ماہ کا علاقہ بصرہ میں شامل کر دیا گیا' یہ نقصان ایسا نہ تھا جو والی کی طرف سے اہل کوفہ کے دلوں میں ناراضی کی گرہ نہ ڈالتا' اس کے بعد ہی شکوہ شکایت اور سازش کا سلسلہ شروع ہوا' اور امیر المومنین کو باور کرایا گیا کہ وہ اس منصب کی اہلیت نہیں رکھتے' انجام کار دار الخلافہ بلا کر اس عہدہ سے معزول کیے گئے[2] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معزولی کے بعد دوسرے روز بلا کر پوچھا کہ "تم میرے اس طریق عمل سے کچھ ناراض تو نہ ہوئے؟" بولے "جب آپ پوچھتے ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ میں نہ تو

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۶۷۶ [2] تاریخ طبری ص ۲۶۷۷

Marfat.com

پہلے اپنی تقرری سے خوش ہوا تھا اور نہ اب اپنی معزولی سے ناراض ہوں"۔[1]

تحقیقات پر مامور ہونا:

خلیفہ ثالث کے عہد حکومت میں تمام ملک شورش و فتنہ پردازی کی آماجگاہ ہو گیا' ۳۵ھ میں خلیفہ وقت نے اس شورش کے اصلی اسباب کی تحقیق و تفتیش کے لیے ایک تحقیقاتی کمیشن مرتب کیا' حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی اس کے ایک رکن قرار پائے اور فتنہ پردازی کے اصل مرکز صوبہ مصر کی طرف روانہ کئے گئے۔

خلیفہ ثالث سے اختلاف:

تحقیقاتی کمیشن کے تمام ارکان نے بہت جلد اپنے متعلقہ مقامات سے واپس آ کر قابل اطمینان رپوٹ پیش کر دی' لیکن حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی واپسی میں غیر معمولی تاخیر ہو گئی' اور دارالخلافہ میں ان کی نسبت طرح طرح کے خیالات پیدا ہونے لگے' یہاں تک کہ عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ والی مصر کے ایک خط نے توقف کی اصلی وجہ ظاہر کر دی' اس خط کے فقرے یہ ہیں:

ان عمار اقد استماله قوم بمصر وقد انقطعوا اليه منهم عبد الله بن السوداء و خالد بن ملجم و سودان بن حمران و كنانة بن بشر.

"عمار کو مصر کی ایک قوم نے اپنا طرفدار بنا لیا ہے اور ان میں سے عبداللہ بن السودا اور خالد بن ملجم سودان بن حمران اور کنانہ بن بشران کی طرف جا ملے ہیں"۔

غرض وہ مصر سے واپس آئے تو انقلاب پسند جماعت کا اثر ان کے خیالات میں نمایاں تھا۔[2] عام مجمعوں میں علانیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے طرزِ حکومت اور اعمال کی بے اعتدالیوں پر نکتہ چینی کرتے تھے' یہاں تک کہ اسی حالت میں کبھی کبھی طرف دارانِ خلافت سے جھڑپ بھی ہو گئی' ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلاموں نے ان کو اس قدر مارا کہ تمام جسم ورم کر گیا' شکم میں خراش آ گئی' اور پسلی کی ایک ہڈی کو سخت صدمہ پہنچا' بنی مخزوم

---

[1] ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۸۳ [2] تاریخ طبری ص ۲۹۴۳

Marfat.com

نے جن سے جاہلیت میں حلف وموالات کا تعلق تھا یہ سن کر کاشانہ خلافت کو گھیر لیا اور دھمکی دی کہ اگر عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما اس صدمہ سے جانبر نہ ہوں گے تو ہم ضرور انتقام لیں گے۔[1]

اس قسم کے واقعات سے اختلاف کی خلیج روز بروز زیادہ وسیع ہوتی گئی' یہاں تک کہ جب مصری مفسدین مدینہ پہنچے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی معرفت کہلا بھیجا کہ وہ اپنے اثر سے ان کو واپس کر دیں تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔[2] بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ محاصرہ کی کاروائی میں شریک تھے۔

سفارتِ کوفہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلافت کا بارِ گراں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر ڈالا گیا' حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو ان سے جو خاص انس وخلوص تھا اس کے لحاظ سے تمام مہماتِ امور میں وہ ان کے دست و بازو ثابت ہوئے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے جب شہید خلیفہ کے قصاص کا مطالبہ کر کے جنگی تیاریوں کے لیے بصرہ کا رُخ کیا تو خلیفہ چہارم کے حکم سے وہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے کہ اہل کوفہ کو خلافت کے تحفظ وحمایت پر آمادہ کریں۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کوفہ پہنچے تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جامع مسجد میں ایک مجمع کے سامنے غیر جانبداری کا وعظ بیان فرما رہے تھے' حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: ''تم ابھی ہماری مسجد سے نکل جاؤ'' اور منبر پر کھڑے ہو کر ایک نہایت پر جوش تقریر کی''۔[3] حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ منبر پر چڑھ گئے اور تقریر کرتے ہوئے فرمایا: ''صاحبو! بیشک میں جانتا ہوں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا دنیا اور آخرت میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمِ محترم ہیں' لیکن اس وقت خدا تمہاری آزمائش کر رہا ہے کہ تم اس کی فرمانبرداری کرتے ہو یا عائشہ رضی اللہ عنہا کا ساتھ دیتے ہو۔[4] حجر بن عدی نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی تائید

---

[1] استیعاب جلد۲ ص۴۳۴ [2] طبری [3] اخبار الطوال ص۱۴۶

[4] مسند احمد بن حنبل جلد۴ ص ۲۶۵

Marfat.com

کی اور دوسرے روز صبح کے وقت تقریباً ساڑھے نو ہزار جانباز سپاہیوں کی ایک فوجِ گراں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوگئی۔[1]

جنگ جمل:

ماہ جمادی الاخریٰ ۳۶ھ میں دونوں طرف کی فوجیں مقام ذی قار میں مجتمع ہوئیں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہیں تو انہیں نظر آنے لگا کہ وہ غلطی پر ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ حق عمار (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ہے اور باغی گروہ ان کو قتل کرے گا' اس کے ساتھ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ایسی بات یاد دلائی کہ وہ اسی وقت اس خانہ جنگی سے کنارہ کش ہو گئے۔

جمعرات کے روز جنگ ہوئی' حضرت عمار رضی اللہ عنہ میسرہ پر متعین تھے' چونکہ انہیں یقین تھا کہ وہ حق کا ساتھ دے رہے ہیں' اس لیے غیر معمولی جوش سے لڑے' یہاں تک کہ حامیانِ خلافت کی فتح پر اس افسوس ناک جنگ کا خاتمہ ہوا۔[2]

جنگ صفین:

جنگ جمل کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صفین کا معرکہ پیش آیا' حضرت عمار رضی اللہ عنہ اس جنگ میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف تھے' اس وقت ۹۱ برس کا ان کا سن تھا' لیکن حمایت حق کے جوش نے اکانوے برس کے بڈھے کو شجاعت و جانبازی کا مجسم پتلا بنا دیا تھا' رعد کی طرح گرجتے ہوئے جس طرف گھس جاتے تھے صفیں کی صفیں درہم برہم کر دیتے تھے' ایک دفعہ اثنائے جنگ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے علم بردار حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر نظر پڑی تو بولے ''میں اسی علمبردار سے تین دفعہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں لڑ چکا ہوں' اب یہ چوتھی مرتبہ ہے' خدا کی قسم اگر وہ ہم کو شکست دیتے ہوئے مقام ہجر تک بھی پسپا کر دیں جب بھی میں یہی سمجھوں گا کہ ہم لوگ حق پر ہیں' اور وہ غلطی پر''۔[3]

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۴۷ [2] اخبار الطوال ص ۱۴۹

[3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۸۵

Marfat.com

شہادت:

ایک روز شام کے وقت جب آفتاب غروب ہو رہا تھا' اور جنگ پورے زور کے ساتھ جاری تھی' حضرت عمار رضی اللہ عنہ دودھ کے چند گھونٹ حلق سے فرو کر کے بولے ''رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ہے کہ دودھ کا یہ گھونٹ تیرے لیے دنیا کا آخری توشہ ہے''۔ اور کہتے ہوئے غنیم کی صف میں گھس گئے کہ ''آج میں اپنے دوستوں سے ملوں گا' آج میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے گروہ سے ملوں گا''۔[1] کچھ ایسے عزم واستقلال سے حملہ آور ہوئے تھے کہ جس طرف نکل گئے پرے کا پرصاف ہو گیا' اور جس پر وار کیا ڈھیر ہو کر رہ گیا' واقف کار مسلمان ان پر ہاتھ اٹھانے سے پہلو بچاتے تھے' لیکن اسی حالت میں ابن الغاویہ کے نیزہ نے ان کو مجروح کر کے زمین پر گرادیا' اور ایک دوسرے شامی نے بڑھ کر سرتن سے جدا کر دیا۔ یہ دونوں قاتل جھگڑتے ہوئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں پہنچے کیونکہ ان میں ہر ایک اس کارنامہ کو اپنی طرف منسوب کرتا تھا' حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حاضر دربار تھے' انہوں نے کہا: ''خدا کی قسم یہ دونوں جہنم کے لیے جھگڑ رہے ہیں'' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے برہم ہو کر کہا: ''عمرو! تمہاری یہ کیا حالت ہے؟ جو لوگ ہمارے لیے اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں' ان کو ایسا کہتے ہو''۔ بولے: ''خدا کی قسم ایسا ہی ہے' کاش آج سے بیس برس پہلے مجھے موت آگئی ہوتی''۔[2]

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی شہادت سے سخت پریشانی لاحق ہوئی اور اس جنگ سے کنارہ کش ہونے کے لیے تیار ہو گئے' لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر تسلی دی کہ عمار (رضی اللہ عنہ) کے قاتل ہم نہیں ہیں بلکہ وہ جماعت ہے جو ان کو میدانِ جنگ میں لائی۔[3]

---

1. طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۸۵
2. طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۸۵
3. طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۸۰ و مستدرک وحاکم جلد ۳ ص ۳۸۷

Marfat.com

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت سے درحقیقت حق و ناحق کا فیصلہ ہوگیا' حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ جنگ جمل اور معرکہ صفین میں شریک تھے' لیکن اس وقت تک کسی طرف سے اپنی تلوار بے نیام نہیں کی تھی' حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت نے ثابت کر دیا کہ انہیں حیدر کرار رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینا چاہیے چنانچہ اس کے بعد تلوار کھینچ کر شامی فوج پر ٹوٹ پڑے اور شدید کشت وخون کے بعد شہادت حاصل کی۔[1] اسی طرح تمام دوسرے محتاط صحابہؓ بھی جو پس و پیش کر رہے تھے' اس صریح فیصلہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرفدار ہو گئے۔

تجہیز و تکفین:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب اپنے مونس و جانثار کی شہادت کی خبر سنی تو آہ سرد کھینچ کر فرمایا: ''خدا نے عمار رضی اللہ عنہ پر رحم کیا' جس دن اسلام لائے' خدا نے رحم کیا' جس دن شہید ہوئے' اور خدا ان پر رحم کرے گا' جس دن زندہ اٹھائے جائیں گے میں نے ان کو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا تھا جب کہ صرف چار یا پانچ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اعلانِ ایمان کی توفیق عطا ہوئی تھی' قدیم صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی ان کی مغفرت میں شک نہیں کر سکتا' عمار (رضی اللہ عنہ) اور حق لازم و ملزوم تھے' اس لیے ان کا قاتل یقیناً جہنمی ہوگا'' اس کے بعد تجہیز و تکفین کا حکم دیا' خود جنازہ کی نماز پڑھائی اور خود آلود پیراہن کے ساتھ ۹۱ برس کی عمر میں اس حامی حق کو زیر زمین نہاں کر دیا۔[2] انا للہ وانا الیہ راجعون' کوفہ کی زمین کو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دامن میں لینے کا یہ پہلا موقع تھا۔[3]

اخلاق:

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا معدنِ اخلاق گراں مایہ جواہر سے لبریز تھا۔ جفاکشی'

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جز وثالث ص ۱۸۷

[2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۸۷

[3] مستدرک جلد ۳ ص ۳۸۲

Marfat.com

استقامت استقلال اور حقانیت کے واقعات پہلے گذر چکے ہیں، ورع وتقویٰ کے باعث سکوت وکم سخنی ان کا خاص شعار تھا، فتنہ وفساد سے ہمیشہ پناہ مانگا کرتے تھے، لیکن خدا نے سب سے بڑے فتنہ میں ان کا امتحان لیا اور کامیابی کے ساتھ حق کا طرف دار بنا دیا۔[1]

سادگی، تواضع اور خاکساری کا یہ حال تھا کہ فرشِ خاک ان کے لیے سب سے زیادہ راحت بخش بستر تھا، غزوۂ ذات العشیرہ کے موقع پر بنی مدلج کے چند آدمی ایک نخلستان سے نہر نکال رہے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا ''ابوالیقظان چلو دیکھیں یہ لوگ کیا کر رہے ہیں، غرض وہاں پہنچ کر گھنٹوں تماشا دیکھتے رہے، یہاں تک کہ نیند کا غلبہ ہوا، اور دونوں اسی جگہ ایک درخت کے نیچے فرش خاک پر بے تکلفی کے ساتھ سو رہے۔[2]

عہد فاروقی میں کوفہ کے والی تھے، لیکن ایک گورنر کی سادگی و بے تکلفی یہ تھی کہ خود بازار جا کر سودا سلف خریدتے، اور اپنی پیٹھ پر لاد کر لے آتے تھے، اسی طرح اپنا تمام کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے، حضرت مطرف فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کوفہ میں میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا، اثنائے گفتگو میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بعض بے اعتدالیوں کا تذکرہ آیا تو ایک شخص نے جو وہاں بیٹھا ہوا اپنے چرمی پیراہن میں پیوند ٹانک رہا تھا، برہم ہو کر کہا ''اے فاسق کیا تو امیر المومنین کی مذمت کر رہا ہے؟'' میرے دوست نے عفو خواہی کر کے کہا ''ابوالیقظان! جانے دو یہ میرے مہمان ہیں'' اس وقت میں نے پہچانا کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما یہی ہیں۔[3]

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا ہر ایک قدم صرف خدائے پاک کی خوشنودی ورضامندی کی راہ میں اٹھتا تھا، جنگ جمل اور غزوۂ صفین میں بھی درحقیقت اسی مطمح نظر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زیر علم لا کر کھڑا کیا، صفین کی فوج کشی میں ساحل فرات کی راہ سے میدانِ جنگ

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۸۳

[2] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۶۳

[3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۱۸۲

Marfat.com

کی طرف بڑھ رہے تھے اور بار بار کہتے جاتے تھے ''اے خدا! اگر میں جانتا کہ پہاڑ سے کود کر، آگ میں جل کر یا پانی میں ڈوب کر جان دینا تیری خوشنودی کا باعث ہوگا تو ضرور تجھے خوش کرتا، میں لڑنے جاتا ہوں، لیکن اس میں بھی تیری رضا جوئی مقصود ہے، امید ہے کہ اس مقصد میں تو مجھے ناکام نہ رکھے گا''۔[1] آپ کی عظمت اور قوتِ ایمانی کا ضامن خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ ''عمار کے رگ و پے میں ایمان سرایت کیے ہوئے ہے'' اور شیطان سے مامون رہنے کی دعا ہے۔[2]

مذہبی زندگی:

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو خدائے واحد کی عبادت و پرستش میں خالص لطف حاصل ہوتا تھا۔ رات رات بھر نماز اور وظائف میں مشغول رہتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت:

﴿ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا یَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ یَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ﴾

(زمر: ۱)

''کیا وہ شخص جو رات کو بندگی کرتا ہے سجدہ کر کے اور کھڑا ہو کر آخرت سے خوف کھاتا ہے اور اپنے خدا کی رحمت کا امید وار رہتا ہے (کہیں نافرمان بندوں کے برابر ہوسکتا ہے)''۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ ہی کی نسبت نازل ہوئی ہے[3] خشوع و خضوع اور توجہ الی اللہ کو نماز کی اصل روح سمجھتے تھے، ایک دفعہ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو جلدی جلدی دوگانہ ادا کر کے بیٹھ رہے، لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اس قدر عجلت کیوں کی؟ بولے ''اس وقت مجھے شیطان سے مسابقت کرنا پڑی''۔[4] معذوری کی حالت میں بھی نماز قضا نہیں ہوتی تھی، ایک مرتبہ سفر کے موقع پر غسل کی حاجت پیش آئی اور باوجود سعی و کوشش پانی دستیاب نہ

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۱۸۴ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۳
[3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۸۷ [4] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۶۳

Marfat.com

ہوا چونکہ جانتے تھے کہ مٹی پانی کا نعم البدل ہے' اس لیے تمام جسم پر خاک مل کر نماز پڑھ لی' جب سفر سے واپس آئے اور آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو ارشاد ہوا ''ایسی حالت میں بھی صرف تیمم کافی ہے''۔[1]

جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے منبر پر بیٹھ کر عموماً سورہ یٰسین تلاوت فرماتے تھے۔[2] خطبہ نہایت فصیح و بلیغ ہوتا تھا اور اس میں ایجاز و اختصار خاص طور پر ملحوظ رکھتے تھے' ایک دفعہ کسی نے اس اختصار پر اعتراض کیا تو بولے کہ ''رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ نماز کو طول دینا اور خطبہ مختصر کرنا انسان کی سمجھ کی علامت ہے''۔[3]

حلیہ:

حلیہ یہ تھا' قد بلند و بالا' نرگسی آنکھیں' سینہ چوڑا اور بدن خوب بھرا ہوا' شہادت کے وقت گو ان کی عمر نوے اکانوے برس کی تھی تاہم بظاہر پیری کے آثار بہت کم طاری ہوئے تھے۔[4]

---

1. مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۶۳
2. طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۸۲
3. مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۶۳
4. طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۸۹

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما

نام ونسب:

عبداللہ نام' ابو محمد اور ابو عبدالرحمان کنیت' والد کا نام عمرو بن العاص اور والدہ کا نام ریطہ بنت منبہ تھا' شجرۂ نسب یہ ہے:

عبداللہ بن عمرو بن العاص بن وائل بن ہاشم بن سعید بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوی القرشی۔

اسلام:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔[1]

مصاحبت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم):

وہ دربارِ نبوت میں اکثر حاضر رہتے تھے' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے جو کچھ سنتے اس کو لکھ لیتے تھے' ایک مرتبہ قریش کے چند بزرگوں نے ان کو اس سے منع کیا اور کہا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالت غیظ و انبساط میں خدا جانے کیا کیا کچھ فرماتے ہیں' آپ سب کو قلمبند نہ کیا کیجئے''۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت سے جو وقت بچتا تھا وہ تمام تر یادِ حق میں صرف ہوتا تھا' دن عموماً روزوں میں بسر ہوتا' اور رات عبادت میں گذر جاتی تھی' رفتہ رفتہ یہ مشغلہ اس قدر بڑھا کہ اہل و عیال اور تمام دنیاوی تعلقات سے کنارہ کش ہو گئے' حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے دربارِ نبوت میں ان کی اس راہبانہ زندگی کی شکایت کی تو آپ نے ان کو بلا کر اپنے والد کی اطاعت کی تاکید کی اور فرمایا ''عبداللہ! روزے رکھو اور افطار کرو' نمازیں

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۳ [2] مسند احمد جلد ۲ ص ۱۹۲

Marfat.com

پڑھو اور آرام کرو' نیز بیوی بچوں کا حق ادا کرو' یہی میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقے سے اعراض کرے گا وہ میری امت سے نہیں ہے''۔[1]

غزوات

عہد نبوت کے بعض غزوات میں شریک تھے' جہاد و فوج کشی کے موقع پر عموماً سواری و بار برداری کا اہتمام ان کے سپرد ہوتا تھا' ایک مرتبہ عمرو بن حریش نے ان سے پوچھا ''ابو محمد! ہم لوگ ایسی جگہ رہتے ہیں جہاں درہم و دینار کا چلن نہیں' مویشی اور جانور ہمارے مال و اسباب ہیں' ہم آپس میں بکریوں کے عوض اونٹ' گائے کے بدلے گھوڑے اور گھوڑوں کے عوض اونٹ ادھار خرید و فروخت کرتے ہیں' اس میں کوئی مضائقہ تو نہیں؟'' فرمایا تم ایک واقف کار شخص کے پاس آئے' ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو شتر سواروں کی ایک فوج مرتب کرنے کا حکم دیا' چنانچہ میرے اہتمام میں جس قدر اونٹ تھے ایک ایک کر کے سب پر لوگوں کو میں نے سوار کرایا' تاہم کچھ لوگ ایسے رہ گئے جن کے پاس سواری نہ تھی' میں نے بارگاہِ نبوت میں عرض کی ''یا رسول اللہ ﷺ! تمام سواریاں تقسیم ہو گئیں' لیکن پھر بھی ایک جماعت ایسی رہ گئی جس کو کوئی سواری نہ مل سکی''۔ ارشاد ہوا کہ ''ایک اونٹ کے عوض صدقہ کے دو دو' تین تین اونٹوں کا وعدہ کر کے کچھ اونٹ خرید لو'' چنانچہ اس طرح میں نے حسبِ ضرورت اونٹ فراہم کر لیے۔[2]

جنگ یرموک:

یرموک کی عظیم الشان جنگ میں نہایت جانبازی کے ساتھ سرگرمِ پیکار تھے' حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس جنگ میں اپنا علم قیادت ان کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔[3]

---

[1] مسند احمد جلد ۴ ص ۱۵۸ [2] دار قطنی

[3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۴

Marfat.com

واقعہ صفین

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے طرف دار تھے' اس لیے جب واقعہ صفین پیش آیا تو انہوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج میں شریک ہونے پر مجبور کیا لیکن درحقیقت وہ اس خانہ جنگی سے سخت متنفر تھے' یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جنگ میں عملاً کوئی حصہ نہیں لیا اور بارہا اپنے والد کو اس سے کنارہ کش ہونے کا مشورہ دیا۔[1]

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے سرگرم پیکار تھے' وہ شہید ہوئے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی یاد آ گئی اور اپنے والد سے مخاطب ہو کر کہا ''کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ افسوس ! ابن سمیہ کو گروہ باغی قتل کرے؟'' حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر کہا: ''آپ نہیں سنتے' عبداللہ کیا کہہ رہے ہیں'' امیر معاویہؓ نے تاویل کرتے کہا ''یہ ہمیشہ ایک نیا طرفہ لے کر آتے ہیں' کیا عمار رضی اللہ عنہ کو ہم نے قتل کیا ہے؟ درحقیقت ان کے قتل کی ذمہ داری اس پر ہے جو ان کو اپنے ساتھ لایا''۔[2]

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما پر دو آدمیوں نے ایک ساتھ حملہ کیا تھا' وہ دونوں جھگڑتے ہوئے امیر معاویہؓ کے دربار میں آئے کیونکہ ان میں سے ہر ایک اس کارنامہ کو تنہا اپنی طرف منسوب کرتا تھا' حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما حاضر دربار تھے' انہوں نے کہا: ''تم میں سے کسی کو بخوشی اپنے کا دعویٰ تسلیم کر لینا چاہیے' کیونکہ میں نے رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ کو باغی قتل کرے گا''۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے برہم ہو کر ان کے والد سے کہا ''عمرو! تم اپنے اس مجنوں کو مجھ سے الگ نہیں کرو گے؟'' اور خود ان سے کہا ''اگر ایسا ہے تو تم کیوں میرے ساتھ ہو؟'' حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: ''میں صرف اس لیے آپ کے ساتھ ہوں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہدایت فرمائی تھی

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶ [2] مسند احمد جلد ۲ ص ۱۶۱

Marfat.com

کہ جب تک زندہ رہنا اپنے باپ کے مطیع و فرمان بردار رہنا''[1]

گو اس خانہ جنگی میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا دامن قتل و خونریزی سے ملوث نہیں ہوا تاہم وہ اس نام نہاد شرکت پر بھی سخت نادم و پشیمان تھے' نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے ''میں اور صفین میں' اور مسلمانوں کی خونریزی' کاش! اس سے بیس سال پہلے میں دنیا سے اٹھ گیا ہوتا''۔[2]

اعتذار:

حضرت رجاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ایک مرتبہ میں ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے' عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے (حضرت امام) حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو آتے ہوئے دیکھ کر کہا'' کیا تمہیں اس شخص سے آگاہ نہ کروں جو آسمان والوں کے نزدیک دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہے؟'' لوگوں نے کہا ''کیوں نہیں؟'' فرمایا: ''وہ یہ ہے جو تمہارے سامنے ٹہل رہا ہے' واقعہ صفین کے بعد سے اس کی مجھ سے کوئی گفتگو نہیں ہوئی' حالانکہ اس کی خوشنودی میرے نزدیک تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہے'' ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کیا آپ ان سے مل کر عذر خواہی نہ کریں گے؟'' بولے ''کیوں نہیں؟'' دوسرے روز ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر عذر خواہی کے لیے تشریف لے گئے' حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو ان سے ملنے میں پس و پیش تھا' لیکن حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے اصرار کے بعد اندر آنے کی اجازت حاصل کی اور واقعہ صفین میں اپنی شرکت کی عذر خواہی کرتے ہوئے کہا ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق میں اپنے والد کی اطاعت پر مجبور تھا' لیکن خدا کی قسم! میں نے اس جنگ میں نہ تو اپنی تلوار برہنہ کی' نہ نیزہ سے کسی کو زخمی کیا اور نہ کوئی تیر چلایا''۔[3]

---

[1] مسند احمد جلد ۲ ص ۲۰۶ [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۴ [3] ایضاً

Marfat.com

وفات:

۶۵ھ میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فسطاط میں وفات پائی، لوگوں نے ان کو گھر ہی میں دفن کر دیا، کیونکہ اس زمانہ میں مروان بن الحکم اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی فوجوں میں نہایت شدید جنگ ہو رہی تھی، اور جنازہ کا عام قبرستان تک پہنچانا سخت دشوار تھا۔[1]

حلیہ:

حلیہ یہ تھا، قد بلند و بالا، پیٹ بھاری، رنگ سرخ، اخیر عمر میں سر اور داڑھی کے بال سفید ہو گئے تھے۔

علم وفضل

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اپنے علم و فضل کے لحاظ سے طبقہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں خاص امتیاز رکھتے تھے، انہوں نے اپنی مادری زبان کے علاوہ عبرانی میں بھی مخصوص دستگاہ حاصل کی تھی، اور توریت و انجیل کا نہایت غور سے مطالعہ کیا تھا، احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جس قدر کثیر ذخیرہ ان کے پاس تھا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تک کو اعتراف تھا کہ ''عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو مجھ سے زیادہ حدیثیں یاد تھیں، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتے تھے لکھ لیتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا''۔[2]

مجموعہ حدیث کے پہلے مدون:

انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و ملفوظات کا ایک مجموعہ جمع کیا تھا، جس کا نام صادقہ رکھا تھا، چنانچہ جب ان سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جاتا جس کے متعلق انہیں زبانی کچھ یاد نہ ہوتا تو اس میں دیکھ کر جواب دیتے تھے، ابوقبیل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے پوچھا کہ ''قسطنطنیہ پہلے فتح کیا جائے گا یا رومیہ؟'' ان کو زبانی یاد نہ تھا، انہوں

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶ [2] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶

Marfat.com

نے صندوق منگا کر ایک کتاب نکالی اور اس کو ایک نظر دیکھ کر فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے لکھ رہے تھے کہ کسی نے یہی سوال کیا' ارشاد ہوا کہ "ہرقل کا شہر (یعنی قسطنطنیہ) پہلے فتح کیا جائے گا"۔[1]

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اس مجموعہ کو نہایت عزیز رکھتے تھے' مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور بستر کے نیچے سے ایک کتاب نکال کر دیکھنے لگا' انہوں نے منع کیا' میں نے کہا: "آپ تو مجھ کو کسی چیز سے منع نہ فرماتے تھے' یہ کیا ہے؟" فرمایا "یہ وہ صحیفہ حق ہے جس کو میں نے تنہا رسول اللہ ﷺ سے سن کر جمع کیا تھا" پھر فرمایا اگر صحیفہ اور قرآن اور وہط کی جاگیر مجھ کو دے دی جائے تو پھر مجھ کو دنیا کی کچھ پرواہ نہ ہو"۔[2]

مرویات کی تعداد:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی مرویات کی تعداد سات سو (۷۰۰) ہے جس میں ۷ بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں' ان متفق علیہ حدیثوں کے علاوہ ۸ بخاری میں ہیں اور ۲۰ مسلم میں۔[3]

حلقہ درس:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا حلقہ درس نہایت وسیع تھا' لوگ دور دراز ممالک سے سفر کر کے تحصیل حدیث کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے' اور وہ جہاں پہنچ جاتے تھے' شائقین علم کا ایک مجمع ان کے گرد و پیش ہو جاتا تھا' ایک نخعی شیخ کا بیان ہے کہ "ایک مرتبہ میں ایلیاء کی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک شخص میرے پہلو میں آکر کھڑا ہوا' نماز کے بعد لوگ ہر طرف سے اس کے پاس سمٹ آئے' دریافت سے معلوم ہوا کہ عبداللہ ابن عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہما) یہی ہیں"۔[4]

---

[1] مسند احمد جلد ۲ ص ۱۷۶ [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۴ [3] تہذیب ص ۲۰۸

[4] مسند احمد جلد ۲ ص ۱۹۸

Marfat.com

وہ اپنے تلامذہ کے ساتھ نہایت محبت کے ساتھ پیش آتے تھے' ایک دفعہ ان کے گرد بہت بڑا مجمع تھا' ایک شخص اس کو چیرتا ہوا آگے بڑھا' لوگوں نے روکا تو فرمایا ''اس کو آنے دو'' غرض وہ ان کے پاس آ کر بیٹھا اور بولا کہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی فرمان یاد ہو تو بیان کیجئے' فرمایا: ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ''مسلم وہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے محفوظ رہیں' اور مہاجر وہ ہے جو خدا کی منع کی ہوئی باتوں کو چھوڑ دے'' [1]

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے خرمن علم سے اہل بصرہ نے زیادہ خوشہ نشینی کی کیونکہ ان کے حلقہ درس میں نسبتاً بصرہ والوں کا زیادہ جوم رہتا تھا۔[2]

اربابِ علم کی قدر شناسی:

وہ اپنے ذی علم معاصرین کی نہایت عزت کرتے تھے' ایک مرتبہ ان کے سامنے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا گیا تو بولے ''تم لوگوں نے ایک ایسے شخص کا تذکرہ کیا جس کو میں اس دن سے بہت دوست رکھتا ہوں جس دن رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو اور سب سے پہلے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔[3]

اخلاق:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اپنے زہد و تقویٰ اور کثرتِ عبادت کے لحاظ سے خاص شہرت رکھتے تھے' طبیعت فطرۃً رہبانیت کی طرف مائل تھی' دن عموماً روزوں میں بسر ہوتا اور رات عبادت میں گذر جاتی تھی' آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے بلا کر فرمایا: ''عبداللہ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے عہد کیا ہے کہ تمام عمر دن کو روزے رکھو گے اور رات عبادت میں صرف کرو گے'' بولے ''ہاں! یا رسول اللہ (بابی انت و امی) فرمایا

---

[1] مسند احمد جلد ۲ ص ۱۹۲ [2] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶

[3] مسلم باب مناقب عبداللہ بن مسعودؓ

Marfat.com

کہ "تم اس کی طاقت نہیں رکھتے' روزہ رکھو اور افطار کرو' نماز پڑھو اور آرام کرو' مہینہ میں صرف تین روزے رکھا کرو کیونکہ ہر نیکی کا معاوضہ دس گنا ہوتا ہے' لیکن اس کا ثواب تمام عمر روزہ رکھنے کے برابر ہے"۔ عرض کی "یا رسول اللہ ﷺ! میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں"۔ ارشاد ہوا کہ "ایک دن روزہ رکھو اور دو دن افطار کرو" بولے "میں اس سے بھی زیادہ رکھ سکتا ہوں" حکم ہوا کہ "ایک دن روزہ اور ایک دن افطار' داؤد علیہ السلام کا یہی طریقہ تھا اور یہ روزوں کی بہترین صورت ہے"۔ عرض کی "میں اس سے بھی بہتر روزے رکھ سکتا ہوں"۔ ارشاد ہوا کہ "اس سے بہتر کوئی روزہ نہیں"۔[1]

اسلام کا مطمح نظر رہبانیت نہیں' بلکہ انسان کے تمام فطری تعلقات کو خوشگوار بنانا ہے' اس بنا پر آنحضرت ﷺ بھی کبھی کبھی عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے پاس تشریف لے جاتے اور ان کو تاکید فرماتے کہ شوقِ شہادت میں حقوقِ عباد کو بھول نہ جائیں' فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے میرے گھر میں تشریف لا کر فرمایا کہ "روزے رکھو اور افطار کرو' نمازیں پڑھو اور آرام کرو' کیونکہ تمہارے جسم کا' تمہاری آنکھوں کا' تمہارے اہل وعیال کا اور تمہارے دوستوں کا تم پر حق ہے"۔ میں نے عرض کی "داؤد علیہ السلام کا روزہ کیا ہے؟" ارشاد ہوا کہ "نصف عمر"۔[2]

غرض انہوں نے تمام عمر روزوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کی پیروی کی' اور رات کا اکثر حصہ عبادت میں بسر کیا' تلاوت کا اس قدر شوق تھا کہ ہر تیسرے روز قرآن ختم کر لیتے تھے' لیکن اخیر عمر میں جب کہ قویٰ مضمحل ہو گئے تو اس قدر سخت ریاضت دشوار گذرنے لگی' فرمایا کرتے تھے' کاش! میں رسول اللہ ﷺ کی اجازت قبول کر لیا"۔[3]

ذریعہ معاش:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو اپنے والد سے وراثت میں بہت بڑی دولت اور بہت سے خدم وحشم ملے تھے' طائف میں وہط کے نام سے ان کی ایک جاگیر تھی جس کی

---

[1] بخاری باب صوم الدہر [2] ایضاً باب حق الجسم فی الصوم [3] بخاری باب حق الجسم فی الصوم

Marfat.com

قیمت کا سرسری تخمینہ دس لاکھ درہم تھا۔[1] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی طرف سے یہاں زراعت ہوتی تھی۔[2] ایک مرتبہ عتبہ بن ابی سفیان سے اس کے متعلق کچھ جھگڑا پیدا ہو گیا تھا' یہاں تک کہ دونوں طرف سے کشت وخون کی تیاریاں ہو گئی تھیں' خالد بن العاص رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو سمجھانے کے لیے آئے تو انہوں نے جواب دیا ''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے''۔[3]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶

[2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۴

[3] مسند احمد جلد ۱ ص ۲۰۶

Marfat.com

حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ

نام نسب:

صہیب نام، ابو یحیٰ کنیت، والد کا نام سنان اور والدہ کا نام سلمیٰ بنت قعید تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

صہیب بن سنان بن مالک بن عبد عمرو بن عقیل بن عامر بن جندلہ بن جذیمہ بن کعب بن سعد بن اسلم بن اوس مناۃ بن النمر ی بن قاسط بن ہنب بن افصی بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار الربعی النمری۔[1]

ابتدائی حالات:

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا اصلی وطن ایک قریہ تھا جو باختلافِ روایات موصل کے قریب، لبِ دجلہ یا الجزیرہ میں واقع تھا، ان کے والد اور چچا کسریٰ کی طرف سے اُبلہ کے عامل تھے، انہوں نے ابھی دنیا کی صرف چند بہاریں دیکھی تھیں کہ رومی فوجوں نے اُبلہ پر چڑھائی کی، اور دوسرے مال واسباب کے ساتھ اس نونہال کو بھی ساتھ لے گئے، سنان کے چمن زار پر اس گل سرسبد کے فقدان سے خزاں آ گئی، ان کی بہن امیمہ اور چچا لبید نے ان کی تلاش وجستجو میں دنیا کی خاک چھان ڈالی، تمام مجامع، میلوں اور موسمی بازاروں کا جائزہ لیا لیکن اس یوسف گم گشتہ کا کہیں سراغ نہ لگا۔[2]

وہ رومیوں ہی میں پرورش پا کر جوان ہوئے، بنی کلب نے ان کو خرید کر مکہ پہنچایا اور ان سے عبداللہ بن جدعان نے لے کر آزاد کر دیا۔[3] لیکن ایک دوسری روایت ہے کہ وہ خود بھاگ کر آئے تھے، اور عبداللہ سے صرف حلیفانہ تعلق تھا، غرض وہ مکہ میں اس کی

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۰ [2] اصابہ جلد ۳ تذکرہ صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ

[3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۷

Marfat.com

زندگی تک اس کے ساتھ رہے۔[1]

اسلام:

مکہ میں اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو تفتیش و تحقیق کے خیال سے آستانہ نبوت (ﷺ) پر حاضر ہوئے' اتفاق سے حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی اسی خیال سے آرہے تھے' انہوں نے ان کو دیکھ کر پوچھا ''تم کس ارادہ سے آئے ہو؟'' بولے ''پہلے تم اپنا مقصد ظاہر کرو' انہوں نے کہا ''میں محمد (ﷺ) سے مل کر ان کی گفتگو سننا چاہتا ہوں''۔ بولے ''میرا بھی یہی مقصد ہے''۔ غرض دونوں ایک ساتھ حاضر خدمت ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔[2] حضرت صہیبؓ پہلے رومی تھے جنہوں نے صدائے توحید کو لبیک کہا' رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ صہیبؓ روم کا پہلا پھل ہے' آپ اس وقت ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں پناہ گزین تھے' اور تیس سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس دائرہ میں داخل ہو چکے تھے' جن میں سے اکثروں نے مشرکین کے خوف سے اس کو ظاہر نہیں کیا تھا۔[3]

ابتلا و استقامت:

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ گو غریب الوطن تھے اور اس سرزمین کفر میں ان کا کوئی حامی و معاون نہ تھا' تاہم غیرتِ ایمان نے چھپ کر رہنا پسند نہ کیا' انہوں نے ابتداء ہی میں اپنے تبدیل مذہب کا حال ظاہر کر دیا اور راہِ خدا میں گوناگوں مصائب و مظالم برداشت کیے لیکن استقامت صبر اور تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا۔[4]

ہجرت:

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سب سے آخری مہاجر تھے' انہوں نے رخت سفر درست کر کے ہجرت کا قصد فرمایا' تو مشرکین قریش نہایت سختی کے ساتھ سد راہ ہوئے اور بولے ''تم

---

1. طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۶۱
2. اسد الغابہ جلد ۳ تذکرہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ
3. طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۶۲
4. طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۶۲

Marfat.com

ہمارے یہاں مفلس ومحتاج آئے تھے مکہ میں رہ کر دولت وثروت جمع کی اور اب یہ تمام سرمایہ اپنے ساتھ لے جاتے ہو خدا کی قسم ایسا نہ ہوگا' حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے اپنا ترکش دکھا کر کہا "اے گروہِ قریش! تم جانتے ہو کہ میں تم لوگوں میں سے سب سے زیادہ صحیح نشانہ باز ہوں' خدا کی قسم! جب تک اس میں ایک بھی تیر ہے تم میرے قریب نہیں آ سکتے' اس کے پھر اپنی تلوار سے مقابلہ کروں گا' ہاں اگر مال و دولت چاہتے ہو تو کیا اس کو لے کر میرا راستہ چھوڑ دو گے؟ مشرکین نے اس پر رضا مندی ظاہر کی' اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اپنے مال ومتال کے عوض متاع ایمان کا سودا خرید کر مدینہ پہنچے۔[1]

حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم قباء میں حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے مہمان تھے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی حاضر خدمت تھے' کھجوروں کا نقل ہو رہا تھا کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ پہنچے اور بھوک کی شدت سے بیتاب ہو کر اس پر ٹوٹ پڑے' چونکہ سفر میں ان کی ایک آنکھ آشوب کر آئی تھی' اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعجب سے کہا "یا رسول اللہ! آپ صہیب رضی اللہ عنہ کو ملاحظہ نہیں فرماتے کہ آشوبِ چشم کے باوجود کھجور کھا رہے ہیں"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "صہیب! تمہاری آنکھ جوش کر آئی ہے اور تم کھجوریں کھا رہے ہو؟" مزاج نہایت بذلہ سنج تھا' بولے "میں صرف اپنی ایک تندرست آنکھ سے کھاتا ہوں"۔ اس حاضر جوابی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے اختیار ہنس پڑے۔[2]

جب بھوک کی شدت کسی قدر رفع ہوئی تو شکوہ وشکایت کا دفتر کھلا' حضرت ابوبکرؓ سے کہنے لگے کہ آپ نے باوجود وعدہ مجھے شریک سفر نہ فرمایا' حضرت رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے بھی خیال نہ فرمایا' قریش نے مجھے تنہا دیکھ کر روک رکھا' بالآخر تمام دولت وثروت کے عوض اپنی جان خرید کر حاضر ہوا"۔[3] ارشاد ہوا "ابو یحیٰی! تمہاری تجارت پرمنفعت رہی' اس کے بعد ہی قرآن پاک نے اس عظیم الشان

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۶۲ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۳۹

[3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۶۳

Marfat.com

قربانی کی ان الفاظ میں داد دی۔[1]

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ﴾ (بقرہ)

''لوگوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو خدا کی رضا جوئی کے لیے اپنی جانیں بیچ دیتے ہیں''۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ مدینہ میں حضرت سعید بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے اور حضرت حارث بن الصمہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مواخات ہوئی۔[2]

غزوات

تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے' غزوۂ بدر اُحد' خندق اور تمام دوسرے معرکوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے' عالم پیری میں وہ لوگوں کو جمع کر کے نہایت لطف کے ساتھ اپنے جنگی کارناموں کی دلچسپ داستان سنایا کرتے تھے۔

سہ روزہ خلافت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے حسن ظن رکھتے تھے اور خاموش لطف ومحبت کے ساتھ پیش آتے تھے' انہوں نے وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ حضرت صہیب ہی ان کے جنازہ کی نماز پڑھائیں اور اہل شوریٰ جب تک مسئلہ خلافت کا فیصلہ نہ کریں' وہ امام کا فرض انجام دیں' چنانچہ انہوں نے تین دن تک نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اس فرض کو انجام دیا۔[3]

وفات:

۳۸ھ میں پیمانہ حیات لبریز ہو گیا' ۷۲ برس کی عمر میں وفات پائی اور بقیع کے گورِ غریباں میں مدفون ہوئے۔[4]

---

[1] ایضاً مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۸
[2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۶۲
[3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۳
[4] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۳

Marfat.com

اخلاق:

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سرچشمہ اخلاق سے بہت زیادہ مستفیض ہوئے تھے فرماتے ہیں کہ نزولِ وحی سے پہلے ہی مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کا فخر حاصل تھا۔[1] اس بنا پر ان میں تمام اوصافِ حسنہ مجتمع ہو گئے تھے' حسن خلق، فضل و کمال کے ساتھ حاضر جوابی بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی نے ان کی صحبت کو نہایت پر لطف بنا دیا تھا۔[2]

مہمان نوازی' سخاوت وغرباء پروری میں نہایت کشادہ دست تھے' یہاں تک کہ لوگوں کو اسراف کا دھوکا ہوتا تو ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: ''صہیب تمہاری تین باتیں مجھے ناپسند ہیں' اوّل یہ کہ تم نے ابو یحییٰ کنیت قرار دی' جو ایک پیغمبر کا نام ہے اور اس نام کی تمہاری کوئی اولاد نہیں' دوسرے اسراف کرتے ہو اور تیسرے یہ کہ اپنے کو عرب کہتے ہو''۔ بولے یہ کنیت میری نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز کردہ ہے' رہا اسراف تو میں میرا اساس عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

خیارکم من اطعم الطعام و رد السلام.

''یعنی تم لوگوں میں سب بہتر وہ ہے جو لوگوں کو کھانا کھلائے اور سلام کا جواب دے''۔

امر سوم کا جواب یہ ہے کہ میں حقیقت میں عرب ہوں چونکہ رومیوں نے بچپن ہی میں مجھے غلام بنا کر اہل وعیال سے جدا کر دیا اس لیے میں اپنے خاندان اور قوم کو بھول گیا۔[3]

حلیہ:

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا حلیہ یہ تھا:

قد میانہ بلکہ ایک حد تک کوتاہ' چہرہ نہایت سرخ' سر کے بال گھنے' زمانہ پیری میں

---

[1] استیعاب تذکرہ صہیبؓ [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۳

[3] مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۶

Marfat.com

مہندی کا خطاب کرتے تھے۔[1] زبان میں لکنت تھی' ایک دفعہ وہ اپنے ایک باغ میں یحنس غلام کو نیاس' نیاس کہہ کر پکار رہے تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو تعجب سے پوچھا کہ ان کو کیا ہو گیا ہے جو لوگوں کو پکار رہے ہیں' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی ''وہ لوگوں کو نہیں پکارتے بلکہ اپنے غلام یحنس کو پکار رہے ہیں' لیکن لکنت کی وجہ سے اس نام کو ادا نہیں کر سکتے۔

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۶۱

[2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۲

Marfat.com

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

نام‘ نسب:

مصعب نام‘ ابو محمد کنیت‘ والد کا نام عمیر اور والدہ کا نام خناس بنت مالک تھا‘ پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار بن قصی القرشی [1]

ابتدائی حالات:

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ مکہ کے ایک نہایت حسین و خوشرو نوجوان تھے‘ ان کے والدین ان سے نہایت شدید محبت رکھتے تھے‘ خصوصاً ان کی والدہ خناس بنت مالک نے مالدار ہونے کی وجہ سے اپنے لخت جگر کو نہایت ناز و نعمت سے پالا تھا‘ چنانچہ وہ عمدہ سے عمدہ پوشاک اور لطیف سے لطیف خوشبو جو اس زمانہ میں آ سکتی تھی استعمال فرماتے تھے‘ آنحضرت ﷺ کبھی ان کا تذکرہ کرتے تو فرماتے ”مکہ میں مصعب رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی حسین‘ خوش پوشاک‘ اور پروردۂ نعمت نہیں ہے“۔ [2]

اسلام:

خدائے پاک نے حسن ظاہری‘ سلامت ذوق اور طبع لطیف کے ساتھ آئینہ دل کو بھی نہایت شفاف بنایا تھا‘ صرف ایک عکس کی دیر تھی کہ توحید کے دلربا خط و خال نے شرک سے متنفر کر دیا اور آستانہ نبوت پر حاضر ہو کر اس کے شیدائیوں میں داخل ہو گئے‘ یہ وہ زمانہ تھا کہ آنحضرت ﷺ ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں پناہ گزین تھے اور مسلمانوں پر مکہ کی سرزمین تنگ ہو رہی تھی‘ اس بنا پر حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے ایک عرصہ تک اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا اور چھپ چھپ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے

---

[1] اسد الغابہ تذکرۂ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۸۲

Marfat.com

رہے، لیکن ایک روز اتفاقاً عثمان بن طلحہ نے نماز پڑھتے دیکھ لیا اور ان کی ماں اور خاندان والوں کو خبر کر دی، انہوں نے سنا تو محبت نفرت سے مبدل ہوگئی اور مجرمِ توحید کے لیے شرک کی عدالت نے قید تنہائی کا فیصلہ سنایا۔[1]

ہجرت حبشہ:

حضرت مصعبؓ ایک عرصہ تک قید کے مصائب برداشت کرتے رہے، لیکن زندان خانہ کی تلخ زندگی نے بالآخر ترکِ وطن پر مجبور کر دیا، اور متلاشیانِ امن وسکون کے ساتھ سرزمین حبش کی راہ لی، اس ناز پروردہ نوجوان کو اب نہ تو نرم و نازک کپڑوں کی حاجت تھی، نہ نشاط افزا عطریات کا شوق اور نہ دنیاوی عیش وتنعم کی فکر تھی، صرف جلوۂ توحید کے ایک نظارہ نے تمام فانی ساز وسامان سے بے نیاز کر دیا، غرض ایک مدت کے بعد حبش سے پھر مکہ واپس آئے۔ ہجرت کے مصائب سے رنگ وروپ باقی نہ رہا تھا، تو خود ان کی ماں کو اپنے نورِ نظر کی پریشان حالی پر رحم آ گیا اور مظالم کے اعادہ سے باز آ گئی۔[2]

تعلیم اور اشاعت اسلام:

اس اثناء میں خورشید اسلام کی ضیا پاش شعاعیں کوہِ فاران کی چوٹیوں سے گذر کر وادیٔ یثرب تک پہنچ چکی تھیں اور مدینہ منورہ کے ایک معزز طبقہ نے اسلام قبول کر لیا تھا انہوں نے دربارِ نبوت میں درخواست بھیجی کہ ہماری تعلیم وتلقین پر کسی کو مامور فرمایا جائے، حضرت سرورِ کائنات ﷺ کی نگاہِ جوہر شناس نے اس خدمت کے لیے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا اور چند زریں نصائح کے بعد مدینہ منورہ کی طرف روانہ فرمایا۔[3]

حضرت مصعبؓ مدینہ پہنچ کر حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر فروکش ہوئے اور گھر گھر پھر کر تعلیم قرآن واشاعت اسلام کی خدمت انجام دینے لگے، اس طرح

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ مصعب بن عمیرؓ [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۸۲
[3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۸۳

Marfat.com

رفتہ رفتہ جب کلمہ گویوں کی ایک جماعت پیدا ہو گئی تو نماز و تلاوتِ قرآن کے لیے کبھی حضرت اسعد رضی اللہ عنہ کے مکان پر اور کبھی بنی ظفر کے گھر پر سب کو جمع کیا کرتے تھے' ایک روز حضرت مصعبؓ حسب معمول بنی ظفر کے گھر میں چند مسلمانوں کو تعلیم دے رہے تھے کہ قبیلہ عبدالاشہل کے سردار (حضرت) سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) نے اپنے رفیق (حضرت) اُسید بن حضیر (رضی اللہ عنہ) سے کہا ''اس داعی اسلام کو اپنے محلہ سے نکال دو' جو یہاں آ کر ہمارے ضعیف الاعتقاد اشخاص کو گمراہ کرتا ہے' اگر اسعد (میزبانِ حضرت مصعبؓ) سے مجھ کو رشتہ داری کا تعلق نہ ہوتا تو میں تم کو اس کی تکلیف نہ دیتا''۔ یہ سن کر حضرت اسید نے نیزہ اُٹھایا اور حضرت مصعبؓ و اسعدؓ کے پاس آ کر خشم آلود لہجہ میں کہا ''تمہیں یہاں کس نے بلایا ہے کہ ضعیف رائے والوں کو گمراہ کرو؟ اگر تم کو اپنی جانیں عزیز ہیں تو بہتر یہ ہے کہ ابھی یہاں سے چلے جاؤ''۔ حضرت مصعبؓ نے چند آیاتِ کریمہ تلاوت کر کے اس خوبی کے ساتھ عقائد و محاسن اسلام بیان فرمائے کہ تھوڑی ہی دیر میں (حضرت) اسید (رضی اللہ عنہ) کا دل نورِ ایمان سے چمک اُٹھا اور بیتاب ہو کر بولے ''کیسا اچھا مذہب ہے! کیسی بہتر ہدایت ہے! اس مذہب میں داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے؟'' حضرت مصعبؓ نے فرمایا: ''پہلے نہا دھو کر پاک کپڑے پہنو' پھر صدقِ دل سے ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللـــہ'' کا اقرار کرو' انہوں نے فوراً اس ہدایت کی تعمیل کی اور کلمہ پڑھ کر کہا ''میرے بعد ایک اور شخص ہے جس کو ایمان پر لانا ہوگا' اگر وہ اس دائرہ میں داخل ہو گیا تو تمام قبیلہ عبدالاشہل اس کی پیروی کرے گا' میں ابھی اس کو آپ کے پاس بھیجتا ہوں''۔

حضرت اُسید رضی اللہ عنہ غیظ و غضب کے عوض عشق و محبت کا سودا خرید کر اپنے قبیلہ میں واپس آئے تو (حضرت) سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) نے دور ہی سے دیکھ کر فرمایا ''خدا کی قسم اس شخص کی حالت میں ضرور کچھ انقلاب آ گیا ہے'' اور جب قریب آئے تو پوچھا ''کہو کیا کر آئے؟'' بولے ''خدا کی قسم وہ دونوں ذرا بھی خوفزدہ نہ ہوئے میں نے ان کو منع کیا تو وہ بولے کہ ہم وہی کریں گے جو تم پسند کرو گے' لیکن مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ بنی حارثہ اس وجہ سے اسعد بن زرارہؓ کو قتل کرنے نکلے ہیں کہ وہ تمہارا خالہ زاد بھائی ہے

Marfat.com

تا کہ اس طرح تمہاری تذلیل ہو، چونکہ بنی حارثہ اور عبدالاشہل میں دیرینہ عداوت تھی، اس لیے حضرت اسید رضی اللہ عنہ کا افسوں کارگر ہو گیا، (حضرت) سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) جوش غضب سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور تخالف مذہبی کے باوجود اسعدؓ کی مدد کے لیے دوڑے، لیکن جب یہاں پہنچ کر بالکل سکون و اطمینان دیکھا تو سمجھ گئے کہ اسید نے ان دونوں سے بالمشافہ گفتگو کرنے کے لیے محض اشتعال دلایا ہے، غرض نسبی ترحم فوراً مذہبی تعصب سے مبدل ہو گیا اور خشم گین لہجہ میں بولے "ابوامامہ خدا کی قسم اگر رشتہ داری کا پاس نہ ہوتا تو میں تمہارے ساتھ نہایت سختی کے ساتھ پیش آتا، تمہیں کیونکر ہمارے محلہ میں علانیہ ایسے عقائد پھیلانے کی ہمت ہوئی جس کو ہم سخت ناپسند کرتے ہیں، حضرت مصعبؓ نے نرمی سے جواب دیا کہ پہلے ہماری باتیں سنو، اگر پسند آئیں تو قبول کرو ورنہ ہم خود تم سے کنارہ کش ہو جائیں گے، (حضرت) سعد نے اس کو منظور کر لیا، تو انہوں نے ان کے سامنے بھی اس خوبی سے اسلام کا نقشہ پیش کی کہ (حضرت) سعد (رضی اللہ عنہ) کا چہرہ نورِ ایمان سے چمک اُٹھا، اسی وقت مسلمان ہوئے اور جوش میں بھرے ہوئے اپنے قبیلہ والوں کے پاس آئے اور بآنگ بلند سوال کیا "اے بنی اشہل! بتاؤ میں تمہارا کون ہوں؟" انہوں نے کہا "تم ہمارے سردار اور ہم سب سے زیادہ عاقل اور عالی نسب ہو" بولے خدا کی قسم تمہارے مردوں اور تمہاری عورتوں سے گفتگو کرنا مجھ پر حرام ہے جب تک تم خدا اور اس کے رسول پر ایمان نہ لاؤ"۔

اس طرح بعد الاشہل کا تمام قبیلہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے اثر سے اسلام کا حلقہ بگوش ہو گیا۔[1]

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ ایک عرصہ تک حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے مہمان رہے لیکن جب بنی نجار نے ان پر تشدد شروع کیا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے مکان پر اٹھ آئے اور یہیں سے اسلام کی روشنی پھیلاتے رہے، یہاں تک کہ حطمہ، وائل اور واقف کے چند مکانات کے سوا عوالی اور مدینہ کے تمام گھر روشن ہو گئے۔[2]

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۳۹ و خلاصۃ الوفاء ص ۶۱

[2] سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۳۹ و خلاصۃ الوفاء ص ۶۱

Marfat.com

مدینہ میں جمعہ قائم کرنا:

مدینہ منورہ میں جب کلمہ گویوں کی ایک معتد بہ جماعت پیدا ہو گئی' تو حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے دربار نبوت سے اجازت حاصل کر کے حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے مکان میں جماعت کے ساتھ نماز جمعہ کی بنا ڈالی' پہلے کھڑے ہو کر ایک نہایت موثر خطبہ دیا' پھر خشوع خضوع کے ساتھ نماز پڑھائی اور بعد نماز حاضرین کی ضیافت کے لیے ایک بکری ذبح کی گئی' اس طرح وہ شعار اسلامی جو عبادت الٰہی کے علاوہ ہفتہ میں ایک دفعہ برادران اسلام کو باہم بغل گیر ہونے کا موقع دیتا ہے' خاص حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی تحریک سے قائم کیا گیا۔[1]

بیعت عقبہ ثانیہ:

عقبہ کی پہلی بیعت میں صرف بارہ انصار شریک تھے، لیکن حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے ایک ہی سال میں تمام اہل یثرب کو اسلام کا فدائی بنا دیا، چنانچہ دوسرے سال تہتر اکابر و اعیان کی پرعظمت جماعت اپنی قوم کی طرف سے تجدید بیعت اور رسول اللہ ﷺ کو مدینہ میں مدعو کرنے کے لیے روانہ ہوئی' ان کے معلم دین حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے انہوں نے مکہ پہنچتے ہی سب سے پہلے آستانہ نبوت پر حاضر ہو کر اپنی حیرت انگیز کامیابی کی مفصل داستان عرض کی' آنحضرت ﷺ نے نہایت دلچسپی کے ساتھ تمام واقعات سنے اور ان کی محنت و جانفشانی سے بے حد محفوظ ہوئے۔[2]

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی ماں نے بیٹے کے آنے کی خبر سنی تو کہلا بھیجا ''اے نافرمان فرزند کیا تو ایسے شہر میں آئے گا جس میں میں موجود ہوں اور تو پہلے مجھ سے ملنے نہ آئے؟'' انہوں نے جواب دیا ''میں رسول خدا ﷺ سے پہلے کسی سے ملنے نہیں جاؤں گا'

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۸۳

[2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۸۳

Marfat.com

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ جب رسول خدا ﷺ سے شرفِ ملاقات حاصل کر چکے تو اپنی ماں کے پاس آئے' اس نے کہا ''میں سمجھتی ہوں کہ تو اب تک ہمارے مذہب سے برگشتہ ہے'' بولے ''میں رسول اللہ ﷺ کے دین برحق اور اس اسلام کا پیرو ہوں جس کو خدا نے خود اپنے لیے اور اپنے رسول کے لیے پسند کیا ہے''۔ ماں نے کہا: ''کیا تم اس مصیبت کو بھول گئے جو تم کو ایک دفعہ سرزمین حبش میں برداشت کرنا پڑی اور اب یثرب میں سہنا پڑتی ہے؟ افسوس دونوں دفعہ تم نے غم خواری کا کچھ شکریہ ادا نہ کیا''۔ حضرت مصعبؓ سمجھ گئے کہ شاید پھر مجھ کو قید کرنے کی فکر میں ہے' چلا کر بولے ''کیا تو جبراً کسی کو اس کے مذہب سے پھیر سکتی ہے؟ اگر تیرا منشاء ہے کہ پھر مجھ کو قید کر دے تو پہلا شخص جو میری طرف بڑھے گا اس کو یقیناً قتل کر ڈالوں گا'' ماں نے یہ تیور دیکھے تو کہا ''بس تو میرے سامنے سے چلا جا'' اور یہ کہہ کر رونے لگی' حضرت مصعبؓ اس کیفیت سے متاثر ہوئے اور کہنے لگے ''اے میری ماں! میں تجھے خیر خواہی و محبت سے مشورہ دیتا ہوں کہ تو گواہی دے کہ خدا ایک ہے اور محمد ﷺ اس کا بندہ اور رسول برحق ہے'' اس نے کہا ''چمکتے ہوئے تاروں کی قسم! میں اس مذہب میں داخل ہو کر اپنے آپ کو احمق نہ بناؤں گی' جا میں تجھ سے اور تیری باتوں سے ہاتھ دھوتی ہوں' اور اپنے مذہب سے وابستہ رہوں گی'' [1]

ہجرتِ مدینہ:

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے مکہ آنے کے بعد ذی الحجہ' محرم اور صفر کے مہینے آنحضرت ﷺ ہی کی خدمت میں بسر کیے' اور پہلی ربیع الاوّل کو سرورِ کائنات ﷺ سے بارہ دن پہلے مستقل طور پر ہجرت کر کے مدینہ کی راہ لی۔ [2]

---

1. طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۸۳

2. طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۸۴

Marfat.com

غزوات

۲ھ سے حق و باطل میں خونریز معرکوں کا سلسلہ شروع ہوا' حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ میدانِ فصاحت کی طرح عرصہ وغا میں بھی نمایاں رہے' غزوۂ بدر میں جماعت مہاجرین کا سب سے بڑا علم ان کے ہاتھ میں تھا' غزوۂ اُحد میں بھی علمبرداری کا تمغائے شرف ان ہی کو ملا۔

شہادت:

اس جنگ میں ایک اتفاقی غلطی نے جب فتح وشکست کا پانسہ پلٹ دیا اور فاتح مسلمان ناگہانی طور سے مغلوب ہو کر منتشر ہو گئے تو اس وقت بھی یہ علمبردار اسلام یکہ وتنہا مشرکین کے نرغہ میں ثابت قدم رہا' کیونکہ لوائے توحید کو پیچھے کی طرف جنبش دینا اس فدائی ملت کے لیے سخت عار تھا' غرض اسی حالت میں مشرکین کے شہسوار ابن قمئہ نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا جس سے داہنا ہاتھ شہید ہو گیا' لیکن بائیں ہاتھ نے فوراً علم کو پکڑ لیا' اس وقت ان کی زبان پر یہ آیت جاری تھی:

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُل ﴾ (آل عمران ع ۱۵)

''اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف رسول ہیں' ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں''۔

ابن قمئہ نے دوسرا وار کیا تو بایاں ہاتھ بھی قلم تھا' لیکن اس دفعہ دونوں بازوؤں نے حلقہ کر کے علم کو سینہ سے چمٹا لیا' اس نے جھنجھلا کر تلوار پھینک دی اور زور سے نیزہ تاک کر مارا کہ اس کی انی ٹوٹ کر سینہ میں رہ گئی اور اسلام کا سچا فدائی اس آیت کا اعادہ کرتے ہوئے فرشِ خاک پر دائمی راحت کی نیند سو رہا تھا' لیکن اسلامی پھریرا سرنگوں ہونے کے لیے نہیں آیا تھا' ان کے بھائی ابوالروم بن عمیر رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر اس کو سنبھالا اور آخر وقت تک شجاعانہ مدافعت کرتے رہے''۔[1]

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۸۵

Marfat.com

تجہیز و تکفین:

لڑائی کے خاتمہ پر آنحضرت ﷺ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی لاش کے قریب کھڑے ہوئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ﴾ (الآیۃ)

''مومنین میں سے چند آدمی ایسے ہیں جنہوں نے خدا سے جو کچھ عہد کیا تھا اس کو سچا کر دکھایا''۔

پھر لاش سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''میں نے تم کو مکہ میں دیکھا تھا جہاں تمہارے جیسا حسین و خوش پوشاک کوئی نہ تھا' لیکن آج دیکھتا ہوں کہ تمہارے بال اُلجھے ہوئے ہیں اور جسم پر صرف ایک چادر ہے'' پھر ارشاد ہوا ''بیشک خدا کا رسول گواہی دیتا ہوں کہ تم لوگ قیامت کے دن بارگاہِ خداوندی میں حاضر رہو گے'' اس کے بعد غازیانِ دین کو حکم ہوا کہ کشتگانِ راہِ خدا کی آخری زیارت کر کے سلام بھیجیں اور فرمایا ''قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ روزِ قیامت تک جو کوئی ان پر سلام بھیجے گا وہ اس کا جواب دیں گے''۔[1]

اس زمانہ میں غربت و افلاس کے باعث شہیدانِ ملت کو کفن تک نصیب نہ ہوا' حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی لاش پر صرف ایک چادر تھی کہ جس سے سر چھپایا جاتا تو پاؤں برہنہ ہو جاتے' اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر کھل جاتا' بالآخر چادر سے چہرہ چھپایا گیا' پاؤں پر اذخر کی گھاس ڈالی گئی۔[2] اور ان کے بھائی حضرت ابو الروم بن عمیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سویبط بن سعد رضی اللہ عنہ کی مدد سے سپردِ خاک کیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔[3]

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۸۵ [2] بخاری باب غزوۂ احد ص ۵۷۸

[3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۸۶

Marfat.com

فضل وکمال:

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نہایت ذہین' طباع اور خوش بیان تھے' یثرب میں جس سرعت کے ساتھ اسلام پھیلا اس سے ان کے ان اوصاف کا اندازہ ہو سکتا ہے' قرآن شریف جس قدر نازل ہو چکا تھا اس کے حافظ تھے' مدینہ میں نماز جمعہ کی ابتداء ان ہی کی تحریک سے ہوئی اور یہی سب سے پہلے امام مقرر ہوئے۔[1]

اخلاق:

اخلاقی پایہ نہایت بلند تھا' ظلم کے مکتب نے مزاج میں صرف متانت ہی پیدا نہ کی تھی بلکہ مصائب برداشت کرنے کا خوگر بنا دیا تھا' خصوصاً ملک حبش کی صحرا نوردیوں نے جفاکشی' استقلال واستقامت کے نہایت زریں اسباق دیئے تھے' اور اچھی طرح سکھا دیا تھا کہ دشمنوں میں رہ کر کس طرح اپنا مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے' یہی وجہ ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے نومسلموں کی تعلیم وتربیت اور اشاعت اسلام جیسی اہم خدمات پر ان کو مامور فرمایا تھا۔

مزاج قدرۃً نہایت لطافت پسند تھا' اسلام قبول کرنے سے پہلے عمدہ سے عمدہ پوشاک اور بہتر سے بہتر عطریات استعمال فرماتے' حضرمی جوتا جو اس زمانہ میں صرف امراء کے لیے مخصوص تھا وہ ان کے روزمرہ کے کام میں آتا' غرض ان کے وقت کا اکثر حصہ آرائش زیبائش اور زلف مشکیں کے سنوارنے میں بسر ہوتا تھا' لیکن جب اسلام لائے تو شرابِ توحید نے کچھ ایسا مست کر دیا کہ تمام تکلفات بھول گئے' ایک روز دربارِ نبوت میں اس شان سے حاضر ہوئے کہ جسم پر ستر پوشی کے لیے صرف ایک کھال کا ٹکڑا تھا جس میں جابجا سے پیوند لگے ہوئے تھے' صحابہ کرام ؓ نے دیکھا تو سب نے عبرت سے گردنیں جھکا لیں' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''الحمد للہ! اب دنیا اور تمام اہل دنیا کی حالت بدل جانا چاہئے' یہ وہ نوجوان ہے جس سے زیادہ مکہ میں کوئی ناز پروردہ نہ تھا لیکن نیکوکاری

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۸۲

Marfat.com

کی رغبت اور خدا اور رسول کی محبت نے اس کو تمام چیزوں سے بے نیاز کر دیا۔[1]

حلیہ:

حلیہ یہ تھا، قد میانہ، چہرہ حسین، نرم و نازک اور زلفیں نہایت خوبصورت تھیں۔[2]

اہل وعیال:

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی بیوی کا نام حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا تھا جس سے زینب نام ایک لڑکی یادگار چھوڑی۔[3]

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۸۲

[2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۸۶

[3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۸۱

Marfat.com

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

عثمان نام، ابوالسائب کنیت، والد کا نام مظعون اور والدہ کا نام سخیلہ بنت العنبس تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

عثمان بن مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح بن عمرو بن ہصیص ابن کعب بن لوی بن غالب القرشی الجمحی [1]

قبل اسلام:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فطرۃً سلیم الطبع، نیک نفس و پاکباز تھے، ایامِ جاہلیت میں عرب کا ہر بچہ مست خرابات تھا، لیکن ان کی زبان اس وقت بھی بادۂ ارغوانی کے ذائقہ سے نا آشنا تھی، اور فرمایا کرتے تھے کہ ایسی چیز پینے سے کیا فائدہ جس سے انسان کی عقل میں فتور آ جائے ذلیل وکم رتبہ آدمی اس کو مضحکہ بنائیں اور نشہ کی حالت میں ماں بہن کی تمیز بھی جاتی رہے۔[2]

اسلام:

اس فطری پاکبازی کے باعث ان کا لوحِ دل بالکل صاف تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ وتلقین نے بہت جلد توحید کا نقش ثبت کر دیا، اربابِ سیر کا بیان ہے کہ اس وقت تک صرف تیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم ایمان لائے تھے۔[3] ابن سعد کی ایک روایت ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عبیدہ بن الحارث، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت ابو سلمہ

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵	[2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۲۸۶

[3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵

Marfat.com

بن عبدالاسد اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں پناہ گزین ہونے سے پہلے ایک ساتھ مشرف باسلام ہوئے تھے۔[1]

ہجرتِ حبشہ و معاودت:

۵ھ نبوی میں بلاکشانِ اسلام کی ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے ملک حبش کی راہ لی، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اس بے خانماں گروہ کے امیر تھے[2] ایک عرصہ تک وہاں مقیم رہنے کے بعد اس غلط افواہ کی بنا پر کہ تمام قریش نے اسلام قبول کرلیا ہے، پھر واپس تشریف لائے، لیکن جب مکہ کے قریب پہنچ کر خبر بے بنیاد نکلی تو سخت پریشان ہوئے کیونکہ دوبارہ اتنی دور لوٹ جانا بھی دشوار تھا، اور دوسری طرف مکہ میں داخل ہونے سے مشرکین کا خوف دامنگیر ہوتا تھا، غرض اس حیص بیص میں جہاں تک پہنچے تھے وہیں رک گئے اور جب ان کے تمام ساتھی ایک ایک کر کے اپنے مشرک اعزہ واحباب کی پناہ میں پہنچ گئے تو وہ بھی ولید بن مغیرہ کی حمایت حاصل کر کے مکہ میں داخل ہوئے۔[3]

ولید بن مغیرہ کے اثر نے گو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اذیتوں سے محفوظ کر دیا تھا، تاہم وہ خود رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مبتلائے مصیبت دیکھ کر اس ذاتی راحت واطمینان کو گوارا نہ کر سکے اور ایک روز خود بخود اپنے نفس کو ان الفاظ میں ملامت فرمائی ''افسوس! میرے احباب اور خاندان والے راہِ خدا میں طرح طرح کے مصائب برداشت کر رہے ہیں اور میں ایک مشرک کی حمایت میں اس چین اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہوں! خدا کی قسم یہ میرے نفس کی بہت بڑی کمزوری ہے''۔ اس خیال نے بیتاب کر دیا، اسی وقت ولید بن مغیرہ کے پاس پہنچے اور فرمایا: ''اے ابوعبدشمس! تمہاری ذمہ داری پوری ہو چکی، اس وقت تک میں تمہاری پناہ میں

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ۲۸۶ [2] سیرت ابن ہشام جلد ا باب الہجرۃ الی الحبشۃ
[3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵

Marfat.com

تھا' لیکن اب خدا اور اس کے رسول کی حمایت میں رہنا پسند کرتا ہوں' میرے لیے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کا نمونہ بس ہے''۔ ولید نے کہا ''شاید تمہیں کسی نے اذیت پہنچائی!'' بولے ''نہیں' اصل یہ ہے کہ اب مجھے خدا کے سوا اور کسی کی حمایت درکار نہیں' تم ابھی میرے ساتھ خانہ کعبہ چلو اور جس طرح تم نے میری حمایت کا اعلان کیا تھا اسی طرح اس کو واپس لینے کا اعلان کر دو' غرض ولید نے اصرار سے مجبور ہو کر ان کی خواہش کو مجمع عام میں بیان کیا' حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اس کی تصدیق کی' اور فرمایا: ''صاحبو! میں نے ولید کو نہایت ہی باوفا اور مہربان پایا' لیکن چونکہ اب مجھے خدا کے سوا اور کسی کی حمایت پسند نہیں ہے' اس لیے میں خود ہے اس بارِ احسان سے سبکدوش ہوتا ہوں۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اس اعلان کے بعد لبید بن ربیعہ کے ساتھ قریش کی ایک مجلس میں تشریف لائے' لبید چونکہ اس زمانہ کا مشہور شاعر تھا' اس لیے اس کے پہنچتے ہی شعر و شاعری شروع ہو گئی' اس نے جب اپنا قصیدہ سناتے ہوئے یہ مصرعہ پڑھا'

الا کل شیء ما خلی الله باطل ''یعنی خدا کے سوا تمام چیزیں باطل ہیں''۔

تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بے اختیار داد دی کہ ''تم نے سچ کہا'' لیکن جب اس نے دوسرا مصرعہ پڑھا۔

کل نعم لا محالة زائل ''یعنی تمام نعمتیں یقیناً زائل ہو جائیں گی''۔

تو بول اُٹھے کہ ''جھوٹ کہتے ہو'' اس پر ایک دفعہ تمام مجمع نے ان کی طرف نگاہ غضب آلود ڈال کر لبید سے اس شعر کو مکرر پڑھنے کی فرمائش کی' اس نے اعادہ کیا' تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر پہلے مصرعہ کی تصدیق اور دوسرے کی تکذیب کر کے فرمایا: ''تم جھوٹ کہتے ہو' جنت کی نعمتیں کبھی زائل نہ ہوں گی'' لبید نے خفیف ہو کر کہا ''گروہ قریش! خدا کی قسم تمہاری مجلسوں کا حال یہ نہ تھا''۔ اس اشتعال انگیز جملہ سے تمام مجمع میں برہمی پھیل گئی' اور ایک بدکردار نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھ کر اس زور سے طمانچہ مارا کہ ایک آنکھ زرد پڑ گئی' لوگوں نے کہا ''عثمان! خدا کی قسم تم ولید کی حمایت میں نہایت معزز تھے اور

Marfat.com

تمہاری آنکھ اس صدمہ سے محفوظ تھی'' بولے ''خدا کی حمایت سب سے زیادہ باامن وذی عزت ہے اور جو میری آنکھ صحیح وتندرست ہے وہ بھی اپنے رفیق کے صدمہ میں شریک ہونے کی متمنی ہے''۔ ولید نے کہا ''کیا اب بھی تم میری پناہ میں آنا قبول کرتے ہو؟'' فرمایا ''میرے لیے صرف خدا کی پناہ بس ہے''۔[1]

ہجرتِ مدینہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک عرصہ تک مکہ میں صبر وسکون کے ساتھ مظالم برداشت کرتے رہے یہاں تک کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عموماً تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا تو وہ اپنے خاندان کے ساتھ جس میں ان کے دونوں بھائی حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ ابن مظعون رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادہ سائب بن عثمان رضی اللہ عنہ شامل تھے اس سرزمین امن میں پہنچ کر حضرت عبداللہ بن سلمہ عجلانی رضی اللہ عنہ کے مکان پر فروکش ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اعزہ سے اس طرح مکہ کو خالی کر دیا تھا کہ ان کے خاندان کا ایک ممبر بھی وہاں رہنے نہ پایا اور تمام مکانات بند کر دیئے گئے۔[2]

مواخات:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائیوں کو مستقل سکونت کے لیے وسیع قطعاتِ زمین مرحمت فرمائے اور ابوالہیثم بن التیہان رضی اللہ عنہ سے بھائی چارہ کرا دیا۔[3]

غزوۂ بدر اور وفات:

حق وباطل کی اوّل کشمکش یعنی معرکہ بدر میں شریک تھے میدانِ جنگ سے واپس آکر اسی سال بیمار ہوئے انصاری بھائی اور ان کی بیوی بچوں نے دلسوزی کے ساتھ تیمار داری کی لیکن موت کا ازالہ ممکن نہ تھا ہجرت کے ۳۰ ماہ بعد یعنی ۲ھ کے اخیر میں

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵، ۳۸۶　[2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۲۸۸

[3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۲۸۸

Marfat.com

وفات پائی۔[1]

حضرت ام العلاء انصاریہ رضی اللہ عنہا (جن کے گھر میں انہوں نے وفات پائی) فرماتی ہیں کہ جب تجہیز و تکفین کے بعد جنازہ تیار ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، میں نے کہا: ''ابوالسائب! تم پر خدا کی رحمت ہو میں گواہی دیتی ہوں کہ خدا نے تم کو معزز کیا'' ارشاد ہوا: ''تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ خدا نے معزز کیا؟'' میں نے عرض کی میرا باپ آپ پر فدا ہو یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر خدا کس کو معزز کرے گا؟'' فرمایا: ''عثمان کو درجہ یقین حاصل تھا اور میں اس کے لیے بہتری کی امید رکھتا ہوں، لیکن خدا کی قسم میں رسولِ خدا ہو کر بھی نہیں جانتا کہ میرا کیا انجام ہوگا''۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حزن و ملال:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی مفارقت کا شدید غم تھا، آپ نے تین دفعہ جھک کر ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اس قدر چشم پرنم ہوئے کہ اشک مبارک سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رخسارے تر ہو گئے۔[3] پھر سر مبارک اُٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا ''ابو سائب! میں تم سے جدا ہوتا ہوں، تم دنیا سے اس طرح نکل گئے کہ تمہارا دامن ذرا بھی اس سے ملوث نہ ہوا''۔[4]

قبر:

اس وقت تک مدینہ میں مسلمانوں کا کوئی خاص قبرستان نہ تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام بقیع کو اس کے لیے منتخب فرمایا، چنانچہ وہ پہلے صحابی تھے جو اس گورِ غریباں میں مدفون ہوئے۔[5] آپؐ نے جنازہ کی نماز پڑھائی، قبر کے کنارے کھڑے ہو کر اپنے اہتمام سے دفن کرایا، اور قبر کے سرے پر کوئی چیز بطور علامت

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۲۸۸ [2] بخاری کتاب الجنائز جلد ا ص ۱۶۶

[3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۲۸۸ [4] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۷

[5] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۲۸۹

Marfat.com

نصب کر کے فرمایا: ''اب جو مرے گا وہ اسی کے آس پاس مدفون ہوگا''۔[1]

اخلاق:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اخلاقی پایہ نہایت ارفع تھا' شراب سے ایام جاہلیت ہی میں متنفر تھے' صبر' تحمل اور اسلامی حمیت کے نمونے پہلے گذر چکے ہیں' مزاج میں شرم وحیا کا عنصر غالب تھا' ایک روز بارگاہِ نبوت میں عرض کی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی بیوی کو بھی اپنا ستر عورت دکھانا پسند نہیں کرتا''۔ ارشاد ہوا: ''کیوں؟'' عرض کی ''حیا دامنگیر ہوتی ہے' فرمایا: ''خدا نے اس کو تمہارے لیے اور تم کو اس کے لیے بے پردہ بنایا ہے''۔ وہ جب کچھ دیر کے بعد دربار سے چلے گئے تو آپ نے فرمایا: ''عثمان بن مظعون نہایت ہی باحیاء و پردہ پوش ہے''۔[2]

رہبانیت کی طرف میلانِ طبع:

تبتل و رہبانیت کی طرف شدید میلان تھا' ایک دفعہ انہوں نے چاہا کہ قوائے شہوانیہ کو فنا کر کے صحرانوردی اختیار کریں' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باز رکھا اور فرمایا:

''کیا میری ذات تمہارے لیے اسوۂ حسنہ نہیں ہے؟ میں اپنی بیویوں سے ملتا ہوں' گوشت کھاتا ہوں' روزے رکھتا ہوں اور افطار کرتا ہوں' بے شک میری امت کا خصی ہونا صرف روزے رکھنا ہے' اس لیے جو شخص خصی کرے گا یا خصی بنے گا وہ میری امت سے نہیں ہے''۔

عبادت:

عبادت و شب زندہ داری حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نہایت ہی پر لطف مشغلہ تھا' رات رات بھر نمازیں پڑھتے' دن کو عموماً روزے رکھتے' انہوں نے اپنے گھر میں عبادت

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۲۹۱

[2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۲۸۷

[3] ایضاً صحیح بخاری کتاب الصوم و کتاب النکاح

Marfat.com

کے لیے ایک حجرہ مخصوص کر دیا تھا' جس میں رات دن معتکف رہتے تھے' ایک روز آنحضرت ﷺ اس حجرہ کے پاس تشریف لائے اور اس کی چوکھٹ پکڑ کر دو یا تین مرتبہ فرمایا:

''عثمان (رضی اللہ عنہ)! خدا نے مجھے رہبانیت کے لیے مبعوث نہیں کیا ہے' سہل اور آسان دین حنفی خدا کے نزدیک تمام ادیان سے بہتر ہے''۔[1]

شوقِ عبادت نے بیوی بچوں سے بالکل بے نیاز کر دیا تھا' ایک روز ان کی زوجہ محترمہ حرم نبوی (ﷺ) میں آئیں' اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن نے ان کو خراب حالت میں دیکھ کر پوچھا ''تم نے ایسی ہیئت کیوں بنا رکھی ہے؟ تمہارے شوہر سے زیادہ تو قریش میں کوئی دولت مند نہیں'' بولیں ''مجھے ان سے کیا سروکار؟'' وہ رات رات بھر نمازیں پڑھتے ہیں' دن کو روزے رکھتے ہیں'' امہات المومنین رضی اللہ عنہن نے آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ اسی وقت حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''عثمان بن مظعون! کیا میری ذات تمہارے لیے نمونہ نہیں ہے؟'' بولے ''میرے باپ ماں آپ پر فدا ہوں کیا بات ہوئی؟''

ارشاد ہوا ''تم رات بھر عبادت کرتے ہو' دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہو؟'' عرض کی ''ہاں! ایسا کرتا ہوں'' حکم ہوا ''ایسا نہ کرو' تمہاری آنکھ کا' تمہارے جسم کا اور تمہارے اہل وعیال کا تم پر حق ہے' نمازیں بھی پڑھو اور آرام بھی کرو' روزے بھی رکھو اور افطار بھی کرو' غرض اس فہمائش کے بعد ان کی بیوی پھر امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی خدمت میں حاضر ہوئیں' تو ایک دلہن کی طرح معطر تھیں۔[2]

اہل وعیال:

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا سے دو لڑکے عبدالرحمٰن اور سائب یادگار چھوڑے''۔[3]

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۲۸۷ [2] طبقات ابن سعد جزء ۳ ص ۲۸۷

[3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۲۸۶

Marfat.com

حضرت ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ عنہ

نام‘ نسب:

ارقم نام‘ ابو عبداللہ کنیت‘ والد کا نام عبد مناف‘ ابوالارقم کنیت اور والدہ کا نام امیمہ تھا‘ شجرۂ نسب یہ ہے:

ارقم بن ابی الارقم بن اسد بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم۔

حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کا خاندان ایام جاہلیت میں مخصوص عزت و اقتدار کا مالک تھا‘ ان کے دادا ابو جندب اسد بن عبداللہ اپنے زمانہ میں مکہ کے ایک نہایت سربرآوردہ رئیس تھے۔

اسلام:

حضرت ارقم رضی اللہ عنہ گیارہ یا بارہ اصحاب کے بعد ایمان لائے‘ اس وقت آنحضرت ﷺ اور تمام کلمہ گویوں کی زندگی نہایت خطرہ میں تھی‘ مشرکین قریش چاہتے تھے‘ کہ اس تحریک کو باثر ہونے سے پہلے معدوم کر دیں‘ لیکن‘ اسلام فنا ہونے کے لیے نہیں آیا‘ حضرت ارقم ؓ نے مہبطِ وحی والہام ﷺ اور تمام مسلمانوں کو اپنے مکان میں چھپایا‘ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسی گھر میں اسلام لے آئے‘ ان کے اسلام لانے کے وقت کم و بیش چالیس آدمی شرفِ اسلام سے مشرف ہو چکے تھے‘ آپ کے اسلام لانے سے مسلمانوں میں قوت پیدا ہو گئی‘ اس وقت اس خطیرۂ قدس کو چھوڑا۔[1]

ہجرت:

بعثت کے تیرہویں سال ہجرت کا حکم ہوا‘ تو حضرت ارقم رضی اللہ عنہ بھی دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ پہنچے‘ یہاں حضرت ابوطلحہ زید بن سہل رضی اللہ عنہ سے مواخات ہوئی‘

---

[1] اسد الغابہ جلد ا ص ۶۰ و اصابہ تذکرۂ ارقم

Marfat.com

اور آنحضرت ﷺ نے مستقل سکونت کے لیے بنی زریق کے محلہ میں ایک قطعہ زمین عطا فرمایا۔[1]

غزوات

حق و باطل کی اوّل کشمکش یعنی غزوۂ بدر میں شریک کارزار تھے' اس جنگ میں حضرت سرورِ کائنات ﷺ نے ان کو ایک تلوار مرحمت فرمائی تھی' احد' خندق' خیبر اور تمام دوسرے اہم معرکوں میں بھی پامردی و شجاعت سے لڑے۔[2]

عہدہ:

زمانہ رسالت میں تحصیل زکوٰۃ کی خدمت پر مامور تھے۔[3]

وفات:

۸۳ برس کی عمر پا کر ۵۳ھ رحلت گزین عالم جاوداں ہوئے' انہوں نے وصیت فرمائی تھی کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جنازہ کی نماز پڑھائی' لیکن وہ مدینہ سے کچھ فاصلہ پر مقام عقیق میں تھے' ان کے آنے میں دیر ہوئی تو مروان بن حکم والی مدینہ نے کہا ایک شخص کے انتظار میں جنازہ کب تک پڑا رہے گا؟ اور چاہا کہ خود آگے بڑھ کر امامت کرے لیکن عبید اللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اجازت نہ دی اور قبیلہ بنی مخزوم ان کی حمایت پر تیار ہو گیا' غرض بات بڑھ چلی تھی کہ اسی اثناء میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور انہوں نے نماز پڑھا کر بقیع کے گورستان میں دفن کیا۔[4]

انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون

اخلاق:

تقویٰ' تدین' زہد و راست بازی حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے نمایاں اوصاف تھے'

---

۱ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۴ ۲ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۶۰

۳ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۶۰ ۴ طبقات ابن سعد قسم اوّل جز ۳ ص ۱۷۴

Marfat.com

عبادت وشب زندہ داری سے بے حد شوق تھا' ایک دفعہ انہوں نے بیت المقدس کا قصد کیا اور رخت سفر درست کر کے رسول اللہ ﷺ سے رخصت ہونے آئے' آپ نے پوچھا کہ تجارت کے خیال سے جاتے ہو یا کوئی خاص ضرورت ہے؟ بولے ''میرے باپ ماں آپ پر فدا ہوں یا رسول اللہ ﷺ! کوئی ضرورت نہیں ہے' صرف بیت المقدس میں نماز پڑھنا چاہتا ہوں''۔ ارشاد ہوا کہ میری اس مسجد کی ایک نماز مسجد حرام کے سوا تمام مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے' حضرت ارقم رضی اللہ عنہ یہ سنتے ہی بیٹھ گئے اور ارادہ فسخ ہو گیا۔[1]

ذریعہ معاش:

مختلف جاگیروں کے علاوہ اصلی ذریعہ معاش تجارت تھی۔

مکہ کا تاریخی مکان:

ہجرت کے بعد مدینہ وطن ہو گیا تھا' اس لیے انہوں نے مکہ کے مکان کو جو اپنی تاریخی عظمت کے لحاظ سے مرجع زائرین تھا' وقف الاولاد کر دیا' تاکہ بیع و وراثت کے جھگڑوں سے محفوظ رہے۔[2]

یہ مکان کوہِ صفا کے نیچے ایسے موقع پر تھا کہ جو لوگ حج میں صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے تھے' وہ ٹھیک اس کے دروازے پر سے ہو کر گذرتے تھے' ۱۴۰ھ میں خلیفہ منصور عباسی کے عہد تک وہ بجنسہ اپنی حالت پر موجود تھا' لیکن اسی سال محمد بن عبداللہ بن حسن (نفس زکیہ) نے مدینہ میں خروج کیا' چونکہ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے پوتے عبداللہ بن عثمان ان کے معاونین میں تھے' اس لیے منصور نے والی مدینہ کو لکھ کر ان کو گرفتار کرایا اور اپنے ایک خاص معتمد شہاب بن عبدرب کو بھیج کر اس مکان کو فروخت کرنے کی ترغیب دی' عبداللہ بن عثمان نے پہلے انکار کیا' لیکن پھر قید سے مخلصی پانے کی بشارت اور گراں قدر معاوضہ کے طمع نے بیچنے پر راضی کر دیا' غرض منصور نے سترہ ہزار دینار پر ان کا حصہ خرید لیا' رفتہ رفتہ دوسرے شرکاء بھی راضی ہو گئے' لیکن ان کا زرِ معاوضہ اس کے علاوہ ہے۔

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۰۴ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۰۴

Marfat.com

ابو جعفر منصور کے بعد خلیفہ مہدی نے اپنی جاریہ خیزران کو دے دیا' جس نے منہدم کر کے نئے سرے سے ایک محل تعمیر کرایا' پھر گردشِ ایام نے اس میں گونا گوں تغیرات پیدا کیے' اور اس طرح آغازِ اسلام کی وہ پر عظمت یادگار جو عرصہ تک مطلع انوار الٰہی و مہبطِ ملائکہ آسمانی رہی تھی' صفحۂ ہستی سے معدوم ہو گئی۔[1]

اولاد:

حضرت ارقم رضی اللہ عنہ نے دو لڑکے عبید اللہ' عثمان اور تین لڑکیاں امیہ' مریم اور صفیہ یادگار چھوڑیں۔[2]

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ۳ ص ۱۷۳ و تاریخ یعقوبی

[2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ۳ ص ۱۷۳ و تاریخ یعقوبی

Marfat.com

حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ

نام‘ نسب:

مقداد نام‘ ابوالاسود کنیت‘ عمرو کندی کے لخت جگر تھے‘ پورا سلسلہ نسب یہ ہے:
مقداد بن عمرو بن ثعلبہ بن مالک بن ربیعہ بن ثمامہ بن مطرود النہرانی۔

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ دراصل بہراء کے رہنے والے تھے‘ چونکہ ان کے خاندان کے ایک ممبر نے کسی ہمسایہ قبیلہ میں خونریزی کی تھی اس لیے انتقام کے خوف سے کندہ چلے آئے تھے‘ لیکن یہاں بھی یہی مصیبت پیش آئی‘ بالآخر مکہ آ کر آباد ہوئے اور اسود بن عبدیغوث کے خاندان سے حلیفانہ تعلق پیدا کر لیا جس نے محبت سے ان کو اپنا متبنی کر لیا تھا‘ چنانچہ عمرو کے بجائے اسود ہی کے انتساب سے مشہور ہوئے۔[1]

اسلام:

وہ مکہ میں ابھی اچھی طرح توطن گزین بھی نہ ہونے پائے تھے کہ صدائے توحید کانوں میں آئی اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ نے ان کو اسلام کا شیدائی بنا دیا‘ یہ وہ پر آشوب زیادہ تھا کہ علانیہ ایک کو ایک کہنا قلمرو شرک میں شدید ترین جرم خیال کیا جاتا تھا‘ لیکن حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے اپنی بے بسی و غریب الوطنی کے باوجود اخفائے حق گوارا نہ کیا‘ چنانچہ وہ ان سات بزرگوں کی صف میں نظر آتے ہیں جنہوں نے ابتداء ہی میں اپنے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔[2]

ہجرت:

اس حق پسندی کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طرح طرح کے مصائب اور گوناگوں مظالم کا نشانہ بنا لیے گئے‘ یہاں تک کہ پیمانہ صبر و تحمل لبریز ہو گیا اور مکہ چھوڑ کر عازمِ

---

[1] اسدالغابہ تذکرۂ مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ [2] اسدالغابہ تذکرۂ مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ

Marfat.com

حبش ہوئے۔[1]

کچھ دنوں کے بعد سرزمین حبش سے واپس آئے تو مدینہ کی طرف ہجرت کی تیاریاں ہو رہی تھیں، لیکن وہ ایک عرصہ تک اپنی بعض دشواریوں کے باعث مدینہ جانے سے مجبور رہے، یہاں تک کہ جب رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لے گئے اور کفر و اسلام میں باہمی چھیڑ چھاڑ کر آغاز ہوا، تو یہ اور حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ ایک قریشی متجسس دستہ فوج کے ہمراہ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، عکرمہؓ بن ابی جہل اس کا امیر عسکر تھا، راہ میں مجاہدین اسلام کی ایک جماعت سے مڈبھیڑ ہوئی، حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ اس کے افسر تھے، یہ دونوں موقع پاکر مسلمانوں سے مل گئے اور مدینہ پہنچ کر حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے ان کو بنی عدیلہ کے محلّہ میں مستقل سکونت کے لیے زمین مرحمت فرمائی، کیونکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی دعوت پر انہوں نے اسی حصہ میں رہنا پسند کیا تھا۔[3]

غزوات

۲ھ سے شرک و توحید میں باقاعدہ معرکہ آرائیوں کا سلسلہ شروع ہوا اور مشرکین قریش کا ایک خوفناک سیلاب میدانِ بدر کی طرف امنڈ آیا، چونکہ جان نثارانِ رسول ﷺ کے لیے یہ اوّلین آزمائش تھی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے پہلے مشورہ طلب کر کے اس قلیل لیکن اولوالعزم جماعت کا امتحان لینا چاہا، چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی صداقت شعاری کا جوہر دکھایا، پھر ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک تقریر میں اپنے خلوص و وفا شعاری کا اظہار کیا، لیکن حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے جس جوش و وارفتگی کے ساتھ اپنی فدویت و جاں نثاری کا ثبوت دیا، اس نے یکا یک تمام فدائیوں کے

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۱۴ [2] اسد الغابہ تذکرہ مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ

[3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۱۴

Marfat.com

جذبہ سرفروشی میں ہیجان پیدا کر دیا' انہوں نے عرض کی "ہم قومِ موسیٰ کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ "تو اور تیرا خدا جا کر لڑے" بلکہ ہم آپ کے داہنے' بائیں' آگے اور پیچھے اپنی جانبازی کے جوہر دکھائیں گے[1] قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے' اگر آپ ہم کو برک غماد تک لے چلیں گے تو ہم آپ کے ساتھ جا کر لڑیں گے۔[2] اس سادہ لیکن پر جوش اظہارِ فدویت سے آنحضرت ﷺ اس قدر خوش ہوئے کہ فرطِ انبساط سے چہرۂ مبارک چمک اٹھا۔[3]

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ تیر اندازی' نیزہ بازی اور شہسواری میں کمال رکھتے تھے جنگ بدر میں صرف یہی یکہ وتنہا شہسوار تھے جو اپنے سبجہ صبا رفتار کو مہمیز کر رہے تھے' محدثین واصحاب سیر کا عام طور پر اتفاق ہے کہ اس جنگ میں ان کے سوا اور کسی کے پاس گھوڑا نہ تھا' غزوۂ بدر کے علاوہ احد' خندق اور تمام دوسرے مشہور معرکوں میں پامردی و جانبازی کے ساتھ شریک کارزار تھے۔[4]

فتح مصر:

۲۰ھ میں جب مصر پر فوج کشی ہوئی' اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ امیر عسکر نے دربار خلافت سے مزید کمک طلب کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دس ہزار سپاہی اور چار افسر جن میں سے ایک حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بھی تھے ان کی مدد کے لیے روانہ فرمایا اور لکھا کہ ان افسروں میں سے ہر ایک دشمن کے ایک ہزار سپاہیوں کے برابر ہے' چنانچہ درحقیقت اس کمک کے پہنچتے ہی جنگ کی حالت بدل گئی اور نہایت قلیل عرصہ میں تمام سر زمین فراعنہ فرزندانِ توحید کا ورثہ بن گئی۔[5]

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ بدر [2] سیرت ابن ہشام جلد اوّل ص ۳۵۲
[3] بخاری باب غزوۂ بدر [4] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۴۸
[5] مقریزی جلد ۱ ص ۶۵

Marfat.com

وفات:

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ عظیم البطن تھے' ایام پیری میں یہ مرض زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوا تو ان کے ایک رومی غلام نے اس پر عمل جراحی کیا' جو غلطی سے ناکام رہا' بالآخر وہ خوف وندامت کے باعث روپوش ہو گیا اور انہوں نے اسی حالت میں مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام جرف میں داعی جنت کو لبیک کہا' یہ ۳۳ھ میں خلیفہ ثالث کا عہد تھا' خود امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی' اور لاش مدینہ لا کر بقیع کے گورِ غریباں میں دفن کی گئی' انہوں نے کم وبیش ستر برس کی عمر پائی۔[1]

اخلاق:

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ گونا گوں محاسن اخلاق کے مظہر اتم تھے' انہوں نے غزوۂ بدر کے موقع پر جس فدویت کا اظہار کیا وہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے باعث رشک تھا' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے ''کاش! میں اس وقت جنگ میں شریک ہونے کے لائق ہوتا' اور یہ جملے میری زبان سے ادا ہوتے''۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''میں جنگ بدر میں مقداد بن اسود (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ تھا' حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس جنگ میں ان کے ساتھ ہونا اس قدر محبوب ہے کہ تمام دنیا اس کے آگے ہیچ ہے۔''[2]

سپاہیانہ سادگی' صاف گوئی اور ملنساری کے ساتھ زندہ دلی اور حاضر جوابی نے ان کی صحبت کو نہایت دلچسپ بنا دیا تھا' ایک دفعہ وہ کسی صراف کی دکان پر بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے ان کے بلغمی تن وتوش پر طعنہ زن ہو کر کہا ''ابوالاسود! خدا نے تم کو جہاد میں شریک ہونے سے معاف کر دیا ہے''۔ برجستہ بولے ''نہیں' انفروا خفافا و ثقالا کا حکم اس سے منکر ہے''۔[3]

وہ نہایت صاف گو اور سادہ مزاج تھے' ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

---

[1] اصابہ جلد ۳ ص ۴۵۵ [2] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ بدر

[3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ۳ ص ۱۱۵

Marfat.com

نے ان سے کہا کہ تم شادی کیوں نہیں کرتے، سادگی کے ساتھ بولے "تم اپنی لڑکی سے بیاہ دو"۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ اس بیباکی و صاف گوئی پر سخت برہم ہوئے اور برا بھلا کہنے لگے، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے ان کی اس برہمی کی شکایت دربارِ نبوت میں پیش کی تو ارشاد ہوا، اگر کسی کو انکار ہے تو ہونے دو میں تم کو اپنی بنت عم سے بیاہ دوں گا، چنانچہ اس کے بعد ہی حضرت ضباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہا ان کے عقد نکاح میں آئیں۔[1]

آغازِ اسلام کی عسرت و ناداری نے ان کو حد درجہ جفاکش و قانع بنا دیا تھا، فرماتے ہیں کہ جب میں ہجرت کر کے مدینہ آیا، تو یہاں میرے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا کوئی سہارا نہ تھا، بھوک سے حالت تباہ تھی، بالآخر رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو اور میرے دونوں ساتھیوں کو اپنے میزبان کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے گھر میں جگہ دی، آپ کے پاس اس وقت صرف چار بکریاں تھیں، جن کے دودھ پر ہم لوگوں کا گذارا تھا، ایک دفعہ رات کے وقت آپ ﷺ باہر تشریف لے گئے اور دیر تک تشریف نہ لائے، میں نے خیال کیا کہ آج کسی انصاری نے دعوت دی ہوگی، اور آپ آسودہ ہوکر تشریف لائیں گے، اس خیال کے آتے ہی میں نے اٹھ کر آنحضرت ﷺ کے حصہ کا دودھ بھی پی لیا، لیکن پھر خیال آیا کہ اگر یہ قیاس غلط ثابت ہوا تو بڑی ندامت ہوگی، غرض میں اس شش و پنج میں تھا کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور دودھ کی طرف بڑھے، دیکھا تو پیالہ خالی تھا، مجھے اس غلطی پر سخت ندامت ہوئی، خصوصاً جب کہ آپ نے کچھ کہنے کے لیے دونوں ہاتھ اٹھائے تو میرے خوف و ہراس کی کوئی انتہا نہ تھی اور اندیشہ ہوا کہ عنقریب آنحضرت ﷺ کی بددعاء سے ہماری دنیا و آخرت تباہ ہو جائے گی، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا:

اللّٰھم اطعمہ من اطعمنی واسق من سقانی.

"یعنی خدایا! جو مجھے کھلائے اس کو کھلا اور جو مجھے سیراب کرے اس کو سیراب کر"۔

اس دعا نے کچھ ہمت بڑھی، اٹھ کر بکریوں کے پاس گیا کہ شاید کچھ دودھ نکل آئے۔

---

[1] اصابہ جلد ۳ ص ۴۵۴

Marfat.com

لیکن خدا کی قدرت جس تھن پر ہاتھ پڑا وہ دودھ سے لبریز نظر آیا' غرض کافی مقدار میں دودھ کی خدمت بابرکت میں پیش کیا' آپ نے پوچھا ''کیا تم لوگ پی چکے ہو؟'' عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پہلے نوش فرمالیں تو پھر مفصل واقعہ عرض کروں''۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب سیر ہو کر نوش فرمایا تو مجھے اپنی گذشتہ غلطی وندامت پر بے اختیار ہنسی آ گئی' آپ نے پوچھا ''ابالاسود! یہ کیا ہے؟'' میں نے تمام واقعہ بیان کیا تو ارشاد ہوا:

''یہ خدا کی رحمت تھی' تم نے اپنے دونوں ساتھیوں کو کیوں بیدار نہ کر دیا کہ وہ بھی اس سے مستفیض ہوتے''۔ [1]

خوشامدانہ مداحی سے سخت متنفر تھے' ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دربار میں چند آدمیوں نے ان کے روبرو تعریف وتوصیف شروع کی' حضرت مقداد رضی اللہ عنہ اس تملق اور چاپلوسی پر اس قدر برہم ہوئے کہ ان کے منہ پر خاک ڈالنے لگے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مقداد! یہ کیا ہے؟'' بولے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا ہے کہ خوشامدیوں کے منہ میں خاک بھر دو''۔ [2]

ایک دفعہ ایک تابعی نے ان کے پاس آ کر کہا ''مبارک ہیں آپ کی آنکھیں' جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے' کاش! میں بھی اس زمانہ میں ہوتا''۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ ان پر سخت برہم ہوئے' لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ یہ برہمی کی کیا بات تھی' بولے ''حاضر کو غائب کی تمنا عبث ہے' جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے' ان میں بہت سے ایسے ہیں جن کو ایمان نہ لانے کے باعث خدا نے جہنم واصل کر دیا' اس کو کیا معلوم کہ وہ اس وقت کس گروہ میں ہوتا؟ تم لوگوں کو خدا کا شکر کرنا چاہئے کہ بغیر امتحان وآزمائش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے مستفیض ہوئے۔ [3]

کسی شخص کے متعلق اچھی یا بری رائے قائم کرنے میں نہایت محتاط تھے' فرمایا کرتے تھے' کہ میں صرف نتائج پر نظر رکھتا ہوں' خصوصاً جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۴۔ [2] ایضاً ص ۵ [3] ایضاً

Marfat.com

فرمایا ہے کہ انسان کا دل نہایت تغیر پذیر ہے۔[1]

جاگیروذریعہ معاش:

تجارت اصلی ذریعہ معاش تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خیبر میں جاگیر بھی مرحمت فرمائی تھی، جس کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد حکومت میں ان کے ورثاء سے ایک لاکھ درہم میں خرید لیا تھا۔[2]

حلیہ:

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ طویل القامت، عظیم البطن وفربہ اندام تھے، سر کے بال گھنے، ابرو پیوستہ اور ڈاڑھی نہایت موزوں وخوبصورت تھی۔[3]

اولاد:

حضرت ضباعہ بنت زبیر رضی اللہ عنہا سے ایک لڑکی کریمہ نام یادگار چھوڑی۔[4]

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۵

[2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۱۵

[3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۱۵

[4] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۱۵

Marfat.com

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما

نام، نسب:

عبدالرحمٰن نام، ابوعبداللہ کنیت، خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ تھے، والدہ کا نام ام رومان تھا، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور یہ دونوں حقیقی بھائی بہن تھے۔

ابتدائی حالات:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تمام خاندان ابتدا ہی میں حلقہ بگوشِ اسلام ہوا، لیکن حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اس سے مستثنیٰ تھے، وہ عرصہ تک اپنے قدیم مذہب کے حامی رہے، غزوۂ بدر میں مشرکین قریش کے ساتھ تھے، اثنائے جنگ میں انہوں نے آگے بڑھ کر "ھل من مبارز" کا نعرہ لگایا، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں خون اتر آیا، انہوں نے خود بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت نہ دی۔[1]

غزوہ اُحد میں بھی وہ مشرکین مکہ کے ساتھ تھے۔

اسلام:

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ایمان لائے اور مدینہ پہنچ کر اپنے والد کے ساتھ رہنے لگے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نجی کے تمام کام اور ذاتی کاروبار زیادہ تر یہی انجام دیتے تھے، اور نہایت اطاعت شعاری کے ساتھ ان کے غیظ و غضب کو برداشت کرتے تھے، ایک مرتبہ شب کے وقت چند اصحاب صفہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے یہاں مہمان تھے، انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن کو ہدایت فرمائی کہ:

"میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاتا ہوں۔ تم میرے واپس آنے سے

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۷۴

Marfat.com

پہلے ان کی مہمان نوازی سے فارغ ہو جانا''۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے حسب ہدایت وقت پر مہمانوں کے سامنے ما حضر پیش کیا لیکن انہوں نے صاحب خانہ کی غیر موجودگی میں کھانے سے انکار کر دیا' اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بہت دیر کے بعد تشریف لائے اور یہ معلوم کر کے کہ مہمان اب تک بھوکے بیٹھے ہیں' حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ پر نہایت برہم ہوئے اور گالی دے کر کہا ''خدا کی قسم! اس کو کھانے میں شریک نہیں کروں گا''۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ڈر سے مکان کے ایک گوشہ میں چھپ رہے تھے' وہ کسی قدر جرأت کر کے سامنے آئے اور ''آپ مہمانوں سے پوچھ لیجئے کہ میں نے کھانے کے لیے اصرار کیا تھا'' انہوں نے تصدیق کی اور کہا ''واللہ! جب تک آپ عبدالرحمٰن کو نہ کھلائیں گے ہم لوگ بھی نہ کھائیں گے'' غرض اسی طرح ان کا غصہ فرو ہوا' اور دستر خوان بچھایا گیا' حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس روز کھانے میں اس قدر برکت ہوئی کہ ہم لوگ کھاتے جاتے تھے' لیکن وہ کسی طرح ختم نہیں ہوتا تھا' یہاں تک کہ میں اس میں سے کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی لے کر حاضر ہوا جس کو آپ اور ان کے بہت سے اصحاب نے تناول فرمایا۔[1]

غزوات

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فطرۃً نہایت شجاع و بہادر تھے' خصوصاً تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے' واقعہ حدیبیہ کے بعد عہد نبوت میں جس قدر معرکے پیش آئے وہ ان میں سے اکثر میں جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرمِ کارزار تھے۔

جنگ یمامہ:

یمامہ کی خونریز جنگ میں حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اپنی قادر اندازی کا غیر معمولی کمال دکھایا' انہوں نے اس جنگ میں غنیم کے سات بڑے جانباز افسروں کو نشانہ بنا کر

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۹۰۶

Marfat.com

واصل جہنم کیا۔

قلعہ یمامہ کی دیوار ایک جگہ سے شق ہوگئی تھی' مسلمان اس راستہ سے اندر گھسنا چاہتے تھے' لیکن دشمن کا ایک سردار محکم بن طفیل نہایت جانبازی کے ساتھ اس جگہ اڑا ہوا تھا حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے تاک کر اس کے سینہ پر ایک تیر مارا کہ وہیں تڑپ کر ڈھیر ہوگیا اور مسلمان اس کے ساتھیوں کو ریلتے ہوئے اندر گھس گئے۔[1]

یزید کی بیعت سے انکار:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی جانشینی کے لیے اپنی زندگی ہی میں کوشش شروع کر دی تھی' ایک دفعہ ان کی ایماء سے مروان بن حکم والی مدینہ نے مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں لوگوں کو جمع کر کے یزید کے لیے بیعت لینا چاہی' اس وقت جن لوگوں نے مخالفت میں صدا بلند کی ان میں ایک حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بھی تھے' انہوں نے مروان سے غضب آلود لہجہ میں کہا ''کیا تم لوگ خلافت کو موروثی بادشاہت بنا دینا چاہتے ہو''۔ مروان نے برہم ہو کر کہا ''صاحبو! یہ وہی ہے جس کی نسبت قرآن میں آیا ہے:

﴿ وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَا ﴾

''یعنی والدین کی اطاعت نہ کرنے پر خدا نے ان کی مذمت کی ہے''۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے حجرہ میں یہ گفتگو سن رہی تھیں' وہ غضبناک ہو کر بے اختیار بول اٹھیں ''نہیں! واللہ نہیں!! یہ آیت عبدالرحمٰن کے متعلق نہیں ہے' اگر چاہو تو میں اس کا نام لے سکتی ہوں جس کی نسبت یہ آیت نازل ہوئی تھی''۔[2]

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی مخالفت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے ان کو خوش کرنے کے لیے ان کے پاس ایک لاکھ درہم کے توڑے بھیج دیئے' لیکن حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے غایت بے نیازی کے ساتھ واپس کر دیا اور فرمایا ''واللہ! میں دین کو دنیا کے عوض فروخت نہیں کر سکتا''۔[3]

---

1. اصابہ جلد ۲ ص ۱۶۸ 2. اسد الغابہ جلد ۳ یہ واقعہ بخاری میں بھی مذکور ہے۔
3. استیعاب جلد ۲ ص ۴۰۵

Marfat.com

وفات:

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے بعد مدینہ چھوڑ کر مکہ چلے آئے اور شہر سے تقریباً ۱۰ میل کے فاصلہ پر ''حبشی'' نام ایک مکان میں اقامت پذیر ہوئے' یہاں تک کہ ۵۳ھ میں ایک روز ناگہانی طور پر اسی گوشہ عزلت میں واصل بحق ہوئے' بیان کیا جاتا ہے کہ پہلے سے ان کو اپنی صحت کے متعلق کسی قسم کی کوئی شکایت نہ تھی' وفات کے دن حسب معمول سوئے مگر ایسی نیند سوئے کہ پھر نہ اُٹھ سکے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل میں اس ناگہانی حادثہ کے باعث شبہ ہوا کہ کسی نے زہر وغیرہ دے کر مار ڈالا' لیکن کچھ دنوں کے بعد ایک عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئی' بظاہر توانا وتندرست تھی' ایک مرتبہ سجدہ کیا اور ایسا سجدہ کہ پھر اس سے سر نہ اُٹھایا' اس واقعہ کے بعد ان کا شک جاتا رہا۔[1]

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے انتقال کی خبر ملی تو وہ حج کی نیت سے مکہ آئیں اور بھائی کی قبر پر کھڑی ہو کر بے اختیار روئیں' اس وقت ان کی زبان پر یہ اشعار تھے ؎

وکنا لندمانی جذیمة حقبة   من الدهر حتی قیل لن یتصدعا

فلما تفرقنا کانی و مالکا   لطول اجتماع لم نبت لیلة معا

پھر مرحوم بھائی کی روح سے مخاطب ہو کر بولیں: ''بخدا! اگر میں تمہاری وفات کے وقت موجود ہوتی تو اس قدر نہ روتی اور تم کو اس جگہ دفن نہ کرتی جہاں تم نے وفات پائی تھی''۔[2]

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۴۷۶

[2] مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۴۷۶

Marfat.com

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ

نام نسب:

حاطب نام' ابو محمد یا ابو عبداللہ کنیت اور والدہ کا نام ابو بلتعہ تھا' سلسلہ نسب میں اختلاف ہے' بعض قحطانی النسل قرار دیتے ہیں اور بعض بنو لخم بن عدی کا ایک ممبر بتاتے ہیں جو ایام جاہلیت میں قبیلہ بنو اسد کے حلیف تھے' تاہم اصحابِ سیر کا عام رجحان یہ ہے کہ ان کا آبائی وطن ملک یمن تھا' مکہ میں غلامی یا حلیفانہ تعلق کے باعث سکونت پذیر تھے۔[1]

قبل از اسلام:

ایامِ جاہلیت میں شاعری و شہسواری کے لحاظ سے مخصوص شہرت کے مالک تھے۔[2]

اسلام:

قبل از ہجرت ایمان لائے' اور جب مدینہ اسلام کا مرکز قرار پایا تو وہ بھی اپنے غلام حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ واردِ یثرب ہوئے' یہاں حضرت منذر بن محمد انصاری رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنا مہمان بنا لیا' اور حضرت خالد بن رخیلہ رضی اللہ عنہ سے مواخات ہوئی۔[3]

غزوات

غزوۂ بدر' احد' خندق اور تمام مشہور معرکوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔[4]

---

1. اسد الغابہ تذکرۂ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ
2. اصابہ جلد ۱ ص ۳۱۴
3. طبقات ابن سعد قسم ۱ جزء ۳ ص ۸۰
4. طبقات ابن سعد قسم ۱ جزء ۳ ص ۸۰

Marfat.com

دربارِ مصر میں تبلیغ اسلام:

غزوۂ حدیبیہ سے واپس آ کر ۶ھ میں رسول اللہ ﷺ نے ان کو مقوقس والیٔ مصر کے پاس مبلغ اسلام بنا کر بھیجا۔ رقعہ دعوت کا مضمون یہ تھا'

امابعد فانی ادعوك بدعاية الاسلام اسلم تسلم و اسلم يوتك الله اجرك مرتين فان توليت فان عليك اثم اهل القبط يا اهل الكتاب تولوا الى كلمة سواء بيننا و بينكم ان الا نبعد الا الله و لا تشرك به شيئا و لا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله[1]

''میں تم کو دعوتِ اسلام کی طرف بلاتا ہوں اسلام قبول کرو گے تو تم محفوظ رہو گے اور خدا تم کو دونا اجر دے گا' اور اگر روگردانی کرو گے تو تمام قبطیوں کا گناہ تم پر عائد ہوگا۔ اے اہل کتاب! تم ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں باہم مساوی ہے' یعنی ہم لوگ صرف ایک خدا کی پرستش کریں' کسی چیز کو اس کا شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے بعض اپنے بعض کو خدا کے آگے پروردگار نہ بنائے''۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے مصر پہنچ کر مقوقس کے دربار میں نامہ مبارک پیش فرمایا اور حسب ذیل مکالمہ سے اس کو اسلام کی ترغیب دی۔

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ: تم سے پہلے یہاں ایک ایسا فرماں روا گذرا ہے جو بزعم خود اپنے آپ کو خدائے برتر سمجھتا تھا' لیکن حق سبحانہ نے اس کو دنیا و آخرت کے عذاب میں گرفتار کر کے عبرتناک انتقام لیا' تم کو غیروں سے عبرت حاصل کرنی چاہئے' ایسا نہ ہو کہ تم خود مرقع عبرت بن جاؤ۔

مقوقس: ہم ایک مذہب کے پابند ہیں جس کو اس وقت تک تم نہیں چھوڑ سکتے جب تک کوئی دوسرا مذہب اس سے بہتر ثابت نہ ہو جائے۔

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ: ہم تم کو دین اسلام کی دعوت دیتے ہیں جو تمام مذاہب میں سب سے

---

[1] زاد المعاد جلد ۲ ص ۵۰

Marfat.com

زیادہ مکمل ہے' اس نبی نے جب لوگوں کو اس کی دعوت دی تو قریش نے سخت مخالفت کی' اس طرح یہودیوں نے سب سے زیادہ عداوت ظاہر کی' لیکن نصاریٰ نسبتاً قریب تر تھے' قسم ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جس طرح عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دی' اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بشارت دی ہے' اور جس طرح تم یہودیوں کو انجیل کی طرف بلاتے ہو' اسی طرح ہم تم کو قرآن کی دعوت دیتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے زمانہ بعثت میں جو قوم موجود ہوتی ہے وہ ان کی اُمت ہوتی ہے اور اُس پر ان کی اطاعت فرض ہے' چونکہ تم نے ایک نبی کا زمانہ پایا ہے' اس لیے اس پر ایمان لانا ضروری ہے' ہم تم کو دین مسیح سے پھیرتے نہیں' بلکہ اسی راہ پر لے جانا چاہتے ہیں۔[1]

مقوقس: کیا درحقیقت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی ہیں؟

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ: کیوں نہیں!

مقوقس: قریش نے جب ان کو اپنے شہر سے نکال دیا تو انہوں نے بددعا کیوں نہ کی؟

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام رسولِ خدا ہیں؟ اگر ایسا ہے تو انہوں نے صلیب پر کیوں نہیں اپنی قوم کے لیے بددعا فرمائی۔

اس دلنشین جواب پر مقوقس نے بے اختیار صدائے تحسین و آفرین بلند کی اور بولا بیشک تم حکیم ہو اور ایک حکیم کی طرف سے آئے ہو۔[2] میں نے جہاں تک غور کیا ہے' یہ نبی کسی لغو کام کا حکم نہیں دیتا' اور نہ پسندیدہ امور سے باز رکھتا ہے' میں نہ تو اس کو گمراہ جادوگر کہہ سکتا ہوں' اور نہ جھوٹا کاہن' اس میں نبوت کی بہت سی نشانیاں ہیں' میں عنقریب اس پر غور کروں گا''۔ اس کے بعد اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک لے کر ہاتھی کے دانت کے ایک ڈبہ میں بند کیا' اور مہر لگا کر اپنی پیش خدمت کنیز کی حفاظت میں دیا۔

---

[1] زاد المعاد جلد ۲ ص ۵۷ [2] اسد الغابہ تذکرۂ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ

Marfat.com

مقوقس نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو نہایت عزت واحترام سے رخصت کیا' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گراں قدر تحائف ساتھ کر دیئے' جن میں ماریہ و سیرین دو لونڈیاں' دلدل نام ایک خچر اور بہت سے قیمتی کپڑے تھے۔[1]

غزوۂ فتح مکہ:

۸ھ میں فتح مکہ کی تیاریاں ہوئیں اور غنیم کو بے خبر رکھنے کے لیے تمام احتیاطی تدبیریں عمل میں لائی گئیں' حضرت حاطب رضی اللہ عنہ گو مکہ کے رہنے والے تھے' تاہم ایام جاہلیت میں قریش سے جو تعلقات پیدا ہو گئے تھے اس نے ان کو احبابِ قدیم کی مواسات پر برانگیختہ کیا' انہوں نے ان تیاریوں کے متعلق خط لکھ کر ایک عورت کی معرفت مکہ کی طرح روانہ فرمایا' لیکن کشافِ غیب نے قبل از وقت اس راز کو طشت از بام کر دیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی' حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ روضۂ خاخ کے پاس جا کر اس عورت سے خط چھین لائیں۔

غرض خط گرفتار ہو کر آیا اور پڑھا گیا تو آپ نے تعجب سے فرمایا "حاطب! یہ کیا ہے؟ عرض کی:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے معاملہ میں عجلت نہ فرمایئے' میں قریشی نہیں ہوں تاہم ایامِ جاہلیت میں ان سے تعلقات پیدا ہو گئے تھے' چونکہ تمام مہاجرین اپنے مکی اعزہ واقارب کی حمایت و مساعدت کرتے رہتے ہیں' اس لیے میں نے بھی چاہا کہ اگر نسبی تعلق نہیں ہے تو کم سے کم اس احسان کا معاوضہ ادا کر دوں جو قریش میرے رشتہ داروں کے ساتھ مرعی رکھتے ہیں' میں نے یہ کام مذہب سے مرتد ہو کر یا کفر کو اسلام پر ترجیح دے کر نہیں کیا ہے"۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جو کچھ سچی بات تھی' اس نے ظاہر کر دی' اس لیے اس کو کوئی برا نہ کہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

---

[1] زادالمعاد جلد ۲ ص ۵۷ [2] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ فتح

Marfat.com

یہ خدا اور رسول اور مسلمانوں کی خیانت کا مرتکب ہوا ہے' اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں"۔ ارشاد ہوا "کیا معرکہ بدر میں شریک نہ تھا؟ خدا نے تمام اہل بدر کو اجازت دے دی ہے کہ تم جو چاہو کرو' تمہارے لیے جنت واجب ہو چکی ہے"۔ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شانِ درگذر پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔[1]

اس واقعہ کے بعد اعدائے اسلام سے الفت و مودت کی ممانعت کی گئی اور قرآن پاک میں یہ آیت نازل ہوئی۔[2]

﴿ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّىْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ﴾ (ممتحنہ ع ۱)

"اے وہ لوگو! جو کہ ایمان لائے ہو' میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ' تم ان کی طرف محبت سے پیش آتے ہو حالانکہ تمہارے پاس جو (مذہب) حق آیا ہے اس کا انہوں نے انکار کیا ہے۔

مصر کی سفارت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ اوّل نے ان کو دوبارہ مقوقس کے دربار میں بھیج کر ان کی وساطت سے ایک معاہدہ ترتیب دیا جو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے حملہ مصر تک طرفین کا معمول بہ تھا۔[3]

وفات:

۶۵ برس کی عمر پا کر ۳۰ھ میں رہ گزین عالم جاوداں ہوئے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی' اور مسلمانوں کو ایک بڑے مجمع نے سپردِ خاک کیا۔[4]

اخلاق:

وفا شعاری' احسان پذیری اور صاف گوئی ان کے مخصوص اوصاف ہیں' احباب اور

---

[1] بخاری باب فضل من شھد بدراً [2] بخاری کتاب التفسیر باب تفسیر سورۃ الممتحنہ

[3] استیعاب جلد ا ص ۱۳۵ [4] استیعاب جلد ا ص ۱۳۵

Marfat.com

رشتہ داروں کا بے حد خیال رکھتے تھے' فتح مکہ کے موقع پر انہوں نے مشرکین کو جو خط لکھا وہ درحقیقت ان ہی جذبات پر مبنی تھا' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس نیت خیر وصاف گوئی کو ملحوظ رکھ کر ان سے درگذر فرمایا۔

مزاج میں ذرا سختی تھی' چنانچہ وہ اپنے غلاموں کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آتے تھے' آنحضرت ﷺ اور خلفائے وقت ان کی اصلاح کر کے دباتے تھے' ایک دفعہ ان کے ایک غلام نے دربارِ نبوت میں تشدد کی شکایت پیش کر کے کہا ''یا رسول اللہ ﷺ! حاطب (رضی اللہ عنہ) یقیناً جہنم میں جائے گا'' ارشاد ہوا ''تو جھوٹ کہتا ہے' جو شخص بدر وحدیبیہ میں شریک ہوا ہے وہ جہنم میں نہیں جا سکتا۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی بار ہا غلاموں کے ساتھ ان کے تشدد کی شکایتیں سنی گئیں' ایک دفعہ ان کے غلام نے قبیلہ مزینہ کے ایک شخص کا اونٹ ذبح کر دیا تو انہوں نے اس کی پاداش میں نہایت سخت سزا مقرر کی' یہاں تک کہ خود خلیفہ وقت نے ان کو بلا کہ کہا:

''معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے غلاموں کو بھوکا رکھتے ہو''۔

اور تنبیہ وتادیب کے خیال سے ان کے معاوضہ میں دو چند قیمت پیش کی۔[2]

ذریعہ معاش:

تجارت اصلی ذریعہ معاش تھی' انہوں نے کھانے کی ایک دکان (ریسٹورنٹ) سے نہایت کثیر نفع حاصل کیا' چنانچہ وفات کے وقت چار ہزار دینار نقد اور بہت سے مکانات چھوڑے۔[3]

حلیہ:

حلیہ یہ تھا' موزوں اندام' چہرہ خوبصورت' انگلیاں موٹی اور قد کسی قدر چھوٹا۔[4]

---

[1] استیعاب جلد ۱ ص ۱۳۵ [2] استیعاب جلد ۱ ص ۱۳۵

[3] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۸۰ [4] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۸۰

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

عبداللہ نام' ابو سہیل کنیت' والد کا نام سہیل اور والدہ کا نام فاختہ بنت عامر تھا' شجرۂ نسب یہ ہے:
عبداللہ بن سہیل بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن جبل ابن عامر بن لوی۔

اسلام:

مکہ میں ایمان لائے اور سرزمین حبش کی دوسری ہجرت میں شریک ہوئے۔[1]
حبش سے واپس آئے تو ان کے والد نے پکڑ کر مقید کر لیا اور سخت اذیت پہنچائی' بالآخر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ان جفا کاریوں سے تنگ آ کر جمالِ توحید کو شرک کے پردہ میں چھپانے پر مجبور ہو گئے' یہاں تک کہ ان کے والدین اور مشرکین قریش نے ان کی ظاہری حالت سے یقین کر لیا کہ وہ بندگانِ توحید کے دائرہ سے باطل پرستوں کے حلقہ میں پھر واپس آ گئے اور غزوۂ بدر میں شرک کی حمایت پر اپنے ساتھ لے گئے' لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ جو دل نورِ ایمان سے ایک دفعہ روشن ہو چکا ہے وہ کبھی تاریک نہیں ہو سکتا؟ غرض میدانِ بدر میں جب حق و باطل کے فدائی ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ شرک کا ظاہری جامہ چاک کر کے آغازِ جنگ سے پہلے لوائے توحید کے نیچے آ کھڑے ہوئے۔

---

[1] استیعاب جلد ۱ ص ۳۹۴

Marfat.com

غزوات

اس واقعہ پر ان کے والد کو سخت غصہ آیا اور جنگ شروع ہونے پر غیض وغضب کے ساتھ حملہ آور ہوئے' لیکن اب وہ آزاد تھے' اخوانِ ملت کی پشت پناہی اور ہادیِ دین کے سایہ عاطفت نے دل بڑھا دیا تھا' نہایت بہادری سے لڑے' یہاں تک کہ مسلمانوں کی فتح پر جنگ کا خاتمہ ہوا۔[1]

غزوۂ بدر کے علاوہ تمام مشہور معرکوں میں جانبازی و پامردی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے' مکہ فتح ہوا تو انہوں نے دربارِ نبوت میں اپنے والد کے لیے امان طلب کی' آپ نے امان دے کر حاضرین سے فرمایا:

''سہیل بن عمرو کو کوئی نگاہِ حقارت سے نہ دیکھے' قسم ہے کہ..... وہ نہایت ذی عزت و دانشمند ہے' ایسا شخص محاسن اسلام سے ناواقف نہیں ہو سکتا' اور اب تو اس نے دیکھ لیا ہے کہ وہ جس کا حامی تھا اس میں کوئی منفعت نہ تھی''۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کے پاس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنایا اور امان کی بشارت دی تو ان کا دل اپنے صاحبزادہ کی سعادت مندی پر تشکر آمیز شفقت سے لبریز ہو گیا' بولے'' خدا کی قسم یہ بچپن ہی سے سعادت مند و نیکوکار ہے''۔[2]

شہادت:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تقریباً ۳۸ برس کی عمر پا کر ۱۲ھ میں یمامہ کی جنگ میں شہید ہوئے[3] انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حج کے لیے مکہ آئے تو ان کے والد سہیل کے پاس تعزیت کے لیے گئے' صابر وشکر باپ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شہید اپنے ۷۰ اہل خاندان کی شفاعت کرے گا' مجھ کو امید ہے کہ میرا لڑکا اس وقت مجھ کو فراموش نہ کرے[4]

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳ص ۲۹۵۔ [2] استیعاب جلد ۱ص ۳۹۵۔ [3] ایضاً
[4] طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳ص ۲۹۶۔

Marfat.com

حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ

نام، نسب:

عتبہ نام، ابوعبداللہ کنیت، غزوان بن جابر کے لخت جگر تھے، پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

عتبہ بن غزوان بن جابر بن وہب بن نسیب بن زید بن مالک بن الحارث بن مازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس عیلان بن مضر، ایام جاہلیت میں ان کا خاندان بنی نوفل بن عبد مناف کا حلیف تھا۔[1]

اسلام:

حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ ان بزرگوں میں ہیں جنہوں نے ابتداء ہی میں داعی توحید کو لبیک کہا تھا،[2] چنانچہ ایک دفعہ انہوں نے اثنائے تقریر میں دعویٰ کیا تھا کہ سابقین اسلام میں ان کا ساتواں نمبر[3] ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ اس وقت تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حلقہ اس سے زیادہ وسیع ہو چکا تھا۔

ہجرت:

کفار مکہ کی ستم آرائیوں سے تنگ آ کر ملک حبش کی دوسری ہجرت میں شریک ہوئے لیکن کچھ عرصہ کے بعد پھر واپس چلے آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک مکہ میں موجود تھے۔[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور کفر و اسلام میں باہم فوجی چھیڑ چھاڑ کا آغاز ہوا تو یہ اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ ایک قریشی متجسس دستہ فوج کے ہمراہ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، عکرمہ بن ابی جہل اس کا امیر عسکر تھا، راہ میں مجاہدین اسلام کی ایک جماعت سے مڈبھیڑ ہوئی، حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ اس کے افسر تھے، یہ دونوں

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴۔ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۶۰۔

[3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴۔ [4] ایضاً

Marfat.com

موقع پا کر مسلمانوں سے مل گئے[1] اور مدینہ پہنچ کر حضرت عبداللہ بن سلمہ عجلانیؓ کے مہمان ہوئے' یہاں حضرت عتبہؓ اور حضرت ابودجانہ انصاریؓ میں باہم مواخات ہوئی۔[2]

غزوات

تیراندازی کے لحاظ سے ان کا شمار کاملین فن میں[3] تھا' بدر' اُحد اور ان تمام معرکوں میں جن میں رسول اللہ ﷺ نے خود بنفس نفیس حصہ لیا' شجاعت و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے۔[4]

سنہ ۱۴ھ میں خلیفۂ دوم نے ان کو بندرگاہ ابلہ میسان اور اس کے ملحقہ مقامات کی فتح پر مامور فرمایا' فرمان کے الفاظ یہ تھے:

''خدا کی نوازش و برکت پر اعتماد کر کے عرب کے انتہائی حدود اور مملکت عجم کے قریب ترین حصہ کی طرف اپنے ساتھیوں کو لے کر روانہ ہو جاؤ' جہاں تک ممکن ہو تقویٰ کو اپنا شعار بناؤ' اور خیال رکھو کہ تم دشمن کی سرزمین میں جا رہے ہو' مجھے امید ہے کہ خدا تمہاری مدد فرمائے گا۔

میں نے علاء بن الحضرمی کو لکھا ہے کہ عرفجہ بن ہرثمہ کو بھیج کر تمہاری مدد کریں۔ وہ دشمن کے مقابلہ میں ایک نہایت سرگرم مجاہد اور صاحب تدبیر شخص ہیں تم ان کو اپنا مشیر بناؤ اور اہل عجم کو خدا کی دعوت دو' جو قبول کرے اس کو پناہ دو اور جو اس سے انکار کرے وہ محکومانہ عاجزی کے ساتھ جزیہ دے' ورنہ تلوار سے فیصلہ کرو' راہ میں جن عربی قبائل سے گذرو ان کو جہاد اور دشمن سے لڑنے پر برانگیختہ کرو' اور ہر حال میں خدا سے ڈرتے رہو''۔[5]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۹
[3] مستدرک جلد ۳ ص ۳۶۰ [4] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴
[5] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴

Marfat.com

حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ نے حسب فرمان اس مہم کو نہایت خوش خوش اسلوبی سے انجام دیا' یعنی دریائے دجلہ کا تمام ساحلی علاقہ جو ابلہ' ابرقباذ اور میسان وغیرہ جیسے اہم مقامات پر مشتمل تھا' اسلام کے زیر نگیں کر دیا۔[1]

تعمیر بصرہ:

اسی سال ان کو بندرگاہ ابلہ کے قریب جہاں خلیج فارس کے ذریعہ سے ہندوستان وفارس کے جہازات لنگر کرتے تھے' ایک شہر بسانے کا حکم دیا گیا' حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ اس کف دست میدان میں تشریف لائے اور شہر کی داغ بیل ڈالی' ہر قبیلہ کے ساتھ ایک ایک محلہ مخصوص کر دیا۔[2] اور حضرت محجن بن الادرع رضی اللہ عنہ کو جامع مسجد کی تعمیر پر مامور فرمایا' عمارتیں اوّلاً گھاس پھوس سے چھائی گئی تھیں' چنانچہ جامع مسجد کی عمارت بھی بانس اور پھوس سے بنائی گئی تھی۔[3]

ولایت:

حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ اس نئے شہر کے سب سے پہلے والی مقرر ہوئے اور چھ مہینے تک نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ فرائض منصبی انجام دیتے رہے[4] لیکن زہد و بے نیازی نے اس سے کنارہ کش ہونے پر آمادہ کر دیا' ۱۵ھ میں حضرت مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ کو جانشین بنا کر فرات کی طرف فوج کشی کا حکم دیا اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو امامت کی خدمت سپرد کر کے حج کے خیال سے مکہ معظمہ تشریف لائے' یہاں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ موجود تھے' ان کی خدمت میں اپنا استعفا پیش کیا' لیکن انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار فرمایا' اور بصرہ واپس جانے کی ہدایت کی۔[5]

وفات:

حضرت عتبہ دل سے کنارہ کشی کے متمنی تھے' خلیفہ وقت کے حکم سے مجبور ہو کر

---

[1] یعقوبی جلد ۲ ص ۱۶۳ [2] فتوح البلدان بلاذری ذکر تعمیر البصرہ [3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴
[4] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۶۹ [5] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴

Marfat.com

بصرہ کی طرف روانہ ہوئے' تو ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگی ''خدایا مجھے بصرہ نہ پہنچا'' دعا مقبول ہوئی۔ اتفاقاً راہ میں اونٹ سے گر کر واصل بحق ہوئے اور ۵۷ برس کی مفارقت کے بعد خاک کا پتلا خاک سے مل گیا۔[1]

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن

اخلاق:

ان کا چمن اخلاق گل ہائے رنگا رنگ سے آراستہ ہے' تقویٰ' زہد' جفاکشی اور خاکساری اس باغ کے سب سے خوش آئند پھول ہیں' فرماتے ہیں کہ میں نے اس وقت رسولِ خدا ﷺ کو لبیک کہا تھا جب کہ صرف چھ آدمیوں کو اس کی توفیق عطا ہوئی تھی' اور عسرت و ناداری کے باعث درخت کے پتوں پر گذارہ کرنا پڑتا تھا۔ جس سے آنتوں میں زخم پڑ جاتے تھے۔[2]

زہد و بے نیازی نے منصب امارت جیسے پرفخر اعزاز سے متنفر کر دیا تھا' تکبر و غرور سے قطعی نفرت تھی' فرمایا کرتے تھے ''میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ لوگوں کی نظروں میں حقیر رہنے کے باوجود اپنے آپ کو بڑا سمجھوں''۔[3] انہوں نے بصرہ کی جامع مسجد میں ایک خطبہ دیا تھا' یہاں اس کے چند فقرے نقل کیے جاتے ہیں' ان سے ان کے خوفِ قیامت' زہد اور خاکساری کا اندازہ ہوگا۔

''صاحبو! دنیا رفتنی و گزشتنی ہے' اس کا بڑا حصہ گذر چکا ہے اور اب صرف ریزش باقی ہے' جس طرح کسی ظرف کا پانی پھینک دینے کے بعد آخر میں کچھ دیر تک تقاطر کا سلسلہ قائم رہتا ہے' ہاں! تم یقیناً اس دنیا سے ایک جگہ منتقل ہونے والے ہو جس کو کبھی زوال نہیں تو پھر کیوں نہیں بہتر سے بہتر تحائف اپنے ساتھ لے جاتے ہو؟ مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ اگر پتھر کا کوئی ٹکڑا جہنم کے کنارہ سے لڑھکایا جائے تو ستر برس میں بھی وہ اس کی گہرائی کو طے نہیں کر سکتا' لیکن خدا کی

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴ [2] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۷۴ [3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۵

Marfat.com

قسم تم اس کو بھر دو گے' کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو؟ خدا کی قسم مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ جنت کے دروازے اس قدر وسیع ہوں گے کہ چالیس سال میں اس کی مسافت طے ہو سکتی ہے' لیکن ایک دن ایسا بھی آئے گا جب کہ ان پر سخت اژدحام ہوگا۔

میں جب ایمان لایا تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف چھ آدمی تھے' عسرت و ناداری کی یہ حالت تھی کہ درخت کے پتوں پر گذارہ تھا' جس سے آنتوں میں زخم پڑ جاتے تھے' مجھے ایک دفعہ ایک چادر مل گئی جس کو چاک کر کے میں نے اور سعد نے تہہ بند بنایا لیکن ایک دفعہ ایک دن وہ بھی آیا جب ہم میں سے ہر ایک کسی نہ کسی شہر کا امیر ہے' میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ خدا کے نزدیک حقیر ہونے کے باوجود اپنے آپ کو بڑا سمجھوں۔ نبوت ختم ہو چکی ہے' انجام کار بادشاہت قائم ہوگی' اور تم عنقریب ہمارے بعد امیروں کو آزماؤ گے۔[1]

حلیہ:

حلیہ یہ تھا' قد طویل' مجموعی حیثیت سے حسین و خوبرو۔[2]

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۱۷۴

[2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ۳ ص ۶۹

Marfat.com

Marfat.com

بڑھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے پیچھے بٹھا لیا' مدینہ پہنچ کر وہ حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے' اور حضرت حارث بن اوس رضی اللہ عنہ ان کے اسلامی بھائی بنائے گئے۔[1]

ابتداءً مدینہ کی آب و ہوا جن لوگوں کو راس نہ آئی ان میں سے ایک حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے' یہ اس قدر سخت بیمار ہوئے کہ زندگی سے یاس ہوگئی' شدتِ بحران کے وقت یہ اشعار وردِ زبان تھے۔[2]

انی وجدت الموت قبل ذوقه ان الجبان حتفه من فوقه

''میں نے موت سے پہلے اس کا مزہ چکھ لیا' بے شک بزدل کی موت اوپر ہی سے ہے''۔

کل امرء مجاهد بطوقه کالثور یحمی انفه بروقه

''ہر شخص اپنی طاقت سے کوشش کرتا ہے' جس طرح بیل اپنی ناک کو سینگ سے محفوظ رکھتا ہے''۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب مہاجرین کرام رضی اللہ عنہم کی علالت کی خبر ملی تو آپ نے دعا فرمائی:

''اے خدا تو مدینہ کو مکہ کی طرح یا اس سے بھی زیادہ ہمارے لیے پسندیدہ بنا اور اس کو بیماریوں سے پاک کر''۔

غزوات

غزوۂ بدر و احد میں شریک تھے' ۴ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر قاریوں کی ایک جماعت کو مشرکین بیر معونہ کی تبلیغ و تلقین پر مامور فرمایا' حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی اس میں شامل تھے۔ قبائل رعل و ذکوان وغیرہ نے غداری کے ساتھ اس تمام جماعت کو شہید کر دیا' صرف حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ زندہ گرفتار ہوئے' عامر بن طفیل

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۶۶۔ [2] اصابہ تذکرہ ابن فہیرہ رضی اللہ عنہ

[3] بخاری باب ہجرت النبی واصحابہ الی المدینہ

Marfat.com

رازداری کا یہ حال ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے نازک سے نازک موقع پر ان کو اپنا معتمد علیہ بنایا' شوقِ شہادت نے ان کو دنیا سے بے نیاز کر دیا تھا' چنانچہ غزوۂ بیر معونہ میں جب برچھی جگر سے پار ہوگئی تو یہ کلمہ زبان پر تھا۔

فزت واللہ یعنی ''خدا کی قسم میں کامیاب ہو گیا''[1]

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۳۷

Marfat.com

حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ

نام، نسب:

عبداللہ نام، ابوسلمہ کنیت، والد کا نام عبدالاسد اور والدہ کا نام برہ بنت عبدالمطلب تھا۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم القرشی المخزومی[1]

ان کی والدہ حضرت برہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کی پھوپھی تھیں۔ اس لحاظ سے وہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی نیز بروایت صحیح رضاعی بھائی تھے۔

اسلام:

آنحضرت ﷺ کے ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں پناہ گزین ہونے سے پہلے حلقہ مومنین میں داخل ہوئے، ان کی بیوی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بھی ان کا ساتھ دیا، حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ، حضرت ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ایک ساتھ ایمان لائے تھے۔[2]

ہجرت:

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سرزمین حبش کی دونوں ہجرتوں میں شریک تھے، ان کی بیوی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی رفیق سفر تھیں، پھر حبش سے واپس آ کر عازمِ مدینہ ہوئے، بخاری کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سب سے پہلے مہاجر تھے جو وارد یثرب ہوئے، لیکن دوسری روایت میں اوّلیت کا سہرا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے سر باندھا گیا ہے، علامہ ابن حجر ان دونوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

[1] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۸۱۔ [2] ایضاً

Marfat.com

"(حضرت) ابوسلمہ رضی اللہ عنہ جب حبش سے مکہ واپس آئے تو مشرکین نے پھر ان کو ہدفِ اذیت بنایا' اس بنا پر ان کا مدینہ آنا مشرکین کے خوف سے تھا' مستقل ہجرت کا ارادہ نہ تھا' برخلاف اس کے (حضرت) مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اس وقت پہنچے جب کہ مستقل ہجرت کا حکم ہو چکا تھا' اس لیے ان دونوں روایتوں میں باہم تخالف نہیں ہے۔"[1]

بہر حال حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے مدینہ پہنچے' یہ محرم کی دسویں تاریخ تھی' خاندان عمرو بن عوف نے ان کو کامل دو ماہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری تک اپنا مہمان رکھا۔[2]

مواخات:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن خیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مواخات کرادی اور مستقل سکونت کے لیے ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا۔[3]

غزوات

غزوۂ بدر واحد میں سرگرمِ پیکار تھے' معرکہ اُحد میں ابواسامہ جشمی کے ایک تیر نے ان کا بازو زخمی کر دیا جو کامل ایک ماہ تک زیرِ علاج رہنے کے بعد بظاہر مندمل ہو گیا' لیکن غیر محسوس طریقہ پر اندر ہی اندر زہر پھیلتا رہا۔[4] اسی اثناء میں وہ سریہ قطن پر مامور ہوئے جس کی تفصیل یہ ہے۔

سریۂ قطن:

قید کے اطراف میں قطن ایک پہاڑ کا نام ہے جس کا دامن بنو اسد بن خزیمہ کا مسکن تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ طلیحہ اور اسد بن خویلد یہاں اپنی قوم اور دوسرے زیر

---

[1] فتح الباری جلد ۷ ص ۲۰۳ [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۷۱

[3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۷۱ [4] ایضاً

Marfat.com

اثر قبائل کو جنگ کے لیے ابھار رہے ہیں' اس بنا پر اوائل محرم ۴ھ میں حضرت ابوسلمہؓ کے زیر سیادت تقریباً ڈیڑھ سو مجاہدین کی ایک جماعت جس میں مہاجرین و انصار دونوں شریک تھے' قبل از وقت اس فتنہ انگیز تحریک کو دبانے پر مامور ہوئی' آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو علم دے کر فرمایا:

''روانہ ہو جاؤ یہاں تک کہ بنو اسد کی سرزمین میں پہنچ کر ان کی جمعیت کے فراہم ہونے سے پہلے ان کا شیرازہ منتشر کردو''۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ غیر معروف راستہ سے یلغار کرتے ہوئے یکایک بنو اسد پر جا پڑے۔ وہ اس ناگہانی حملہ سے بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے تو انہوں نے اپنی جماعت کو تین دستوں پر منقسم کر کے ان کے تعاقب پر مامور فرمایا' چنانچہ وہ دشمن کو دور تک بھگا کر نہایت کثرت کے ساتھ اونٹ اور بھیڑ بکریاں چھین لائے جن کو حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ پہنچ کر بطورِ مالِ غنیمت دربارِ نبوت میں پیش کیا۔[1]

وفات:

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اس مہم سے واپس آئے تو زخم پھر عود کر آیا اور ایک عرصہ تک بیمار رہ کر ۳ رجمادی الآخر ۴ھ میں واصل بحق ہوئے' اتفاق سے آنحضرت ﷺ عین حالت نزع میں عیادت کے لیے تشریف لائے تھے' روح دیدار جمال کی منتظر تھی' ادھر آپ تشریف لائے اور ادھر روح نے جسم کا ساتھ چھوڑا' آپ نے دست مبارک سے ان کی دونوں آنکھیں بند کر کے فرمایا:

''انسان کی روح جس وقت اٹھائی جاتی ہے تو اس کی آنکھیں اس کے دیکھنے کے لیے کھلی رہ جاتی ہیں''۔[2]

ایک طرف پردہ کے پیچھے گھر کی عورتیں مصروف ماتم تھیں' آنحضرت ﷺ نے ان کو اس سے روک کر فرمایا کہ یہ دعاء خیر کا وقت ہے کیونکہ ملائکہ آسمانی جو میت کے پاس

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی سریہ ابوسلمہؓ [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۷۲۔

Marfat.com

[م]وجود ہوتے ہیں وہ دعا گویوں کی دعا میں آمین کہتے ہیں' پھر خود اس طرح دست بدعا [ہ]وئے:

''خدایا! اس کی قبر کو کشادہ و روشن کر' اس کو پر نور بنا' اس کے گناہوں کو بخش دے اور ہدایت یاب جماعت میں اس کا درجہ بلند فرمایا''۔[1]

[ت]جہیز و تکفین:

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے قریب مقام عالیہ میں وفات پائی کیونکہ وہ [ق]باء سے منتقل ہوئے تو یہیں آ کر سکونت پذیر ہوئے تھے' بنی امیہ بن زید کے کنویں یسیرہ[2] کے پانی نے غسل دیا اور مدینہ کی خاک پاک نے اپنے دامن میں چھپالیا۔[3]

انّالله و انّا اليه راجعون

فضائل ومحاسن:

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا پایہ فضل و کمال نہایت بلند ہے' وہ بیمار ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ان کی عیادت فرمایا کرتے تھے۔[4]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز ابوسلمہ رضی اللہ عنہ دربارِ نبوت سے خوش خوش گھر واپس آئے اور کہنے لگے کہ آج مجھے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد نے بے حد محظوظ کیا' آپ نے فرمایا ہے کہ جو مصیبت زدہ مسلمان اپنی مصیبت میں خدا کی طرف رجوع کر کے کہتا ہے: ''اے خدا! اس مصیبت میں میری مدد کر اور بہتر نعم البدل عطا فرما'' تو خدا اس کی دعا قبول فرماتا ہے' چنانچہ ابوسلمہ (رضی اللہ عنہ) کی وفات نے جب مجھے صدمہ پہنچایا تو میں نے خدا کی طرف رجوع کر کے کہا ''اے خدا! میری مدد کر اور تلافی بالخیر فرما'' لیکن

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۷۲ [2] ایامِ جاہلیت میں یہ کنواں بیرِ عبیر کے نام سے مشہور تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بدل کر بیرِ یسیرہ نام رکھا۔ [3] ایضاً ص ۱۷۲۔

[4] ایضاً ص ۱۷۱۔ [5] اصابہ تذکرہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ

Marfat.com

گزرا کہ میرے لیے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا نعم البدل کون ہو سکتا ہے؟ عدت گزرنے کے
جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا پیام بھیجا تو مجھے معلوم ہو گیا کہ خدا نے تلافی بالخیر
صورت پیدا کر دی۔[1]

اولاد:

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے دو لڑکے سلمہ و عمر اور دو لڑکیاں زینب اور درّہ یادگ
چھوڑیں' ان کی تمام اولاد حضرت ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی تھی جو ان
بعد امہات المومنین رضی اللہ عنہن میں داخل کی گئیں۔[2]

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۲۷

[2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۷۰

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

نام نسب:

عبداللہ نام ابو محمد کنیت، والد کا نام جحش اور والدہ کا نام امیمہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

عبداللہ بن جحش بن رباب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن دودان بن اسد بن خزیمہ الاسدی۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی والدہ امیمہ کی عبدالمطلب ایک صاحبزادی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں، ایام جاہلیت میں وہ حرب بن امیہ کے حلیف تھے، بعضوں نے قبیلہ بنی عبد شمس کو ان کا حلیف لکھا ہے، لیکن ان دونوں روایتوں میں باہم کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ حرب بن امیہ اسی قبیلہ کا ایک ممبر تھا۔[1]

اسلام:

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے ابتدا ہی میں داعی اسلام کو لبیک کہا تھا، اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں پناہ گزین نہ ہوئے تھے۔[2]

ہجرت:

مشرکین قریش کے دست تظلم سے یہ خاندان بھی محفوظ نہ تھا، انہوں نے دو دفعہ سرزمین حبش کی طرف ہجرت فرمائی، آخری سفر میں تمام خاندان یعنی دو بھائی ابو احمد، عبید اللہ اور تین بہنیں زینب، ام حبیبہ، حمنہ بنت جحش نیز عبداللہ کی بیوی ام حبیبہ بنت ابی سفیان ساتھ تھیں۔

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۳۱ [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۶۲

Marfat.com

عبیداللہ نے حبش میں نصرانیت اختیار کر لی اور وہیں پیوند خاک ہوا' حضرت عبدا
ابن جحش رضی اللہ عنہ اپنے بقیہ خاندان کو پھر مکہ واپس لائے اور یہاں سے اپنے قبیلہ یعنی بنی غ
میں دودان کے تمام ممبروں کو جو سب کے سب دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے' سا
لے کر مدینہ پہنچے' انہوں نے اپنے رشتہ داروں سے اس طرح مکہ کو خالی کر دیا تھا کہ محلّ
محلہ بے رونق ہو گیا' اور بہت سے مکانات مقفل ہو گئے۔[1]

مدینہ میں حضرت عاصم بن ثابت بن ابی افلح انصاری رضی اللہ عنہ نے ان کے تمام قبیل
کو اپنا مہمان بنایا' آنحضرت ﷺ نے ان دونوں میں بھائی چارہ کرا دیا تھا۔[2]

غزوات

ماہ رجب ۲ھ میں رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک جمعیت کی امارت سپرد کی او
سربمہر فرمان دے کر حکم دیا کہ دو روز سفر کرنے کے بعد کھول کر پڑھیں اور اس کی ہدایتوں
کو اپنا طرزِ عمل بنائیں' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حسب ارشاد دو منزلوں کے بعد کھول کر
پڑھا' اس میں حکم دیا گیا تھا کہ مکہ اور طائف کے درمیان جو نخلستان ہے وہاں پہنچ کر قریش
کی نقل و حرکت اور دوسری ضروری حالات کا پتہ چلائیں' انہوں نے نہایت ادب کے
ساتھ اس حکم پر سمعاً وطاعۃً کہا اور اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر بولے:

''صاحبو! میں رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کو پورا کر کے رہوں گا' تم لوگوں میں سے جو شہادت کا آرزومند ہو ساتھ چلے اور جو اس کو ناپسند کرتا ہو وہ لوٹ جائے' میں کسی کو مجبور نہیں کرتا''۔

اس تقریر میں سب نے جوش کے ساتھ رفاقت و جان نثاری کی حامی بھری اور
نخلستان پہنچ کر قریش کے تجسس میں مصروف ہوئے' اتفاقاً اس طرف سے ایک تجارتی قافلہ
گذرا گو ماہِ رجب میں مراسم جاہلیت کے مطابق قتل و خونریزی ناجائز تھی' تاہم مسلمانوں
نے ان پر حملہ آور ہونے کی رائے قائم کر لی' اور یکا یک ٹوٹ پڑے' عمرو بن حضرمی جو اس
قافلہ کا سرگروہ تھا مارا گیا' عثمان بن عبداللہ اور حکیم بن کیسان گرفتار ہوئے' بہت سا مالِ

Marfat.com

غنیمت ہاتھ آیا' حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اس میں سے ایک خمس نکال کر باقی بہ حصہ مساوی تمام شرکائے جنگ میں تقسیم فرما دیا' اس وقت تک تقسیم غنیمت کے متعلق کوئی قانون وضع نہیں ہوا تھا' لیکن حضرت عبداللہ کا اجتہاد صحیح ثابت ہوا' اور قرآن میں اسی کے مطابق خمس کی آیت نازل ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ مالِ غنیمت کا خمس لے کر دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اس کے لینے میں پس و پیش کیا اور فرمایا کہ میں نے تم کو ماہِ حرام میں خونریزی کا حکم نہیں دیا تھا' مسلمانوں نے بھی اس جسارت پر ملامت کی' قریش نے اس واقعہ کو زیادہ شہرت دی' اور کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب نے ماہِ محرم کو حلال کر لیا' اور قتل و خونریزی کرکے اس کی بے حرمتی کی' لیکن وحی الٰہی نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو ان جگر دوز طعنوں سے بری کر دیا۔[1]

﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَّ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ﴾ (بقرہ : ۲۷)

''لوگ تم سے ماہِ حرام کی نسبت پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑنا (جائز) ہے' کہہ دو کہ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور خدا کی راہ سے روکنا اور اس کا نہ ماننا اور مسجد حرام سے (باز رکھنا) اور اس کے اہل کو اس سے نکالنا خدا کے نزدیک اس سے (بھی) بڑھ کر ہے اور فساد کشت و خون سے زیادہ برا ہے''۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر و احد میں شریک تھے' حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ اُحد کے ایک روز پہلے میں نے اور عبداللہ نے ایک ساتھ دعا مانگی تھی میرے الفاظ یہ تھے:

''اے خدا! کل جو دشمن میرے مقابلہ میں آئے وہ نہایت بہادر اور غضبناک

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ا ص ۳۴۴، ۳۴۵

Marfat.com

ہو تا کہ میں تیری راہ میں اس کو قتل کروں''۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آمین کہا' پھر دست بدعا ہوئے:

''خدایا! مجھے ایسا مقابل عطا کر جو نہایت شجاع اور سریع الغضب ہو' میں تیری راہ میں اس سے معرکہ آرا ہوں' یہاں تک کہ وہ مجھے قتل کر کے ناک کان کاٹ ڈالے' جب میں تجھ سے ملوں گا اور تو فرمائے گا اے عبداللہ! یہ تیرے کان' ناک کیوں کاٹے گئے؟ تو عرض کروں گا تیرے لیے اور تیرے رسول کے لیے'

ان کو اپنی یہ تمنا اس قدر متوقع الحصول نظر آتی تھی کہ قسم کھا کھا کر کہتے تھے'

''خدایا! میں تیری قسم کھاتا ہوں کہ میں دشمن سے لڑوں گا' یہاں تک کہ وہ مجھے قتل کر کے میرا مثلہ کر لے گا''۔[1]

شہادت:

غرض ۷ شوال ۳ھ سنیچر کے روز معرکہ کارزار گرم ہوا' حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اس جوش سے لڑے کہ تلوار ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھجور کی چھڑی مرحمت فرمائی جس نے ان کے ہاتھ میں تلوار کا کام دیا' دیر تک لڑتے رہے' بالآخر اس حالت میں ابوالحکم ابن اخنس ثقفی کے وار نے شہادت کی تمنا پوری کر دی۔ مشرکین نے مثلہ کیا اور ان کے ناک کان کاٹ کر دھاگے میں پروئے' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو بولے:

''خدا کی قسم عبداللہ (رضی اللہ عنہ) کی دعا میری دعا سے بہتر تھی''۔[2]

چالیس برس سے کچھ زیادہ عمر پائی' اپنے ماموں سید الشہداء حضرت امیر حمزہ کے ساتھ ایک ہی قبر میں مدفون ہوئے۔[3]

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

اخلاق:

گذشتہ واقعات سے ان کے مذہبی جوش و وارفتگی کا اندازہ ہوا ہوگا' جفاکشی ان

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۳۱ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۱۳۲

Marfat.com

کی فطرت میں داخل تھی، چنانچہ نخلستان کی مہم پر مامور کیے گئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کے ساتھیوں سے فرمایا تھا:

"گو عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ تم لوگوں میں سب سے بہتر نہیں ہے تاہم بھوک پیاس کی سختیوں کو زیادہ برداشت کر سکتا ہے"۔[1]

خدا اور رسول کی محبت نے ان کو تمام دنیا سے بے نیاز کر دیا تھا، انہیں اگر کوئی تمنا تھی تو صرف یہ کہ جانِ عزیز کسی طرح راہِ خدا میں نثار ہو جائے، چنانچہ یہ آرزو پوری ہوئی، اور "المجدع فی اللہ" یعنی گوش بریدۂ راہِ خدا، ان کے نام کا فضل امتیازی ہو گیا۔[2]

حلیہ:

حلیہ یہ تھا، قد میانہ، سر کے بال نہایت گھنے۔[3]

اولاد:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ازواج و اولاد کی تفصیل معلوم نہیں، غالباً ایک لڑکا تھا، آنحضرت ﷺ اس کے ولی تھے، اور آپ نے اس کے لیے خیبر میں جائداد بھی خرید فرمائی تھی۔[4]

---

1. اصابہ تذکرۂ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ
2. اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۳۲
3. طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۶۴
4. طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۶۴

Marfat.com

حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ

نام، نسب:

عُکاشہ نام، ابومحصن کنیت، محصن بن حرثان کے نورنظر تھے، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ عکاشہ بن محصن بن حرثان بن قیس بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ الاسدی۔

ایام جاہلیت میں بنی عبدشمس کے حلیف تھے۔[1]

اسلام وہجرت:

مکہ میں قبل ہجرت بادہ ایمان سے مخمور ہوئے، ساقی اسلام ﷺ نے جب یثرب کا رخ کیا تو یہ بھی قدح خوارانِ توحید کے ساتھ مدینہ پہنچے۔[2]

غزوات

غزوۂ بدر میں غیر معمولی جانبازی وشجاعت کے ساتھ سرگرمِ کارزار تھے، ان کی تیغ دودم ریزے ریزے ہوکر اڑ گئی تو آنحضرت ﷺ نے ان کو کھجور کی ایک چھڑی مرحمت فرمائی جس نے خنجر خاراشگاف بن کر دشمن کا صفایا کردیا، وہ آخر وقت تک اس سے لڑتے رہے، یہاں تک کہ حق نے فتح پائی اور باطل مغلوب ہوا۔[3]

اس معرکہ کے علاوہ احد، خندق اور تمام دوسری مشہور جنگوں میں جوش وپامردی کے ساتھ نبرد آزما تھے، ماہ ربیع الاوّل ۶ھ میں چالیس آدمیوں کی ایک جمعیت کے ساتھ بنواسد کی سرکوبی پر مامور ہوئے جو مدینہ کی راہ میں چشمہ غمر پر خیمہ فگن تھے، حضرت عکاشہ نہایت تیزی کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے موقع پر جا پہنچے لیکن وہ خائف ہوکر پہلے ہی بھاگ گئے تھے، اس لیے کوئی جنگ پیش نہ آئی، صرف دوسو اونٹ اور بھیڑ بکریاں گرفتار

---

[1] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲ [2] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۱۲ [3] استیعاب تذکرہ عکاشہ رضی اللہ عنہ

Marfat.com

کر کے لے آئے[1]

شہادت:

۱۲ھ میں خلیفہ اوّل نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو طلیحہ کی بیخ کنی پر مامور فرمایا جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علم نبوت بلند کیا تھا' حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ اپنے رہوار رزام اور حضرت ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے مجر پر سوار ہو کر اس فوج کے آگے آگے طلیعہ کی خدمت انجام دے رہے تھے' اتفاقاً راہ میں غنیم کے سواروں سے مڈبھیڑ ہو گئی' جس میں خود طلیحہ اور اس کا بھائی سلمہ بن خویلد شامل تھے' طلیحہ نے حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا اور سلمہ حضرت ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ پر جا پڑا' وہ شہید ہوئے تو طلیحہ نے پکار کر کہا:
''سلمہ! جلدی میری مدد کو آؤ' یہ مجھے قتل کیے ڈالتا ہے''۔

وہ فارغ ہو چکا تھا' اس لیے یکا یک ٹوٹ پڑا اور دونوں نے اس شیر کو نرغہ میں لے کر شہید کر دیا۔[2]

تجہیز و تکفین:

اسلامی فوج ظفر موج جب ان دونوں شہیدانِ ملت کے قریب پہنچی تو ایسے جواہر پاروں کے فقدان کا سب کو نہایت شدید قلق ہوا' حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کے جسم پر نہایت خوفناک زخم تھے اور تمام بدن چھلنی ہو گیا تھا' حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ امیر عسکر گھوڑے سے اتر پڑے اور تمام فوج کو روک کر اسی خون آلودہ پیراہن کے ساتھ زیر زمین نہاں کیا۔[3]

انا للہ و انا الیہ راجعون

فضل وکمال:

فضل و منقبت کے لحاظ سے اکابر و ساداتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں شمار تھا' صاحب

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۶۱ [2] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۶۲

[3] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۶۲

Marfat.com

اسد الغابہ لکھتے ہیں ہیں: کان من سادات الصحابة و فضلائهم[1]

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ستر ہزار آدمی بغیر حساب کتاب بخش دیئے جائیں گے' انہوں نے معصومانہ سادگی کے ساتھ عرض کی ''یا رسول اللہ! میں'' فرمایا ''تم بھی ان ہی میں ہو''۔ اس پر ایک دوسرے شخص نے اپنی نسبت پوچھا تو ارشاد ہوا ''عکاشہ تم پر سبقت لے گیا'' اس واقعہ کے بعد سے یہ جملہ ضرب المثل ہو گیا' اور جب کوئی کسی پر سبقت لے جاتا تو کہتے ''فلاں عکاشہ کی طرح سبقت لے گیا''۔[2]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳

[2] بخاری

Marfat.com

حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ

نام نسب:

ہشیم نام، ابو حذیفہ کنیت، والد کا نام عتبہ اور والدہ کا نام ام صفوان تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی۔[1]

اسلام:

حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد عتبہ ان ذی اثر رؤسائے قریش میں تھے جنہوں نے اسلام کی مخالفت میں اپنی پوری طاقت صرف کر دی تھی، لیکن ارادۂ خداوندی میں کون مانع ہو سکتا ہے؟ خود عتبہ کے لخت جگر حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس وقت داعی اسلام کو لبیک کہا جب کہ بظاہر اس دعوت کے کامیاب ہونے کی کوئی صورت نہ تھی اور فرزندانِ توحید کی ایک نہایت مختصر جماعت کم پرسی کے ساتھ اسیر پنجۂ ظلم و جفا تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔[2]

ہجرت:

حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ سرزمین حبش کی دونوں ہجرتوں میں شریک تھے، ان کی بیوی سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا بھی رفیق سفر تھیں، چنانچہ محمد بن ابی حذیفہ حبش ہی میں پیدا ہوئے تھے۔[3]

حبش سے مکہ واپس آئے، یہاں ہجرت کی تیاریاں ہو رہی تھیں، اس بنا پر اپنے

---

[1] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۷۱ [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۵۹

[3] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۷۰

Marfat.com

غلام حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ پہنچے اور حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے۔[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں باہم مواخات کرادی۔[2]

غزوات

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اہم مشہور معرکوں میں جوش و پامردی کے ساتھ سرگرمِ کارزار تھے، خصوصاً غزوۂ بدر میں کیسا عبرت انگیز منظر تھا، جب کہ ایک طرف سے ان کے والد اور دوسری طرف سے یہ جوہر شجاعت دکھا رہے تھے، حقانیت کے جوش نے خویش و بیگانہ کی تمیز اٹھادی تھی انہوں نے اپنے والد کو مقابلہ کے لیے للکارا، اس پر ان کی بہن ہند بنت عتبہ (رضی اللہ عنہا) نے اشعارِ ذیل میں ملامت کی۔[3]

الاحــول الاثــقــل طــائــره ابــو حــذيفة شر الناس في الدين

''احول بڑے دانت والا جس کا طائر بخت شوم ہے، یعنی ابو حذیفہ جو مذہب میں نہایت برا ہے''۔

امــا شــكــرت ابًا رباك من صغر حتى شببت شبابا غير محجو ن

''کیا تو اپنے باپ کا مشکور نہیں جس نے بچپن سے تیری پرورش کی، یہاں تک کہ تو نے بے داغ جوانی پائی''۔

معرکہ بدر میں عتبہ بن ربیعہ اور اکثر رؤسائے قریش تہِ تیغ ہوئے اور ایک غار میں ڈال دیئے گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرداً فرداً نام لے کر ''اے عتبہ! اے شیبہ! اے امیہ بن خلف! اے ابوجہل کیا تو نے وعدۂ الٰہی کو حق پایا؟ مجھ سے تو جو کچھ وعدہ ہوا تھا وہ سچ ثابت ہوا''۔[4] ابن اسحاق کی روایت ہے کہ اس وقت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا چہرہ نہایت اداس تھا آپ نے غمگین دیکھ کر پوچھا: ''ابو حذیفہ! شاید تم کو اپنے باپ کا کچھ افسوس

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۵۹ [2] استیعاب تذکرۂ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ
[3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۵۹ [4] بخاری جلد ۲ ص ۵۶۶

Marfat.com

ہے''۔عرض کی ''خدا کی قسم نہیں! مجھے اس کے مقتول ہونے کا صدمہ نہیں ہے' لیکن میرا خیال تھا کہ وہ ایک ذی عقل پختہ کار و صاحب رائے شخص تھا' اس بنا پر امید تھی کہ وہ دولت ایمان سے متمتع ہوگا' لیکن جب کہ حضور نے حالت کفر پر اس کے مرنے کا یقین دلا دیا تو مجھے اپنے غلط توقع پر افسوس ہے''۔[1]

شہادت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عہد صدیقی میں مسیلمہ کذاب نے یمامہ میں علم نبوت بلند کیا' دارالخلافت سے جو فوج اس کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئی اس میں شریک ہوئے اور دادِ شجاعت دے کر ۵۴ برس کی عمر میں واصل بحق ہوئے۔[2]

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

اخلاق:

حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنی اخلاقی بلند کے لحاظ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صف میں نہایت ممتاز نظر آتے ہیں' حق پسندی' جفاکشی و جوشِ ایمان کا اندازہ گذشتہ واقعات سے ہوا ہوگا' غلاموں کے ساتھ نہایت شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے' حضرت سالم رضی اللہ عنہ ان کی بیوی حضرت ثبیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے' انہوں نے ان کو آزاد کر دیا تو حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنی متبنی بنا لیا' چنانچہ وہ عموماً سالم بن ابی حذیفہ کے نام سے مشہور تھے۔[3]

حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نہایت غیور تھے' قرآن پاک نے جب اس کی تصریح کر دی کہ منہ بولا بیٹا محرم نہیں ہوتا تو ان کو حضرت سالم رضی اللہ عنہ کا زنان خانہ میں آنا جانا ناگوار گذرنے لگا' چنانچہ ان کی زوجہ محترمہ حضرت سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا نے دربارِ نبوت میں

---

1. سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۳۶۹
2. طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۶۰
3. طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۶۰

Marfat.com

حاضر ہو کر عرض کی:

''یا رسول اللہ ﷺ! سالم اپنے لڑکے کی طرح گھر میں آتا جاتا تھا' لیکن ابو حذیفہ (رضی اللہ عنہ) کو ناگوار گذرتا ہے''۔

ارشاد ہوا کہ اس کو دودھ پلا تو تو تمہارا محرم ہو جائے گا۔[1] غرض اسی طرح متبنیٰ ہونے کے ساتھ وہ رضاعی فرزند بھی ہو گئے۔

حلیہ

حلیہ یہ تھا۔ قد بلند و بالا' چہرہ خوبصورت' چشم احول' سامنے کی طرف ایک دانت زیادہ۔

ازواج:

حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے متعدد شادیاں کیں' بیویوں کے نام یہ ہیں' سہلہ بنت سہیل' آمنہ بنت عمرو' ثبیہ بنت یعار انصاریہ۔[2]

اولاد:

محمد بن ابی حذیفہ' حضرت سہلہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حبش میں پیدا ہوئے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں پیش پیش تھے' طرفدارانِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مصر میں مقتول ہوئے' عاصم بن ابی حذیفہ' آمنہ بنت عمرو رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے' چونکہ یہ دونوں لاولد فوت ہوئے' اس لیے حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسل منقطع ہو گیا۔[3]

---

[1] بخاری شریف [2] طبقات ابن سعد ص ۵۹ [3] طبقات ابن سعد ص ۵۹

Marfat.com

حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ

نام نسب:

سالم (رضی اللہ عنہ) نام، ابوعبداللہ (رضی اللہ عنہ) کنیت، والد کے نام میں اختلاف ہے، بعض عبید بن ربیعہ اور بعض معقل لکھتے ہیں، یہ ایرانی الاصل ہیں، اصطخر ان کا آبائی مسکن تھا، حضرت ثبیہ بنت یعار انصاریہ رضی اللہ عنہا کی غلامی میں مدینہ پہنچے، انہوں نے آزاد کر دیا، تو حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنا متبنیٰ کر لیا، اس لحاظ سے ان میں انصار و مہاجر کی دونوں حیثیتیں مجتمع ہیں۔[1]

وہ عموماً سالم بن ابی حذیفہ کے نام سے مشہور تھے، حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ بھی ان کو اپنے لڑکے کی طرح سمجھتے تھے، اور اپنی بھتیجی فاطمہ بنت ولید سے بیاہ دیا تھا، لیکن جب قرآن میں یہ آیت نازل ہوائی "ادعوھم لا بائھم" یعنی لوگوں کو اپنے نسبی آباء کے انتساب سے پکارا کرو تو حضرت سالم رضی اللہ عنہ بھی ابن کے بجائے مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔[2]

حضرت سالم رضی اللہ عنہ جوان ہوئے اور قرآن نے خود ساختہ ابوت و نبوت کے تعلق کو کالعدم کر دیا تو حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ان کا زنان خانہ میں آنا جانا ناگوار گذرنے لگا، چنانچہ ان کی بیوی حضرت سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا نے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کی "یا رسول اللہ! سالم کو ہم اپنا لڑکا سمجھتے تھے، اور وہ ہمیشہ گھر میں آتا جاتا تھا، لیکن اب ابوحذیفہ کو ناگوار گذرتا ہے"۔ ارشاد ہوا کہ اس کو دودھ لا دو تو وہ تمہارا محرم ہو جائے گا، غرض اس طرح وہ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے رضاعی فرزند ہو گئے، لیکن ام المومنین

---

[1] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۴۵ [2] ابوداؤد کتاب النکاح باب فی من حرم

Marfat.com

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ سالم رضی اللہ عنہ کے لیے مخصوص اجازت تھی' ورنہ جوانی کی حالت میں رضاعت ثابت نہیں ہوتی''۔[1]

اسلام وہجرت:

حضرت سالم رضی اللہ عنہ غالباً مکہ میں حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسکن گزین تھے دعوتِ اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو انہوں نے ابتدا ہی میں لبیک کہا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ سے مواخات کرادی۔[2]

ہجرت کے موقع پر حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے' مدینہ پہنچ کر حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے' اور حضرت معاذ بن ماعض انصاری رضی اللہ عنہ سے مواخات ہوئی۔[3]

غزوات

غزوۂ بدر' احد' خندق اور عہد نبوی کی تمام جنگوں میں معرکہ آرا تھے' عہد صدیقی میں یمامہ کی مہم پر بھیجے گئے' مہاجرین کا علم ان کے ہاتھ میں تھا' ایک شخص نے اس پر نکتہ چینی کی اور کہا ''ہم کو تمہاری طرف سے اندیشہ ہے' اس لیے ہم کسی دوسرے کو علمبردار بنائیں گے'' بولے ''اگر میں بزدلی دکھاؤں تو میں سب سے زیادہ بدبخت حامل قرآن ہوں'' یہ کہہ کر نہایت جوش کے ساتھ حملہ آور ہوئے اور درحقیقت انہوں نے اپنے کو بہترین حامل قرآن ثابت کیا' اثنائے جنگ میں داہنا ہاتھ قلم ہوا تو بائیں ہاتھ سے قائم مقامی کی' وہ بھی شہید ہوا تو دونوں بازوؤں نے حلقہ میں لے کر لوائے توحید کو سینہ سے چمٹا دیا' زبان پر یہ فقرہ جاری تھا۔[4]

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ .... وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ﴾ (ال عمران ع ۱۵)

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف ایک رسول ہیں.....اور کتنے انبیاء ایسے ہیں جن کے ساتھ

---

[1] ابوداؤد کتاب النکاح باب فی من حرم [2] طبقات ابن سعد اول جزء ثالث ص ۶۱

[3] طبقات ابن سعد اول جزء ثالث ص ۶۱ [4] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۴۶

Marfat.com

بہت سے اللہ والوں نے جہاد کیا ہے"۔

شہادت:

زخموں سے چور ہو کر گرے تو پوچھا "ابو حذیفہ (رضی اللہ عنہ) نے کیا کیا؟" لوگوں نے کہا "شہید ہوئے" بولے "اس شخص نے کیا کیا جس نے مجھ سے اندیشہ ظاہر کیا؟" جواب دیا کہ "وہ بھی شہید ہوئے" فرمایا: "مجھے ان دونوں کے درمیان دفن کرنا"۔[1]

ابن سعد کی روایت ہے کہ جنگ یمامہ کے موقع پر جب مسلمانوں کے پاؤں پیچھے پڑنے لگے تو حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے کہا "افسوس! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو ہمارا یہ حال نہ تھا" وہ اپنے لیے ایک گڑھا کھود کر اس میں کھڑے ہو گئے' اور علم سنبھالے ہوئے آخری لمحہ حیات تک جانبازانہ شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے' اختتام جنگ کے بعد دیکھا گیا تو اس شہید ملت کا سر اپنے منہ بولے باپ (حضرت) ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر تھا۔[2]

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

فضل و کمال

حضرت سالم رضی اللہ عنہ ان بزرگوں میں تھے جو طبقہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں فن قراءت کے امام سمجھے جاتے تھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو یعنی ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) سالم مولیٰ ابی حذیفہ (رضی اللہ عنہما)' ابی بن کعب اور معاذ بن جبل سے[3] خدائے پاک نے خوش گلو اس قدر بنایا تھا کہ جب آیاتِ قرآنی تلاوت فرماتے تو لوگوں پر ایک عام محویت طاری ہو جاتی اور راہ گیر ٹھٹک کر سننے لگتے' ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہونے میں دیر ہوئی' آپ نے توقف کی وجہ پوچھی تو بولیں کہ ایک قاری تلاوت کر رہا تھا اس کے سننے میں دیر ہو گئی اور خوش الحانی کی اس قدر تعریف کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود چادر سنبھالے ہوئے باہر تشریف

---

[1] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۶ [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ۳ ص ۶۱ [3] بخاری

Marfat.com

لے آئے دیکھا تو سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہما ہیں' آپ نے خوش ہو کر فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہارے جیسے شخص کو میری امت میں بنایا"۔[1]

حضرت سالم رضی اللہ عنہ اپنی خوش الحانی و حفظ قرآن کے باعث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں نہایت عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے جس قدر مہاجرین مدینہ پہنچے تھے' (حضرت) سالم رضی اللہ عنہ مسجد قبا میں ان کی امامت کرتے تھے۔[2]

وہ مسجد قباء کے امام تھے' مہاجرین اوّلین جن میں حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے' اکثر ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے۔[3] غرض قرآنِ کریم کی برکت اور علم و فضل نے ان کو غیر معمولی عظمت و شرف کا مالک بنا دیا تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کی بے حد تعریف فرمایا کرتے تھے' یہاں تک کہ جب دمِ واپسیں کے وقت انہوں نے منصب خلافت کے متعلق وصیت فرمائی تو کہا: "اگر سالم موجود ہوتے تو میں اس مسئلہ کو مجلس شوریٰ میں پیش ہونے نہ دیتا"۔ یعنی وہ ان کو اپنا جانشیں بناتے۔[4]

اخلاق:

حضرت سالم رضی اللہ عنہ کے قبائے فضل پر محاسن اخلاق کا طغرا نہایت خوشنما ہے' گذشتہ واقعات سے ان کی استقامت' وفا شعاری و پارسائی کا اندازہ ہوا ہوگا' اہل حاجت کے لیے دست کرم کشادہ تھا چونکہ کوئی اولاد نہ تھی' اس لیے انہوں نے اپنے متروکہ مال اسباب میں سے ایک ایک ثلث مختلف اسلامی ضروریات اور غلاموں کی گلو خلاصی کے لیے اور ایک ثلث اپنے سابق آقاؤں کے لیے وصیت فرمائی تھی' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے

---

[1] اصابہ تذکرہ سالم رضی اللہ عنہ [2] بخاری کتاب الصلوۃ باب امامۃ العبد والمولی

[3] بخاری کتاب الاحکام [4] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۴۶

Marfat.com

ان کی سابق مالکہ حضرت ثبیتہ بنت یعار رضی اللہ عنہا کے پاس ان کا حصہ بھیجا تو انہوں نے لینے سے انکار کیا اور بولیں میں نے بغیر امید صلہ آزاد کیا تھا' اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اس کو بیت المال میں داخل فرما دیا۔[1]

[1] استیعاب تذکرہ سالم رضی اللہ عنہ مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ

Marfat.com

حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ

نام‘ نسب:

عبیدہ نام‘ ابوالحارث یا ابومعاویہ کنیت‘ والد کا نام حارث‘ اور والدہ کا نام سخیلہ تھا‘ سلسلہ نسب یہ ہے:

عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب بن عبدمناف بن قصی القرشی۔[1]

اسلام:

حضرت عبیدہ‘ حضرت ابوسلمہ بن اسد‘ حضرت عبداللہ بن ارقم اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم ایک ساتھ ایمان لائے تھے‘ آنحضرت ﷺ اس وقت ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں پناہ گزین تھے۔[2] مکہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان کے اسلامی بھائی قرار پائے۔[3]

ہجرت:

مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم ہوا تو حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں بھائی حضرت طفیل رضی اللہ عنہ‘ حضرت حصین رضی اللہ عنہ اور حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ ایک ساتھ روانہ ہوئے‘ اتفاقاً راہ میں حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کو بچھو نے ڈنگ مارا‘ اس لیے وہ پیچھے چھوٹ گئے‘ لیکن دوسرے روز خبر ملی کہ وہ نقل و حرکت سے بالکل مجبور ہیں تو پھر واپس آئے اور ان کو اٹھا کر مدینہ لائے‘ یہاں حضرت عبدالرحمٰن بن سلمہ عجلانی رضی اللہ عنہ نے خوش آمدید کہا اور لطف و محبت کے ساتھ میزبانی کا حق ادا کیا‘ آنحضرت ﷺ نے تشریف لانے کے بعد حضرت عمیر بن

---

[1] اسد الغابہ جلد۳ ص ۳۵۶ [2] اسد الغابہ جلد۳ ص ۳۵۷
[3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۳۵

Marfat.com

تمام انصاری رضی اللہ عنہ سے مواخات کرادی اور مستقل سکونت کے لیے ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا جس میں ان کا تمام خاندان آباد ہوا۔[1]

غزوات

ہجرت کے آٹھ مہینے بعد ماہ شوال میں ساٹھ مہاجرین کے ایک دستہ پر افسر مقرر ہو کر مشرکین قریش کی دیدبانی کے لیے وادی رابغ کی طرف بھیجے گئے' تاریخ اسلام میں یہ دوسرا لوائے امارت تھا جو حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو عطا ہوا۔

وہ رابغ کے قریب پہنچے تو ابوسفیان کی زیر امارت دوسو مشرکین کی ایک جماعت سے مڈبھیڑ ہوئی لیکن جنگ وخونریزی کی نوبت نہ آئی' صرف معمولی طور سے چند تیروں کا تبادلہ ہوا۔[2]

غزوۂ بدر:

اس مہم کے بعد حق و باطل کی پہلی کشمکش یعنی غزوۂ بدر میں شریک ہوئے' صف آرائی کے بعد مشرکین کی طرف سے عتبہ' شیبہ اور ولید نے نکل کر ''ھل من مبارز'' کا نعرہ بلند کیا' لشکر اسلام سے چند انصاری نوجوان مقابلہ کے لیے بڑھے تو انہوں نے پکار کر کہا کہ ''محمد (ﷺ)! ہم ناجنسوں سے نہیں لڑ سکتے' ہمارے مقابل والوں کو بھیجو''۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ' اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ جنبش لب کی دیر تھی کہ یہ تینوں نبرد آزما بہادر نیزے ہلاتے ہوئے اپنے حریف کے سامنے جا کھڑے ہو' حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اور ولید میں دیر تک کشمکش جاری رہی' یہاں تک کہ دونوں زخمی ہو گئے چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے دشمنوں سے فارغ ہو چکے تھے' اس لیے وہ ایک ساتھ ولید پر ٹوٹ پڑے اور اس کو تہہ تیغ کر کے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو میدانِ جنگ میں اٹھا لائے۔[3]

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۳۵ [2] ایضاً [3] ابوداؤد کتاب الجہاد باب المبارزہ

Marfat.com

حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کا ایک پاؤں شہید ہو گیا تھا اور تمام بدن زخموں سے چور تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تسکین خاطر کے لیے ان کے زانو پر سر مبارک رکھ دیا' انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" اگر ابو طالب مجھے دیکھتے تو انہیں یقین ہو جاتا کہ میں ان سے زیادہ اُن کے اس قول کا مستحق ہوں۔[1]

ونسلمه حتى نصرع حوله ونذهل عن ابنائنا والحلائل

"ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت کریں گے یہاں تک کہ ان کے اردگرد مارے جائیں گے اور اپنے بچوں اور بیویوں سے غافل ہو جائیں گے"۔

اختتام جنگ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر سے واپس آئے لیکن زخم ایسے کاری تھے کہ جانبر نہ ہو سکے' تریسٹھ برس کی عمر میں داعی جنت کو لبیک کہا اور مقام صفراء کی خاک پاک نے ان کو اپنے دامن میں چھپا لیا۔[2] انا للہ و انا الیہ راجعون.

فضل وکمال:

ان کو دربارِ نبوت میں غیر معمولی رفعت حاصل تھی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نہایت قدر فرماتے تھے' ایک دفعہ آپ مقام صفراء میں خیمہ افگن ہوئے' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں مشک کی لپٹ آتی ہے" فرمایا "یہاں ابو معاویہ کی قبر موجود ہوتے ہوئے تمہیں اس پر تعجب کیوں ہے؟"[3]

حلیہ:

حلیہ یہ تھا۔ قد میانہ' رنگ گندم گوں اور چہرہ خوبصورت۔[4]

اولاد:

حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے متعدد بیویوں سے حسب ذیل لڑکے اور لڑکیاں یادگار چھوڑیں۔[5] معاویہ' عون' منقذ' حارث' محمد' ابراہیم' ریطہ' خدیجہ' سخیلہ' صفیہ۔

---

1. اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۵۷ 2. ایضاً 3. استیعاب تذکرۂ عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ
4. طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۵ 5. ایضاً

Marfat.com

حضرت شماس بن عثمان رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

شماس نام' والد کا نام عثمان' اور والدہ کا نام صفیہ تھا' پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

شماس بن عثمان بن الشرید بن ہرمی بن عامر بن مخزوم القرشی المخزومی۔

ہشام کلبی کی روایت ہے کہ ان کا اصلی نام عثمان تھا' شماس اس لیے نام پڑا کہ ایک دفعہ ایام جاہلیت میں ایک نہایت حسین وجمیل نصرانی جس کا چہرہ آفتاب کی طرح چمکتا تھا مکہ آیا' لوگ اس کے غیر معمولی حسن و جمال پر سخت متعجب تھے' عتبہ بن ربیعہ نے (جو حضرت شماس رضی اللہ عنہ کا ماموں تھا) دعویٰ کیا کہ اس کے پاس اس سے زیادہ بہتر شماس یعنی رخ تاباں موجود ہے' اور مقابلہ میں حضرت ابن عثمان رضی اللہ عنہ کو پیش کیا' چنانچہ اس دن سے ان کا نام ہی شماس ہو گیا۔[1]

اسلام:

حضرت شماس رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ حضرت صفیہ بنت ربیعہ رضی اللہ عنہا نے بھی ابتدا ہی میں دعوتِ توحید پر صدائے لبیک بلند کیا تھا۔[2]

ہجرت:

مشرکین کے ظلم سے مجبور ہو کر راہی حبش ہوئے' حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی ہمراہ تھیں' وہاں سے واپس آ کر پھر مدینہ کی راہ لی اور حضرت مبشر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے' یہاں حضرت حنظلہ ابن ابی عامر انصاری رضی اللہ عنہ سے مواخات ہوئی۔[3]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۷۵ [2] استیعاب تذکرہ شماس رضی اللہ عنہ

[3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۷۵

Marfat.com

غزوات

غزوۂ بدر و اُحد میں جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرمِ کارزار تھے، معرکہ احد میں جب کہ اتفاقاً جنگ کا پانسہ پلٹ گیا، غازیانِ اسلام کی فتح شکست سے مبدل ہوگئی اور صرف چند جاں نثار میدان میں رہ گئے تو حضرت شماس رضی اللہ عنہ بھی ان ہی پروانوں میں تھے جو شمع نبوت کے اردگرد فداکاری کے جوہر دکھا رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میں شماس کے لیے ''سپر'' کے سوا کوئی تشبیہ نہیں پاتا، آپ چپ و راست جس طرف دیکھتے، حضرت شماس رضی اللہ عنہ ہی سربکف نظر آتے، غرض انہوں نے اپنے آپ کو مہبط وحی و الہام صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سپر بنا دیا، یہاں تک کہ زخموں سے چور ہوکر گر گئے، اختتامِ جنگ کے بعد دیکھا گیا تو دمِ واپسیں کے چند انفاس باقی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مدینہ اٹھا کر لائے گئے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان کی تیمارداری پر مامور ہوئیں، لیکن اس فدائے ملت کا فرض پورا ہو چکا ہے، دربارِ خداوندی سے حصولِ انعام کی دعوت آچکی تھی، ایک شبانہ روز توقف کے بعد انہوں نے داعی حق کو لبیک کہا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون.

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسی خونین پیراہن کے ساتھ بغیر نماز جنازہ اُحد کے گورِ شہیداں میں دفن کرنے کا حکم دیا۔[1] غرض چونتیس برس کی عمر میں سپرد خاک ہوئے۔[2]

انا للہ و انا الیہ راجعون.

حلیہ:

حضرت شماس رضی اللہ عنہ نہایت حسین و خوبرو تھے، چنانچہ اس تابانی رخ نے ان کو شماس کے نام سے مشہور کیا۔[3]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۴ [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۷۶

[3] ایضاً ص ۱۷۵

Marfat.com

اولاد:

ایک لڑکا عبداللہ اور ایک لڑکی ام حبیب یادگار چھوڑی' لیکن یہ دونوں لاولد فوت ہوئے اس لیے سلسلہ نسل منقطع ہو گیا۔[1]

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۵

Marfat.com

حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ

نام، نسب:

شجاع نام، ابو وہب کنیت والد کا نام وہب تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے:
شجاع ابن وہب بن ربیعہ بن اسد بن صہیب بن مالک بن کبیر بن غنم بن دودان بن خزیمہ۔ ایام جاہلیت میں ان کا خاندان بنو عبد شمس کا حلیف تھا۔[1]

اسلام و ہجرت:

حضرت شجاع رضی اللہ عنہ ان بزرگوں میں ہیں جنہوں نے ابتدا ہی میں داعی توحید کو لبیک کہا تھا، اور مشرکین کے دست تظلم سے مجبور ہو کر سرزمین حبش کی دوسری ہجرت میں شریک ہوئے تھے۔[2]

حبش میں جب یہ افواہ پھیلی کہ تمام قریش مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گردن اطاعت خم کر دی ہے تو وطن کی محبت ان کو پھر مکہ کھینچ لائی، لیکن یہاں پہنچ کر افواہ غلط ثابت ہوئی اس لیے چند روز قیام کے بعد متلاشیانِ امن کے ساتھ مدینہ پہنچے، یہاں حضرت اوس بن خولی رضی اللہ عنہ سے مواخات ہوئی۔[3]

غزوات

بدر، اُحد اور تمام دوسرے مشہور غزوات میں شریک تھے۔[4] ماہ ربیع الاوّل ۸ھ میں بنو ہوازن کی ایک جماعت کی سرکوبی پر مامور ہوئے جو مدینہ سے پانچ دن کی مسافت

---

[1] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۸۶ [2] اصابہ جلد ۳ ص ۱۳۸
[3] استیعاب تذکرہ شجاع رضی اللہ عنہ [4] استیعاب تذکرہ شجاع رضی اللہ عنہ

Marfat.com

مقامِ رسی میں خیمہ افگن تھی، حضرت شجاع رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ چوبیس جانباز مجاہدین کی ایک جمعیت لے کر دن کو چھپتے ہوئے اور رات کو یلغار کرتے ہوئے یکا یک ان پر جا پڑے اور شکست دے کر بہت سے اونٹ اور بھیڑ بکریاں چھین لائے، مالِ غنیمت کی کثرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہر ایک سپاہی کو پندرہ پندرہ اونٹ ملے تھے دیگر اسباب و سامان اس کے علاوہ تھا۔[1]

سفارت:

غزوۂ حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر سلاطین عالم کے پاس دعوتِ اسلام کے خطوط روانہ فرمائے، اسی سلسلہ میں حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ بھی حارث ابن ابی شمر غسانی کے پاس (جو دمشق کے قریب مقام غوطہ کا رئیس تھا) سفیر بنا کر بھیجے گئے، خط کے ابتدائی فقرے یہ تھے۔[2]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من محمد رسول الله (ﷺ) الى الحارث ابن ابى شمر سلام على من اتبع الهدى و امن به و صدق و انى ادعوك الى ان تومن بالله وحده لا شريك له يبقى لك ملكك .

"نام خدا کے ساتھ جو بڑا مہربان ورحیم ہے۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رسولِ خدا کی طرف سے حارث بن ابی شمر کو سلام ہے اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے، ایمان لائے اور تصدیق کرے، بیشک میں تم کو اس خدا پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں جو ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں (اسی صورت میں) تمہاری سلطنت باقی رکھی جائے گی"۔

حارث کو خدا نے اس دعوت پر لبیک کہنے کی توفیق نہ دی لیکن اس کے وزیر "مری" نے اسلام قبول کیا اور حضرت شجاع رضی اللہ عنہ کی معرفت بارگاہِ نبوت میں پیام وسلام

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۹۲ [2] زاد المعاد جلد ۲ ص ۵۹

Marfat.com

بھیج کر پوشیدہ طور سے دین حنیف پر قائم رہنے کی خبر دی۔[1]

شہادت:

چالیس برس سے کچھ زیادہ عمر پا کر جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔[2]

انا للہ و انا الیہ راجعون

حلیہ:

حلیہ یہ تھا۔ طویل القامت' لاغر اندام اور بال نہایت گھنے۔[3]

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ٦٦ [2] ایضاً [3] ایضاً

Marfat.com

حضرت محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

محرز نام اور ابونضلہ کنیت ہے لیکن عموماً اخرم اسدی کے لقب سے مشہور تھے' پورا سلسلہ نصب یہ ہے:

محرز بن نضلہ بن عبداللہ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ اسدی' یہ ایام جاہلیت میں بنوعبد شمس کے حلیف تھے[1]

اسلام وہجرت:

قبولِ اسلام کا زمانہ متعین نہیں تاہم مومنین سابقین میں ہیں' مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو انصار کے قبیلہ عبدالاشہل نے ان کو اپنا حلیف بنا لیا اور حضرت عمار بن حزم رضی اللہ عنہ سے اسلامی بھائی چارہ ہوا[2]

غزوات

غزوۂ بدر' اُحد اور خندق میں جانبازی وشجاعت کے ساتھ سرگرمِ کارزار تھے' غزوۂ ذی قرد کی معرکہ آرائی ان کا سب سے شاندار اور آخری کارنامہ ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔

شہادت:

۶ھ میں بنوفزارہ نے مدینہ کی چراگاہ میں آنحضرت ﷺ کے اونٹوں پر چھاپہ مارا اور گلہ بان کو قتل کر کے اونٹوں کو اپنے ساتھ لے چلے' حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ موقع واردات کے قریب موجود تھے' انہوں نے آنحضرت ﷺ کے غلام حضرت رباح رضی اللہ عنہ کو گھوڑے پر سوار کر کے اطلاع کے لیے مدینہ بھیجا اور خود پہاڑ پر چڑھ کر یا صباحاہ کا نعرہ

Marfat.com

بلند کیا اور دیر تک تنہا تیروں اور پتھروں سے ان غارت گروں کا مقابلہ کرتے رہے' اسی اثناء میں درختوں کے جھنڈ سے آنحضرت ﷺ کے سوا نکلتے ہوئے نظر آئے' سب سے آگے حضرت اخرم اسدی رضی اللہ عنہ یعنی محرز بن نضلہ اور ان کے پیچھے حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ تھے' حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت اخرم رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر کہا ''اخرم! آگے نہ بڑھو' مجھے ڈر ہے کہ غنیم تم کو گھیر کر آنحضرت ﷺ اور ان کے اصحاب سے ملنے نہ دے گا''۔ بولے ''سلمہ! اگر تم خدا اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو میری شہادت میں حائل نہ ہو''۔ یہ جملہ کچھ ایسے جوش میں ادا ہوا تھا کہ حضرت سلمہؓ نے باگ چھوڑ دی اور وہ گھوڑا اڑاتے ہوئے عبدالرحمٰن فرازی کے سامنے جا کھڑے ہوئے' انہوں نے ایک ایسا وار کیا کہ عبدالرحمٰن کا گھوڑا کٹ کر ڈھیر ہو گیا' لیکن اس کا نیزہ بھی خالی نہ گیا' حضرت محرز رضی اللہ عنہ شہید ہو کر فرشِ خاک پر آئے' اور وہ اچھل کر ان کے گھوڑے پر سوار ہو گیا' تاہم ابوقتادہ رضی اللہ عنہ پیچھے موجود تھے' انہوں نے اس کو واصل جہنم کر کے ان کا انتقام لیا۔[1]

شہادت کے وقت محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً ۳۷ یا ۳۸ سال تھی۔[2]

فضل وکمال

گذشتہ واقعہ سے ان کے غیر متزلزل ایمان وشوق شہادت کا انداز ہوا ہوگا' شہادت سے چند دن پہلے انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ آسمان کے دروازے ان کے لیے کھول دیئے گئے اور وہ عالم بالا کی سیر کرتے ہوئے ساتویں آسمان اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئے ہیں' یہاں ان سے کہا گیا کہ یہی تمہارا مسکن ہے۔

دوسرے روز انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جو تعبیر رویاء میں کمال رکھتے تھے' اس خواب کو بیان فرمایا' انہوں نے فرمایا: ''اخرم! تمہیں شہادت کی بشارت

[1] مسلم جلد ۲ باب غزوۂ ذی قرد [2] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۰۷

Marfat.com

"۔ چنانچہ چند ہی دنوں کے بعد اس بشارت نے واقعہ کی صورت اختیار کی اور غزوۂ ذی (قر) د کی شہادت نے ان کو سدرۃ المنتہیٰ کے دائمی مسکن میں پہنچا دیا۔[1]

(ح)لیہ:

رنگ سپید اور مجموعی حیثیت سے حسین وخوبصورت تھے۔[2]

---

1. طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۶۷
2. ایضاً

Marfat.com

حضرت شقران صالح رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

صالح نام، شقران لقب اور والد کا نام تھا، یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حبشی نژاد غلام تھے، لیکن اس غلامی میں بھی سیادت مقدر تھی، رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنے خدمت گذاری کے لیے پسند فرمایا اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو قیمت دے کر ان سے خرید لیا، بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے بلا معاوضہ نذر کیا تھا[1]

غزوات میں عموماً مالِ غنیمت اور قیدیوں کی حفاظت پر مامور ہوتے تھے، اور غنیمت میں حصہ پانے کے بجائے جن کے قیدیوں کی نگرانی کرتے تھے، وہ بطور خود معاوضہ دیتے تھے، چنانچہ غزوۂ بدر میں ان کو اس قدر معاوضہ ملا کہ مالِ غنیمت میں حصہ پانے والوں سے بھی زیادہ نفع میں رہے[2]

غزوۂ بدر میں انہوں نے اس احتیاطی ومستعدی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے کہ آنحضرت ﷺ نے خوش ہو کر آزاد فرما دیا۔

غزوۂ مریسیع میں شکست خوردہ غنیم کے مال و اسباب، سامانِ جنگ، بھیڑ بکریاں اور ان کے ذریات کو جمع کرنے پر مامور ہوئے[3]

آنحضرت ﷺ ان کے خدمات سے اس قدر خوش تھے کہ وفات کے وقت آپ نے مخصوص طور سے ان کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت فرمائی، حضرت شقران رضی اللہ عنہ

---

[1] اصابہ جلد ۲ ص ۱۵۳ [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۳۴

[3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۳۴

Marfat.com

حضرت خیر الانام ﷺ کی تجہیز و تکفین میں اہل بیت کے ساتھ شریک تھے۔[1] غرض یہ آخری خدمت تھی جو اس غلام جانثار نے اپنے شفیق آقا کے لیے انجام دی۔

اس میں اختلاف ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت شقران رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں سکونت اختیار کی یا بصرہ میں توطن گزیں ہوئے' کیونکہ ان کا ایک مکان بصرہ میں بھی تھا۔[2] اسی طرح جائے وفات اور زمانہ بھی متعین نہیں۔

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۱ [2] اصابہ جلد ۲ ص ۱۷۳

Marfat.com

حضرت عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

عمیر نام' والد کا نام ابو وقاص اور والدہ کا نام حمنہ بنت سفیان تھا' یہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتح ایران کے حقیقی بھائی تھے' پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

عمیر بن ابی وقاص بن وہیب ابن سفیان بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی۔[1]

اسلام:

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کے برادرِ اکبر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ان روشن ضمیر بزرگوں میں تھے جنہوں نے ابتداء ہی میں داعی اسلام کو لبیک کہا تھا' اس زمانہ میں حضرت عمیر رضی اللہ عنہ گو نہایت کمسن تھے' تاہم فطری سلامت طبع وخردِ حق شناس عمر کی قید و بند سے آزاد ہوتی ہے' انہوں نے اس عہد طفولیت میں بھائی کا ساتھ دیا اور ساقی اسلام کے ایک ہی جام نے ان کو نشہ توحید سے مخمور کر دیا۔[2]

ہجرت:

۱۴ برس کا سن تھا کہ عام بلاکشانِ اسلام کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دل بستگی کے لیے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ رئیس قبیلہ عبدالاشہل کے چھوٹے بھائی حضرت عمرو بن معاذ رضی اللہ عنہ سے بھائی چارہ کرا دیا' یہ دونوں تقریباً ہم سن تھے۔[3]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ [2] اسد الغابہ تذکرہ عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
[3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ۳ ص ۲۶

Marfat.com

غزوۂ بدر:

۲ھ میں مجاہدین اسلام غزوۂ بدر کے خیال سے علم نبوی کے نیچے جمع ہوئے تو یہ بھی اس مجمع میں پہنچ گئے، ان کے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر کہ وہ مضطر و بے قرار ادھر ادھر چھپتے پھرتے ہیں، پوچھا "جانِ برادر یہ کیا ہے؟" بولے "بھائی جان! میں بھی اس جنگ میں شریک ہونا چاہتا ہوں، شاید خدا شہادت نصیب کرے، لیکن خوف ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مجھے چھوٹا سمجھ کر واپس فرما دیں گے"۔[۱]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب تمام جانثار یکے بعد دیگرے معائنہ کے لیے پیش ہوئے تو حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کا خوف درحقیقت نہایت صحیح ثابت ہوا، کیونکہ آپ نے ان کے صغرسنی کا خیال کر کے فرمایا "تم واپس جاؤ" حضرت عمیر رضی اللہ عنہ یہ سن کر بے اختیار رونے لگے، اس طفلانہ گریہ و بکا کے ساتھ ان کے وفورِ جوش اور شوق شہادت نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر خاص اثر کیا اور جنگ میں شریک ہونے کی اجازت مل گئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے ان کے تلوار باندھی۔[۲]

شہادت:

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت صرف ۱۶ سال کی تھی، اچھی طرح اسلحہ سے آراستہ ہونا بھی نہ جانتے تھے، بھائی نے میان میں تلوار باندھ دی، اور وفورِ جوش نے کفار کے نرغہ میں گھسا دیا، دیر تک شجاعانہ لڑتے رہے، بالآخر اسی حالت میں خورشید تمنا جلوہ گر ہوا، یعنی عمرو بن عبدود کی تلوار نے شہادت کی آرزو پور کر دی۔

انا للہ و انا الیہ راجعون[۳]

---

۱ طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۰۶ ۲ مستدرک جلد ۳ ص ۱۸۸

۳ مستدرک جلد ۳ ص ۱۸۸

Marfat.com

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

عامر نام، ابوعبداللہ کنیت اور والد کا نام ربیعہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

عامر ابن ربیعہ بن کعب بن مالک بن ربیعہ بن عامر بن سعد بن عبداللہ بن الحارث بن رفیدہ بن عنز بن وائل۔

ان کے سلسلہ نسب میں سخت اختلاف ہے تاہم اربابِ سیر عام طور پر ان کو عنزی لکھتے ہیں، عنز وائل کے لڑکے اور بکر وتغلب کے بھائی تھے جن کی خونریز معرکہ آرائیاں اب تک زبان زدِ خاص وعام ہیں۔[1]

ان کا خاندان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے والد خطاب کا حلیف تھا جنہوں نے فرطِ محبت سے حضرت عامر رضی اللہ عنہ کو متبنیٰ کرلیا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ پہلے عامر بن الخطاب کے نام سے مشہور تھے لیکن جب قرآن شریف نے ہر ایک کو اپنے اصلی آباء واجداد کی طرف انتساب کا حکم دیا تو اس زمانہ سے حضرت عامر بن خطاب کے بجائے اپنے نسبی والد ربیعہ کی نسبت سے زبان زد ہوئے۔[2]

اس حلیفانہ تعلق کے باعث حضرت عامر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں بھی آخر وقت تک نہایت دوستانہ تعلقات قائم رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کا سفر کیا تو یہ ہمرکاب تھے اس طرح جس سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین کر کے حج کے لیے تشریف لے گئے تو اس سفر میں بھی ان کو اپنا رفیق بنایا۔[3]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۸۰ [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ۳ ص ۲۸۱

[3] اصابہ جلد ۲ ص ۳۴۶

Marfat.com

اسلام:

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ ان خوش نصیب بزرگوں میں ہیں جنہوں نے ابتداء ہی میں داعی توحید کو لبیک کہا تھا' اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔[1]

ہجرت:

شرک وتوحید کی کشاکش اور کفار کے دست تظلم نے ان کو بھی مکہ میں چین سے رہنے نہ دیا' دو دفعہ اپنی زوجہ محترمہ حضرت لیلیٰ بنت ابی حثمہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر امن و اطمینان کی تلاش میں ملک حبش تشریف لے گئے' پھر وہاں سے واپس آکر سرزمین یثرب کی راہ لی' ان کا بیان ہے کہ اس وقت تک صرف حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے تھے' لیکن صحیح یہ ہے کہ ان سے پہلے چند اور اصحاب بھی پہنچ چکے تھے' البتہ ان کی بیوی حضرت لیلیٰ بنت حثمہ رضی اللہ عنہا کو عورتوں میں اوّلیت کا شرف حاصل ہے۔[2]

غزوات

بدر' احد' خندق اور تمام دوسرے غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے' اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے مہمات میں بھی شریک ہوئے' اور نہایت جفاکشی وجان کاہی سے اعلاء کلمۃ اللہ کا فرض انجام دیا' اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عامر سے اکثر فخر و مباہات کے ساتھ ان شاندار کاموں کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے' ایک روز اثنائے گفتگو میں بولے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو مہمات پر بھیجتے تھے اور عسرت و ناداری کے باعث سامانِ رسد میں صرف تھوڑی سی کھجوریں ساتھ کر دیتے جو پہلے ایک ایک مٹھی سب کو ملتی تھی' اس کے بعد کم ہوتے ہوتے صرف ایک ایک کھجور کی نوبت آجاتی تھی' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۲۸۱

[2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۲۸۱

Marfat.com

نے متعجب ہو کر پوچھا ''ایک ایک کھجور سے کس طرح کام چلتا ہوگا؟'' فرمایا ''جانِ پدر ایسا نہ کہو بسا اوقات جب کھجوریں ختم ہو جاتی تھیں تو ہم لوگ اس ایک کھجور کے لیے بھی ترس جاتے تھے''۔[1]

شورش سے کنارہ کش اور وفات:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخر عہد خلافت میں جب فتنہ و فساد کا بازار گرم ہوا تو حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے غایت تقویٰ کے باعث عزلت نشینی اختیار کر لی، دن رات روزہ نماز اور درود و وظائف میں مشغول رہتے، ایک رات دیر تک مصروفِ عبادت رہے، یہاں تک کہ اسی حالت میں آنکھ لگ گئی تو خواب میں بشارت ہو''اٹھ! خدا سے دعا کر وہ تجھے اس فتنہ سے بچائے، جس سے اس نے اپنے دوسرے نیک بندوں کو محفوظ رکھا ہے'' حضرت عامر رضی اللہ عنہ اسی وقت اٹھ بیٹھے اور دوگانہ ادا کر کے نہایت خشوع و خضوع سے بارگاہِ رب الحاجات میں دست بدعا ہوئے، غرض اس بشارت غیبی نے ان کی گوشہ نشینی کو پہلے سے زیادہ سخت کر دیا اور اس کے بعد ان کو کسی نے گھر سے باہر نکلتے بھی نہ دیکھا، یہاں تک کہ اسی حالت میں بیمار ہوئے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چند دنوں بعد وفات پائی، عزلت نشینی کے باعث لوگوں کو یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ کب بیمار ہوئے؟ اور کب وفات پائی، یکا یک جنازہ پر نظر پڑی تو سب متحیر رہ گئے۔[2]

اخلاق:

قدامت ایمان اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے شرفِ صحبت نے ان کو اخلاقِ کریمانہ سے آراستہ کر دیا تھا، گذشتہ بالا مختصر واقعات سے ان کی جفاکشی، تقویٰ اور زہد کا اندازہ ہوا ہوگا۔

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۴۴۶۔ [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۲۸۲

Marfat.com

سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم

مہاجرین (حصہ دوم)

جس میں

بقیہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات، سوانح، اخلاق و فضائل اور ان کے مذہبی، علمی، سیاسی و دینی مجاہدات اور کارناموں کی تفصیل ہے جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے اور ہجرت کی۔

تحریر و ترتیب

الحاج مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم

سابق رفیق دار المصنفین

ناشر

اسلامی کتب خانہ

فضل الٰہی مارکیٹ
چوک اردو بازار، لاہور

فون : 042 - 7223506

Marfat.com

Marfat.com

فہرست موضوعات

اسمائے مہاجرین : (بہ ترتیب کتاب)

عنوانات	صفحہ
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما	9
حضرت ابوہریرہ دوسی رضی اللہ عنہ	58
حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ	79
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ	100
حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما	116
حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	130
حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ	168
حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ	195
حضرت خالد بن سعید العاص رضی اللہ عنہ	203
حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ	209
حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ	213
حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ	218
حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ	224
حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ	229
حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ	234
حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ	239
حضرت عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ	243
حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ	247
حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ	250
حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ	253
حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ	256
حضرت نوفل بن حارث رضی اللہ عنہ	260
حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما	263
حضرت طلیب بن عمیر رضی اللہ عنہ	266
حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ	269
حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ	272
حضرت ولید بن ولید رضی اللہ عنہ	275
حضرت سلمہ بن ہشام رضی اللہ عنہ	278
حضرت عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ	280
حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ رضی اللہ عنہ	282
حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ	284
حضرت حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ	287
حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ	290
حضرت ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ	293

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ	295
حضرت ابواحمد بن جحش رضی اللہ عنہ	298
حضرت عمرو بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ	300
حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ	302
حضرت مرثد بن ابی (مرثد) غنوی رضی اللہ عنہ	304
حضرت ابورہم غفاری رضی اللہ عنہ	306
حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ	309
حضرت ابان بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ	312
حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ	315
حضرت واقد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	317
حضرت عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ	319
حضرت ابوفکیھہ رضی اللہ عنہ	321
حضرت عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ	322
حضرت نعیم النحام رضی اللہ عنہ	323
حضرت معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	325
حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ	326
حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ	329
حضرت سہل بن بیضاء رضی اللہ عنہ	330
حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ	331
حضرت ابوقیس بن حارث رضی اللہ عنہ	332
حضرت ابوکبشہ رضی اللہ عنہ	333
حضرت سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ	334
حضرت ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ	335
حضرت ذوالشمالین رضی اللہ عنہ	336
حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم رضی اللہ عنہ	337
حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ	338
حضرت عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	339
حضرت صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ	340
حضرت سنان بن ابی سنان رضی اللہ عنہ	341
حضرت آنسہ رضی اللہ عنہ	342
حضرت طفیل بن حارث رضی اللہ عنہ	342
حضرت سائب بن عثمان رضی اللہ عنہ	343
حضرت عامر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	344
حضرت وہب بن سعد رضی اللہ عنہ	246
حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ	346
حضرت عمرو بن سراقہ رضی اللہ عنہ	347
حضرت عبداللہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ	348
حضرت اسود بن نوفل رضی اللہ عنہ	349
حضرت ثمامہ بن عدی رضی اللہ عنہ	349
حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ	350
حضرت معمر بن ابی سرح رضی اللہ عنہ	351
حضرت محمیہ بن جزء رضی اللہ عنہ	352
حضرت عدی بن نضلہ رضی اللہ عنہ	352

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
حضرت یزید بن زمعہ رضی اللہ عنہ	353
حضرت سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ	354
حضرت ابوسنان بن محصن رضی اللہ عنہ	355
حضرت فراس بن نضر رضی اللہ عنہ	356
حضرت حاطب بن حارث رضی اللہ عنہ	356
حضرت معمر بن حارث رضی اللہ عنہ	357
حضرت ابورہم اشعری رضی اللہ عنہ	357
حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ	358
حضرت حارث بن خالد رضی اللہ عنہ	358
حضرت عیاض بن زہیر رضی اللہ عنہ	359
حضرت خباب مولی عتبہ ابن غزوان رض	360
حضرت مسعود بن ربیع رضی اللہ عنہ	361
حضرت ربیعہ بن اکثم رضی اللہ عنہ	361
حضرت عمیر بن رباب رضی اللہ عنہ	362
حضرت عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ	362
حضرت خطاب بن حارث رضی اللہ عنہ	363
حضرت عاقل بن ابی بکیر رضی اللہ عنہ	363
حضرت عبداللہ الاصغر رضی اللہ عنہ	365
حضرت قیس بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	365
حضرت مالک بن زمعہ رضی اللہ عنہ	366
حضرت حاطب بن عمر رضی اللہ عنہ	366
حضرت اربد بن حمیر رضی اللہ عنہ	367
حضرت جہم بن قیس رضی اللہ عنہ	367
حضرت ہاشم بن ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ	368

Marfat.com

اسمائے صحابہ

(بہ ترتیب حروف تہجی)

عنوانات	صفحہ
(الف)	
حضرت آنسہ رضی اللہ عنہ	342
حضرت ابان بن سعید ابن العاص رضی اللہ عنہ	312
حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ	224
حضرت ابو احمد بن جحش رضی اللہ عنہ	298
حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ	358
حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ	290
حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ	79
حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ	250
حضرت ابو رہم اشعری رضی اللہ عنہ	357
حضرت ابو رہم غفاری رضی اللہ عنہ	306
حضرت ابو سبرہ بن ابی رہم رضی اللہ عنہ	337
حضرت ابو سنان بن محصن رضی اللہ عنہ	355
حضرت ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ	321
حضرت ابو قیس بن حارث رضی اللہ عنہ	332
حضرت ابو کبشہ رضی اللہ عنہ	333
حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ	304
حضرت ابو ہریرہ دوسی رضی اللہ عنہ	58
حضرت اربد بن حمیر رضی اللہ عنہ	367
حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما	116
حضرت اسود بن نوفل رضی اللہ عنہ	349
(ب)	
حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ	229
(ث)	
حضرت ثمامہ بن عدی رضی اللہ عنہ	349
حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ	269
(ج)	
حضرت جہم بن قیس رضی اللہ عنہ	367
(ح)	
حضرت حارث بن خالد رضی اللہ عنہ	358
حضرت حاطب بن حارث رضی اللہ عنہ	356
حضرت حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ	366
حضرت حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ	287

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
(خ)	
حضرت خالد بن سعید ابن العاص رضی اللہ عنہ	203
حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ	168
حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ	213
حضرت خباب مولیٰ عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ	360
حضرت خطاب بن حارث رضی اللہ عنہ	363
حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ	338
(ذ)	
حضرت ذوالشمالین رضی اللہ عنہ	336
(ر)	
حضرت ربیعہ بن اکثم رضی اللہ عنہ	361
(ز)	
حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ	247
(س)	
حضرت سائب بن عثمان رضی اللہ عنہ	343
حضرت سعید بن خولہ رضی اللہ عنہ	350
حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ	253
حضرت سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ	354
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ	100
حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ	218
حضرت سلمہ بن ہشام رضی اللہ عنہ	278
حضرت سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ	334

عنوانات	صفحہ
حضرت سنان بن ابی سنان رضی اللہ عنہ	341
حضرت سہل بن بیضاء رضی اللہ عنہ	330
حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ	331
(ش)	
حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ	209
(ص)	
حضرت صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ	340
(ط)	
حضرت طفیل بن حارث رضی اللہ عنہ	342
حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ	234
حضرت طلیب بن عمیر رضی اللہ عنہ	266
(ع)	
حضرت عاقل بن ابی بکیر رضی اللہ عنہ	363
حضرت عامر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	344
حضرت عبداللہ الاصغر رضی اللہ عنہ	365
حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ	346
حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ	284
حضرت عبداللہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ	348
حضرت عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ	280
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما	9
حضرت عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ	322
حضرت عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	339

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ	329
حضرت عدی بن نضلہ رضی اللہ عنہ	352
حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ	239
حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ	256
حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ	309
حضرت عمرو بن سراقہ رضی اللہ عنہ	347
حضرت عمرو بن سعید ابن العاص ؓ	300
حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	130
حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ	272
حضرت عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ	362
حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ	326
حضرت عمیر بن رئاب رضی اللہ عنہ	362
حضرت عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ	243
حضرت عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ	319
حضرت عیاض بن زہیر رضی اللہ عنہ	359
(ف)	
حضرت فراس بن نضر رضی اللہ عنہ	356
حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما	263
(ق)	
حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ	295
حضرت قیس بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	365
(م)	
حضرت مالک بن زمعہ رضی اللہ عنہ	366

عنوانات	صفحہ
حضرت محمیہ بن جزء رضی اللہ عنہ	352
حضرت مرثد بن ابی مرثد غنوی ؓ	304
حضرت مسطح بن اثاثہ (عوف)	302
حضرت مسعود بن ربیع رضی اللہ عنہ	361
حضرت معمر بن ابی سرح رضی اللہ عنہ	351
حضرت معمر بن حارث رضی اللہ عنہ	357
حضرت معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	325
حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ رضی اللہ عنہ	282
حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ	195
(ن)	
حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ	315
حضرت نعیم النحام رضی اللہ عنہ	323
حضرت نوفل بن حارث رضی اللہ عنہ	260
(و)	
حضرت واقد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	317
حضرت ولید بن ولید رضی اللہ عنہ	275
حضرت وہب بن سعد رضی اللہ عنہ	346
(ہ)	
حضرت ہاشم بن ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ	368
حضرت ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ	293
(ی)	
حضرت یزید بن زمعہ رضی اللہ عنہ	353

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

نام ونسب:

عبداللہ نام ابوعبدالرحمن کنیت' آبائی سلسلہ نسب یہ ہے:

عبداللہ بن عمر بن خطاب ابن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر' ماں کا نام زینب تھا' نانہالی نسب نام یہ ہے' زینب بنت مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح بن عمرو بن حصین۔

ولادت:

یہ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما غزوۂ احد میں جو ۳ ھ میں پیش آیا' چودہ برس کے تھے' اس حساب سے اُن کی پیدائش کا تخمینی زمانہ بعثت کا دوسرا سال ہے' اور ۶ ھ نبوی میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے تو ابن عمر رضی اللہ عنہما کا سن تقریباً پانچ برس کا ہوگا۔

اسلام:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ہوش سنبھالا ہی تھا کہ اپنے گھر کے در و دیوار پر اسلام کو پرتو فگن دیکھا اور اسلام ہی کے دامن میں ان کی نشو ونما ہوئی بعض روایتوں میں ہے کہ وہ اپنے والد بزرگوار سے پہلے مشرف باسلام ہوئے تھے مگر صحیح یہ ہے کہ انہوں نے اپنے والد بزرگوار کے ساتھ اس طرح اسلام قبول کیا تھا' جس طرح خاندان کے بڑے بزرگ کے تبدیل مذہب کے گھر کے کمسن بچے بھی غیر شعوری طور سے اپنے مذہب کو بدل ڈالتے ہیں' جن غیر معتبر راویوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اسلام کا واقعہ نقل کیا ہے درحقیقت ان کو بیعت رضوان کے واقعہ کے ساتھ التباس ہوا ہے' صحیح بخاری میں خود

Marfat.com

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی زبانی منقول ہے کہ جب میرے باپ مسلمان ہوئے تو میں چھوٹا بچہ تھا۔[1] ظاہر ہے کہ ایک چھوٹا بچہ حق و باطل کی تمیز کی وہ دقت نگاہ نہیں رکھتا' جو اس زمانہ میں اس کو کسی مذہب کے بذات خود ردّ و قبول پر آمادہ کر سکے۔

ہجرت:

انوار اسلام کی چمک کے ساتھ مشرکین کے ظلم و طغیان کی گرج بھی برابر بڑھتی گئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کا خاندان بھی ان کی ستم کیشیوں سے محفوظ نہ رہا' اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کی۔

بدر:

ہجرت کے بعد حق و باطل کی پہلی آویزش غزوۂ بدر ہے' اس وقت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی عمر کل ۱۳ سال کی تھی' تاہم جانبازی کے شوق میں شرکت کی درخواست کی' صغیر السن ہونے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ فرمائی۔[2]

احد:

اس کے ایک سال بعد' دوسرا معرکہ احد میں ہوا' اس میں بھی انہوں نے اپنا نام پیش کیا مگر چونکہ چودہ (۱۴) سال سے متجاوز نہیں ہوئے تھے' اس لیے اس مرتبہ بھی اُن کی درخواست مسترد ہوگئی۔[3]

خندق:

احد کے دو سال بعد ۵ھ غزوہ خندق میں ان کی عمر پندرہ سال پوری ہو چکی تھی چنانچہ یہی وہ سب سے پہلا معرکہ ہے جس میں ان کو سرکارِ رسالت سے شرکت کی اجازت ملی۔[4]

---

1. صحیح بخاری باب اسلام عمر رضی اللہ عنہ　2. ابن سعد ج ۴ ق اوّل تذکرہ ابن عمر رضی اللہ عنہ
3. بخاری کتاب المغازی جلد ۲ ص ۵۸۸　4. ایضاً باب غزوۂ خندق

Marfat.com

بیعت رضوان:

۶ھ میں صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب ہوئے اور بیعت رضوان کا بھی شرف حاصل کیا اور حسن اتفاق یہ کہ یہ شرف اپنے پدر عالی قدر سے پہلے حاصل کر لیا' اس کی صورت یہ پیش آئی کہ حدیبیہ کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ایک انصاری کے پاس گھوڑا لانے کے لیے بھیجا تھا کہ جہاد میں وہ اس پر سوار ہو سکیں' عبداللہ رضی اللہ عنہ باہر نکلے تو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت لے رہے ہیں' چنانچہ انہوں نے پہنچ کر پہلے خود بیعت کی اور اس کے بعد گھوڑا لے کر گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی' انہوں نے بھی جا کر بیعت کا شرف حاصل کیا۔[1]

خیبر:

اس کے بعد غزوۂ خیبر میں بھی وہ مجاہدانہ شریک ہوئے اور اس سفر میں آنحضرت ﷺ نے حلال وحرام کے جو بعض خاص احکام جاری فرمائے وہ ان کے راوی ہیں۔[2]

فتح مکہ:

قریش اور اسلام کی فتح وشکست کا آخری معرکہ فتح مکہ تھا' اس وقت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی عمر ۲۰ سال کی تھی' پورے جوان ہو چکے تھے اور ایک سرفروش مجاہد کی حیثیت سے دوسرے مجاہدین کے دوش بدوش تھے' سامانِ جنگ میں ایک تیز رفتار گھوڑا اور ایک بھاری نیزہ تھا جسم پر ایک چھوٹی سی چادر تھی اور خود اپنے ہاتھ سے گھوڑے کے لیے گھاس کاٹ رہے تھے اس حالت میں آنحضرت ﷺ کی نظر پڑی تو تعریف کے لہجہ میں فرمایا کہ ''عبداللہ ہے عبداللہ'' فتح کے بعد خانہ کعبہ میں آنحضرت ﷺ کے پیچھے پیچھے داخل ہوئے' چنانچہ ان کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ اونٹ پر سوار مکہ کے بالائی حصہ کی طرف سے داخل ہوئے تھے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ سوار تھے' عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ اور بلال رضی اللہ عنہ جلو میں تھے' خانہ کعبہ کے صحن میں اونٹ بٹھا کر کنجیاں منگائیں اور کعبہ کھول کر تینوں

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ حدیبیہ [2] صحیح بخاری جلد ۲ باب غزوہ خیبر ص ۶۰۶

Marfat.com

ایک ساتھ داخل ہوئے، ان لوگوں کے بعد سب سے پہلا داخل ہونے والا میں تھا۔[1]

غزوہ حنین:

فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین میں بھی صف آرا تھے، چنانچہ حنین کی واپسی کے بعد کے واقعات کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ جب ہم غزوۂ حنین سے لوٹے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعتکاف کی نذر کے متعلق پوچھا جو جاہلیت کے زمانہ میں مانی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پورا کرنے کا حکم دیا۔[2]

محاصرہ طائف:

اس کے بعد طائف کا محاصرہ ہوا، اس محاصرہ میں بھی ابن عمر رضی اللہ عنہما پیش تھے، چنانچہ اس محاصرہ کے واقعات بیان کرتے تھے کہ جب محاصرہ میں مسلمانوں کو کامیابی نہ ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان شاء اللہ کل محاصرہ اٹھا کر واپس ہو جائیں گے، یہ ارشاد لوگوں پر گراں گزرا انہوں نے عرض کی، کیا بغیر فتح کیے ہوئے لوٹ چلیں؟ آپ نے فرمایا اچھا کل پھر لڑو، چنانچہ دوسرے دن لڑے اور فتح کے بجائے الٹے زخمی ہوئے، آپ نے پھر فرمایا کہ ان شاء اللہ کل واپس جائیں گے، اس مرتبہ لوگوں نے بخوشی منظور کر لیا، اس پر آپ مسکرا دیئے۔[3]

حجۃ الوداع:

حجۃ الوداع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حج تھا، اس میں مسلمانوں کا جم غفیر آپ کے ہمرکاب تھا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی اس شرف میں شریک تھے، چنانچہ حجۃ الوداع کے واقعات میں ان کا بیان ہے کہ حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے بال منڈائے تھے اور بعضوں نے صرف ترشوانے پر اکتفا کی تھی۔[4]

---

1. بخاری کتاب المغازی باب فتح مکہ
2. بخاری کتاب المغازی باب غزوہ حنین
3. بخاری کتاب المغازی غزوۂ طائف
4. بخاری جلد ۲ باب حجۃ الوداع

Marfat.com

غزوۂ تبوک:

۹ھ میں غزوۂ تبوک پیش آیا' اس میں آنحضرت ﷺ نے ۳۰ ہزار کی جمعیت کے ساتھ رومیوں کے مقابلہ کے لیے تبوک کا رخ کیا تھا' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس میں بھی شریک تھے' چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ حجر[1] کی طرف گزرے تو فرمایا ان لوگوں کے مسکن میں داخل نہ ہو جنہوں نے (خدا کی نافرمانی کر کے) اپنے اوپر ظلم کیا کہ مبادا تم بھی اس عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ جس میں وہ مبتلا ہوئے' اگر گزرنا ہے تو خشیت الٰہی سے روتے ہوئے گزر جاؤ۔[2]

غرض غزوۂ خندق سے لے کر آخر تک آنحضرت ﷺ کی زندگی میں کوئی ایسی بڑی مہم نہ تھی جس میں انہوں نے شرکت کی عزت حاصل نہ کی ہو۔

عہد فاروقی:

ابن عمر رضی اللہ عنہما عہد صدیقی میں کہیں نہیں نظر آتے۔

عہد فاروقی:

البتہ عہد فاروقی کے بعض فتوحات میں شریک رہے' لیکن محض ایک سرفروش مجاہد کی حیثیت سے۔ نافع کا بیان ہے کہ جب ابن عمر رضی اللہ عنہما نہاوند کی جنگ میں شریک ہوئے اور بیمار پڑ گئے تو پیاز کو تاگے میں پرو کر دوا میں پکاتے تھے' جب اس میں پیاز کا مزہ آجاتا تھا تو اس کو نکال کر دوا پی لیتے تھے۔[3] شام اور مصر کی فتوحات میں بھی شرکت کا پتہ چلتا ہے لیکن ان فتوحات میں ان کا کوئی نمایاں کارنامہ نہیں ہے اور اس زمانہ میں سلطنت کے انتظامی امور میں بھی انہوں نے کوئی حصہ نہیں لیا' غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے عزیزوں کو اس میں پڑنے نہ دیتے تھے' تاہم جہاں امت کے نفع و نقصان کا کوئی سوال پیش آجاتا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے والد بزرگوار کی سخت گیری کے خطرہ کو برداشت

---

[1] قدیم اقوام عاد و ثمود کی آبادیاں [2] بخاری کتاب المغازی غزوہ تبوک

[3] ابن سعد جزو ۴ قسم اول ص ۱۱۸

Marfat.com

بھی کر لیتے تھے' چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وقت آخر ہوا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اپنی بہن ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی زبانی معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی کو اپنا جانشین نامزد کرنے کا خیال نہیں رکھتے' جس سے اُن کے خیال میں آئندہ مشکلات پیش آنے کا خطرہ تھا تو ڈرتے ڈرتے باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کا بیان ہے کہ میں یہ جرأت تو کر گیا مگر مارے خوف کے معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑ اٹھا رہا ہوں' میں پہنچا تو پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے حالات پوچھتے رہے' پھر میں نے جرأت کر کے عرض کی کہ میں لوگوں کی چہ میگوئیاں گوش گزار کرنے حاضر ہوا ہوں ان کا خیال ہے کہ آپ کسی کو اپنا جانشین منتخب نہ فرمائیں گے' فرض کیجئے کہ وہ چرواہا جو آپ کی بکریوں اور اونٹوں کو چراتا ہے' اگر گلہ کو چھوڑ کر آپ کے پاس چلا جائے تو شر کا کیا حشر ہوگا؟ ایسی حالت میں انسانوں کی گلہ بانی کا فرض تو اس سے کہیں بڑھ کر ہے! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس معقول استدلال کو پسند کیا' پھر کچھ سوچ کر بولے خدا خود اپنے گلہ کا نگہبان ہے' اگر میں کسی کو اپنا جانشین نامزد نہ کروں تو کوئی مضائقہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نامزد نہیں فرمایا تھا اور اگر کر جاؤں تو بھی کوئی حرج نہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نامزد کر گئے تھے' ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام لیا تو میں سمجھ گیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر کسی کو ترجیح نہ دیں گے اور کسی کو اپنا جانشین خود نہ بنا جائیں گے۔[1] چنانچہ انہوں نے اپنے بعد اپنی جانشینی کا مسئلہ مسلمانوں کی ایک جماعت کے سپرد کر دیا' جس میں متعدد اکابر صحابہ شامل تھے۔

عہد عثمانی:

ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد سب سے پہلے انتخاب خلیفہ کی مجلس شوریٰ میں نظر آتے ہیں' کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ خلیفہ کے انتخاب میں عبداللہ بحیثیت مشیر شریک ہوں' مگر صرف مشورہ دے سکتے ہیں خلیفہ نہیں نامزد

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۸ مصر

Marfat.com

کیے جا سکتے ہے[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ان کو ملکی معاملات میں حصہ لینے کا موقع ملا، مگر انہوں نے اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قضاء کا عہدہ پیش کیا، انہوں نے معذرت کر دی کہ "میں نہ دو شخصوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں، اور نہ دو شخصوں کی امامت کرتا ہوں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں، ایک جاہل جس کا ٹھکانا دوزخ ہے، دوسرا عالم مائل الی الدنیا، اس کا مستقر بھی دوزخ ہے، تیسرا جو اجتہاد کرتا ہے اور صحیح رائے قائم کرتا ہے اس کے لیے نہ عذاب ہے نہ ثواب، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہارے باپ تو فیصلے کرتے تھے، بولے یہ صحیح ہے، لیکن جب ان کو کسی پیچیدہ بات میں دشواری پیش آتی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے تھے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دشواری ہوتی تھی تو جبرئیل سے دریافت فرماتے تھے میں کس طرف رجوع کروں گا؟ کیا آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا کہ جس نے خدا کی پناہ مانگی اس نے پناہ کی جگہ پناہ مانگی، اس لیے خدارا مجھ کو کہیں کا عامل نہ بنایئے۔ ان کے انکار پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زیادہ اصرار نہیں کیا، البتہ یہ عہد لے لیا کہ اس کا تذکرہ کسی سے نہ کرنا[2]

مگر ملکی انتظام سے اس کنارہ کشی کے باوجود جہاد فی سبیل اللہ میں برابر شریک ہوتے رہے چنانچہ ۲۷ھ میں افریقہ (تونس، الجزائر، مراکش) کی مہم میں شریک ہوئے[3] پھر ۳۰ھ میں خراسان اور طبرستان کے معرکوں میں سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے[4] جب فتنہ و فساد شروع ہوا تو بالکل کنارہ کش ہو گئے اور پھر کسی چیز میں حصہ نہیں لیا، اسی احتیاط کی بنا پر خلافت کے اعزاز سے بھی انکار کر دیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لوگوں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ امیر ابن امیر ہیں ہم سب آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو آمادہ ہیں، فرمایا جہاں تک میرے امکان میں ہے، اپنے لیے ایک

---

[1] طبری ص ۲۷۷۹ [2] ابن سعد جزء ۴ قسم اول ص ۱۸

[3] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۳۴۔ [4] ابن اثیر جلد ۳ ص ۸۴

Marfat.com

بچھنے کے برابر بھی خون نہ بہنے دوں گا' لوگوں نے دھمکی دی کہ اگر آپ اس بار گراں کو نہیں سنبھالتے تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے لیکن انہوں نے اس دھمکی کی بھی مطلق پرواہ نہ کی اور خلافت جیسے رفیع اعزاز سے جو اس وقت فتنوں کا مرکز بن گیا تھا اپنے کو بچائے رکھا۔[1]

البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں سے کس کی خلافت تسلیم کی' ابن حجر کا بیان ہے کہ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارہ میں مسلمانوں کا اختلاف تھا اس لیے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی' کیونکہ ان کی رائے تھی کہ جب تک کسی شخص پر لوگوں کا اجماع نہ ہو جائے اس وقت اس کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنی چاہیے۔[2]

لیکن مستدرک نے غسان بن عبدالحمید کی روایت نقل کی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس شرط پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی کہ وہ اُن کے ساتھ خانہ جنگی میں نہ شریک ہوں گے اور جناب امیر نے ان کو اس کی اجازت بھی دے دی تھی۔[3] ہمارے نزدیک مستدرک کی روایت زیادہ صحیح ہے اور قرین قیاس ہے کیونکہ ابن حجر نے جس اصول کی بنا پر ابن عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دست کش ہونا بتایا ہے' اس سے ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے' گو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام مسلمانوں کا اتفاق نہیں ہوا تھا' تاہم اسلام کے ارباب حل وعقد یعنی مہاجرین وانصار کی اکثریت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی اور ان کی نہایت ہی مختصر جماعت آپ سے الگ رہی' البتہ یہ مسلم ہے کہ انہوں نے جنگ جمل اور صفین میں کسی کا ساتھ نہیں دیا اور ان کے ہاتھ سے کسی مسلمان کا ایک قطرہ خون نہیں گرا لیکن ضمیر حق پرست تھا اس لیے جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہ دینے پر آخر دم تک متاسف رہے' فرماتے تھے کہ گو میں نے اپنا ہاتھ آگے نہیں بڑھایا' لیکن حق پر مقاتلہ افضل ہے۔[4]

---

[1] ابن سعد جزء ۴ قسم اوّل ص ۱۱۱ [2] فتح الباری جلد ۵ ص ۱۸

[3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۵۸ طبع حیدر آباد [4] استیعاب جلد اوّل ص ۳۸۱

Marfat.com

جنگ صفین کے بعد جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا گیا تو ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے خلافت کے لیے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا نام پیش کیا تھا۔[1] مگر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس سے اختلاف کیا۔ حکم کے فیصلہ سناتے وقت آپ بھی عام مسلمانوں کے ساتھ امت مسلمہ کی قسمت کا فیصلہ سنتے گئے دومۃ الجندل آئے تھے۔

ان واقعات کے بعد مسلمانوں میں دو نئے فرقے پیدا ہو گئے' ایک وہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا سمجھتا تھا' دوسرا وہ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی برائیاں بیان کرتا تھا کہ وہ احد میں بھاگ کھڑے ہوئے تھے' اس بارہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی رائے پوچھی تو فرمایا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو اللہ نے معاف کیا (قرآن پاک میں اس کی آیت ہے) مگر تم معاف کرنا نہیں چاہتے اور علی رضی اللہ عنہ تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی اور آپ کے داماد تھے اور دیکھو کہ وہ گھر ان کا ہے جہاں تم دیکھ رہے ہو[2] حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت تسلیم کر لی اور اس عہد کے بعض معرکوں میں شریک ہوئے چنانچہ قسطنطنیہ کی مہم میں شریک تھے۔[3]

خلافت یزید:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد جب یزید تخت حکومت پر بیٹھا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے محض اختلاف امت کے فتنہ سے بچنے کے لیے اس کی بیعت کر لی اور فرمایا اگر یہ خیر ہے تو ہم اس سے راضی ہیں اور اگر شر ہے تو ہم نے صبر کیا۔[4]

کچھ دنوں کے بعد جب مدینہ والوں نے فسخ بیعت کیا تو آپ نے اسی فتنہ سے بچنے کے خاطر اپنے اہل و عیال کو بلا کر فرمایا کہ میں نے اس شخص کے ہاتھ پر خدا اور رسول کی بیعت کی ہے اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن ہر دھوکہ باز کا ایک ایک جھنڈا کھڑا کیا جائے گا کہ یہ فلاں کی فریب کاری ہے اور سب سے

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۷۷ [2] صحیح بخاری کتاب التفسیر و قاتلوهم حتی لا تكون فتنة.
[3] ابن اثیر حالات حملہ قسطنطنیہ [4] ابن سعد جزء ۴ قسم اوّل تذکرہ ابن عمر رضی اللہ عنہما

Marfat.com

بڑا فریب یہ ہے کہ خدا کے ساتھ شرک کیا جائے کہ ایک شخص کسی کے ہاتھ پر خدا اور رسول کے لیے بیعت کرلے اور پھر اس کو فسخ کردے' اس لیے تم میں سے کوئی شخص فسخ بیعت میں حصہ نہ لے اگر کسی نے حصہ لیا تو میرے اور اس کے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔[1]

یزید کی بیعت آپ نے کسی لالچ یا خوف کی بنا پر نہیں کی تھی' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب یزید کو ولی عہد بنانا چاہا تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس ان کا عندیہ لینے کے لیے بھیجا تھا انہوں نے جا کر دبی زبان سے اس کا اظہار کیا اور اس کے عوض ایک رقم خطیر پیش کرنا چاہی' رشوت کا نام سن کر غصہ سے کانپ اٹھے اور اسی وقت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو کھڑے کھڑے نکال دیا۔[2]

معاویہ بن یزید' مروان بن حکم اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت:

یزید کے بعد اس کا بیٹا معاویہ خلیفہ ہوا' مگر اس کی خلافت صرف تین مہینہ رہی' اس کے بعد وہ خود خلافت سے دست بردار ہو گیا۔[3] اب اس کی وفات کے بعد ایک طرف مکہ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے خلافت کا دعویٰ کیا اور عراق حجاز و یمن کے لوگوں نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی' اور دوسری طرف شام میں مروان نے اپنی بیعت لی' گو اکثر اسلامی ممالک ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی طرف مائل تھے' لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ان کے دعوائے خلافت کو بازیچہ اطفال سے زیادہ وقعت نہ دیتے تھے۔[4] چنانچہ ان ہی کے زمانہ میں جب فریقین میں جنگ برپا تھی تو ایک شخص نے ان سے آکر کہا کہ خدا فرماتا ہے کہ فتنہ کو روکنے کے لیے لڑو' انہوں نے جواب دیا تھا کہ جب فتنہ تھا تو ہم لڑے' فتنہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو کفار اس کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ اپنے خدا کی عبادت کرسکیں' اب یہ خانہ جنگی جہاد نہیں بلکہ بادشاہی کے لیے لڑائی ہے۔[5] مگر باایں ہمہ جب عبدالملک کی طرف سے حجاج

---

1. ابن سعد ج ۴ ص ۱۳۴ تھوڑے تغیر کے ساتھ یہ واقعہ بخاری جلد ۲ ص ۱۰۵۳ میں بھی مذکرہ ہے۔
2. ابن سعد قسم اوّل جز ۴ ص ۱۲۱
3. ابوالفداء جلد ۱ ص ۱۹۳ مطبوعہ مصر
4. ابن سعد قسم اوّل جز ۴ تذکرہ ابن عمر رضی اللہ عنہما
5. صحیح بخاری کتاب التفسیر' باب حتی لا تکون فتنہ

Marfat.com

ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے لڑنے کے لیے مکہ معظمہ گیا اور خانہ کعبہ کے ایک حصہ کو اپنے گولوں کا نشانہ بنایا تو وہ سخت برہم ہوئے اور اپنی برہمی کو قابو میں نہ رکھ سکے[1]

خلافت عبدالملک:

مروان کے بعد جب عبدالملک کی خلافت پر بیعت ہوئی تو آپ نے بھی تحریری بیعت نامہ بھیج دیا جس کا مضمون یہ تھا کہ ''خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر میں اور میرے لڑکے امیر المومنین عبدالملک کی سمع و طاعت کا بقدر استطاعت عہد کرتے ہیں[2] عبدالملک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بڑا احترام کرتا تھا اور مذہبی معاملات میں ان کی اقتدا کرتا تھا اور حج کے موقع پر ارکان میں آپ کی اقتدا کا فرمان جاری کرتا تھا۔[3]

علالت اور وفات:

۷۴ھ میں تراسی چوراسی برس کی عمر میں وفات پائی' وفات کا واقعہ یہ ہے کہ حج کے زمانہ میں ایک شخص کے نیزہ کی نوک جو زہر میں بجھی ہوئی تھی ان کے پاؤں میں چبھ گئی یہ زہر ان کے جسم میں سرایت کر گیا اور یہ زخم اُن کی موت کا باعث ہوا' عام طور سے خیال کیا جاتا ہے کہ یہ کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا' بلکہ حجاج کے اشارہ سے اس طرح زخمی کیے گئے تھے البتہ اس کی تفصیل میں اختلاف ہے' مستدرک کی روایت ہے کہ حجاج نے جب خانہ کعبہ میں منجنیق نصب کرائی اور ابن زبیر کو شہید کرایا تو اس کا یہ فعل شنیع ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بہت ناپسند ہوا' آپ نے اس کو بہت برا بھلا کہا' حجاج برافروختہ ہو گیا اور اس کے اشارے سے شامیوں نے زخمی کر دیا۔[4]

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ عبدالملک نے حجاج کو ہدایت کی تھی کہ وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مخالفت نہ کرے' یہ حکم اس پر بہت شاق گزرا لیکن عدول حکمی بھی نہیں کر سکتا تھا' اس لیے دوسرا طریقہ اختیار کیا اور آپ کو زخمی کرا دیا۔[5]

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۸۷ حیدر آباد [2] بخاری جلد ۲ باب کیف یبایع الامام الناس

[3] بخاری جلد ۱ ص ۲۲۵ [4] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۵۷

[5] تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۳۰' مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد

Marfat.com

ابن سعد کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حجاج خطبہ دے رہا تھا' اس میں اس نے ابن زبیر رضی اللہ عنہما پر یہ اتہام لگایا کہ انہوں نے نعوذ باللہ کلام اللہ میں تحریف کی ہے' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کی تردید کی اور فرمایا تو جھوٹ بولتا ہے' نہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما میں اتنی طاقت ہے نہ تجھ میں یہ مجال ہے۔ مجمع عام کے سامنے ان کی یہ ڈانٹ اس کو بہت ناگوار ہوئی' لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ علانیہ کوئی برا برتاؤ نہیں کرسکتا تھا اس لیے خفیہ انتقام لیا۔[1]

ابن خلکان اور اسد الغابہ میں اس کے علاوہ دو روایتیں نقل کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ ایک دن حجاج خطبہ دے رہا تھا' اس کو اس قدر طول دیا کہ عصر کا وقت تنگ ہوگیا آپ نے فرمایا کہ آفتاب انتظار نہیں کرسکتا' حجاج نے کہا جی میں آتا ہے کہ ''تمہاری آنکھیں پھوڑ دوں'' فرمایا تجھ کوتاہ بین سے یہ بھی کچھ بعید نہیں' دوسری روایت یہ ہے کہ عبدالملک نے فرمان جاری کیا کہ تمام حجاج مناسک حج میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء کریں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حجاج کے عرفات اور دوسرے مواقف سے بغیر حجاج کا انتظار کیے بڑھ جاتے تھے' حجاج کی فرعونیت کب اس کو گوارا کرتی مگر عبدالملک کے حکم سے مجبور تھا' اس لیے آپ کی جان کا خواہاں ہوگیا۔[2]

ابن عبدالبر نے استیعاب میں بھی یہی دونوں روایتیں نقل کی ہیں' اگرچہ ان روایتوں کی صورت واقعہ میں اختلاف ہے' مگر تضاد نہیں' اس لیے ان میں سے کسی کو غلط نہیں کہا جاسکتا' ہوسکتا ہے کہ یہ تمام واقعات یکے بعد دیگرے آتے رہے' مگر حجاج ضبط کرتا رہا' لیکن جب اس نے دیکھا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے اس کی پیش نہیں چلتی اور وہ اس کو مطلق دھیان میں نہیں لاتے' تو اخیر میں آپ کا قصہ ختم کردینے کا فیصلہ کرلیا' لیکن علی الاعلان وہ آپ پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا' اس لیے یہ صورت نکالی کہ اپنے آدمیوں میں سے کسی کو حکم دیا کہ وہ حج کے موقع پر جب لوگوں کا ازدہام ہوتا ہے مسموم نیزہ سے

---

[1] ابن سعد تذکرہ ابن عمر رضی اللہ عنہما

[2] ابن خلکان جلد ۱ ص ۲۴۲ مطبوعہ مصر ۱۲۹۹ھ واسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۰

Marfat.com

آپ کے پاؤں میں خراش دے دیں' اس اژدہام میں زخمی کرنے والا گرفتار بھی نہ ہو سکے گا' اور زہر کے اثر سے آپ کا کام بھی تمام ہو جائے گا اور یہی ہوا' جب آپ بیمار ہوئے تو حجاج عیادت کو آیا اور مزاج پرسی کے بعد کہا کہ کاش مجھ کو ملزم کا پتہ چل جاتا تو میں اس کی گردن اڑا دیتا' آپ نے فرمایا تم ہی نے یہ سب کچھ کیا اور پھر کہتے ہو کہ میں مجرم کو قتل کر دیتا' نہ تم حرم میں اسلحہ باندھنے کی اجازت دیتے نہ یہ واقعہ پیش آتا۔[1] یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو مدینہ منورہ میں وفات پانے کی تمنا بہت تھی' چنانچہ جب آپ کی حالت نازک ہوئی تو دعا کرتے تھے کہ خدایا مجھ کو مکہ میں موت نہ دے۔[2] اور اپنے صاحبزادہ سالم سے وصیت بھی کی کہ اگر میں مکہ ہی میں مر جاؤں تو حدود حرم کے باہر دفن کرنا کیونکہ جس زمین سے ہجرت کی پھر اس میں پیوند خاک ہوتے اچھا نہیں معلوم ہوتا' وصیت کے چند دنوں بعد سفر آخرت کیا[3] اور علم و عمل کا یہ آفتاب تاباں ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گیا۔

تجہیز و تکفین:

وفات کے بعد وصیت کے مطابق لوگوں نے حرم کے باہر دفن کرنا چاہا' مگر حجاج نے مداخلت کی اور خود ہی نماز جنازہ پڑھا لی' مجبوراً ''فخ'' مہاجرین کے قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے۔[4]

فضل و کمال:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت' آپ کی بارگاہ کی دائمی حاضر باشی' سفر و حضر کی ہمرکابی' فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تعلیم و تربیت اور خود ان کی تلاش و جستجو نے مذہبی

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۵۷ [2] ابن سعد قسم اول جز ۴ ص ۱۳۶

[3] ابن سعد قسم اول جز ۴ ص ۱۳۸ [4] تلخیص مستدرک جلد ۳ و ابن سعد تذکرہ ابن عمر رضی اللہ عنہما

Marfat.com

علوم کا دریا بنا دیا تھا، قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ تمام مذہبی علوم کا بحر بے کراں تھے، آپ کا شمار علمائے مدینہ کے اس زمرہ میں تھا، جو علم وعمل کے مجمع البحرین سمجھے جاتے تھے[1]

تلاوت وتفسیر قرآن:

تلاوت قرآن کے ساتھ آپ کو غیر معمولی شغف تھا، اس کی سور وآیات پر فکر و تدبر میں عمر عزیز کا بہت بڑا حصہ صرف کیا، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ صرف بقرہ پر ۱۴ برس صرف کیے[2] اس غیر معمولی شغف نے آپ میں قرآن کی تفسیر وتاویل کا غیر معمولی ملکہ پیدا کر دیا تھا، فہم قرآن کا ملکہ آپ میں عنفوان شباب ہی میں پیدا ہو گیا تھا، چنانچہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صحابہ رضی اللہ عنہم کا مجمع تھا، ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی اس مثال

﴿ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا کَلِمَةً طَیِّبَةً کَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَ فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ تُؤْتِیْ اُکُلَهَا کُلَّ حِیْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا ﴾ (ابراهیم)

''تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کی کیسی اچھی مثال دی ہے، کہ وہ پاک درخت کی مثل ہے جس کی جڑ مضبوط ہے اور شاخیں آسمان تک ہیں، وہ اپنے خدا کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا ہے''۔

کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ وہ درخت کون سا ہے، جو مرد مسلم کی طرح سدا بہار ہے اس کے پتے کبھی خزاں رسیدہ نہیں ہوتے اور ہر وقت پھل دیتا رہتا ہے، اس سوال کے جواب میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم حتیٰ کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما تک خاموش رہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بتایا کہ یہ کھجور کا درخت ہے لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہما پہلے ہی سمجھ چکے تھے، لیکن اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی خاموشی کی وجہ سے چپ رہے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا ذکر کیا تو

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۳۵ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد۔

[2] مؤطا امام مالک مطبع احمدی دہلی

Marfat.com

انہوں نے کہا کہ تم نے جواب کیوں نہ دیا' تمہارا جواب دینا مجھے فلاں فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہوتا[1]

قرآن کے الفاظ کے معنوں پر بہت غائر نظر تھی' وہ ان کے ایسے جامع معنی اختیار کرتے تھے جو مفہوم پر پورے طور سے حاوی ہوتے تھے' چنانچہ "اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ" میں دلوک کے معنی ڈھلنے کے لیتے تھے۔

''دلوک'' لغت میں ڈھلنے' زرد ہونے' غروب ہونے' تینوں معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کے معنی مطلق ڈھلنے کے لیتے تھے[2] اس معنی سے ظہر' عصر اور مغرب تینوں کے اوقات متعین ہو جاتے ہیں' اس لیے کہ میل یا زوال کی تین منزلیں ہیں ایک متعارف جس میں سمت الراس سے زوال ہوتا ہے' جو ظہر کا وقت ہے' دوسرا جس میں سمت نظر سے ڈھلتا ہے' یہ عصر کا وقت ہے' تیسرا وہ جس میں سمت افق سے ڈھل کر غروب ہو جاتا ہے' یہ مغرب کا وقت ہے۔

بعض اوقات آیات کے شان نزول اور ناسخ و منسوخ کی لاعلمی کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا ہو جاتے ہیں' ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی فہم قرآنی سے اس قسم کے شکوک کا ازالہ کر دیتے تھے' ایک شخص کو قرآن پاک کی اس آیہ

﴿ وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴾

''جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے' اس کو عذاب الیم کی بشارت دے دو''۔

کے بارہ میں یہ شبہہ پیدا ہوا کہ زکوۃ دینے کے بعد کیوں انفاق فی سبیل اللہ کا مطالبہ ہے اور عدم انفاق کی صورت میں عذاب الیم کی وعید کیوں ہے' اس نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا'

---

1. بخاری و فتح الباری کتاب التفسیر سورۃ ابراہیم و کتاب العلم باب الفہم
2. موطا امام مالک مطبع احمدی دہلی باب ما جاء فی دلوک الشمس و غسق اللیل

Marfat.com

آپ نے بتایا کہ یہ وعید اس شخص کے لیے ہے، جو سونا چاندی جمع کر کے زکوٰۃ نہیں دیتا وہ قابل افسوس ہے اور یہ آیہ زکوٰۃ کے نزول کے قبل کی ہے، زکوٰۃ تو خود ہی مال کو طاہر کر دیتی ہے۔[1]

اسی آیہ میں ایک شخص نے ''کنز'' کے معنی پوچھے، آپ نے ایسے لطیف معنی بتائے کہ اگر یہ آیہ نزول زکوٰۃ کے بعد کی بھی ہوتی، تب بھی اس پر کوئی اعتراض نہ ہوسکتا، کنز کے لغوی معنی مال مدفونہ کے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ کنز جس کی زکوٰۃ نہ ادا کی جائے اس معنی سے لا ینفقون کا مفہوم صرف یکنزون سے ادا ہو جاتا ہے اور ینفقونہا سے مزید تاکید ہو جاتی ہے اور کنز کے لغوی معنی بھی نہیں جاتے، کیونکہ زکوٰۃ نہ دی جائے گی، تو خواہ مخواہ جمع ہی ہوگا، ورنہ پھر زکوٰۃ کا مطالبہ اور عذاب الیم کی وعید کیوں ہوتی اور جمع بمنزلہ دفن کے[2] ہے، اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ قرآن پاک اصل مفہوم و منشاء اور اس کے اندازِ بیان کو سمجھنے میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کو کیسا ملکہ حاصل تھا۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے پوچھا کہ آپ فتنہ میں قتال کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، قرآن کا حکم ہے کہ

﴿ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ﴾

''ان لوگوں سے مقاتلہ کرو یہاں تک فتنہ نہ باقی رہے''۔

یہ سوال مسلمانوں کی خانہ جنگی کے زمانہ میں کیا گیا تھا، انہوں نے فرمایا تم فتنہ کے معنی کیا سمجھتے ہو، یہاں قتال علی الفتنہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم بادشاہت کے لیے لڑو، بلکہ قتال سے وہ قتال مراد ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے ساتھ فرمایا تھا، کہ ان کے دین میں داخل ہونا مسلمانوں کے لیے فتنہ تھا۔[3]

صحیح بخاری میں اس واقعہ کے متعلق جو روایت ہے وہ اس سے زیادہ صحیح ہے کہ

---

[1] بخاری جلد ا ص ۱۸۸، کرزن پریس دہلی [2] موطا امام مالک ص ۱۰۹
[3] مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۹۴

Marfat.com

حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے ہنگامہ کے زمانہ میں دو آدمی ان کے پاس آئے اور کہا سب لوگ ختم ہو چکے آپ عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں' آپ کیوں نہیں میدان میں آتے۔ فرمایا خدا نے بھائی کا خون حرام کیا ہے' اس لیے میں نہیں نکلتا' دونوں نے کہا خدا تو خود فرماتا ہے:

﴿ وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُونَ الدِّينُ لِلّٰهِ ﴾

''یعنی ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین خالص خدا کے لیے ہو جائے''۔

فرمایا بے شک ہم لڑے یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہا اور دین خدا کے لیے ہو گیا اور تم لوگ اس لیے لڑنا چاہتے ہو کہ فتنہ پیدا ہو اور دین غیر خدا کے لیے ہو جائے دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا یہ اُس وقت کا حکم ہے جب مسلمان تعداد میں کم تھے اور وہ اپنے مذہب کا اعلان نہیں کر سکتے اور جب کرتے تھے تو کفار ان کو ستاتے تھے یہی فتنہ تھا جس کو روکنے کے لیے جہاد تھا اب مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے' اس لیے اب اس فتنہ کا ڈر نہیں رہا۔[1]

حدیث:

تفسیر قرآن کے بعد حدیث نبوی (ﷺ) کا درجہ ہے' ابن عمر رضی اللہ عنہما کا شمار اساطین حفاظ حدیث میں ہے' اگر ان کی مرویات کی تعداد حدیث کی کتابوں سے علیحدہ کر لی جائے تو ان کے بہت سے اوراق سادہ رہ جائیں گے ان کی مجموعی تعداد ۱۶۳۰ ہے' ان میں ۱۷۰ متفق علیہ اور ۸۱ میں بخاری اور ۳۱ میں مسلم منفرد ہیں۔[2]

حدیث کی طلب وجستجو:

ابن عمر رضی اللہ عنہما کو حدیث نبوی (ﷺ) کا اتنا شوق اور اس کی اس قدر جستجو تھی کہ

---

[1] یہ دونوں روایتیں صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۴۸ کتاب التفسیر باب قاتلوھم حتی لا تکون فتنة میں ہیں۔

[2] تہذیب الکمال ص ۲۰۷' مطبوعہ مصر

Marfat.com

اپنی غیر حاضری کے اقوال اور افعال نبوی (ﷺ) ان لوگوں سے جو آپ کی خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے پوچھ لیا کرتے تھے' اور ان کو یاد رکھتے تھے [1] اگر کوئی ایسی حدیث یا ایسا مسئلہ سنتے جو ان کے علم میں نہ ہوتا' تو فوراً خود آنحضرت ﷺ یا حدیث کے راوی کے پاس جا کر اس کی تصدیق کرتے' ایک مرتبہ کسی نے ایک مسئلہ بیان کیا' جو ان کے علم میں نہ تھا' فوراً خدمت نبوی (ﷺ) میں حاضر ہو کر اس کی تصدیق کی [2] ایک مرتبہ ایک لیثی نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے سونا چاندی کی بیع صرف اس صورت میں جائز رکھی ہے کہ برابر ہو' ان کو اس کا علم نہ تھا' اس لیے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر اس کی تصدیق کی۔ [3]

حدیث کی اشاعت و تعلیم:

اس تلاش و جستجو نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو حدیث کا دریا بنا دیا تھا' جس سے ہزاروں لاکھوں مسلمان سیراب ہوئے' ان کی ذات سے حدیث کا وافر حصہ اشاعت پذیر ہوا' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے بعد ساٹھ سال سے زیادہ زندہ رہے' اس میں آپ کا مشغلہ صرف علم کی اشاعت تھا۔ [4] اسی لیے آپ نے کوئی عہدہ قبول نہیں کیا کہ اس سے یہ مبارک سلسلہ منقطع ہو جاتا' مدینہ میں مستقل حلقہ درس تھا' اس کے علاوہ اشاعت کے لیے سب سے بہترین موقع حج کا تھا' جس میں تمام اسلامی ملکوں کے مسلمان جمع ہوئے تھے' چنانچہ آپ اس موقع پر فتویٰ دیتے تھے' اس سے بہت جلد مشرق سے مغرب تک احادیث پھیل جاتی تھیں [5] لوگوں کے گھروں پر جا کر حدیث سناتے تھے' زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ عبداللہ بن مطیع کے یہاں گئے' عبداللہ رضی اللہ عنہ نے خوش آمدید کہا اور ان کے لیے فرش بچھایا' انہوں نے کہا میں اس وقت تمہارے پاس صرف ایک حدیث سنانے کی غرض سے آیا ہوں' رسول اللہ ﷺ

---

[1] اصابہ جلد ۴ ص ۱۰۹　[2] صحیح مسلم کتاب صلوۃ المسافرین وقصرہا جلد ۱ ص ۲۷۵ مطبوعہ مصر

[3] ایضاً ص ۶۳۰' باب الرباء　[4] استیعاب جلد ۱ ص ۳۸۱　[5] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۲۸

Marfat.com

فرماتے تھے کہ جس شخص نے (امیر کی) اطاعت سے دستبرداری کی' وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی اور جو شخص جماعت سے الگ ہو کر مرا وہ جاہلیت کی موت مرا[1]

ان کی تعلیم کا سلسلہ ہر وقت جاری رہتا تھا' علی بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں حالت نماز میں کنکریوں سے شغل کر رہا تھا' نماز تمام کر چکا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ٹوکا اور کہا جس طریقہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے' اس طریقہ سے پڑھا کرو' پھر خود ہی طریقہ بتایا۔[2]

ایک مرتبہ سعید بن یسار رحمۃ اللہ علیہ مکہ کے راستہ میں آپ کے ساتھ تھے صبح ہونے کے قریب ہوئی تو سعید نے سواری سے اتر کر وتر پڑھی اور پڑھ کر پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مل گئے' انہوں نے پوچھا کہاں تھے' کہا صبح ہو جانے کے خوف سے سواری سے اتر کر وتر ادا کی' ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تمہارے لیے اسوۂ حسنہ نہیں ہے' سعید نے کہا خدا کی قسم ضرور ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ ہی پر بیٹھے بیٹھے وتر پڑھتے تھے۔[3]

خود آپ کی ذات گرامی اوصاف نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایسی زندہ تصویر اور ایسا جامع مرقع تھی جو سینکڑوں درس اور ہزاروں تلقینات سے زیادہ کارآمد تھی' جس کا صرف ایک نظر دیکھ لینا اور چند ساعتیں آپ کی صحبت اٹھا لینا برسوں کی درس و تدریس کے برابر ہوتا ہے' آپ کے صحیفہ زندگی میں تمام احادیث عملاً بعنوان جلی قوم تھیں وہ تمام صحابہ اور تابعین جنہوں نے ان کو دیکھا تھا' بالاتفاق ان کی اس حیثیت کو تسلیم کرتے تھے' حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہر شخص کچھ نہ کچھ بدل گیا' مگر عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ نہیں بدلے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ عہد نبوی کی حالت و کیفیت کا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ کوئی پابند نہیں رہا' حضرت نافع جو عبداللہ

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۵۴ [2] موطا امام مالک العمل فی الجلوس فی الصلوۃ ص ۰

[3] موطا امام مالک باب الامر بالدیہ ص ۴۳

Marfat.com

بن عمر رضی اللہ عنہما کے خادم اور شاگرد خاص تھے اور جوان کی خدمت میں تیس برس رہے تھے' وہ تابعین اور اپنے شاگردوں سے کہتے کہ اگر اس زمانہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما ہوتے تو ان کو آثار نبوی کی شدت سے اتباع کرتے ہوئے دیکھ کر تم یہی کہتے کہ یہ دیوانہ ہے۔[1]

آپ کی ذات دوسروں کے لیے نمونہ تھی' لوگ دعا کرتے تھے کہ ''خدایا ہماری زندگی میں ابن عمر (رضی اللہ عنہما) کو زندہ رکھ کہ ان کی اقتدا سے فیض یاب ہوتے رہیں' ان سے زیادہ عہد رسالت کا کوئی واقف کار نہیں۔[2]

اکابر علماء مشکلات میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے' سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ جو خود بھی تابعی تھے' بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے لعان کے متعلق مجھ سے سوال کیا' مجھ کو معلوم نہ تھا میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جا کر دریافت کیا۔[3] ابن شہاب زہری جن سے بڑا کوئی محدث تابعین میں نہیں گذرا' کہا کرتے تھے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما وہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے بعد ساٹھ برس تک افادہ خلق میں مصروف رہے' ان سے رسول اللہ ﷺ کی کوئی بات چھپی نہ تھی۔[4] چونکہ آپ ایک عالم کے مقتدا تھے' آپ کا ہر قول و فعل دوسروں کے لیے نمونہ بن جاتا تھا' اس لیے اپنے ان امور و اعمال کی جن کو سنت سے تعلق نہ ہوتا' بلکہ طبعاً یا بدرجہ مجبوری سرزد ہوتے تصریح فرما دیتے تھے' آپ مروہ میں بال بنوا رہے تھے' لوگ گرد و پیش جمع ہو کر دیکھنے لگے' فرمایا یہ سنت نہیں ہے' بلکہ بال تکلیف دے رہے تھے' اس لیے بنوا دیئے۔[5]

ایک شخص آپ کے پہلو میں نماز پڑھ رہا تھا' چوتھی رکعت میں پالتی مار کر بیٹھا' اور دونوں پاؤں موڑ لیے' آپ نے اس کو مذموم بتایا' اس نے کہا آپ ایسے بیٹھتے ہیں' فرمایا مجبوری سے کرتا ہوں[6] آپ کا بدن بھاری تھا اس لیے مسنون طریقہ سے نہیں بیٹھ سکتے تھے۔

---

1. مستدرک جلد ۳ ص ۵۶۱' و ابن سعد تذکرہ ابن عمر رضی اللہ عنہما 2. ابن سعد جزء ۴ قسم اول ص ۱۰۶
3. مسلم کتاب اللعان جلد اول ص ۵۹۲ 4. تذکرۃ الحفاظ تذکرہ ابن عمر رضی اللہ عنہما
5. ابن سعد جزء ۴ قسم اول ص ۳۴ 6. موطا امام مالک العمل فی الجلوس فی الصلوۃ ص ۳۰

Marfat.com

احتیاط فی الحدیث :

لیکن اس فضل و کمال، اس وسعت علم اور اس وقت نظر کے باوجود حدیث بیان کرنے میں حد درجہ محتاط تھے، محمد بن علی راوی ہیں کہ صحابہ کی جماعت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ حدیث بیان کرنے میں کوئی محتاط نہ تھا، وہ حدیث میں کمی وبیشی سے بہت ڈرتے تھے[1] ابو جعفر کا بیان ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں کمی و زیادتی سے بہت زیادہ خائف رہتے تھے[2] سعید اپنے والد کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ حدیث نبوی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ محتاط میری نظر سے کوئی نہیں گزرا[3] اس لیے آپ عام طور پر حدیث بیان کرنے سے گریز کرتے تھے، مجاہد کا بیان ہے کہ مدینہ کے راستہ میں میرا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ساتھ ہوا، اس درمیان میں انہوں نے صرف ایک حدیث بیان کی[4] امام شعبی کا بیان ہے کہ میں ایک سال تک عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا لیکن انہوں نے کوئی حدیث نہیں بیان فرمائی، اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ روایت حدیث کو برا سمجھتے تھے یا کم بیان کرتے تھے بلکہ بلا ضرورت نہیں بیان کرتے تھے۔

وہ احادیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں روایت کرنا ضروری سمجھتے اور اس میں تغیر پسند نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ حدیث سنا رہے تھے کہ "قال رسول الله ﷺ مثل النافق كشاة من بين ربيضتين اذا اتت هؤلاء نطحتها" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فوراً ٹوک دیا کہ یہ حدیث اس طرح نہیں بلکہ یوں ہے "مثل المنافق بين غنمين" عبید رضی اللہ عنہ عمر میں آپ سے بڑھے تھے، اس لیے ان کو غیرت آ گئی، بہت برہم ہوئے، ان کے اس بے جا غصہ کا یہ جواب دیا کہ اگر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طریقہ سے نہ سنا ہوتا تو تردید نہ کرتا۔[5]

---

1. تذکرۃ الحفاظ جلد اوّل ص ۳۴ 2. مستدرک جلد ۳ ص ۵۶۰
3. اصابہ جلد ۴ ص ۱۰۹ 4. بخاری باب الفہم فی العلم جلد اوّل ص ۱۶
5. مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۲

Marfat.com

اس احتیاط کی بنا پر اکابر علماء آپ کی مرویات کو اتنی قابل اعتماد سمجھتے تھے کہ پھر کسی مزید توثیق کی ضرورت باقی نہیں رہتی' امام شعبیؒ فرماتے تھے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت بہت درست ہوتی تھی[1] ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ان کی رائے کے بعد پھر کسی دوسری رائے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے' موطا امام مالک جس کو امت نے کتاب اللہ کے بعد صداقت اور وثوق میں دوسرا درجہ دیا ہے زیادہ تر ان ہی کی روایات پر مشتمل ہے' خصوصاً وہ روایات جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ان کے خادم وشاگرد نافع نے بیان کی ہیں اور ان سے امام مالک نے سنا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تقریباً پندرہ برس رہے' پھر شیخین رضی اللہ عنہما کا پورا زمانہ دیکھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گویا تیس برس رہے' پھر حضرت نافع ابن عمر رضی اللہ عنہما کی صحبت میں تیس برس رہے پھر امام مالک حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں دس بارہ برس بیٹھے' اس طرح مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما کا سلسلہ محدثین کے نزدیک سلسلۃ الذہب کہا جاتا ہے اور بجا کہا جاتا ہے کہ

ایں سلسلہ از طلائے ناب است ایں خانہ تمام آفتاب است

ذات نبوی کے علاوہ آپ کے شیوخ میں حضرت ابوبکر' عمر' عثمان' علی' زید بن ثابت' عبداللہ بن مسعود' بلال' صہیب' رافع بن خدیج' عائشہ اور حفصہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے اکابر امت ہیں[2]

تلامذہ:

آپ کے علم کی کثرت اور فیضان نے آپ کے تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع کر دیا تھا' صاحبزادوں میں بلال' حمزہ' زید' سالم' عبداللہ' عبید اللہ' عمر' پوتوں میں ابوبکر' محمد' عبداللہ' غلاموں میں نافع' اسلم بھتیجوں میں حفص' عبداللہ' عام لوگوں میں زید' خالد' عروہ' ابن زبیر' موسیٰ بن طلحہ' ابوسلمہ بن عبدالرحمن' عامر بن سعد' حمید بن عبدالرحمن' سعید ابن مسیب' عون بن عبداللہ' قاسم بن محمد بن ابی بکر' مصعب بن سعد' ابو بردہ بن ابی موسیٰ اشعری' انس بن سیرین'

---

1 اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۲۸ 2 تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۲۸، دائرۃ المعارف حیدر آباد

Marfat.com

بسر بن سعید، بکر بن عبداللہ المزنی، ثابت البنانی، جبلہ بن سحیم، حرملہ، حکم بن مینا، حکم بن ابی جرہ، حمید بن عبدالرحمٰن حمیری، ابوصالح الصمان، ذاذان ابوعمر، زبیر بن عربی زیاد بن جبیر ابوعقیل زہرہ بن معبد، سالم بن ابی الجعد، زید بن جبیر، خشمی، سعد بن عبیدہ، سعید ابن حارث، سعید بن عمرو، صفوان بن محرز، طاؤس، عطاء، عکرمہ، مجاہد، سعید ابن کیسان، عبید بن جریج، عبداللہ بن مقسم، عکرمہ بن خالد مخزومی، علی بن عبداللہ البارقی، علی بن عبدالرحمٰن وغیرہم۔[1]

فقہ:

حدیث کے بعد فقہ کا درجہ ہے کہ اس پر تشریع اسلامی کا دارومدار ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو تفقہ فی الدین میں درجہ کمال حاصل تھا، آپ کی ساری عمر علم و افتا میں کٹی، مدینہ کے ان مشہور صاحب فتاویٰ صحابہ رضی اللہ عنہم میں جن کا فتاویٰ کی تعداد زیادہ ہے، ایک ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے[2] فقہ مالکی جو ائمہ اربعہ میں سے ایک امام کی فقہ ہے، اس کا تمام تر دارومدار حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ پر ہے[3] اس بنا پر امام مالک فرماتے تھے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ائمہ دین میں تھے[4] ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو ایک ضخیم جلد تیار ہو سکتی ہے[5] کبار کی رائے ہے کہ تنہا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اقوال، اسلامی مسائل کے استقصاء کے لیے کافی ہے۔

احتیاط فی الفتاویٰ:

مگر اس تفقہ کے باوجود حدیث کی طرح فتاویٰ میں بھی بہت محتاط تھے، جب تک کسی مسئلہ کے متعلق پورا یقین نہ ہوتا، فتویٰ نہ دیتے، حافظ ابن عبدالبر نے استیعاب میں لکھا ہے کہ وہ اپنے فتووں میں اور اعمال میں نہایت سخت محتاط تھے اور خوب سوچ سمجھ کر کہنے والے اور کرنے والے تھے۔[6]

اگر کوئی مسئلہ نہ معلوم ہوتا تو اپنی کسر شان کا لحاظ کیے بغیر نہایت صفائی کے ساتھ

---

1. تہذیب التہذیب تذکرہ ابن عمر رضی اللہ عنہما 2. اعلام الموقعین ابن قیم جلد اول ص ۱۳
3. مقدمہ مسوی شرح موطا شاہ ولی اللہ صاحب 4. تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۲۱
5. اعلام الموقعین ابن قیم جلد اول ص ۱۳ 6. استیعاب جلد اول ص ۳۸۰

Marfat.com

اپنی لاعلمی ظاہر کر دیتے' ایک مرتبہ کسی نے مسئلہ پوچھا' آپ کو علم نہ تھا' فرمایا ''مجھے نہیں معلوم'' اس کو ان کی صاف بیانی پر تعجب ہوا' کہنے لگا ''ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی خوب آدمی ہیں جو چیز معلوم نہ تھی اس نے صاف لاعلمی ظاہر کر دی[1] عقبہ بن مسلم کا بیان ہے کہ ایک شخص نے آپ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا' فرمایا مجھ کو نہیں معلوم' تم میری پیٹھ کو جہنم کا پل بنانا چاہتے ہو کہ تم یہ کہہ سکو کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھ کو ایسا فتویٰ دیا تھا[2] ابن عباس رضی اللہ عنہما کو آپ کا یہ طرز عمل تعجب انگیز معلوم ہوتا تھا' فرمایا کرتے تھے کہ ''مجھ کو ابن عمر (رضی اللہ عنہ) پر تعجب آتا ہے کہ جس چیز میں ان کو ذرا بھی شک ہوتا ہے خاموش رہتے ہیں اور مستفتی کو لوٹا دیتے ہیں[3] اگر کبھی فتویٰ دینے کے بعد غلطی معلوم ہوتی تو بلا پس و پیش پہلے فتویٰ سے رجوع کر لیتے اور مستفتی کو صحیح فتویٰ سے آگاہ کر دیتے' ایک مرتبہ عبدالرحمٰن بن ابی ہریرہ نے آبی مردار کے متعلق استفتاء کیا کہ اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں' آپ نے ناجائز بتایا' بعد میں قرآن منگا کر دیکھا تو یہ حکم نلا ''احل لکم صید البحر و طعامه'' چنانچہ انہوں نے عبدالرحمٰن کے پاس کہلا بھیجا کہ اس کے کھانے میں کوئی ہرج نہیں[4] دوسرے عام مفتیوں کو بھی اپنے رائے و قیاس سے فتویٰ دینے سے منع فرماتے تھے' حضرت جابر رضی اللہ عنہ بصرہ کے مفتی تھے' ابن عمر رضی اللہ عنہما ان سے ملے تو پہلی ہدایت یہی فرمائی کہ ''تم بصرہ کے مفتی ہو' لوگ تم سے استفتا کرتے ہیں' کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر فتویٰ نہ دیا کرو''[5] آپ کے نزدیک کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی تیری قسم تھی ہی نہیں[6]

قیاس و اجتہاد:

تاہم اس احتیاط کے باوجود بعض مسائل میں قیاس و اجتہاد ناگزیر ہے کیونکہ کتاب و سنت میں تمام مسائل کا استقصا نہیں ہے' ورنہ فقہ کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو

---

1. ابن سعد قسم ۴ ص ۱۲۵ 2. اصابہ جلد ۴ ص ۱۰۹
3. تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۳۳ 4. موطا امام مالک باب ما جاء فی صید البحر ص ۱۸۴
5. اعلام الموقعین جلد اول ص ۶۷ 6. ایضاً

Marfat.com

جائے گا' ابن عمر رضی اللہ عنہما پہلے کتاب اللہ پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں اور عملی مثالوں کی طرف رجوع کرتے تھے' جب مقصد حاصل ہوتا تو اجتہاد کرتے [1] لیکن مستفتی سے کہہ دیتے کہ یہ میرا قیاس ہے' طاؤس کا بیان ہے کہ جب ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے کوئی ایسا مسئلہ پیش ہوتا' جس کے بارہ میں کتاب اور سنت میں کوئی حکم نہ ہوتا' تو پوچھنے والوں سے کہتے کہ ''اگر کہو تو اپنے قیاس سے بتا دوں''۔[2]

لیکن قیاس واجتہاد میں بھی آپ کو ایسا خداداد ملکہ حاصل تھا اور آپ کی رائے بھی اتنی صائب اور فیصلہ کن سمجھی جاتی کہ بڑے بڑے ائمہ اس کے بعد پھر کسی دوسرے کی رائے کی ضرورت نہ سمجھتے تھے' امام ابن شہاب زہری نے اپنے شاگرد امام مالک کو ہدایت کی تھی کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مقابلہ میں کسی کی رائے کو ترجیح نہ دینا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ساٹھ برس تک زندہ رہے' اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی کوئی بات ان سے چھپی نہ تھی۔[3] امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ابن عمرؓ بڑے صائب الرائے تھے[4] بڑے بڑے مشائخ کہا کرتے تھے کہ ''جس نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کو اختیار کیا اس نے پھر تلاش وتفحص کے لیے کچھ نہیں چھوڑا''۔[5]

بعض فتاوے:

ایک شخص نے حاملہ عورت کے روزہ کی نسبت پوچھا کہ اگر حاملہ کو روزہ سخت معلوم ہو' یا اس سے نقصان پہنچنے کا احتمال ہو' تو وہ روزہ رکھے یا افطار کرلے فرمایا' افطار کرلے اور روزہ کے عوض روزانہ ایک مد گیہوں مسکین کو دے دیا کریں[6] قرآن پاک کی آیت ﴿ وَالَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ﴾ کے متعلق صحابہ رضی اللہ عنہم کی دو جماعتیں ہیں' ایک اس حکم کو منسوخ سمجھتی ہے اور دوسرے اس کو حاملہ' دودھ پلانی والی اور کبیر

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ذہبی جلد اوّل ص ۳۳ [2] اعلام الموقعین جلد اوّل ص ۶۷

[3] تذکرۃ الحفاظ جلد اوّل ص ۳۳ [4] مستدرک جلد ۳ ص ۵۶۰ [5] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۳

[6] موطا امام مالک ص ۹۶ فدیۃ من افطرنی رمضان۔

Marfat.com

السن بوڑھوں کے لیے مخصوص کرتی ہے' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ فتویٰ دوسرے فریق کی تائید کرتا ہے۔

عورتوں کے استعمالی زیوروں کی زکوٰۃ کے بارہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور مجتہدین کا اختلاف ہے' ایک گروہ اس کی بھی زکوٰۃ واجب ٹھہراتا ہے' جو حنفیہ کا مسلک ہے' دوسرا گروہ زیور میں زکوٰۃ کے وجوب کا قائل نہیں' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل دوسرے گروہ کا موئد ہے چنانچہ اپنی لڑکیوں کو سونے کے زیورات پہناتے تھے اور اُن کی زکوٰۃ نہیں دیتے تھے[1] اس سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ فیصلہ معلوم ہوتا ہے کہ استعمالی زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے کہ وہ ایک طرح سے عملاً عورت کے ضروریات میں سے ہیں ہاں البتہ اگر کوئی زیور کو سرمایہ کے طور پر یا تجارت کی غرض سے رکھے تو بے شبہ اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی' صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی مسلک ہے اور مجتہدین میں امام شافعی وغیرہ اس طرف گئے ہیں۔

سکھائے ہوئے کتے کے شکار کی حلت کا مسئلہ تو خود قرآن پاک میں مذکور ہے' مگر اس کی بعض تفصیلات میں لوگوں کا اختلاف ہے' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مسلک یہ تھا کہ اگر کتے نے شکار کا کوئی حصہ خود نہیں کھایا ہے وہ خواہ وہ شکار مردہ ملے یا زندہ' دونوں صورتوں میں کھایا جا سکتا ہے[2]

اگرچہ غلام کے افعال عموماً آقا کی مرضی کے تابع ہیں' تاہم اس کے کچھ فطری حقوق ایسے ہیں جن میں اس کو مکمل اختیار ہے اور آقا کی مرضی اور منشا کو کوئی دخل نہیں' ابن عمر رضی اللہ عنہما غلام کے ان حقوق کے بڑے محافظ تھے' فرماتے تھے کہ اگر غلام کو آقا نے شادی کی اجازت دے دی تو پھر طلاق دینے نہ دینے کا کامل اختیار اسی غلام کو ہوگا' آقا کو اس میں کوئی دخل نہ ہوگا' یعنی اگر آقا طلاق دلانا چاہے تو غلام طلاق دینے پر مجبور نہیں ہے[3]

---

[1] موطا امام مالک ص ۱۰۶ امالا زکوۃ فیہ من الحلی والتبر والغبر۔

[2] موطا امام مالک' ماجاء فی صید المعلمات ص ۱۸۳ [3] ایضاً ماجاء فی طلاق العبد ص ۲۰۹

Marfat.com

اسی طرح آپ عورتوں کے حقوق کے بھی بڑے محافظ تھے کہ ان کے شوہر ان کو بازیچہ اطفال نہ بنالیں کہ جب تک چاہا کھیلا اور جب چاہا بگاڑ دیا' ایک شخص نے آ کر پوچھا کہ ابوعبدالرحمٰن میں نے اپنی بیوی کا معاملہ اس کے ہاتھ میں دے دیا تھا' یعنی طلاق اس کی مرضی پر محول کر دی تھی اس نے طلاق لے لی' آپ کا کیا فتویٰ ہے' فرمایا عورت نے جو کچھ کیا صحیح کیا (یعنی طلاق پڑ گئی) اس نے کہا ایسا نہ کیجئے فرمایا میں خیال کرتا ہوں کہ تم نے خود کیا۔[1]

ربا (سود) کے معاملہ میں بہت سخت تھے' اگر ربا کا خفیف شائبہ بھی نکلتا' تو اس کو ناجائز سمجھتے تھے' ایک مرتبہ ایک سنار نے پوچھا کہ میں سونے کی چیزیں بنا کر اس سے زیادہ وزن کے سونے کے ساتھ بیچتا ہوں' اور یہ زیادتی میری محنت کا صلہ ہوتی ہے' آپ نے منع کیا' سنار بار بار پوچھتا تھا اور آپ منع کرتے تھے' آخر میں فرمایا کہ دینار سے دینار اور درہم سے درہم کے تبادلہ میں کسی قسم کی زیادتی نہ ہونا چاہیے' اس کا مجھ سے عہد لیا گیا ہے اور میں تم سے عہد لیتا ہوں۔[2]

اس تشدد کی بنا پر آپ قرض کے معاملہ میں کسی جانب سے بھی رعایت پسند نہ کرتے تھے چنانچہ یہ صورت بھی آپ کے نزدیک ناپسندیدہ تھی کہ ایک شخص مدت معینہ کے لیے قرض لے پھر قرض خواہ مدت معینہ سے پہلے روپیہ لینا چاہے' اور اس کے عوض میں رقم کا کچھ حصہ چھوڑ دے[3] گو ربا کا فائدہ قرض خواہ کو ملتا ہے' اس لیے عام معنی میں یہ شکل ربا کے تحت میں نہیں آتی' لیکن چونکہ قرض کے سلسلہ میں رعایت ہے اور اس سے ایک فریق کو فائدہ پہنچتا ہے' اس لیے اس میں ان کو ربا کا شائبہ نظر آیا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فضل و کمال کی جستجو میں جہاں تک ہم اندازہ کر سکے ہیں' اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مذہبی علوم کے علاوہ عرب کے دوسرے مرجہ علوم شاعری' نسابی اور

---

[1] ایضاً ماجاء فی الخلیته البریه واشباه ذالك ص ۲۰۰

[2] ایضاً بیع الذہب والورق عیناً وتبراص ۲۶۰ [3] زرقانی شرح موطا ص ۱۴۱ مطبوعہ مصر

Marfat.com

خطابت کو آپ کی بارگاہ علم میں بار نہ تھا' اس کا ایک کھلا ہوا سبب یہ ہے کہ آپ زہد واتقا کے سبب سے مذہبی علوم کے علاوہ دوسرے علوم میں وقت صرف کرنا پسند نہ فرماتے تھے۔ اس لیے جو وقت بھی ملتا تھا' وہ اس علمی جہاد میں صرف ہوتا تھا دوسرا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے جاہلانہ جذبات سے آپ کا دامن اخلاق ہمیشہ پاک رہا' حسن وعشق' حسب ونسب' غلط تہور وشجاعت آپ کے نزدیک بے معنی الفاظ تھے' اس لیے آپ شاعر اور نساب نہ بن سکے کہ یہی چیزیں عرب کی شاعری کے عناصر اور اس کی مایۂ خمیر ہیں۔

سیاست کے خارزار سے ہمیشہ دامن کشان رہے' اس لیے تیغ زبان کے جوہر نہ کھلے چنانچہ انہوں نے خطیب کی حیثیت سے کوئی خاص شہرت نہیں حاصل کی' تاہم آپ کے مختصر کلمات اور حکیمانہ اقوال پر زور خطبوں سے زیادہ وقیع' زیادہ پر اثر اور زیادہ مفید تھے۔ اہل علم کے بارے میں فرماتے تھے کہ ''آدمی اس وقت اہل علم کے زمرہ میں شمار ہونے کے قابل ہوگا جب وہ اپنے سے بلند آدمی پر حسد نہ کرے گا اور اپنے سے کمتر کو حقیر نہ سمجھے گا اور اپنے علم کی قیمت نہ لے گا''۔ ایمان کے متعلق فرماتے تھے کہ بندہ اس وقت تک ایمان کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا' جب تک وہ مذہب کے اس بلند مقام پر نہ پہنچ جائے' جہاں سے عوام اس کے مذہب میں اس کو احمق نظر آئیں' یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ''کوئی بندہ خواہ وہ خدا کے نزدیک برگزیدہ ہی کیوں نہ ہو' مگر جب دنیا کا کچھ حصہ اس کو مل جاتا ہے تو خدا کے یہاں اس کا کوئی نہ کوئی درجہ ضرور گھٹ جاتا ہے''[1] نیکی کے بارے میں ارشاد تھا کہ نیکی بہت آسان شے ہے خندہ جبینی اور شیریں کلامی۔[2]

فضائل اخلاق:

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسلام کے سایہ میں نشوونما پائی' فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تعلیم و تربیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بابرکت نے اس پر اور جلا دے دی تھی' اس لیے وہ خلق نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مکمل نمونہ بن گئے تھے اگرچہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر خلق نبوی کا پرتو پڑا

---

1 ازالۃ الخفاء شاہ ولی اللہ مقصد دوم ص ۱۹۱ 2 اسد الغابہ ترجمہ ابن عمر رضی اللہ عنہما مطبوعہ مصر

Marfat.com

تھا، لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہما پر ایسا گہرا اثر تھا کہ ان کی ہر ادا سے شان نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) آشکارہ تھی اور وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر وہ کام اسی طرح کرتے تھے، جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھتے تھے اس کی مثالیں حدیث کی کتابوں میں بکثرت مذکور ہیں۔

خشیتِ الٰہی:

خشیت الٰہی تمام اعمال صالحہ کی بنیاد ہے، خشیت یہ ہے کہ خدا کے ذکر سے انسان کے قلب میں گداز پیدا ہو، قرآن پاک میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف میں ہے اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم کہ جب خدا یاد آتا ہے تو ان کے دل ہل جاتے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما میں یہ کیفیت بڑی نمایاں تھی، چنانچہ وہ قرآن پاک کی یہ آیت

﴿الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ﴾ (آیہ)

"کیا مسلمانوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ خدا کی یاد سے ان کے دل میں خشوع پیدا ہو"۔

پڑھتے تھے تو ان پر بے انتہا رقت طاری ہوتی [1] ایک مرتبہ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ تلاوت کی، تو آپ اس قدر روئے کہ داڑھی اور گریبان آنسوؤں سے تر ہو گئے اور پاس بیٹھنے والے پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ بہ مشکل برداشت کر سکے۔[2] فتنہ کے زمانہ میں جب ہر حوصلہ مند اپنی خلافت کا خواب دیکھتا تھا، ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے فضل و کمال، زہد و اتقا، لوگوں میں اپنی عام دلعزیزی اور مقبولیت بلکہ اکثروں کی خواہش کے باوجود خدا کے خوف سے محترز رہے، نافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنا کانوں سے سنا، ایک دن ابن عمر رضی اللہ عنہما خانہ کعبہ میں سربسجود ہو کر کہہ رہے تھے کہ خدایا تو خوب جانتا ہے کہ میں نے حصولِ دنیا میں قریش کی مزاحمت صرف تیرے خوف سے نہیں کی۔[3]

---

[1] اصابہ جلد ۴ ص ۱۰۹ مطبع شرفیہ مصر

[2] ابن سعد جز ۴ قسم اوّل ص ۱۲۹

[3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۲۹

Marfat.com

عبادت وریاضت:

آپ بڑے عبادت گزار و شب زندہ دار تھے' اوقات کا بیشتر حصہ عبادت الٰہی میں صرف ہوتا' نافع روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما رات بھر نمازیں پڑھتے تھے' صبح کے قریب مجھ سے پوچھتے کہ سپیدہ صبح نمودار ہوا؟ اگر میں ہاں کہتا تو پھر طلوع سحر تک استغفار میں مشغول ہو جاتے اور اگر نہیں کہتا تو بدستور نماز میں مشغول رہتے[1] روزانہ کا معمول تھا کہ مسجد نبویؐ سے دن چڑھے نکلتے بازار کی ضروریات پوری کرتے[2] پھر نماز پڑھ کر گھر جاتے' محمد بن زید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما رات بھر میں چار پانچ مرتبہ اُٹھ اُٹھ کر نمازیں پڑھتے تھے' ابن سیرین کا بیان ہے کہ رات کو جتنی مرتبہ آنکھ کھلتی تھی اٹھ کر نماز پڑھتے تھے[3] تلاوت قرآن سے بڑا شغف تھا' ایک رات میں پورا قرآن ختم کر لیتے' حج کسی سال ناغہ نہیں ہوا حتیٰ کہ فتنہ کے زمانہ میں بھی جب مکہ بالکل غیر مامون حالت میں تھا' انہوں نے حج نہ چھوڑا' چنانچہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور حجاج کی جنگ کے زمانہ میں جب انہوں نے حج کا قصد کیا تو لوگوں نے روکا کہ یہ حج کا موقع نہیں' فرمایا اگر کسی نے روک دیا تو اسی طرح رک جاؤں گا' جس طرح آنحضرت ﷺ کو دشمنوں نے روکا تھا (صلح حدیبیہ کے زمانہ میں) تو آپ رُک گئے تھے اور اگر نہ روکا تو سعی وطواف پورا کروں گا' چنانچہ صرف اِس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر عمرہ کی نیت کی تھی' انہوں نے اس موقع پر عمرہ کی نیت کی کہ آنحضرت ﷺ کے اس واقعہ سے مشابہت ہو جائے۔[4] وہ یوں بھی تمام مسائل کے بڑے واقف کار تھے اور بکثرت حج کیے تھے' اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں مناسک حج کے سب سے بڑے عالم مانے جاتے تھے[5] معمولی سے معمولی عبادت بھی نہ چھوٹتی تھی' چنانچہ ہر نماز کے لیے

---

[1] اصابہ جلد ۴ ص ۱۰۹ [2] ابن سعد تذکرہ ابن عمر رضی اللہ عنہما [3] اصابہ جلد ۴ ص ۱۰۹
[4] صحیح بخاری کتاب المناسک باب اذا احصر المعتمر [5] ابن خلکان جلد اوّل ص ۲۴۱

Marfat.com

تازہ وضو کرتے تھے[1] مسجد جاتے وقت نہایت آہستہ آہستہ چلتے کہ جتنے قدم زیادہ پڑیں گے اتنا ہی زیادہ اجر ملے گا۔[2]

پابندیٔ وقت:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی زندگی حیات نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا عکس اور پرتو تھی، لوگ کہا کرتے تھے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو پابندیٔ سنت کا والہانہ جنون تھا[3] صرف عبادات ہی میں نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتفاقی اور بشری عادات کی بھی وہ پوری پیروی کرتے تھے یہاں تک کہ جب وہ حج کے لیے سفر میں نکلتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سفر میں جن مقامات پر اترتے تھے وہاں وہ بھی منزل کرتے تھے، جن مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں پڑھی تھیں وہاں یہ بھی پڑھتے تھے۔[4] حج کے سفر میں وہی راستہ اختیار کرتے جن راستوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گزرا کرتے تھے[5] انتہا یہ ہے کہ جس مقام پر حضور نے کبھی طہارت کی تھی، اس پر پہنچ کر وہ بھی طہارت کرلیا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قبا میں سوار اور پیادہ دونوں طریقوں سے تشریف لے گئے تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بھی یہ عمل تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ میں اتر کر نماز پڑھتے، ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی یہی کرتے تھے۔[6]

عام دعوت خصوصاً ولیمہ قبول کرنا مسنون ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روزہ کی حالت میں بھی دعوت ولیمہ رد نہ کرتے تھے، اگرچہ اس حالت میں کھانے میں شریک نہ ہو سکتے تھے، مگر داعی کے یہاں حاضری ضرور دیتے تھے۔[7] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہونے کے قبل بطحا میں تھوڑا سو لیتے تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی ہمیشہ اس پر عامل رہے۔[8] عبادات کے علاوہ وضع قطع اور لباس وغیرہ میں بھی اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش نظر رکھتے تھے

---

1. ابوداؤد جلد اوّل 2. ابن سعد قسم اوّل جزء ۴ ص ۱۱۳
3. مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۶۱ 4. اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۲۷
5. اصابہ جلد ۴ ص ۱۰۹ 6. صحیح بخاری جلد اوّل ص ۱۰۶ مسلم جلد اوّل باب التعریس بذی الحلیفہ
7. صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۷۸ باب اجابۃ الداعی فی العرس وغیرھا 8. ابوداؤد جلد ا ص ۲۰۰

Marfat.com

چنانچہ ارکان میں صرف رکن یمانی کو چھوڑتے تھے، ترویہ کے دن احرام کھولتے تھے، رنگوں میں زرد رنگ استعمال کرتے، چپل پہنتے تھے، لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں، فرمایا آنحضرت ﷺ کیا کرتے تھے[1] غرض آنحضرت ﷺ کے وہ تمام حرکات وسکنات جو آپ نے بر سبیل سنت کیے یا طبعاً صادر ہوئے، ابن عمر رضی اللہ عنہما ان سب کی اقتداء کرنا ضروری سمجھتے تھے۔

زہد وورع:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی زندگی زہد وتقویٰ کا نمونہ تھی، لوگوں کا اس پر اتفاق تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقت میں ان کے جیسے بہت سے لوگ تھے، لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے۔ عام طور پر لوگوں میں آخر عمر میں جب قویٰ کا انحطاط ہوتا ہے، تو زہد وتقویٰ کا میلان ہوتا ہے، لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی پیشانی پر عنفوان شباب ہی میں زہد وورع کا نور چمکتا تھا اور جوانان قریش میں آپ کی ذات دنیا کی ہوا وہوس اور نفس کی خواہشوں میں سب سے زیادہ قابو رکھنے والی ذات تھی[2] حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ہم میں سوائے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے کوئی ایسا نہ تھا جس کو دنیاوی دلفریبیوں نے اپنی طرف مائل نہ کیا ہو، البتہ ان کا دامن کبھی دنیا سے آلودہ نہیں ہوا[3] اس سے بڑھ کر ان کے زہد وتقویٰ کی کیا سند ہو سکتی تھی، کہ خود زبانِ رسالت نے ان کو ''رجل صالح'' کی سند عطا کی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نوعمری کے زمانہ میں اکثر مسجد میں سویا کرتے تھے، ایک دفعہ انہوں نے دوزخ کے فرشتوں کو خواب میں دیکھا، جا کر اپنی بہن ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا، انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عبداللہ ''جوان صالح'' ہے، اس کے بعد وہ اکثر نمازوں میں

---

1. بخاری جلد ا ص ۲۸، باب غسل الرجلین فی النعلین ولا یمسح علی النعلین.
2. اصابہ جلد ۴ ص ۱۰۹ اسی مفہوم کی حدیث مستدرک جلد ۳ صفحہ ۵۵۹ میں بھی ہے۔
3. تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۳۰ [4] تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۳۰

Marfat.com

مشغول رہے[1] اور آخر عمر تک یہی زندگی قائم رہی' ایک مرتبہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے اصحاب کو دیکھنا چاہتا ہو' جن میں آپ کے بعد بھی کوئی تغیر نہیں ہوا' تو وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھے' ان کے علاوہ ہم سے ہر شخص کو حوادثِ زمانہ نے کچھ نہ کچھ بدل دیا ہے[2] حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما زہد و تقویٰ اور اصابت رائے میں ہم سب پر فائق تھے[3] ان کی پوری زندگی بزرگوں کے بیانات کی لفظ بہ لفظ تصدیق کرتی ہے' ابن عمر رضی اللہ عنہما چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی تقویٰ اور پابندیِ سنت کا خیال رکھتے تھے' ایک مرتبہ پانی مانگا' کسی نے شیشہ کے گلاس میں لاکر پیش کیا' انہوں نے انکار کر دیا' جب دوبارہ وہ لکڑی کے پیالہ میں لایا تو پانی پی لیا' پانی پی کر وضو کے لیے برتن مانگا' انہوں نے طشت و آفتابہ پیش کیا' آپ نے انکار کر دیا' اور لوٹے سے وضو کیا[4]

مال و دولت کی آپ کی نگاہ میں کوئی حقیقت نہیں تھی اور بڑی سے بڑی دولت کو ٹھکرا دیتے تھے' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب یزید کو ولی عہد بنانا چاہا تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما عندیہ کے لیے بھیجا' انہوں نے آ کر کہا کہ آپ صحابی اور امیر المومنین کے لڑکے ہیں' لوگ بھی آپ کی بیعت پر آمادہ ہیں' پھر کیوں نہ ہم لوگ آپ کے دست حق پرست پر بیعت کر لیں' انہوں نے پوچھا کیا سب آمادہ ہیں! کہاں وہاں معدودے چند اشخاص کے سوا سب تیار ہیں' کہا اگر تین آدمی بھی میرے مخالف ہیں تو مجھے خلافت کی ضرورت نہیں ہے' جب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا کہ وہ کشت و خون کو ناپسند کرتے ہیں تو دبے لفظوں میں کہا'' پھر آپ ایسے شخص کے ہاتھ پر کیوں نہ بیعت کر لیں جس پر سب متفق ہو جائیں گے' اس کے عوض آپ کو اس قدر زمین اور نقد و مال دیا جائے گا کہ آپ کی پشتہا پشت کے لیے کافی ہو گا' یہ سن کر آپ غصہ سے بیتاب ہو گئے اور کہا تمہاری یہ مجال' ابھی میرے یہاں سے نکل جاؤ اور پھر کبھی صورت نہ دکھانا' میرا دین

---

[1] بخاری کتاب الرویا جلد ۲ ص ۱۰۴۰ [2] مستدرک جلد ۳ ص ۵۹۰

[3] ایضاً [4] ابن سعد جزء ۴ قسم اوّل ص ۱۱۴

Marfat.com

تمہارے درہم و دینار کے عوض فروخت نہیں ہو سکتا' مجھ کو امید ہے کہ جب دنیا سے جاؤں گا تو میرے ہاتھ ان آلائشوں سے پاک ہوں گے۔[1]

زہد و تقویٰ کی اصل آزمائش کا وہ وقت ہوتا ہے جب دنیا اپنے تمام ساز و سامان اور دلفریبیوں کے ساتھ دعوت دیتی ہے' مگر انسان اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بارہا ایسے موقعے ملے کہ اگر آپ چاہتے تو دنیاوی جاہ و جلال اور شان و شوکت کے بلند سے بلند مرتبہ پر فائز ہو سکتے تھے' مگر انہوں نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا' چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لوگوں نے خلافت قبول کرنے کی خواہش کی اور اس پر سخت اصرار کیا' مگر آپ نے صاف انکار کر دیا اور ان فتنوں میں پڑنا گوارا نہ کیا[2] اس سلسلہ میں ایک عجیب واقعہ قابل ذکر ہے جس سے ان کی اصلی فطرت کا پتہ چلتا ہے' سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ امام شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما' مصعب بن زبیر، عبدالملک بن مروان اور ابن عمر رضی اللہ عنہما' چاروں آدمی خانہ کعبہ میں جمع تھے' سب کی رائے ہوئی کہ ہر شخص رکن یمانی پکڑ کر اپنی اپنی دلی تمناؤں کے لیے دعا مانگے' پہلے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اٹھے اور دعا مانگی کہ ''خدایا تو بڑا ہے اور تجھ سے بڑی ہی چیزیں مانگی جاتی ہیں اس لیے میں تجھ کو تیرے عرش' تیرے حرم' تیرے نبی اور تیری ذات کی حرمت کا واسطہ دلا کر دعا کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت زندہ رکھ جب تک کہ حجاز پر میری حکومت اور عام خلافت نہ تسلیم کر لی جائے''۔ اس کے بعد مصعب بن زبیر اٹھے اور رکن یمانی پکڑ کر دعا مانگی کہ ''تو تمام چیزوں کا رب ہے' آخر میں سب کو تیری ہی طرف لوٹنا ہے' میں تیری اس قدرت کا واسطہ دے کر جس کے قبضہ میں تمام عالم ہے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت تک دنیا سے نہ اٹھا جب تک کہ میں عراق کا والی نہ ہو جاؤں اور سکینہ میرے نکاح میں نہ آ جائے''۔ اس کے بعد عبدالملک نے کھڑے ہو کر دعا کی کہ ''اے زمین و آسمان کے خدا! میں تجھ سے ایسی چیزیں مانگتا ہوں جس کو تیرے

---

[1] ابن سعد قسم اوّل جز ۴ ص ۱۲۱ [2] استیعاب جلد ا ص ۳۸۱

Marfat.com

اطاعت گزار بندوں نے تیرے حکم سے مانگا ہے' میں تجھ سے تیری ذات کی حرمت' تیری مخلوقات و بیت الحرام کے رہنے والوں کے حق کا واسطہ دے کر دعا مانگتا ہوں کہ تو مجھے دنیا سے اس وقت تک نہ اٹھا' جب تک کہ مشرق و مغرب پر میری حکومت نہ ہو جائے اور اس میں جو شخص رخنہ اندازی کرے' اس کا سر قلم نہ کر دوں' جب یہ لوگ دعا مانگ چکے تو وہ بادۂ حق کا سرشار اٹھا' جس کے نزدیک دنیاوی طمطراق کی حقیقت سراب سے زیادہ نہ تھی اور اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ ''تو رحمٰن و رحیم ہے' میں تیری اس رحمت کا واسطہ دے کر دعا کرتا ہوں جو تیرے غضب پر غالب ہے کہ تو مجھے آخرت میں رسوا نہ کر' اور اس عالم میں مجھے جنت عطا فرما''[1]

براء روایت کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی لاعلمی میں ان کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا وہ چپکے چپکے کہتے جاتے تھے کہ لوگ کندھوں پر تلواریں رکھتے' آپس میں کٹتے مرتے ہیں اور مجھ سے کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہاتھ لاؤ بیعت کریں[2]

عموماً پیٹ بھر کھانا نہ کھاتے تھے' ایک شخص چورن لایا' آپ نے پوچھا کیا ہے؟ اس نے کہا اگر کھانا ہضم نہ ہو تو اس سے ہضم ہو جاتا ہے' فرمایا ''اس کی مجھ کو کیا ضرورت ہے میں نے تو مہینوں سے شکم سیر ہو کر کھانا ہی نہیں کھایا[3]

مشتبہات سے اجتناب:

شدت ورع کی بنا پر ہمیشہ مشتبہ چیزوں سے پرہیز فرماتے تھے' مروان نے اپنے زمانہ میں میل کے نشان کے پتھر نصب کرائے تھے' ابن عمر رضی اللہ عنہما ادھر رخ کر کے نماز پڑھنا مکروہ سمجھتے تھے[4] کہ اس میں پتھر کی پرستش کا خیالی شائبہ ہے اس طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہمیشہ عہد رسالتؐ اور اس کے بعد خلفائے اربعہؓ کے وقت تک کھیتوں کا لگان لیا کرتے تھے' لیکن ایک مرتبہ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

1. ابن خلکان جلد ا ص ۲۴۴ مطبوعہ 2. ابن سعد جزء ۴ قسم ا ص ۱۱۱ 3. ایضاً ص ۱۱۰
4. ازالۃ الخفا مقصد دوم ص ۱۹۰ بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ۔

Marfat.com

نے کھیتوں کے کرایہ سے منع کیا ہے' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سنا تو جا کر ان سے تصدیق چاہی' رافع رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں منع کیا ہے۔ کہا تم کو معلوم ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں زمین کا لگان لیا جاتا تھا' اگرچہ ان کو اس کا یقین نہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا حکم دیا ہوگا' مگر محض اس احتمال کی بنا پر لگان لینا چھوڑ دیا کہ شاید بعد میں آنحضرت ﷺ نے ممانعت فرما دی ہو اور مجھے علم نہ ہوا ہو۔[1]

ککڑی اور خربوزہ صرف اس لیے نہ کھاتے تھے کہ اس میں گندی چیزوں کی کھاد دی جاتی ہے۔[2]

ایک مرتبہ کسی نے کھجور کا سرکہ ہدیہ بھیجا' پوچھا کیا چیز ہے' معلوم ہوا کھجور کا سرکہ ہے' انہوں نے اس خیال سے پھینکوا دیا کہ سکر نہ پیدا ہو گیا ہو۔[3]

اگرچہ غنا کا مسئلہ مختلف فیہ ہے' تاہم احتیاط کا اقتضا یہی ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے چنانچہ جب اپنے صاحبزادے کو گنگناتے ہوئے سنتے تو تنبیہ فرماتے۔[4]

اگر کسی چیز میں صدقہ کے شائبہ کا بھی وہم ہوتا تو اس کو استعمال نہ کرتے' ایک دن بازار گئے وہاں ایک دودھاری بکری بک رہی تھی' اپنے غلام سے کہا لے لو' اس نے اپنے دام سے خرید لیا' آپ دودھ سے افطار کرنا پسند کرتے تھے' اس لیے افطار کے وقت اس بکری کا دودھ پیش کیا گیا' فرمایا کہ یہ دودھ بکری کا ہے اور بکری غلام کی خریدی ہوئی ہے اور غلام صدقہ کا ہے اس لیے اس کو لے جاؤ' مجھ کو اس کی حاجت نہیں ہے۔[5]

ایک مرتبہ کہیں دعوت میں تشریف لے گئے' وہاں پھولدار فرش بچھا ہوا تھا' کھانا چنا گیا تو پہلے ہاتھ بڑھایا' پھر کھینچ لیا اور فرمایا کہ دعوت قبول کرنا حق ہے' مگر میں روزہ سے ہوں' یہ عذر پھول دار فرش کی وجہ سے تھا۔[6]

---

1. بخاری جلد ۱ ص ۳۱۵ باب ما کان اصحاب النبی ﷺ یواسی بعضهم بعضافی الزراعة والثمر۔
2. ابن سعد جز ۴ قسم اوّل ص ۱۲۰ 3. ابن سعد جز و ۴ قسم ۱ ص ۱۲۲ 4. ایضاً ص ۱۱۴
5. ابن سعد قسم اوّل جز ۴ ص ۱۱۸ 6. ایضاً ص ۱۲۷

Marfat.com

ایک مرتبہ احرام کی حالت میں سردی معلوم ہوئی' فرمایا مجھ اُڑھا دو' آنکھ کھلی تو چادر کی نجاف اور پھول بوٹوں پر نظر پڑی جو ابریشم سے کڑھے ہوئے تھے' فرمایا اگر اس میں یہ چیز نہ ہوتی تو استعمال میں کوئی مضائقہ نہ تھا۔[1]

صدقات وخیرات:

صدقہ وخیرات حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا نمایاں وصف تھا' ایک ایک نشست میں بیس بیس ہزار تقسیم کر دیتے تھے' دو دو تین تین ہزار کی رقمیں تو عموماً خیرات کیا کرتے تھے۔[2] بسا اوقات یکمشت ۳۰ ہزار کی رقم خدا کی راہ میں لٹا دی۔[3] قرآن پاک میں نیکوکاری کے لیے محبوب چیز خدا کی راہ میں دینے کی شرط ہے' لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس آیت کی عملی تفسیر تھے' آپ ہمیشہ اپنی پسندیدہ چیزوں کو راہِ خدا میں دے دیتے تھے' چنانچہ جو غلام آپ کو پسند ہوتا اس کو راہِ خدا میں آزاد کر دیتے اور آپ کی نظر میں وہ غلام پسندیدہ ہوتا جو عبادت گزار ہوتا' غلام اس راز کو سمجھ گئے تھے' اس لیے وہ مسجدوں کے ہو رہتے' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ان کے ذوق عبادت کو دیکھ کر خوش ہوتے اور آزاد کر دیتے' آپ کے احباب مشورہ دیتے کہ آپ کے غلام آپ کو دھوکہ دیتے ہیں اور صرف آزادی کے لیے یہ دینداری دکھاتے ہیں' آپ فرماتے "من خدعنا باللہ انخدعنا لہ" "جو شخص ہم کو خدا کے ذریعہ سے دھوکہ دیتا ہے' ہم اس کا دھوکہ کھا جاتے ہیں۔[4] آپ کو ایک لونڈی بہت محبوب تھی' اس کو راہ خدا میں آزاد کر کے اپنے ایک غلام کے ساتھ بیاہ دیا' اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا' لڑکے کو آپ چومتے اور فرماتے اس سے کسی کی بو آتی ہے۔[5] اس طریقہ سے ایک دوسری چاہتی لونڈی کو آزاد کر دیا اور فرمایا لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ[6] آپ اس کثرت سے غلام آزاد کرتے تھے کہ آپ کے آزاد کردہ غلاموں

---

1. اصابہ تذکرہ ابن عمر رضی اللہ عنہما 2. اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۲۹
3. ابن سعد قسم اوّل جز ۴ ص ۱۱۰ 4. ابن سعد جز ۴ قسم اوّل ص ۱۲۳
5. اصابہ جلد ۴ ص ۱۰۹ 6. ایضاً ص ۱۰۸

Marfat.com

کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز ہو گئی تھی۔[1] ایک مرتبہ انہوں نے نہایت عمدہ اونٹ خریدا اور سوار ہو کر حج کو چلے' اتفاق سے اس کی چال بہت پسند آئی' فوراً اتر پڑے اور حکم دیا کہ سامان اتار لو اور اس کو قربانی کے جانوروں میں داخل کر دو۔[2]

مسکین نوازی:

مسکین نوازی آپ کا نمایاں وصف تھا' خود بھوکے رہتے' لیکن مسکینوں کی شکم سیری کرتے۔ عموماً بغیر مسکین کے کھانا نہ کھاتے تھے۔

آپ کی اہلیہ آپ کی غیر معمولی فیاضی سے بہت نالاں رہتی تھی اور شکایت کیا کرتی تھیں' کہ جو کھانا میں ان کے لیے پکاتی ہوں' وہ کسی مسکین کو بلا کر کھلا دیتے ہیں' فقراء اس کو سمجھ گئے تھے اس لیے مسجد کے سامنے آپ کی گزرگاہ پر آ کر بیٹھتے تھے' جب آپ مسجد سے نکلتے تو ان کو لیتے آتے تھے' بیوی نے عاجز ہو کر ایک مرتبہ کھانا فقراء کے گھروں میں بھجوا دیا اور کہلا بھیجا کہ راستہ میں نہ بیٹھا کریں' اور اگر وہ بلائیں تو بھی نہ آئیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما مسجد سے واپس ہو کر حسب معمول گھر آئے اور غصہ میں حکم دیا کہ فلاں فلاں محتاجوں کو کھانا بھجوا دو' کیا تم چاہتی ہو کہ میں رات فاقہ میں بسر کروں چنانچہ بیوی کے اس طرز عمل پر رات کو کھانا نہ کھایا۔[3]

اگر دستر خوان پر کسی فقیر کی صدا کانوں میں پہنچ جاتی تو اپنے حصہ کا کھانا اس کو اٹھوا دیتے اور خود روزہ سے دن گزار دیتے' ایک مرتبہ مچھلی کھانے کی خواہش ہوئی' آپ کی بیوی صفیہ نے بڑے اہتمام سے لذیذ مچھلی تیار کی' ابھی دستر خوان چنا ہی گیا تھا کہ ایک فقیر نے صدا لگائی فرمایا فقیر کو دے دو' بیوی کو عذر ہوا' پھر دوبارہ فرمایا کہ نہیں دے دو مجھ کو یہی پسند ہے' لیکن چونکہ بیوی نے آپ کی فرمائش سے پکائی تھی' اس لیے اس کو نہ دیا' اور کھانے کے عوض نقدی فقیر کو دے کر واپس کیا' تب آپ نے تناول فرمایا۔[4]

---

1. تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۳۰ 2. بخاری جلد ۲ 3. ابن سعد جزء ۴ قسم اوّل ص ۱۳۲
4. ابن سعد جزء ۴ قسم اوّل ص ۱۲۲

Marfat.com

ایک مرتبہ بیمار پڑے، کھانے کے لیے انگور کے چند دانے خریدے گئے، ایک سائل آیا، حکم دیا انگور دے دو، لوگوں نے عرض کی آپ اس کو کھا لیجئے اس کو دوسرے دے دیئے جائیں گے فرمایا نہیں یہی دے دو، مجبوراً وہی دینے پڑے اور دے کر پھر اس سے خریدے گئے۔[1]

آپ کا یہ سلوک ان ہی لوگوں کے ساتھ تھا جو درحقیقت اس کے مستحق ہوتے تھے، چنانچہ جب دسترخوان پر بیٹھتے اور کوئی خوش پوش اور مرفہ الحال دکھائی پڑتا، تو نہ بلاتے، لیکن آپ کے بھائی اور لڑکے وغیرہ اس کو بیٹھا لیتے اور اگر کوئی خستہ حال اور مسکین نظر آتا تو اس کو فوراً بلاتے اور فرماتے یہ لوگ شکم سیر اشخاص کو بلاتے ہیں اور جو بھوکے اور کھانے کے حاجت مند ہوتے ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہیں۔[2]

فیاضی اور سیر چشمی:

فقراء و مساکین کے علاوہ آپ کے ہم چشم اور ہم رتبہ اشخاص پر بھی آپ کا ابر کرم برستا تھا، اگر کبھی بھولے سے کوئی چیز کسی کے پاس چلی جاتی تو پھر اس کو واپس نہ لیتے تھے، عطا کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھ سے دو ہزار درہم قرض لیے، جب ادا کیے تو دو سو زیادہ آ گئے میں نے واپس کرنا چاہا تو کہا تمہیں لے لو۔[3] اسی طریق سے ایک مرتبہ ایک اور رقم کسی سے قرض لی جب واپس کی تو مقروضہ درہم سے زیادہ کھرے درہم ادا کیے، قرض خواہ نے کہا یہ درہم میرے درہموں سے زیادہ کھرے ہیں، فرمایا عمداً ایسا کیا تھا۔[4] آپ کے غلام نافع کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ بیس ہزار درہم ایک وقت تقسیم کر دیتے تھے، تقسیم ہو جانے کے بعد جو لوگ آتے ان کو ان لوگوں سے قرض لے کر دیتے جن کو پہلے دے چکے تھے[5] اقامت کی حالت میں بھی اکثر روزہ رکھتے تھے، لیکن اگر کوئی مہمان آ جاتا تو افطار کرتے کہ مہمان کی موجودگی میں روزہ رکھنا فیاضی سے بعید ہے۔[6] جہاں مہمان جاتے تین دن کی مسنون مہمانی کے بعد اپنا سامان خود کرتے، جب مکہ جاتے تو عبداللہ

---

[1] ابن سعد جز ۴ جلد اول ص ۱۱۶　[2] ایضاً ص ۱۰۹　[3] ایضاً ص ۱۲۲　[4] ایضاً

[5] ابن سعد جز ۴ ص ۱۰۹　[6] ابن سعد تذکرہ ابن عمر رضی اللہ عنہما

Marfat.com

بن خالد کے گھرانے میں اترتے تھے' لیکن تین دن کے بعد اپنی جملہ ضروریات بازار سے پوری کرتے تھے۔[1]

ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے' راستہ میں ایک اعرابی ملا' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سلام کیا اور سواری کا گدھا اور سر کا عمامہ اتار کر اس کو دے دیا' ابن دینار ساتھ تھے' یہ فیاضی دیکھ کر بولے' خدا آپ کو صلاحیت دے یہ اعرابی تو معمولی چیزوں سے خوش ہو جاتے ہیں یعنی اتنی فیاضی کی ضرورت نہ تھی۔ فرمایا ان کے والد' میرے والد کے دوست تھے' میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ سب سے بڑی نیکی اپنے باپ کے احباب کے ساتھ صلہ رحمی ہے۔[2]

استغنا:

اس فیاضی کے ساتھ حد درجہ مستغنی المزاج واقع ہوئے تھے' کبھی کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا' لوگ خدمت بھی کرنا چاہتے تو آپ قبول نہ کرتے' عبدالعزیز بن ہارون نے ایک مرتبہ لکھ بھیجا کہ آپ اپنی ضروریات کی اطلاع مجھ کو دیا کیجئے' ان کے جواب میں لکھ بھیجا کہ ''جن کی پرورش تمہارے ذمہ ہے ان کی امداد کرو اور اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے'' اوپر کے ساتھ سے مراد دینے والا اور نیچے کے ہاتھ سے مراد لینے والا۔[3]

مگر اسی کے ساتھ کسی کا ہدیہ بھی واپس نہیں کرتے تھے' چنانچہ مختار اکثر مال و متاع بھیجا کرتا تھا آپ قبول کر لیتے اور فرماتے کہ میں کسی سے مانگتا نہیں' لیکن جو خدا دیتا ہے اس کو رد بھی نہیں کرتا۔[4] آپ کی پھوپھی رملہ نے دو سو دینار بھیجے' انہوں نے شکریہ کے ساتھ قبول کر لیے۔[5] امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کے سامنے ایک لاکھ کی رقم اس خیال سے پیش کرنی چاہی کہ آپ یزید کی خلافت پر راضی ہو جائیں' آپ نے فرمایا' میرا ایمان اتنا

---

[1] ابن سعد تذکرہ ابن عمر رضی اللہ عنہما [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ابن سعد جز اوّل قسم اوّل ص ۱۱۰۔
[5] ابن سعد قسم اوّل جز و اوّل ص ۱۱۶

Marfat.com

ارزاں نہیں ہے۔[1]

محبت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم):

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ان کا سرمایہ حیات اور جان حزین کی تسکین کا باعث تھی، آپ کی وفات کے بعد ایسے شکستہ دل ہوئے کہ اس کے بعد نہ کوئی مکان بنایا اور نہ باغ لگایا[2] وفات نبوی کے بعد جب آپ کا ذکر آتا تو بے اختیار رو پڑتے[3] جب سفر سے لوٹتے تو روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہو کر سلام کہتے[4] ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس شیفتگی کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ آلِ اطہار رضی اللہ عنہم سے بھی وہی تعلق تھا' ایک مرتبہ ایک اعرابی نے مچھر کے خون کا کفارہ پوچھا' آپ نے پوچھا تم کون ہو اس نے کہا عراقی' فرمایا لوگو! ذرا اس کو دیکھنا' یہ شخص مجھ سے مچھر کے خون کا کفارہ پوچھتا ہے' حالانکہ ان لوگوں نے نبی کے جگر گوشہ کو شہید کیا ہے' جن کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ یہ دونوں میرے باغ دنیا کے دو پھول ہیں۔[5]

یہ محبت آلِ اطہار رضی اللہ عنہم کے ساتھ مخصوص نہ تھی' بلکہ جس چیز کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی قسم کی نسبت ہوتی' اس سے آپ کو وہی شغف تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ایک درخت کے نیچے اترتے تھے' ابن عمر رضی اللہ عنہما ہمیشہ اس کو پانی دیتے تھے کہ خشک نہ ہو جائے۔[6] مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس درجہ محبت تھی کہ تنگی کی حالت میں بھی وہاں سے نکلنا گوارا نہ تھا' ایک مرتبہ آپ کے ایک غلام نے تنگ حالی کی شکایت کی اور مدینہ سے جانے کی اجازت چاہی' کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مدینہ کے مصائب پر صبر کرے گا' قیامت میں میں اس کا شفیع ہوں گا۔[7]

---

[1] ابن سعد قسم اول جز و اول ص ۱۳۴۔ [2] ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص ۱۸۹ بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ

[3] ابن سعد تذکرہ ابن عمر رضی اللہ عنہما [4] ایضاً

[5] بخاری جلد ۲ ص ۸۸۶ باب رحمۃ الولد وتقبیلہ و معانقہ

[6] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۲۷ [7] مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۱۳

Marfat.com

اختلافِ اُمت کا لحاظ:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کام سے جس میں امت مسلمہ کے اختلاف و افتراق کا ادنیٰ خطرہ بھی نکلتا ہو احتراز فرماتے تھے' ان کی حق پرستی مسلم ہے' لیکن امت کے ضرر کے خیال سے بعض مواقع پر خاموش ہو جاتے تھے' فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دعویٰ سے کہا کہ خلافت کا ہم سے زیادہ حقدار کون ہے' میرے دل میں خیال آیا کہ جواب دوں کہ تم سے زیادہ وہ حقدار ہے جس نے تم کو اور تمہارے باپ کو اس پر مارا تھا' مگر فساد کے خیال سے خاموش رہا[1] اختلاف امت سے بچنے کا ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں خیال رکھتے تھے' منیٰ میں آنحضرت ﷺ عصر کی نماز میں قصر کرتے تھے' آپ کے بعد حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی طریقہ رہا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی ابتدا میں دو ہی رکعت پڑھتے تھے' مگر کچھ دنوں کے بعد پوری چار پڑھنے لگے' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی تفریق کے خیال سے امام کے پیچھے چار پڑھتے' لیکن اکیلے ہوتے تو قصر کرتے اور فرماتے کہ ''الخلاف منکر ''[2] اختلاف ناپسندیدہ ہے' فرمایا کرتے تھے کہ اگر میری خلافت پر دو شخص کے علاوہ پوری امت محمدی متفق ہو جائے تو بھی میں ان سے نہ لڑوں گا' لوگوں کو نصیحت کرتے کہ ہم دوسروں سے اس لیے لڑتے تھے' کہ دین فساد کا ذریعہ نہ بنے اور خالص خدا کے لیے ہو جائے اور تم لوگ اس سے لڑتے ہو کہ دین غیر خدا کا ہو کر فتنہ و فساد کی بنیاد بن جائے' ایک شخص نے کہا کہ آپ سے زیادہ فتنہ پرداز امت محمدی ﷺ میں کوئی نہیں' فرمایا یہ کیسے' خدا کی قسم نہ میں نے ان کا خون بہایا' نہ ان کی جماعت میں اختلاف ڈالا' نہ ان کی مجتمع قوت منتشر کی' اس نے بر سبیل مبالغہ کہا کہ اگر آپ چاہتے تو دو شخص بھی آپ کی خلافت میں اختلاف نہ کرتے' آپ نے فرمایا میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ ایک شخص کہے کہ میں تمہاری خلافت سے راضی ہوں' دوسرا کہے کہ میں راضی نہیں ہوں۔ براء روایت

---

[1] طبقات ابن سعد جزء ۴ قسم اول ص ۱۳۴ و بخاری

[2] ابوداؤد جلد ۱ ص ۹۶ و مسلم جلد ۱ باب قصر الصلوٰۃ بمنیٰ

Marfat.com

کرتے ہیں کہ میں ایک دن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی لاعلمی میں ان کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا' وہ فرماتے جاتے تھے کہ لوگ تلواریں لیے آپس میں کٹے مرتے ہیں' پھر کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ بیعت کے لیے ہاتھ بڑھاؤ[1] ۔

اسی اختلاف امت سے بچنے کے لیے ہر خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کر لیے تھے کہ مبادا انکار کسی نئے فتنہ کی بنیاد نہ بن جائے' چنانچہ فتنہ کے زمانہ میں ہر امیر کے پیچھے نماز پڑھ لیتے' اور زکوۃ ادا کر دیتے خود فرماتے تھے کہ میں دورِ فتن میں جنگ و جدل سے الگ رہتا ہوں اور ہر غالب کے پیچھے نماز پڑھ لیتا ہوں[2] مگر یہ اطاعت اسی حد تک تھی جہاں تک مذہب اجازت دیتا اور اگر اس سے مذہبی پابندی میں کوئی خلل پڑتا' تو اطاعت ضروری نہیں سمجھتے تھے' چنانچہ ابتداءً حجاج کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے' لیکن جب اس نے نماز میں تاخیر شروع کی تو اس کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی بلکہ مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے آئے[3]

اس احتیاط کی بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتنہ وفساد اور افتراق و انشقاق کا جو طوفان اٹھا' جس میں بہت کم ایسے مسلمان تھے' جن کا ہاتھ ایک دوسرے کے خون سے رنگین نہ ہوا ہو' ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے کمالِ احتیاط کے باعث اس ہنگامہ عام میں بھی بچے رہے' چنانچہ محمد کہتے ہیں کہ "اگر ہم میں سے کوئی شخص مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے تو وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں"۔

اظہارِ حق میں جرأت و بے باکی:

اس مصالحانہ اور مرنج و مرنجان زندگی کے باوجود دینی اور مذہبی معاملات میں ان کی حق گوئی مصالح امت کے خیال پر غالب آ جاتی تھی' چنانچہ بنی امیہ کے جابرانہ طرزِ عمل پر نہایت سختی سے نکتہ چینی کرتے تھے' حجاج کے مظالم سے دنیائے اسلام تنگ آ گئی تھی

---

1 ابن سعد جزء ۴ قسم اول ص ۱۱۱ 2 ایضاً ص ۱۱۰

3 طبقات جزء ۴ قسم اول تذکرہ ابن عمر رضی اللہ عنہما

Marfat.com

مگر کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بے خوف وخطر اس کے منہ پر کہہ دیتے۔ ایک دفعہ حجاج خطبہ دے رہا تھا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے' آپ نے فرمایا یہ خدا کا دشمن ہے اس نے حرم الٰہی کو رسوا کیا بیت اللہ کو تباہ کیا' اولیاء اللہ کو قتل کیا [1] ایک مرتبہ حجاج نے دوران خطبہ میں کہا کہ عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہما) نے کلام اللہ میں تغیر وتبدل کیا ہے' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جھلا کر فرمایا کہ ''تو جھوٹ بکتا ہے نہ ابن زبیر (رضی اللہ عنہما) میں اتنی طاقت ہے اور نہ تیری یہ مجال ہے'' [2] مرض الموت میں جب حجاج عیادت کو آیا اور انجان بن کر کہا کاش زخمی کرنے والے کا مجھ کو علم ہو جاتا تو بگڑ کر کہا کہ وہ تمہارا نیزہ تھا' حجاج نے پوچھا یہ کیسے؟ کہا ''تم نے ایام حج میں لوگوں کو مسلح کیا اور حرم محترم میں ہتھیاروں کو داخل کیا' پھر پوچھتے ہو' کس نے زخمی کیا'' [3] ایک مرتبہ حجاج مسجد میں خطبہ دے رہا تھا' اس کو اس قدر طول دیا کہ عصر کا وقت آخر ہو گیا آپ نے آواز دی کہ نماز کا وقت جا رہا ہے' تقریر ختم کرو' اس نے نہ سنا' دوبارہ پھر کہا اس مرتبہ بھی اس نے خیال نہ کیا' تیسری مرتبہ پھر کہا تین مرتبہ کہنے کے بعد حاضرین سے فرمایا' اگر میں اٹھ جاؤں تو تم بھی اٹھ جاؤ گے لوگوں نے کہا ہاں۔ چنانچہ یہ کہہ کر کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم کو نماز کی ضرورت نہیں ہے اٹھ گئے اس کے بعد حجاج منبر سے اتر آیا اور نماز پڑھی اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا' کہا کہ ہم لوگ نماز کے لیے مسجد میں آتے ہیں' اس لیے جس وقت نماز کا وقت آ جائے' اس وقت فوراً تم کو نماز پڑھنی چاہیے نماز کے بعد جس قدر تمہارا دل چاہے' بکا کرو [4] اسی وجہ سے خلفائے بنو امیہ اپنی رعونت کے باوجود ان کا بہت لحاظ کرتے تھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے خط لکھنے کا یہ طریقہ تھا کہ کاتب بسم اللہ کے بعد اپنا نام لکھتا' پھر مکتوب الیہ کا نام لکھتا کہ منجانب فلاں الی فلاں لیکن خلفائے بنی امیہ نے جہاں اور بدعات رائج کیں' وہاں اس طریقہ کو بھی بدل دیا اور اظہارِ ترفع کے لیے یہ طریقہ رائج کیا کہ خط

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اوّل ص ۳۲ [2] ابن سعد جزو ۳ قسم اوّل ص ۱۳۵

[3] بخاری جلد اوّل ص ۱۳۲ [4] ابن سعد قسم اوّل ص ۱۱۷

Marfat.com

میں پہلے خلیفہ کا نام لکھا جائے، پھر بھیجنے والا اپنا نام تحریر کرے، ابن عمر رضی اللہ عنہ کی خودداری اس کو گوارا نہیں کر سکتی تھی، اس لیے انہوں نے جو بیعت نامہ لکھا، اس میں اسی سابق طریقہ پر من عبداللہ بن عمر الی عبدالملک بن مروان لکھا اس تحریر کو دیکھ کر درباریوں نے کہا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضور سے پہلے اپنا نام لکھا ہے، عبدالملک نے کہا کہ ابو عبدالرحمٰن کی ذات سے اتنا بھی بہت غنیمت ہے۔[1]

مساوات:

اسلام نے ان تمام امتیازات کو جن سے ایک انسان کی تحقیر اور دوسرے کی بیجا عظمت ظاہر ہو مٹا دیا، ابن عمر رضی اللہ عنہ اس مساوات کا عملی نمونہ تھے، وہ ان تمام امتیازات کو جن سے مساوات میں فرق آتا ہو ناپسند فرماتے تھے، چنانچہ جہاں لوگ آپ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے وہاں نہ بیٹھتے۔[2] اپنے غلاموں کو بھی مساوات کا درجہ دے دیا تھا اور ان کو عزتِ نفس کی تعلیم دیتے تھے، دستور تھا کہ غلام تحریر میں پہلے آقا کا نام لکھتا، پھر اپنا، انہوں نے اپنے غلاموں کو ہدایت کر دی کہ جب مجھ کو خط لکھو تو پہلے اپنا نام لکھو۔[3] غلاموں کو دستر خوان پر ساتھ بٹھاتے ایک مرتبہ دستر خوان بچھا ہوا تھا، ادھر سے کسی کا غلام گزرا تو اس کو بھی بلا کر ساتھ بٹھایا۔[4] غلاموں کے کھانے پینے کا خیال بال بچوں کی طرح رکھتے تھے، ایک مرتبہ ان لوگوں کے کھانے میں تاخیر ہو گئی، خانساماں سے پوچھا غلاموں کو کھانا کھلا دیا، اس نے نفی میں جواب دیا، برہم ہو کر فرمایا جاؤ ابھی کھلا دو، انسان کے لیے یہ سب سے بڑا گناہ ہے کہ اپنے غلاموں کے خورد و نوش کا خیال نہ رکھے۔[5] غلاموں کو نہ کبھی برا بھلا کہتے تھے اور نہ کبھی ان کو مار پیٹ کرتے تھے، اگر کبھی غصہ کی حالت میں ایسا کوئی فعل سرزد ہو جاتا تو اس کو کفارہ کے طور پر آزاد کر دیتے، سالم کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ

---

1. ابن سعد قسم اوّل ص ۱۱۲ 2. ابن سعد قسم اوّل جز ۴ ص ۱۲۰
3. اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۲۸ 4. مسلم جلد ا ص ۳۶۹ باب فضل النفقہ علی العیال والمملوک الخ
5. اصابہ جلد ۴ ص ۱۰۸

Marfat.com

کے علاوہ کبھی کسی غلام کو لعنت ملامت نہیں کی' ایک مرتبہ غصہ میں کہنے پائے تھے کہ زبان روک لی اور فرمایا ''میں ایسی بات زبان سے نکال رہا ہوں' جو نہ نکالنی چاہئے''۔ ایک مرتبہ ایک غلام کو کسی بات پر مار بیٹھے' مارنے کے بعد اس قدر متاثر ہوئے کہ اس کو آزاد کر دیا۔[1]

تواضع وانکسار:

اس مساوات کا دوسرا پہلو انکسار و تواضع ہے' جب تک یہ صفت نہ ہو گی اس وقت تک مساوات کا جذبہ نہیں پیدا ہو سکتا' ابن عمر رضی اللہ عنہما میں یہ صفات بھی بدرجہ اتم موجود تھیں اپنی تعریف سننا خود پرستی کا پہلا زینہ ہے' ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی تعریف سننا سخت ناپسند کرتے تھے' ایک شخص ان کی تعریف کر رہا تھا' انہوں نے اس کے منہ میں مٹی جھونک دی اور کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مداحوں کے منہ میں خاک ڈالا کرو۔[2] اپنے لیے معمولی انسانوں سے زیادہ شرف گوارا نہ کرتے تھے' ایک مرتبہ کسی نے آپ سے کہا تم سبط ہو تم وسط ہو فرمایا سبحان اللہ سبط بنی اسرائیل تھے اور امت وسط پوری امت محمدی ہے' ہم تو مضر کے درمیانی لوگ ہیں' اس سے زیادہ اگر کوئی رتبہ دیتا ہے تو جھوٹا ہے' بلا امتیاز ہر کس و ناکس کو سلام کرتے' بلکہ اسی ارادہ سے گھر سے نکلتے تھے' طفیل بن کعب جو روزانہ صبح و شام ان کے ساتھ بازار جایا کرتے تھے' بیان کرتے تھے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بلا امتیاز تاجر مسکین اور خستہ حال سب کو سلام کرتے تھے' ایک دن میں نے ان سے پوچھا آپ بازار کیوں جاتے ہیں' حالانکہ نہ خرید و فروخت کرتے ہیں' نہ کسی جگہ بیٹھتے ہیں' فرمایا صرف لوگوں کو سلام کرنے کی غرض سے[3] اتفاق سے اگر کسی کو سلام کرنا بھول جاتے تو پلٹ کر سلام کرتے۔[4] تواضع کا ایک مظہر حلم بھی ہے' ابن عمر رضی اللہ عنہما تلخ سے تلخ باتیں سن کر پی جاتے تھے' ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ کو پیہم گالیاں دینی شروع کیں' آپ نے صرف اس قدر جواب دیا کہ میں اور میرے بھائی عالی نسب ہیں' پھر خاموش ہو گئے۔[5]

---

[1] مسلم جلد ۲ ص ۲۵ [2] مسند ابن حنبل جلد ۲ ص ۹۴ [3] موطا امام مالک ص ۳۸۰' باب جامع السلام
[4] ابن سعد جز ۴ قسم اول ص ۱۳۲ [5] اصابہ جلد ۴ ص ۱۰۸

Marfat.com

ہر دلعزیزی:

اس مساوات، تواضع اور علم کا یہ نتیجہ تھا کہ عام طور پر لوگوں میں آپ کو محبوبیت حاصل تھی، مجاہد کہتے ہیں کہ ایک دن میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نکلا، لوگ بکثرت ان کو سلام کر رہے تھے، انہوں نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ لوگ مجھ سے اس قدر محبت کرتے ہیں کہ اگر چاندی سونے کے عوض بھی محبت خریدنا چاہوں تو اس سے زیادہ نہیں مل سکتی [1]

سادگی:

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی تصویر حیات تکلفات کے آب و رنگ سے یکسر پاک تھی، گو آپ بہت فارغ البالی تھے اوپر گزر چکا ہے کہ ۲۰، ۲۰ ہزار ایک ایک نشست میں لوگوں کو دے ڈالتے تھے لیکن خود ان کی زندگی یہ تھی کہ کل اثاث البیت ۱۰۰ درہم سے زیادہ کا نہ تھا، مہران کا بیان ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثاث البیت کا جائزہ لیا، تو فرش اور بستر ملا کر بھی اس کی قیمت سو درہم (یعنی تقریباً بیس روپے) تک نہیں پہنچی تھی [2] فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا بیٹا اور یہ مسکنت اللہ اکبر، ہر وہ چیز ناپسند تھی جس میں تنعم کی بو ہوتی، چنانچہ جمعہ کے علاوہ اور دنوں میں خوشبو کا استعمال بھی پسند خاطر نہ تھا، ایک مرتبہ کپڑے بخورات میں بسائے گئے، ان کو جمعہ کے دن استعمال کیا، پھر اتار کر رکھ دیا، اتفاق سے دوسرے دن سفر پیش آیا، منزل کے قریب پہنچ کر کپڑے مانگے تو وہی جوڑا پیش کیا گیا، لیکن اس میں خوشبو کا اثر تھا اس لیے واپس کر دیا [3] طریقہ طعام بھی نہایت سادہ تھا اگر دستر خوان نہ بچھتا تو بڑے برتن میں کھانا رکھ دیا جاتا، سب مع اہل و عیال اس کے گرد بیٹھ کر کھا لیتے، اس کش مکش میں کھانے والے کو کبھی کھڑے ہو کر کھانا پڑتا [4]

دعوت وغیرہ میں عام طور پر معمول سے زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے، لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہما کا دستر خوان اس دن بھی تکلفات سے خالی ہوتا تھا، آپ کے غلام نافع کا بیان ہے کہ ایک دن ایک اونٹنی ذبح کی اور مجھ سے کہا مدینہ والوں کو مدعو کر آؤ، میں نے عرض کیا

---

1. ابن سعد جز ۴ قسم اول ص ۱۲۴ 2. ایضاً 3. ایضاً ص ۲۰۸ 4. ایضاً ص ۱۰۹

Marfat.com

''کس چیز کی دعوت دیتے ہیں، روٹی تک تو ہے نہیں'' فرمایا بس خدا تم کو بخشے، گوشت موجود ہے، شوربہ موجود ہے، جس کا دل چاہے گا، کھائے گا، جس کا دل نہ چاہے گا نہ کھائے گا۔[1]

اسی سادگی کی بناء پر تمام کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے، مجاہد کا بیان ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جو کام خود کر سکتے تھے، وہ دوسروں سے نہ کراتے تھے، حتیٰ کہ اونٹنی وغیرہ بٹھانے میں بھی دوسروں سے نہ مدد لیتے تھے[2] گھر بھی اپنے ہاتھ سے بناتے تھے، خود فرماتے تھے کہ میں نے بلاکسی اعانت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے ایک گھر بنایا تھا۔

ذریعہ معاش:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے وظیفے مقرر کیے گئے، تو ڈھائی ہزار ان کا وظیفہ بھی مقرر ہوا اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا ۳ ہزار مقرر ہوا، انہوں نے اعتراض کیا کہ جب میں کسی چیز میں ان سے اور آپ اُن کے والد سے پیچھے نہ رہے تو پھر اس تفریق کا کیا سبب ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا سچ کہتے ہو، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے والد کو تمہارے والد سے اور ان کو تم سے زیادہ محبوب رکھتے تھے، یہ جواب سن کر وہ خاموش ہو گئے[3] اس کے علاوہ لگانی زمینیں بھی تھیں۔[4]

لباس:

لباس بہت معمولی پہنتے تھے، عموماً قمیص، ازار اور سیاہ عمامہ استعمال کرتے تھے، چپل پہنتے تھے، ازار نصف ساق تک ہوتا تھا، رنگوں میں زرد رنگ استعمال کرتے تھے، نافع کہتے ہیں کہ میں نے ان کو پانسو تک کی چادر اوڑھے دیکھا ہے، انگوٹھی بھی رکھتے تھے، جس میں عبداللہ بن عمر کندہ تھا، مگر وہ صرف مہر وغیرہ کے وقت کام آتی تھی، پہنتے نہ تھے۔[5]

---

[1] ابن سعد جزء ۴ قسم اول ص ۱۲۱ [2] بخاری جلد ۲ ص ۹۳۲ [3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۵۹
[4] بخاری جلد ۲ باب کراء المزارع [5] ابن سعد جزء ۴ قسم اول تذکرہ ابن عمر رضی اللہ عنہما

Marfat.com

حلیہ:

شکل وصورت میں وہ اپنے والد بزرگوار سے بہت مشابہ تھے' دراز قامت اور بھاری بھرکم تھے' رنگ گندمی تھا[1] کندھوں تک کاکلین تھیں' کبھی کبھی مانگ بھی نکالا کرتے تھے[2] داڑھی بقدر ایک مشت رکھتے تھے' مونچھیں اس قدر گہری کترواتے تھے کہ لبوں کی سپیدی نمایاں ہو جاتی تھی' زرد خضاب کرتے تھے[3]

ازدواج واولاد:

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی متعدد بیویاں تھیں' جن سے بارہ لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں' ابوبکر' ابوعبیدہ' واقد' عبداللہ' عمر حفصہ اور سودہ صفیہ بنت ابی عبید کے بطن سے تھے' عبدالرحمن ام علقمہ بنت علقمہ کے بطن سے تھے' سالم' عبیداللہ' ابوسلمہ اور قلابہ مختلف لونڈیوں کے بدن سے تھے۔

---

[1] اصابہ جلد ۴ ص ۱۰۹ [2] ابن سعد قسم اول جز ۴ ص ۱۳۳ [3] ایضاً تذکرہ ابن عمر رضی اللہ عنہ

Marfat.com

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

عمیر نام' ابو ہریرہ کنیت' سلسلہ نسب یہ ہے' عمیر بن عامر بن عبد ذی الشریٰ بن طریف بن عیاث بن لہیعہ بن سعد بن ثعلبہ بن سلیم بن فہم بن غنم بن دوس۔[1]

اصل خاندانی نام عبد شمس تھا' اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے عمیر رکھا' کنیت کی وجہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں ایک ''ہرہ'' بلی پالے تھا' شب میں اس کو ایک درخت میں رکھتا تھا' اور صبح کو جب بکریاں چرانے جاتا تو ساتھ لے لیتا اور اس کے ساتھ کھیلتا' لوگوں نے یہ غیر معمولی دلچسپی دیکھ کر مجھ کو ابو ہریرہ کہنا شروع کیا۔[2] دوس کا قبیلہ یمن میں آباد تھا۔

قبل از اسلام:

بچپن میں باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا تھا' اس لیے فقر وافلاس بچپن کے ساتھی بن گئے تھے' بسرہ بنت غزوان کے پاس محض روٹی کپڑے پر ملازم تھے اور خدمت یہ سپرد تھی کہ جب وہ کہیں جانے لگتے تو یہ پا پیادہ ننگے پاؤں دوڑتے ہوئے اس کی سواری کے ساتھ چلیں اتفاق سے بعد میں یہی عورت اُن کے نکاح میں آ گئی۔[3]

اسلام وہجرت:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ایک ہم قبیلہ طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ ہجرت عظمیٰ کے قبل مکہ ہی میں قرآن کے معجزانہ سحر سے مسحور ہو چکے تھے اور قبول اسلام کے بعد اس کی تبلیغ کے لیے یمن لوٹ آئے۔ ان ہی کی کوششوں سے دوس میں اسلام پھیلا اور غزوۂ خیبر کے زمانہ

---

[1] ابن سعد جز ۴ قسم ۲ ص ۵۲ [2] ترمذی مناقب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ [3] ابن سعد ترجمہ ابو ہریرہ دوسیؓ

Marfat.com

میں یہ یمن کے اسی خانوادوں کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت بابرکت میں مدینہ حاضر ہوئے لیکن آپ اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے اس لیے یہ لوگ مدینہ سے خیبر پہنچے۔[1] اسی قبیلہ کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے اور راستہ میں بڑے شوق و ولولہ کے ساتھ شعر

یالیلة من طولها وعنائها   علی انها من دار الکفر نجت

پڑھتے جاتے تھے اسی ذوق وشوق کے ساتھ خیبر پہنچ کر آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوئے ان کا ایک غلام راستہ میں گم ہو گیا تھا اتفاق سے اسی وقت وہ دکھائی دیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ابو ہریرہ تمہارا غلام آ گیا عرض کیا خدا کی راہ میں آزاد ہے[2] بیعت اسلام کے بعد دامن نبوی (ﷺ) سے وابستہ ہوئے کہ مرتے دم تک ساتھ نہ چھوڑا[3]

غزوات:

غزوات میں ان کی شرکت کی تصریح نہیں ملتی مگر اجمالاً اتنا معلوم ہے کہ اسلام کے بعد متعدد غزوات میں شریک ہوئے چنانچہ ان کا بیان ہے کہ میں جن جن لڑائیوں میں شریک رہا غزوۂ خیبر کے علاوہ ان سب میں مال غنیمت ملا کیونکہ اس کا مال حدیبیہ والوں کے لیے مخصوص تھا[4]

ماں کا اسلام:

دولت اسلام سے بہرہ ور ہونے کے بعد فکر ہوئی کہ بوڑھی ماں کو بھی جو زندہ تھیں اس سعادت میں شریک کریں مگر وہ برابر انکار کرتی رہیں ایک دن حسب معمول ان کو اسلام کی دعوت دی انہوں نے شان نبوت میں کچھ ناروا الفاظ استعمال کیے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کر کے ماں

---

1. ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۷۵ 2. بخاری جلد ۱ باب الشرکہ باب اذا قال بعدہ ھو معہ ونوی العتق خیبر جانے کا واقعہ ابن سعد سے ماخوذ ہے۔ 3. اسد الغابہ جلد ۵ ص ۳۱۶

4. طبقات ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۵۴

Marfat.com

کے اسلام کے لیے طالب دعا ہوئے۔ رحمت عالم ﷺ نے دعا فرمائی' واپس ہوتے تو دعا قبول ہو چکی تھی' والدہ اسلام کے لیے نہا دھو کر تیار ہو رہی تھیں' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ گھر پہنچے تو ان کو اندر بلایا اور اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ کے سامعہ نواز ترانہ کے ساتھ ان کا استقبال کیا' یہ فوراً الٹے پاؤں فرط مسرت سے روتے ہوئے کاشانہ نبوی ﷺ پر حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے ''یا رسول اللہ ﷺ! بشارت ہو آپؐ کی دعا قبول ہوئی' خدا نے میری ماں کو اسلام کی ہدایت بخشی'' [1]

عہد خلفاء:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ملکی معاملات میں کوئی حصہ نہیں لیا' اس لیے کہیں نمایاں طور پر نظر نہیں آتے' اس مدت میں اپنے محبوب مشغلے حدیث کی اشاعت میں جس کی تفصیل آئندہ آئے گی خاموشی کے ساتھ مصروف رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے زندگی کا دوسرا دور شروع ہوا' انہوں نے ان کو بحرین کا عامل مقرر کیا' اس دن سے ان کا فقر و افلاس ختم ہوا' چنانچہ جب وہاں سے واپس ہوئے تو دس ہزار روپیہ پاس تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باز پرس کی کہ اتنی رقم کہاں سے ملی؟ عرض کی گھوڑیوں کے بچوں' عطیوں اور غلاموں کے ٹیکس سے' تحقیقات سے ان کا بیان صحیح نکلا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ ان کے عہدہ پر واپس کرنا چاہا' مگر انہوں نے انکار کر دیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم کو امارت قبول کرنے میں کیوں عذر ہے' اس کی خواہش تو حضرت یوسف علیہ السلام نے کی جو تم سے افضل تھے' عرض کی وہ نبی اور نبی زادہ تھے' میں بے چارہ ابو ہریرہ امیمہ کا بیٹا ہوں' میں تین باتوں سے ڈرتا ہوں' ایک یہ کہ بغیر علم کے کچھ کہوں' دوسرے یہ کہ بغیر حجت شرعی کے فیصلہ کروں' تیسرے یہ کہ مارا جاؤں میری آبروریزی کی جائے اور میرا مال چھینا جائے۔ [2]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت خاموشی میں بسر کیا' البتہ آخر میں حضرت عثمانؓ

---

[1] مسلم جلد ۲ فضائل ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ [2] اصابہ جلد ۷ ص ۲۰۶

Marfat.com

کے محصور ہونے کے بعد لوگوں کو ان کی امداد و اعانت پر آمادہ کرتے تھے اور محاصرہ کی حالت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں موجود تھے' کچھ اور لوگ بھی تھے' ان سب کو خطاب کر کے کہا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ "تم لوگ میرے بعد فتنہ اور اختلاف میں مبتلا ہو گے' لوگوں نے پوچھا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ہمارا کیا طرزِ عمل ہونا چاہیے۔ فرمایا: "تم کو امین اور اس کے حامیوں کے ساتھ ہونا چاہیے"۔ اس سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ تھا۔[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ تک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا پتہ چلتا ہے' اس کے بعد آپ کی شہادت' جنگ جمل اور جنگ صفین وغیرہ میں کہیں نہیں نظر آتے' اس کا سبب یہ ہے کہ اس فتنہ عام کے زمانہ میں اکثر محتاط صحابہ رضی اللہ عنہم گوشہ نشین ہو گئے تھے' بہتوں نے نو آبادی چھوڑ کر بادہ نشینی اختیار کر لی تھی' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی فتنہ میں مبتلا ہونے کے خوف سے کہیں روپوش ہو گئے تھے' ان فتنوں کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں مروان کبھی کبھی ان کو مدینہ پر اپنا قائم مقام بناتا تھا۔[2]

علالت:

۵۷ھ میں مدینہ میں بیمار ہوئے' بڑے بڑے لوگ عیادت کو آتے تھے' خود مروان بن حکم بھی آتا تھا' بیماری کی حالت میں زندگی کی کوئی آرزو باقی نہ رہی تھی' اگر کوئی تمنا تھی تو صرف یہ کہ جلد سے جلد یہ دار الابتلاء چھوڑ کر دار البقا میں داخل ہو جائیں' ابو سلمہ بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہ عیادت کو آئے' رواج کے مطابق ان کی صحت کے لیے دعا کی' انہوں نے کہا خدایا اب دنیا میں نہ لوٹا پھر ابو سلمہ کو مخاطب کر کے بولے "وہ زمانہ بہت جلد آنے والا ہے' جب انسان موت کو سونے کے ذخیرہ سے زیادہ پسند کرے گا"۔ اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ جب آدمی قبر پر گزرے گا تو تمنا کرے گا کہ کاش بجائے اس کے وہ اس میں دفن ہوتا۔[3]

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۲ ص ۳۴۵

[2] مسلم جلد ۱ ص ۱۵۴ باب اثبات التکبیر فی کل خفض فی الصلوٰۃ الخ

[3] ابن سعد جز ۴ ق ۲ ص ۱۶۲

Marfat.com

بستر مرگ پر پیش آنے والی منزل کے خطرات کو یاد کر کے بہت روتے تھے لوگ رونے کا سبب پوچھتے تو فرماتے کہ میں اس دنیا کی دلفریبیوں پر نہیں روتا بلکہ سفر کی طوالت اور زادِراہ کی قلت پر آنسو بہاتا ہوں' اس وقت میں دوزخ جنت کے نشیب وفراز کے درمیان ہوں' معلوم نہیں ان میں سے کس راستہ پر جانا ہوگا[1]

وصیت:

آخرت وقت میں تجہیز وتکفین کے متعلق ہدایتیں دیں کہ آنحضرت ﷺ کی طرح مجھ کو عمامہ اور قمیص پہنانا اور عرب کے پرانے دستور کے مطابق میری قبر پر نہ خیمہ نصب کرنا اور نہ جنازہ کے پیچھے آگ لے چلنا اور جنازہ لے جانے میں جلدی کرنا کہ اگر میں صالح ہوں گا تو جلد اپنے رب سے ملوں گا اور اگر بدقسمت ہوں گا تو ایک بوجھ تمہاری گردن سے دور ہوگا[2]

وفات اور تجہیز وتکفین:

انتقال کے بعد اس وصیت کی پوری تعمیل کی گئی' ولید نے نماز جنازہ پڑھائی' اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما' ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ موجود تھے' نماز کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں نے کندھا دے کر جنت البقیع پہنچایا اور مہاجرین کے گورِ غریباں میں اس مخزن علم کو سپرد خاک کیا' اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن.[3] انتقال کے وقت ۷۸ سال کی عمر تھی[4]

ترکہ:

انتقال کے بعد ولید حاکم مدینہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو آپ کی وفات کی خبر دی تو انہوں نے ترکہ کے علاوہ بیت المال سے دس ہزار درہم آپ کے ورثاء کو دلوائے اور ولید کو اُن کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی[5]

---

[1] ابن سعد جزء۴ ق۲ ص ۶۲، ۶۳ [2] ایضاً ص ۶۲، ۶۳ [3] ایضاً ص ۶۳ [4] اسد الغابہ جلد۵ ص ۳۱۷ [5] مستدرک حاکم جلد۳ ص ۵۰۸

Marfat.com

حلیہ:

رنگ گندم گون' شانے کشادہ' دانت آبدار تھے اور آگے دو دانتوں کے درمیان جگہ خالی تھی' زلفیں رکھاتے تھے اور بالوں میں زرد خضاب کرتے تھے۔

لباس:

عموماً سادہ ہوتا تھا' یعنی صرف دو رنگین کپڑے استعمال کرتے تھے' کبھی کبھی کتان وغیرہ کے بیش قیمت لباس بھی استعمال کر لیتے تھے۔

فضل و کمال:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں ہیں جو علم حدیث کے اساطین سمجھے جاتے ہیں آپ بالاتفاق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں سب سے زیادہ حافظ حدیث تھے' اگرچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ بھی حفاظ میں ممتاز درجہ رکھتے تھے' لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کثرت روایت میں ان پر بھی تفوق حاصل تھا' آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ علم کا ظرف ہیں۔[1]

ذوقِ علم:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو علم کی بڑی جستجو تھی' ان کا ذوق علم حرص کے درجہ تک پہنچ گیا تھا ان کی علمی حرص کا اعتراف خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا' ایک مرتبہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ ''قیامت کے دن کون خوش قسمت آپ کی شفاعت کا زیادہ مستحق ہوگا' فرمایا کہ ''تمہاری حرص علی الحدیث کو دیکھ کر میرا پہلے سے خیال تھا کہ یہ سوال تم سے پہلے کوئی نہ کرے گا۔[2]

عام طور پر لوگ آنحضرت ﷺ سے زیادہ سوال کرتے ہوئے جھجکتے تھے لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نہایت دلیری سے پوچھتے تھے' عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے کہا کہ ''ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) آنحضرت ﷺ سے کثرت سے روایت کرتے ہیں''۔ انہوں نے

---

1. بخاری کتاب العلم 2. مسند احمد ابن حنبل جلد ۲ ص ۳۷۳

Marfat.com

جواب دیا پناہ بخدا ان کی روایات میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ کرنا' اس کی وجہ محض یہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے میں بہت جری تھے' اس لیے وہ ایسے ایسے سوالات کرتے تھے جن کو ہم لوگ نہیں کر سکتے تھے[1]

وہ خود جیسے علم کے شائق تھے' چاہتے تھے کہ ہر مسلمان کے دل میں طلب علم کا یہی جذبہ پیدا ہو جائے۔ ایک دن بازار جا کر لوگوں کو پکارا کہ تم کو کس چیز نے مجبور کر رکھا ہے؟ لوگوں نے پوچھا کس شے سے؟ کہا وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم ہو رہی ہے اور تم لوگ یہاں بیٹھے ہو' لوگوں نے پوچھا کہاں؟ کہا مسجد میں' چنانچہ سب دوڑ کر مسجد آئے' لیکن یہاں کوئی مادی میراث نہ تھی' اس لیے لوٹ گئے اور کہا وہاں کچھ بھی تقسیم نہیں ہوتا' البتہ کچھ لوگ نمازیں پڑھ رہے تھے' کچھ لوگ قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف تھے' کچھ حلال وحرام پر گفتگو کر رہے تھے بولے تم لوگوں پر افسوس ہے' یہی تمہارے نبی کی میراث ہے۔[2]

حدیث میں ان کا پایا:

اس تلاش وجستجو نے ان کو حدیث کا بحر بے کراں بنا دیا تھا' حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ جو خود بھی بڑے حافظ حدیث تھے فرماتے تھے کہ ''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ حدیث جانتے تھے[3] امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے ہمعصر حفاظ میں سب سے بڑے حافظ تھے[4] اعمش ابو صالح سے روایت کرتے ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے' علامہ ذہبی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ'' علم کا ظرف تھے اور صاحب فتویٰ ائمہ کی جماعت میں بلند پایہ رکھتے تھے[5] حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں' کہ ''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ'' اپنے ہمعصر رواۃ میں سب سے بڑے حافظ تھے اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں کسی نے حدیث کا اتنا ذخیرہ نہیں فراہم کیا''۔[6]

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۱۰ [2] جمع الفوائد کتاب العلم بحوالہ طبرانی الاوسط جلد ۱ ص ۲۲۱
[3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۱۰ [4] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۳۱ [5] ایضاً ص ۲۸
[6] تہذیب التہذیب جلد ۱۲ ص ۲۶۶

Marfat.com

کمال کی آخر حد یہ تھی کہ آپ کو خود اپنی ہمہ دانی کا یقین واثق تھا' چنانچہ ایک موقع پر اپنی زبان سے کہا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس کو مجھ سے زیادہ احادیث یاد ہوں[1]۔ ترمذی کی روایت میں صرف عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا استثنا ہے[2]۔

کثرتِ روایت کا سبب:

بہت سے اکابر اور علمائے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے کثرت علم اور وسعت معلومات کا سبب یہ تھا کہ ان کو اس قسم کے مواقع حاصل تھے جو دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حاصل نہ تھے' یہ خود اپنی کثرتِ روایت کے وجوہ و اسباب بیان کرتے تھے کہ ''لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بہت حدیثیں بیان کرتا ہے' حالانکہ مہاجرین و انصار ان حدیثوں کو نہیں بیان کرتے مگر معترضین اس پر غور نہیں کرتے کہ ہمارے' مہاجر بھائی بازاروں میں اپنے کاروبار میں لگے رہتے تھے' اور انصار اپنی زراعت کی دیکھ بھال میں سرگرداں رہتے تھے' میں محتاج آدمی تھا' میرا سارا وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گزرتا اور جن اوقات میں وہ موجود نہ ہوتے تھے' اس وقت بھی میں موجود رہتا تھا' دوسرے جن چیزوں کو وہ بھلا دیتے تھے' میں ان کو یاد رکھتا تھا[3]۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس توجیہ کی تصدیق کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کرتے تھے' چنانچہ ابو عامر روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک شخص نے آ کر کہا ''ابو محمد آج تک ہم کو نہ معلوم ہو سکا کہ یہ یمنی (ابو ہریرہؓ) اقوال نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بڑا حافظ ہے' یا تم لوگ'' انہوں نے جواب دیا کہ ''بلاشبہ انہوں نے بہت سی ایسی حدیثیں سنیں جو ہم لوگوں نے نہیں سنیں اور بہت سی ایسی باتیں جانتے ہیں جو ہمارے علم سے باہر ہیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ دولت و جائداد والے تھے' ہمارے گھر بار اور اہل و عیال تھے' ہم ان میں پھنسے رہتے تھے صرف صبح و شام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دے کر لوٹ آتے تھے اور

---

1. مستدرک حاکم جلد ۳ تذکرہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ 2. ترمذی مناقب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ
3. ابن سعد جز ۴ قسم ۲ ص ۵۶ و مسلم جلد ۲ فضائل ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

Marfat.com

ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) مسکین اور مال و متاع کی زحمتوں اور بال بچوں کی ذمہ داری سے سبکدوش تھے' اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے آپ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے' ہم سب کو یہ یقین ہے کہ انہوں نے ہم سب سے زیادہ احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سنیں اور ہم میں سے کسی نے ان پر یہ اتہام نہیں لگایا کہ وہ بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہوئے ان کو بیان کرتے ہیں۔[1] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ "ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ)" ہم سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے حاضر باش تھے۔[2] ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو بلا کر پوچھا تم یہ کیسی حدیثیں بیان کرتے ہو' حالانکہ جو کچھ میں نے (فعل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھا اور (قول نبوی صلی اللہ علیہ وسلم) سنا وہی تم نے بھی سنا اور دیکھا' عرض کی "آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر زیب و زینت میں مصروف رہتی تھیں اور خدا کی قسم میری توجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی چیز نہیں ہٹاتی تھی۔[3]

ایک مرتبہ مروان کو ان کی کوئی بات ناگوار ہوئی' اس نے غصہ میں کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ بہت حدیثیں روایت کرتے ہیں' حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے کچھ ہی دنوں پہلے مدینہ آئے تھے' بولے "جب میں مدینہ آیا' تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خیبر میں تھے' اس وقت میری عمر تیس ۳۰ سال سے کچھ اوپر تھی اور آپ کی وفات تک سایہ کی طرف آپ کے ساتھ رہا' آپ کی ازواج مطہرات کے گھروں میں جاتا تھا' آپ کی خدمت کرتا تھا' آپ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک رہتا تھا' آپ کی معیت میں حج کرتا تھا' اس لیے میں دوسرے لوگوں سے زیادہ حدیثیں جانتا ہوں خدا کی قسم وہ جماعت جو مجھ سے قبل آپ کی صحبت میں تھی' وہ میری حاضر باشی کی معترف تھی اور مجھ سے حدیثیں پوچھا کرتی تھی' ان پوچھنے والوں میں عمر' عثمان' طلحہ' زبیر رضی اللہ عنہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں"۔[4]

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۱۲ و ترمذی مناقب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

[2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۱۱۔ [3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۰۹

[4] اصابہ جلد ۷ ص ۲۰۵

Marfat.com

آپ دعا بھی ازدیاد علم ہی کی مانگتے تھے' زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن میں ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) اور ایک دوسرا شخص مسجد میں بیٹھے دعا اور ذکر خدا میں مشغول تھے' اس درمیان میں آنحضرت ﷺ بھی تشریف لائے' ہم لوگ خاموش ہو گئے' آپ نے فرمایا' اپنا کام جاری رکھو' اس ارشاد پر میں اور دوسرا شخص' ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کے قبل دعا کرنے لگے اور آنحضرت ﷺ آمین کہتے جاتے تھے' اس کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی کہ خدایا جو کچھ میرے ساتھ مجھ سے قبل مانگ چکے ہیں وہ بھی مجھے دے' اس کے علاوہ ایسا علم عطا فرما جو پھر فراموش نہ ہو' اس پر آنحضرت ﷺ نے آمین کہی' اس کے بعد ہم دونوں شخصوں نے عرض کی "یا رسول اللہ (ﷺ) ہم کو بھی ایسا علم عطا ہو جو فراموشی کی دست برد سے محفوظ رہے۔ فرمایا وہ دوسی نوجوان کے حصہ میں آ چکا[1] اسی طرح ایک مرتبہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے نسیان حدیث کی شکایت کی آپ ﷺ نے فرمایا چادر پھیلاؤ' انہوں نے چادر پھیلا دی' آپ نے اس میں دست مبارک ڈالے' پھر فرمایا کہ اس کو سینہ سے لگالو' کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے میں پھر کبھی نہ بھولا[2]

حدیث کی تحریر و کتابت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیثوں کے بارہ میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے' چنانچہ بھولنے یا الفاظ کے ردّ و بدل کے ڈر سے جو کچھ سنتے تھے اس کو قلمبند کر لیتے تھے' فضل بن حسن اپنے والد حسن بن عمرو کا ایک واقعہ خود ان کی زبان سے سنا ہوا بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ایک حدیث سنائی' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس سے لاعلمی ظاہر کی' حسن نے کہا میں نے یہ حدیث آپ ہی سے سنی ہے' فرمایا کہ اگر مجھ سے سنی ہے تو میرے پاس ضرور لکھی ہوگی' چنانچہ ان کو اپنے ساتھ گھر لے گئے اور ایک کتاب دکھائی جس میں تمام حدیثیں درج تھیں اسی میں وہ حدیث بھی تھی' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ اگر تم نے مجھ سے سنی ہے تو وہ ضرور لکھی ہوگی۔[3]

---

1. تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۶۶ 2. صحیح بخاری کتاب العلم
3. مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۱۱

Marfat.com

لیکن صحاح کی ایک اور روایت میں ہے جو خود ان ہی سے مروی ہے کہ "عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما مجھ سے زیادہ حدیث اس لیے جانتے تھے کہ وہ آپ کی باتوں کو لکھ لیا کرتے تھے' اور میں نہیں لکھتا تھا"[1] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں گو نہیں لکھ لیتے تھے' مگر بعد کو ان کو بھی لکھنا ضروری معلوم ہوا۔

امتحان:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کثرت روایت کی وجہ سے بعض اشخاص کے دل میں ان کی روایات کی جانب سے شکوک و شبہات پیدا ہوئے' چنانچہ ایک مرتبہ مروان نے امتحان کی غرض سے ان کو بلوایا اور اپنے کاتب کو تخت کے نیچے بٹھا کر ان سے حدیثیں پوچھنا شروع کیں' یہ بیان کرتے جاتے تھے اور کاتب چھپا ہوا ان کی لاعلمی میں لکھتا جاتا تھا' دوسرے سال پھر اسی طریقہ سے امتحان لیا' اس مرتبہ بھی انہوں نے بلا کم و کاست وہی جوابات دیئے جو ایک سال قبل دے چکے تھے' حتیٰ کہ ترتیب میں بھی کوئی فرق نہ آیا۔[2]

اشاعت حدیث:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ خاص امتیاز ہے کہ خدا نے آپ کو جس فیاضی سے علم کی دولت عطا کی' اسی فیاضی سے آپ نے اس کو مسلمانوں کے لیے وقف عام کیا' چلتے پھرتے' اٹھتے' بیٹھتے' جہاں بھی کچھ مسلمان مل جاتے ان کے کانوں تک اقوال نبوی ﷺ پہنچا دیتے' جمعہ کے دن' نماز کے قبل کا وقت حدیث کے لیے مخصوص تھا' چنانچہ ہر جمعہ کو نماز سے پہلے لوگوں کے سامنے حدیثیں بیان کرتے اور یہ سلسلہ اس وقت تک قائم رہتا جب تک مقصورہ کا دروازہ نہ کھلتا اور امام برآمد نہ ہوتا۔[3]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علم و عرفان کی بارش سے عورتیں بھی سیراب ہوتی تھیں' گو اس طبقہ کو وہ باقاعدہ تعلیم نہیں دیتے تھے' لیکن اگر کسی عورت سے کوئی فعل خلاف احکام نبوی ﷺ سرزد ہو جاتا تو فوراً ٹوک دیتے اور اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا حکم

---

[1] صحیح بخاری کتاب العلم [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۱۰ [3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۱۲

Marfat.com

اس کو بتا دیتے' ایک مرتبہ ایک عورت سے ملے' اس کے پیراہن سے خوشبو کی لپٹ آتی تھی' پوچھا تو مسجد سے آتی ہے اس نے کہا ہاں پھر پوچھا مخصوص مسجد جانے کے لیے خوشبو لگائی تھی؟ اس نے کہا ہاں' فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اس عورت کی نماز جو مخصوص مسجد جانے کے لیے خوشبو لگاتی ہے اس وقت تک مقبول نہ ہوگی' جب تک کہ وہ غسل نہ کر ڈالے[1] یعنی اس کی خوشبو دھل نہ جائے' کیونکہ وہ فتنہ بن جاتی ہے' غرض اس عہد مبارک کی خواتین بھی ان کے خرمن علم کی خوشہ چین تھیں' چنانچہ آپ کے زمرۂ رواۃ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام بھی نظر آتا ہے۔

آپ کے دامن کمال میں جس قدر علمی جواہر تھے' سب عام مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے' لیکن وہ احادیث جو فتنہ سے متعلق تھیں اور جن کو آنحضرت ﷺ نے پیشین گوئی کے طور پر فرمایا تھا زبان سے نہ نکالیں کہ یہ خود فتنہ کی بنیاد بن جاتیں' فرماتے تھے کہ "میں نے احادیث نبوی ﷺ دو ظرف میں محفوظ کی ہیں' ایک ظرف کی پھیلائیں' اگر دوسرے کی پھیلا دوں تو نرخرہ کاٹ ڈالا جائے[2] صوفیہ کہتے ہیں کہ یہ اسرار توحید کی امانت تھے' متکلمین کہتے ہیں کہ وہ اسرار دین تھے' لیکن محدثین کا فتویٰ یہی ہے کہ وہ فتنہ کی حدیثیں تھیں۔

اشاعت علم فریضہ مذہبی اور عمل خیر ہے' لیکن اگر اس میں مذہبی خدمت کے جذبہ کے بجائے نمود و نمائش کا شائبہ شامل ہو جائے تو یہی عمل شر بن جائے گا' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جس جذبہ کے تحت اس فرض کو انجام دیتے تھے' اس کے متعلق خود ان کا بیان ہے کہ اگر سورۂ بقرہ کی یہ آیت

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنَاتِ مِنْ بَعْدِ مَا بَیَّنَّاہُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتَابِ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰہُ وَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴾

"ان لوگوں پر جو ہمارے نازل کیے ہوئے' کھلے ہوئے احکام اور ہدایت کی

---

[1] ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۲۱ [2] صحیح بخاری کتاب الفتن و ابن سعد جلد ۴ ق ۲ ص ۵۷

Marfat.com

باتوں میں جن کو ہم نے لوگوں کے لیے کتاب میں کھول کر بیان کر دیا ہے چھپاتے ہیں' خدا بھی لعنت بھیجتا ہے اور لعنت بھیجنے والے بھی لعنت بھیجتے ہیں"۔ نہ ہوتی تو میں کبھی کوئی حدیث نہ بیان کرتا۔[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی مجموعی تعداد ۵۳۷۴ ہے' ان میں ۳۲۵ متفق علیہ ہیں اور ۷۹ میں بخاری اور ۹۳ میں مسلم منفرد ہیں۔[2] احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم الشان ذخیرہ کی مناسبت سے آپ کے رواۃ تلامذہ کا دائرہ بھی وسیع تھا' اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ' ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ' عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما' عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما' ابی بن کعب رضی اللہ عنہ' انس بن مالک رضی اللہ عنہ' ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ' عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما' جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ' ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا' اور عام صحابہ و تابعین میں ابورافع' واثلہ جابر' مروان ابن حکم' قبیصہ بن ذویب' سعید بن میتب' سلیمان الاغر' قیس بن ابی حازم' مالک بن ابی عامر اصبحی' ابواسامہ بن سہل بن حنیف' ابوادریس خولانی' ابوعثمان نہدی' ابورافع صائغ' ابوزرعہ بن عمرو' ابومسلم' ابن قارظ' بسر بن سعید' بشیر بن نہیک' بجہ جہنی' ثابت بن عیاض' حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب' حمید و ابوسلمہ ابنا عبدالرحمٰن بن عوف' حمید بن عبدالرحمٰن حمیری' حنظلہ بن علی اسلمی' جناب صاحب مقصورہ' خلاس بن عمرو' حکم بن میناء' خالد بن غلاق' ابوقیس' زیاد بن رباح' سالم بن عبداللہ' زرارہ بن ابی اوفی' سالم ابوالغیث' سالم مولی شداد' سعید بن ابی سعید' ابوسعید مقبری' حسن بصری' محمد بن سیرین و سعید بن عمرو بن سعید بن العاص' سلیمان بن یسار' ابوالحباب' سعید بن یسار' سنان بن ابی سنان' عامر بن سعد بن ابی وقاص' شریح ابن ہانی' شفی بن ماتع' طاؤس' عکرمہ' مجاہد' عطا' عامر شعبی' عبداللہ بن رباح انصاری' عبداللہ بن شقیق' عبداللہ بن ثعلبہ' ابوالولید عبداللہ بن حارث' سعید بن حارث' سعید بن سمعان' سعید بن مرجانہ' عبداللہ بن عبدالرحمٰن' عبدالرحمٰن بن سعد المقعد' عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ انصاری' عبدالرحمٰن بن یعقوب' عبدالرحمٰن بن ابی نعیم البجلی'

---

[1] صحیح بخاری کتاب العلم و ابن سعد جلد ۴ ق ۲ ص ۵۷ [2] تہذیب الکمال ص ۳۶۲

Marfat.com

عبدالرحمٰن بن مہران' اعرج' عبید اللہ بن عبداللہ' عبیداللہ بن سفیان حضرمی' عطاء بن میناء' عطاء بن یزید لیثی' ابوسعید مولی بن کریز' عجلان بن مولی فاطمہ' عراک بن مالک' عبید بن حنین' عبیداللہ بن ابی رافع' عطاء بن یسار' عمرو بن ابی سفیان' عنبسہ بن سعید بن العاص' محمد بن قیس بن مخرمہ' موسیٰ عیسیٰ ابنا طلحہ بن عبیداللہ' عروہ بن زبیرؓ' محمد بن عباد' جعفر' محمد بن ابی عائشہ' محمد بن زیاد حجمی' محمد بن عبدالرحمٰن' موسیٰ بن یسار' نافع بن جبیر بن مطعم' نافع مولی ابن عمر' نافع مولی ابی قتادہ' یوسف ابن ماہک' تیم بن ابی سنان' یزید بن ہرمز' ابو حازم الاشجعی' ابوبکر بن عبدالرحمٰن' ابوتیمیہ جیمی' یزید بن اصم' موسیٰ بن وردان' ابوالشعثاء المحاربی' ابوصالح السمان' ابوغطفان بن طریف المری' یہ حضرت ابوہریرہ ؓ کے رواۃ کی نہایت مختصر فہرست ہے' صحابہ ؓ اور تابعینؒ ملا کر ان کے رواۃ کی تعداد ۸۰۰ سے متجاوز ہو جاتی ہے[1]

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

بعض رواتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض صحابہ ؓ ان کی مرویات پر اعتراض کرتے تھے' اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ وہ ان کی رواتوں پر شک کرتے تھے' بلکہ ان کے تفقہ پر انہیں اعتراض تھا' ان کا کہنا یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے مختلف حالات و واقعات کے لحاظ سے بعض باتیں ارشاد فرمائی ہیں اور حضرت ابوہریرہ ؓ موقع و محل کا لحاظ کیے بغیر ان حدیثوں کا بیان کر دیتے ہیں' جس سے ان احادیث کا اصل منشا فوت ہو جاتا ہے اور اس حیثیت سے ان کا اعتراض صحیح تھا کہ حضرت ابوہریرہ ؓ فقہ الحدیث کا لحاظ نہیں کرتے تھے' فقہ میں ان کا کوئی امتیازی درجہ نہیں تھا' تاہم آنحضرت ﷺ کے بعد مدینہ میں جو جماعت منصب افتاء پر فائز تھی اس میں ایک ابوہریرہ ؓ بھی تھے[2]

عام تعلیم:

عام تعلیمی لحاظ سے وہ صحابہؓ کی جماعت میں بہت نمایاں تھے' عربی مادری زبان تھی اس کے علاوہ فارسی بھی جانتے تھے' ایک مرتبہ ایک ایرانی عورت استغاثہ لے کر آئی کہ

---

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ ابوہریرہ ؓ [2] اعلام الموقعین جلد اول ص ۱۲

Marfat.com

شوہر نے مجھ کو طلاق دے دی ہے اور لڑکا لینا چاہتا ہے' یہ عورت فارسی میں گفتگو کرتی تھی اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اسی زبان میں جواب دیتے تھے[1] اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب سے بھی واقفیت رکھتے تھے' چنانچہ توراۃ کے مسائل سے کافی واقفیت تھی[2] لکھنے میں بھی پوری مہارت رکھتے تھے' چنانچہ احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔

اخلاق و عادات:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ غزوہ خیبر میں دارالاسلام آئے' اس حساب سے ان کو کل چار سال صحبت نبوی ﷺ سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا' اگرچہ بظاہر یہ مدت کم معلوم ہوتی ہے' لیکن اس حیثیت سے کہ اس مدت میں سفر و حضر' خلوت و جلوت میں ایک لحہ کے لیے بھی خدمت اقدس سے جدا نہ ہوئے اور اس قلیل مدت میں جو لمحات بھی میسر آئے ان سے پورا فائدہ اٹھایا' یہ چھوٹی مدت کیفیت کے اعتبار سے بڑی طویل مدت کے برابر ہو جاتی ہے اس ملازمت رسول ﷺ کا یہ نتیجہ تھا کہ آپس پر تعلیمات نبوی کا بہت گہرا رنگ چڑھا تھا اور آپ اسلامی تعلیمات کا مکمل ترین نمونہ بن گئے تھے۔

خوفِ قیامت:

خشیت الٰہی اور خوف قیامت صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کا خاص وصف تھا' ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس سے لرزہ براندام رہتے تھے' خوفِ خدا اور قیامت کے احتساب کے ذکر سے چیخ کر بیہوش ہو جاتے تھے۔

ایک بار شفیا اصحی مدینہ آئے' دیکھا کہ ایک شخص کے گرد بھیڑ لگی ہوئی ہے' پوچھا یہ کون ہیں' لوگوں نے کہا' ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ)' چنانچہ ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے' اس وقت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ لوگوں سے حدیث بیان کر رہے تھے' جب حدیث سنا چکے اور مجمع چھٹا تو انہوں نے ان سے کہا' کہ رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث سنائیے' جس کو آپ نے اُن سے سنا ہو' سمجھا ہو' جانا ہو' ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ایسی ہی حدیث بیان کروں گا' یہ کہا اور چیخ

---

[1] ابوداؤد جلد ۱ ص ۲۲۷ [2] اصابہ جلد ۵ ص ۲۰۵

Marfat.com

مار کر بے ہوش ہو گئے، تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو کہا میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کروں گا، جو آپ نے اس گھر میں بیان فرمائی تھی، اور اس وقت میرے اور آپ کے سوا کوئی تیسرا شخص نہ تھا، اتنا کہہ کر پھر زور سے چلائے اور بے ہوش ہو گئے، افاقہ ہوا تو منہ پر ہاتھ پھیر کر کہا میں تم سے ایسی حدیث بیان کروں گا جو آنحضرت ﷺ نے اس گھر میں بیان فرمائی تھی اور وہاں میرے اور آپ کے سوا کوئی نہ تھا یہ کہا اور چیخ مار کر، غش کھا کر منہ کے بل گر پڑے، شفیا اصبحی نے تھام لیا اور دیر تک سنبھالے رہے، ہوش آیا تو کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ قیامت کے دن جب خدا بندوں کے فیصلہ کے لیے اترے گا تو سب سے پہلے تین آدمی طلب کیے جائیں گے عالم قرآن، راہِ خدا میں مقتول اور دولت مند، پھر خدا عالم سے پوچھے گا کیا میں نے تجھ کو قرآن کی تعلیم نہیں دی، وہ کہے گا ہاں خدایا۔ فرمائے گا تو نے اس پر کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا "رات دن اُس کی تلاوت کرتا تھا" خدا فرمائے گا "تو جھوٹا ہے تو اس لیے تلاوت کرتا تھا کہ لوگ تجھ کو قاری کا خطاب دیں"۔ چنانچہ خطاب دیا پھر دولت مند سے سوال کرے گا "کیا میں نے تجھ کو صاحب مقدرت کر کے لوگوں کی احتیاج سے بے نیاز نہیں کر دیا؟ وہ کہے گا ہاں خدایا۔ فرمائے گا تو نے کیا کیا، وہ کہے گا میں صلہ رحمی کرتا تھا، صدقہ دیتا تھا، خدا فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے بلکہ اس سے تیرا مقصد یہ تھا کہ تو فیاض اور سخی کہلائے اور لوگوں نے کہا، پھر وہ جس کو راہِ خدا میں اپنی جان دینے کا دعویٰ تھا پیش کیا جائے گا، اس سے سوال ہوگا، تو کیوں مار ڈالا گیا وہ کہے گا تو نے اپنی راہ میں جہاد کا حکم دیا، میں تیری راہ میں لڑا اور مارا گیا، خدا فرمائے گا "تو جھوٹ کہتا ہے، بلکہ تو چاہتا تھا کہ تو دنیا میں جری اور بہادر کہلائے تو یہ کہا جا چکا" یہ حدیث بیان کر کے رسول اللہ ﷺ نے میرے زانو پر ہاتھ مار کر فرمایا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ان ہی تینوں سے جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی۔ (ترمذی ابواب الزہد باب ماجاء فی الریاء والسمعۃ)

عبادت وریاضت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو عبادت سے خاص ذوق تھا، شب بیداری آپ کا محبوب مشغلہ تھا، خود بھی شب بیداری کرتے تھے اور گھر والوں سے بھی شب بیداری

Marfat.com

کراتے تھے آپ کا کنبہ تین آدمیوں پر مشتمل تھا' ایک خود' دوسری بیوی اور تیسرا خادم' یہ تینوں بالالتزام باری باری سے اٹھ کر ایک ایک تہائی شب میں نماز پڑھتے تھے' ایک ختم کر کے دوسرے کو جگاتا اور دوسرا تیسرے کو۔ اسی طریقہ سے تینوں مل کر پوری رات نماز میں گذار دیتے۔[1]

ہر مہینہ کے شروع میں تین روزے التزام کے ساتھ رکھتے تھے' اگر کسی سبب سے شروع میں نہ رکھ سکتے تو آخر میں پورے کرتے۔[2] ارکان عبادت کو پورے شرائط کے ساتھ ادا کرتے تھے بلکہ شدت احتیاط کے باعث اس میں مبالغہ سے کام لیتے تھے' نعیم بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مسجد کی چھت پر وضو کرتے تھے' میں نے دیکھا کہ ہاتھ اٹھا کر شانوں تک دھوتے اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن میری امت کے وہ اعضاء جو وضو میں دھوئے جاتے ہیں چمکیں گے اس لیے تم لوگوں سے جہاں تک ہو سکے اس کی چمک کو بڑھاؤ۔[3] عکرمہ راوی ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بارہ ہزار تسبیحیں روزانہ پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ بقدر گناہ تسبیح کرتا ہوں' مضارب بن جزء بیان کرتے ہیں کہ رات کو میں نکلا کرتا تھا' ایک دن نکلا تو تکبیر کی آواز سنی' قریب جا کر دیکھا تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تھے' پوچھا یہ کیا کر رہے ہو' کہا خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ایک دن وہ تھا کہ میں بسرہ بنت غزوان کے پاس پیٹ کی روٹی پر ملازم تھا' اس کے بعد خدا نے یہ دن دکھایا کہ وہ میرے عقد میں آ گئی۔[4] آپ تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے تھے' ایک تھیلی میں کنکریاں اور گٹھلیاں بھری رہتی تھیں جن پر وہ تسبیح پڑھتے تھے جب تھیلی ختم ہو جاتی تو لونڈی کو حکم دیتے وہ بھر لاتی۔[5]

---

1. مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۵۳　2. ایضاً
3. ایضاً ص ۲۳۲　4. اصابہ جلد ۷ ص ۲۰۶
5. ابوداؤد کتاب النکاح باب ما یکرہ من اذا کر الرجل ما یکون من اصابۃ اھلہ
6. مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۹۳

Marfat.com

محبت رسول ﷺ:

آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی محبت شیفتگی کے درجہ تک تھی' ایک لمحہ کے لیے بھی آپ سے جدا نہ ہوتے تھے' تمام مہاجرین وانصار اپنے اپنے کاروبار میں لگے رہتے' لیکن ان کا کام صرف یہ تھا کہ جمال نبوی ﷺ کے دیدار سے شوق کی آگ بجھائیں' ایک موقع پر اس کا اظہار بھی کیا ''یارسول اللہ (ﷺ) حضور کا مشاہدہ جمال میری جان کا سرمایہ راحت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔[1]

آنحضرت ﷺ کے بعد لطیف غذا کھانے سے محض اس لیے پرہیز کرتے تھے کہ حضور نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا' ایک مرتبہ لوگوں نے ان کو بھنی ہوئی بکری کی دعوت دی' انہوں نے محض اس لیے قبول کرنے سے انکار کیا کہ آنحضرت ﷺ دنیا سے اس حال میں سدھارے کہ کبھی جو کی روٹی بھی آسودہ ہو کر نہیں کھائی۔[2]

محبت آل رسول ﷺ:

ذاتِ نبوی ﷺ کے ساتھ اس والہانہ تعلق کا فطری اقتضا یہ تھا کہ آلِ اطہار کے ساتھ بھی یہی شیفتگی تھی' ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بلا کر گود میں بٹھایا اور ان کے منہ میں منہ ملا کر تین مرتبہ فرمایا کہ ''خدایا میں اس کو محبوب رکھتا ہوں' اس لیے تو بھی محبوب رکھ اور اس کے محبوب رکھنے والے کو بھی محبوب رکھ'' اس کے بعد سے جب یہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو ان کی آنکھیں پرنم ہو جاتی تھیں۔[3] عمیر بن اسحٰق راوی ہیں کہ ایک مرتبہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ملے تو کہا کہ ''اپنے شکم مبارک کا وہ حصہ کھولیے جو آنحضرت ﷺ کا بوسہ گاہ تھا' آپ نے کپڑا اٹھا دیا اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسی مقام پر بوسہ عقیدت ثبت کر دیا۔[4]

---

1. مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۹۳
2. بخاری جلد ۲ کتاب الاطعمہ باب ما کان النبی ﷺ واصحابہ یاکلون
3. مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۵۳۲ 4. ایضاً ص ۴۸۸

Marfat.com

والدہ کی خدمت گزاری:

حق العباد میں ایک بڑا حق یہ ہے کہ انسان تابمقدور ان ضعیف اور سب سے بڑے محسن والدین کی خدمت گزاری کو باعث فخر اور ذریعہ نجات سمجھے' جنہوں نے اس کو بچہ سے جوان بنایا' اسلام نے خاص طور پر ان کے اعزاز و احترام اور خدمت گزاری کی تعلیم دی ہے' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس فریضہ کا یہاں تک لحاظ رکھا کہ ماں کی تنہائی کے خیال سے ان کی زندگی بھر حج نہیں کیا۔[1]

اظہارِ حق میں بے باکی:

حق گوئی اور راست بازی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا خاص جوہر تھا' اعلان حق میں وہ اس قدر جری اور دلیر تھے کہ بڑے بڑے شخص کو اس کی لغزش پر فوراً ٹوک دیتے تھے' آپ کا قیام مدینہ میں تھا' مروان یہاں کا حاکم تھا' اس لیے اکثر اس سے سابقہ پڑتا تھا ایک مرتبہ اس کے یہاں گئے' تو تصویریں آویزاں دیکھیں' فرمایا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے' جو میرے مخلوق کی طرف مخلوق بناتا ہے' اگر دعوائے تخلیق ہے تو کوئی ذرہ' غلہ یا جو پیدا کر کے دکھائے۔[2]

مروان کے زمانہ امارت میں مدینہ میں چک (ہنڈی) کا رواج ہو چلا تھا' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو مدینہ جا کر مروان سے کہا تم نے ربا حلال کر دیا' مروان نے اس سے برأت ظاہر کی' فرمایا تم نے چکون کو رائج کیا' حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشیاء خوردنی کی بیع کی اس وقت تک ممانعت فرمائی ہے جب تک پہلا بائع اس کو ناپ نہ لے' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس تنبیہ سے مروان نے یہ طریقہ منسوخ کر دیا۔[3]

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھے

---

[1] مسلم جلد ۲ باب ثواب العبد و اجره اذا نصح لسیده و احسن و ابن سعد تذکرہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

[2] مسند احمد بن حنبل ج ۱۲ احادیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

[3] مسلم جلد ا کتاب البیوع باب بیع المبیع قبل القبض مطبوعہ مصر و مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۹

Marfat.com

تھے، مروان بھی موجود تھا، آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے سنایا کہ میں نے صادق مصدوق ﷺ سے سنا ہے کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی۔[1]

تفر وغنا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے دو دور تھے، پہلا افلاس، تنگدستی اور فقر و فاقہ میں بسر ہوا دوسرے میں جاہ وثروت اور فارغ البالی نصیب ہوئی، فقر و فاقہ کا دور نہایت درد انگیز تھا، مسلسل فاقوں سے غش پر غش آتے تھے، لیکن رحمۃ العالمین کے سوا کوئی پوچھنے والا نہ تھا اس زمانہ میں آپ نے سخت تکلیفیں برداشت کیں، لیکن زبان کبھی سوال سے آلودہ نہ ہوئی ایک مرتبہ بھوک کی شدت سے بہت بے قرار ہوئے تو راستہ میں بیٹھ گئے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا، ان سے ایک آیت پوچھی، وہ بتا کر گزر گئے اور کچھ توجہ نہ کی، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا، تو آپ اس حسن طلب کو سمجھ گئے اور ساتھ لے جا کر ان کو اور تمام اصحاب صفہ کو کھانا کھلایا۔[2]

جب فقر و فاقہ کا دور ختم ہوا اور خدا نے فارغ البالی کیا، اس وقت فقیرانہ سادگی کو قائم رکھتے ہوئے کبھی کبھی فارغ البالی کا بھی اظہار کیا، چنانچہ ایک مرتبہ کتان کے دو رنگے ہوئے کپڑے پہنے اور ایک سے ناک صاف کر کے کہا واہ واہ ابو ہریرہ آج تم کتان سے ناک صاف کرتے ہو، حالانکہ کل منبر نبوی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے درمیان غش کھا کر گرتے تھے اور گزرنے والے تمہاری گردن پر پیر رکھ کر کہتے تھے، کہ ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کو جنون ہو گیا ہے، حالانکہ تمہاری یہ حالت صرف بھوک کی وجہ سے ہوتی تھی۔[3]

سادگی:

لیکن امارت کی حالت میں بھی زندگی میں کوئی خاص تبدیلی نہیں کی جب شہر سے

---

[1] بخاری جلد ۲ کتاب الفتن باب قول النبی ﷺ هلك امتي على ايدي اغيلمة سفهاء

[2] ترمذی ابواب الزہد باب جاء معیشۃ اصحاب النبی ﷺ

[3] بخاری کتاب الاعتصام باب ما ذکر النبی ﷺ و حض علی اتفاق اهل العلم

Marfat.com

نکلتے تو سواری میں گدھا ہوتا' جس پر معمول نمدہ کسا ہوتا' چھال کی رسی کی لگام ہوتی' غرض اس سادگی سے نکلتے کہ کسی کو امارت کا اندازہ بھی نہ ہوتا' جب کوئی سواری کے سامنے آ جاتا تو (مذاق سے) خود کہتے کہ راستہ چھوڑ دو' امیر کی سواری آ رہی ہے۔[1]

فیاضی:

فقر و غنا دونوں حالتوں میں بلند حوصلہ اور فیاض رہے' لوگوں کو کھلانے پلانے میں بڑی سیر چشمی سے کام لیتے تھے' عبداللہ بن رباح راوی ہیں کہ ایک مرتبہ چند آدمیوں کا وفد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی تھے' رمضان کا زمانہ تھا' ہم لوگوں کا معمول تھا کہ کھانے پر ایک دوسرے کو بلایا کرتے تھے' ان سب میں سب سے زیادہ "ابوہریرہ" دعوت کرتے تھے۔[2]

گو مہمان نوازی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عام وصف تھا' تاہم لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ مہمان نواز کم صحابی تھے۔[3]

---

[1] ابن سعد ج ۴ ق ۲ ص ۶۰ [2] مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۵۳۸ [3] ایضاً

Marfat.com

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

نام ونسب:-

جندب نام، ابوذر کنیت "مسیح الاسلام" لقب، سلسلہ نسب یہ ہے، جندب بن جنادہ ابن قیس بن عمرو بن ملیل بن صعیر بن حرام بن غفار بن ملیل بن حمزہ بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ غفاری، ماں کا نام رملہ تھا اور قبیلہ بنی غفار سے تعلق رکھتی تھی۔

قبل از اسلام:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا قبیلہ بنو غفار رہزنی کیا کرتا تھا، جاہلیت میں ابوذر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی پیشہ تھا اور وہ نہایت مشہور رہزن تھے، تن تنہا نہایت جرأت اور دلیری سے قبائل کو لوٹتے تھے لیکن کچھ دنوں کے بعد ان کی زندگی میں دفعتہً انقلاب ہوا اور ایسا سخت ہوا کہ رہزنی یکلخت ترک کر کے ہمہ تن خدا پرستی کی طرف مائل ہو گئے، چنانچہ ظہور اسلام کے پہلے جب سارا عرب ضلالت میں مبتلا تھا وہ خدا کی پرستش کرتے تھے، ابو معشر راوی ہیں کہ ابوذر رضی اللہ عنہ جاہلیت ہی سے موحد تھے، خدا کے سوا کسی کو معبود نہیں سمجھتے تھے اور بتوں کی پوجا نہیں کرتے تھے، ان کی خدا پرستی عام طور پر لوگوں میں مشہور تھی، چنانچہ جس شخص نے ان کو سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی اطلاع دی، اس کے الفاظ یہ تھے کہ "ابوذر مکہ میں تمہاری طرح ایک شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے"[1]۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کی خدا پرستی صرف اعتراف توحید تک محدود نہ تھی بلکہ جس طرح بن پڑتا تھا نماز بھی پڑھتے تھے، وہ خود کہتے تھے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے تین سال قبل سے نماز پڑھتا تھا، لوگوں نے پوچھا کس کی نماز پڑھتے تھے، کہا خدا کی، پھر پوچھا "کس طرف رخ کرتے تھے" جواب دیا

---

[1] ابن سعد جزو ۴ ق ۱ ص ۱۶۳

Marfat.com

''جس طرف خدا پھیر دیتا'' [1] اینما تولوا فثم وجه الله. ع

ہر جا کنیم سجدہ بآں آستان رسید

اسلام کی تلاش میں پہلی آزمائش:

چونکہ ابوذر رضی اللہ عنہ جاہلیت ہی سے راہ حق کے متلاشی تھے' اس لیے حق کی پکار سنتے ہی لبیک کہا اور اس وقت دعوتِ حق کا جواب دیا' جب چار آدمیوں کے سوا ساری دنیا کی زبانیں اس اعلانِ حق سے خاموش تھیں' اس اعتبار سے اسلام لانے والوں میں ان کا پانچواں نمبر ہے' ان کے اسلام کا واقعہ خاص اہمیت رکھتا ہے یہ دلچسپ داستان خود ان کی زبان سے مروی ہیں' ان کا بیان ہے کہ جب میں قبیلہ غفار میں تھا تو مجھ کو معلوم ہوا کہ مکہ میں کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے' میں نے اپنے بھائی کو واقعہ کی تحقیق کے لیے بھیجا' وہ واپس آئے تو میں نے پوچھا' کہو کیا خبر لائے؟ انہوں نے کہا ''خدا کی قسم یہ شخص نیکیوں کی تعلیم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے' اس قدر مجمل بیان سے میری تشفی نہیں ہوئی' اس لیے میں خود سفر کا مختصر سامان لے کر مکہ چل کھڑا ہوا' وہاں پہنچا تو یہ دقت پیش آئی کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتا نہ تھا اور کسی سے پوچھنا بھی مصلحت نہ تھی' اس لیے خانہ کعبہ میں جا کر ٹھہر گیا اور زمزم کے پانی پر بسر کرنے لگا' اتفاق سے ایک دن علی رضی اللہ عنہ گزرے' انہوں نے پوچھا تم مسافر معلوم ہوتے ہو' میں نے کہا ہاں' وہ مجھ کو اپنے گھر لے گئے' لیکن مجھ سے ان کی کوئی گفتگو نہیں ہوئی' صبح اٹھ کر میں پھر کعبہ گیا کہ لوگوں سے اپنے مقصود کا پتہ دریافت کروں کیوں کہ ابھی تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے بے خبر تھا' اتفاق سے پھر علی رضی اللہ عنہ گزرے اور پوچھا کہ ''اب تک تم کو اپنا ٹھکانہ نہیں معلوم ہوا'' میں نے کہا نہیں' وہ پھر دوبارہ مجھ کو اپنے ساتھ لے چلے' اس مرتبہ انہوں نے پوچھا' کیسے آنا ہوا؟ میں نے کہا اگر آپ اس کو راز میں رکھیں تو عرض کروں' فرمایا مطمئن رہو' میں نے کہا' میں نے سنا تھا کہ یہاں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے' پہلے اس خبر کی تصدیق اور اس شخص کے حالات

---

[1] ابن سعد جزو ۴ ق ۱ ص ۱۶۳ و مسلم اسلام ابی ذر رضی اللہ عنہ

Marfat.com

دریافت کرنے کے لیے میں نے اپنے بھائی کو بھیجا مگر وہ کوئی تشفی بخش خبر نہ لایا' اس لیے اب میں خود اس سے ملنے آیا ہوں' حضرت علیؓ نے فرمایا تم نے نیکی کا راستہ پالیا' سیدھے میرے ساتھ چلے آؤ جس مکان میں میں جاؤں تم بھی میرے ساتھ چلے آنا' راستہ میں اگر کوئی خطرہ پیش آئے گا' تو میں جوتا درست کرنے کے بہانے سے دیوار کی طرف ہٹ جاؤں گا اور تم بڑھے چلے جانا' چنانچہ میں حسب ہدایت ان کے ساتھ ہولیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا' یا رسول اللہ ﷺ میرے سامنے اسلام پیش کیجئے' آپ نے اسلام پیش کیا اور میں اسلام کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گیا' قبول اسلام کے بعد آپ نے فرمایا' ابوذر ابھی تم اس کو پوشیدہ رکھو اور اپنے گھر لوٹ جاؤ' میرے ظہور کے بعد واپس آنا' میں نے قسم کھا کر کہا میں اسلام کو چھپا نہیں سکتا' ابھی لوگوں کے سامنے پکار کر اعلان کروں گا' یہ کہہ کر مسجد میں آیا' یہاں قریش کا مجمع تھا' میں نے سب کو مخاطب کر کے کہا کہ قریشو! میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندہ اور رسول ہیں' یہ سن کر ان لوگوں نے للکارا کہ اس بے دین کو لینا' اس آواز کے ساتھ ہی چاروں طرف سے لوگ مجھ پر ٹوٹ پڑے اور مارتے مارتے بے دم کر دیا' یہ دردناک منظر دیکھ کر حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) سے ضبط نہ ہو سکا' وہ مجھ کو بچانے کے لیے میرے اوپر گر پڑے اور ان لوگوں سے کہا کہ تم لوگ ایک غفاری کی جان لینا چاہتے ہو حالانکہ یہ قبیلہ تمہاری تجارت کی گذرگاہ ہے' یہ سن کر سب ہٹ گئے' لیکن اسلام کا وہ نشہ نہ تھا جس کا خمار قریش کے غیظ و غضب کی ترشی سے اتر جاتا' دوسرے دن پھر اس حق گو کی زبان پر نعرہ مستانہ تھا

در عجابہائے طور عشق حکمتہا کم است عشق را با مصلحت اندیشی مجنوں چہ کار

اور پھر وہی مسجد تھی' وہی صنادید قریش کا مجمع تھا اور وہی ان کی ستم آرائی تھی [1]

مسلم فضائل ابی ذر رضی اللہ عنہ میں ان کے اسلام کے بارہ میں دو روایتیں ہیں' ایک

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۳۸، ۳۳۹' و بخاری باب بنیان الکعبہ و مسلم ج ۲ فضائل ابی ذر رضی اللہ عنہ

Marfat.com

یہی مذکورہ بالا روایت' اس روایت کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں' دوسری روایت خود ان سے مروی ہے' لیکن دونوں روایتوں کے واقعات باہم مختلف ہیں' ان کی زبانی جو روایت منقول ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ اپنے وطن سے اپنے بھائی انیس رضی اللہ عنہ اور امنا کو لے کر اپنے ماموں کے یہاں گئے' کچھ دنوں کے بعد ان سے خفا ہو کر چلے گئے' اتفاق سے ایک مرتبہ انیس رضی اللہ عنہ کسی ضرورت سے مکہ گئے وہاں سے لوٹ کر ابو ذر رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات بیان کیے' آپ کے اوصاف سن کر وہ خود تحقیقات کے لیے مکہ پہنچے اور ایک شخص سے آپ کا پتہ پوچھا' پوچھتے ہیں ہر طرف سے مشرکین ان پر ٹوٹ پڑے اور مارتے مارتے بے دم کر دیا' لیکن یہ نہ ہٹے' تیسرے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی' وہ ان کو اپنے ساتھ لے گئے اور یہ مشرف باسلام ہوئے' ہم نے جو صورت واقعہ نقل کی ہے وہ چونکہ بخاری' مسلم اور مستدرک تینوں میں ہے اس لیے اس کو ترجیح دی۔

مراجعت وطن:

کچھ دن مکہ میں قیام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کے گھر واپس کر دیا' اور فرمایا کہ عنقریب یثرب ہجرت کرنے والا ہوں' اس لیے بہتر یہ ہے کہ تم اپنی قوم میں جا کر اسلام کی تبلیغ کرو' شاید خدا ان کو فائدہ بخشے اور اس صلہ میں تمہیں بھی اجر ملے' انہوں نے آپ کے حسب ارشاد روانگی کی تیاری شروع کر دی اور وطن کا سفر کرنے کے قبل اپنے بھائی انیس رضی اللہ عنہ سے ملے' انہوں نے پوچھا کیا کر کے آئے' جواب دیا' اعتراف صداقت کر کے اسلام کا حلقہ بگوش ہو گیا ہوں' سن کر وہ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے' یہاں سے دونوں تیسرے بھائی امنا کے پاس پہنچے' وہ بھی مشرف باسلام ہوئے' اس کے بعد تینوں وطن پہنچے اور دعوتِ حق میں اپنا وقت صرف کرنے لگے' آدھا قبیلہ تو اسی وقت مسلمان ہو گیا اور آدھا ہجرت کے بعد مسلمان ہوا۔[1]

ہجرت ومواخاۃ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ کی تشریف آوری کے بعد بھی عرصہ تک ابوذر رضی اللہ عنہ

[1] صحیح مسلم فضائل ابی ذر رضی اللہ عنہ ومسند احمد ابن حنبل ج ۵ ص ۱۷۴۔

Marfat.com

بنی غفار میں رہے اور بدر، احد، خندق، وغیرہ کے غزوات ہونے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آئے، اسی بناء پر مواخاۃ میں اختلاف ہے، محمد بن اسحٰق راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ابوذر اور منذر بن عمرو رضی اللہ عنہما کے درمیان مواخاۃ کرائی تھی، لیکن واقدی کا قول ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ آیت میراث کے نزول کے بعد مدینہ آئے اور اس آیۃ کے بعد مواخاۃ کا طریقہ باقی نہ رہا تھا۔[1]

مدینہ کا قیام:

مدینہ کے قیام میں ان کا سارا وقت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گزرتا تھا اور ان کا کا محبوب مشغلہ آنحضرت ﷺ کی خدمت تھی، خود کہتے ہیں کہ میں پہلے آنحضرت ﷺ کی خدمت کرتا تھا، اس سے فراغت کے بعد پھر آ کر مسجد میں آرام کرتا تھا۔[2]

چونکہ ہجرت کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، اس لیے مہاجرین زیادہ تر اسی میں مشغول رہتے تھے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی غزوات میں شرکت کی تفصیل نہیں ملی، صرف غزوۂ تبوک کی شرکت کا پتہ چلتا ہے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ تبوک کے لیے نکلے تو بہت سے لوگ بچھڑنے لگے (کیونکہ یہ قحط سالی کا زمانہ تھا) جب کوئی شخص بچھڑتا تو لوگ آنحضرت ﷺ کو بتاتے کہ یا رسول اللہ ﷺ فلاں شخص نہیں آیا آپ فرماتے جانے دو، اگر اس کی نیت اچھی ہے تو عنقریب خدا اس کو تم سے ملا دے گا، ورنہ خدا نے اس کو تم سے چھڑا کر اس کی طرف سے راحت دے دی، یہاں تک کہ ابوذر رضی اللہ عنہ کا نام لیا گیا، کہ وہ بھی بچھڑ گئے، واقعہ یہ تھا کہ ان کا اونٹ سست ہو گیا تھا، اس کو پہلے چلانے کی کوشش کی جب نہ چلا تو اس پر سے ساز و سامان اتار کر پیٹھ پر لادا اور پا پیادہ آنحضرت ﷺ کے عقب سے روانہ ہو گئے اور اگلی منزل پر جا کر مل گئے، ایک شخص نے دور سے آتا دیکھ کر کہا یا رسول اللہ ﷺ وہ راستہ پر کوئی شخص آ رہا ہے، آپ نے فرمایا، ابوذر (رضی اللہ عنہ) ہوں گے لوگوں نے بغور دیکھ کر پہچانا اور عرض کیا، یا رسول اللہ (ﷺ) خدا کی قسم ابوذر (رضی اللہ عنہ) ہیں آپ نے فرمایا، خدا ابوذر (رضی اللہ عنہ) پر رحم کرے، وہ تنہا چلتے ہیں، تنہا

---

[1] ابن سعد جزو ۴ ق ۱ ص ۱۶۶ [2] مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۷۴

Marfat.com

مریں گے اور قیامت کے دن تنہا اٹھیں گے۔[1]

آنحضرت ﷺ کی دوسری پیشین گوئی لفظ بہ لفظ پوری ہوئی' آئندہ واقعات میں اس کی تفصیل آئے گی' اس واقعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ قحط کے زمانہ میں بھی جب بہتوں کے ارادے متزلزل ہو گئے پیچھے نہ ہٹے اور اپنا سامان پیٹھ پر لاد کر پا پیادہ میدان جہاد میں پہنچے تو ان غزوات میں جن میں اس قسم کی دشواریاں نہ تھیں' یقیناً شریک ہوئے ہوں گے پھر وہ آنحضرت ﷺ کے خدام میں تھے' اس لیے ان لڑائیوں میں جن میں آپ نے بہ نفس نفیس شرکت فرمائی ہوگی' ان میں ابوذر رضی اللہ عنہ بھی یقیناً ہم رکاب رہے ہوں گے' خصوصاً جب کہ یہ معلوم ہے کہ ان کو جہاد کے ساتھ غیر معمولی شغف تھا۔[2] اس لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ جب تمام مسلمانوں کی تلواریں اپنے جوہر دکھارہی ہوں' اس وقت ان کی تلوار نیام میں رہی ہو فتح مکہ کے بعد جب اسلامی افواج کا مظاہرہ ہورہا تھا' تو سب سے آگے ان ہی کے قبیلہ کا پرچم تھا۔

عہد شیخین:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فطرۃً فقیر منش' زہد پیشہ' تارک الدنیا اور عزلت پسند تھے' اسی لیے آنحضرت ﷺ نے ان کو "مسیح الاسلام" کا لقب دیا تھا' آنحضرت ﷺ کے بعد انہوں نے دنیا سے ہی قطع تعلق کرلیا' لیکن قیام دیار محبوب ہی میں رہا' وفات نبوی سے دل ٹوٹ چکا تھا' اس لیے عہد صدیقی میں کسی چیز میں کوئی حصہ نہیں لیا' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات نے اور بھی شکستہ خاطر کردیا' گلشن مدینہ ویرانہ نظر آنے لگا' اس لیے مدینہ چھوٹ کر شام کی غربت اختیار کرلی۔[3]

عہد عثمانی:

اسلام کی اصل سادگی شیخین رضی اللہ عنہما کے عہد تک قائم رہی' پھر جب فتوحات کی کثرت

---

1. مستدرک حاکم جلد ۳ تذکرہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ 2. تذکرۃ الحفاظ جلد ا ص ۱۵
3. استیعاب جلد اوّل ص ۸۳

Marfat.com

کے ساتھ مال و دولت کی فراوانی ہوئی تو قدرۃً سادگی کی جگہ تمدنی تکلفات شروع ہو گئے چنانچہ عہد عثمانی میں ہی امراء میں شاہانہ شان وشوکت کی ابتدا ہو چکی تھی' ان کا اثر عام مسلمانوں پر بھی پڑا اور ان میں عہد نبوت کی سادگی کے بجائے عیش وتنعم کے تکلفات پیدا ہونے لگے' شام میں رومیوں کے اثر نے ان کو اور زیادہ فروغ دیا' دولت وثروت نے خزانوں کی صورت اختیار کی' جگہ جگہ قصر وایوان بننے لگے' زرق برق پوشاکیں پہنی جانے لگیں' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ لوگوں میں وہی عہد نبوت کی سادگی چاہتے تھے اور اپنی طرح سب کے دلوں کو مال و دولت کی محبت سے خالی دیکھنا چاہتے تھے' ان کے متوکلانہ مذہب میں کل کے لیے آج اٹھا رکھنا جائز نہ تھا' ان کا عقیدہ یہ تھا کہ کسی مسلمان کو اس کا حق نہیں ہے کہ وہ دوسروں کو بھوکا اور ننگا دیکھ کر بھی اپنے لیے دولت کا خزانہ جمع کرے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ امرائے شام یہ سمجھتے تھے کہ خدا نے اہل دولت پر زکوٰۃ کا جو فرض عائد کیا ہے' اس کو ادا کرنے کے بعد دولت جمع کرنے کا مسلمانوں کو اختیار ہے' اس اختلاف رائے نے بڑھتے بڑھتے نزاع کی صورت اختیار کر لی' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نہایت بے باکی کے ساتھ ان امراء پر اعتراض کرتے تھے اور ان کے طمطراق' دولت وحشمت اور ساز وسامان پر نکتہ چینیاں کرتے تھے اور ان کے زائد از ضرورت دولت جمع کر لینے پر ان کو قرآن پاک کی اس آیت کا مورد ٹھہراتے تھے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ (توبہ)

''جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو''۔

اس آیہ پاک کے پہلے یہود ونصاریٰ کا ذکر ہے' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ اس آیہ کا تعلق بھی ان ہی لوگوں سے ہے' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اس کو مسلمانوں اور غیر مسلم.... دونوں سے متعلق سمجھتے تھے' دوسرا اختلاف یہ تھا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ خدا کی راہ میں نہ دینے کا مطلب یہ سمجھتے تھے کہ وہ اپنا کل مال راہِ خدا میں نہیں دیتے اور امیر معاویہؓ وغیرہ کا

Marfat.com

خیال تھا کہ وہ حکم صرف زکوٰۃ کے متعلق ہے بہر حال حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنے خیال کے مطابق بڑی سختی سے طعن و تشنیع شروع کر دی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خیال پیدا ہوا کہ اگر یہ جذبہ یوں ہی بڑھتا رہا تو عجب نہیں کہ شام میں کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہو اس لیے انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس صورت حال کی اطلاع دی اور کہلا بھیجا کہ ان کو مدینہ بلالیا جائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو مدینہ بلالیا اور ایک دن ان کے سامنے حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اس شخص کے بارہ میں آپ کا کیا خیال ہے جو مال جمع کرتا ہے لیکن اس کی زکوٰۃ بھی دیتا ہے اس کو خدا کی راہ میں بھی خرچ کرتا ہے کعب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ایسے شخص کے بارہ میں مجھ کو بھلائی کی امید ہے یہ سن کر ابوذر رضی اللہ عنہ بگڑ گئے اور کعب رحمۃ اللہ علیہ پر ڈنڈا اٹھا کر بولے یہودی عورت کے بچے تو اس کو کیا سمجھ سکتا ہے قیامت کے دن ایسے شخص کے قلب تک کو بچھو ڈسیں گے۔[1] اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آخر میں مجبور ہو کر آپ سے کہا کہ آپ میرے پاس رہیے دودھ والی اونٹنیاں صبح شام دروازہ پر حاضر کی جائیں گی لیکن اس بے نیاز نے جواب دیا کہ مجھ کو تمہاری دنیا کی مطلق ضرورت نہیں یہ کہہ کر واپس چلے آئے۔

ربذہ کا قیام:

لیکن اب مدینہ بھی پہلا مدینہ باقی نہیں رہ گیا تھا لوگ آ آ کر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو تعجب سے دیکھتے تھے جہاں وہ جاتے ہر جگہ ہجوم ہو جاتا اس سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو تکلیف ہوتی مکہ کے قریب ربذہ نام ایک چھوٹا سا گاؤں تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا یا انہوں نے خود ربذہ میں قیام کرنے کی خواہش کی[2] بہر حال اپنی بیوی کو لے کر ربذہ چلے گئے یہاں کے لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور بنو ثعلبہ کے شیخ اور اس کی بیوی نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے نہلایا عراقیوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے آ کر عرض کیا کہ اس شخص (عثمان رضی اللہ عنہ) نے آپ کے ساتھ ناروا سلوک کیا ہے اگر آپ اس کے خلاف علم بلند

---

[1] حلیۃ الاولیاء ابونعیم ج اوّل ص ۱۶۰ [2] ابن سعد جلد ۴ ق ا ص ۱۶۶، ۱۶۷

Marfat.com

کریں تو ہم لوگ آپ کی حمایت پر تیار ہیں' آپ نے فرمایا کہ مسلمانو! اس معاملہ میں تم دخل نہ دو' اپنے حاکم کو ذلیل نہ کرو' کیونکہ جس نے اپنے حاکم کو ذلیل کیا اس کی توبہ قبول نہیں ہو سکتی' اگر عثمان (رضی اللہ عنہ) مجھ کو سولی پر بھی چڑھا دیتے تو مجھ کو عذر نہ ہوتا' اور میں اسی میں اپنی بھلائی سمجھتا' اگر وہ ربذہ کے بجائے ایک افق سے دوسرے افق یا مشرق سے مغرب میں بھیج دیتے تب بھی میں سر تسلیم خم کر دیتا اور اس میں اپنی اچھائی سمجھتا اور اگر وہ کہیں نہ بھیجتے اور مجھ کو میری قیام گاہ ہی میں لوٹا دیتے تو بھی مجھ کو کوئی عذر نہ ہوتا اور اس میں بھی میں اپنی سعادت سمجھتا۔[1]

وفات:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی وفات کا واقعہ بھی نہایت حسرت انگیز ہے' ۳۱ھ میں ربذہ کے ویرانہ میں وفات پائی ان کی حرم محترم وفات کے حالات بیان کرتی ہیں کہ جب ابوذر (رضی اللہ عنہ) کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو میں رونے لگی' پوچھا کیوں روتی ہو' میں نے کہا کہ تم ایک صحرا میں سفر آخرت کر رہے ہو' یہاں میرے اور تمہارے استعمالی کپڑوں کے علاوہ کوئی ایسا کپڑا نہیں ہے جو تمہارے کفن کے کام آئے' فرمایا رونا موقوف کرو' میں تم کو ایک خوشخبری سناتا ہوں' میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس مسلمان کے دو یا تین لڑکے مر چکے ہوں وہ آگ سے بچانے کے لیے کافی ہیں' آپ نے چند آدمیوں کے سامنے جن میں ایک میں بھی تھا' یہ فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص صحرا میں مرے گا اور اس کی موت کے وقت وہاں مسلمانوں کی ایک جماعت پہنچ جائے گی' میرے علاوہ ان میں سب آبادی میں مر چکے ہیں' اب صرف میں باقی رہ گیا ہوں' اس لیے وہ شخص یقیناً میں ہی ہوں اور بحلف کہتا ہوں کہ نہ میں نے تم سے جھوٹ بیان کیا ہے اور نہ کہنے والے نے جھوٹ کہا ہے اس لیے گذرگاہ پر جا کر دیکھو یہ غیبی امداد ضرور آتی ہوگی' میں نے کہا اب تو حجاج بھی واپس جا چکے اور راستہ بند ہو چکا فرمایا نہیں جا کر دیکھو' چنانچہ میں ایک طرف دوڑ کر ٹیلے پر چڑھ کر

---

[1] طبقات جز ۴ قسم ا ص ۱۶۷

Marfat.com

دیکھنے جاتی تھی اور دوسری طرف بھاگ کر ان کی تیمار داری کرتی تھی' اسی دوڑ دھوپ اور تلاش و انتظار کا سلسلہ جاری تھا کہ دور سے کچھ سوار آتے دکھائی دیئے' میں نے اشارہ کیا' وہ لوگ نہایت تیزی سے آ کر میرے پاس ٹھہر گئے اور ابوذر (رضی اللہ عنہ) کے متعلق دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے' میں نے کہا ابوذر رضی اللہ عنہ' پوچھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں؟ میں نے کہا ہاں! وہ لوگ فدیۃ بابی وامی کہہ کر ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے' پہلے ابوذر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی سنائی پھر وصیت کی کہ اگر میری بیوی یا میرے پاس کفن بھر کا کپڑا نکلے تو اسی کپڑے میں مجھ کو کفنانا اور قسم دلائی کہ تم میں سے جو شخص حکومت کا ادنی عہدہ دار بھی ہو' وہ مجھ کو نہ کفنائے' اتفاق سے ایک انصاری نوجوان کے علاوہ ان میں سے ہر شخص کسی نہ کسی خدمت پر مامور رہ چکا تھا چنانچہ انصاری نے کہا کہ چچا میرے پاس ایک چادر ہے' اس کے علاوہ دو کپڑے اور ہیں جو خاص میری والدہ کے ہاتھ کے کتے ہوئے ہیں' ان ہی میں آپ کو کفناؤں گا' فرمایا ہاں تم ہی کفنانا۔[1]

اس وصیت کے بعد وفات پائی' متعدد روایتوں کے باہم ملانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ یمنی تھے اور کوفہ سے آ رہے تھے' ان ہی کے ساتھ مشہور صحابی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے' جو عراق جا رہے تھے' بہرحال اس انصاری نوجوان نے ان کو کفنایا اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی[2] اور پھر سبھوں نے مل کر اسی صحرا کے ایک گوشہ میں ان کو پیوند خاک کیا۔

حلیہ:

قد دراز' رنگ سیاہی مائل' داڑھی گھنی' سر اور داڑھی دونوں کے بال سفید۔[3]

ترکہ:

فقیروں کے کلبہ احزان میں کیا تھا' صرف تین گدھے' دو مادہ اور ایک نر' چند

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۴۵ و مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۶۶

[2] مستدرک حاکم جلد ۴ ص ۳۴۶ [3] ابن سعد جزو ۴ قسم اول ص ۱۶۹

Marfat.com

بکریاں، کچھ سواریاں، یہ ساری کائنات تھی۔

فضل وکمال:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ خدمت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بڑے حاضر باش تھے، ہر وقت آپ کی خدمت میں رہتے اور آپ سے استفادہ اور تحصیل علم میں بڑے حریص تھے اور ہر چیز کے متعلق سوالات کیا کرتے تھے، چنانچہ تمام اصول وفروع، ایمان اور احسان، رویت باری، خدا کے نزدیک پسندیدہ کلمات، لیلۃ القدر وغیرہ ہر چیز، حتیٰ کہ نماز میں کنکری چھونے تک کے بارہ میں پوچھا۔[1] اسی ذوق وشوق اور تلاش وجستجو نے آپ کو علم کا دریا بنا دیا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ جو علم وعمل کے مجمع البحرین تھے، فرماتے تھے کہ ''ابوذر (رضی اللہ عنہ) نے اتنا علم محفوظ کر لیا ہے کہ لوگ اس کے حاصل کرنے سے عاجز تھے، اور اس تھیلی کو اس طرح سے بند کر دیا کہ اس میں کچھ بھی کم نہ ہوا۔[2] حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے صاحب کمال آپ کو علم میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے برابر سمجھتے تھے[3] جو اپنی وسعت علم کے لحاظ سے حبر الامۃ کہلاتے تھے۔

حدیث:

کلام حبیب ہونے ہونے کی حیثیت سے قدرۃً آپ کو حدیث سے خاص ذوق تھا، آپ کی مرویات کی تعداد ۲۸۱ ہے، ان میں ۱۲ متفق علیہ ہیں اور ۲ میں بخاری اور ۷ میں مسلم منفرد ہیں۔[4] یہ تعداد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کی مرویات کے مقابلہ میں بہت کم ہے، اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ خاموش، تنہائی پسند اور کم آمیز تھے، اس لیے ان کے علم کی اشاعت نہ ہو سکی، ورنہ صحابہ میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جیسے بزرگ ان سے استفادہ کرتے تھے، عام رواۃ میں خالد بن وہبان، زید بن وہب جہنی، خرشہ بن حر، جبیر بن احنیف بن قیس، عبداللہ بن صامت، زید بن ذبیان، عبداللہ بن شقیق

---

1 حلیۃ الاولیاء ابونعیم ص ۱۶۹ 2 استیعاب جلد ۲ ص ۶۶۵ وتذکرۃ الحفاظ ترجمہ ابوذر رضی اللہ عنہ

3 تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۵ 4 تہذیب الکمال ص ۴۴۹

Marfat.com

عمرو بن میمون، عبداللہ بن غنم، قیس بن عباد، مرثد بن مالک بن زبید وغیرہم نے ان سے روایتیں کی ہیں۔[1]

افتا میں صداقت:

آنحضرت ﷺ کے بعد مدینہ میں جو جماعت صاحب علم وافتا تھی، اس میں ان کا نام نامی بھی تھا[2] مگر ان کے فتاوے کی تعداد بہت کم ہے، فتویٰ میں وہ کسی کی مطلق رورعایت نہ کرتے اور بلا کسی خوف و ہراس کے جو سچی بات ہوتی وہ کہہ دیتے تھے، عہد عثمانی میں بعض محصلین صدقہ وصول کرنے میں زیادتی کرتے تھے، ایک شخص نے آ کر کہا ان سے فتویٰ پوچھا کہ ''عثمان (رضی اللہ عنہ) کے محصلوں نے صدقہ میں اضافہ کر دیا ہے، ایسی حالت میں کیا ہم بقدر زیادتی مال چھپا سکتے ہیں؟'' فرمایا نہیں ''ان سے کہو کہ جو واجبی ہو اس کو لے لیں اور جو ناجائز ہو، اس کو واپس کر دیں، اگر اس کے بعد بھی وہ زیادہ لیں تو قیامت کے دن وہ زیادتی تمہاری میزان میں کام آئے گی، ان کا یہ فتویٰ ایک قریشی نوجوان کھڑا سن رہا تھا، وہ بولا آپ کیوں فتویٰ دیتے ہیں؟ کیا آپ کو امیر المومنین نے فتویٰ دینے سے منع نہیں کیا ہے؟ فرمایا کیا تم میرے نگہبان ہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم میری گردن پر تلوار بھی رکھ دو اور مجھ کو یقین ہو جائے کہ گردن کٹنے کے قبل جو کچھ آنحضرت ﷺ سے سنا ہے سنا سکوں گا تو یقیناً سنا دوں گا۔[3]

اخلاق و عادات:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ان محرمان خاص میں تھے، جن کو بارگاہِ نبوت میں خاص تقرب حاصل تھا، اس لیے آپ کے ہر فعل و عمل پر خلق نبوی (ﷺ) کا بہت گہرا پرتو پڑا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں دو قسم کے لوگ تھے، ایک وہ جنہوں نے دین و دنیا دونوں کو پوری طرح حاصل کیا، دوسرے وہ جنہوں نے دنیا کو ٹھکرا دیا، اور محض آخرت کی نعمتوں پر قناعت کی،

---

1. تفصیل کے لیے دیکھو تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۹۰ 2. اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۱۱۳
3. تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۲

Marfat.com

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اسی دوسری صنف میں تھے' وہ زہد و ورع' حق گوئی وحق پرستی' توکل و قناعت' استغناء و بے نیازی میں تمام صحابہ سے ممتاز تھے' یہ وہ وقت تھا جب قیصر و کسریٰ کے خزانے دارالخلافہ میں لدے چلے آ رہے تھے' جگہ جگہ قصر و ایوان بن رہے تھے' عیش و تنعم کے سامان ہو رہے تھے مگران میں سے کوئی چیز بھی رضوان الٰہی کے اس طالب کو اپنی طرف متوجہ کر نہ سکی' زر و جواہر کے ڈھیر ان کی نگاہ میں خزف ریزوں سے زیادہ وقعت نہ رکھتے تھے' زر نقد کبھی جمع نہیں کیا' ضرورت سے جو فاضل بچتا' اس کو اسی وقت خرچ کر دیتے تھے' چار ہزار وظیفہ مقرر تھا' جب وہ ملتا تو خادم کو بلاتے اور ایک سال کے اخراجات کا اندازہ لگا کر چیزیں خرید لیتے اس سے جتنی رقم فاضل بچتی اس کو لوگوں میں تقسیم کر دیتے' اور فرماتے کہ جو شخص سونا چاندی تھیلیوں میں محفوظ رکھتا ہے' وہ گویا انگارے رکھتا ہے[1] یہ بھی فرماتے تھے کہ میرے دوست صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ جو شخص بھی سونا چاندی تھیلیوں میں محفوظ کرتا ہے' وہ جب تک اس کو خدا کی راہ میں نہ خرچ کر دے' اس کے لیے آگ کا انگارہ رہے گا[2] اس پر نہ صرف خود عامل تھے' بلکہ چاہتے تھے کہ دنیا اسی رنگ میں رنگ جائے اور اس عقیدے میں یہاں تک کہ متشدد تھے کہ بڑے لوگوں سے ملنا تک گوارا نہ کرتے' ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جو بڑے رتبہ کے صحابی اور مرتبہ میں آپ سے کم نہ تھے' جب عراق کی گورنری کے زمانہ میں ان سے ملے تو قدیم تعلقات کی بنا پر ان سے چمٹ گئے' انہوں نے کہا ''دور رہو'' وہ بھائی بھائی کہہ کر لپکتے تھے' اور وہ یہ کہہ کر ہٹاتے تھے کہ تم اس عہدہ کے بعد میرے بھائی نہیں رہے' اس کے بعد پھر ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ملے تو پھر محبت کے جذبہ سے مجبور ہو کر بھائی بھائی کہہ کر دوڑے' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا پھر وہی جواب تھا ''ابھی دور رہو''۔ اس کے بعد سوالات شروع کیے کہ تم لوگوں کے عامل بنائے گئے ہو' انہوں نے کہا ہاں' پوچھا تم نے بڑی عمارت تو نہیں بنائی' زراعت تو نہیں کرتے' گلے تو نہیں رکھتے' انہوں نے کہا نہیں' بولے ہاں اب تم میرے بھائی ہو۔[3]

---

[1] ابن سعد جزء ۴ قسم ۱ص ۱۶۹ [2] حلیۃ الاولیاء ابونعیم ج اول ۱۶۳

[3] ابن سعد جزء ۴ قسم ۱ص ۱۶۹

Marfat.com

ایک مرتبہ ابوذر رضی اللہ عنہ حضرت ابودرداء انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ ابودرداء رضی اللہ عنہ گھر بنوا رہے ہیں' یہ دیکھ کر کہا' ابودرداء تم لوگوں کی گردنوں پر پتھر اٹھواتے ہو' ابودرداء رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ نہیں' گھر بنوا رہا ہوں' ابوذر رضی اللہ عنہ نے پھر وہی فقرہ دہرایا' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا برادرم شاید اس سے آپ کو کچھ ناگواری پیدا ہوگئی ہے' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں تم کو اس کے بجائے تمہارے گھر کے پاخانہ میں بھی دیکھتا تو اس کے مقابلہ میں زیادہ پسند کرتا[1]

سادگی:

اس فقیرانہ زندگی کے باعث ان کی زندگی بالکل سادہ تھی اور ان چند چیزوں کے علاوہ جو ایک جاندار کی زندگی کے لیے ناگزیر ہیں' کبھی کوئی ساز و سامان نہیں رکھا' ابو مروان نے ان کو ایک پشمینہ کی چادر باندھے نماز پڑھتے دیکھا تو پوچھا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ کیا اس چادر کے علاوہ تمہارے پاس اور کوئی کپڑا نہیں؟ فرمایا اگر اور کوئی کپڑا ہوتا تو میرے پاس دیکھتے انہوں نے کہا کچھ دن ہوئے تمہارے پاس دو کپڑے تھے' فرمایا ہاں' مگر وہ دونوں اپنے سے زیادہ حاجت مند کو دے دیئے' انہوں نے کہا تم کو خود اس کی حاجت تھی' فرمایا خدا تم کو معاف کرے' تم دنیا کو بڑھانا چاہتے ہو' تم کو نظر نہیں آتا کہ ایک چادر میں باندھے ہوئے ہوں دوسری مسجد کے لیے ہے' میرے پاس کچھ بکریاں ہیں جن کا دودھ پیتا ہوں' کچھ خچر ہیں جو باربرداری کے کام آتے ہیں' ایک خادم کھانا پکا کر کھلا دیتا ہے اس سے زیادہ اور کیا نعمتیں درکار ہیں[2]

عبداللہ بن خراش کا بیان ہے کہ میں نے ربذہ میں ابوذر رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ سایہ میں ایک صوف کے نمدے پر بیٹھے تھے' ان کی بیوی بڑی سیاہ فام تھیں' ان سے ایک شخص نے کہا کہ آپ کی کوئی اولاد زندہ نہیں رہی' انہوں نے جواب دیا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے اس دار الفنا میں اولاد کو لے کر دار البقا میں اس کو ذخیرہ آخرت بنایا' لوگوں نے کہا کہ

---

[1] حلیۃ الاولیاء ابونعیم ج اوّل ص ۱۶۳ [2] ابن سعد جزو ۴ قسم ا ص ۱۷۳

Marfat.com

کاش آپ کوئی دوسری بیوی کر لیتے' انہوں نے جواب دیا کہ ایسی عورت سے شادی کرنا مجھے زیادہ پسند ہے جو مجھ میں تواضع پیدا کرے' بہ نسبت اس کے کہ جو مجھ میں ترفع پیدا کرے۔[1]

جعفر بن زبرقان کہتے ہیں کہ مجھ سے غالب بن عبدالرحمٰن بیان کرتے تھے کہ میں ایک شخص سے ملا جو ابوذر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیت المقدس میں نماز پڑھا کرتا تھا' وہ کہتا تھا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ کا پورا اثاث البیت جمع کیا جاتا تو بھی اس شخص (ایک شخص کی طرف اشارہ کرکے) کی چادر کی قیمت کے برابر نہ نکلتا' جعفر نے اس کو مہران بن میمون سے بیان کیا' انہوں نے کہا کہ میرے خیال میں ان کا کل اثاثہ دو درہم سے زیادہ کا نہ تھا۔[2]

لوگ ان کی خدمت کرنا چاہتے تھے' مگر وہ اس کو قبول نہ کرتے تھے' ایک مرتبہ حبیب ابن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ والی شام نے ان کی خدمت میں تین سو اشرفیاں بھیجیں کہ وہ ان کو اپنی ضروریات میں صرف کریں' انہوں نے اسی وقت واپس کرا دیا اور کہا کہ ان کو میرے علاوہ کوئی دوسرا شخص خدا کے معاملہ میں دھوکہ کھانے والا نہیں ملا' ہم کو صرف سر چھپانے کے لیے سایہ دودھ پینے کے لیے بکریاں اور خدمت کے لیے ایک لونڈی چاہیے' اس کے ماسوا جو کچھ ہوگا وہ زائد از ضرورت ہے۔[3]

آپ فرماتے تھے کہ لوگ موت کے لیے پیدا ہوتے ہیں' ویران ہونے کے لیے آبادیاں بساتے ہیں' فنا ہونے والی چیزوں کی حرص و طمع کرتے ہیں اور باقی اور پائندہ چیزوں کو چھوڑ دیتے ہیں' وہ ناپسندیدہ چیزیں موت اور فقر میرے لیے کس قدر خوش آئند ہیں۔[4]

زہد و تقویٰ:

ان کی زندگی شروع سے آخر تک سرتاپا زہد و تقویٰ تھی' جس پہلو پر نظر ڈالی جائے زہد و تقویٰ کا عجیب و غریب نمونہ نظر آئے گا' اس فقیرانہ زندگی کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] حلیۃ الاولیاء ابونعیم جلد اوّل ص ۱۶۳ [2] ابن سعد جزء ۴ قسم ۱ ص ۱۷۰

[3] حلیۃ الاولیاء ابونعیم ج ۱ ص ۱۶۲ [4] ایضاً ص ۱۶۲

Marfat.com

فرماتے تھے کہ ''میری اُمت میں سے ابوذر (رضی اللہ عنہ) میں عیسیٰ بن مریم علیہ السلام جیسا زہد ہے[1]
یہی زہد کی زندگی آخر دم تک قائم رہی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد نبوت کے بعد سے لوگوں میں بہت کچھ تبدیلی پیدا ہوگئی تھی' لیکن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ شروع سے اخیر تک ایک رنگ پر قائم رہے۔[2]

جب عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس دور ختم ہوا اور لوگ دنیا سے ملوث ہونے لگے تو تنہا نشینی اختیار کرلی' عمران بن حطان راوی ہیں کہ میں ایک مرتبہ ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا' وہ مسجد میں تنہا بیٹھے ہوئے تھے' میں نے کہا ابوذر (رضی اللہ عنہ) تنہائی کیوں اختیار کرلی' فرمایا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تنہائی برے ہم نشین سے بہتر ہے[3]۔اسی وجہ سے وہ دنیا سے بہت دور بھاگتے تھے' ابی اسماء رجبی راوی ہیں کہ میں ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس ربذہ گیا ان کی بیوی کو سخت خستہ حال دیکھا۔فرمانے لگے کہ یہ عورت مجھ سے کہتی ہیں کہ عراق جاؤ' اگر میں عراق جاؤں تو عراق والے میرے سامنے دنیا پیش کریں گے اور میرے دوست (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ سے فرمایا ہے کہ جہنم کے پل کے سامنے پیر پھسلانے والا راستہ ہے' اور تم لوگوں کو اس پر سے گزرنا ہے'' اس لیے بوجھ کی گراں باری سے ہلکا رہنا چاہیے۔[4]

فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پاس:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر لحہ پیش نظر رکھتے تھے' اور اس سے سر مو تجاوز نہ کرتے تھے' بات بات میں فرماتے تھے کہ **عهد الي خليلي رسول الله ﷺ** یا **سمعت خليلي رسول الله ﷺ**۔ میرے دوست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ وعدہ لیا ہے یا میں نے اپنے دوست صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا' ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امارت کی خواہش ظاہر کی' آپ نے فرمایا تم ناتواں ہو اور امارت ایسا بار امانت ہے کہ اگر اس کے حقوق کی پوری نگہداشت نہ کی جائے تو آخرت میں اس کے لیے رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہے۔[5]

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۱۸۷ و استیعاب تذکرہ ابوذر رضی اللہ عنہ [2] اصابہ ج ۷ ص ۶۲
[3] مستدرک ج ۳ ص ۳۴۳ [4] ابن سعد جز ۴ ق ا ص ۱۷۴ [5] ایضاً ص ۱۷۰

Marfat.com

اس فرمان کے بعد پھر انہوں نے کبھی امارت کی خواہش نہیں کی' ان کی خدمت میں کسی نے دو چادریں پیش کیں' انہوں نے ایک کا ازار بنایا اور ایک چھوٹی کملی اوڑھ لی اور دوسری غلام کو دے دی' گھر سے نکلے تو لوگوں نے کہا کہ اگر آپ دونوں چادریں خود استعمال کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا' فرمایا یہ صحیح ہے' لیکن میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جو تم کھاتے پہنتے ہو وہی اپنے غلاموں کو بھی کھلاؤ پہناؤ۔[1]

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جب تمہارے اوپر ایسے امراء حکمران ہوں گے جو اپنا حصہ زیادہ لیں گے' اس وقت تم کیا کرو گے "عرض کی تلوار سے کام لوں گا" فرمایا "میں تم کو اس سے بہتر مشورہ دیتا ہوں' ایسے وقت صبر کرنا' یہاں تک کہ مجھ سے مل جاؤ"[2] اس مشورہ پر انہوں نے اس سختی سے عمل کیا کہ جب وہ زمانہ آیا تو تنہا نشینی اختیار کر لی' اور کسی چیز میں کوئی حصہ نہیں لیا۔

ایک مرتبہ وہ مسجد میں لیٹے تھے کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور فرمایا "ابوذر رضی اللہ عنہ جب تم اس سے نکالے جاؤ گے تو کیا کرو گے؟" عرض کی "مسجد نبوی (ﷺ) یا اپنے گھر چلا جاؤں گا"۔ اگر اس سے بھی نکالے گئے تو کیا طریقہ اختیار کرو گے' عرض کی "تلوار نکالوں گا" آنحضرت ﷺ نے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ فرمایا کہ "ابوذر! خدا تمہاری مغفرت کرے' تلوار نہ نکالنا' بلکہ جہاں وہ لے جانا چاہیں چلے جانا"۔ چنانچہ جب ربذہ میں رہنے کا حکم ملا تو اس فرمان کے مطابق بلا کسی عذر کے چلے گئے اور وہاں حبشی غلام کے پیچھے نماز پڑھی' ہر چند اس نے آپ کو بڑھانا چاہا مگر آپ نے جواب دیا کہ میں آنحضرت ﷺ کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔[3]

حبِ رسول ﷺ:

ابوذر رضی اللہ عنہ کو ذات نبوی ﷺ کے ساتھ جو شیفتگی تھی' اس کا اظہار لفظوں میں نہیں ہو سکتا' ایک مرتبہ آپ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا' یا رسول اللہ ﷺ! آدمی کسی ایک

---

[1] ابن سعد جز ۴ ق ا ص ۱۷۰۔ [2] ابن سعد جز ۴ ق ا ص ۱۶۶۔
[3] مسند ابن حنبل ج ۵ ص ۱۴۴ و ابن سعد۔

Marfat.com

جماعت سے محبت کرتا ہے، لیکن اس کے جیسے اعمال کی طاقت نہیں رکھتا، آپ نے فرمایا "ابوذر (رضی اللہ عنہ) تم جس شخص سے محبت رکھتے ہو اس کے ساتھ ہو"۔ عرض کیا میں خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں، فرمایا تم یقیناً اسی کے ساتھ ہو، جس سے محبت رکھتے ہو۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب آپ کا نام زبان پر آجاتا تو آنسوؤں کا دریا امنڈ آتا، احنف بن قیس روایت کرتے ہیں کہ میں نے بیت المقدس میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ مسلسل سجدے کر رہا ہے، جس سے میرے دل پر ایک خاص اثر ہوا، جب میں دوبارہ لوٹ کر گیا تو پوچھا کہ آپ بتا سکتے ہیں کہ میں نے جفت نماز پڑھی یا طاق، اس نے کہا اگر میں لاعلم ہوں تو خدا ضرور جانتا ہے، اس کے بعد کہا کہ "میرے دوست ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو خبر دی ہے"۔ صرف اس قدر زبان سے نکلا تھا کہ رونے لگے، پھر کہا کہ "میرے دوست ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو خبر دی ہے"۔ ابھی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ پھر آنسو امنڈ آئے، آخر میں سنبھل کر کہا کہ "میرے دوست ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو بندہ خدا کا سجدہ کرتا ہے، خدا اس کا ایک درجہ بلند کر کے اس کی بدی کو مٹا کر نیکی لکھتا ہے، میں نے پوچھا آپ کون ہیں، فرمایا "ابوذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی" یہ سن کر میں اپنی تقصیر پر بہت نادم ہوا۔[2]

بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پذیرائی:

حریم نبوت میں ان کی یہ نیاز مندیاں بہت مقبول تھیں، جب یہ مجلس میں موجود ہوتے تو سب سے پہلے ان ہی کو تخاطب کا شرف حاصل ہوتا اور اگر موجود نہ ہوتے تو تلاش ہوتی، جب ملاقات ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مصافحہ فرماتے۔[3]

یہ محبت و یگانگت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اسرار تک ان سے نہ چھپاتے تھے اور یہ بھی راز داری کا پوری طرح فرض ادا کرتے تھے ایک مرتبہ ان سے کسی نے کہا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض باتیں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں، فرمایا "اگر

---

[1] ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۱۲ [2] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۶۴ [3] اصابہ جلد ۵ ص ۶۲

Marfat.com

آپ کا کوئی راز ہوگا تو نہ بتاؤں گا''۔[1]

یہی یگانگت آنحضرت ﷺ کے آخری لمحہ حیات تک قائم رہی، چنانچہ مرض الموت میں آپ نے ان کو بلوا بھیجا، یہ جب حاضر خدمت ہوئے، اس وقت آنحضرت ﷺ لیٹے ہوئے تھے، ابوذر رضی اللہ عنہ آپ کے اوپر جھک گئے اور محبوبِ عالم ﷺ نے ہاتھ بڑھا کر چمٹا لیا[2] نہ معلوم یہ نگاہِ واپسیں کیا کام کرگئی کہ آخر دم تک وارفتگی کا عالم طاری رہا۔

آنحضرت ﷺ جو چیز اپنے لیے پسند فرماتے تھے وہی ابوذر رضی اللہ عنہ کے لیے بھی پسند فرماتے تھے کہ یہی آئین محبت ہے، ایک مرتبہ انہوں نے امارت کی خواہش کی آپ نے فرمایا کہ ''ابوذر رضی اللہ عنہ تم ناتواں ہو اور میں تمہارے لیے وہی چیز پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں''۔[3]

خلیفہ کی اطاعت:

اگرچہ ابوذر رضی اللہ عنہ حق پسند طبیعت رکھتے تھے، پھر بھی اختلاف امت کے خیال سے کسی چیز میں خلیفہ وقت کے حکم سے سرتابی نہ کرتے تھے اوپر گزر چکا ہے کہ ربذہ کے قیام کے زمانہ میں عراقیوں کی خواہش کے باوجود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت پر آمادہ نہ ہوئے اور فرمایا کہ اگر مجھ پر حبشی بھی امیر بنایا جائے تو بھی اس کی اطاعت کروں گا اور اس کو عملاً کر کے دکھایا، چنانچہ جب وہ ربذہ جا کر مقیم ہوئے تو اتفاق سے اس وقت یہاں کا امیر ایک حبشی تھا جب ابوذر رضی اللہ عنہ پہنچے اور نماز کے وقت جماعت کھڑی ہوئی تو وہ ان کے ادب کے خیال سے پیچھے ہٹ گیا، انہوں نے فرمایا ''تم ہی نماز پڑھاؤ، تم گو حبشی غلام ہو، لیکن مجھ کو حکم ملا ہے کہ خواہ حبشی ہی امیر کیوں نہ ہو، مگر اس کی اطاعت کرنا'' خلیفہ وقت کا عمل خواہ ان کے نزدیک غلط ہی کیوں نہ ہوتا، اس کی مخالفت نہ کرتے تھے، بلکہ خود بھی وہی کرتے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حج کو گئے، کسی نے آ کر اطلاع دی کہ منیٰ میں عثمان رضی اللہ عنہ نے چار رکعتیں نماز پڑھیں، آپ کو بہت ناگوار ہوا اور درست الفاظ

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۶۲ [2] ایضاً [3] ابن سعد جزو ۴ قسم اول ص ۱۷۰

Marfat.com

استعمال کر کے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ ' ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نماز پڑھی ہے یہ سب دو رکعت پڑھتے تھے۔اس کے بعد انہوں نے امامت کی' مگر خود بھی چار رکعتیں پڑھائیں' لوگوں نے کہا آپ نے امیر المومنین پر اعتراض کیا' لیکن خود بھی چار رکعتیں پڑھائیں۔فرمایا کہ اختلاف بری چیز ہے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد امرا ہوں گے' ان کی تذلیل نہ کرنا اور جو شخص ان کی تذلیل کا ارادہ کرے گا' اس نے گویا اسلام کی حبل متین اپنی گردن سے نکال دی اور توبہ کا دروازہ اپنے لیے بند کر لیا[1] لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ آپ امرا و خلفاء کی تمام جا و بیجا باتوں کو مان لیتے تھے' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی لغزشوں پر نہایت سختی سے نکتہ چینی کرتے تھے' بلکہ برا بھلا تک کہتے تھے۔

حق گوئی:

خدا کے معاملہ میں لومۃ لائم کی مطلق پروا نہ کرتے تھے' حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ آج میرے اور ابوذر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی ایسا شخص باقی نہیں ہے جو خدا کے معاملہ میں لومۃ الائم کا خوف نہ کرتا ہو[2] ان کی حق گوئی کی شہادت خود زبان وحی والہام نے دی ہے' چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر ابوذر رضی اللہ عنہ سے زیادہ سچا کوئی نہیں ہے۔[3]

فیاضی:

اس تحقیر دنیا کا لازمی نتیجہ سیر چشمی اور فیاضی تھا' ان کو سالانہ وظیفہ کافی ملتا تھا' لیکن اپنی محدود ضروریات کے علاوہ جس قدر بچتا تھا لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے' اگر کوئی کہتا کہ اس کو رکھ لیجئے' آپ کے اور آپ کے مہمانوں کے کام آئے گا تو فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص سونا چاندی جمع کرتا ہے' وہ گویا انگارے جمع کرتا ہے' جب تک اس کو راہِ خدا میں صرف نہ کر دے۔[4]

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۶۵ [2] تذکرۃ الحفاظ تذکرۂ ابوذر رضی اللہ عنہ [3] ترمذی مناقب ابی ذر رضی اللہ عنہ
[4] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۵۶

Marfat.com

مہمان نوازی اور حق جوار:

آپ کی غذا زیادہ تر بکریوں کا دودھ تھا' لیکن اس میں بھی مہمانوں اور پڑوسیوں کو شریک کرتے تھے' عمیلہ فزاری روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے ایک شخص اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتا تھا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ دودھ دوھ کر پہلے مہمانوں اور پڑوسیوں کو پلاتے تھے' ایک مرتبہ دودھ اور کھجوریں لے کر پڑوسیوں اور مہمانوں کے سامنے پیش کر کے معذرت کرنے لگے کہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے' اگر ہوتا تو پیش کرتا' چنانچہ جو کچھ تھا سب دوسروں کو کھلا دیا' اور خود بھوکے سو رہے۔[1]

خوش اخلاقی:

عموماً زہاد متقشفین کے مزاج میں ایک طرح کی خشکی ہوتی ہے لیکن مسیح اسلام کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی' ان کا اخلاق بدویوں تک کو مسحور کر لیتا تھا' ایک بدوی کا بیان ہے کہ میں ابوذر کے ساتھ رہا ہوں' ان کی تمام اخلاقی خوبیاں تعجب انگیز تھیں۔[2]

وہ جن اخلاقی اصول پر عمل پیرا تھے ان کو خود سناتے تھے کہ ''میرے دوست (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے سات وصیتیں کی ہیں' مسکین کی محبت اور ان سے ملنا جلنا' اپنے سے کمتر کو دیکھنا اور بلندتر کو نہ دیکھنا' کسی سے سوال نہ کرنا' صلہ رحمی کرنا' حق بولنا' خواہ تلخ ہی کیوں نہ ہو' خدا کے معاملہ میں کسی کی ملامت کا خوف نہ کرنا' لاحول ولاقوۃ کا ورد کثرت سے کرنا۔[3]

---

[1] ابن سعد ج ۴ ص ۱۷۴ [2] ایضاً ص ۱۷۴ [3] ابن سعد ج ۴ ق اول ص ۱۶۸

Marfat.com

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

نسبی تعلق اصفہان کے آب الملک کے خاندان سے تھا' مجوسی نام مابہ تھا' اسلام کے بعد سلمان رکھا گیا اور بارگاہ نبوت سے سلمان الخیر لقب ملا' ابوعبداللہ کنیت ہے سلسلہ نسب یہ ہے' مابہ ابن بوذخشان بن مورسلان بن بہیودان بن فیروز بن سہرک۔

قبل اسلام:

آپ کے والد اصفہان کے ''جی'' نامی قریہ کے باشندہ اور وہاں کے زمیندار و کاشت کار تھے' ان کو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے اس قدر محبت تھی کہ ان کو لڑکیوں کی طرح گھر کی چار دیوار سے نکلنے نہ دیتے تھے' آتش کدہ کی دیکھ بھال ان ہی کے متعلق کر رکھی تھی' چونکہ مذہبی جذبہ ان میں ابتدا سے تھا' اس لیے جب تک آتش پرست رہے اس وقت تک آتش پرستی میں سخت غلو رہا' اور نہایت سخت مجاہدات کیے' شب و روز آگ کی نگرانی میں مشغول رہتے تھے' حتیٰ کہ ان کا شمار ان پجاریوں میں ہو گیا تھا' جو کسی وقت آگ کو بجھنے نہیں دیتے ہیں۔

مجوسیت سے نفرت اور عیسائیت کا میلان:

ان کے والد کا ذریعہ معاش زمین تھی' اس لیے زراعت کی نگرانی وہ بذات خود کرتے تھے' ایک دن وہ گھر کی مرمت میں مشغولیت کی وجہ سے کھیت خود نہ جا سکے اور اس کی دیکھ بھال کے لیے سلمان کو بھیج دیا' ان کو راستہ میں ایک گرجا ملا' اس وقت اس میں عبادت ہو رہی تھی' نماز کی آواز سن کر دیکھنے کے لیے گرجے میں چلے گئے نماز کے نظارہ سے اُن کے دل پر خاص اثر ہوا' اور مزید حالات کی جستجو ہوئی اور عیسائیوں کا طریقہ عبادت اس قدر بھایا کہ بے ساختہ زبان سے نکل گیا کہ ''یہ مذہب ہمارے مذہب سے

Marfat.com

بہتر ہے"۔ چنانچہ کھیتوں کا خیال چھوڑ کر اسی میں محو ہو گئے' عبادت ختم ہونے کے بعد عیسائیوں سے پوچھا کہ اس مذہب کا سرچشمہ کہاں ہے' انہوں نے کہا شام میں' پتہ پوچھ کر گھر واپس آئے۔ باپ نے پوچھا اب تک کہاں رہے' جواب دیا "کچھ لوگ گرجے میں عبادت کر رہے تھے مجھ کو ان کا طریقہ ایسا بھلا معلوم ہوا کہ غروب آفتاب تک وہیں رہا" باپ نے کہا "وہ مذہب تمہارے مذہب کا پاسنگ بھی نہیں" جواب دیا "بخدا وہ مذہب ہمارے مذہب سے کہیں برتر ہے" اس جواب سے ان کے باپ کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں یہ خیال تبدیل مذہب کی صورت میں نہ ظاہر ہو' اس لیے بیڑیاں پہنا کر مقید کر دیا' مگر ان کے دل میں تلاش حق کی تڑپ تھی' اس لیے عیسائیوں کے پاس کہلا بھیجا کہ جب شام کے تاجر آئیں تو مجھ کو اطلاع دینا' چنانچہ جب وہ آئے تو ان کو خبر دی' انہوں نے کہا جب واپس ہوں تو مجھ کو بتانا' چنانچہ جب کاروانِ تجارت لوٹنے لگا تو ان کو خبر کی گئی' یہ بیڑیوں کی قید سے نکل کر ان کے ساتھ ہو گئے' شام پہنچ کر دریافت کیا کہ یہاں سب سے بڑا مذہبی شخص کون ہے' لوگوں کے بشپ کا پتہ دیا' اس سے جا کر کہا "مجھ کو تمہارا مذہب بہت پسند ہے' اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس رہ کر مذہبی تعلیم حاصل کروں' اور مجھ کو اس مذہب میں داخل کر لو۔"

تبدیلی مذہب:

چنانچہ مجوسیت کے آتش کدہ سے نکل کر "آسمانی بادشاہت" کی پناہ میں آ گئے' مگر یہ بشپ بڑا بد اعمال اور بد اخلاق تھا' لوگوں کو صدقہ کرنے کی تلقین کرتا' جب وہ دیتے تو اس کو فقراء اور مساکین میں تقسیم کرنے کے بجائے خود لے لیتا' اس طریقہ سے اس کے پاس سونے اور چاندی کے سات مٹکے جمع ہو گئے' حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اس کی حرص و آز کو دیکھ دیکھ کر پیچ و تاب کھاتے تھے' مگر زبان سے کچھ نہ کہہ سکتے تھے' اتفاق سے وہ مر گیا' عیسائی شان و شوکت کے ساتھ اس کی تجہیز و تکفین کرنے کو جمع ہوئے' اس وقت انہوں نے اس کا سارا اعمال نامہ لوگوں کے سامنے کھول کر رکھ دیا' لوگوں نے پوچھا' تم کو کیسے معلوم

Marfat.com

ہوا' انہوں نے ان کو لے جا کر اندوختہ خزانہ کے پاس کھڑا کر دیا' تلاشی لی تو واقعی سات مٹکے سونے چاندی سے بھرے ہوئے برآمد ہوئے' عیسائیوں نے اس کی سزا میں نعش دفن کرنے کے بجائے صلیب پر لٹکا کر سنگسار کی' اس کی جگہ دوسرا بشپ مقرر ہوا' یہ بڑا عابد و زاہد اور تارک الدنیا تھا' شب و روز عبادت الٰہی میں مشغول رہتا تھا' اس لیے سلمان رضی اللہ عنہ اس سے بہت مانوس ہو گئے اور دلی محبت کرنے لگے' اور آخر تک اس کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہے' جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس سے کہا میں آپ کے پاس عرصہ تک نہایت لطف و محبت کے ساتھ رہا' اب آپ کا وقت آخر ہے اس لیے آئندہ کے لیے مجھ کو کیا ہدایت ہوتی ہے' اس نے کہا میرے علم میں کوئی ایسا عیسائی نہیں ہے جو مذہب عیسوی کا سچا پیرو ہو' سچے لوگ مر کھپ گئے اور موجودہ عیسائیوں نے مذہب کو بہت کچھ بدل دیا ہے اور بہتیرے اصول تو سرے سے چھوڑ ہی دیئے ہیں' ہاں موصل میں فلاں شخص دین حق کا سچا پیرو ہے' تم جا کر اس سے ملاقات کرو۔

موصل کا سفر:

چنانچہ اس بشپ کی موت کے بعد حق کی جستجو میں وہ موصل پہنچے اور تلاش کر کے اس سے ملے اور پورا واقعہ بیان کیا کہ فلاں پادری نے مجھ کو ہدایت کی تھی کہ آپ کے یہاں ابھی تک حق کا سرچشمہ ابلتا ہے اور میں آپ سے مل کر اپنی تشنگی فرو کروں' اس نے ان کو ٹھہرا لیا' پہلے پادری کے بیان کے مطابق یہ پادری درحقیقت بڑا متقی اور پاکباز تھا' اس لیے سلمان رضی اللہ عنہ نے آئندہ کے متعلق اس سے بھی وصیت کی خواہش کی' اس نے نصیبین میں ایک شخص کا پتہ بتایا۔

نصیبین کا سفر:

چنانچہ اس کی موت کے بعد وہ نصیبین پہنچے اور پادری سے مل کر دوسرے پادری کی وصیت بتائی' یہ اسقف بھی پہلے دونوں اسقفوں کی طرح بڑا عابد و زاہد تھا سلمانؓ یہاں مقیم ہو کر اس سے روحانی تسکین حاصل کرنے لگے' ابھی کچھ ہی دن اس کی صحبت سے فیض

Marfat.com

اٹھایا تھا کہ اس کا وقت بھی آ پہنچا' حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے گذشتہ اسقفوں کی طرح اس سے بھی آئندہ کے متعلق مشورہ طلب کیا' اس نے عموریہ میں گوہر مقصود کا پتہ بتایا۔

عموریہ کا سفر:

چنانچہ اس کی موت کے بعد انہوں نے عموریہ کا سفر کیا اور وہاں کے اسقف سے مل کر پیام سنایا اور اس کے پاس مقیم ہو گئے' کچھ بکریاں خرید لیں' ان سے مادی غذا حاصل کرتے تھے' اور صبر وشکر کے ساتھ روحانی غذا اسقف سے حاصل کرنے لگے' جب اس کا پیمانہ حیات بھی لبریز ہو گیا' تو حضرت سلمان نے اس کو اپنی پوری سرگزشت سنائی کہ اتنے مراتب طے کرتا ہوا آپ کے پاس پہنچا تھا' آپ بھی آخرت کا سفر کرنے کو آمادہ ہیں' اس لیے میرا کوئی سامان کرتے جائیے' اس نے کہا بیٹا! میں تمہارے لیے کیا ساماں کروں' آج دنیا میں کوئی شخص ایسا باقی نہیں ہے' جس سے ملنے کا تم کو مشورہ دوں' البتہ اب اس نبی کے ظہور کا زمانہ قریب ہے' جو ریگستان عرب سے اٹھ کر دین ابراہیم کو زندہ کرے گا اور کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کرے گا' اس کی علامات یہ ہیں کہ وہ ہدیہ قبول کرے گا اور صدقہ اپنے لیے حرام سمجھے گا' اس کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہو گی' اگر تم اس سے مل سکو تو ضرور ملنا۔

اسقف کی بشارت اور عرب کا سفر:

اس اسقف کے مرنے کے بعد سلمانؓ عرصہ تک عموریہ میں رہے' کچھ دنوں بعد بنو کلب کے تاجر ادھر سے گزرے' سلمانؓ نے ان سے کہا کہ اگر تم مجھ کو عرب پہنچا دو تو میں اپنی گائیں اور بکریاں تمہاری نذر کر دوں گا' وہ لوگ تیار ہو گئے' اور زبانِ حال سے یہ شعر

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ　　پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

پڑھتے ہوئے ساتھ ہو لیے۔

غلامی:

لیکن ان عربوں نے وادی القریٰ میں پہنچ کر دھوکا دیا' اور ان کو ایک یہودی کے

Marfat.com

ہاتھ غلام بنا کر فروخت کر ڈالا مگر یہاں کھجور کے درخت نظر آئے، جس سے یہ تو آس بندھی کہ شاید یہی وہ منزل مقصود ہو جس کا اسقف نے پتہ دیا تھا، تھوڑے دن ہی قیام کیا تھا کہ یہ امید بھی منقطع ہوگئی، آقا کا چچا زاد بھائی مدینہ سے ملنے آیا، اس نے سلمان رضی اللہ عنہ کو اس کے ہاتھ بیچ دیا۔

غلامی اور مدینہ کا سفر:

وہ اپنے ساتھ مدینہ لے چلا اور سلمان غلامی در غلامی سہتے ہوئے مدینہ پہنچے، ہاتف غیب تسکین دے رہا تھا کہ یہ غلامی نہیں ہے۔

اسی سے ہوگی ترے غم کدہ کی آبادی ترى غلامی کے صدقے ہزار آزادی

درحقیقت اس غلامی پر جو کسی کی آستانِ ناز تک پہنچانے کا ذریعہ بن جائے ہزاروں آزادیاں قربان ہیں، جوں جوں محبوب کی منزل قریب ہوتی جاتی تھی، کشش بڑھتی جاتی تھی، اور آثار و علامات بتاتے تھے کہ شاید مقصود کی جلوہ گاہ یہی ہے، اب ان کو پورا یقین ہوگیا اور دیدار جمال کی آرزو میں یہاں دن کاٹنے لگے۔

اس وقت آفتاب رسالت مکہ پر پرتو افگن ہو چکا تھا، لیکن جور وستم کے بادلوں میں چھپا تھا، سلمان رضی اللہ عنہ کو آقا کی خدمت سے اتنا وقت نہ ملتا تھا کہ خود اس کا پتہ لگاتے، آخر انتظار کرتے کرتے وہ یوم مسعود بھی آ گیا کہ مکہ کا آفتاب عالم تاب مدینہ کے افق پر طلوع ہوا، حرمان نصیب سلمان رضی اللہ عنہ کی شب ہجر تمام ہوئی اور صبح امید کا اجالا پھیلا، یعنی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے، سلمان رضی اللہ عنہ کھجور کے درخت پر چڑھے کچھ درست کر رہے تھے، آقا نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے چچا زاد بھائی نے آ کر کہا خدا بنی قیلہ کو غارت کرے سب کے سب قبا میں ایک شخص کے پاس جمع ہیں جو مکہ سے آیا ہے۔ لوگ اس کو نبی سمجھتے ہیں، سلمان رضی اللہ عنہ کے کانوں تک اس خبر کا پہنچنا تھا کہ یارائے ضبط باقی نہ رہا، صبر وشکیب کا دامن چھوٹ گیا، بدن میں سنسناہٹ پیدا ہوگئی اور قریب تھا کہ کھجور کے درخت پر سے فرش زمین پر آ جائیں، اسی مدہوشی میں جلد از جلد درخت سے نیچے اترے اور بدحواسی میں بے تحاشا پوچھنے لگے'' تم کیا کہتے ہو'' آقا نے اس سوال پر گھونسہ

Marfat.com

مار کر ڈانٹا کہ تم کو اس سے کیا غرض، تم اپنا کام کرو، اس وقت سلمان رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔

اسلام:

لیکن اب صبر کسے تھا، کھانے کی چیزیں پاس تھیں، ان کو لے کر دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میں نے سنا ہے کہ آپ خدا کے برگزیدہ بندے ہیں اور کچھ غریب الدیار اور اہل حاجت آپ کے ساتھ ہیں، میرے پاس چیزیں صدقہ کے لیے رکھی تھیں، آپ لوگوں سے زیادہ اس کا کون مستحق ہو سکتا ہے'' اس کو قبول فرمائیے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے لوگوں کو کھانے کا حکم دیا، مگر خود نوش نہ فرمایا، اس طریقہ سے سلمان رضی اللہ عنہ کو نبوت کی ایک علامت کا مشاہدہ ہو گیا کہ وہ صدقہ نہیں قبول کرتا، دوسرے دن پھر ہدیہ لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ نے صدقہ کی چیزیں نہیں نوش فرمائی تھیں، آج ہدیہ قبول فرمائیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ قبول کیا، خود بھی نوش فرمایا اور دوسروں کو بھی دیا، اسی طریقہ سے دوسری نشانی یعنی مہر نبوت کی بھی زیارت کی اور باچشم پرنم آپ کی طرف بوسہ دینے کو جھکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سامنے آؤ، سلمان نے سامنے آ کر ساری سرگزشت سنائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دلچسپ داستان اتنی پسند آئی کہ اپنے تمام اصحاب کو سنوائی۔

اسلام:

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اتنے مرحلوں کے بعد دین حق سے ہم آغوش ہوئے اور گوہر مقصود سے دامن بھر کر آقا کے گھر واپس آئے۔

آزادی:

غلامی کی مشغولیت کے باعث فرائض مذہبی ادا نہ کر سکتے تھے جس کی بنا پر غزوۂ بدر و احد میں شریک نہ ہو سکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آقا کو معاوضہ دے کر آزادی حاصل کر لو، تین سو کھجور کے درختوں اور چالیس اوقیہ سونے پر معاملہ طے ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں سے سفارش فرمائی کہ اپنے بھائی کی مدد کرو، سب نے حسب حیثیت کھجور کے درخت دیئے، اس طریقہ سے تین سو درخت ان کو مل گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے انہوں نے ان کو بٹھایا اور زمین وغیرہ ہموار کر کے ایک شرط

Marfat.com

پوری کر دی' سونے کی آدائیگی کا سامان خدا نے اس طرح کر دیا کہ آنحضرت ﷺ کو کسی غزوہ میں مرغی کے انڈے کے برابر سونا مل گیا' آپ نے سلمان رضی اللہ عنہ کو دے دیا' یہ وزن میں ٹھیک چالیس اوقیہ تھا' اس لیے گلو خلاصی حاصل کی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہنے لگے۔[1]

مواخاۃ:

غلامی سے آزادی کے بعد مسلمانوں ساتھ رہنے لگے' اس وقت بالکل غریب الدیار تھے' کوئی شناسا نہ تھا' آنحضرت ﷺ نے مکی مہاجرین کی طرح ان کی ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مواخاۃ کرادی۔[2]

غزوات:

بدر واحد کی لڑائیاں ان کی غلامی کے زمانہ میں ختم ہو چکی تھیں' آزادی کے بعد پہلا غزوہ خندق پیش آیا' اس میں انہوں نے اپنے حسن تدبیر سے پہلی دونوں لڑائیوں کی عدم شرکت کی تلافی کر دی' غزوہ خندق میں تمام عرب کا ٹڈی دل اس ارادہ سے امنڈ آیا تھا کہ مسلمانوں کا کامل استیصال کر دے اور حملہ خود مدینہ پر تھا' جس کی کسی سمت نہ قلعہ تھا' نہ فصیل تھی' مقابلہ بڑا سخت تھا' ایک طرف قبائل عرب کا عظیم الشان متحدہ لشکر تھا' دوسری طرف مٹھی بھر مسلمان تھے' آنحضرت ﷺ نے عام مسلمانوں سے مشورہ کیا' سلمان فارسیؓ چونکہ ایران کی صف آرائیاں دیکھے ہوئے تھے' اس لیے جنگی اصولوں سے اچھی طرح واقف تھے' انہوں نے مشورہ دیا کہ اس انبوہ کا کھلے میدان میں مقابلہ کرنا مناسب نہیں ہے' مدینہ کے چاروں طرف خندقیں کھود کر شہر کو محفوظ کر دینا چاہیے' یہ تدبیر مسلمانوں کو بہت پسند آئی[3] اور اس پر عمل کیا گیا خندق کی کھودائی میں آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس شریک تھے اور مٹی ڈھوتے ڈھوتے شکم مبارک مٹی سے اٹ گیا تھا' اور رجزیہ اشعار زبان پر

---

[1] قبل از اسلام سے آزدی تک کے کل حالات مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۱ تا ۴۴ کی مختلف روایات سے ماخوذ ہیں اور ان کو لکھ دیا گیا ہے۔ [2] بخاری جلد ۲ ص ۸۹۸ [3] ابن سعد جزء ۴ قسم ۱ ص ۴۷

Marfat.com

جاری تھے[1] ذیقعدہ ۵ ھ میں طرفین میں جنگ شروع ہوئی' عربوں کو اس طریقہ جنگ سے واقفیت نہ تھی' وہ اس ارادے سے آئے تھے کہ مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے' مگر یہاں آ کر دیکھا کہ ان کے اور مدینہ کے بیچ میں خندق کی فصیل ہے ۲۱، ۲۲ دن تک مسلسل محاصرہ قائم رہا' مگر شہر تک پہنچنا ان کو نصیب نہ ہوا اور آخر کار ناکام لوٹ گئے۔

خندق کے علاوہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ تمام لڑائیوں میں شریک رہے[2]۔ اور غزوہ خندق کے بعد سے کوئی غزوہ ایسا نہیں ہوا' جس میں شریک ہو کر دادِ شجاعت نہ دی ہو۔[3]

عہد صدیقی اور عراق:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرصہ تک حضرت سلمان رضی اللہ عنہ مدینہ میں رہے اور غالباً عہد صدیقی کے آخر یا عہد فاروقی کی ابتدا میں انہوں نے عراق کی اور ان کے اسلامی بھائی ابو درداء رضی اللہ عنہ نے شام کی سکونت اختیار کر لی' یہاں اقامت کے بعد ابو درداء رضی اللہ عنہ کو خدا نے مال و اولاد سے بہت نوازا' انہوں نے سلمان رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ "تم سے چھٹنے کے بعد خدا نے مجھ کو مال و دولت اور ال و عیال سے سرفراز کیا' اور ارض مقدس کی سکونت کا شرف حاصل ہوا" انہوں نے جواب دیا کہ "یاد رکھو مال و اولاد کی کثرت میں کوئی بھلائی نہیں ہے' بھلائی اس میں ہے کہ تمہارا حلم زیادہ ہو اور تمہارا علم تم کو نفع پہنچائے' محض ارض مقدس کا قیام کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا' جب تک تمہارا عمل اس قابل نہ ہو اور عمل بھی اس طرح ہو کہ گویا خدا تم کو دیکھ رہا ہے اور تم اپنے کو مردہ سمجھو۔[4]

عہد فاروقی:

سلمان رضی اللہ عنہ ایران کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور چونکہ خود ایرانی تھے اس لیے فتوحات میں بہت قیمتی امداد پہنچائی' مگر اصول اسلام کو ہمیشہ پیش نظر رکھا' ایک ایرانی قصر کے محاصرہ کے وقت حملے سے پیشتر محصورین کو سمجھا دیا کہ میں بھی تمہارا ہم قوم

---

[1] بخاری ج ۲ کتاب المغازی غزوۂ خندق [2] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۴

[3] اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۳۰ [4] اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۳۱

Marfat.com

تھا' لیکن خدا نے مجھ کو اسلام سے نوازا۔ تم لوگ اسلام لا کر ہجرت کر کے ہم میں مل جاؤ تو تم کو اہل عرب کے حقوق دیئے جائیں گے' اور جو قانون ان کے لیے ہے وہی تم پر جاری کیا جائے گا اور اگر اسلام نہیں قبول کرتے اور صرف جزیہ منظور کرتے ہو تو ذمیوں کے حقوق تم کو ملیں گے اور ان کا قانون پر نافذ کیا جائے گا' تین دن تک برابر تبلیغ کا فرض ادا کرتے رہے' جب اس کا کوئی اثر نہ ہوا تو حملہ کا حکم دیا اور مسلمانوں نے قصر مذکور بزور شمشیر فتح کر لیا۔[1]

فتح جلولا میں بھی شریک تھے اور وہاں مشک کی ایک تھیلی ہاتھ آئی تھی' جو وفات کے وقت کام میں لائے۔[2]

گورنری:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدائن کی حکومت پر سرفراز تھے' اس کی تفصیل آئندہ عادات واخلاق کے تذکرہ میں آئے گی۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ مقربین بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تھے' اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کا بہت احترام کرتے تھے' ایک دفعہ سلمان رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اس وقت وہ ایک گدے پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے' سلمان رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر گدا ان کی طرف بڑھا دیا۔[3]

علالت:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بیمار پڑے' سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عیادت کو گئے' سلمان رضی اللہ عنہ رونے لگے' سعد رضی اللہ عنہ نے کہا' ابو عبداللہ رونے کا کونسا مقام ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تم سے خوش دنیا سے گئے' تم ان سے حوضِ کوثر پر ملو گے' بچھڑے ہوئے ساتھیوں سے ملاقات ہوگی' کہا خدا کی قسم میں موت سے نہیں گھبراتا اور نہ دنیا کی حرص باقی ہے' رونا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد کیا تھا کہ ہمارا دنیاوی ساز و سامان ایک مسافر کے زادِ راہ سے زیادہ نہ ہونا چاہیے' حالانکہ میرے گرد اس قدر سانپ (اسباب) جمع ہیں'

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۴۱ [2] ابن سعد جزو ۴ ق ا ص ۶۶

[3] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۵۹

Marfat.com

سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کل سامان جس کو سانپ سے تعبیر کیا تھا' ایک بڑے پیالے' ایک لگن اور ایک تسلہ سے زیادہ نہ تھا' اس کے بعد سعد نے خواہش کی کہ مجھ کو کوئی نصیحت کیجئے' فرمایا کہ کسی کام کا قصد کرتے وقت' فیصلہ کرتے وقت' تقسیم کرتے وقت خدا کو یاد رکھا کرو۔[1]

اسی بیماری کے دوران میں اور احباب نے بھی نصیحت و وصیت کی خواہش کی' فرمایا تم میں سے جس سے ہو سکے اس کی کوشش کرے کہ وہ حج' عمرہ' جہاد یا قرآن پڑھتے ہوئے جان دے اور فسق و فجور اور خیانت کی حالت میں نہ مرے۔[2]

وقت آخر ہوا تو اپنی بیوی سے وہی مشک کی تھیلی منگائی اور اپنے ہاتھ سے پانی گھول کر اپنے چاروں طرف چھڑکوایا' اور سب کو اپنے پاس سے ہٹا دیا' جب لوگ تھوڑی دیر کے بعد گئے تو دیکھا کہ مرغ روح قفس خاکی سے چھوٹ کر شاخ طوبیٰ پر پہنچ چکا تھا۔[3]

فضل و کمال:

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے وقت کا بڑا حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گزرتا تھا' اس لیے آپ علوم و معارف سے کافی بہرہ ور ہوئے' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ کے مبلغ علم کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ ان کو علم اوّل اور علم آخر سب کا علم تھا اور وہ ایسا دریا تھے جو پایابی سے ناآشنا رہا' وہ ہمارے اہل بیت میں تھے' دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ''وہ علم و حکمت میں لقمان حکیم کے برابر تھے''[4] علم اوّل سے مراد کتب سابقہ کا علم اور علم آخر سے مقصود آخری کتاب الٰہی یعنی قرآن کا علم ہے اور اہل بیت میں اس طرح ان کا شمار ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قربت اختصاص کی بناء پر اور اس لیے کہ عربوں میں ان کا کوئی خاندان نہ تھا' ان کو اعزازاً اپنے اہل بیت میں داخل کر لیا تھا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جو خود بہت بڑے عالم اور صاحب کمال صحابی تھے' ان کے کمال علم کے معترف تھے' چنانچہ ایک مرتبہ اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ چار آدمیوں

---

[1] ابن سعد جزو ۴ قسم ۲ ص ۶۵ [2] ابن سعد جزو ۵ ق ۲ ص ۶۵ [3] ابن سعد جزو ۴ ق ۲ ص ۶۶

[4] استیعاب ج ۲ ص ۵۷۳

Marfat.com

سے علم حاصل کرنا' ان چاروں میں ایک سلمان رضی اللہ عنہ کا نام بھی تھا[1] ایک موقع پر خود زبان نبوت نے ان کے علم و فضل کی ان الفاظ میں تصدیق کی ہے کہ سلمان رضی اللہ عنہ علم سے لبریز ہیں[2] صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں کہ سلمان رضی اللہ عنہ فضلائے صحابہ رضی اللہ عنہم میں تھے[3] آپ کی کوششوں سے حدیث کا کافی حصہ اشاعت پذیر ہوا' آپ کے مرویات کی تعداد ۶۰ ہے' ان میں سے تین حدیثیں متفق علیہ ہیں' ان کے علاوہ ایک میں مسلم اور تین میں بخاری منفرد ہیں[4]

ابوسعید خدری' ابوالطفیل' ابن عباس' اوس بن مالک اور ابن عجزہ وغیرہ رضی اللہ عنہم آپ کے زمرہ تلامذہ میں ہیں[5]

گو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا علم بہت وسیع تھا' تاہم حدیث بیان کرنے میں بہت محتاط تھے اس لیے ان کی مرویات کی تعداد ۶۰ سے متجاوز نہ ہو سکی' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مدائن میں لوگوں سے بعض ایسی باتیں بیان کرتے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کی حالت میں کسی کے متعلق فرمائی تھیں' لوگ ان کی تصدیق کے لیے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے' آپ نے صرف اس قدر جواب دیا کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ زیادہ بہتر جانتے ہیں لوگوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے آ کر کہا کہ ہم نے آپ کی بیان کردہ حدیث سلمان رضی اللہ عنہ کو سنائی' وہ نہ اس کی تصدیق کرتے ہیں اور نہ تردید' حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے سلمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جو کچھ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اس کی تصدیق کیوں نہیں کرتے' فرمایا بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کچھ غصہ میں کہہ دیتے تھے' اور بعض اوقات خوش ہو کر کچھ فرما دیتے تھے' معلوم ہوتا ہے کہ تم ان باتوں کو بیان کر کے کسی کو کسی کا دوست اور کسی کو کسی کا دشمن بنا دو گے' کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کرتے تھے کہ خداوندا! غصہ کی حالت میں اگر کسی کے متعلق کوئی برا کلمہ نکل جائے تو اس کو اس کے حق میں خیر کر دینا''

---

[1] ابن سعد جزو ۴ قسم ۱ ص ۶۱ [2] ایضاً [3] اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۳۱
[4] تہذیب الکمال ص ۱۴۷ [5] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۳۸

Marfat.com

پھر ان سے کہا' تم اس قسم کی باتوں سے باز آؤ' نہیں تو میں عمر (رضی اللہ عنہ) کو آگاہ کر دوں گا۔[1]

چونکہ وہ اسلام سے قبل عرصہ تک نصرانی رہ چکے تھے' اس لیے عیسائی مذہب کے متعلق کافی معلومات رکھتے تھے' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ "سلمان دو کتابوں کا علم رکھتے ہیں' کلام اللہ اور انجیل" مذہب عیسوی کے مسائل محض پادریوں کی زبانی نہیں سنے تھے' بلکہ خود انجیل کا مطالعہ کیا تھا' چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے توراۃ میں دیکھا ہے کہ کھانے کے بعد وضو کرنے سے برکت ہوتی ہے۔[2]

عام حالات' تقرب بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ صحابہ کرامؓ کے اس خاص زمرہ میں تھے جن کو بارگاہِ نبوی میں مخصوص تقرب حاصل تھا' چنانچہ صحابہ کرامؓ کے علاوہ کم لوگ ایسے تھے جو بارگاہِ نبوت کی پذیرائی میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی ہمسری کر سکتے ہوں' غزوہ خندق کے موقع پر جب مہاجرین وانصاری علیحدہ علیحدہ جمع ہوئے تو مہاجرین کہتے تھے کہ سلمان ہمارے زمرہ میں ہیں انصار کہتے تھے کہ ہماری جماعت میں ہیں[3] ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سلمان کی شب کی تنہائی کی صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اتنی لمبی ہوتی تھی کہ ہم لوگوں کو (ازواج) خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ ہمارے حصوں کی رات بھی اس نشست میں نہ گزر جائے' انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ "جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے' علی' عمار اور سلمان کی"[4] آپ کے تقرب کی آخری مثال یہ ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسے فدائی اسلام اور جلیل القدر صحابی سے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کے بارہ میں رنجیدہ ہو گئے' اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابو سفیانؓ چند آدمیوں کے ساتھ حضرت صہیب' بلال اور سلمان رضی اللہ عنہم کے پاس سے گزرے' ان تینوں بزرگوں نے کہا کہ خدا کی کوئی تلوار خدا کے

---

[1] ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۶۹ [2] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۴۱

[3] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۹۸ [4] جامع ترمذی مناقب سلمانؓ

Marfat.com

دشمن (ابوسفیان) کی گردن پر نہیں پڑی' حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ تم لوگ سردار قریش کی شان میں ایسا کلمہ زبان سے نکالتے ہو اور آنحضرت ﷺ سے آکر بیان کیا' آپ نے فرمایا کہ شاید تم نے ان لوگوں کو ناراض کر دیا' اگر تم نے ان لوگوں کو ناراض کیا تو گویا خدا کو ناراض کیا' حضرت ابوبکرؓ بہت نادم ہوئے اور آکر ان بزرگوں سے معذرت کی [1]

اخلاق و عادات:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ میں مذہبی جذبہ کی شدت فطری تھی' جس طرح آتش پرستی کے زمانہ میں سخت آتش پرست اور نصرانیت کے زمانہ میں عابد و زاہد نصرانی تھے' اسی طرح مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اسلام کا مکمل نمونہ بن گئے' ان کے اصلی فضل و کمال کا میدان یہی ہے۔

زہد و تقویٰ:

ان کا زہد و ورع اس حد تک پہنچ گیا تھا' جس کے بعد رہبانیت کی حد شروع ہو جاتی ہے' اس کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ عمر بھر گھر نہیں بنایا' جہاں کہیں دیوار یا درخت کا سایہ مل جاتا' پڑ رہتے' ایک شخص نے اجازت چاہی کہ میں آپ کے لیے مکان بنا دوں' فرمایا مجھ کو اس کی حاجت نہیں' وہ پیہم اصرار کرتا تھا' یہ برابر انکار کرتے جاتے تھے' آخر میں اس نے کہا آپ کی مرضی کے مطابق بناؤں گا' فرمایا وہ کیسا' عرض کیا اتنا مختصر کہ اگر کھڑے ہوں تو سر چھت سے مل جائے اور اگر لیٹیں تو پیر دیوار سے لگیں' فرمایا خیر اس میں کوئی مضائقہ نہیں' چنانچہ اس نے ایک جھونپڑی بنا دی [2]

اس زہد کا اثر زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں تھا' مزخرفاتِ دنیا کو کبھی پاس نہ آنے دیتے تھے' وفات کے وقت گھر کا پورا اثاثہ بیس بائیس درہم سے زیادہ کا نہ تھا' بستر میں معمولی سا بچھونا اور دو اینٹیں تھیں جن کا تکیہ بناتے تھے' اس پر بھی روتے تھے' اور فرماتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ انسان کا سر و سامان ایک مسافر سے زیادہ نہ ہونا چاہیے اور میرا یہ حال ہے [3] یہ حالت زندگی کے ہر دور میں قائم رہی' جب امارت کے عہدہ پر

[1] مسلم ج ۲ ص ۳۶۲ [2] استیعاب ج ۲ ص ۵۷۲' حیدر آباد [3] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۳۸، ۴۳۹

Marfat.com

ممتاز تھے اس وقت بھی کوئی فرق نہ آیا' حسن بیان کرتے ہیں کہ سلمانؓ جب پانچ ہزار تنخواہ پاتے تھے اور تیس ہزار نفوس پر حکومت کرتے تھے اس وقت بھی ان کے پاس صرف ایک عبا تھی' جس میں لکڑیاں جمع کرتے تھے اور اس کا آدھا حصہ اوڑھتے اور آدھا بچھاتے تھے۔[1]

رہبانیت سے اجتناب:

مگر اسلام کی تعلیمات کے خلاف ان کی زندگی راہبانہ نہ تھی' مذہبی تشدد کے ساتھ ساتھ دنیاوی حقوق کا بھی پورا لحاظ رکھتے تھے' اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے' ان کے اسلامی بھائی حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے' رات بھر نماز پڑھتے اور دن بھر روزہ رکھتے تھے' ساری ساری رات عبادت میں گزار دیتے' حضرت سلمانؓ ان سے ملنے کے لیے ان کے گھر جایا کرتے تھے' ایک مرتبہ ابودرداء رضی اللہ عنہ کی بیوی کو بہت خراب حالت میں دیکھا' پوچھا تم نے یہ کیا صورت بنا رکھی ہے' انہوں نے کہا کس کے لیے بناؤ سنگار کروں' تمہارے بھائی کو تو دنیا کی ضرورت باقی نہیں رہی' حضرت ابودرداءؓ جب گھر آئے تو ملنے ملانے کے بعد کھانا منگایا' مگر خود معذرت کی کہ میں روزہ سے ہوں' فرمایا جب تک تم نہ کھاؤ گے میں بھی نہ کھاؤں گا' پھر رات کو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ان کے پاس ہی لیٹے اور ان کو دیکھتے رہے' جب وہ عبادت کو اٹھے تو روک کر فرمایا کہ تم پر تمہارے رب' تمہاری آنکھ اور تمہاری بیوی سب کا حق ہے' روزوں کے ساتھ افطار اور شب بیداری کے ساتھ سونا بھی ضروری ہے' اس کے بعد دونوں نے یہ معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا' آپ نے ابودرداء رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ سلمان (رضی اللہ عنہ) تم سے زیادہ مذہب کے واقف کار ہیں۔[2]

سادگی:

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی تصویر حیات میں سادگی بہت غالب تھی' جو ہر زمانہ میں یکساں قائم رہی' مدائن کی امارت کے زمانہ میں جب کہ شان و شوکت اور خدم و حشم کے تمام

---

[1] ابن سعد ج ۴ ق ا ص ۶۲ [2] استیعاب ج ۲ ص ۵۷۲

Marfat.com

لوازم ان کے لیے مہیا ہو سکتے تھے' اس وقت بھی ان کی سادگی میں کوئی فرق نہ آیا' لباس میں ایک عبا اور ایک اونچا پائجامہ ہوتا تھا' ایرانی اس ہیئت کو دیکھ کر "گرگ آمد' گرگ آمد" کہتے' ایک مرتبہ اسی امارت کے زمانہ میں اس سے شان سے نکلے کہ سواری میں بلا زین کا گدھا تھا' لباس میں ایک تنگ اور چھوٹی قمیص تھی' جس سے گھٹنے بھی نہ چھپتے تھے' ٹانگیں کھلی ہوئی تھی' لڑکے اس ہیئت کذائی میں دیکھ کر پیچھے لگ گئے' لوگوں نے یہ طوفان بے تمیزی دیکھا' تو ڈانٹ کر ہٹایا کہ امیر کا پیچھا کیوں کرتے ہو' ایک مرتبہ ایک دستہ فوج کی سرداری سپرد ہوئی' فوجی امارت کی شان و شوکت کا کیا ذکر یہاں معمولی سپاہی کی بھی وضع نہ تھی' چنانچہ فوجی نوجوان دیکھ کر ہنستے اور کہتے کہ یہی امیر ہیں۔[1]

ابوقلابہ راوی ہیں کہ ایک شخص سلمانؓ کے یہاں گیا' دیکھا کہ وہ بیٹھے آٹا گوندھ رہے ہیں' پوچھا خادم کہاں ہے' کہا کام سے بھیجا ہے' مجھ کو یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ دو دو کاموں کا بار اس پر ڈالوں۔[2]

اس غیر معمولی سادگی کی وجہ سے لوگوں کو اکثر مزدور کا دھوکہ ہو جاتا تھا ایک مرتبہ ایک عبسی نے جانور کے لیے چارہ خریدا' حضرت سلمانؓ کھڑے تھے' ان سے کہا' اس کو گھر تک پہنچا دو' وہ اٹھا کر لے چلے' راستہ میں لوگوں نے دیکھا تو کہنے لگے لائیے ہم پہنچا دیں۔ یہ حال دیکھ کر عبسی نے پوچھا یہ کون ہیں' لوگوں نے کہا آنحضرت ﷺ کے صحابی ہیں۔ وہ سن کر بہت نادم ہوا' اور کہا آپ تکلیف نہ کیجئے' لیکن انہوں نے فرمایا "اس میں مجھے نیت کا ثواب مقصود ہے' اب میں اس بوجھ کو بغیر پہنچائے ہوئے نیچے نہیں رکھ سکتا"۔

فیاضی:

فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ آپ کا نمایاں وصف تھا' آپ کو جس قدر وظیفہ ملتا تھا اس کو کل مستحقین میں تقسیم کر کر دیتے تھے' اور خود چٹائی بن کر معاش پیدا کرتے تھے اور چٹائی کی آمدنی کا بھی ایک تہائی اصل سرمایہ کے لیے رکھ لیتے' ایک تہائی بال بچوں پر خرچ

---

[1] ابن سعد جزو ۴ ق ا ص ۶۲، ۶۳ [2] ایضاً ص ۶۴ [3] ایضاً ص ۶۲، ۶۳

Marfat.com

کرتے اور ایک تہائی خیرات کرتے تھے' ارباب علم کے بڑے قدردان تھے' جب کوئی رقم ہاتھ آجاتی تو حدیث نبوی کے شائقین کو بلا کر کھلا دیتے تھے۔[1]

صدقات سے اجتناب:

صدقات سے بہت سخت پرہیز کرتے تھے' اگر کسی چیز میں صدقہ کا ادنیٰ شائبہ ہوتا تو اس سے بھی احتراز کرتے' ایک غلام نے خواہش کی کہ مجھ کو مکاتب بنا دیجئے' فرمایا تمہارے پاس کچھ ہے' کہا میں لوگوں سے مانگ کر ادا کر دوں گا' فرمایا تم مجھ کو لوگوں کے ہاتھ دھوؤں کھلانا چاہتے ہو[2] (حالانکہ اس کا مانگا ان کے لیے صدقہ نہ رہ جاتا)۔

حلیہ:

بال گھنے' کان لمبے اور دراز قامت تھے۔

---

[1] ابن سعد جز ۴ قسم ا ص ۶۴ [2] ایضاً ص ۶۴

Marfat.com

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما

نام ونسب:

اسامہ نام' ابو محمد کنیت' حب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی محبوب رسول لقب' والد کا نام زید تھا' اسامہ بن زید بن حارثہ بن شرحبیل بن کعب بن عبدالعزی بن زید امراؤ القیس بن عامر بن نعمان بن عامر بن عبدود بن عوف بن کنانہ بن بکر بن عوف بن عذرہ بن زید اللات بن رفیدہ بن ثور بن کلب بن وبرہ کلبی۔

پیدائش' اسلام اور ہجرت:

۷ر بعثت میں مکہ میں پیدا ہوئے' ان کے والد زید رضی اللہ عنہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے محبوب غلام اور منہ بولے بیٹے تھے' اور ان کی ماں برکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلائی تھیں' اس لیے ان کو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا شرف ورثہ میں ملا تھا' انہوں نے آنکھ کھولتے ہی اسلام کے گہوارہ میں پرورش پائی تھی' اس لیے ان کی زندگی کا کوئی حصہ کفر وشرک کی آلودگیوں سے ملوث نہ ہوا' ہجرت کا شرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاصل کیا۔[1]

غزوات:

ہجرت عظمیٰ کے بعد مغازی اور سرایا کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا' لیکن ابتدائی لڑائیوں میں کم سنی کے باعث شریک نہ ہو سکے' سریہ حرقہ سے میدان جنگ میں آنے کی ابتدا معلوم ہوتی ہے۔[2] صحیح بخاری اور حدیث کی دوسری کتابوں میں اس سریہ کا نام سریہ حرکات لکھا ہے اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ وہی سریہ ہے جس کے امیر غالب لیثی تھے' اور جو

---

[1] ایضاً ص ۴۳ [2] گو اس کی تصریح نہیں ملتی لیکن قیاس یہی چاہتا ہے۔

Marfat.com

۷ھ میں واقع ہوا تھا' لیکن حاکم نے اکلیل میں لکھا ہے کہ یہ دوسرا سریہ تھا' جو ۸ھ میں ہوا' ان دونوں سریوں کے الگ الگ ہونے کی اس امر سے بھی شہادت ملتی ہے کہ سریہ غالب کے امیر حضرت غالب رضی اللہ عنہ تھے' اور اس سریہ حرقہ میں امارت و قیادت اسامہؓ کے ہاتھ میں معلوم ہوتی ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت سے اشارۃً ظاہر ہوتا ہے اور حاکم نے اکیل میں اس کی تصریح کی ہے' یہ سریہ ۷ھ یا ۸ھ کا واقعہ ہے' اس وقت ان کی عمر زیادہ سے زیادہ ۱۴، ۱۵ سال کی تھی' مگر ان کی فطری استعداد و صلاحیت نے آنحضرت ﷺ سے اس سریہ کی سرداری کا شرف حاصل کیا' مگر ناآزمودہ کار تھے' اس لیے بعض فاش غلطیاں ہوگئیں' جن کو وہ خود اپنی زبان سے بیان کرتے تھے' کہ آنحضرت ﷺ نے ہم لوگوں کو حرقہ کی طرف بھیجا تھا' صبح کو دشمنوں سے مقابلہ ہوا' دشمن ہزیمت کھا کر بھاگ گئے' میں نے اور ایک انصاری نے ایک شخص کا تعاقب کیا' جب وہ زد میں آ گیا تو لا الہ الا اللہ پکار اٹھا' اس کے اس اعلان پر انصاری نے ہاتھ روک لیا' مگر میں نے نیزوں سے کام تمام کر دیا' واپسی کے بعد آنحضرت ﷺ کو واقعہ معلوم ہوا تو فرمایا کہ اسامہ تم نے ایک شخص کو کلمہ طیبہ پڑھنے کے بعد بھی قتل کر دیا' میں نے عرض کیا' اس نے اپنے بچاؤ کے لیے ایسا کیا تھا' آپؐ نے یہ عذر ناقابل قبول سمجھا اور بار بار اس جملہ کو دہراتے رہے' یہاں تک کہ مجھ کو اتنی ندامت ہوئی کہ دل میں کہنے لگا کاش آج کے پہلے اسلام نہ لایا ہوتا۔[2]

دوسری روایت کے لیے یہ الفاظ ہیں کہ ''اے اسامہ! تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا'' یعنی ظاہری اسلام کے لیے زبان کا اقرار کافی ہے' اس سریہ کے متعلق ایک یمانی کی روایت ہے کہ یہ اسامہ کے میدانِ جنگ میں قدم رکھنے کا پہلا موقع تھا' اس سے معلوم ہوا کہ اس کے قبل کسی غزوہ میں نہیں شریک ہوئے اور اس سے ان کی جنگ آزمائی کی ابتدا ہوئی۔

۱۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھو زرقانی ج ۳ ص ۲۸۸، ۲۸۹

۲۔ بخاری ج ۲ کتاب المغازی باب بعثت النبی ﷺ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما

Marfat.com

فتح مکہ:

فتح مکہ اسلام کی فتح وشکست کا آخری معرکہ تھا' اسامہؓ اس میں شریک تھے' اور فتح مکہ کے بعد بیت اللہ میں اس شان سے داخل ہوئے کہ آنحضرت ﷺ کی سواری پر آپ کے ساتھ سوار تھے' اور حضرت بلالؓ و عثمانؓ بن طلحہ جلو میں تھے' خانہ کعبہ کھلنے کے بعد چاروں آدمی ساتھ داخل ہوئے ان کے داخلہ کے بعد دروازہ بند کرلیا گیا۔[1]

امارت سریہ:

آنحضرت ﷺ نے ایک سے زائد سریے اسامہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں بھیجے' ان میں سب سے اہم وہ سریہ تھا' جس میں ان کو اجلہ صحابہؓ پر شرف امارت عطا ہوا' اس کا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سفیر حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ شاہ بصری کے دربار سے سفارت کی خدمت انجام دے کر واپس آرہے تھے' کہ مقام موتہ میں شرحبیل بن عمرو غسانی نے ان کو شہید کر دیا' آنحضرت ﷺ نے اس کے انتقام میں حضرت زیدؓ کی زیر قیادت ایک سریہ روانہ کیا' لیکن یہ بھی شہید ہوئے' اور ان کے ساتھ اکابر صحابہ میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے بھی جام شہادت پیا' آنحضرت ﷺ کو ان بزرگوں کی شہادت کا بڑا قلق ہوا' چنانچہ اپنی وفات کے کچھ دنوں پہلے ان شہدا کے انتقام کے لیے ایک اور سریہ روانہ کیا اور چونکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت زیدؓ شہید ہوئے تھے' اس لیے اس سریہ کا امیر اسامہ رضی اللہ عنہ کو بنایا' اس میں ان کی دلدہی بھی مدنظر تھی' اور والد کی شہادت کی وجہ سے انتقام کا جو جذبہ ان میں ہوسکتا تھا وہ دوسرے میں ممکن نہ تھا۔

چنانچہ صفر ۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ نے سریہ کی تیاری کا حکم دیا' اور اسامہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر اس کے متعلق ضروری ہدایات فرمائی' لیکن ابھی یہ سریہ روانہ نہ ہوا تھا کہ آنحضرت ﷺ کی بیماری کی علامات شروع ہوگئیں' مگر آپ پر حضرت زید اور جعفر رضی اللہ عنہما کی شہادت کا اتنا اثر تھا' کہ اس کی روانگی ملتوی نہ فرمائی اور اسی بیماری کی حالت میں اپنے

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان [2] کتاب المغازی باب فتح مکہ

Marfat.com

دست مبارک سے علم مرحمت فرمایا اور سریہ روانہ ہو گیا' پہلی منزل مقام جرف میں کی' اس سریہ میں حضرت عمرؓ' ابو عبیدہ بن جراح' سعد بن ابی وقاص' سعید بن زید اور قتادہ بن نعمان رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے کبار صحابہ سب اسامہ رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں تھے' بعض لوگوں کو یہ ناگوار ہوا اور انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو مہاجرین اولین پر امیر بنایا ہے' آپ کو اس کی خبر ہوئی تو اس سے بہت تکلیف پہنچی اور اسی بیماری کی حالت میں سر میں پٹی باندھے ہوئے نکلے اور منبر پر چڑھ کر ایک مختصر تقریر فرمائی کہ ''اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو امیر بنانے میں بعض لوگوں نے جو نکتہ چینیاں کی ہیں' اس کی اطلاع مجھ کو ملی' اسامہ کی امارت پر یہ کوئی نیا واقعہ نہیں ہے' تم لوگ اس سے پہلے اس کے باپ کی امارت پر بھی اعتراض کر چکے ہو' خدا کی قسم وہ افسری کا سزاوار تھا اور اس کے بعد اس کا لڑکا افسری کا سزاوار ہے' وہ مجھ کو بہت محبوب تھا' اور یہ بھی ہر حسن ظن کے لائق ہے اس لیے تم لوگ اس کے ساتھ بھلائی سے پیش آیا کرو کہ وہ تمہارے بہتر لوگوں میں ہے' اس تقریر کے بعد آپ کا شانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔

اس سریہ کی پہلی منزل گاہ جرف مدینہ کے قریب ہی تھی' اس لیے جانے والوں کا سلسلہ برابر جاری تھا' لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے اور رخصت ہو کر جاتے تھے' اسامہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیمار چھوڑ کر گئے تھے' اس لیے وہ بھی دیکھنے آجاتے تھے' اتوار کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض زیادہ بڑھ گیا' اسامہ رضی اللہ عنہ منزل گاہ سے مزاج پرسی کے لیے آئے' اس وقت آپ پر غفلت طاری تھی' اسامہ رضی اللہ عنہ نے آکر بوسہ دیا' آپ بالکل خاموش تھے' تاہم اسامہ رضی اللہ عنہ کی دعا کے لیے دست مبارک آسمان کی طرف اٹھاتے تھے اور اسامہ رضی اللہ عنہ پر رکھتے تھے' اسامہ رضی اللہ عنہ دیکھ کر واپس گئے اور دوسرے دن صبح کو پھر دیکھنے آئے' اس دن افاقہ تھا' آپ نے اسامہ کی روانگی کا حکم دیا' چنانچہ انہوں نے فوج کو کوچ کر حکم دے دیا لیکن قبل اس کے کہ اسامہ رضی اللہ عنہ جرف سے روانہ ہوں' ان کی

---

1. بخاری ج ۲ کتاب المغازی باب فتح مکہ

Marfat.com

ماں ام ایمن رضی اللہ عنہا کا آدمی ملا ''رسول اللہ ﷺ کا وقت آخر ہے' فوراً مدینہ چلے آؤ'' چنانچہ اسامہ' عمرؓ اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم اسی وقت مدینہ پہنچے' اس وقت آنحضرت ﷺ اس دنیائے فانی کو چھوڑ رہے تھے' آپ کی وفات کے بعد پوری فوج جرف سے مدینہ آ گئی اور یہ مہم اس وقت ملتوی ہو گئی اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما آنحضرت کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے اور جسم مبارک کو قبر انور میں اتارنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔[1]

چونکہ آنحضرت ﷺ آخر وقت تک برابر اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانگی کی تاکید فرماتے رہے تھے اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانگی کا حکم دیا اور بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ علم کو لے کر جرف پہنچ گئے' لیکن اسی درمیان میں ارتداد کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا' لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ فی الحال اس مہم کو روک دیجیے۔ خود حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو سکون کی حالت میں بھیجا تھا مگر اب حالات دوسرے ہیں اس لیے فی الحال یہ مہم ملتوی کر دیجیے' لیکن آپ نے جواب دیا کہ خواہ مجھ کو پرندے نوچ کھائیں' لیکن میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کو پورا کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔[2] بہر حال آپ اس مہم کو روکنے پر آمادہ نہ ہوئے' اور فوج کی روانگی کا حکم دیا۔

پہلی مرتبہ گو آنحضرت ﷺ کی فہمائش سے لوگوں نے اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت منظور کر لی تھی' لیکن دل سے سب ناپسند کرتے تھے' اس لیے دوبارہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانگی کا حکم دیا تو انصار کی جماعت نے آپ کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ اسامہ رضی اللہ عنہ کے بجائے کسی مسن اور معمر شخص کو امارت کا عہدہ دیا جائے' یہ پیام سن کر آپ بہت برہم ہوئے اور فرمایا' ابن خطاب! جس شخص کو رسول اللہ ﷺ نے امیر بنایا

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۳۶' ۱۳۷' جسم مطہر کو قبر میں اتارنے کا واقعہ طبقات ج ۲ ق ۲ ص ۶۷ میں ہے' مختصراً اس سریہ کا ذکر بخاری کتاب المغازی باب غزوہ زید بن حارثہ باب بعث النبی ﷺ اسامہ بن زید میں بھی ہے۔ [2] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۷۱

Marfat.com

ہے تم مجھ سے اس کے معزول کرنے کی خواہش کرتے ہو! اور بلا کسی قسم کی تبدیلی کے بعینہ وہی فوج روانہ کی اور تھوڑی دور خود پیادہ پا رخصت کرنے کے لیے گئے' اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا خلیفہ رسول! آپ سوار ہو کر چلیں' ورنہ ہم لوگ سواریوں سے اتر پڑیں گے' فرمایا نہ مجھ کو سوار ہونے کی ضرورت ہے' نہ تم کو اترنے کی' میرے پیروں کو خدا کی راہ میں غبار آلود ہونے دو[1] غرض حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس شان سے جیش اسامہ کو رخصت کیا' اور اسامہ رضی اللہ عنہ نے منزل مقصود پر پہنچ کر دشمنوں سے نہایت کامیاب مقابلہ کیا اور اپنے والد بزرگوار کے قاتل کو واصل جہنم کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فتح کا مژدہ بھیجا' آپ اس فتح سے اس قدر مسرور ہوئے کہ اسامہ رضی اللہ عنہ کی واپسی پر مہاجرین وانصار کو لے کر مدینہ سے باہر ان کے استقبال کو نکلے' اسامہ رضی اللہ عنہ نہایت شاندار طریقہ سے مدینہ میں داخل ہوئے۔ آگے آگے بریدہ بن حصیب پرچم لہرا رہے تھے اور اس کے پیچھے اسامہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کے سبحہ نامی گھوڑے پر سوار تھے' مدینہ آتے ہی انہوں نے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر گھر گئے۔[2]

عہد فاروقی:

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھے' اس لیے آپ کے جانشین بھی ان کا بہت لحاظ رکھتے تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ہمیشہ ان کا خیال رکھا' چنانچہ جب آپ نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے وظائف مقرر کیے تو اپنے صاحبزادہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ڈھائی ہزار اور اسامہ رضی اللہ عنہ کا تین ہزار مقرر کیا' عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی اس تفریق کا کیا سبب ہے' جب کہ میں تمام غزوات میں اسامہ رضی اللہ عنہ کے دوش بدوش رہا' اور آپ ان کے والد زید رضی اللہ عنہ سے کبھی پیچھے نہ رہے' فرمایا یہ سچ ہے' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تم سے اور ان کے والد کو تمہارے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔[3]

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۷۱ [2] ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۳۷ [3] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۵۹

Marfat.com

عہد عثمانی:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتنہ و فساد کے خیال سے ملکی معاملات میں علانیہ کوئی حصہ نہیں لیا' لیکن ایک خیر خواہ مسلمان کی حیثیت سے قیام نظم اور انسداد مفاسد پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے خفیہ طور پر گفتگو کرتے تھے' لوگوں نے خواہش ظاہر کی کہ آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فتنوں کے فرو کرنے کے متعلق گفتگو کیجئے' جواب دیا' تم لوگ علانیہ مجھ کو درمیان میں ڈالنا چاہتے ہو' اور میں ان سے خفیہ گفتگو کرتا ہوں کہ مبادا میری علانیہ گفتگو سے نیا فتنہ نہ اٹھ کھڑا ہو اور اس کی ساری ذمہ داری مجھ پر عائد ہو جائے۔[1]

عہد معاویہ و علی رضی اللہ عنہما:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب زیادہ شورش بڑھی تو اسامہ بالکل علیحدہ ہو گئے[2] حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی معرکہ آرائیوں میں بالکل کنارہ کش رہے' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر آپ شیر کی داڑھ میں گھستے تو میں بھی بخوشی گھس جاتا' لیکن اس معاملہ میں حصہ لینا پسند نہیں کرتا[3] گو وہ مسلمانوں کی خونریزی کے خوف سے ان لڑائیوں میں غیر جانبدار تھے' تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حق پر جانتے تھے' اور آخر دم تک اس غیر جانبداری پر کف افسوس ملتے تھے' ابراہیم کی روایت ہے کہ اسامہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امداد نہ کرنے پر اس درجہ نادم رہے کہ آخر میں توبہ کی۔[4]

وفات:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخر زمانہ امارت ۵۴ھ میں مدینہ میں وفات پائی[5] اس وقت ساٹھ سال کی عمر تھی۔

اہل وعیال:

اسامہ رضی اللہ عنہ نے متعدد شادیاں کیں اور کثرت سے اولادیں ہوئیں' پہلی شادی

---

[1] بخاری جلد ۱ ص ۴۶۲ [2] اصابہ جلد ۱ ص ۲۹ [3] بخاری جلد ۲ ص ۱۰۵۳

[4] استیعاب ج ۱ ص ۲۹ [5] ایضاً

Marfat.com

ا سال کی عمر میں خود آنحضرت ﷺ نے زینب بنت حنظلہ کے ساتھ کر دی تھی، مگر اسامہ ؓ نے ان کو طلاق دے دی، دوسری شادی نعیم بن عبداللہ النحام نے آنحضرت ﷺ کے ایما سے اپنے یہاں کر دی، ان کے بطن سے ابراہیم بن اسامہ تھے، اس کے علاوہ خود اسامہ ؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، ان سے حسب ذیل اولادیں ہوئیں:

نام بیوی	نام اولاد
ہند بنت فاکہہ	..
درہ بنت عدی	محمد، ہندہ
فاطمہ بنت قیس	جبیر، زید، عائشہ
ام حکم بنت عتبہ	..
بنت ابی ہمدان سہمی	..
برزہ بنت ربعی	حسن، حسین

ذریعہ معاش:

دربارِ خلافت سے ۳ ہزار وظیفہ ملتا تھا، اس کے علاوہ وادی القریٰ میں کچھ جائیداد تھی جس کے انتظام کے لیے اکثر جایا کرتے تھے۔[1]

فضائل اخلاق:

بہت سے فضائل بیشتر صحابہ رضی اللہ عنہم میں مشترک ہیں، لیکن اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں منفرد طور پر بعض مخصوص فضائل ایسے ہیں جو ان کی خصوصیات شمار کیے جاتے ہیں، مثلاً ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی اکثر صفات میں اشتراک ہے، لیکن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا علم وفضل اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا زہد وتقویٰ ایک کو دوسرے سے ممتاز کرتا تھا اور یہی صفات ان کی زندگی کے روشن ابواب کہے جا سکتے ہیں، اسی طرح اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی بارگاہ نبوت میں پذیرائی اور ان کی محبوبیت ان کا مخصوص طغرائے امتیاز تھا، جو بلا استثنا کسی صحابی

[1] ابن سعد جز۴ قسم اوّل ص ۵۰

Marfat.com

کو حاصل نہ تھا۔

آنحضرت ﷺ نے بارہا اپنی زبان مبارک سے اس کا اظہار فرمایا ہے' اور اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کا طرزِ عمل بھی اس کا شاہد ہے' آنحضرت ﷺ کو اپنے متعلقین میں حضرت حسنین رضی اللہ عنہما سے زیادہ کسی سے محبت نہ تھی' لیکن اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما وہ شخص ہیں جو اس محبت میں بھی شریک و سہیم تھے' آنحضرت ﷺ ایک زانو پر اسامہ رضی اللہ عنہ کو بٹھاتے اور ایک پر حسن رضی اللہ عنہ کو اور دونوں کو ملا کر فرماتے کہ خدایا میں ان دونوں پر رحم کرتا ہوں اس لیے تو بھی رحم فرما۔[1] دوسری روایت میں ہے کہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں اس لیے تو بھی محبت فرما۔[2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اسامہ رضی اللہ عنہ مجھ کو سب لوگوں میں محبوب تر ہے۔[3]

ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ اس کا باپ مجھ کو سب سے زیادہ محبوب تھا' اب یہ سب سے عزیز ہے۔[4]

ایک مرتبہ اسامہ رضی اللہ عنہ چوکھٹ پر گر پڑے اور پیشانی پر زخم آ گیا' آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اس کا خون صاف کر دو' آپ کو کراہت معلوم ہوئی تو خود اٹھ کر صاف کر کے لعاب دہن لگایا۔[5]

کبھی کبھی وفور محبت میں مزاح بھی فرماتے تھے' ایک مرتبہ اسامہ رضی اللہ عنہ کاشانہ نبوی ﷺ میں بیٹھے تھے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تشریف فرما تھیں' آپ اسامہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ اگر یہ بیٹی ہوتے تو میں ان کو خوب زیور پہناتا اور بناؤ سنگار کرتا' تاکہ ان کا چرچا ہوتا اور ہر جگہ سے پیام آتے۔[6]

بارگاہِ نبوت میں اسامہ رضی اللہ عنہ کے رسوخ کا اس سے اندازہ ہوگا کہ جب کوئی

---

1. مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۰۵
2. بخاری جلد ۲ کتاب المناقب اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما
3. مستدرک جلد ۳ ص ۵۹۶
4. بخاری کتاب المغازی باب بعث اسامہ رضی اللہ عنہ
5. ابن سعد جزو ۴ ق ۱ ص ۴۳
6. ابن سعد جزو ۴ ق ۱ ص ۴۳

Marfat.com

بھی سفارش آنحضرت ﷺ سے کرنی ہوتی، جس میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
بچکتیں تو وہ اسامہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کی جاتی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بنی مخزوم کی
ایک عورت نے چوری کی لوگوں نے کہا اس کے بارے میں کون شخص آنحضرت ﷺ سے
سفارش پر آمادہ ہوتا ہے، اسامہ کے علاوہ کسی کی ہمت نہ پڑی، انہوں نے جا کر آپ سے
گفتگو کی لیکن حدود اللہ کا معاملہ تھا، اس لیے آنحضرت ﷺ نے نہ سنی، بلکہ آپ کو ناگوار
ہوا، اور فرمایا اگر بنی اسرائیل میں کوئی شریف آدمی چوری کرتا تھا، تو اس کو چھوڑ دیتے تھے
اور ایک معمولی آدمی اس کا مرتکب ہوتا تھا تو اس کے ہاتھ کاٹتے تھے، خدا کی قسم اگر محمد کی
بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) بھی ہوتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا۔[1]

اسامہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے محرم راز اور معتمد علیہ تھے، اور ان کی خشیت اہل بیت میں ممبر خاندان کی تھی، آپ اہم سے اہم اور نازک سے نازک خانگی امور تک میں بھی ان سے مشورہ لیتے تھے، افک جیسے نازک اور اہم معاملہ میں جس میں منافقین نے ناموس نبوت پر حرف لانا چاہا تھا اور جس کی صفائی خود زبان وحی والہام نے دی، اسامہ رضی اللہ عنہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک مشورہ تھے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمائی ہیں کہ جب افک والوں نے اتہام لگایا تو آنحضرت ﷺ نے علی اور اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہما) سے اپنی اہل خانہ کی علیحدگی کے بارہ میں مشورہ کیا اور ان سے حالات دریافت کیے۔[2]

چونکہ آنحضرت ﷺ اسامہ رضی اللہ عنہ کو محبوب رکھتے تھے، اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان کو بہت مانتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ صرف اسامہ رضی اللہ عنہ بلکہ ان کی اولاد تک کا احترام کرتے تھے، ایک دن ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو مسجد کے گوشہ میں دیکھا، لوگوں سے کہا، دیکھو کون شخص ہے، کسی نے کہا ابو عبدالرحمٰن، تم اس کو نہیں پہچانتے، یہ اسامہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد ہیں، آپ نے یہ سن کر سر جھکا لیا اور زمین

---

[1] بخاری ج ۲ کتاب المناقب ذکر اسامہ رضی اللہ عنہ وطبقات ابن سعد

[2] بخاری جلد ا کتاب الشہادت وج ۲ کتاب الاعتصام باب قولہ تعالیٰ و امرھم شوری بینھم

Marfat.com

کرید کر کہنے لگے کہ آنحضرت ﷺ ان کو دیکھتے تو محبوب رکھتے [1]

اس غیر معمولی محبت کی وجہ سے قدرۃً کچھ منافق اسامہ رضی اللہ عنہ کے حاسد بھی پیدا ہو گئے تھے یہ لوگ اسامہ رضی اللہ عنہ کو ذلیل اور آنحضرت ﷺ کو کبیدہ خاطر کرنے کے لیے کہتے کہ اسامہ، زید رضی اللہ عنہ کے نطفہ سے نہیں ہیں، آنحضرت ﷺ کو اس سے تکلیف پہنچتی لیکن ان کے خاموش کرنے کا کوئی طریقہ نہ تھا، عربوں میں قیافہ شناسی کا ملکہ بہت تھا قائف کی بات عام طور پر ہم پایہ وحی سمجھی جاتی تھی، اتفاق سے ایک دن مجزز مدلجی جس کو قیافہ شناسی میں خاص مہارت تھی، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت زید اور اسامہ رضی اللہ عنہما دونوں سر سے پیر تک ایک چادر اوڑھے ہوئے لیٹے تھے، صرف پاؤں کھلے ہوئے تھے، اس نے یہ دیکھ کر کہا کہ یہ قدم ایک دوسرے سے پیدا ہیں، یہ سن کر آنحضرت ﷺ کو بہت مسرت ہوئی، آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ہنستے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا تم کو کچھ معلوم ہے، مجزز نے ابھی اسامہ (رضی اللہ عنہ) کے پاؤں دیکھ کر کہا کہ یہ قدم ایک دوسرے سے پیدا ہیں، اس واقعہ میں یہ بات لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ آنحضرت ﷺ کو قائف کے کہنے پر محض اس وجہ سے مسرت ہوئی کہ اس سے دشمنوں کی زبان بند ہو گئی ورنہ شان نبوت اس سے بہت بلند ہے کہ وہ کاہنوں، منجموں اور قائفوں کی بات کا یقین کرے۔

آنحضرت ﷺ کے پاس جو چیز اچھی اور بیش قیمت ہوتی اس کو اسامہ رضی اللہ عنہ کو دیتے، ذی یزن نے حالت شرک میں حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے آپ کی خدمت میں ہدیۃً ایک بیش قیمت حلہ پیش کیا، آپ نے فرمایا میں مشرک کا ہدیہ نہیں قبول کرتا، لیکن اب چونکہ تم لا چکے ہو اس لیے قیمتاً لے لوں گا، چنانچہ پچاس دینار میں خرید لیا اور ایک مرتبہ پہن کر اسامہ کو دے دیا۔ [2]

دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے کتان کا کپڑا آنحضرت ﷺ کو ہدیہ دیا تھا، آپ نے اسامہ رضی اللہ عنہ

---

[1] بخاری ج ۱ کتاب المناقب ذکر اسامہ رضی اللہ عنہ [2] ابن سعد جزو ۴ قسم اول ص ۴۵

Marfat.com

کو پہنا دیا' انہوں نے اپنی بیوی کو دے دیا' ایک دن آپ نے پوچھا' کتان کیوں نہیں پہنتے ؟ عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! بیوی کو دے دیا' فرمایا اچھا اس سے کہہ دو کہ نیچے سینہ بند پہن لے ورنہ بدن دکھائے دے گا۔[1] غرض آپ اپنے اہل و عیال اور اسامہ رضی اللہ عنہ میں کوئی تفریق نہیں کرتے تھے۔[2]

فضل وکمال:

اس لحاظ سے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی' آپ کو سراپا علم ہونا چاہیے تھا' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر صرف اٹھارسال یا زیادہ سے زیادہ بیس سال کی تھی' اس لیے سن شعور کو پہنچنے کے بعد صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے فیضیاب ہونے کا زیادہ موقع نہ ملا تاہم اس مدت میں جو کچھ بھی آپ نے حاصل کر لیا' اس کو کم نہیں کہا جا سکتا' اقوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کافی ذخیرہ ان کے سینہ میں محفوظ تھا' بعض مرتبہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کو جس چیز کا علم نہ ہوتا' اس میں وہ ان کی طرف رجوع کرتے' حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو جب طاعون کے متعلق کوئی حکم نہ ملا تو آپ نے اسامہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا' کہ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے بارہ میں کیا سنا ہے' انہوں نے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ طاعون ایک قسم کا عذاب ہے' جو بنی اسرائیل کے ایک خاص طبقہ پر بھیجا گیا تھا' اس لیے جب تم سنو کہ فلاں جگہ طاعون پھیلا ہے تو وہاں نہ جاؤ اور خود تمہارے یہاں یہ وبا پھیلے وہاں سے بھاگنے کی نیت سے نہ نکلو۔[3]

آپ کے عمل سے دوسرے لوگ سند لاتے تھے' حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ایک عزیز کا ازار بہت نیچا دیکھا تو اس کو ملامت کی' انہوں نے کہا میں نے اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہما) کو نیچا ازار پہنے دیکھا ہے' میمونہ رضی اللہ عنہا نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو' یہ ممکن ہے کہ ان کا پیٹ بھاری تھا' اس لیے اس پر نہ ٹھہرتا رہا ہو اور نیچے کھسک جاتا ہو۔[4]

---

[1] ابن سعد جزو ۴ ق ۱ ص ۴۵ [2] ابن سعد جزو ۴ ق ۱ ص ۴۵

[3] بخاری ج ۱ ص ۴۹۴ [4] ابن سعد جزو ۴ ق ۱ ص ۴۹

Marfat.com

آپ کی ذات سے حدیث کا معتد بہ حصہ اشاعت پذیر ہوا' ان کی مرویات کی تعداد ۱۲۸ ہے' جن میں سے ۱۵ متفق علیہ ہیں' ان کے علاوہ مزید دو دو بخاری اور مسلم میں ہیں[1] حسن' محمد ابن عباس رضی اللہ عنہ' ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' کریب' ابو عثمان نہدی' عمرو بن عثمان بن عفان' ابووائل' عامر بن سعد' حسن بصری' وغیرہم نے آپ سے روایتیں کی ہیں۔

اخلاق و عادات:

چونکہ اسامہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی اس لیے ان پر قدرۃً تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصا اثر پڑا تھا۔[2]

خدمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

کاشانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کثرت سے آتے جاتے تھے' اور اکثر سفر میں بھی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا تھا' اس لیے خدمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ موقع ملتا تھا' اکثر وضو وغیرہ کے وقت پانی ڈالنے کی خدمت انجام دیتے تھے۔[3]

پابندی سنت:

سنت کی پابندی شدت سے کرتے تھے' آخر عمر میں جبکہ قوی ریاضت جسمانی کے متحمل نہ تھے' اس وقت بھی مسنون روزے التزام کے ساتھ رکھتے تھے' ایک مرتبہ ایک غلام نے کہا اب آپ کی عمر ضعیف و ناتوانی کی ہے' آپ کیوں دوشنبہ اور پنجشنبہ کے روزے کا التزام کرتے ہیں' کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں میں روزہ رکھا کرتے تھے۔[4]

اطاعت والدین:

والدین کی خوشنودی کا بہت زیادہ لحاظ رکھتے تھے' اور اس میں بڑی مالی قربانی سے دریغ نہیں کرتے تھے' محمد بن سیرین روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کھجور کے درختوں کی قیمت ایک ہزار تک پہنچ گئی تھی' اس زمانہ میں اسامہ رضی اللہ عنہ

---

[1] تہذیب الکمال ص ۲۶ [2] تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۰۸

[3] بخاری ج ۱ کتاب الوضو باب الرجل یوضی صاحبہ [4] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۲۰۰

Marfat.com

نے ایک درخت کی پیڑی کھوکھلی کر کے اس کا مغز نکالا' لوگوں نے پوچھا یہ کیا کر رہے ہو؟ آج کل درختوں کی قیمت اس قدر بڑھی ہوئی ہے اور تم اس کو ضائع کرتے ہو' کہا میری ماں نے فرمائش کی تھی اور وہ جس چیز کی فرمائش کرتی ہے' اگر اس کا حصول میرے امکان میں ہوتا ہے تو اس کو میں ضرور پوری کرتا ہوں۔[1]

[1] ابن سعد جز ۳ ق ا ص ۴۹

Marfat.com

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

عمرو نام' ابو عبداللہ اور ابو محمد کنیت' والد کا نام عاص اور والدہ کا نام نابغہ تھا' جدی سلسلہ نسب یہ ہے' عمرو بن العاص بن وائل بن ہاشم بن سعید بن سہم بن عمرو بن ہصیص ابن کعب بن لوی بن غالب قرشی سہمی' ننھیالی نسب یہ ہے' نابغہ بنت حرملہ بن حارث بن کلثوم بن جوشن بن عمرو بن عبداللہ بن خزیمہ بن عنزہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار۔

قبل از اسلام:

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا خاندان ''بنو سہم'' زمانہ جاہلیت سے معزز چلا آتا تھا' قریش کے سیاسی نظام میں مقدمات کا عہدہ اسی خاندان میں تھا' عمرو بن العاص جب تک اسلام نہیں لائے تھے' اسلام کی دشمنی اور مسلمانوں کی ایذا رسائی میں عمائد قریش کی طرح یہ بھی پیش پیش تھے' چنانچہ مسلمانوں کا پہلا قافلہ جب ہجرت کر کے حبشہ گیا تو قریش کا جو وفد ان لوگوں کو حبشہ سے نکلوانے کے لیے نجاشی کے پاس گیا تھا' اس کے سب سے سرگرم رکن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہی تھے' چنانچہ حبشہ پہنچ کر مسلمانوں کے اخراج میں ہر قسم کی کوششیں کیں' پہلے بطریقوں سے مل کر ان کو مسلمانوں کے خلاف ابھارا کہ یہ لوگ بھی مسلمانوں کے نکالنے میں وفد قریش کی تائید کریں' اس کے بعد شاہِ حبش کی خدمت میں ہدایا پیش کر کے ساری امکانی کوششیں صرف کیں کہ وہ کسی طرح مسلمانوں کو پناہ نہ دے' لیکن ان کی تمام مساعی ناکام رہیں۔[1]

غزوۂ خندق میں جس میں سارا عرب مسلمانوں کے خلاف امنڈ آیا تھا' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مشرکین کے ساتھ تھے اور مسلمانوں کی بیخ کنی میں پورا زور صرف کر رہے تھے۔[2]

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو مقدمہ سیر المہاجرین۔ [2] ابن سعد حصہ مغازی حالات غزوۂ خندق

Marfat.com

اسلام کی طرف میلان:

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اگرچہ اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کے سخت ترین دشمن تھے' لیکن غزوۂ خندق کے بعد سے وہ اسلام سے متاثر ہونے لگے وہ اکثر دنیا اور اس کے انجام اور اسلام کی تعلیمات پر غور کیا کرتے تھے' ان کا بیان ہے کہ اس غور وفکر سے اسلام کی حقیقت مجھ پر ظاہر ہونے لگی' اور اس سے میرا دل متاثر ہونے لگا' اور میں نے مسلمانوں کی مخالفت سے رفتہ رفتہ کنارہ کشی اختیار کرنا شروع کی' قریش نے اس کو محسوس کیا اور اس کی حقیقت دریافت کرنے کے لیے ایک شخص کو بھیجا' اس نے مجھ سے بحث کرنا شروع کی' میں نے اس سے کہا بتاؤ ہم حق پر ہیں یا فارس وروم والے' اس نے کہا ہم ہیں' پھر میں نے پوچھا کہ ان کو عیش وتنعم میسر ہے یا ہم کو' اس نے کہا ان کو۔ میں نے کہا کہ اگر اس عالم کے بعد دوسرا عالم نہیں ہے تو ہماری حق پرستی کس کام آئے گی' جب کہ ہم دنیا میں بھی باطل پرستوں کے مقابلہ میں تنگ حال رہے اور دوسرے عالم میں بھی بدلہ کی کوئی امید نہ ہو' اس لیے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یہ تعلیم کی کہ مرنے کے بعد ایک دوسرا عالم ہوگا جہاں ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزا وسزا ملے گی کس قدر صحیح اور دلنشین ہے[1] غزوۂ خندق کے بعد ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کا پورا یقین ہو گیا تھا' اور یہی یقین ان کے اسلام کا ذریعہ بنا' اس کی تفصیل مسند احمد بن حنبل میں خود ان کی زبانی مذکور ہے۔[2]

اسلام:

ان کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ غزوۂ احزاب سے واپس ہوئے تو میں نے قریش کے ان اشخاص کو جو مجھے مانتے تھے اور میری بات سنتے تھے' جمع کر کے کہا کہ خدا کی قسم تم لوگ یقین جان لو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات تمام باتوں پر سر بلند ہوگی' اس میں کسی انکار کی گنجائش نہیں' میری ایک رائے ہے' تم اس کو کیسی سمجھتے ہو' لوگوں نے پوچھا کیا رائے؟ انہوں نے کہا' ہم لوگ نجاشی کے پاس چل کر قیام کریں' اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قوم پر غالب

---

[1] ابن سعد حصہ مغازی حالات غزوۂ خندق [2] اصابہ جلد ۵ ص ۲

Marfat.com

آ گئے تو ہم لوگ نجاشی کے پاس ٹھہر جائیں گے کیوں کہ نجاشی کی ماتحتی میں رہنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ماتحتی سے کہیں زیادہ پسند ہے اور اگر ہماری قوم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر غالب ہوئی تو ہم ممتاز لوگ ہیں ہمارے ساتھ ان کا طرز عمل بہتر ہی ہوگا' اسی رائے پر سب نے اتفاق کیا' میں نے کہا پھر اس کو تحفہ دینے کے لیے کوئی چیز مہیا کرو' نجاشی کے لیے ہمارے یہاں کا سب سے بڑا تحفہ چمڑہ تھا' چنانچہ بہت سا چمڑا لے کر ہم لوگ حبشہ پہنچے' ہم لوگ نجاشی کے دربار میں جا رہے تھے کہ عمرو بن امیہ ضمریؓ بھی پہنچ گئے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کی کسی ضرورت سے نجاشی کے پاس بھیجا تھا' جب وہ آ کر چلے گئے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہم نجاشی سے درخواست کریں کہ وہ عمر بن امیہ ضمریؓ کو ہمارے حوالہ کر دے' اگر وہ دے دے تو اس کی گردن ماردیں تاکہ قریش کو معلوم ہو جائے کہ ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سفیر کا سر قلم کر کے ان کا بدلہ لے لیا' یہ کہہ کر میں نجاشی کے دربار میں گیا اور حسب معمول سجدہ کیا' اس نے خوش آمدید کہا اور پوچھا میرے لیے اپنے ملک کا کوئی تحفہ لائے؟ میں نے عرض کیا حضور بہت سا چمڑہ تحفہ میں لایا ہوں اور جو چمڑہ لے گیا تھا اس کو پیش کر دیا' اس نے بہت پسند کیا' پھر میں نے عرض کی عالی جاہ! ابھی میں نے ایک آدمی حضور کے پاس سے نکلتے ہوئے دیکھا ہے' یہ ہمارے دشمن کا بھیجا ہوا ہے' حضور قتل کرنے کے لیے اس کو ہمارے حوالہ کر دیں' اس نے ہمارے شرفا اور معززین کو تکلیفیں پہنچائی ہیں' نجاشی یہ درخواست سن کر بہت غضبناک ہوا اور اپنا ہاتھ کھینچ کر اس نے زور سے اپنی ناک پر مارا کہ میں سمجھا ٹوٹ جائے گی' اس کی اس حرکت سے میں اس قدر نادم و شرمسار ہوا کہ اگر زمین شق ہوتی تو میں اس میں سما جاتا' پھر میں نے عرض کی' شاہا! اگر میں سمجھتا کہ حضور کو یہ درخواست ناگوار ہوگی تو میں نہ کرتا' وہ بولا تم چاہتے ہو کہ میں ایسے شخص کا قاصد جس کے پاس وہ ناموس اکبر آتا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا' قتل کے لیے تمہارے حوالہ کر دوں میں نے عرض کی' عالی جاہ! کیا واقعی وہ ایسا ہے؟ وہ بولا عمرو! تمہاری حالت قابل افسوس ہے' میرا کہنا مانو اور اس کی پیروی کرلو' خدا کی قسم وہ حق پر ہے وہ اپنے تمام مخالفوں پر غالب آئے گا' جس طرح موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کے لشکر پر

Marfat.com

غالب ہوئے تھے۔ میں نے کہا پھر اس کی طرف سے آپ مجھ سے اسلام کی بیعت لے لیجئے' چنانچہ اس نے ہاتھ پھیلایا اور میں نے اسلام کی بیعت کی' یہاں سے جب میں ساتھیوں کے پاس لوٹ کر گیا' تو میرے تمام خیالات پلٹ چکے تھے' لیکن میں نے اپنے ساتھیوں پر ظاہر نہیں کیا اور رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک حق پرست پر اسلام لانے کے لیے روانہ ہوگیا' راستہ میں خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) مکہ سے آتے ہوئے ملے' یہ فتح مکہ کے پہلے کا واقعہ ہے' میں نے کہا ابا سلیمان! کہاں کا قصد ہے؟ وہ بولے خدا کی قسم خوب پانسہ پڑا' خدا کی قسم یہ شخص یقیناً نبی ہے' اب جلد اسلام قبول کر لینا چاہیے' یہ لیت ولعل کب تک' میں نے کہا خدا کی قسم میں بھی اسی قصد سے چلا ہوں' چنانچہ ہم دونوں ایک ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' پہلے خالد ابن ولید (رضی اللہ عنہ) نے بیعت کی' پھر میں نے قریب ہو کر عرض کیا' یا رسول اللہ (ﷺ)! میں بیعت کروں گا' لیکن آپ میرے اگلے اور پچھلے گناہوں کو معاف کر دیجئے' آپ نے فرمایا' عمرو بیعت کرلو' اسلام اپنے ماقبل کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور ہجرت بھی اپنے ماقبل کے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے' چنانچہ میں نے بیعت کی اور بیعت کر کے لوٹ گیا۔[1]

ہجرت:

قبول اسلام کے بعد مکہ لوٹ گئے' پھر کچھ ہی دنوں کے بعد ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے۔

غزوات وسرایا:

حضرت عمرو بن العاصؓ جس طرف رہے' انتہا پسند رہے' اسلام کے قبل اس کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور اسلام کے بعد کفر وشرک کے استیصال میں اس شد و مد سے کمر بستہ ہو گئے' قبول اسلام کے بعد گذشتہ مخالفتوں کو یاد کر کے پشیمان ہوتے تھے چنانچہ کہا کرتے تھے' جب میں حالت کفر میں تھا تو آنحضرت ﷺ کا سب سے بڑا دشمن تھا' اگر اسی حالت میں مر جاتا تو میرے لیے دوزخ کے علاوہ کوئی ٹھکانا نہ تھا' اور جب

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۱۹۸

Marfat.com

بیعت کر کے حلقہ بگوش اسلام ہوا تو کبھی آنحضرت ﷺ سے آنکھیں نہ چار کر سکا۔[1]

سریہ ذات السلاسل:

فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے عرب کے مختلف حصوں میں دعوتِ اسلام کے لیے تبلیغی دستے روانہ فرمائے تھے' اسی سلسلہ کا ایک سریہ ذات السلاسل بھی ہے' ابن سعد نے اس سریہ کو سرے سے مدافعانہ لکھا ہے' چنانچہ ان کی روایت کے مطابق صورت واقعہ یہ ہے کہ بنو قضاعہ کے کچھ اشخاص نے ایک جماعت فراہم کر کے مسلمانوں پر حملہ کا ارادہ کیا' آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو تین سو مہاجرین وانصار کی جمعیت کے ساتھ روانہ کیا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ پہلے یہ سریہ مدافعت کی غرض سے نہیں بھیجا تھا' بلکہ اس کا مقصد اشاعت اسلام تھا علامہ ابن کثیر نے تصریح کر دی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو قبیلہ بلی اور عذری کی طرف دعوت اسلام کے لیے بھیجا تھا' تاکہ وہ اعراب کو اسلام کی طرف راغب کریں۔ لیکن جب قریش پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ لڑنے پر آمادہ ہیں' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے امداد طلب کی' آپ نے دو سو آدمیوں کی ایک جمعیت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ کی' جس میں حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے اور تاکید فرمادی کہ کسی بارہ میں باہم اختلاف نہ کرنا' ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ امدادی دستہ لے کر پہنچے تو ان میں اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی امارت کے بارہ میں اختلاف ہو گیا' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ امارت میرا حق ہے' کیونکہ میں فوج کا امیر ہوں' اور تم میری امداد کے لیے آئے ہو' اس لیے میرے ماتحت ہو' ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی ہدایت کے مطابق گریز کیا اور ان کی امارت قبول کر لی۔ اس کے بعد دونوں بلی' عذریٰ' اور بلقین کی آبادیوں کو پامال کرتے ہوئے اس کے آخری حد تک بڑھتے چلے گئے' راستہ میں صرف ایک جماعت سے مقابلہ ہوا' مگر وہ بھی ہزیمت کھا کر بھاگ گی۔[2]

1. استیعاب ج ۲ ص ۴۴۹
2. اسد الغابہ ج ۴ ص ۱۶۱

Marfat.com

سریہ سواع:

فتح مکہ کے بعد جب کہ عرب کے اکثر قبائل مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے' بعض ایسے قبائل باقی رہ گئے تھے' جو صدیوں کے اعتقاد کی بنا پر بت کدوں کو ڈھاتے ہوئے ڈرتے تھے' اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند دستے صرف ان کے گرانے کے لیے بھیجے تا کہ عرب کے دلوں سے ان کا خوف و ہراس اور ان کی عظمت جاتی رہے سواع بنو ہذیل کا صنم کدہ تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اس کے ڈھانے پر متعین کیا' جب یہ وہاں پہنچے تو اس کے مجاور نے پوچھا کس نیت سے آئے ہو؟ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا اس کو ڈھانے کے لیے' اس جواب پر اس نے مدافعت کرنے کے بجائے جواب دیا کہ تم اس کو نہ گرا سکو گے' وہ خود اپنی حفاظت کرے گا۔ انہوں نے کہا تم اب تک اسی وہم اور باطل پرستی میں مبتلا ہو' جس میں سننے اور دیکھنے تک کی طاقت نہیں' وہ روک کیا سکتا ہے' یہ کہا اور اس کو مسمار کر کے مجاور سے بولے' اس کی طاقت دیکھ لی' وہ یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر مشرف باسلام ہو گیا[1]

سفارت:

فتح مکہ کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آس پاس کے حکمرانوں کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے تو عمان کے حاکموں عبید و جیفر کے پاس خط لے جانے کی خدمت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی' اس خط پر وہ دونوں مشرف بہ اسلام ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو یہاں کا عامل کر دیا[2] اس لیے وہ وفات نبوی تک یہیں مقیم رہے[3]

فتنہ ارتداد:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے استخلاف کے بعد جب ارتداد اور مدعیانِ نبوت کا فتنہ اٹھا اس وقت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ عمان ہی میں تھے' حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور موجودہ حالات کی اطلاع دے کر ان فتنوں کے دبانے کے لیے بھیجا' چنانچہ یہ بحرین کے راستہ سے آگے بڑھے' راستہ میں قبیلہ بنی عامر میں قرہ بن ہبیرہ کے یہاں

---

[1] ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۵۰ [2] اسد الغابہ ج ۴ ص ۱۱۷ [3] فتوح البلدان بلاذری ص ۸۳

Marfat.com

مہمان ہوئے اس نے بڑی خاطر و مدارت کی، چلتے وقت تنہائی میں لے جا کر کہا کہ اگر عربوں سے زکوٰۃ لی گئی تو وہ کسی کی امارت نہ قبول کریں گے، ہاں اگر زکوٰۃ کا طریقہ بند کر دیا گیا تو البتہ مطیع و فرماں بردار رہیں گے، اس لیے زکوٰۃ کا قانون اٹھا دینا چاہیے، انہوں نے کہا قرہ! کیا تم کافر ہو گئے؟ مجھ کو عربوں سے ڈراتے ہو، خدا کی قسم میں ایسے لوگوں کو گھوڑے کی ٹاپ سے مسل ڈالوں گا، یہ شخص بعد میں، جب مانعین زکوٰۃ کے سلسلہ میں گرفتار ہوا، تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی شہادت پر چھوڑ دیا گیا۔[1] مدینہ پہنچ کر بنو قضاعہ کے مرتدین کی سرکوبی ان کے سپرد ہوئی، اور انہوں نے اپنے حسن تدبیر سے ان کو دوبارہ اسلام پر قائم کیا اور اس مہم کو سر کرنے کے بعد عمان لوٹ گئے۔

فتوحاتِ شام:

فتنہ ارتداد فرو ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عراق و شام کی طرف توجہ کی اور ۱۳ھ میں شام کے مختلف حصوں میں علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو جو اس وقت عمان میں تھے، لکھ بھیجا کہ تم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمان کا والی مقرر کیا تھا، اس لیے میں نے تم کو دوبارہ واپس کر دیا تھا، لیکن اب میں تم کو ایسے کام میں لگانا چاہتا ہو جو تمہاری دنیا و آخرت دونوں کے لیے مفید ہے، انہوں نے جواب دیا کہ میں خدا کا ایک تیر ہوں اور آپ اس کے بعد اس کے تیر انداز ہیں، اس لیے آپ کو اختیار ہے جدھر چاہیے پھینکئے[2] چنانچہ عمان سے واپس بلا کر فلسطین کی مہم پر مامور کیا۔

اجنادین:

ہرقل کو جب خبر ہوئی کہ اسلامی فوجیں شام کے چاروں طرف منڈلا رہی ہیں، تو اس نے ان سب کے مقابلہ کے لیے علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں تاکہ اسلامی فوجیں باہم ملنے نہ پائیں، رومیوں کے مشہور سپہ سالار تذارق اور قبلار تھے، اجنادین میں اپنی فوجیں اتاریں، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس وقت فلسطین کے علاقہ عربات میں تھے، یہ رومیوں کے اجتماع کی خبر پا کر اجنادین کی طرف بڑھے، اس درمیان خالد رضی اللہ عنہ اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی بصریٰ کی مہم سر

---

[1] ابن اثیر ج ۲ ص ۳۱۸ [2] طبری ج ۴ ص ۸۲

Marfat.com

کر کے ان کی مدد کو روانہ ہو گئے' اور اجنادین میں یہ تینوں مل گئے' رومی سپہ سالار نے ایک عرب کو سراغ رسانی کے لیے بھیجا' وہ دیکھ بھال کر جب واپس گیا تو سپہ سالار نے پوچھا کیا خبر لائے' اس نے کہا یہ لوگ رات کو عابد شب زندہ دار اور دن کو میدان جنگ کے شہسوار ہیں' اگر ان کا شہزادہ بھی کسی جرم کا مرتکب ہوتا ہے تو اس پر شرعی حد جاری کرتے ہیں' اس نے کہا اگر واقعی ان میں یہ صفات ہیں تو زمین میں دفن ہو جانا' ان کے مقابلہ سے زیادہ بہتر ہے' غرض جمادی الثانی ۱۳ھ میں دونوں کا مقابلہ ہوا' رومی سپہ سالار مارا گیا اور رومیوں نے سخت ہزیمت اٹھائی[1]

اجنادین کے معرکہ کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی خالد اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہو گئے اور ایک حصہ فوج کے سردار تھے۔

دمشق:

اجنادین کے بعد اسلامی لشکر دمشق کی طرف بڑھا کہ شام کا صدر مقام تھا' اس لیے مسلمانوں نے اس کا بڑے اہتمام سے محاصرہ کیا' شہر پناہ کے تمام صدر دروازوں پر الگ الگ افسر متعین کیے' چنانچہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ باب توما پر مامور تھے' عرصہ تک محاصرہ قائم رہا' اور آخر میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی خوش تدبیری سے فتح ہوا۔[2]

فحل:

دمشق کی فتح کے بعد فحل کا رخ کیا' لیکن رومی پہلے سے دریا کا بند توڑ کر بیسان چلے گئے تھے' جس سے دونوں کے درمیان دنیائے آب رواں ہو گئی تھی اس لیے مسلمانوں نے یہیں فوجیں ٹھہرا دیں' اس معرکہ میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فوج کے ایک حصہ کے افسر تھے[3] مسلمان یہاں مقیم تھے کہ ایک دن اچانک اسی ہزار رومیوں نے عقب سے حملہ کر دیا' اور ایک شبانہ روز سخت کشت وخون کے بعد شکست کھائی اور جدھر راستہ ملا بھاگے' مگر مسلمانوں نے تعاقب کر کے جہاں تک مل سکے قتل کیا' اس سے فارغ ہو کر بیسان کا محاصرہ کیا' ایک دن رومیوں نے قلعہ سے نکل کر مقابلہ کیا' مگر سب کے سب مارے گئے' باقی ماندہ آبادی نے صلح کر لی۔[4]

---

[1] ابن اثیر ج ۲ ص ۳۲۰ [2] فتوح البلدان ص ۱۲۷
[3] طبری ص ۲۱۵۶ [4] ایضاً

Marfat.com

یرموک:

ان مسلسل اور پیہم شکستوں سے سارے روم میں کہرام مچ گیا اور رومیوں نے قیصر سے فریاد کی کہ مسلمانوں نے سارا شام ویران وتباہ کر ڈالا' وہ بھی ان کی تاخت وتاراج سے تنگ آ چکا تھا' اس لیے سارے ممالک محروسہ میں فرمان جاری کر دیا کہ ساری فوجیں ایک جگہ جمع ہو جائیں اور جہاں تک آدمی مل سکیں بھرتی کیے جائیں' چنانچہ دولاکھ انسانوں کا دل اس حکم پر امنڈ آیا۔[1]

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع ہو کر متحد قوت سے مقابلہ کرنا چاہیے' دربارِ خلافت سے بھی اس مشورہ کی تائید ہوئی' چنانچہ اسلامی فوجیں ہر چہار طرف سے سمٹ کر یرموک میں جمع ہوئیں' چونکہ اس معرکہ میں سارا شام امنڈ آیا تھا اور مسلمانوں کی تعداد ان کے چوتھائی حصہ سے بھی کم تھی' اس لیے خالد رضی اللہ عنہ نے غیر معمولی توجہ سے کام لیا اور جدید طرز پر فوج کو چھتیس حصوں پر تقسیم کیا' میمنہ کے بھی کئی ٹکڑے کر کے اس پر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔[2] اور دونوں فوجیں پوری تیاری کے ساتھ میدان میں اتریں' عرصہ تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا اور متعدد ہولناک لڑائیاں ہوئیں' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بڑے جوش وخروش سے لڑتے تھے اور اپنی پر جوش تقریروں سے آگ لگا دیتے تھے۔ ابتداء میں مسلمانوں کے پیرا کھڑ گئے تھے' بلکہ بہتیرے میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے لیکن پھر سنبھل کر اس روز کا حملہ کیا کہ رومی پوری کوشش کے باوجود نہ ٹھہر سکے اور میدان بھی مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

بقیہ فلسطین:

فلسطین کا کچھ حصہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ دمشق کے قبل لے چکے تھے' لیکن درمیان میں دمشق' یرموک وغیرہ کی مہموں کی وجہ سے پہلی مہم ناتمام رہ گئی تھی' اس لیے یرموک وغیرہ سے فراغت کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پھر ادھر متوجہ ہوئے' اور غزہ' سبسطین' نابلس' لد' بنی' بیت' جیریں اور عمواس وغیرہ آسانی سے فتح کر کے یہ سلسلہ مکمل کر دیا۔[3]

بیت المقدس:

لیکن ابھی فلسطین کا سب سے بڑا شہر ایلیا (بیت المقدس) باقی رہ گیا تھا اس لیے چھوٹے چھوٹے مقامات لینے کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے رومی سپہ سالار

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۴۱۔ [2] طبری ص ۲۱۹۳ [3] ایضاً ص ۳۸۹

Marfat.com

ارطبون کو خط لکھا' اس نے جواب دیا کہ اجنادین کے علاوہ اب فلسطین کا ایک چپہ زمین بھی نہیں لے سکتے۔ اس جواب کے بعد انہوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کرلیا' حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی قنسرین کی مہم سر کر کے پہنچ گئے[1] لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی' ایلیا والوں نے اس شرط پر شہر حوالہ کر دینے کا وعدہ کیا کہ خود امیر المومنین رضی اللہ عنہ آ کر اپنے ہاتھ سے معاہدہ لکھیں چنانچہ ان کی خواہش کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کا سفر کیا اور صلح نامہ لکھ کر ان کے حوالہ کر دیا' اور شام کا یہ متبرک شہر جس کو انبیاء و رسل علیہم السلام کے آرام گاہ ہونے کا شرف حاصل تھا مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا' اور شام پر مکمل قبضہ ہو گیا۔

طاعون عمواس:

اسی سال شام' عراق اور مصر میں سخت طاعون پھیلا' ہزاروں جانیں ضائع ہو گئیں' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ یہاں وبا کا زور ہے' اس لیے فوجیں ہٹا کر کسی محفوظ مقام پر بھیج دینی چاہیے' لیکن اسلامی فوج کے امیر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بڑے متوکل تھے' انہوں نے کہا یہ خدا کی رحمت ہے' اس میں بڑے بڑے صلحاء نے وفات پائی ہے اس سے فرار کے کیا معنی' چنانچہ انہوں نے عمواس کو نہیں چھوڑا اور خود بھی اس میں مبتلا ہو گئے' آخر میں انہوں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کیا اور خود اسی رحمت کے دامن میں آ گئے' ان کی وفات کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی روک کر طاعون زدہ مقامات سے فوجیں ہٹا لیں۔

فتوحاتِ مصر:

شام کا فیصلہ ہونے کے بعد بھی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بلند حوصلے پورے نہ ہوئے' کیونکہ شام کی فتوحات میں خالد اور عبیدہ رضی اللہ عنہما کی قوتوں کو زیادہ دخل تھا اس لیے ان کو ایسے میدان میں تلاش ہوئی جہاں تنہا اپنی تلوار کے جوہر دکھائیں اور چونکہ شام کے قریب مصر بہت زیادہ زرخیز اور شاداب مقام تھا اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت سے اس کی شادابی سے واقف تھے[2] اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پیش قدمی کی اجازت چاہی' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اجازت دینے میں دو وجہوں سے پس و پیش ہوا' اول یہ کہ

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۴۵ [2] کیونکہ تجارت کے سلسلہ میں مصر آیا کرتے تھے۔

Marfat.com

شام کی مہم سر کرنے کے بعد ابھی اسلامی فوجوں نے دم نہ لیا تھا' دوسرے مقوقس شاہ مصر کی قوت کا تھوڑی فوج سے مقابلہ کرنا دشوار تھا' لیکن آخر میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے اصرار اور حوصلہ مندی سے مجبور ہو کر اجازت دے دی' اور ان کے جانے کے بعد زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو ایک جمعیت کے ساتھ امداد کے لیے روانہ کر دیا' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے شام سے نکل کر پہلا مقام باب الیون میں کیا۔

باب الیون:

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پہنچنے کے قبل آپ کی آمد کی اطلاع پا کر مصری فوجیں باب الیون پہنچ گئی تھیں' ابو مریم مصر کا اسقف ان کی قیادت کر رہا تھا' اس لیے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پہنچنے کے ساتھ ہی دونوں میں جھڑپ ہوئی' مگر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے لڑائی روک دی اور ابو مریم سے تخلیہ گفتگو کی خواہش کی' چنانچہ وہ دونوں آئے' انہوں نے اسلام پیش کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت[1] سنائی اور اسلام قبول کرنے کی صورت میں جزیہ کی شرط پیش کی' یہ دونوں چند دن کی مہلت لے کر استصواب کے لیے مقوقس کے پاس گئے' لیکن ارطبون سپہ سالار مصر نے انکار کر دیا اور اہل مصر کو اطمینان دلایا کہ تم لوگ مطمئن رہو' میں مسلمانوں کو ہٹا دوں گا' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کئی دن تک جواب کا انتظار کرتے رہے مگر اس درمیان میں ارطبون مقابلہ میں آ گیا' مگر فاش شکست کھائی۔[2]

عین شمس یا فسطاط:

فرما کی تسخیر کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بلبیس اور ام دنین وغیرہ فتح کرتے ہوئے عین شمس پہنچے' عین شمس زمانہ قدیم میں بڑا عظیم الشان اور گنجان شہر تھا' یہاں آفتاب کا ہیکل تھا' جس کی تیرتھ کو ہزاروں آدمی آتے تھے' لیکن جس زمانہ میں مسلمانوں کا حملہ ہوا اس وقت تباہ ہو چکا تھا' بعد میں یہی مقام آباد ہو کر فسطاط کے نام سے مشہور ہوا۔[3]

---

[1] حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی مصری تھیں' اس تعلق سے آپ نے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی تھی کہ مصر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔

[2] طبری ۲۵۸۴ تا ۲۵۸۶ طبری کے بیان کے مطابق ارطبون بھی اس میں مارا گیا' لیکن یہ غلط ہے کیوں کہ آئندہ متعدد معرکوں میں وہ شریک رہا۔ [3] مقریزی جلد ا ص ۳۷۱

Marfat.com

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے حملہ کے وقت اگرچہ یہاں کوئی آبادی نہ تھی، بلکہ چراگاہیں تھیں، تاہم قصر شمع یہاں ایک قلعہ تھا، جس میں مقوقس کی فوج رہتی تھی، مصر کی تسخیر کے لیے اس کا لینا ضروری تھا، اس لیے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بڑے اہتمام سے محاصرہ کی تیاریاں شروع کیں، اسی دوران میں زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بھی دس ہزار کی جمعیت لے کر پہنچ گئے اور دونوں نے دوسمتوں سے حملے شروع کر دیئے۔[1] مگر قلعہ اس قدر مستحکم تھا کہ مہینوں لگ گئے، آخر میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے تنگ آ کر ننگی تلوار ہاتھ میں لی اور قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے آپ کو دیکھ کر بہت سے جانثار سیڑھی لگا کر پہنچ گئے اور سب لوگوں نے اس زور سے تکبیر کا نعرہ لگایا کہ قلعہ والے بدحواس ہو گئے اور سمجھے کہ مسلمان قلعہ میں آ گئے، اس لیے انہوں نے خود اس کے دروازے کھول دیئے۔[2] اب ان کے لیے سوائے مصالحت کے کوئی چارۂ کار نہ تھا، اس لیے صلح کی درخواست کی، مسلمانوں نے منظور کر لی اور اتنی رعایت کی کہ فاتحانہ داخلہ کے باوجود شرائط بہت نرم رکھیں، یہی مقام بعد میں آباد ہو کر فسطاط کے نام سے موسوم ہوا۔

فتح اسکندریہ:

عین شمس کی فتح کے بعد عمرو بن العاص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اسکندریہ کی طرف پیش قدمی کی اجازت مانگی، وہاں سے اجازت ملنے کے بعد خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو مفتوحہ مقامات کا حاکم مقرر کر کے اسکندریہ روانہ ہو گئے، رومیوں اور قبطیوں کو پہلے سے اطلاع ہو چکی تھی، اس لیے انہوں نے آگے بڑھ کر روکنا چاہا اور اسکندریہ اور فسطاط کے درمیان مقام کریوں میں دونوں کا سخت مقابلہ ہوا، رومی شکست کھا کر بھاگ گئے۔[3] اور عمرو بن العاص بڑھتے ہوئے اسکندریہ پہنچے یہاں کے باشندے مقابلہ کے لیے ہمہ تن تیار تھے مگر مقوقس خود صلح کا خواہش مند تھا، اس لیے اس نے مفاہمت کی درخواست کی، لیکن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا، اب مقوقس کے لیے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں رہ گیا

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۰ [2] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۰، دروازہ کھولنے کا واقعہ طبری میں ہے۔ [3] فتوح البلدان ص ۲۲۷، ۲۲۸

Marfat.com

کہ وہ رومیوں کی خواہش کے مطابق جنگ کے لیے آمادہ ہو جائے' چنانچہ قلعہ کی فصیل پر فوجوں کی صف بندی کی اور مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لیے عورتوں کو بھی شامل کر لیا اور ان کے چہرے شہر کی طرف کر دیئے تاکہ مسلمان پہچان نہ سکیں' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہلا بھیجا کہ ہم یہ اہتمام سمجھتے ہیں' لیکن یاد رکھو ہم نے فوج کی کثرت کے بل پر میدان نہیں سر کیے ہیں' تمہارے بادشاہ ہرقل کا جو زور و قوت میں تم سے کہیں بڑھ کر ہے' کیا انجام ہوا' مقوقس نے جو ہر موقع پر صلح کا پہلو ڈھونڈتا تھا' اسکندریہ والوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ واقعی ہمارے شہنشاہ ہرقل کو ان لوگوں نے اس کی دارالسلطنت سے بھگا کر قسطنطنیہ پہنچا دیا' تو ہم لوگ کس شمار میں ہیں' اس کے جواب میں اسکندریہ والوں نے اس کو بہت برا بھلا کہا اور لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں [1]

مقوقس ابتدا سے جنگ کا مخالف تھا' مگر ہرقل کے خوف سے جس کا وہ باج گزار تھا' علی الاعلان لڑائی سے کنارہ کش نہیں ہو سکتا تھا' لیکن درپردہ وہ برابر مسلمانوں سے صلح کی کوشش کرتا رہا' ہرقل کو اس کی اطلاع ہوگئی' وہ بہت برہم ہوا' اور اسی وقت اسکندریہ فوجیں روانہ کر دیں' لیکن مقوقس نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے پہلے ہی خفیہ معاہدہ کر لیا تھا کہ یہ جنگ ہماری مرضی کے خلاف ہو رہی ہے' اور ہم بدرجہ مجبوری اس میں شریک ہیں اس لیے قبطیوں اور رومیوں میں امتیاز رکھنا اور قبطیوں کے ساتھ وہ سلوک نہ کرنا' جس کے رومی مستحق ہیں' اس معاہدے کے بعد قبطی ہر طرح سے مسلمانوں کے مددگار رہے اور ان کے لیے راستہ صاف کراتے اور گزرگاہوں کے پلوں کی مرمت کرتے تھے [2]

غرض اسکندریہ والوں کی تیاری کے بعد مسلمانوں نے اسکندریہ کا محاصرہ کر لیا لیکن قلعے اس قدر مضبوط اور مستحکم تھے کہ دو مہینہ تک کوئی نتیجہ نہ نکلا' اس درمیان میں صرف یہ واقعہ قابل ذکر پیش آیا کہ ایک دن قلعہ کے آڑ سے کچھ سوار برآمد ہوئے' ان میں اور مسلمانوں میں مڈبھیڑ ہوگئی جس میں بارہ مسلمان شہید ہوئے' رومیوں کے لیے یہ معرکہ بہت اہم تھا' کیونکہ اسکندریہ میں ان کا سب سے بڑا کنیسہ تھا' اس کے نکل جانے کے بعد

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۸ [2] مقریزی ج ۱ ص ۲۶۳

Marfat.com

ان کی مرکزیت بالکل فنا ہو چکی تھی' اس لیے خود قیصر روم نے جنگ میں شرکت کی تیاریاں شروع کیں' مگر بدقسمتی سے سازوسامان مکمل کرنے کے بعد خود چل بسا' اس کی موت سے رومیوں کی ہمت پست ہوگئی اور بہتوں نے جو اس کے ساتھ تیاریاں کر رہے تھے ارادہ فسخ کر دیا' کہ بغیر بادشاہ کے لڑنا بے سود ہے' البتہ اسکندریہ کی فوجیں برابر مدافعت میں مشغول رہیں اور کبھی کبھی باشندگان اسکندریہ مسلمانوں سے دو چار ہاتھ کا تبادلہ بھی ہو جاتا تھا' لیکن رومی برابر قلعہ میں رہتے تھے' ایک دن کچھ لوگ قلعہ سے نکلے اور ایک مسلمان کا سر کاٹ کر اس کو ساتھ لیتے گئے' مقتول کے قبیلہ کے لوگ بہت غضبناک ہوئے اور بغیر سر کی نعش دفنانے پر تیار نہ ہوئے' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا اس غیظ و غضب سے کیا فائدہ' اگر سر واپس لینا چاہتے ہو تو تم بھی کسی رومی کا سر کاٹ کر اس کو رومیوں کی طرف پھینک دو' چنانچہ ایک پادری ہاتھ آ گیا' اس کا سر قلم کر کے کسی طرح رومیوں تک پہنچا دیا' اس کے جواب میں انہوں نے مقتول مسلمان کا سر پھینک دیا' چونکہ لڑائی طول پکڑتی جاتی تھی' اس لیے ایک مسلمان نے مشورہ دیا کہ منجنیق نصب کر کے قلعہ پر سنگباری کی جائے' لیکن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایسی نازک حالت میں صف بندی توڑنا مناسب نہیں' ابھی تک جم کر دست بدست لڑائی کی نوبت نہیں آئی تھی' البتہ کبھی کبھی قلعہ والے نکل آتے تھے اور دو چار ہاتھ ردوبدل کے بعد قلعہ بند ہو جاتے' ایک دن قلعہ سے نکل کر لڑ رہے تھے کہ رومیوں کی صف سے آواز آئی' کہ کون مسلمان میرے مقابلہ میں آتا ہے؟ حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ بڑھے' مگر بھاری بھرکم آدمی تھے اس لیے حملہ کرتے وقت گھوڑے پر سنبھل نہ سکے اور رومی نے پچھاڑ دیا' مگر مسلمانوں نے بڑھ کر بچا لیا' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا' انہوں نے کہا' ایسے نامردوں کو میدان میں آنے کی کیا ضرورت تھی' مسلمہ رضی اللہ عنہ کو ناگوار ہوا' مگر مصلحت وقت کے خیال سے خاموش رہے' اور لڑائی کا بازار گرم ہو گیا' مسلمان رومیوں کو جوش میں دباتے ہوئے قلعہ کے اندر تک چلے گئے اور دیر تک قلعہ کے اندر لڑتے رہے' لیکن پھر رومیوں نے سنبھل کر مسلمانوں کو قلعہ کے باہر کر دیا' ان کے نکلنے کے بعد رومیوں نے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا' اتفاق سے چار آدمی جن میں ایک عمرو بن العاص

Marfat.com

رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمہ رضی اللہ عنہ تھے' قلعہ ہی میں رہ گئے' رومیوں کی نظر پڑی تو کہا کہ اب تم ہمارے بس میں ہو اس لیے بہتر یہی ہے کہ اپنے کو ہمارے حوالہ کر دو' بیکار جان دینے سے کیا فائدہ' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا' البتہ اگر تم ہم کو چھوڑ دو تو تمہارے قیدی واپس کر دیئے جائیں گے' رومی اس پر آمادہ نہ ہوئے اور رہائی کی یہ شرط ٹھہری کہ چار محصورین میں سے کوئی ایک کسی رومی کا مقابلہ کرے اگر مسلمان فتحیاب ہو جائے تو سب چھوڑ دیئے جائیں گے ورنہ انہیں حوالہ کر دینا ہوگا' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ راضی ہو گئے' اور خود مقابلہ میں آنا چاہا' مگر مسلمہ رضی اللہ عنہ نے سمجھایا کہ آپ امیر ہیں' اگر آپ کو کوئی صدمہ پہنچا تو فوج کا کیا حشر ہوگا' اس لیے مجھ کو نکلنے دیجئے' ان کی سمجھ میں یہ بات آ گئی اور مسلمہ مقابلہ میں آئے' خوش قسمتی سے دو ہی ایک ہاتھ میں رومی کو گرا دیا' اور اس طرح سے ان لوگوں کی جان بچ گئی' ان کے چھوٹنے کے بعد رومیوں کو معلوم ہوا کہ ان میں اسلامی لشکر کے سپہ سالار عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی تھے' مگر اب سوائے پشیمانی کے اور کیا ہو سکتا تھا اس لیے ہاتھ مل کر رہ گئے' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مسلمہ رضی اللہ عنہ کو ڈانٹنے پر بہت نادم تھے' اس لیے رہائی کے بعد سب سے پہلے ان سے معافی مانگی' مسلمہ رضی اللہ عنہ نے نہایت خوش دلی سے معاف کر دیا' اور پھر بدستور محاصرہ میں مشغول ہو گئے' اسکندریہ کے محاصرہ کو قریب دو سال ہو چکے تھے' لیکن ہنوز روز اوّل تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس تاخیر سے بہت پریشان تھے' چنانچہ انہوں نے خط لکھ بھیجا کہ تم لوگ دو سال سے جمے ہوئے ہو' لیکن ابھی تک کوئی نتیجہ نہ نکلا' معلوم ہوتا ہے رومیوں کی طرح تم بھی عیش و عشرت میں اور ہوا و ہوس میں پڑ کر اپنے فرائض اور خلوص نیت کو بھول گئے' جس وقت تم کو میرا خط ملے لوگوں کے سامنے جہاد پر تقریر کرو' اور جن چار آدمیوں کو میں نے بھیجا تھا' ان کو فوج کے آگے کر کے جمعہ کے دن حملہ کر دو' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فوج کو یہ خط سنا دیا' اس سے ان لوگوں میں نیا جوش پیدا ہو گیا' اور فوج کو مرتب کر کے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے نیزہ پر جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے' اپنا عمامہ لٹکا کر ان کے حوالہ کیا کہ یہ علم لیجئے اور آپ اس فوج کے سردار ہیں' حضرت عبادہؓ نے اس جوش و خروش سے حملہ کیا کہ پہلے ہی حملہ میں رومیوں کے پاؤں اکھڑ

Marfat.com

گئے' اوران کو خشکی وتری جس راستہ سے دھر راہ ملی بھاگ نکلے' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار آدمی متعین کر کے خشکی کی سمت رومیوں کا تعاقب کیا' ادھر وہ تعاقب میں مصروف تھے' رومیوں نے بحری راستہ سے پلٹ کر حملہ کر دیا' اور جس قدر مسلمان ملے بے دریغ قتل کر دیئے' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو تعاقب چھوڑ کر لوٹ پڑے' رومیوں کا یہ حملہ صرف اتفاقی تھا' ان کی قوت ٹوٹ چکی تھی' اس لیے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو دوبارہ کوئی زحمت پیش نہیں آئی' اور آسانی سے زیر کر لیا' اور معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کو فتح کا مژدہ سنانے کے لیے دارالخلافہ روانہ کیا' وہ بعجلت منزل طے کرتے ہوئے ٹھیک دوپہر کے وقت مدینہ پہنچے اور سیدھے مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں چلے گئے اتفاق سے اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی لونڈی اس طرف سے گذری' اس نے انہیں سے مسافرانہ شکل میں دیکھ کر پوچھا تم کون ہو؟ کہا معاویہ رضی اللہ عنہ بن خدیج' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا قاصد' اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی' آپ نے فوراً طلب کیا' ان کے پہنچتے پہنچتے وہ خود آنے کو تیار ہو رہے تھے۔ دیکھنے کے ساتھ ہی پوچھا کیا خبر لائے' عرض کیا خدا نے کامیاب کیا' یہ مژدہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت منادی کرائی اور مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تمام مسلمانوں کے سامنے خود معاویہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے فتح کے حالات سنوائے' پھر پوچھا کہ تم سیدھے مسجد میں کیوں چلے گئے' عرض کیا دوپہر کا وقت تھا' میں نے خیال کیا کہ آپ آرام فرماتے ہوں گے' جواب دیا کیا میں دن کو سو کر رعایا کو تباہ کرتا[1]

اگرچہ اسکندریہ کو مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح کیا تھا' لیکن شہر کے امن وامن میں کوئی فرق نہیں آنے پایا اور عام آبادی میں سے کسی کو قتل یا قید نہ کیا گیا[2] بلکہ جزیہ اور خراج تشخیص کرنے کے بعد کامل امن وامان ہو گیا۔

مصر کی تسخیر کے بعد اگرچہ وہاں رومیوں کی قوت بالکل ٹوٹ چکی تھی' تاہم منتشر طور پر جابجا ابھی ان کی آبادیاں باقی رہ گئی تھیں' اس لیے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ہر طرف

---

[1] یہ تمام تفصیلات مقریزی ج ۱ ص ۲۶۳ تا ۲۶۷' سے ماخوذ ہیں اور بعض بعض واقعات طبری سے لیے گئے ہیں۔ [2] فتوح البلدان ص ۲۲۸

Marfat.com

تھوڑی تھوڑی فوجیں روانہ کرادیں' تاکہ آئندہ بغاوت کا خطرہ باقی نہ رہے چنانچہ خار
بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے فیوم' اشمونین' بشروات' اخمیم اور صعید' مصر کے تمام مواضعات لیے او
عمر بن وہب نے تینس' دمیاط' تونہ' دمیرہ' شطا' وقہلا' بوصیرہ وغیرہ پر قبضہ کرلیا اور یہاں کی
کل آبادی نے فسطاط کے شرائط پر صلح کر لی[1] اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ یا دروان نے مصر کی
آبادیوں پر قبضہ کیا اور مصر و اسکندریہ پر پورا تسلط ہوگیا۔

فتوحات مغرب برقہ:

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی فتوحات کا سیلاب اسکندریہ پہنچنے کے بعد برقہ کی طرف مڑا' برقہ فسطاط سے بیس پچیس منزل کی مسافت پر اسکندریہ اور طرابلس کے درمیان ایک زرخیز' سیر حاصل اور آباد رقبہ زمین تھا' یہاں کی آبادی بہت مرفہ الحال تھی' یہ قطعہ متعدد شہریوں پر مشتمل تھا' انطابلس یہاں کا بڑا شہر تھا[2] یہ لوگ حکومت مصر کے باجگزار تھے' عمرو بن العاص نے انطابلس پہنچ کر اس کا محاصرہ کرلیا' برقہ والے بہت نرم خو اور اطاعت شعار تھے' اس لیے بلا کسی مزاحمت کے جزیہ قبول کرلیا' اور تیرہ ہزار دینار سالانہ پر صلح ہوگئی۔[3]

زویلہ:

برقہ سے فارغ ہو کر عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کو زویلہ روانہ کیا' یہ سوڈان کی سرحد پر ایک آباد شہر تھا' برقہ اور زویلہ کے درمیان آبادیوں نے بلا کسی جنگ کے خود سے اطاعت قبول کرلی[4] زویلہ والوں نے بخوشی جزیہ دینا منظور کرلیا۔

طرابلس الغرب:

زویلہ کے بعد طرابلس کا رخ کیا' طرابلس بحر روم کے ساحل پر آباد ہے' یہ مقام اس زمانہ میں افریقہ کے ممتاز ترین مقامات میں تھا' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے طرابلس کے مشرق میں فوجیں اتار دیں اور نہایت اہتمام سے اس کا محاصرہ کیا' دو مہینہ تک برابر محاصرہ جاری رہا' لیکن کہیں سے اندر جانے کا راستہ نہ ملتا تھا' ایک دن کچھ مسلمان شکار کو

[1] فتوح البلدان ص ۲۲۴ [2] معجم البلدان ''برقہ'' [3] بلاذری ص ۲۳۱۔ [4] ایضاً ص ۲۳۲

Marfat.com

نکلے واپس میں دھوپ سخت تھی' اس لیے یہ لوگ دریا کے کنارہ کنارہ واپس ہوئے' شہر کے قریب پہنچ کر دیکھا کہ شہر اور دریا کے درمیان کوئی فصیل یا شہر پناہ وغیرہ نہیں ہے' اور دریا کے گھٹاؤ کی وجہ سے درمیان میں خشک راستہ بھی چھوٹا ہوا ہے' انہوں نے آ کر فوراً عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی چنانچہ مسلمان اسی وقت حملہ کے لیے تیار ہو گئے اور اسی راستہ سے فوراً حملہ کر دیا اور ناگہانی حملہ سے شہر والے بالکل بدحواس ہو گئے' دریائی راستہ سے بھاگنا آسان نہ تھا کیونکہ درمیان میں مسلمان حائل تھے' اس لیے شہر ہی میں کشت وخون ہوا' چونکہ مسلمانوں کا حملہ بالکل اچانک تھا' طرابلس والے پہلے سے تیار نہ تھے' اس لیے تسخیر میں زیادہ دشواری نہ ہوئی' اور آسانی سے زیر کر لیا۔[1]

سبرہ:

طرابلس سے آگے بڑھ کر سبرہ ایک شہر پڑتا تھا' طرابلس کی تسخیر کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ خود وہیں رہے اور تھوڑی فوج سبرہ بھیج دی' یہ لوگ علی الصباح سبرہ پہنچ گئے' اہل شہر طرابلس کے واقعہ سے لاعلم تھے' اس لیے حسب معمول صبح سویرے شہر کا پھاٹک کھول کو اپنے کاروبار میں لگ گئے' مسلمانوں نے یلغار کر کے زبردستی شہر میں داخل ہو کر قبضہ کر لیا اور کشت وخون کی نوبت نہیں آئی۔[2]

ان مہموں کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ طرابلس فتح ہو چکا ہے افریقہ (تونس' مراکش اور الجزائر وغیرہ) یہاں سے صرف نو دن کی مسافت پر ہے' اگر امیر المومنین مناسب سمجھیں تو آگے پیش قدمی کی جائے' لیکن وہاں سے حکم آ گیا کہ افریقہ کے باشندے شورش پسند ہیں' اپنے حکمرانوں سے ہمیشہ بغاوت کرتے ہیں' اس لیے آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں چنانچہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے آگے پیش قدمی روک دی۔[3]

مصر کی گورنری اور اسکندریہ کی بغاوت:

ان فتوحات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر کی حکومت پر

---

[1] معجم البلدان ج ۶ ص ۳۵ و ابن اثیر [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۲۰ [3] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۳

Marfat.com

سرفراز کیا' کچھ دنوں کے بعد ان کا انتقال ہو گیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے' اسی زمانہ میں اسکندریہ والوں نے بغاوت کر دی' اس کا سبب یہ ہوا کہ رومی اسکندریہ پر مسلمانوں کے قبضے کے وقت سے ہمیشہ اس کے واپس لینے کی فکر میں رہتے تھے' اسکندریہ بحر روم میں ان کی نہایت اہم بندرگاہ تھی' اس کے نکل جانے کے بعد ان کے تمام افریقی مقبوضات خطرہ میں پڑ گئے تھے' چنانچہ انہوں نے اسکندریہ کی رومی آبادی سے خط و کتابت کر کے اس کو بغاوت پر آمادہ کر یا اور ان کی مدد کے لیے قسطنطنیہ سے عظیم الشان لشکر بھیجا' لیکن قبطی آبادی نے اس میں کوئی حصہ نہیں لیا اور مقوقس صلح پر قائم رہا' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو وہ مقابلہ کو نکلے' دونوں میں سخت معرکہ ہوا' رومی شکست کھا کر اسکندریہ کے اندر داخل ہو گئے' مسلمانوں نے شہر کے اندر داخل ہو کر جہاں تک ہو سکا مارا' منویل خصی رومی سپہ سالار مارا گیا' جب یہاں بھی پناہ نہ ملی تو اسکندریہ سے نکل کر بھاگے' اور چونکہ قبطیوں نے ان کا ساتھ نہیں دیا تھا' اس لیے جذبہ انتقام میں ان آبادیوں کو لوٹتے ہوئے نکل گئے' بدحواسی میں اپنے حامیوں کو بھی تاخت و تاراج کر دیا' جب مسلمان کا کامل تسلط ہو گیا تو قبطی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس فریاد لے کر آئے کہ رومیوں نے ہمارا سارا مال و متاع لوٹ لیا ہے' ہم نے مسلمانوں سے بغاوت نہیں کی تھی' اس لیے ہم کو واپس دلایا جائے' انہوں نے شناخت کرا کے جن جن لوگوں کا مال تھا واپس کرا دیا' اور آئندہ بغاوت کے خطرہ سے بچنے کے لیے اسکندریہ کی شہر پناہ تڑوا دی۔[1]

معزولی:

۲۶ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر کی گورنری سے علیحدہ کر دیا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ان کے مخالفین کی جانب سے جو اعتراضات کیے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے اتنے بڑے فاتح اور سپہ سالار کو معزول کر کے دانشمندی کا ثبوت نہیں دیا' جس نے مصر' اسکندریہ' اور طرابلس کا تختہ الٹ دیا تھا' لیکن درحقیقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کی معزولی پر مجبور ہو گئے تھے' وہ بلاوجہ معزول نہیں کرتے

[1] طبری ج ۵ ص ۲۸۱۴

Marfat.com

تھے‘ طبری کے یہ الفاظ ہیں و کان لا یعزل احداً الا عن شکاۃ او استغاثۃ[1] یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کبھی کسی کو بغیر شکایت یا استغاثہ کے معزول نہیں کرتے تھے‘ واقعہ یہ ہے کہ پیہم اس قسم کے حالات پیش آتے گئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی معزولی کے سوا اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا مصر کی فتح کے بعد سے برابر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہی یہاں کے حکمران رہے‘ البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں مصر کے ایک چھوٹے حصہ کا جو سعید مصر کے نام سے موسوم ہے‘ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو والی بنایا تھا‘ لیکن یہ تقرر بھی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر بار تھا اور وہ مصر میں کسی کو بھی اپنے سوا نہ دیکھنا چاہتے تھے‘ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان کی ہیبت سے عبداللہ رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی کاروائی نہ کر سکے‘ آپ کی وفات کے بعد ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عبداللہ رضی اللہ عنہ کی معزولی کی درخواست کی‘ لیکن آپ نے قبول نہ کی[1]

مصر نہایت زرخیز ملک ہے‘ لیکن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس کی زرخیزی کے تناسب سے خراج نہ ملتا تھا‘ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے زمانہ سے اس کی شکایت چلی آتی تھی‘ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارہ میں ان کو ایک سخت خط بھی لکھا تھا‘ یہ خط اور اس کا جواب مقریزی میں موجود ہے[2] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی وہ شکایت برابر قائم رہی‘ انہوں نے بھی ان کو لکھا‘ مگر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے صاف جواب دیا کہ ”گائے اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی“ اس جواب پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خراج کا عہدہ ان سے نکال کر عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے متعلق کر دیا‘ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ‘ عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کا تعلق سعید مصر ہی سے بمشکل برداشت کیے ہوئے تھے‘ اس انتظامی تغیر نے دونوں کے تعلقات اور زیادہ کشیدہ کر دیئے اور دونوں ایک دوسرے کے خلاف دربارِ خلافت میں شکایات بھیجنے لگے‘ عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ لکھتے تھے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ خراج کی وصولی میں رخنہ انداز ہوتے ہیں اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ لکھتے کہ عبداللہ جنگی تدبیروں میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں[3] اس لیے یہ دوعملی عرصہ تک نہ چل سکی‘ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

---

[1] کتاب الولاۃ کندی ص ۱۰ [2] مقریزی ج ۱ ص ۱۲۵ [3] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۵۳

Marfat.com

نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر سے معزول کر کے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو مستقل والی بنا دیا' یہ طبری اور ابن اثیر کی روایت ہے' لیکن کتاب الولاۃ اور حسن المحاضرہ کی روایت کے مطابق عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اسکندریہ کی بغاوت سے پہلے ہی معزول ہو چکے تھے' اور ان ہی کی معزولی سے اسکندریہ والوں میں بغاوت کا حوصلہ پیدا ہوا تھا اور بغاوت برپا ہونے کے بعد پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مجبور ہو کر ان کو اس کے فرو کرنے پر مامور کرنا پڑا' جب وہ بغاوت کا خاتمہ کر چکے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو امارت جنگ کے عہدہ پر بحال کرنا چاہا لیکن انہوں نے قبول نہ کیا اور جواب دیا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ سینگ میں پکڑوں اور دودھ دوسرا دوھے''۔ اس روایت کے مطابق عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی معزولی کا واقعہ ۲۵ھ میں پیش آیا' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اپنی معزولی پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس درجہ برہم ہوئے کہ جب معزولی کے بعد مصر سے مدینہ آئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو وہ ان کی باتوں کا ٹھیک جواب بھی نہ دیتے تھے' جس وقت ان سے اور حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی' اس وقت یہ لبادہ پہنے ہوئے تھے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا اس لبادہ میں کیا بھرا ہے' جواب دیا' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا یہ تو میں بھی جانتا ہوں[1] میرا مطلب یہ ہے کہ روئی ہے یا اور کوئی چیز؟ پھر پوچھا تم نے' عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو مصر میں کس حالت میں چھوڑا' کہا جس حال میں آپ چاہتے تھے' پوچھا اس کا کیا مطلب' کہا اپنے نفس کے لیے قوی اور خدا کے لیے ضعیف' فرمایا میں نے ان کو تمہارے نقش قدم پر چلنے کی ہدایت کی تھی' جواب دیا آپ نے ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بار ڈالا[2] اس وقت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کا بھیجا ہوا اخراج پہنچ چکا تھا' اور اس کی تعداد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے زمانہ کے خراج سے بہت زیادہ تھی' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا ''دیکھو اونٹنی نے دودھ دیا'' انہوں نے کہا ''ہاں لیکن بچے بھوکے رہ جائیں گے[3] مگر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ معزولی کے بعد بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اسی طرح خیر خواہ رہے' جس طرح معزولی کے قبل تھے' چنانچہ جب مصر سے باغیوں کا

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۶۸ [2] یعقوبی ج ۲ ص ۱۸۹ [3] ایضاً

Marfat.com

گروہ چلا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو سمجھانے کے لیے بھیجا' انہوں نے اپنے سابق اثر سے کام لے کر ان کو واپس کیا' اور شہر کے لوگوں کو جمع کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے صفائی پیش کی۔[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جب کبھی مشکلات پیش آتی تھیں تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مشورہ کرتے تھے' یہ نہایت خیر خواہی سے مشورہ دیتے تھے' سازش کے زمانہ میں جب باغیوں نے اپنے مطالبات پیش کیے تو آپ نے ایک مجلس شوریٰ منعقد کی' اس کے ایک رکن عمرو بن العاص بھی تھے' تمام اراکین سے مشورہ کرنے کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے خاص طور پر ان کی رائے پوچھی' انہوں نے کہا آپ ضرورت سے زیادہ نرمی کرتے ہیں' گرفت کے موقعوں پر چشم پوشی کر جاتے ہیں' عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ آپ نے لوگوں کو آزادی دے رکھی ہے' میرا مشورہ یہ ہے کہ ملکی انتظام میں اپنے پیشرو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے نقش قدم پر چلیے' اور نرمی کے موقع پر نرمی اور سختی کے موقع پر سختی سے کام لیجیے۔[2]

عہد علی و معاویہ رضی اللہ عنہما:

معزولی کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سیاسی زندگی سے کنارہ کش ہو کر فلسطین میں اقامت اختیار کر لی تھی اور کبھی کبھی مدینہ آ جاتے تھے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محصور ہونے کے وقت مدینہ میں موجود تھے' لیکن جب دیکھا کہ فتنہ و فساد کے شعلے قابو سے باہر ہو گئے تو یہ کہہ کر کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں جس کا ہاتھ ہوگا' اس کو خدا ذلیل کرے گا' جو شخص ان کی مدد نہ کر سکتا ہو اس کو مدینہ چھوڑ دینا چاہیے اور خود شام چلے گئے' مگر دل برابر ان میں لگا رہا۔ ہر آنے جانے والے سے حالات پوچھ لیا کرتے تھے[3] اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ کبریٰ پیش آیا' پھر جنگ جمل کا ہنگامہ ہوا' مگر انہوں نے دائرہ عزلت سے باہر قدم نہیں نکالا۔

پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں اختلاف شروع ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جریر ابن عبداللہ بجلی کو بیعت کے لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۲۰۲، ۲۰۳ [2] طبری ص ۲۹۴۵ [3] ایضاً ص ۳۲۵۰

Marfat.com

اور یہ مطالبہ کیا کہ بیعت کرو ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے خاندان والوں سے مشورہ کیا' عتبہ بن ابی سفیان نے رائے دی کہ عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) کو بلا کر ان سے مشورہ لو' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس وقت فلسطین میں تھے' بلا کر آئے۔[1] معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا اس وقت کئی مہمیں درپیش ہیں' محمد بن ابی حذیفہ قید خانہ توڑ کر اپنے ساتھیوں سمیت فرار ہو گئے ہیں' قیصر روم علیحدہ چڑھائی پر آمادہ ہے تیسرا اور سب سے اہم معاملہ یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کا مطالبہ کیا ہے اور انکار کی صورت میں جنگ پر آمادہ ہیں' انہوں نے مشورہ دیا کہ محمد بن ابی حذیفہ کا تعاقب کراؤ مل جائیں تو فبہا ورنہ کوئی حرج نہیں' قیصر روم کے قیدی چھوڑ کر اس سے مصالحت کر لو' علی (رضی اللہ عنہ) کا معاملہ البتہ بہت اہم ہے' مسلمان کبھی بھی تم کو ان کے برابر نہ سمجھیں گے' معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں معاون تھے' امت اسلامیہ میں پھوٹ ڈال کر فتنہ پیدا کیا' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا لیکن تم کو سبقت اسلام اور قرابت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف حاصل نہیں ہے اور میں تمہارے مقصد کے حصول کے لیے خواہ مخواہ کیوں تمہاری مدد کروں' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا آخر کیا چاہتے ہو' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا مصر' معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا تم مصر چاہتے ہو اور مصر کسی طرح عراق سے کم نہیں ہے' عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں' لیکن مصر کا مطالبہ اس وقت ہے' جب علی رضی اللہ عنہ کو تم مغلوب کر چکے ہو گے اور دنیا تمہارے زیر نگیں ہو گی' اس گفتگو کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اپنی قیام گاہ پر چلے گئے' عتبہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے پھر اصرار کیا کہ مصر دے کر کیوں نہیں فائدہ اٹھاتے' ان کے اصرار پر معاویہ رضی اللہ عنہ راضی ہو گئے' اور دوسرے دن صبح کو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مصر دینے کا تحریری وعدہ کر لیا۔[2]

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ پہلے عمائد شام کے دلوں میں یہ بٹھا دو کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت میں علی (رضی اللہ عنہ) کا ہاتھ تھا' پھر ان کو ان کی مخالفت پر آمادہ کرو' ورنہ کامیابی ناممکن ہے' اور سب سے پہلے شرحبیل بن سمط کندی کو جو شام کے با اثر آدمی ہیں'

---

[1] طبری کی ایک روایت یہ ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر خود آئے تھے۔ [2] یعقوبی ج ۲ ص ۲۱۷

Marfat.com

یقین دلا کر اپنا ہم خیال بناؤ' غرض امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو بتائی ہوئی تدبیروں سے عمائد شام کو یقین دلا دیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون بے گناہی سے علی (رضی اللہ عنہ) کا ہاتھ بھی رنگین ہے' شرحبیل کو پورا یقین ہو گیا اور انہوں نے شام کا دورہ کر کے لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ابھارنا شروع کیا[1] اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلیفہ مظلوم کے خون آلود پیراہن اور حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیوں کی نمائش کر کے سارے شام میں آگ لگا دی' لوگ آتے تھے' اور یہ المناک نظارہ دیکھ دیکھ کر روتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے قسم کھالی کہ جب تک قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل نہ کریں گے اس وقت تک نہ بستر پر لیٹیں گے نہ عورتوں کو چھوئیں گے۔[2]

اس کے بعد طرفین نے جنگی تیاریاں شروع کر دیں اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ شام کی فوج کے امیر العسکر مقرر ہوئے اور وہ المناک جنگ شروع ہوئی جو تاریخ اسلام میں جنگ صفین کے نام سے مشہور ہے' اس جنگ کا سلسلہ مدتوں رہا' آخری فیصلہ کن معرکہ کے بعد جب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا کہ اب شامی زیادہ دیر تک میدان میں نہیں ٹھہر سکتے تو یہ تدبیر کی کہ نیزوں پر قرآن آویزاں کر کے اعلان کرا دیا کہ کتاب اللہ سے جو فیصلہ ہو جائے اس پر ہم راضی ہیں قرآن پاک کے اٹھتے ہی کوفیوں نے جنگ سے ہاتھ روک لیا حضرت علی رضی اللہ عنہ لاکھ سمجھاتے رہے کہ یہ محض فریب ہے' لیکن کسی نے نہ سنا جب اختلاف کا خطرہ بڑھا تو آپ بھی چار و ناچار آمادہ ہو گئے۔

دوسرے دن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آدمی بھیجا کہ تحکیم کا طریقہ کیا ہوگا' انہوں نے کہا ایک حکم تمہارا اور ایک ہمارا' دونوں کتاب اللہ کی رو سے جو فیصلہ کر دیں وہ دونوں کے لیے واجب التسلیم ہوگا' غرض عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ شامیوں کی جانب سے اور ابوموسیٰ کوفیوں کی جانب سے حکم مقرر ہوئے اور ثالثی نامہ تحریر ہوا کہ "حکمین اختلاف امت کا خیال رکھتے ہوئے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رو سے عدل و انصاف کے ساتھ جو فیصلہ کر دیں گے وہ طرفین کے لیے واجب التسلیم ہوگا اور جو فریق اس کو نہ

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۶۷، ۱۶۹ [2] طبری ج ۷ ص ۳۲۵۵

Marfat.com

مانے گا' اس کے خلاف دونوں حکم مدد دیں گے' اگر درمیان میں کوئی حکم مر گیا تو اس فریق کو دوسرا حکم مقرر کرنے کا اختیار ہوگا'' اس ثالثی کے بعد دونوں نے اپنی اپنی فوجیں ہٹالیں اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے تبادلہ خیالات شروع ہوا' جسکا خلاصہ یہ ہے۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ: آپ کو معلوم ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم شہید کیے گئے۔

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ: بیشک۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ: آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور آلِ معاویہ ان کے طرفدار ہیں۔

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ: یہ بھی صحیح ہے۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ: ایسی صورت میں قرآن کا یہ حکم ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیه سلطانا فلا یسرف فی القتل انه کان منصورا. اس کے علاوہ نسباً بھی وہ قریشی ہیں' ہاں سابقین اولین میں نہیں ہیں' یہ کوئی ایسا مانع نہیں ہے' اس کے علاوہ ان میں اور بہت سے اوصاف موجود ہیں' انہوں نے خلیفہ مظلوم کی حمایت کی' حسن تدبر اور حسن سیاست میں یگانہ ہیں' ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ: عمرو بن العاص! خدا کا خوف کرو' تم نے معاویہ کے جو فضائل بیان کیے' ان میں سے کوئی بھی ایسے نہیں ہیں' جو ان کو خلافت کا مستحق بناتے ہوں اگر محض شرافت پر استحقاق خلافت کا انحصار ہوتا تو آل ابرہہ ان سے زیادہ مستحق ہوتے' خلافت محض اہل دین اور صاحب فضل افراد کا حق ہے' اگر شرف کی بنیاد پر میں کسی کو خلافت دیتا تو سب سے زیادہ علی رضی اللہ عنہ مستحق تھے اور تمہاری یہ دلیل کہ انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے بدلہ کا بار اٹھایا ہے' ایسی نہیں ہے جس سے ان کو مہاجرین اولین پر فضیلت حاصل ہو سکے' تم مانتے ہو تو مانو' لیکن میں کسی حالت میں اس کو نہیں مان سکتا' رہی یہ طمع کہ معاویہ کے نزدیک

Marfat.com

میری قدر و منزلت بڑھ جائے گی یا ان سے مجھ کو مالی فائدہ ہوگا تو یہ مجھ پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتی' خدا کے معاملہ میں میں رشوت ستانی گوارا نہیں کر سکتا ہاں اگر تم چاہو تو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا نام زندہ کر دیں۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ: اگر آپ ابن عمر رضی اللہ عنہما پر راضی ہیں تو میرے لڑکے میں کیا خرابی ہے' اس کے فضائل سے آپ اچھی طرح واقف ہیں۔

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ: تمہارا لڑکا یقیناً بہت سچا ہے' مگر تم نے اس کو اس فتنہ میں مبتلا کر کے محفوظ نہ چھوڑا۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ: خلیفہ ایسے شخص کو ہونا چاہئے جس کے دو داڑھ ہوں' ایک سے خود کھائے دوسرے سے لوگوں کو کھلائے۔

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ: مسلمانوں نے بڑی جنگ و جدل کے بعد یہ کام ہمارے سپرد کیا ہے' خدارا اب دوبارہ ان کو فتنہ میں نہ ڈالو۔

غرض دونوں باہمی تبادلہ خیالات کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو معزول کر کے نئے سرے سے خلیفہ کا انتخاب کیا جائے کہ یہ کشت و خون کس طرح بند ہو' چنانچہ مقررہ تاریخ پر دومۃ الجندل میں فریقین جمع ہوئے' جب فیصلہ سنانے کا وقت آیا تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ میرے بزرگ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب صحابی ہیں' اس لیے پہلے آپ فیصلہ سنایئے' ابو موسیٰ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ صاحبو! بہت غور و فکر کے بعد ہم دونوں اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ علی (رضی اللہ عنہ) اور معاویہ (رضی اللہ عنہ) دونوں کو معزول کیے بغیر امت کی اصلاح نہیں ہو سکتی' اس لیے میں نے ان دونوں کو معزول کیا' اب آپ لوگوں کو اختیار ہے جس کو خلافت کا اہل سمجھیں' اس کو اپنا خلیفہ بنا لیں' ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سنانے کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا:

''آپ لوگوں نے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ سن لیا' انہوں نے علی اور معاویہ (رضی اللہ عنہما) دونوں کو معزول کیا' میں بھی علی (رضی اللہ عنہ) کو معزول کرتا ہوں' لیکن معاویہ کو برقرار رکھتا ہوں''۔

Marfat.com

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ سے مجمع میں سناٹا چھا گیا' ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور قریب تھا کہ تلواریں میان سے نکل آئیں' لیکن شامیوں نے فوراً حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو اونٹ پر بٹھا کر مکہ روانہ کر دیا اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی ہٹ گئے۔

مصر پر حملہ:

اس فیصلہ کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر لینے کے لیے مسلمہ بن مخلد انصاری اور معاویہ بن خدیج کندی رضی اللہ عنہما سے خط و کتابت شروع کی' یہ دونوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے بہت متاثر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالف تھے' اسی لیے دونوں ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے' اس کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ چھ ہزار فوج لے کر روانہ ہو گئے' اس وقت محمد بن ابی بکر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے مصر کے گورنر تھے' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان کو خط لکھا کہ مصر والے تمہارے مخالف ہیں' لڑائی میں ایک شخص بھی تمہارا ساتھ نہ دے گا' لہٰذا تم مصر چھوڑ دو' میں خواہ مخواہ تمہارے خون سے اپنا ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا' محمد نے یہ خط حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا' وہاں سے مقابلہ کرنے کا حکم آیا' محمد بن ابی بکر نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مقابلہ کی اطلاع دے دی' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ دو ہزار آدمی لے کر بڑھے' محمد بھی میدان میں آئے اور ایک خونریز مقابلہ کے بعد مصری فوج کے قوت بازو کنانہ مارے گئے' ان کا گرنا تھا کہ مصریوں کے پاؤں اکھڑ گئے' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ محمد بن ابی بکر کی طرف بڑھے' مگر وہ شکست کے آثار دیکھ کر پہلے نکل گئے تھے' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ہر طرف آدمی دوڑائے اور وہ گرفتار کر کے لائے گئے' اس وقت بہت پیاسے تھے' لیکن شامیوں نے پانی تک نہ دیا اور وہ تشنہ لب قتل کر دیئے گئے' اور مصر پر عمرو بن العاص کا قبضہ ہو گیا۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ:

نہروان میں خارجیوں کی شکست اور قتل عام سے ان کے بقیہ افراد میں انتقام کا جذبہ بہت ترقی کر گیا تھا' اس لیے ابن ملجم' برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر تمیمی نے مشورہ

Marfat.com

کیا کہ سارا فساد علی (رضی اللہ عنہ) معاویہ (رضی اللہ عنہ) اور عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) کی وجہ سے ہے اس لیے ان کا قصہ پاک کر دینا چاہیے چنانچہ ایک مقررہ شب کو تینوں نے تینوں اشخاص پر خفیہ حملہ کیا' ابن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا' برک بن عبداللہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا' مگر زخم اوچھا گیا' اس لیے بچ گئے' عمرو بن بکر' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر متعین تھا' مگر اتفاق سے اس دن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی طبیعت کچھ ناساز تھی اس لیے ان کے بجائے خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نماز پڑھانے نکلے' عمرو نے ان ہی کو عمرو بن العاص سمجھ کر قتل کر دیا۔[1]

مصر کی گورنری:

مصر اور شام پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مستقل قبضہ کے بعد ان میں اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ میں مصر کے معاملہ میں شکر رنجی ہو گئی' مگر معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے درمیان میں پڑ کر صلح کرا دی' اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کو چند شرائط کے ساتھ مصر کا والی بنا دیا' ان شرائط میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ وہ ہمیشہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے اطاعت گزار رہیں گے' مزید توثیق کے لیے عہد نام لکھا اور اس پر شاہدوں سے دستخط لیے گئے۔[2]

وفات:

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بہ اختلاف روایت ۴۳ھ یا ۴۷ھ یا ۵۱ھ میں مصر ہی میں اپنے عہد حکومت میں بیمار ہوئے' عمر کافی پاچکے تھے' زندگانی کی زیادہ امید نہ تھی' اس لیے مرض الموت میں اپنی گزشتہ لغزشوں پر بہت نادم تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما عیادت کو آئے' سلام کے بعد پوچھا ابو عبداللہ! کیا حال ہے؟ جواب دیا کیا پوچھتے ہو' دنیا کم بنائی مگر دین زیادہ بگاڑا' اگر اس کو بگاڑا ہوتا جس کو بنایا ہے اور اسے بنایا ہوتا جس کو بگاڑا ہے تو یقیناً کامیاب ہوتا' اگر آخر عمر کی آرزو فائدہ مند ہوتی تو ضرور آرزو کرتا' اگر بھاگنے سے بچ سکتا تو ضرور بھاگتا' مگر اب منجنیق کی طرح زمین و آسمان کے درمیان معلق ہوں' نہ ہاتھوں کے سہارے اوپر چڑھ سکتا ہوں' نہ پاؤں کے سہارے نیچے اتر سکتا ہوں' اے بھتیجے مجھ کو کوئی ایسی وصیت کر کہ اس سے فائدہ اٹھاؤں''

---

[1] یہ تمام تفصیلات طبری سے ماخوذ ہیں [2] طبقات ابن سعد قسم ۲ ج ۴ ص ۶

Marfat.com

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا افسوس اب وہ وقت کہاں' اب وہ بھتیجا بوڑھا ہوکر آپ کا بھائی ہو گیا ہے اگر آپ رونے کے لیے کہیں تو میں رونے کے لئے تیار ہوں' مقیم سفر کا کیسے یقین کر سکتا ہے' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا' اس وقت اسی برس سے کچھ اوپر میری عمر ہے' اور تو مجھ کو پروردگار کی رحمت سے ناامید کرتا ہے' خدایا! یہ ابن عباس (رضی اللہ عنہما) مجھ کو تیری رحمت سے ناامید کر رہا ہے ابھی تو مجھے یہاں تک تکلیف دے کہ راضی ہو جا' ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہیہات ابوعبداللہ جو چیز لی تھی وہ تو نئی تھی اور جو دے رہے ہو وہ پرانی ہے' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا' ابن عباس (رضی اللہ عنہما) تم کو کیا ہو گیا ہے' جو بات میں کہتا ہوں تم اس کا الٹا کہتے ہو۔[1]

ابن شامہ مہری کہتے ہیں کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے مرض الموت میں ہم ان کی عیادت کو گئے وہ دیوار کی طرف منہ کر کے رونے لگے' ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دلاسا دیا کہ ابا کیا آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں فلاں بشارتیں نہیں دی ہیں؟ جواب دیا ''میرے پاس افضل ترین دولت' لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ'' کی شہادت ہے' مجھ پر زندگی کے تین دور گزرے ہیں' ایک وہ دور تھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت ترین دشمن تھا اور میری سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ کسی طرح قابو پاکر آپ کو قتل کر دوں' اگر اس حالت میں مر جاتا تو میرے لیے دوزخ یقینی تھی' پھر اللہ عزوجل نے میرے دل میں اسلام ڈالا' میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! ہاتھ پھیلایئے میں بیعت کروں گا' آپ نے ہاتھ بڑھایا تو میں نے سمیٹ لیا' فرمایا عمرو بن العاص! تم کو کیا ہو گیا' میں نے عرض کی ''میں ایک شرط چاہتا ہوں'' فرمایا وہ کونسی شرط ہے' میں نے عرض کیا : میری مغفرت ہو جائے' فرمایا عمرو بن العاص کیا تم کو معلوم نہیں کہ اسلام اپنے پہلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے' حج اپنے پہلے کے گناہوں کو گرا دیتا ہے' اس کے بعد یہ حالت ہو گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نہ میرا کوئی محبوب رہا اور نہ ان سے زیادہ میری نگاہ میں کوئی بزرگ باقی رہا' میں آپ کی انتہائی عظمت و ہیبت کی وجہ سے آپ کو نظر بھر نہیں دیکھ سکتا تھا' اگر کوئی مجھ سے آپ کا حلیہ پوچھے تو میں نہیں بتا سکتا کہ میں نے نظر بھر

[1] استیعاب ج ۲ ص ۴۴۹

Marfat.com

کبھی دیکھا ہی نہیں اگر اس حالت میں مرجاتا تو جنت کی امید تھی' پھر تیسرا دور آیا جس میں میں نے مختلف قسم کے اعمال کیے' اب میں نہیں جانتا کہ میرا کیا حال ہوگا جب میں مر جاؤں تو نوحہ کرنے والیاں میرے ساتھ نہ جائیں' نہ جنازہ کے پیچھے آگ جائے' دفن کرتے وقت مٹی آہستہ آہستہ ڈالی جائے' دفن کرنے کے بعد اتنی دیر قبر کے پاس رہنا جب تک جانور ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم ہو جائے' تاکہ میں تمہاری وجہ سے مانوس ہو جاؤں اور یہ غور کرلوں کہ اپنے رب کے قاصدوں کو کیا جواب دوں''[1]

موت کے وقت اپنے محافظ دستے کو بلا بھیجا اور پوچھا کہ میں تمہارا کیسا ساتھی تھا؟ جواب ملا کہ آپ ہمارے سچے ساتھی تھے' ہماری عزت کرتے تھے' ہم کو دل کھول کر لیتے دیتے تھے' یہ سلوک کرتے تھے وہ کرتے تھے' کہا میں یہ سلوک اس لیے کرتا تھا کہ تم مجھ کو موت سے بچاؤ گے' یہ موت سامنے کھڑی ہوئی کام تمام کرنا چاہتی ہے' اس کو کسی طرح سے میرے سامنے سے دور کرو' یہ عجیب فرمائش سن کر ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنے لگے' کچھ دیر کے بعد بولے' ابا عبداللہ! خدا کی قسم ہم کو آپ سے ایسی فضول بات سننے کی امید نہ تھی آپ جانتے ہیں کہ موت کے مقابلہ میں ہم آپ کے کچھ کام نہیں آ سکتے' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے یہ جانتے ہوئے تم سے ایسی فرمائش کی تھی کہ تم موت کے مقابلہ میں میری کوئی مدد نہیں کر سکتے' کاش میں نے تم میں سے کسی کو اپنی حفاظت کے لیے نہ رکھا ہوتا' افسوس ابن ابی طالب سچ کہتے تھے کہ ''انسان کی محافظ خود اس کی موت ہے'' خدایا میں بری نہیں ہوں کہ معذرت کروں طاقتور نہیں ہوں' کہ غالب آ جاؤں' اگر تیری رحمت نے دستگیری نہ کی تو میں ہلاک ہو جاؤں گا۔[2]

اس کے بعد اپنے صاحبزادہ سے وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو پہلے معمولی پانی سے نہلا کر کپڑے سے خشک کرنا' پھر تازہ اور صاف پانی سے نہلانا' تیری مرتبہ کافور آمیز پانی سے غسل دینا اور کپڑے سے خشک کرنا' کفناتے وقت ازار کس کر باندھنا کہ میں مخاصم ہوں گا' جنازہ درمیانی چال سے لے چلنا' لوگوں کو جنازہ کے پیچھے رکھنا کہ اس کے

[1] مسلم کتاب الایمان باب کون الاسلام یہدم بما قبلہ [2] ابن سعد جز ۴ق ۲ ص ۸

Marfat.com

آگے ملائکہ چلتے ہیں' اور پچھلا حصہ بنی آدم کے چلنے کے لیے ہے' قبر میں رکھنے کے بعد مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا' پھر دعا میں مصروف ہو گئے کہ الہا تو نے حکم دیا' میں نے عدول حکمی کی تو نے ممانعت کی' میں نے نافرمانی کی' میں بری نہیں ہوں کہ معذرت کروں طاقتور نہیں ہوں کہ غالب آ جاؤں' ہاں لا الہ الا اللہ لا الہ الا اللہ یہی کہتے کہتے جان' جان آفریں کے سپرد کر دی انا للہ و انا الیہ راجعون۔[1]

یکم شوال ۴۳ھ بعد نماز عید الفطر آپ کے صاحبزادہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور مقطم میں سپرد خاک کیے گئے۔[2]

اولاد:

دو لڑکے تھے' عبداللہ اور محمد' دونوں خولہ بنت حمزہ کے بطن سے تھے۔

فضل وکمال:

اسلام کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی عمر کا زیادہ حصہ میدانِ جنگ میں گزرا اس لیے سرچشمہ علم وعرفان سے فائدہ اٹھانے کا موقع کم ملا' پھر بھی علم کی دولت سے بالکل تہی دامن نہ تھے۔

قراۃ القرآن:

قرآن مجید بہت سے فنون کا مجموعہ ہے' اس کی قرأت بھی مستقل فن ہے' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو قرآن سے خاص ذوق تھا' اور قرآن بہت صاف اور واضح پڑھتے تھے۔[3]

علم حدیث اور اس کی اشاعت:

اگرچہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو لڑائیوں کی شرکت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کا موقع کم ملا' تاہم جو لمحات بھی میسر آئے ان میں خوشہ چینی سے غافل نہ رہے' اور اقوال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاصی تعداد ان کے حصے میں آئی' ان کی مرویات کی تعداد ۳۹ ہے'

---

[1] ابن سعد جزو۴ ق۲ ص ۸ [2] اسد الغابہ جلد۴ ص ۷ اور مستدرک جلد۳ ص ۴۵۴

[3] اصابہ جلد۵ ص۲

Marfat.com

ان میں تین متفق علیہ ہیں اور ایک میں بخاری اور تین میں مسلم منفرد ہیں[1] حدیث کے اس سرمایہ کو تنہا اپنی ذات تک محدود نہ رکھا بلکہ دوسرے مسلمانوں تک پہنچایا' آپ کے مستفیدین کی تعداد بھی کافی ہے' ان میں آپ کے صاحبزادہ' عبداللہ' غلام ابوقیس اور قیس بن ابی حازم' ابوعثمان نہدی' علی بن رباح لخمی' عبدالرحمٰن بن شمامہ' عروہ بن زبیر' محمد بن کعب' عمارہ بن حزیمہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔[2]

تعلیم و تلقین:

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جنگی مصروفیتوں کے ساتھ ساتھ تعلیم و تلقین کا فرض بھی انجام دیتے تھے' چنانچہ سریہ ذات السلاسل میں کامیابی کے بعد وہیں مقیم ہو کر نومسلموں کو تعلیم دیتے تھے' آنحضرت ﷺ کے بعد جب دنیا طلبی کی ہوس زیادہ ہوگئی تھی' اس وقت لوگوں کے سامنے تقریر کرتے اور ان کو اسوۂ نبوی کی پیروی کی ہدایت کرتے تھے' علی بن رباح روایت کرتے ہیں کہ ایک دن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ منبر پر تقریر کر رہے تھے' کہ ''آج تم لوگوں کا حال یہ ہو رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ جن چیزوں سے احتراز فرماتے تھے' تم ان کی طرف راغب ہو رہے ہو' اور دنیا کی تمنا کرتے ہو' حالانکہ رسول اللہ ﷺ اس سے کنارہ کشی اختیار فرماتے تھے۔[3]

علم اجتہاد:

تمام مسائل میں علی الترتیب قرآن و حدیث سے کام لیتے تھے' لیکن ان دونوں سے رہ نمائی نہ ہوتی اور ان کے حل کرنے کا کوئی تیسرا ذریعہ نہ ہوتا تو اجتہاد سے کام لیتے' سریہ ذات السلاسل میں ایک شب نہانے کی ضرورت پیش آ گئی' جاڑا سخت تھا' نہانے میں بیماری کا خطرہ تھا' اور نہ نہانے کی صورت میں نماز جاتی تھی' چنانچہ اس موقع پر انہوں نے غسل کی حالت کو وضو پر قیاس کر لیا کہ پانی نہ ملنے یا بیماری کے خطرہ کی صورت میں تیمّم جائز ہو جاتا ہے اور تیمّم کر کے نماز پڑھ لی' واپس آ کر آنحضرت ﷺ سے بیان کیا' آپ نے فرمایا کہ عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ)! تم نے جنابت کی حالت میں نماز پڑھ لی' عرض کی

---

[1] تہذیب الکمال ۲۹۰ [2] تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۵۶ [3] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۰۴

Marfat.com

رسول اللہ (ﷺ)! رات بہت ٹھنڈی تھی، نہانے کی صورت میں ہلاکت کا خوف تھا، اس موقع پر مجھ کو قرآن کی یہ آیت یاد آ گئی کہ لا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما اس لیے میں نے تیمم کر لیا، آنحضرت ﷺ ہنس کر خاموش ہو گئے۔[1]

ادب وانشا:

ادب وانشا میں ذوق سلیم پایا تھا، اپنے عہد کے بہترین انشا پردازوں میں تھے، اختصار، جامعیت اور بدیع تشبیہات ان کی انشا پردازی کی خصوصیات تھیں، تاریخ کی کتابوں میں ان کی ادبیت کی بہت سی مثالیں ہیں، بعض نمونے یہ ہیں، مشہور عام الرمادہ میں یعنی جس سال عرب میں قحط پڑا تھا، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر سے غلہ بھیجنے میں تاخیر ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو لکھا کہ:

جب تم اور تمہارے ساتھی شکم سیر ہوں تو تم اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ میں اور میرے ساتھی ہلاک ہو جائیں، المدد، المدد! انہوں نے فوراً جواب دیا۔

لبیک، لبیک، میں اتنا بڑا اونٹوں کا قافلہ بھیجتا ہوں کہ اس کا اگلا سرا آپ کے پاس ہے، اور پچھلا سرا میرے پاس۔[2]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں ان کی معزولی کا واقعہ اوپر گذر چکا ہے، معزولی کے اسباب میں ایک سبب یہ بھی تھا کہ مصر کے خراج کی رقم کم وصول ہوئی تھی، جب ان کی جگہ عبداللہ ابن ابی سرح رضی اللہ عنہ کا تقرر ہوا تو کمی کی شکایت جاتی رہی، چنانچہ مصر سے واپسی کے بعد اس بارہ میں ان سے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

عثمان رضی اللہ عنہ: تم عبداللہ بن ابی سرح کو کس حال میں چھوڑ آئے۔

عمرو رضی اللہ عنہ: جیسا آپ چاہتے تھے۔

عثمان رضی اللہ عنہ: وہ کیا؟

عمرو رضی اللہ عنہ: اپنے نفس کے لیے قوی اور خدا کے لیے کمزور۔

عثمان رضی اللہ عنہ: میں نے تو ان کو تمہارے نقش قدم پر چلنے کی ہدایت کی تھی۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۰۴ [2] حسن المحاضرہ سیوطی ص ۶۸

Marfat.com

عمرو رضی اللہ عنہ: تو آپ نے ان پر ان کو طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالا۔

عثمان رضی اللہ عنہ: دیکھو اونٹنی نے دودھ دیا۔ (یعنی خراج زیادہ وصول ہوا)

عمرو رضی اللہ عنہ: لیکن بچے بھوکے رہ گئے۔[1]

اسی طریقہ سے جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قبرص پر حملہ کی اجازت مانگی' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے سمندر کے حالات پوچھ بھیجے' انہوں نے جواب لکھا۔

انی رایت خلقا عظیما یر کبه خلق صغیر کدودٍ علی عود ، ان مال غرق و ان نجابرق ۔[2] ....

''میں نے ایک بڑی مخلوق (سمندر) دیکھی' جس پر چھوٹی مخلوق اس طرح سوار ہوتی ہے جیسے لکڑی پر کیڑا کہ اگر لکڑی ذرا بھی پلٹا کھائے تو کیڑا ڈوب جائے۔ اور اگر صحیح سلامت نکل جائے تو خوفزدہ اور ہراساں رہ جائے''۔

حلیہ:

پستہ قد' فربہ اندام' بالوں میں سیاہ خضاب کرتے تھے' ایک مرتبہ اس قدر گہرا خضاب کیا کہ بال کوے کے پر کی طرح کالے ہو گئے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو پوچھا' ابا عبدالرحمٰن! یہ کیا؟ عرض کی امیر المومنین! میں چاہتا ہوں کہ مجھ کو آپ کسی قابل شمار کریں' اس کے بعد پھر انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔[3]

اخلاق وعادات:

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ابتلا و آزمائش کے مختلف دوروں سے گذرنا پڑا اور ان میں وہ صحابی رسول کی حیثیت سے اپنا دامن نہ بچا سکے اور اس قسم کی بعض لغزشیں سرزد ہو گئیں جو ایک صحابی کے مرتبہ سے فروتر ہیں' تاہم وہ بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیس اور آپ کی صحبت یافتہ تھے' اس لیے ان لغزشوں کے باوجود آپ کے وہ فضائل نظر انداز نہیں کیے جا سکتے جو فیضان نبوت نے تمام صحابہ کرامؓ میں پیدا کر دیتے تھے اسی لیے ایک دقیقہ رس نگاہ

[1] یعقوبی جلد ۲ ص ۱۸۹ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۵۴ [3] ایضاً

Marfat.com

ان کے دامن عفاف میں خفیف بدنما دھبوں کے ساتھ وہ اخلاقی نقوش بھی دیکھتی ہے' جن سے ہر صحابی گل بدامن تھا۔

قوتِ ایمان:

قوتِ ایمان تمام فضائل کا سرچشمہ ہے' اسی سے تمام فضائل کا ظہور ہوتا ہے' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ایمانی قوت کا خود زبان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتراف کیا ہے کہ اسلم الناس و امن عمرو بن العاص[1] ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ ابنا العاص مومنان ھشام و عمرو[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی واقعات سے بھی پوری تصدیق ہوتی ہے' ایک مرتبہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا بھیجا کہ وہ لباس بدل کر اور ہتھیار لگا کر آئیں' یہ حسب الحکم حاضر ہوئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرما رہے تھے' نظر اٹھا کر دیکھا' پھر نظر نیچی کر کے فرمایا کہ میں تم کو امیر بنا کر بھیجنا چاہتا ہوں' ان شاء اللہ تم محفوظ رہو گے اور مال غنیمت بھی ہاتھ آئے گا' اس سے تم کو بھی وافر حصہ ملے گا' عرض کیا (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) میں مال کی طمع میں اسلام نہیں لایا' بلکہ اس کو دلی رغبت کے ساتھ قبول کیا' فرمایا مال صالح مرد صالح کے لیے بہتر ہے[3] ایک موقع پر آپ نے فرمایا' عمرو بن العاص قریش کے صالح افراد میں ہیں' عبداللہ اور ابوعبداللہ (عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ) کیا اچھے گھرانے کے لوگ ہیں[4]

حق پسندی:

اگرچہ بعض سیاسی امور میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اپنا دامن لغزش سے نہ بچا سکے' لیکن طبعاً وہ حق پرست تھے' ایک دن خانہ کعبہ کے سیاہ دیوار کے تلے بیٹھے لوگوں کو حدیث سنا رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے خلوصِ دل سے کسی امام کے ہاتھ پر بیعت کر لی' اس کو مقدور بھر اس کی حمایت کرنی چاہیے اور اگر کوئی دوسرا شخص اس کے مقابلہ کے لیے کھڑا ہو تو اس کی گردن اڑا دینی چاہیے' عبدالرحمٰن بن عبدرب کعبہ (اس حدیث کے راوی) نے کہا کہ خدا آپ کو خوش رکھے' کیا یہ حدیث آپ نے آنحضرت

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۵۵ [2] ایضاً ۳۵۳ [3] ایضاً ص ۱۹۷

[4] کنز العمال جلد ۶ فضائل عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

Marfat.com

سے سنی ہے' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے کانوں اور قلب کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میرے دونوں کانوں نے سنی اور قلب نے محفوظ رکھی' اس پر عبدالرحمٰن نے کہا کہ تمہارے ابن عم معاویہ ہم لوگوں کو ناجائز طور پر ایک دوسرے کے مال کھانے اور جانیں ضائع کرنے کا حکم دیتے ہیں' حالانکہ خدا فرماتا ہے کہ یا ایھا الذین امنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما. یہ سن کر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ چپ ہو گئے' اور کہا کہ جس میں خدا کی نافرمانی نہ ہوتی ہو'اس کو مانو اور جس میں ہوتی ہو'اس کو نہ مانو۔[1]

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق بارہا تحسین کے کلمات ارشاد فرمائے' ایک موقع پر فرمایا کہ عمرو بن العاص قریش کے صالح لوگوں میں ہیں۔[2] اور ان کے خدمات کی بنا پر ان سے محبت فرماتے تھے' حسن روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا وہ شخص نیک خصلت نہیں ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر دم تک محبوب رکھا ہو' یہ بولے اس کی سعادت میں کس کو شک ہوسکتا ہے' کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخر دم تک تم سے محبت کرتے رہے۔[3]

تدبیر وسیاست:

عقل و دانش اور تدبیر سیاست کے لحاظ سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا شمار ان مخصوص اشخاص میں تھا جو سارے عرب میں مدبر مانے جاتے تھے[4] ان کی اصابت رائے کا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں اعتراف فرمایا کہ تم اسلام میں صائب رائے کے آدمی ہو[5] فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسا مدبر کہتا تھا کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حکومت کے لیے موزوں ہیں اور جب کسی خام کار اور ضعیف الرائے کو دیکھتے تو تعجب سے فرماتے کہ اس شخص اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا خالق ایک ہے۔[6] اسی تدبیر وشجاعت کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر بڑی مہمیں ان ہی کے سپرد فرماتے تھے' اور بعض مرتبہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر

---

1 مسلم جلد ۲ ص ۱۱۸ مطبوعہ مصر 2 اصابہ جلد ۵ ص ۳ 3 مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۰۳ 4 تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۵۷ واستیعاب واسد الغابہ وغیرہ 5 کنز العمال جلد ۶ ص ۱۸۶ 6 اصابہ جلد ۵ ص ۳

Marfat.com

صحابہ پر امیر بناتے تھے [1] جنگ صفین میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں سپر ڈالنا چاہتے تھے' لیکن محض عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی تدبیر نے دفعتہً ہوا کا رخ بدل دیا' اور اس کے بعد جو کچھ ہوا' وہ ان کی سیاست کا کرشمہ تھا' ان کی زندگی کا ہر صفحہ تدبیر و سیاست سے لبریز ہے' مغیرہ بن شعبہؓ تدبیر و سیاست میں ان کا جواب تھے' اس لیے کبھی کبھی دونوں میں چشمک ہو جایا کرتی تھی' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو مصری حکومت پر مامور کرنے کے بعد ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا والی مقرر کیا' مغیرہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ان دونوں باپ بیٹوں کو مصر اور کوفہ کا والی بنا کر تم نے اپنے کو شیروں کے جبڑے کے درمیان دے دیا' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی خطرہ محسوس کیا' چنانچہ عبداللہ کو معزول کر کے ان کی جگہ مغیرہ کو مقرر کیا' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم نے ایسے شخص کو کوفہ کی حکومت سپرد کی ہے کہ اگر وہ خراج کھا جائے تو تم وصول بھی نہیں کر سکتے' مغیرہ واقعی تنگ دست رہا کرتے تھے' اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سمجھ میں آ گیا' چنانچہ انہوں نے ان سے خراج کا عہدہ نکال کر صرف امامت کے فرائض باقی رکھے' مغیرہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ تمہاری شکایت کا نتیجہ ہے' انہوں نے کہا نہیں بلکہ تمہاری شکایت کا جواب ہے۔[2]

جہاد فی سبیل اللہ:

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے صحیفہ حیات میں جہاد فی سبیل اللہ کا عنوان بہت نمایاں ہے' تمام مغازی میں مشہور مجاہد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے دوش بدوش رہے' ان کا خود بیان ہے کہ ابتدائے اسلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو مغازی میں میرے اور خالد کے برابر نہیں کیا۔[3] شام اور مصر اور طرابلس وغیرہ کے فتوحات کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے مدینہ میں ذرا بھی کوئی خطرہ پیدا ہوتا' فوراً ان کی تلوار میان سے نکل آتی تھی' ایک مرتبہ کسی سبب سے یک بیک لوگوں میں کچھ انتشار پیدا ہو گیا اور عام بھگدڑ مچ گئی' صرف حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام سالم مسجد میں تلوار چھپائے کھڑے رہے' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو یہ

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۵۶ [2] طبری [3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۵۵

Marfat.com

بھی تلوار لگا کر ان ہی کے پاس کھڑے ہو گئے' یہ عام سراسیمگی دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ تم لوگ خدا اور رسول کی پناہ میں کیوں نہیں آئے اور عمرو بن العاص اور سالم کو کیوں نہ نمونہ بنایا۔[1]

صدقات وخیرات:

خدا کی راہ میں بہت فراخدلی کے ساتھ صدقہ دیتے تھے' جس کا اعتراف خود آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک نے بارہا کیا ہے' علقمہ بن رمثہ بلوی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک سریہ میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بحرین بھیجا اور خود ایک دوسرے سریہ میں نکلے' ہم لوگ بھی ہمرکاب تھے' آپ پر کچھ غنودگی طاری ہو گئی' بیدار ہوئے تو فرمایا کہ خدا عمرو پر رحم کرے' یہ دعا سن کر ہم میں سے ہر شخص اس نام کے اشخاص کا ذکر کرنے لگے' دوبارہ پھر آنکھ جھپک گئی' پھر ہوشیار ہو کر فرمایا خدا عمرو پر رحم کرے' جب تیسری مرتبہ آپ نے فقرہ کو دہرایا تو ہم لوگوں سے ضبط نہ ہو سکا اور پوچھا' آپ کا ارشاد کس عمرو کے متعلق ہے' فرمایا عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ)' ہم لوگوں نے سبب پوچھا' فرمایا کہ مجھ کو وہ وقت یاد آ گیا' جب میں لوگوں سے صدقہ منگواتا تھا' تو وہ بہت وافر صدقہ لاتے تھے' اور جب پوچھتا کہاں سے لاتے ہو تو کہتے خدا نے دیا۔[2] ایک موقع پر آپ نے تین مرتبہ فرمایا خدایا عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) کی مغفرت فرما' میں نے جب ان کو صدقہ کے لیے بلایا تھا تو وہ صدقہ لائے تھے۔[3]

---

1. اصابہ ج ۵ ص ۳۔
2. مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۵۵۔
3. کنز العمال ج ۶ فضائل عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

Marfat.com

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

خالد نام' ابو سلیمان کنیت' سیف اللہ لقب' سلسلہ نسب یہ ہے' خالد بن ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم مخزومی' ماں کا نام لبانہ تھا' یہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی قریبی عزیز تھیں۔

خاندانی حالات:

خالد رضی اللہ عنہ کا خاندان زمانہ جاہلیت سے معزز چلا آتا تھا' قبہ اوراعنہ یعنی فوج کی سپہ سالاری اور فوجی کیمپ کے انتظام کا عہدہ ان ہی کے خاندان میں تھا[1] اور ظہور اسلام کے وقت خالد رضی اللہ عنہ اس عہدہ پر ممتاز تھے[2] چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کا جو دستہ مسلمانوں کی نقل وحرکت کا پتہ لگانے آیا تھا' اس کے سردار خالد رضی اللہ عنہ ہی تھے[3] غزوۂ احد میں مسلمانوں کے خلافت بڑی شجاعت سے لڑے اور مشرکین مکہ کے اکھڑے ہوئے پاؤں ان ہی کی ہمت افزائی سے دوبارہ جمے۔

اسلام:

ان کے اسلام کے بارہ میں مختلف روایتیں ہیں' سب میں مستند روایت مسند احمد ابن حنبل کی ہے' جو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے اسلام کے سلسلہ میں اوپر لکھی جا چکی ہے' اس کی رو سے ان کے اسلام کا زمانہ ۶ھ اور ۸ھ کے درمیان ہے' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جب اسلام لانے کے قصد سے حبشہ سے چل کر عرب آئے اور اس کے لیے مدینہ کا رخ کیا تو راستہ میں قریش کا ایک اور خوش قسمت ہیرو اسی غرض سے مدینہ کا رہ نورد نظر آیا' یہ

---

[1] عقد الفرید جلد۲ [2] استیعاب جلد اوّل ص ۱۵۷

[3] بخاری کتاب المغازی باب الشروط فی الجہاد والمصالحہ مع اہل العرب

Marfat.com

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے' وہ بھی اسلام ہی لانے کی نیت سے مدینہ جارہے تھے' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان کو راستہ میں دیکھ کر پوچھا کہاں کا قصد ہے' بولے خدا کی قسم خوب پانسہ پڑا' یہ شخص (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) یقیناً نبی ہے' چلو اسلام کا شرف حاصل کریں' آخر کب تک؟ چنانچہ یہ دونوں ساتھ خدمت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں حاضر ہوئے' اور پہلے خالد رضی اللہ عنہ پھر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے[1]

ہجرت:

قبول اسلام کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مکہ لوٹ آئے' مگر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مدینہ ہی میں مستقل قیام اختیار کر لیا۔

غزوات:

جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے کہ ظہور اسلام کے وقت خالد رضی اللہ عنہ اپنے خاندانی عہدہ پر ممتاز تھے' اسلام کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ اعزاز قائم رکھا' اس سے فتوحات اسلامی میں بڑی مدد ملی[2] خالد رضی اللہ عنہ جس طرح قبول اسلام سے پہلے مسلمانوں کے سخت دشمن تھے' اسی طرح اسلام کے بعد مشرکوں کے لیے سخت ترین خطرہ بن گئے' چنانچہ اکثر غزوات میں ان کی تلوار مشرکین کا شیرازہ بکھیرتی رہی۔

غزوۂ موتہ:

اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے غزوۂ موتہ میں شریک ہوئے' اس کا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں حارث بن عمیر ازدی کے ہاتھ ایک خط شاہ بصریٰ کے پاس بھیجا تھا' یہ بزرگ خط لے کر مقام موتہ تک پہنچے تھے کہ شرحبیل ابن عمرو غسانی نے شہید کر دیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مسلمانوں پر اس کا سخت اثر ہوا' چنانچہ آپ نے اس کے انتقام کے لیے ۳ ہزار کی جمعیت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں روانہ کی[3]

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۹۸ [2] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۰۱

[3] ابن سعد حصہ مغازی ص ۹۲

Marfat.com

اور ہدایت فرمائی کہ اگر زید شہید ہوں تو جعفران کی جگہ لیں' اگر یہ بھی شہید ہوں تو عبداللہ بن رواحہ قائم مقامی کریں' چنانچہ اسی ترتیب سے تینوں بزرگوں نے میدان جنگ میں جام شہادت پیا' آخر میں خالد رضی اللہ عنہ نے علم سنبھالا[1] مگر مسلسل تین افسروں کی شہادت سے مسلمانوں کے دل ٹوٹ چکے تھے' اس لیے وہ دوبارہ شکست تو نہ دے سکے' مگر خالد رضی اللہ عنہ اپنی جنگی قابلیت سے باقی ماندہ فوج کو بچالائے' اسی جنگ میں خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ۹ تلواریں ٹوٹی تھیں جس کے صلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ''سیف اللہ'' کا معزز لقب عطا فرمایا تھا۔[2]

فتح مکہ:

فتح مکہ میں میمنہ کے افسر تھے[3] لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی' روسائے قریش نے بلا مزاحمت ہتھیار ڈال دیئے' صرف چند مشرک خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارے گئے اس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنا دستہ مکہ کے بالائی حصہ کدا کی جانب سے لے کر آئیں' چنانچہ یہ آ رہے تھے' کہ راستہ میں مشرکین کا ایک جتھا مزاحم ہوا اور پیہم تیر باری شروع کر دی' خالد رضی اللہ عنہ نے بھی جوابی حملہ کیا' اس میں چند مشرک مارے گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے باز پرس کی' انہوں نے کہا کہ ابتدا ان ہی کی جانب سے ہوئی تھی' آپ نے فرمایا خیر مرضی الٰہی بہتر ہے۔[4]

غزوۂ حنین:

فتح مکہ کے بعد بنو ثقیف و ہوازن' اوطاس کے میدان میں جمع ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ بارہ ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ کو نکلے' قبیلوں کے لحاظ سے فوج کے مختلف حصے تھے' بنو سلیم کا قبیلہ مقدمۃ الجیش تھا' اس کی کمان خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ تھی۔[5] چنانچہ اس جنگ میں وہ نہایت شجاعت و شہامت سے لڑے اور بہت سے وار جسم پر کھائے'

---

[1] بخاری کتاب المغازی غزوۂ موتہ [2] ایضاً [3] مسلم جلد ۲ ص ۱۸۶ طبع مصر

[4] ابن سعد حصہ مغازی ص ۹۸ و بخاری باب فتح مکہ [5] ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۰۸

Marfat.com

آنحضرت ﷺ عیادت کے لیے تشریف لائے' زخموں کو دم کیا اور خالد رضی اللہ عنہ جلد شفایاب ہو گئے۔[1]

طائف:

حنین کے مشرکوں کی شکست خوردہ فوج بڑھ کر طائف کے قلعہ میں قلعہ بند ہو گئی اور جیسے ہی مسلمان ادھر سے گزرے اس نے قلعہ کے اندر سے تیر برسانا شروع کر دیئے' بہت سے مسلمان شہید ہو گئے' مسلمانوں نے بھی مدافعانہ حملہ کیا' اس فوج کا مقدمۃ الجیش بھی خالد رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں تھا۔[2]

تبوک:

۹ھ میں آنحضرت ﷺ کو خبر ملی کہ رومیوں نے مسلمانوں کے خلاف شام میں فوج جمع کی ہے' اور اس کا مقدمۃ الجیش بلقاء تک پہنچ چکا ہے' چنانچہ آپ ۳۰ ہزار فوج لے کر مقابلہ کو نکلے' لیکن خبر غلط نکلی اور جنگ کی نوبت نہیں آئی' تاہم احتیاطاً ۲۰ دن مقام تبوک میں آپ نے قیام فرمایا۔[3] اس نواح کے عربی النسل عیسائی روسا قیصر روم کے ماتحت تھے' ان ہی کے ذریعہ سے رومی ریشہ دوانیاں کیا کرتے تھے' اس لیے ان کا مطیع کرنا ضروری تھا' چنانچہ ایلہ اور اذرح کے رئیسوں نے اطاعت قبول کر لی۔[4] صرف دومۃ الجندل کا رئیس اکیدر بن عبدالملک باقی رہ گیا' آنحضرت ﷺ نے خالد رضی اللہ عنہ کو چار سو آدمیوں کے ساتھ اس کو مطیع بنانے پر مامور فرمایا' اس کے بھائی حسان نے مقابلہ کیا' مگر مارا گیا اور اس کے بقیہ ساتھی بھاگ کر قلعہ میں پناہ گزین ہو گئے' خالد رضی اللہ عنہ نے اکیدر کو گرفتار کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا' یہاں آ کر اس نے بھی جزیہ دے کر اطاعت قبول کر لی' اور آپ نے اس کو جان و مال کا امان نامہ عطا فرمایا۔[5]

سریہ بنو جذیمہ:

اسی سنہ میں دعوت اسلام کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ نے خالد رضی اللہ عنہ کو تین سو

---

[1] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۰۳ [2] ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۱۴ [3] ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۱۴
[4] زرقانی ج ۳ ص ۸۶

Marfat.com

مہاجرین وانصار کے ساتھ بنو جذیمہ کی طرف بھیجا' انہوں نے آپ کی ہدایت کے مطابق ان کو اسلام کی دعوت دی' انہوں نے قبول کر لی' مگر ناواقفیت کی وجہ سے صحیح الفاظ میں اسلام کا اظہار نہ کر سکے اور بجائے ''اسلمنا'' کے یعنی ہم اسلام لائے ''صبانا'' کہا یعنی ہم بے دین ہو گئے' مشرکین سے وہ مسلمانوں کو ''صابی'' بے دین کہتے ہوئے سنتے تھے' اس لیے انہوں نے بھی ان ہی الفاظ میں اسلام کا اظہار کیا' حضرت خالد رضی اللہ عنہ اس کو نہ سمجھ سکے' اور سب کی گردنیں اڑانے کا حکم دے دیا' بہت سے مہاجرین وانصار نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا' پھر بھی بہتیرے لوگ مارے گئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ سنا تو بہت متاسف ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر اس سے برأت ظاہر کر دی کہ خدایا! میں خالد رضی اللہ عنہ کے اس فعل سے بری ہوں[1] پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان سب کی دیت دے کر بھیجا' انہوں نے سب کو جان و مال کا پورا معاوضہ دیا[2] اور کتوں تک کا خون بہا ادا کیا اور اس کے بعد جتنا مال بچا سب ان ہی لوگوں میں تقسیم کر دیا[3]

سریہ نجران:

اس سلسلہ کا ایک اور سریہ ۱۰ھ میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی سرگرمی میں بنو عبدالمدان نجرانی کی طرف بھیجا گیا' چونکہ ایک مرتبہ خالد رضی اللہ عنہ کی جلد بازی کا تلخ تجربہ ہو چکا تھا' اس لیے اس مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور سے ہدایت فرما دی کہ محض اسلام کی دعوت دینا' تلوار نہ اٹھانا' حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس کی پوری پابندی کی' اور میدان جنگ کے سپاہی دفعتہً مبلغ اسلام کے قالب میں آ گئے اور ان کی کوشش سے بنو عبدالمدان نے اسلام قبول کر لیا' اور سیف اللہ نے ان کی مذہبی تعلیم و تربیت کے بعد جب یہ لوگ اسلامی مسائل سے واقف ہو گئے' تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی' آپ نے سب کو طلب فرمایا چنانچہ یہ لوگ حاضر ہوئے اور دیدار جمال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے فیضیاب ہو کر واپس گئے[4]

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب سریہ بنو جذیمہ [2] ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۰۷
[3] اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۰۲ [4] زرقانی ج ۳ ص ۱۱۶

Marfat.com

سریۂ یمن:

اسی سنہ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امارت میں ایک سریہ یمن روانہ کیا' اسی سریہ میں دوسری جانب سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا' اور حکم دیا کہ جب دونوں ملیں تو امارت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق رہے گی[1] اور چلتے چلتے یہ ہدایت فرمادی کہ جنگ کا آغاز تمہاری جانب سے نہ ہو' البتہ اگر یمن والے پیش قدمی کریں تو تم مدافعت کر سکتے ہو' چنانچہ ان لوگوں نے یمن پہنچ کر اسلام پیش کیا' لیکن اس کا جواب تیر اور پتھر سے ملا' اس وقت مسلمانوں نے جوابی حملہ کیا اور یمنی پسپا ہوئے' مگر ان کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہیں کی گئی' بلکہ دوبارہ پھر اسلام پیش کیا گیا' اور انہوں نے بلا جبر و اکراہ اس کو قبل کرلیا۔

سریۂ عزیٰ:

عزیٰ قریش و کنانہ کا صنم کدہ تھا' جس کی یہ لوگ بڑی عظمت کرتے تھے' آنحضرت ﷺ نے خالد رضی اللہ عنہ کو اس کے گرانے پر مامور فرمایا' انہوں نے اس کی تعمیل کی' آپ نے پوچھا تم نے وہاں کچھ دیکھا بھی تھا' عرض کی نہیں' فرمایا پھر جاؤ' اس گرانے کا اعتبار نہیں' چنانچہ وہ دوبارہ واپس گئے' اس مرتبہ یہاں ایک بھیانک شکل کی عورت نکلی[2] خالد رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کر کے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی' فرمایا ہاں جاؤ۔ اب تم نے کام پورا کیا۔[3]

مدعیان نبوت کا استیصال:

عہد صدیقی میں جب مدعیان نبوت کا فتنہ اٹھا اور اس کے استیصال کے لیے فوجیں روانہ کی گئیں تو خالد رضی اللہ عنہ طلیحہ کی سرکوبی پر مامور ہوئے' انہوں نے اس کا بہت کامیاب مقابلہ کیا اور اس کے اعوان و انصار کو قتل اور اس کے قوت و باز و عیینہ بن حصین کو ۳۰ آدمیوں کے ساتھ گرفتار کر کے پا بجولان دربار خلافت میں حاضر کیا۔[4]

یمامہ میں شرجیل بن حسنہ مشہور کذاب مسیلمہ سے برسر پیکار تھے' خالد رضی اللہ عنہ طلحہ سے فارغ ہو کر ان کی مدد کو بڑھے' راستہ میں مجاعہ ملا' اس کے ساتھیوں سے مقابلہ ہوا' ان کو

---

[1] ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۲۲ [2] یہی عورتیں صنم کدوں میں بداخلاقیوں کی بنیاد ہوتی تھیں۔

[3] ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۰۵ [4] یعقوبی جلد ۲ ص ۱۴۵

Marfat.com

شکست دے کر مجاعہ کو گرفتار کر کے یمامہ پہنچے اور مسیلمہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مشہور قاتل وحشی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔[1]

مرتدین کی سرکوبی:

مدعیان نبوت کی مہم سے فارغ ہو کر منکرین زکوٰۃ اور مرتدین کی طرف بڑھے اور سب سے پہلے اسد و غطفان سے نبرد آزما ہوئے، ان میں کچھ جان سے مارے گئے اور کچھ گرفتار ہوئے، جو باقی بچے وہ تائب ہو گئے۔[2] ان معرکوں کے علاوہ ارتداد کے سلسلہ میں جس قدر لڑائیاں ہوئیں، ان سب میں خالد رضی اللہ عنہ پیش پیش تھے، طبری کے یہ الفاظ ہیں:

ان الفتوح فی اهل الرادة کلها کانت لخالدبن ولید وغیره.[3]

"یعنی ارتداد میں جتنی فتوحات ہوئیں وہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ وغیرہ کا کارنامہ ہے"۔

عراق پر فوج کشی اور اس کے اسباب:

جزیرۃ العرب اس عہد کی دو عظیم الشان سلطنتوں کے درمیان گھرا ہوا تھا، ایک طرف شام میں رومی چھائے ہوئے تھے، دوسری طرف عراق پر کیانی خاندان قابض تھا، یہ دو سلطنتیں ہمیشہ عربوں کی آزادی سلب کرنے کی فکر میں رہتی تھیں، گو پورے طور پر عربوں پر ان کا قابو نہ چلا، تاہم جب بھی ان کو موقع ملا، انہوں نے عرب پر تسلط جمانے کی کوشش کی، یمن کے حمیری خاندان کا خاتمہ ایرانیوں کے ہاتھوں ہوا۔ گو حمیری برائے نام حکمران رہے، مگر اس کا سیاہ سپید تمام تر ایرانیوں کے ہاتھ میں تھا، بحرین اور عمان بھی ان کے زیر اثر تھے، ان کے علاوہ مختلف اوقات میں عرب کے سولہ مقامات ایرانیوں مرزبانوں کے قبضہ میں رہ چکے تھے۔[4] عراقی لخمی خاندان کو بھی ایرانیوں ہی نے مٹایا ایرانیوں کا یہ اقتدار ظہور اسلام کے وقت تک باقی تھا، چنانچہ جنگ ذی قار میں جب ایرانیوں نے عربوں سے شکست کھائی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا، آج عرب نے عجم سے اپنا منصفانہ بدل لیا۔[5]

یہی حال قیصری حکومت کا تھا، جب جب اس کو موقع ملتا تھا، شام کی جانب سرزمین

1۔ ایضاً ص ۱۴۶ 2۔ تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۷۲ 3۔ طبری واقعات ۱۱ھ

4۔ تاریخ الملوک حمزہ صفہانی ص ۹۰، مطبوعہ برلن 5۔ اسد الغابہ ج ۵ ص ۱۰۴

Marfat.com

عرب میں قدم بڑھاتی رہی' شام میں جو عرب خاندان آباد تھے' ان پر آل جفنہ قیصر کی جانب سے حکومت کرتے تھے' گو آل جفنہ عربی النسل تھے' لیکن ان کا تقرر قیصری حکومت کرتی تھی[1] حبشہ کے عیسائیوں نے رومیوں کے اشارے سے عرب کی مرکزیت توڑنے کے لیے یمن کو فتح کر کے صنعاء میں ایک کعبہ بنایا کہ خانہ کعبہ کے پجاری تقسیم ہو جائیں[2]

ظہور اسلام کے بعد جب عرب متحد ہو کر ایک مرکز پر جمع ہو گئے' تو ان دونوں سلطنتوں کے لیے عرب کا سوال اور زیادہ اہم ہو گیا' اگر پہلے ملک گیری کی ہوس تھی تو اب عربوں سے سیاسی خطرہ نظر آ رہا تھا' چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے خسرو پرویز کو دعوت اسلام کا خط لکھا تو اس نے چاک کر ڈالا اور بولا ''میرا غلام مجھ کو یوں لکھتا ہے اور فوراً آپ کی گرفتاری کا فرمان جاری کیا[3] اسی طرح شرحبیل بن عمرو نے جو قیصر کی جانب سے بصریٰ کا حاکم تھا' آنحضرت ﷺ کے قاصد کو قتل کرا دیا' غرض ان حالات میں عرب کی خود مختاری کو باقی رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ ان دونوں پر یہ حقیقت ظاہر ہو جائے کہ اب عربوں سے کھیلنا آسان کام نہیں ہے' تاہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس وقت تک کوئی پیش قدمی نہیں کی۔

لیکن وہ قبائل جو ہمیشہ سے ایرانی حکومت کا تختہ مشق بنتے چلے آ رہے تھے' انتقام کے جذبات سے لبریز تھے' چنانچہ عہد صدیقی میں جب ایران میں بدنظمی پیدا ہوئی اور ایرانیوں نے کسریٰ بن ہرمز کی لڑکی کو ایران کے تخت پر بٹھایا تو ان قبائل کے جذبات انتقام دفعتہً بھڑک گئے' اور مثنیٰ بن حارث شیبانی رضی اللہ عنہ نے اپنا جتھا لے کر عراق عجم کی سرحد پر تاخت و تاراج شروع کر دی' لیکن بغیر خلیفہ وقت کی سرپرستی کے کامیابی مشکل تھی' اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے باضابطہ اجازت حاصل کی' آپ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کی امداد پر مامور کیا اور شرف امارت بھی عطا کیا۔[4]

---

[1] تاریخ الملوک ص ۷۶ [2] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۶۹ [3] طبری ص ۱۸۷۲

[4] فتوح البلدان' فتوح عراق

Marfat.com

عراق کی فوج کشی:

چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ فتنہ ارتداد کی مہموں سے فارغ ہو کر عراق کی طرف بڑھے اور مقام نباج میں مثنیٰؓ سے مل گئے اور بانقیا اور بارسوما کے حاکموں کو مطیع کرتے ہوئے ایلہ کی طرف بڑھے' یہ مقام جنگی نقطہ نظر سے بہت اہم تھا' یہاں عرب و ہندوستان کے بری و بحری خطوط آ کر ملتے تھے' چنانچہ یہاں کا حاکم ہرمزان ہی راستوں سے دونوں مقام پر حملے کیا کرتا تھا۔[1] ہرمز کو مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو فوراً اردشیر کو دربار ایران اطلاع بھیجی اور خود مقابلہ کے لیے بڑھا' کاظمہ میں دونوں کا مقابلہ ہوا' ایرانیوں نے اپنے کو زنجیروں میں جکڑ لیا تھا' کہ پاؤں نہ اکھڑنے پائیں' لیکن قعقاع بن عمروؓ کی شجاعت نے زنجیر آہن کے ٹکڑے کر ڈالے' اور ایرانیوں نے بری طرح شکست کھائی۔

جنگ مذار:

ابھی یہ معرکہ ختم ہوا تھا کہ ایرانیوں کی امدادی فوج کو جو قارن بن قریانس کی ماتحتی میں ہرمز کی مدد کو آ رہی تھی' مذار میں ہرمز کے قتل اور ایرانیوں کی شکست کی خبر ملی' اس لیے قارن نے اسی جگہ اپنی فوج کی تنظیم کی اور شکست خوردہ فوج کے سردار قباز اور انوشجان کو امیر العسکر بنا کر نہر کے قریب پڑاؤ ڈالا' خالد رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی' تو وہ فوج لے کر مذار کی طرف بڑھے' لب دریا دونوں کا مقابلہ ہوا' معقل نے قارن کو اور عاصم نے انوشجان کو اور عدی نے قباذ کو ختم کیا اور اس شدت کی جنگ ہوئی کہ تیس ہزار ایرانی کام آئے' یہ تعداد اس کے علاوہ ہے جو نہر میں ڈوب کر مرے۔[2]

جنگ کسکر:

جنگ مذار کے انجام کی خبر ایران پہنچی تو اردشیر نے اندرزغر اور بہمن کو یکے بادیگرے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا' اندرزغر مدائن اور کسکر ہوتا ہوا ولجہ پہنچا' حیرہ اور کسکر کے تمام دہقانی اور آس پاس کے عرب بھی ایرانیوں کی حمایت میں اپنی فوجیں لے کر اندرزغر کے قریب آ کر خیمہ زن ہوئے' اس درمیان میں بہمن بھی پہنچ گیا'

[1] ابن خلدون ج ۲ ص ۷۹ [2] طبری ص ۲۰۲۷، ۲۰۲۸

Marfat.com

خالد رضی اللہ عنہ کو خبر ملی تو سوید بن مقرن رضی اللہ عنہ کو ایک دستہ پر مامور کر کے ضروری ہدایات دے کر پیچھے چھوڑا' اور خود بڑھ کر مورچہ بندی میں مصروف ہو گئے اور ساحل کی قربت سے فائدہ اٹھا کر نشیبی زمین میں تھوڑی فوج چھپا دی' کہ جنگ چھڑنے کے بعد وہ نکل کر حملہ آور ہو جائے اس انتظام سے فراغت کے بعد جنگ چھڑ گئی' دیر تک گھمسان کا رن پڑتا رہا' جب فریقین تھکنے لگے' تو مسلمان کمین گاہوں سے نکل کر ٹوٹ پڑے' اس اچانک حملے نے ایرانیوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے' مگر وہ جدھر بھاگتے تھے' مسلمان سامنے تھے اس لیے جو سپاہی جہاں تھا وہیں ختم ہو گیا' اندرزغر نکل بھاگا لیکن پیاس کی شدت سے وہ مر گیا' جنگ کے بعد مسلمانوں نے عام آبادی سے کوئی تعرض نہیں کیا اور ان کو پوری آزادی دے دی۔[1]

جنگ الیس:

گذشتہ جنگ میں عربی النسل عیسائی قبائل بھی ایرانیوں کی حمایت میں مارے گئے تھے' اس لیے جنگ کسکر کے بعد یہ لوگ پورے طور سے ایرانیوں کے ساتھ ہو گئے' اردشیر نے بہمن کو عربی قبائل سے مل جانے کا حکم دیا' چنانچہ بہمن الیس کی طرف بڑھا اور یہاں کے حاکم جاپان کو یہ ہدایت دے کر کہ میری واپسی تک جنگ شروع نہ کرنا'' الیس روانہ کر دیا' اور خود اردشیر کے پاس مشورے کے لیے چلا گیا' وہاں سے لوٹا' تو باقی عربی قبائل اور عربی چھاؤنی کی ایرانی سپاہ اکٹھا ہو چکی تھی' اس درمیان میں خالد رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے ان کے پہنچتے ہی جنگ شروع ہو گئی' دیر تک کشت و خون کا سلسلہ جاری رہا' خالد رضی اللہ عنہ نے منادی کرا دی کہ لڑائی روک کر لوگوں کو صرف گرفتار کرو' چنانچہ مسلمان دار و گیر میں مصروف ہو گئے' اور لڑنے والوں کو زندہ گرفتار کر کے نہر کے کنارے قتل کرنا شروع کر دیا' اور ایرانی بری طرح مفتوح ہوئے۔[2]

الیس سے فراغت کے بعد خالد رضی اللہ عنہ امغیشیا کی طرف بڑھے' یہاں کے باشندے مسلمانوں کا رخ دیکھ کر پہلے ہی شہر خالی کر چکے تھے' اس لیے جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

---

[1] طبری جلد ۴ ص ۲۰۳۱ [2] ابن خلدون جلد ۲ ص ۸۰ و طبری ج ۴ ص ۲۰۳۱ تا ۲۰۳۷

Marfat.com

امغیشیا:

امغیشیا کے قریب ہی حیرہ تھا' یہاں کے حاکم آزادبہ کو خطرہ پیدا ہوا کہ مسلمان امغیشیا کی طرف بڑھیں گے' اس لیے اس نے حفظِ ماتقدم کے طور پر اپنے لڑکے کو خالد رضی اللہ عنہ کو روکنے کے لیے آگے بھیج دیا' اور پیچھے سے خود مدد کے لیے پہنچا' امغیشیا اور حیرہ کے درمیان نہر فرات تھی' آزادبہ کے لڑکے نے اس کا بند باندھ دیا' اس سے مسلمانوں کی کشتیاں رک گئیں اور ملاحوں نے جواب دیا کہ ایرانیوں نے نہر کا رخ پھیر دیا ہے' اس لیے کشتیاں نہیں چل سکتیں' مسلمان کشتیوں سے اتر پڑے اور گھوڑے پر ابن آزادبہ کی طرف بڑھے' فرات کے دہانہ پر دونوں کا مقابلہ ہوا' ابن آزادبہ مارا گیا اور فوج بھی تباہ ہوئی۔[1]

حیرہ کی صلح:

اس کے بعد دریا کا بند کھول کر مسلمان حیرہ کی طرف بڑھے' لیکن ان کے پہنچنے کے قبل آزادبہ حیرہ چھوڑ چکا تھا' مسلمان مقام غرئیین میں ٹھہر گئے' حیرہ میں جو لوگ باقی رہ گئے تھے' وہ اس عرصہ میں قلعہ بند ہو گئے' خالد رضی اللہ عنہ نے ان کا محاصرہ کر لی' پہلے صلح کی گفت وشنید ہوتی رہی' لیکن بے نتیجہ رہی' ایرانیوں نے قلعہ کے اوپر سے سنگباری شروع کر دی' مسلمانوں نے پیچھے ہٹ کر تیروں سے جواب دیا اور قلعہ اور محلات کی دیواریں چھلنی کر دیں' جب شہری آبادیوں محاصرہ سے گھبرا گئی' تو قسیسوں اور راہبوں نے قلعہ والوں سے فریاد کی کہ اس خونریزی کی ساری ذمہ داری تم پر ہے' اس کو بند کرو' آخر میں جب قلعہ والوں نے بھی عاجز ہو کر خالد رضی اللہ عنہ سے صلح کی گفتگو کر کے ایک لاکھ نوے ہزار سالانہ خراج پر صلح کر لی اور خالد رضی اللہ عنہ نے ایک مفصل صلح نامہ لکھ کر حوالہ کیا۔[2]

ملحقات حیرہ:

حیرہ کی صلح کے بعد اطراف کے کاشتکاروں اور دیہی آبادیوں نے بھی جو حیرہ کی شرائط کی منتظر تھیں' ۱۰ لاکھ سالانہ پر صلح کر لی۔[3] حیرہ اور ملحقات حیرہ کی کامل تسخیر کے بعد خالد رضی اللہ عنہ نے محافظین سرحد میں سے ضرار بن ازور' ضرار بن خطاب' قعقاع ابن عمرو' مثنیٰ

[1] ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۹۸ [2] طبری جلد ۵ ص ۲۰۳۷

Marfat.com

بن حارثہ اور عتبہ بن شماس رضی اللہ عنہ افسران سرحد کو دجلہ کی ترائی میں بڑھنے کا حکم دیا' یہ لوگ ساحل تک بڑھتے ہوئے چلے گئے۔

انبار کی تسخیر:

اس وقت گوار دشیر مر چکا تھا' اور ایرانیوں میں اندرونی اختلافات کا طوفان برپا تھا' لیکن مسلمانوں کے مقابلہ میں سب متحد تھے' طبری کے یہ الفاظ ہیں' وکان اهل فارس بموت اردشير مختلفين في الملك مجتمعين على قتال خالد متساندين یعنی اردشیر کی موت کی وجہ سے بادشاہت کے بارے میں ایرانیوں میں اختلاف تھا' لیکن خالد رضی اللہ عنہ سے جنگ کے بارے میں سب متحد اور ایک دوسرے کے معاون تھے' چنانچہ انہوں نے اپنی مرکزیت قائم کرنے کے لیے فرخ زاد کو عنان حکومت سپرد کر دی تھی' اور ان کی فوجیں عین التمر' انبار اور فراض تک پھیلی ہوئی تھیں' اس لیے خالد رضی اللہ عنہ حیرہ کے بعد انبار کی طرف بڑھے' لیکن ان کے پہنچتے پہنچتے یہاں کے باشندے قلعہ بند ہو چکے تھے' چنانچہ ان کے پہنچتے ہی جنگ شروع ہوگئی' ایرانی قلعہ کے اندر سے تیر بازی کر رہے تھے اس لیے مسلمانوں کا جوابی حملہ کامیاب نہ ہوتا تھا' خالد رضی اللہ عنہ نے قلعہ کے چاروں طرف چکر لگا کر اس کے استحکامات کا اندازہ لگا کر حکم دیا کہ آنکھوں پر تاک تاک کر تیر مارو' اس تدبیر سے دن بھر میں ایک ہزار آنکھیں بیکار کر دیں' اس مصیبت نے انبار کے باشندوں کو گھبرا دیا اور فوج بدحواس ہوگئی' شیرزاد ایرانی سپہ سالار نے یہ صورت دیکھ کر صلح کا پیام دیا' لیکن شرائط ایسے پیش کیے کہ خالد رضی اللہ عنہ ان کو منظور نہ کر سکے' اور خندق کا جو حصہ زیادہ تنگ تھا اسے بیکار اونٹوں کو ذبح کر کے پاٹ دیا' اور مسلمان اس پر سے اتر کے قلعہ تک پہنچ گئے اور ایرانی سمٹ کر قلعہ کے اندر ہو گئے' مگر وہ آنکھوں کی نشانہ بازی سے پہلے ہی گھبرا گئے تھے' مسلمانوں کی اس غیر متوقع آمد سے اور ہمت چھوٹ گئی اور شیرزاد نے بہمن کو فوج کی حالت جتا کر صلح پر آمادہ کر لیا' اس نے مجبور ہو کر صلح کر لی' اس کے بعد انبار کے باشندوں نے صلح کی خواہش کی' چنانچہ پہلے بواذیج والوں پھر اہل کلوازی نے صلح کر لی[1]

[1] طبری ص ۲۰۵۹ تا ۲۰۶۱ و فتوح البلدان بلاذری ص ۲۵۵

Marfat.com

عین التمر :

خالد رضی اللہ عنہ انبار کی مہم میں مصروف تھے کہ بہرام چوبین کا لڑکا مہران مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے عین التمر پہنچ گیا' عربی قبائل میں نمر' تغلب اور ایاد' عقہ بن عقہ کے ساتھ علیحدہ مقابلہ پر آمادہ تھے[1] اس لیے خالد رضی اللہ عنہ نے انبار کے بعد عین التمر کی طرف بڑھے' ایرانیوں نے ایرانی سپاہ قلعوں میں محفوظ کر دی اور عربی قبائل کو مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے بڑھا کر ان پر جاسوس متعین کر دیئے' کہ اگر ان میں قومی عصبیت نظر آئے تو فوراً تدارک ہو سکے' بعض انصاف پسند ایرانی اس پر معترض ہوئے' ان کو جواب دیا کہ ان ہی کی قوم نے ہمارا ملک تباہ کیا ہے اس لیے انہیں آپس میں کٹانا چاہیے' عقہ مقام کرخ میں اپنی فوج مرتب کر رہا تھا کہ خالد پہنچ گئے' اور اس کو گرفتار کر لیا' اس کی فوج نے سردار کی گرفتاری سے گھبرا کر میدان جنگ چھوڑ دیا' جو بچ گئے وہ گرفتار ہوئے' خالد رضی اللہ عنہ ان کی قوم فروشی پر بہت مشتعل تھے' اس لیے پہلے عقہ کا کام تمام کر دیا' پھر سب کی گردنیں اڑا دیں' مہران کو عربوں کی حالت کی خبر ملی' تو وہ قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا' لیکن جب شکست خوردہ عرب پہنچتے تو پھر اس کی ہمت بندھی اور ایرانی قلعہ بند ہو گئے' خالد رضی اللہ عنہ سیدھے قلعہ تک بڑھتے چلے گئے[2] ایرانیوں نے نکل کر مقابلہ کیا اور تھوڑے مقابلہ کے بعد قلعہ میں داخل ہو گئے' مسلمانوں نے محاصرہ کر لیا' بالآخر ایرانیوں نے صلح کی درخواست کی لیکن خالد رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا' اور بزور شمشیر قلعہ فتح کیا[3] لیکن فتح کے بعد پھر کوئی سختی نہیں کی اور معمولی خراج کے سوا زمین پر کوئی ٹیکس نہیں لگایا۔[4]

دومۃ الجندل میں ہمیشہ سے مسلمانوں خلاف سازشیں ہوا کرتی تھیں' چنانچہ عہد رسالت میں بھی اسی قسم کی ایک سازش ہوئی تھی' اس لیے غزوہ دومۃ الجندل ہوا تھا۔[5] عہد صدیقی میں پھر اس کا ظہور ہوا' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کے تدارک کے لیے عیاض بن غنم کو روانہ کیا' لیکن کلب' غسان اور تنوخ کے قبائل متحد تھے' اس لیے عیاض کے لیے تنہا ان سب کا مقابلہ کرنا دشوار تھا' انہوں نے خالد رضی اللہ عنہ کو مدد کے لیے بلا بھیجا' وہ عراق کی مہم

[1] ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۹ [2] طبری جلد ۴ ص ۲۰۶۳ [3] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۵۵ [4] ایضاً ص ۲۵۷

Marfat.com

چھوڑ کر عیاض کی مدد کو چلے آئے' اس وقت یہاں دو حکمران تھے' اکیدر اور جودی' اکیدر کو خالد رضی اللہ عنہ عہد رسالت میں مطیع کر چکے تھے' اس لیے خالد رضی اللہ عنہ کی آمد کی خبر سن کر وہ خوف سے جودی کی حمایت سے کنارہ کش ہو گیا' اور جب جودی جنگ کے لیے بالکل آمادہ ہو گیا تو اکیدر دومۃ الجندل چھوڑ کر ہٹ گیا' مگر چونکہ پہلے اس کا شریک رہ چکا تھا' اس لیے گرفتار کرا کے قتل کر دیا گیا' خالد رضی اللہ عنہ اور عیاض نے دو سمتوں سے دومۃ الجندل کا محاصرہ کر لیا' جودی کی فوج میں متعدد افسر تھے خود جودی' ودیعہ کلبی' ابن رومانس' ابن ایہم اور ابن حدرد جان ان سب نے متحدہ حملہ کیا' جودی اور ودیعہ گرفتار ہوئے' باقی فوج قلعہ میں گھس گئی' مگر قلعہ میں زیادہ گنجائش نہیں تھی' اس لیے فوج کا ایک حصہ باہر رہ گیا' اگر مسلمان چاہتے تو ان میں سے ایک بھی نہ بچ سکتا' لیکن حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے بنو کلب کو امان دے دی[1] اور خالد رضی اللہ عنہ نے جودی کو قتل کرا دیا' اور قلعہ کا پھاٹک اکھاڑ کر اندر گھس گئے اور قلعہ پر قبضہ ہو گیا۔

جنگ حصید وخنافس:

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے عراق چھوڑ کر شام چلے آنے کے بعد جزیرہ کے عربوں نے ایرانیوں کو عراق کی واپسی پر توجہ دلائی' وہ ان کا اشارہ پاتے ہی آمادہ ہو گئے اور زرمہر اور روزبہ نے خنافس اور حصید کی طرف فوجیں بڑھا دیں' زبرقان بن بدر حاکم انبار نے قعقاع رضی اللہ عنہ حاکم حیرہ کو اطلاع دی' انہوں نے ایرانیوں کو آگے بڑھنے سے روکنے کے لیے اسی وقت الگ الگ فوجیں اعبد بن فدکی اور عروہ بن جعد کی قیادت میں دونوں مقاموں پر روانہ کر دیں' ان دونوں نے بڑھ کر ریف میں ان کو روک دیا' اور روزبہ اور زرمہر یہاں عربوں کا انتظار کر رہے تھے' کہ خالد رضی اللہ عنہ دومۃ الجندل سے حیرہ واپس آ گئے اور امرؤ القیس بن کلبی نے اطلاع بھیجی کہ ہذیل بن عمران مصیخ میں اور ربیعہ بن بجیر ثنی اور بشر میں' روزبہ اور زرمہر کی امداد کے لیے فوجیں لیے پڑے ہیں' یہ خبر سن کر خالد رضی اللہ عنہ نے عیاض کو حیرہ میں چھوڑا اور خود قعقاع رضی اللہ عنہ اور ابولیلیٰ کی مدد کو خنافس روزانہ ہو گئے' دونوں عین التمر میں تھے' یہاں آ کر ان سے ملے' اور قعقاع رضی اللہ عنہ خود بڑھے' روزبہ نے زرمہر سے مدد طلب کی' وہ

---

[1] طبری جلد ۴ ص ۲۰۶۶' ابن اثیر جلد ۲ ص ۳۰۳

Marfat.com

مدد لے کر پہنچا' حصید میں دونوں کا مقابلہ ہوا' زرمہر اور روز بہ دونوں مارے گئے اور ان کی فوج ہٹ کر خنافس میں جمع ہوگئی' ابولیلیٰ تعاقب کرتے ہوئے خنافس پہنچے تو ایرانی خنافس چھوڑ کر مصیخ چلے گئے' خالد رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی گئی' انہوں نے قعقاع' ابولیلیٰ اور عروہ کو ایک خاص مقام پر شب میں جمع ہونے کا حکم دیا اور خود بھی معینہ شب میں وہاں پہنچ گئے اور سب نے مل کر متحدہ شب خون مارا' ایرانی بالکل بے خبر تھے' اس لیے مدافعت بھی نہ کر سکے اور سب کے سب مارے گئے۔[1]

جنگ ثنی و بشر:

ربیعہ بن بجیر ثنی اور بشر میں بدستور فوجیں لیے پڑا تھا' مصیخ کے بعد خالد رضی اللہ عنہ نے قعقاع رضی اللہ عنہ اور ابولیلیٰ کو ثنی پر شب خون مارنے کا حکم دیا' چنانچہ ایک مقرر شب کو تینوں نے مل کر تین سمتوں سے حملہ کیا' صرف ہذیل امیر العسکر باقی بچا اور کل فوج کھیت رہی' ہذیل ثنی سے بھاگ کر بشر پہنچا' یہاں بھی عربوں کا ایک جتھا موجود تھا' خالد رضی اللہ عنہ اس کو صاف کرتے ہوئے رضاب پہنچے' یہاں عقہ کا لڑکا بلال مسلمانوں کا منتظر تھا' مگر خالد رضی اللہ عنہ کے آتے آتے یہ بھاگ نکلا۔

جنگ فرائض:

اور خالد رضی اللہ عنہ رضاب ہوتے ہوئے فرائض کی طرف بڑھے' یہ مقام جنگی نقطہ نظر سے بہت اہم تھا' یہاں شام' عراق اور جزیرہ کی سرحدیں ملتی تھیں' شام کی سرحد کی وجہ سے رومی بھی ایک فریق بن گئے' اور انہوں نے ایرانیوں کی چھاونی اور تغلب وایاد (عرب) سے مدد مانگ بھیجی' ان کو اس میں کیا عذر ہو سکتا تھا' فوراً آمادہ ہو گئے' اور اب مسلمانوں کا مقابلہ ایرانیوں اور رومیوں دونوں سے ہو گیا' اس لیے خالد رضی اللہ عنہ نے بھی نہایت اہتمام سے اسلامی فوج کو از سر نو منتظم کیا' فرات کے ایک جانب مسلمان تھے' اور دوسری جانب اتحادی' اتحادیوں نے پیام دیا کہ یا تم دریا عبور کر کے بڑھو یا ہمیں بڑھنے دو' خالد رضی اللہ عنہ نے ان کو بڑھنے کا موقع دیا' اور فرات کے اس پار لب دریا دونوں کا مقابل ہوا' مسلمان

---

[1] طبری جلد ۴ ص ۲۰۶۷ تا ۲۰۷۰

Marfat.com

نہایت پامردی سے لڑے اور اتحادیوں کی فوجیں پسپا ہونے لگیں، خالد رضی اللہ عنہ کی للکار پر مسلمان شہ سواروں نے گھیر گھیر کر مارنا شروع کیا، اتحادی دوطرف سے گھرے ہوئے تھے، پیچھے ہٹتے تو فرات کا لقمہ بنتے تھے، اور آگے بڑھتے تھے، تو تلوار سامنے تھی، اسی کشمکش میں سب کے سب کام آ گئے، فتح کے دس دن بعد تک مسلمان یہاں مقیم رہے، اس کے بعد حیرہ لوٹ گئے، اس معرکہ کے بعد عراق کی پیش قدمی رک گئی[1] اور خالد رضی اللہ عنہ خفیہ حج کو چلے گئے۔

فتوحات شام:

اوپر ان حالات کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے، جن کی بنا پر مسلمانوں کا ایرانیوں اور رومیوں سے نبرد آزما ہونا ناگزیر امر تھا، اس لیے عراق کے ساتھ ساتھ شام پر بھی فوج کشی ہوئی تھی، اور ہر ہر صوبہ پر علیحدہ علیحدہ فوجیں بھیجی گئی تھیں، خالد رضی اللہ عنہ عراق کی مہم سر کر چکے تھے کہ دربار خلافت سے حکم پہنچا کہ عراق چھوڑ کر شام میں اسلامی فوجوں سے مل جائیں، اس حکم کے مطابق حج سے واپس ہونے کے بعد عراق کا انتظام مثنی کے سپرد کر کے، شام روانہ ہو گئے اور راستہ میں حدردار، ارک، سوی، حوارین، قصم، مرج راہط وغیرہ سے نپٹتے ہوئے شام پہنچے اور پہلے بصریٰ کی طرف بڑھے۔[2]

بصریٰ:

یہاں اسلامی فوجیں پہلے سے ان کی منتظر تھیں، اس لیے خالد رضی اللہ عنہ نے آتے ہی بصریٰ کے بطریق پر حملہ کر کے پسپا کر دیا اور اس شرط پر صلح ہوگئی کہ مسلمان رومیوں کی جان و مال کی حفاظت کریں گے اور وہ اس کے عوض میں جزیہ دیں گے۔[3]

اجنادین:

اس وقت مسلمان شام کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے تھے اور ہرقل نے ان کے مقابلہ کے لیے الگ الگ دستے بھیجے تھے، تاکہ ایک مرکز پر جمع نہ ہوں لیکن فلسطین کی مہم عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے متعلق تھی، بصریٰ کے بعد تذارق اور قبقلار نے اجنادین (فلسطین) میں اپنی فوجیں ٹھہرائیں، خالد رضی اللہ عنہ اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بصریٰ سے فارغ ہو کر عمرو

[1] طبری ج ۴ ص ۲۰۷۳، ۲۰۷۴ [2] ابن اثیر ج ۲ ص ۳۱۴ [3] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۱۹

Marfat.com

بن العاص رضی اللہ عنہ کی مدد کو پہنچے ۱۳ھ میں مقام اجنادین میں دونوں کا مقابلہ ہوا' تذارق اور قبقلار دونوں مارے گئے۔

دمشق:

اجنادین کے بعد دمشق کی طرف بڑھے' امیر فوج ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے تین سمتوں سے اس کا محاصرہ کیا' ایک سمت پر خالد رضی اللہ عنہ مامور ہوئے' تین مہینے تک کامل محاصرہ قائم رہا' لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا' اس درمیان میں ایک دن دمشق کے پادری کے گھر لڑکا پیدا ہوا' اس کے جشن میں دمشق کے بے فکرے شرابیں پی کر ایسے بدمست ہو کر سوئے کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی' خالد رضی اللہ عنہ دوران جنگ میں اکثر راتوں کو سوتے نہ تھے بلکہ فوجی انتظامات اور دشمنوں کی سراغ رسانی میں لگے رہتے تھے۔[1] ان کو اس واقعہ کی اطلاع ہوگئی' چنانچہ فوج کو یہ ہدایت دے کر کہ تکبیر کی آواز سنتے ہی شہر پناہ کے پھاٹک پر حملہ کر دینا' چند آدمیوں کے ساتھ کمند ڈال کر شہر پناہ کی دیوار کے اس پار اتر گئے اور پھاٹک کے چوکیدار کو قتل اور اس کا قفل توڑ کر تکبیر کا نعرہ لگایا تکبیر کی آواز سنتے ہی فوج ریلا کر کے اندر داخل ہو گئی' دمشق والے ابھی تک غافل سو رہے تھے اس ناگہانی حملہ سے گھبرا گئے اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی درخواست کر کے شہر پناہ کے تمام دروازے خود کھول دیئے' ایک طرف سے خالد رضی اللہ عنہ فاتحانہ داخل ہوئے' اور دوسری طرف سے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ مصالحانہ۔ وسط شہر میں دونوں سے ملاقات ہوئی[2] گو نصف حصہ بزور شمشیر فتح ہوا' لیکن شرائط سب مصالحانہ رکھے گئے۔[3]

فحل:

دمشق کی فتح نے رومیوں کو بہت برہم کر دیا' اور وہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ مقابلہ کے لیے آمادہ ہو گئے' سقلار رومی فحل میں فوجیں لے کر خیمہ زن ہوا' اس لیے مسلمان دمشق کے بعد ادھر بڑھے' مقدمۃ الجیش خالد رضی اللہ عنہ کی کمان میں تھا' اس معرکہ میں بھی رومیوں نے بری طرح شکست کھائی۔

---

[1] طبری جلد ۴ ص ۲۱۵۲ [2] ابن اثیر جلد ۲ ص ۳۲۹ [3] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۳۰

Marfat.com

دمشق کا دوسرا معرکہ:

فحل کے بعد ابوعبیدہ اور خالد رضی اللہ عنہما حمص کی طرف بڑھے' یوحنا کے کینہ کی وجہ سے یہ مقام بھی رومیوں کا ایک اہم مرکز تھا' ہرقل کو خبر ہوئی تو اس نے توذر بطریق کو فوج دے کر مقابلہ کے لیے بھیجا' اس نے دمشق کے مغربی سمت مرج روم میں پڑاؤ ڈال دیا' مسلمان بھی آگے بڑھ کر مرج روم کی دوسری سمت ٹھہرے' اس درمیان میں رومیوں کی ایک اور فوج شنس کی سرکردگی میں پہنچ گئی' اس لیے خالد رضی اللہ عنہ نے توذر کے مقابلہ کو بڑھے اور ابوعبیدہ شنس کے' توذر نے مقابلہ نہیں کیا' بلکہ دمشق واپس لینے کے ارادہ سے آگے بڑھا' خالد رضی اللہ عنہ بھی عقب سے اس کے ساتھ ہو گئے' دمشق میں یزید بن ابی سفیان موجود تھے' وہ شنس کی آمد کی خبر سن کر اس کے روکنے کو نکلے' دمشق کے باہر دونوں میں سخت معرکہ ہوا' ابھی جنگ کا سلسلہ جاری تھا کہ پیچھے سے خالد رضی اللہ عنہ پہنچ گئے' اور ایک طرف سے انہوں نے اور دوسری طرف سے یزید رضی اللہ عنہ نے مل کر رومیوں کو پامال کر دیا' اور معدودے چند کے علاوہ کوئی رومی باقی نہ بچا۔[2]

حمص:

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے شیرز' معرہ حمص' اور لاذقیہ وغیرہ کو لے کر بعلبک اور حمص فتح کیا۔

یرموک:

ان پیہم شکستوں نے رومیوں میں آگ لگا دی اور دو لاکھ کا ٹڈی دل مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے امنڈ آیا[3] رومی سپہ سالار ماہان اس کو لے کر یرموک کے میدان میں اترا اس وقت مسلمان شام کے مختلف حصوں میں منتشر تھے' یہ سب ایک مرکز پر جمع ہو گئے اور طرفین میں جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں' رومیوں کے جوش و خروش کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ گوشہ نشیں راہب و قسیسین اپنی اپنی خانقاہوں سے نکل کر' مذہب کا واسطہ دلا کر رومیوں میں جوش پیدا کر رہے تھے' خالد رضی اللہ عنہ نے اس جنگ میں کارہائے نمایاں انجام دیئے فوج کو جدید طرز سے ۳۶ حصوں میں تقسیم کر کے' سب پر الگ الگ افسر مقرر کیے اور

---

1. ابن اثیر جلد ۲ ص ۳۳۰ 2. ایضاً ص ۳۸۱ 3. فتوح البلدان ص ۱۴۱

Marfat.com

جہاد پر نہایت ولولہ انگیز تقریر کی' اتفاق سے ایک مسلمان کے منہ سے نکل گیا کہ رومیوں کے مقابلہ میں ہماری تعداد بہت کم ہے' خالد رضی اللہ عنہ غضب ناک ہوکر بولے فتح و شکست تعداد کی قلت و کثرت پر نہیں بلکہ تائید ایزدی پر ہے' اگر میرے گھوڑے کے سم درست ہوتے تو میں اس سے دونی تعداد کی پرواہ نہ کرتا۔[1]

ضروری انتظامات کے بعد عکرمہ بن ابی جہل اور قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہما کو حملہ کا حکم دے دیا اور یرموک کے میدان میں ہنگامہ کارزار گرم ہوگیا' عین اس حالت میں ایک عیسائی رومی فوج سے نکل کر اسلامی لشکر میں آ گیا اور خالد رضی اللہ عنہ سے مذہب اسلام پر گفتگو شروع کر دی کہ اگر میں تمہارے مذہب میں داخل ہو جاؤں تو کیا میرے لیے آخرت کا دروازہ کھل جائے گا' خالد رضی اللہ عنہ نے کہا یقیناً چنانچہ وہ میدان جنگ میں مشرف با اسلام ہوگیا۔[2]

اس جنگ کا سلسلہ مدتوں جاری رہا' مسلمان افسروں نے غیر معمولی شجاعت و بہادری کا ثبوت دیا' آخر رومیوں نے ایسی شکست کھائی کہ پھر ان کی اتنی بڑی تعداد نہ فراہم ہوسکی۔

حاضر:

یرموک کی فتح کے بعد ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کو قنسرین کی طرف بھیجا اور خود حمص واپس ہوئے' مقام حاضر میں خالد رضی اللہ عنہ کو میناس رومی ایک بڑی جماعت کے ساتھ ملا' خالد رضی اللہ عنہ نے اس کو شکست دی' اہل حاضر نے امان کی درخواست کی اور کہا ہم کو اس جنگ سے کوئی تعلق نہ تھا ہماری رائے بھی اس میں شریک نہ تھی' اس لیے ہم کو امان دی جائے' خالد رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کی درخواست قبول کر لی۔[3]

قنسرین:

حاضر سے قنسرین پہنچے' اہل قنسرین پہلے جنگ کے ارادہ سے قلعہ بند ہو گئے لیکن پھر اہل حمص کے انجام پر غور کر کے صلح کی درخواست کی' خالد رضی اللہ عنہ نے اس شرط پر منظور کر لی کہ شہر کے استحکامات توڑ دیئے جائیں' قنسرین کے بعد ہرقل بالکل مایوس ہوگیا'

---

[1] طبری ج ۵ ص ۲۰۹۴　[2] طبری ص ۲۰۹۸　[3] ایضاً ص ۲۳۹۳

Marfat.com

شام میں آخری نگاہ ڈال کر قسطنطنیہ چلا گیا' چلتے وقت یہ حسرت انگیز الفاظ اس کی ان پر تھے' اے شام! تجھ کو آخری سلام ہے' اب میں تجھ سے جدا ہوتا ہوں' افسوس اس زمین میں جس میں میں نے حکمرانی کی ہے' اطمینان خاطر کے ساتھ نہ آسکوں گا۔[1]

بیت المقدس:

قیسر ین کے بعد بیت المقدس کا محاصرہ ہوا' عیسائی اس شرط سے بلا جنگ حوالہ کرنے کو آمادہ ہو گئے کہ خود امیر المومنین اپنے ہاتھ سے معاہدہ لکھیں' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صلح نامہ لکھنے کے لیے شام کا سفر کیا اور تمام افسراج فوج کو جابیہ میں طلب کیا خالد رضی اللہ عنہ بھی آئے' ان کا دستہ دیبا و حریر میں ملبوس تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر پڑی تو گھوڑے سے اتر کر کنکریاں مار کر فرمایا تم لوگوں نے اتنی جلدی اپنی عادتیں بدل دیں' ان لوگوں نے اسلحہ دکھا کر کہا کہ لیکن سپہ گری کا جوہر نہیں گیا ہے' فرمایا تب کوئی مضائقہ نہیں۔[2]

حمص کی بغاوت:

۱۷ھ میں حمص کے باشندے باغی ہو گئے' لیکن ابوعبیدہ اور خالد رضی اللہ عنہما کی بروقت توجہ سے بہت جلد بغاوت فرو ہو گئی اور شام کے پورے علاقہ پر مسلمانوں کا کامل تسلط ہو گیا۔

معزولی:

اسی ۱۷ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا' معزولی کے سنہ میں مورخین کا بیان مختلف ہے' عام شہرت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی معزول کیا تھا' لیکن یہ بیان صحیح نہیں ہے' صحیح روایت یہ ہے کہ ۱۷ھ میں یعنی خلافت فاروقی کے ۵ سال بعد معزول ہوئے' ابن اثیر کی بھی یہی تحقیق ہے' وہ لکھتے ہیں فی ھذہ السنة و ھی سنة سبعة عشر عزل خالد بن ولید یعنی ۱۷ھ میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ معزول کیے گئے' ان کی معزولی کا سبب یہ ہے کہ خالد رضی اللہ عنہ فوجی آدمی تھے' ان کا مزاج تند تھا' اس لیے ہر معاملہ میں خودرائی سے کام لیتے تھے اور بارگاہِ خلافت سے استصواب ضروری نہیں سمجھتے تھے' فوجی اخراجات کا حساب و کتاب بھی نہیں بھیجتے تھے' عراق کی پیش

---

[1] ابن اثیر ج ۲ ص ۳۸۴ [2] طبری فتح بیت المقدس

Marfat.com

قدمی روکنے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ناگوار ہوا[1] اور آپ نے تنبیہ کی انہوں نے بارہا لکھا کہ بغیر میرے حکم کے کوئی کام نہ کیا کرو اور نہ کسی کو کچھ دیا لیا کرو' انہوں نے جواب دیا کہ اگر آپ مجھ کو میری موجودہ حالت پر چھوڑ دیجئے تو کام کر سکتا ہوں' ورنہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوتا ہوں۔[2] اسی زمانہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے برہم رہتے تھے' اور بار بار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کے معزول کرنے کا مشورہ دیتے تھے' لیکن وہ ہمیشہ جواب دیتے کہ میں اس تلوار کو نیام میں نہیں کر سکتا' جس کو خدا نے بے نیام کیا ہے[3] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی خالد رضی اللہ عنہ نے یہ روش نہ چھوڑی' لیکن انہوں نے بھی فوراً معزول نہیں کیا' بلکہ عرصہ تک سمجھاتے رہے' چنانچہ پھر ایک مرتبہ لکھا کہ بغیر میری اجازت کے کسی کو ایک بکری بھی نہ دیا کرو' مگر خالد رضی اللہ عنہ نے کوئی اثر نہیں لیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دے چکے تھے[4]

دوسری وجہ یہ تھی کہ عام مسلمانوں کو خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اسلامی فتوحات کا دارومدار خالد رضی اللہ عنہ کے قوت بازو پر ہے[5]۔ جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پسند نہیں کرتے تھے۔

تیسری وجہ یہ تھی کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے اخراجات اسراف کی حد تک پہنچ جاتے تھے جو دوسرے افسروں کے لیے نمونہ بن سکتے تھے' چنانچہ شعراء کو بڑی بڑی رقمیں دے ڈالتے تھے' اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کو دس ہزار انعام یک مشت دیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے پاس حکم بھیجا کہ خالد (رضی اللہ عنہ) سے دریافت کریں کہ انہوں نے یہ روپیہ کس مد سے دیا ہے' اگر مسلمانوں کے مال سے دیا ہے تو خیانت کی اور اگر اپنی جیب سے دیا ہے تو اسراف کیا ہے' اس لیے دونوں حالت میں وہ معزولی کے قابل ہیں' یہ فرمان عین میدان جنگ میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو ملا' انہوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے پوچھا' تم نے یہ روپیہ کہاں سے دیا' کہا اپنے مال سے' اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان سنا کر معزولی کی علامت کے طور پر ان کے سر سے ٹوپی اتار لی اور عمامہ گردن میں ڈال دیا' خالد رضی اللہ عنہ

---

1. طبری جلد ۴ ص ۲۰۷۵ 2. اصابہ جلد ۲ ص ۱۰۰ 3. طبری ج ۴ ص ۲۰۸۵
4. اصابہ ج ۲ ص ۱۰۰ 5. ابن اثیر ج ۲ ص ۴۱۹

Marfat.com

نے صرف اس قدر جواب دیا کہ میں نے فرمان سنا اور مانا' اور اب بھی میں اپنے افسروں کے احکام ماننے اور خدمات بجالانے کو تیار ہوں۔[1]

اس واقعہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دبدبہ اور خالد رضی اللہ عنہ کی حق پرستی' دونوں کا اندازہ ہوتا ہے' معزولی کے بعد دربارِ خلافت سے طلبی ہوئی' چنانچہ خالد حمص سے ہوتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے' اور ان سے شکایت کی کہ آپ نے میرے معاملہ میں زیادتی سے کام لیا ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا ''تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی'' جواب دیا ''مال غنیمت کے حصوں سے' اگر میرے پاس ساٹھ ہزار سے زیادہ نکلے تو آپ لے لیجئے'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً حساب کرایا' کل ۲۰ ہزار زیادہ نکلے' وہ بیت المال میں جمع کرا دیئے اور فرمایا کہ ''خالد (رضی اللہ عنہ) اب بھی میرے دل میں تمہاری وہی عزت و محبت ہے'' اور تمام ممالک محروسہ میں فرمان جاری کرا دیا کہ میں نے خالد (رضی اللہ عنہ) کو خیانت کے جرم یا غصہ وغیرہ کی وجہ سے معزول نہیں کیا' بلکہ محض اس لیے معزول کیا کہ مسلمانوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اسلامی فتوحات کا دارومدار خالد (رضی اللہ عنہ) کے قوت بازو پر نہیں ہے۔

مذکرہ بالا فتوحات کے علاوہ خالد رضی اللہ عنہ دوسری مہموں میں بھی شریک ہو کر دادِ شجاعت دیتے رہے لیکن ان میں آپ کی حیثیت معمولی مجاہد کی تھی' اس لیے ان کی تفصیل قلم انداز کی جاتی ہے۔

گورنری:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بمصالح خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا تھا' لیکن معزول کرنے کے بعد ان سے ان کے رتبہ کے مطابق کام لیے اور ان کے جوہر اور ان کی فطری صلاحیتوں سے سپہ سالاری کے بجائے دوسرے شعبوں میں فائدہ اٹھایا' چنانچہ معزولی کے بعد رہا' حران' آمد' اور لرتہ کا گورنر مقرر کر دیا' لیکن ایک سال کے بعد وہ خود مستعفی ہو گئے۔[3]

---

[1] ابن اثیر ج ۲ ص ۴۱۸ [2] ابن اثیر جلد ۲ ص ۴۱۹ [3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۹۷

Marfat.com

وفات:

گورنری سے استعفا دینے کے بعد مدینہ میں مقیم ہو گئے اور کچھ دن بیمار رہ کر ۲۲ھ میں وفات پائی' بعض لوگ آپ کی وفات حمص میں بتاتے ہیں' مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے جنازہ میں شریک تھے[1] اور ۲۲ھ میں انہوں نے شام کوئی سفر نہیں کیا' آپ کی وفات سے مدینہ کی عورتوں خصوصاً بنی عذرہ میں کہرام برپا تھا۔

اولاد:

اولاد کی تعداد کی تفصیل نہیں ملتی' صرف دو لڑکوں' مہاجر اور عبدالرحمٰن کا نام ملتا ہے ان دونوں میں باپ کی شجاعت کا اثر تھا' چنانچہ مہاجر بن خالد رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں سرگرمی سے حصہ لیا[2] اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں قسطنطنیہ کے مشہور معرکہ میں فوج کے ایک کماندار عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہما تھے (حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوسلیمان تھی' اس لیے قیاس ہوتا ہے کہ اس نام کا بھی کوئی لڑکا رہا ہوگا' مگر تصریح نہیں ملتی۔

فضل وکمال:

چونکہ ابتدا سے لے کر آخر تک خالد رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی میدان جنگ میں گذری اس لیے ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے خوشہ چینی کا موقع کم ملا' وہ خود کہتے تھے کہ جہاد کی مشغولیت نے مجھ کو تعلیم قرآن کے بڑے حصہ سے محروم رکھا[3] تاہم وہ صحبت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فیض سے دولت علم سے بے بالکل بے بہرہ نہ تھے' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدینہ میں جو جماعت صاحب علم وافتا تھی' ان میں ایک ان کا نام بھی تھا' لیکن فطرۃً سپاہی تھے اس لیے مسند افتا پر نہ بیٹھے اور ان کے فتاویٰ کی تعداد دو چار سے زیادہ نہیں ہے۔[5] ابن عباس

---

[1] اصابہ جلد ۲ ص ۱۰۰ اور مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۹۷ [2] استیعاب جلد ۱ ص ۲۷۶

[3] ابوداؤد جلد ۱ کتاب الجہاد باب قولہ تعالیٰ ﴿ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ﴾

[4] اصابہ جلد ۲ ص ۹۹ [5] اعلام الموقعین جلد ۱ فصل اصحاب الفتویٰ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

جابر بن عبداللہ، مقدام بن معدی کرب، قیس بن ابی حازم، اشتر نخعی، علقمہ ابن قیس، جبیر بن نفیر وغیرہ نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں[1] ان کی مرویات کی تعداد کل اٹھارہ ہے جن میں سے دو متفق علیہ ہیں اور ایک میں بخاری منفرد ہیں۔

(فضائل اخلاق) رضائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے سب سے بڑی دولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا جوئی اور خوشنودی تھی، اس لیے وہ اپنے جذبات کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع فرمان کر دیتے تھے خالد رضی اللہ عنہ گو تند مزاج تھے، لیکن فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ان کی تند مزاجی حلم وعفو سے بدل جاتی تھی، ایک مرتبہ ان میں اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ میں کسی معاملہ میں بحث ہوگئی اور سخت کلامی تک نوبت پہنچ گئی، عمار رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی اتفاق سے اسی وقت حضرت خالد رضی اللہ عنہ بھی آگئے اور شکایت سن کر بہت برہم ہوئے اور عمار رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنا شروع کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش تھے، عمار رضی اللہ عنہ نے آبدیدہ ہو کر عرض کی حضور ان کی زیادتیوں کو ملاحظہ فرما رہے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھا کر فرمایا کہ جو شخص عمار (رضی اللہ عنہ) سے بغض وعداوت رکھتا ہے وہ خدا سے بغض وعناد رکھتا ہے" خالد رضی اللہ عنہ پر اس ارشاد کا اتنا اثر ہوا کہ ان کا بیان ہے کہ جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھا تو عمار (رضی اللہ عنہ) کی رضا جوئی سے زیادہ کوئی چیز میرے لیے محبوب نہ تھی، اور ان سے مل کر ان کو منایا۔[2]

احترام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

خالد رضی اللہ عنہ کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا احترام تھا کہ وہ کسی کی زبان سے آپ کی شان میں کوئی ناروا کلمہ برداشت نہیں کر سکتے تھے، ایک مرتبہ آپ کے پاس کچھ سونا آیا، آپ نے اسے اہل نجد میں تقسیم کر دیا، قریش وانصار کو شکایت ہوئی، انہوں نے شکایت کی کہ آپ نے سب سونا نجدی سرداروں کو دے دیا، اور ہم لوگوں کو بالکل نظر انداز فرما دیا، آپ نے فرمایا ان کو تالیف قلب کے خیال سے دیتا ہوں، یہ سن کر نجدیوں کے گروہ سے ایک شخص نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا سے ڈر! آپ نے فرمایا، اگر میں خدا کی نافرمانی

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۱۲۴ [2] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۸۹

Marfat.com

کرتا ہوں تو پھر خدا کی اطاعت کون کرتا ہے؟ خالد رضی اللہ عنہ کو اس گستاخی پر غصہ آ گیا اور اس کی گردن اڑانے کی اجازت چاہی لیکن آپ نے روک دیا۔[1]

آثارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تبریک:

وہ ہر اس چیز کے ساتھ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرف انتساب حاصل ہوتا والہانہ عقیدت رکھتے تھے' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک ایک ٹوپی میں سلوا لیے تھے' جس کو پہن کر میدانِ جنگ میں جاتے تھے' یرموک کے معرکہ میں ٹوپی گر گئی تھی' خالد رضی اللہ عنہ بہت پریشان ہوئے اور آخر بڑی تلاش و جستجو کے بعد ملی۔[2]

جہاد فی سبیل اللہ:

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی کتاب زندگی کا سب سے جلی عنوان اور سب سے روشن باب جہاد فی سبیل اللہ ہے' ان کی زندگی کا بیشتر حصہ اسی میں گزرا' غزوات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عراق و شام کی فتوحات کے حالات میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے' ان کے اسی ذوق جہاد اور شجاعانہ کارناموں کے صلہ میں ان کو دربارِ نبوی سے سیف اللہ کا لقب ملا۔ تقریباً سوا سو لڑائیوں میں اپنی تلوار کے جوہر دکھائے' جسم میں ایک بالشت حصہ بھی ایسا نہ تھا جو تیروں اور تلواروں کے زخم سے زخمی نہ ہوا ہو۔[3] ذوق جہاد میں کہا کرتے تھے کہ مجھے میدان جنگ کی وہ سخت رات جس میں اپنے دشمنوں سے لڑوں' اس شب عروسی سے زیادہ مرغوب ہے' جس میں میری محبوبہ مجھ سے ہمکنار ہو۔[4] آخری وقت جب اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے تو بڑی حسرت اور افسوس کے ساتھ کہتے تھے کہ افسوس میری ساری زندگی میدان جنگ میں گذری اور آج میں بستر مرگ پر جانور کی طرح ایڑیاں رگڑ کے جان دے رہا ہوں۔[5] خدا نے آپ کے قدموں میں یہ برکت دی تھی کہ جدھر رخ کیا کبھی ناکام واپس نہ لوٹے' خود کہتے تھے کہ میں نے جس طرف کا رخ کیا فتحیاب ہوا۔[6] اس قول کی صداقت پر ان کے

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۱۰۵ [2] اصابہ جلد ۲ ص ۹۹ [3] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۰۲
[4] اصابہ جلد ۲ ص ۹۹ [5] استیعاب جلد ۱ ص ۱۵۸ [6] اصابہ جلد ۲ ص ۹۹

Marfat.com

کارنامے شاہد ہیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شجاعت پر اس قدر اعتماد تھا کہ جب ان کے ہاتھ میں علم آجاتا تو آپ مطمئن ہو جاتے' چنانچہ غزوۂ موتہ میں جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے علم سنبھالا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ فرمایا کہ اب لڑائی کا تنور گرمایا[1] چونکہ سپہ گری ان کا آبائی پیشہ تھا' اس لیے ان کے پاس سامان حرب کافی تھا' جس کو انہوں نے اسلام لانے کے بعد راہ خدا میں وقف کر دیا تھا۔[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مدح کرنا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی ان جان فروشیوں اور قربانیوں کی بہت قدر فرماتے تھے' اور متعدد موقعوں پر مدحیہ لہجہ میں ان کا اعتراف فرمایا کرتے' فتح مکہ کے موقع پر جب کہ مسلمان مختلف سمتوں سے مکہ میں داخل ہو رہے تھے ایک گھاٹی کی طرف خالد رضی اللہ عنہ بھی نمودار ہوئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا' دیکھو کون ہے' انہوں نے عرض کی خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) فرمایا کہ یہ خدا کا بندہ بھی کیا خوب ہے۔[3] خود بھی قدر دانی فرماتے تھے' اور لوگوں کو بھی ان کا لحاظ رکھنے کی ہدایت فرماتے تھے' ایک موقع پر لوگوں سے فرمایا کہ خالد (رضی اللہ عنہ) کو تم لوگ کسی قسم کی تکلیف نہ دو' کیونکہ وہ خدا کی تلوار ہے' جس کو اس نے کفار پر کھینچا ہے۔[4]

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا تو ابن جمیل' خالد' اور عباس رضی اللہ عنہم نے دینے سے انکار کیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا' تو فرمایا کہ ''ابن جمیل فقیر تھا' خدا نے ان کو دولت مند کیا' یہ اس کا بدلہ ہے' لیکن خالد ابن ولید (رضی اللہ عنہ) پر تم لوگ زیادتی کرتے ہو' انہوں نے اپنا تمام سامان حرب خدا کی راہ میں وقف کر دیا ہے پھر ان پر زکوٰۃ کیسی' رہا عباس کا معاملہ تو ان کا میں ذمہ دار ہوں' کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ چچا باپ کی جگہ ہے۔[5]

---

[1] ابن سعد ق ۲ جلد ۴ تذکرۂ خالد رضی اللہ عنہ [2] صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ و اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۰۴

[3] مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۶۰ [4] اصابہ جلد ۲ ص ۹۹

[5] ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۶۳ و مسلم جلد ۱ ص ۳۶۲ مصر

Marfat.com

مزاج:

ان کی پوری زندگی سپاہیانہ تھی' اس لیے مزاج میں حرارت اور تیزی تھی' ذرا سی خلاف مزاج بات پر بگڑ جاتے تھے' عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سخت کلامی کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے اسی طرح بنو جذیمہ کے معاملہ میں (جن پر آپ نے مشرک سمجھ کر حملہ کر دیا) جب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا تو بہت برہم ہوئے۔[1]

حق پرستی:

لیکن اس تندمزاجی کے باوجود ہٹ دھرمی نہ تھی اور حق بات کو قبول کرنے اور دوسروں کے فضائل کے اعتراف میں عار نہ کرتے تھے' معزولی کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے کہ مجمع عام میں اس طرح معزول کیا جاتا ہے کہ سر سے ٹوپی اتار لی جاتی ہے' عمامہ گردن میں باندھ دیا جاتا ہے' اور آپ دم نہیں مارتے اور جب ان کی جگہ پر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سپہ سالار مقرر ہوتے ہیں تو یہ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اب اس امت کا امین تم پر امیر مقرر کیا گیا ہے۔[2]

اشاعت اسلام:

اشاعت اسلام ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے' خالد رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں اور آپ کے بعد برابر اس فریضہ کو ادا کرتے رہے' فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے اشاعت اسلام کی غرض سے جو سرایا بھیجے' ان میں سے متعدد سریے ان کی سرکردگی میں روانہ کیے گئے' اور بنو جذیمہ' بنو عبدالمدان نجرانی ان ہی کوششوں سے مشرف باسلام ہوئے' اور اہل یمن کے اسلام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی کوششیں بھی شامل تھیں فتنہ ردہ میں طلیحہ کی جماعت بنو ہوازن' بنو سلیم اور بنو عامر وغیرہ دوبارہ ان ہی کوششوں سے اسلام لائے[3] ان جماعتوں کے علاوہ منفرد طور پر بھی بعض مشہور لوگ آپ کے ہاتھ مشرف بہ اسلام ہوئے' جنگ یرموک میں قیصر روم کے سفیر جارج کے قبول اسلام کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے۔[4]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۰۳ — [2] اصابہ جلد ۲ ص ۹۹

[3] ابن خلدون جلد ۲ بعوث مرتدین — [4] ابن اثیر جلد ۲ ص ۳۱۶

Marfat.com

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

مغیرہ نام' ابوعبداللہ کنیت' نسب نامہ یہ ہے' مغیرہ بن شعبہ بن ابی عامر بن مسعود بن معتب بن مالک بن کعب بن عمرو بن عوف بن قیس ۔[1]

اسلام:

غزوۂ خندق کے سال ۵ھ میں مشرف باسلام ہوئے' اور اسی زمانہ میں ہجرت کر کے مدینہ آ گئے ۔[2]

غزوات:

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قیام کیا' غزوہ حدیبیہ میں آپ کے ساتھ نکلے' قریش اس میں مزاحم ہوئے اور ان کی طرف سے عروہ بن مسعود ثقفی (رضی اللہ عنہ) گفتگو کے لیے آیا' اور عرب کے عام قاعدہ کے مطابق دوران گفتگو میں بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتا تھا' مسلمان اس گستاخانہ طریقہ تخاطب کے عادی نہ تھے' مغیرہ رضی اللہ عنہ کو جو اس وقت ہتھیار لگائے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت کی جانب کھڑے تھے' یہ انداز گفتگو ناگوار ہوا' وہ ہر مرتبہ تلوار کے قبضہ پر ہاتھ لے جاتے تھے' آخر میں ضبط نہ ہو سکا' ڈانٹ کر کہا' خبردار ہاتھ قابو میں رکھو۔ عروہ نے پہچان کر کہا' او دغاباز میں نے تیری دغابازی کے معاملہ میں تیری طرف سے کوشش نہیں کی تھی؟[3]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۴۰۶ [2] استیعاب جلد اوّل ص ۲۵۸

[3] زمانہ جاہلیت میں مغیرہ رضی اللہ عنہ نے چند آدمیوں کو قتل کر دیا تھا' عروہ بن مسعود ثقفی نے ان کی دیت ادا کی تھی' یہ واقعہ بخاری کتاب الشروط فی الجہاد والمصالحہ مع اہل الحرب میں مفصل مذکور ہے' ہم نے صرف اسی قدر ہی لیا ہے جتنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کی ذات سے متعلق ہے۔

Marfat.com

حدیبیہ کے بعد متعدد غزوات میں شرکت کا شرف حاصل کیا، آنحضرت ﷺ نے ایک خاص سریہ میں ان کو اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو طائف بھیجا تھا، اس میں انہوں نے نہایت بہادری سے دشمنوں کو شکست دی۔[1]

آخری سعادت:

آنحضرت ﷺ کی تجہیز و تکفین کے وقت موجود تھے، جب لوگ جسد مبارک کو قبر انور میں رکھ کر نکلے تو انہوں نے عمداً قبر میں اپنی انگوٹھی گرادی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا نکال لو، انہوں نے قبر میں اتر کر قدم مبارک کو ہاتھ سے مس کیا اور جب مٹی گرائی جانے لگی اس وقت قبر سے نکلے، انہوں نے قصداً اس لیے انگوٹھی گرائی تاکہ یہ شرف ان کے ساتھ مخصوص ہو جائے کہ وہ ذات نبوی ﷺ سے سب سے آخری جدا ہونے والے ہیں، چنانچہ ہمیشہ لوگوں سے فخریہ کہا کرتے کہ میں تم سب میں آنحضرت ﷺ سے آخری جدا ہونے والا ہوں۔[2]

عہد صدیقی:

آنحضرت ﷺ کے بعد شیخین رضی اللہ عنہما کے عہد کی اکثر معرکہ آرائیوں میں شریک رہے اور بڑے بڑے کارنمایاں کیے، سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے اہل بحیرہ کی طرف گئے، پھر یمامہ کے مرتدوں کی سرکوبی میں پیش پیش رہے۔[3]

عہد فاروقی:

فتنہ ارتداد کے فرو ہونے کے بعد عراق کی فتوحات میں شریک ہوئے، بویب کی تسخیر کے بعد جب مسلمان قادسیہ کی طرف بڑھے اور رستم نے مصالحت کے لیے مسلمان سفرا بلائے تو کئی سفراء بھیجے گئے، آخر میں یہ خدمت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی۔

سفارت:

ایرانیوں نے اسلامی سفیر پر رعب ڈالنے کے لیے بڑی شان و شوکت سے دربار سجایا تھا، تمام افسرانِ فوج دیبا و حریر کے بیش قیمت ملبوسات زیب تن کیے تھے۔ رستم

[1] مستدرک جلد ۳ ص ۴۴۷ [2] ابن سعد جلد ۲ ق ۲ ص ۷۷، ۷۸ [3] مستدرک جلد ۳ ص ۴۴۷

Marfat.com

زرنگار تاج سر پر رکھے تخت پر بیٹھا تھا' دربار میں کار چوبی کا فرش تھا' مغیرہ رضی اللہ عنہ پہنچے تو بلا کسی جھجک کے سیدھے رستم کے تخت پر جا کر بیٹھ گئے' ان کا اس دلیری سے رستم کے پہلو بہ پہلو بیٹھ جانا درباریوں کو ناگوار گزرا' انہوں نے ہاتھ پکڑ کر نیچے بٹھا دیا' مغیرہؓ نے کہا ''ہم عرب ہیں' ہمارے یہاں یہ دستور نہیں ہے کہ ایک شخص خدا بنے اور دوسرے لوگ اس کی پرستش کریں' ہم سب ایک دوسرے کے برابر ہیں' تم نے ہم کو خود بلایا ہے' ہم اپنی غرض سے نہیں آئے ہیں' پھر تمہارا یہ سلوک کہاں تک مناسب ہے' اگر تم لوگوں کا یہی حال رہا تو بہت جلد نیست و نابود ہو جاؤ گے' بقائے سلطنت کی یہ شکل نہیں ہے'' ایرانی اس مساوات سے ناآشنا تھے' یہ خیالات سن کر دنگ رہ گئے' رستم بھی نادم ہوا' بولا کہ یہ نوکروں کی غلطی ہے اور حسن تلافی کے طور پر ان کے ترکش سے تیر نکال کر مذاق کے لہجہ میں کہا کہ ان تکلوں سے کیا ہوگا' کہا' چنگاری کی لو گو چھوٹی ہو مگر پھر بھی آگ ہے' پھر اس نے تلوار کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ تمہاری تلوار کس قدر بوسیدہ ہے کہا' گو نیام بوسیدہ ہے لیکن دھار تیز ہے' اس کے بعد اصل معاملہ پر گفتگو شروع ہوئی' رستم نے اپنی قوم کی شوکت و عظمت سطوط و جبروت اور عربوں کی حقارت و کم مائیگی کا تذکرہ کر کے کہا کہ گو تمہاری جیسی ناچیز قوم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تاہم' اگر تم لوٹ جاؤ تو تمہاری فوج اور سردار فوج کو ان کے مرتبہ کے موافق انعام دیا جائے گا' مغیرہ رضی اللہ عنہ نے نہایت جوش سے جوابی تقریر کی اور آخر میں کہا کہ اگر تم کو جزیہ نہیں منظور ہے تو تلوار تمہارا فیصلہ کرے گی' رستم یہ سخت جواب سن کر آگ بگولا ہو گیا' بولا کہ آفتاب سے پہلے تمہاری فوج کو تہ و بالا کر دوں گا'' اس گفتگو کے بعد مغیرہ رضی اللہ عنہ واپس چلے آئے[1] اور قادسیہ کی مشہور جنگ میں بھی شریک تھے۔[2]

عراق پر فوج کشی:

۱۹ھ میں رے' قومس اور اصفہان والوں نے یزدگرد سے خط و کتابت کر کے مسلمانوں کے خلاف ساٹھ ہزار فوج جمع کی اور مروان شاہ درفش کاویانی لہراتا ہوا نکلا حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے دربارِ خلافت میں اطلاع دی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود نکلنے

---

1. طبری ج ۵ ص ۲۲۷۴ تا ۲۲۷۷ 2. مستدرک ج ۳ ص ۴۴۷

Marfat.com

کا قصد کیا' لیکن پھر نظام خلافت کے اختلال کے خیال سے ارادہ فسخ کردیا اور امرائے کوفہ و بصرہ کے نام فرمان جاری کیے کہ وہ اپنی اپنی فوج لے کر نہاوند کی طرف بڑھیں اور نعمان بن مقرن کو سپہ سالار مقرر کر کے ہدایت کی کہ اگر تم شہید ہو تو حذیفہ بن یمان تمہاری قائم مقامی کریں گے اور اگر وہ بھی شہید ہوں تو جریر بن عبداللہ بجلی جگہ لیں اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مغیرہ علم سنبھالیں۔[1]

دوسری سفارت:

جب اسلام لشکر نہاوند کے قریب پہنچا تو ایرانیوں نے دوبارہ مصالحت کی گفتگو کے لیے ایک سفیر طلب کیا' مغیرہ رضی اللہ عنہ اس خدمت کو ایک مرتبہ حسن وخوبی کے ساتھ انجام دے چکے تھے' اس لیے دوبارہ ان ہی کا انتخاب ہوا' یہ سفیر بن کر گئے تو دربار کا وہی رنگ دیکھا' مروان شاہ سر پر تاج زرنگار رکھے طلائی تخت پر بیٹھا تھا' درباری چپ و راست چمکدار تلواریں لگائے' جن پر آنکھیں نہیں ٹھہرتی تھیں' کھڑے تھے' مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کوئی توجہ نہ کی اور سیدھے گھستے ہوئے چلے گئے' راستہ میں درباریوں نے روکنا چاہا' کہا سفرا کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا جاتا اور مترجم کے ذریعہ گفتگو شروع ہوئی' مروان شاہ نے کہا کہ تم عرب ہو اور عربوں سے زیادہ بدبخت' فاقہ مست اور نجس قوم دنیا میں نہیں ہے' میری سپاہ کب کا تمہارا فیصلہ کر چکی ہوتی لیکن تم اس قدر ذلیل ہو کہ ہم ان کے تیر بھی تمہارے ناپاک خون سے آلودہ کرنا نہیں چاہتے اب بھی اگر تم واپس چلے جاؤ تو معاف کر دیا جائے گا' ورنہ تمہاری لاشیں میدان میں تڑپتی نظر آئیں گی' انہوں نے حمد و نعت کے بعد جواب دیا کہ بیشک جیسا تمہارا خیال ہے' ایک زمانہ میں ہم ویسے ہی تھے' لیکن ہمارے رسول ﷺ نے ہماری کایا پلٹ دی اب ہر طرف ہمارے لیے میدان صاف ہے اور بغیر تمہارا تاج و تخت چھینے اس وقت تک نہیں لوٹ سکتے' جب تک ''میدان جنگ میں ہماری لاشیں نہ تڑپیں''[2] غرض یہ سفارت بے نتیجہ رہی اور طرفین میں لڑائی کی تیاریاں شروع ہو گئیں' مغیرہ رضی اللہ عنہ میسرہ کے افسر مقرر ہوئے' نہاوند کے معرکہ میں اسلامی فوج کے سپہ سالار نعمان

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۳۱۱ [2] طبری ج ۲ ص ۲۶۰۲، ۲۶۰۳

Marfat.com

بن مقرن رضی اللہ عنہ ایسے سخت زخمی ہوئے کہ پھر جان بر نہ ہو سکے' لیکن مسلمانوں کے ثبات و استقلال میں کوئی فرق نہ آیا اور بالآخر ایرانیوں کو شکست ہوئی' اختتام جنگ کے بعد معقل' نعمان رضی اللہ عنہ کی خبر لینے گئے' سانس کی آمد و شد باقی تھی لیکن نگاہ جواب دے چکی تھی' پوچھا کون' معقل نے بتایا' پوچھا جنگ کا کیا نتیجہ رہا' عرض کی خدا نے کامیاب کیا' فرمایا الحمد للہ' عمر (رضی اللہ عنہ) کو اطلاع دو' اور یہ مژدہ سننے کے بعد طائر روح پرواز کر گیا۔[1]

نہاوند کے بعد ایران پر عام فوج کشی ہوئی' ہر حصہ پر الگ الگ فوجیں بھیجی گئیں' ہمدان کی مہم مغیرہ رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی' انہوں نے نہایت بہادری سے اس کو سر کیا' پھر اہل ایران کی درخواست پر صلح کر لی۔[2]

بصرہ آباد ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو یہاں کا گورنر مقرر کیا' انہوں نے اپنے عہد حکومت میں بہت سے نئے انتظامات کیے' باقاعدہ ایک دفتر کھولا' جہاں سے سپاہیوں کی تنخواہیں اور وظیفہ خواروں اور وثیقہ پانے والے کے وظیفے اور وثیقے ملتے تھے اس سے پہلے کوئی دفتر نہ تھا' اس کی ایجاد کا سہرا مغیرہ رضی اللہ عنہ کے سر ہے کچھ دنوں کے بعد ایک جرم کے الزام میں ماخوذ ہوئے' لیکن شہادت سے یہ الزام ثابت نہ ہو سکا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے کہ ایک صحابی کا دامن معصیت کی آلودگی سے پاک نکلا' تاہم سیاسی مصالح کے لحاظ سے بصرہ سے تبادلہ کر کے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی جگہ کوفہ کا گورنر بنایا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات تک یہاں کے گورنر رہے[3] اور جدید عثمانی انتظامات معزول کر دیئے گئے۔

عہد معاویہ رضی اللہ عنہ:

اس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور جناب امیر رضی اللہ عنہ میں اختلافات ہوئے تو ابتدا میں مغیرہ رضی اللہ عنہ جناب امیر رضی اللہ عنہ کے حامی و طرفدار تھے' چنانچہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مخلصانہ مشورہ دیا کہ اگر آپ اپنی خلافت کو مستحکم کرنا چاہتے ہیں تو طلحہ و زبیر (رضی اللہ عنہما) کو

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۳۱۲، ۳۱۳ [2] ایضاً ص ۳۱۷ و مستدرک جلد ۳ ص ۴۴۸

[3] فتوح البلدان بلاذری ص ۴۴۸ [4] استیعاب جلد ۱ ص ۲۵۹ و مستدرک جلد ۳ ص ۴۴۸

Marfat.com

کوفہ اور بصرہ کا والی بنائیے اور امیر معاویہ کو ان کے قدیم عہدہ پر واپس کیجئے، پورا تسلط ہو جانے کے بعد پھر جو خیال میں آئے وہ کیجئے گا، لیکن جناب امیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ طلحہ و زبیر کے بارہ میں غور کروں گا، لیکن معاویہ جب تک اپنی حرکتوں سے باز نہ آئیں گے اس وقت تک نہ ان کو کہیں کا امیر بناؤں گا اور نہ ان سے کسی قسم کی مدد لوں گا، مغیرہ رضی اللہ عنہ اس جواب سے بدظن ہو گئے[1] امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور ان کو اپنی طرف مائل کر کے ان سے بیعت لے لی[2] اب مغیرہ رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، اور علی الاعلان جناب امیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت شروع کر دی، مجمع عام میں آپ کے خلاف تقریر کرتے اور لوگوں کو آپ کی مخالفت پر ابھارتے تھے[3]

مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حمایت نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بڑی قیمتی مدد پہنچائی، بڑی بڑی اہم گتھیاں انہوں نے اپنے ناخن تدبیر سے حل کر دیں، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دعویٰ خلافت کے سلسلہ میں بعض مواقع ایسے نازک آ گئے تھے کہ اگر مغیرہ رضی اللہ عنہ کا تدبر نہ ہوتا تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو سخت ترین دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا، زیاد دہاۃ عرب میں تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے فارس کا والی تھا، یہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا سخت ترین دشمن تھا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری کے بعد گو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سارے عالم اسلامی کے خلیفہ ہو گئے تھے، لیکن زیاد ان کی خلافت نہیں تسلیم کرتا تھا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مشہور جفا کار بسر بن ابی ارطاۃ کو اس کے مطیع کرنے پر مامور کیا، لیکن اس کی سختیاں بے کار ثابت ہوئیں، اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اپنے تدبر سے زیاد کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مطیع بنا کر ایک بڑے خطرہ سے بچا لیا[4]

کوفہ کی گورنری:

۴۱ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مغیرہ کو ان کے حسن خدمات کے صلہ میں کوفہ کا عامل

---

1. استیعاب جلد ۱ ص ۲۵۹
2. اصابہ جلد ۶ ص ۱۳۲
3. مستدرک جلد ۳ ص ۴۵۰
4. ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۶۸

Marfat.com

بنایا' ۴۲ھ میں خارجیوں نے بڑا سخت فتنہ برپا کیا' مغیرہ رضی اللہ عنہ نے نہایت ہوشیاری اور سرعت سے اس کو فرو کیا اور خارجیوں کا ایک سرغنہ مستورد مارا گیا' غرض مغیرہ رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت استوار کرنے میں پورا زور صرف کیا۔

وفات:

۵۰ھ میں کوفہ میں طاعون کی وبا پھیلی' اس میں انتقال کیا' وفات کے وقت ۷۰ سال کی عمر تھی۔[1]

حلیہ:

سر بڑا' بال بھورے' لب پیوستہ' بازو فراخ اور شانہ کشادہ تھے۔[2]

اولاد:

وفات کے وقت ۳ اولادیں چھوڑیں عروہ' حمزہ' عقار۔[3]

فضل وکمال:

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ گو ایک مدبر اور فوجی شخص تھے' تاہم ان کو مذہبی علوم سے بھی وافر حصہ ملا تھا' اور اپنے زمرہ میں علمی حیثیت سے ممتاز شخصیت رکھتے تھے' ان کی ۱۳۳ روایتیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں' ان میں سے ۹ متفق علیہ ہیں اور ایک میں امام بخاری اور ۲ میں مسلم منفرد ہیں[4] تلامذہ کا دائرہ بھی خاصہ وسیع تھا' ان میں ان کے تینوں لڑکے عروہ' حمزہ' عقار اور عام لوگوں میں جبیرہ بن دحیہ' مسور بن مخرمہ' قیس بن ابی حازم مسروق بن اجدع' نافع بن جبیرہ بن مطعم' عروہ بن زبیر اور عمرو بن وہب قابل ذکر ہیں[5]

گو مغیرہ رضی اللہ عنہ مذہبی علوم سے بے بہرہ نہ تھے' لیکن ان کی عظمت و وقار کا علم و افتا کی مسند کے بجائے سیاست کی خارزار وادیوں میں گڑا تھا اور یہی ان کے کمال کا حقیقی مظہر تھا' عقل و دانش اور تدبر و سیاست کے لحاظ سے وہ عرب کے ممتاز مدبرین میں تھے ان کا شمار ''دہاۃ عرب'' میں تھا' اور اپنے غیر معمولی دل و دماغ کے سبب سے ''مغیرۃ

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۸۲ [2] اصابہ جلد ۶ ص ۱۳۲ [3] تہذیب التہذیب تذکرہ مغیرہ بن شعبہ
[4] تہذیب الکمال ص ۳۸۵ [5] تہذیب التہذیب تذکرہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ

Marfat.com

الرائے'' کہلاتے تھے[1] اسی وصف کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بڑے بڑے ذمہ دار عہدوں پر ممتاز رہے اور دربار ایران تک ان کے تدبر کا سکہ جم گیا تھا۔

قبیصہ بن جابر کا بیان ہے کہ میں عرصہ تک مغیرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا' وہ اس تدبیر و سیاست کے آدمی تھے کہ اگر کسی شہر کے آٹھ دروازے ہوں اور ان میں ایک میں سے بھی بغیر ہوشیاری اور چالاکی کے گزرنا دشوار ہو تو مغیرہ رضی اللہ عنہ آٹھوں دروازوں سے نکل جاتے[2] اہم امور کی گتھلیاں سلجھانے میں ان کو خاص ملکہ حاصل تھا' جب کسی معاملہ میں رائے قائم کرتے تو اسی میں مفر کی صورت نکلتی[3]

ان کی تدبیر و سیاست کے بعض واقعات نہایت دلچسپ ہیں' عموماً اس قسم کے حکام کو رعایا پسند نہیں کرتی' مغیرہ رضی اللہ عنہ بھی ان ہی میں تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ان کو بحرین کا گورنر بنایا تھا' یہاں کی رعایا نے ان کی شکایت کی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر دیا' معزولی کے بعد چلتے چلتے رعایا نے ایک بڑی چوٹ یہ لگائی کہ ان کی آئندہ واپسی کے خطرہ کے روکنے کے لیے یہاں کے زمینداروں نے ایک لاکھ کی رقم جمع کر کے دربارِ خلافت میں پیش کی اور کہا کہ مغیرہ نے سرکاری محاصل سے خیانت کر کے ہماری پاس جمع کرائی تھی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہایت سختی سے باز پرس کی' معاملہ بہت نازک تھا' رقم موجود تھی' سینکڑوں شاہد تھے' کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہ تھی' لیکن انہوں نے دماغی توازن قائم رکھا' اور نہایت اطمینان کے ساتھ کہا میں نے دو لاکھ جمع کیے تھے' ایک لاکھ اس نے دبا لیا' یہ سن کر زمین دار بہت گھبرایا اور حلف دے کر اپنی صفائی پیش کی' ورنہ ان کو دو لاکھ بیت المال میں داخل کرنا پڑتے تھے' مگر یہ واقعہ مغیرہ رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنے کے لیے بنایا گیا تھا اس لیے تحقیقات سے غلط ثابت ہوا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا' تم نے دو لاکھ کا کیوں اقرار کیا' بولے انہوں نے تہمت لگائی تھی' اور اس کے سوا بدلہ لینے کی کوئی صورت نہ تھی[4]

---

[1] اصابہ و استیعاب تذکرہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ [2] تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۰۲
[3] مستدرک جلد ۳ تذکرہ مغیرہ رضی اللہ عنہ [4] اصابہ جلد ۶ ص ۱۳۲

Marfat.com

حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

خالد نام، ابوسعید کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، خالد بن سعید بن العاص بن امیہ ابن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی قرشی اموی، نانہالی تعلق ثقیف سے تھا۔[1]

اسلام:

حضرت خالد رضی اللہ عنہ ان خوش نصیب بزرگوں میں ہیں جو اس وقت مشرف باسلام ہوئے، جب چند بندگانِ خدا کے سوا ساری دنیا توحید کی آواز سے ناآشنا تھی، ان ہی کے اسلام سے ان کے گھر میں اسلام کی روشنی پھیلی، ان کے اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں انہوں نے خواب دیکھا کہ یہ ایک آتشیں غار کے کنارے کھڑے ہیں اور ان کے والد ان کو اس میں دھکیل رہے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گلا پکڑے ہوئے روک رہے ہیں، اس خواب پریشان نے آنکھ کھول دی، گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور بے ساختہ زبان سے نکل گیا کہ "خدا کی قسم یہ خواب حقیقت ہے" اور اس کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ تم ایک نہ ایک دن ضرور مشرف باسلام ہو گے، اس لیے میں تم کو دوستانہ مشورہ دیتا ہوں کہ تم فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو جاؤ اور تمہارے والد اس آتشیں غار میں گریں گے، لیکن تم کو اسلام اس میں گرنے سے بچالے گا، چنانچہ خالد رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا، آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشرکت غیر خدائے واحد کی پرستش کرو، مجھ کو اس کا بندہ اور رسول مانو اور ان پتھروں کی پوجا چھوڑ دو، جو تمہارے نفع اور نقصان کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے، حتی کہ اس سے بھی لاعلم ہیں کہ ان کی پرستش کے دعویداروں میں کون ان کی پرستش کرتا ہے

---

[1] اصابہ جلد ۲ ص ۱۳۲ [2] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۹۰

Marfat.com

اور کون نہیں کرتا' یہ تعلیمات سن کر دل کے ساتھ زبان نے بھی خدا کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کی تصدیق کر دی۔[1]

آزمائش اور استقامت:

اسلام لانے کے بعد گھر والوں سے چھپ کر آنحضرت ﷺ کے ساتھ دعوتِ اسلام میں مصروف ہو گئے' والد کو خبر ہوئی تو انہوں نے ان کے بھائیوں کو پکڑنے کے لیے بھیجا' وہ ان کو گرفتار کر کے لے گئے' پہلے اسلام چھوڑنے کا مطالبہ ہوا' یہاں جواب صاف تھا کہ جان جائے لیکن محمد (ﷺ) کا مذہب نہیں چھوٹ سکتا' اس جواب پر پہلے زجر و توبیخ شروع ہوئی' جب یہ بے اثر ثابت ہوئی تو زدوکوب کی نوبت آئی اور اس بے دردی سے مارے گئے کہ سر پر پڑتے پڑتے لکڑی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی' جب مارتے مارتے تھک گئے تو پھر باز پرس شروع ہوئی کہ تم نے محمد (ﷺ) کی حرکتوں کو جانتے ہوئے ان کا ساتھ کیوں دیا؟ تم آنکھوں سے دیکھتے ہو کہ وہ پوری قوم کی مخالفت کرتے ہیں' ان کے معبودوں اور ان کے آباؤ اجداد کو برا بھلا کہتے ہیں اور اس میں تم بھی ان کی ہمنوائی کرتے ہوئے' مگر اس مار کے بعد بھی اس بادہ حق کے سرشار کی زبان سے نکلا کہ ''خدا کی قسم! وہ جو کچھ کہتے ہیں سچ کہتے ہیں اور اس میں میں ان کے ساتھ ہوں''۔ جب سنگدل باپ ہر طرح سے تھک چکا تو عاجز ہو کر قید کر کے کھانا پینا بند کر دیا' اور لوگوں کو منع کر دیا کہ کوئی شخص ان سے گفتگو نہ کرے' چنانچہ یہ تین دن تک بے آب و دانہ تنہائی کی قید جھیلتے رہے' چوتھے دن موقع پا کر بھاگ نکلے اور اطرافِ مکہ میں روپوش ہو گئے۔[2]

ہجرتِ حبشہ:

جب مسلمانوں کا دوسرا قافلہ حبشہ جانے لگا تو یہ بھی اپنی بیوی امیمہ یا امینہ اور بھائی عمرو کو ساتھ لے کر حبشہ چلے گئے' یہیں ان کے صاحبزادہ سعید اور صاحبزادی ام خالد پیدا ہوئیں۔[3]

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۴۸ [2] طبقات ابن سعد جزء ۴ قسم ا ص ۶۸ و استیعاب ج ا ص ۱۵۵
[3] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۹۱

Marfat.com

ہجرت مدینہ اور غزوات:

غزوہ خیبر کے زمانہ میں حبشہ سے مدینہ آئے' گو یہ اس میں شریک نہیں ہوئے تھے' لیکن آنحضرت ﷺ نے مال غنیمت میں ان کا حصہ بھی لگایا' اس کے بعد عمرۃ القضا فتح مکہ' حنین' طائف اور تبوک وغیرہ سب میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب رہے۔[1]

ابتدائی غزوات بدر و احد وغیرہ میں شریک نہیں ہو سکے تھے' اس محرومی پر ہمیشہ متاسف رہے' آنحضرت ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہم لوگ بدر کے شرف سے محروم رہے' آپ نے جواب دیا' کہ کیا تم کو یہ پسند نہیں ہے کہ لوگوں کو ایک ہجرت کا شرف حاصل ہو اور تم کو دو کا۔[2]

مدینہ کا قیام:

مدینہ آنے کے بعد سے آنحضرت ﷺ نے مراسلات کا عہدہ ان کے متعلق کر دیا تھا' اور وہ تحریری نامہ و پیام کی خدمت انجام دیتے تھے' ۹ھ میں بنو ثقیف کا جو وفد آیا تھا' اس کے اور آنحضرت ﷺ کے درمیان گفتگو کی خدمت ان ہی نے انجام دی تھی' اور وفد کے مشرف باسلام ہونے کے بعد معاہدہ بھی ان ہی نے تحریر کیا تھا۔[3]

یمن کی گورنری:

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے کنبہ بھر میں حکومت کی صلاحیت تھی' اس لیے آنحضرت ﷺ نے تینوں بھائیوں کو حکومت کے عہدوں پر ممتاز کیا تھا' ابان کو بحرین پر' عمرو کو تیماء پر اور خالد رضی اللہ عنہ کو یمن پر مامور کیا' یہ تینوں تا حیات نبوی خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے رہے' آپ کی وفات کی خبر سن کر وہاں سے واپس ہوئے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ بھیجنا چاہا اور فرمایا کہ تم لوگ آنحضرت ﷺ کے مقرر کردہ عامل ہو' تم سے زیادہ کون اس عہدہ کا مستحق ہو سکتا ہے' لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور کہا ہم ابی احیحہ کی اولاد ہیں' آنحضرت ﷺ کے بعد کسی کے عامل نہ بنیں گے۔[4]

---

[1] استیعاب ج ۱ ص ۱۵۴ [2] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۷۲

[3] زرقانی ج ۴ ص ۹ [4] استیعاب ج ۱ ص ۱۵۵

Marfat.com

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت میں تاخیر:

خالد رضی اللہ عنہ کو ابتدا ہی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت سے اختلاف تھا' چنانچ دومہینہ تک بیعت نہ کی اور حضرت علی اور عثمان رضی اللہ عنہما سے جا کر کہا کہ آپ لوگوں نے غیروں کی خلافت کس طرح ٹھنڈے دل سے قبول کر لی' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تو کوئی باز پرس نہیں کی' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت برہم ہوئے[1] مگر پھر خالد رضی اللہ عنہ نے دو مہینے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حسن اخلاق سے متاثر ہو کر بیعت کر لی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتنہ ارتداد کی روک تھام میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا' مشہور مرتد عمرو بن معدی کرب زبیدی کو جو اسود عنسی کے حلقہ میں تھا' زخمی کیا اور اس کی تلوار اور گھوڑا چھین لیا' مگر وہ بچ کر بھاگ گیا[2] فتنہ ارتداد فرو ہونے کے بعد شام کی فوج کشی کے سلسلہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو فوج کے ایک حصہ کا سپہ سالار بنایا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اختلاف کیا کہ جس شخص نے بیعت میں لیت ولعل کی ہو وہ ہرگز اعتماد کے لائق نہیں' پھر وہ کوئی ایسے نبرد آزما بھی نہیں کہ فوجی ذمہ داری ان کے سپرد کی جائے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلے متردد ہوئے لیکن آخر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصرار سے مجبور ہو گئے' تاہم معزول نہیں کیا' لیکن سپہ سالاری کے عہدہ سے تنزل کر کے تیماء کی امدادی فوج کے دستہ کا امیر بنا دیا' اور ان کی جگہ پر یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کا تقرر کیا اور خالد رضی اللہ عنہ کو یہ ہدایتیں دے کر تیماء روانہ کیا کہ ''راستہ میں ان مسلمانوں کو جو پہلے ارتداد کی شورش میں نہ شریک ہوئے ہوں ساتھ لے لینا' اور بغیر میرا حکم ملے ہوئے خود حملہ کی ابتدا نہ کرنا'' رومیوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے بہت سے عربی قبائل کو لے کر مختلف اطراف میں چھاپے مارنا شروع کر دیئے' خالد رضی اللہ عنہ کے بڑھتے بڑھتے رومی منتشر ہو گئے اور عربی قبائل جو ان کے ساتھ ہو گئے تھے' پھر اسلام لے آئے' خالد رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اطلاع بھیجی۔ آپ نے حکم دیا کہ ابھی پیش قدمی جاری رکھو' مگر اس طرح کہ دشمن عقب سے حملہ نہ کر سکیں۔ اس حکم کے مطابق یہ آگے بڑھے' باہان رومی مقابلہ کو نکلا لیکن شکست کھائی' انہوں نے اس کی اطلاع دربارِ خلافت میں بھیجی' نیز مزید امدادی فوج طلب کی۔[3]

---

[1] طبری ص ۲۰۷۹ [2] ابن اثیر ج ۲ ص ۲۸۸ [3] طبری جلد ۴ ص ۲۰۷۹ تا ۲۰۸۱، وابن اثیر جلد ۲ ص ۲۰۸

Marfat.com

اسی دوران میں عام لشکر کشی ہوئی' عکرمہ رضی اللہ عنہ ذوالکلاع اور ولید رضی اللہ عنہ خالد رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے بھیجے گئے' ان کے پہنچتے ہی خالد رضی اللہ عنہ رومیوں کے مقابلہ میں نکلے' باہان بطریق رومی اپنی فوج کو دمشق کی طرف ہٹا لے گیا' لیکن یہ برابر بڑھتے ہوئے چلے گئے اور دمشق و واقوصہ کے درمیان خیمہ زن ہوئے' باہان کا مسلح دستہ تاک میں لگا ہوا تھا' اس نے ہر چہار طرف سے ناکہ بندی کر دی اور خود حملہ کرنے کے لیے بڑھا' راستہ میں خالد رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ سعید ملے ان کو گھیر کر شہید کر دیا' خالد رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو وہ ایسے سراسیمہ ہوئے کہ پیش قدمی روک کر پیچھے ہٹ آئے' اور عکرمہ رضی اللہ عنہ نے ہوشیاری کے ساتھ باہان کو ان کے تعاقب سے روک دیا اور خالد رضی اللہ عنہ ذوالمروہ میں آ کر مقیم ہو گئے' پھر کچھ دنوں کے بعد مدینہ گئے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی کمزوری پر مناسب تنبیہ کی اور فرمایا واقعی عمر (رضی اللہ عنہ) اور علی (رضی اللہ عنہ) ان کا زیادہ تجربہ رکھتے تھے' کاش میں نے ان کے مشورہ پر عمل کیا ہوتا[1] اس کے بعد برابر لڑائیوں میں شریک ہوتے رہے اور گذشتہ کمزوری کی تلافی میں بڑے جوش سے لڑتے تھے' چنانچہ فحل' دمشق وغیرہ میں بڑی جانبازی دکھائی۔

شہادت:

فحل کی مہم کے بعد اسلامی فوج نے مرج صفر کا رخ کیا' اسی درمیان میں خالد رضی اللہ عنہ نے ام حکیم سے عقد کر لیا اور مرج صفر پہنچ کر بیوی سے ملنے کا قصد کیا' بیوی نے کہا اس معرکہ کے بعد اطمینان سے ملنا زیادہ بہتر ہے' انہوں نے جواب دیا میرا دل کہتا ہے کہ اس لڑائی میں جام شہادت پیوں گا' غرض مرج صفر ہی میں بیوی سے ملاقات کی اور صبح کو احباب کی دعوت کی' ابھی لوگ کھانے سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ رومی میدان میں آ گئے' ایک رومی نے مبارز طلبی کی' خالد رضی اللہ عنہ مقابلہ کے لیے نکلے اور نکلتے ہی شہید ہو گئے ان کی عروس کا یہ سبق آموز واقعہ قابل ذکر ہے کہ جزع فزع اور سوگ نشینی کے بجائے شوہر کے خون کے انتقام کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی اور مردوں کے دوش بدوش لڑ کر سات رومیوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا[2]

[1] طبری ص ۲۰۸۴ تا ۲۰۸۶ [2] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۵ تفصیل ابن سعد سے ماخوذ ہے۔

Marfat.com

اولاد:

خالد کے امیمہ یا امینہ بنت خلف کے بطن سے دو اولادیں ہوئیں' سعید اور امہ
ام خالد' سعید خالد رضی اللہ عنہ کی زندگی میں شہید ہو گئے تھے' امہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے
بیاہی تھیں۔

خاتم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

خالد رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی کا نقش بھی محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تھا' یہ انگوٹھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے ان سے لے لی تھی' جو ہمیشہ آپ کے ہاتھ میں رہی۔[1]

فضل وکمال:

عرب کے عام دستور کے خلافت ان کو لکھنے پڑھنے میں مہارت حاصل تھی چنانچہ
یمن والوں کو جو امان نامہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا' اس کی کتابت ان ہی نے کی تھی۔[2]

[1] استیعاب جلد ۱ ص ۱۵۵ [2] ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۵

Marfat.com

حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

شرحبیل نام، ابوعبداللہ کنیت، والد کا نام عبداللہ تھا، لیکن یہ شرحبیل کے بچپن میں فوت ہو گئے تھے، اور ان کی ماں حسنہ نے سفیان انصاری سے شادی کر لی تھی، اس لیے شرحبیل باپ کے بجائے ماں کی نسبت سے شرحبیل بن حسنہ مشہور ہوئے[1] نسب نامہ یہ ہے، شرحبیل بن عبداللہ بن مطاع بن عبداللہ بن غطریف بن عبدالعزیٰ بن جثامہ ابن مالک بن ملازم بن مالک بن رہم بن سعد بن یشکر بن مبشر بن غوث بن مرفیلہ، ان کے انتساب میں اختلاف ہے، بعض کندی بتاتے ہیں اور بعض تمیمی۔

اسلام وہجرت:

شرحبیل رضی اللہ عنہ دعوت اسلام کے آغاز میں اسلام کے شرف سے ہوئے اور پہلے حبشہ کی ہجرت کی، وہاں سے مدینہ آئے اور ماں کے تعلق سے بنی زریق میں قیام پذیر ہوئے[2] ہجرت سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے، کیونکہ بڑا زمانہ حبشہ کے قیام میں صرف ہو چکا تھا، ان کے کارناموں کا آغاز عہد صدیقی سے ہوتا ہے، شام کی فوج کشی میں صوبہ اردن پر مامور تھے۔

بصریٰ کا معرکہ:

چنانچہ اس سلسلہ کے سب سے پہلے معرکہ بصریٰ میں افسر تھے، آغاز جنگ کے قبل ان میں اور بصریٰ کے حاکم رومانس میں گفت وشنید بھی ہوئی، لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا، اور یہ فوج مرتب کر کے آگے بڑھ رہے تھے، کہ خالد رضی اللہ عنہ پہنچ گئے، ان کے آنے کے بعد یہ سپہ سالار اعظم ہوئے، اور ان ہی کی سپہ سالاری میں اہل بصریٰ نے جزیہ قبول کیا۔[3]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۵۔ [2] ابن سعد تذکرہ شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ [3] فتوح البلدان ص ۱۱۹

Marfat.com

اجنادین:

بصریٰ کے بعد رومی اجنادین میں جمع ہوئے' خالد رضی اللہ عنہ مقابلہ کو بڑھے' شرحبیل رضی اللہ عنہ بھی کچھ دور جا کر ان سے مل گئے اور دونوں مل کر رومیوں سے معرکہ آرا ہوئے' اور ایک خونریز جنگ کے بعد مسلمان کامیاب ہوئے۔

دمشق:

دمشق کی پیدل فوج کے کمان دار تھے[1] اور اس کے محاصرہ میں یہ باب فرادیش پر متعین تھے[2] اور فتح تک اپنے فرائض ادا کرتے رہے۔

فحل:

دمشق کے بعد جب مسلمان فحل ہوتے ہوئے بیسان کی طرف بڑھنے والے تھے' لیکن درمیان میں پانی کی وجہ سے فحل میں رک گئے تھے' اس وقت بھی شرحبیل رضی اللہ عنہ ساتھ تھے' اوران کی احتیاط کی بنا پر مسلمان ایک خطرناک صورت حال سے بچ گئے' رومیوں نے دریا کا بند توڑ دیا' تھا' اس لیے فحل اور بیسان کے درمیان پانی پانی ہو گیا تھا' مسلمان فحل سے آگے نہ بڑھ سکے اور وہیں مقیم ہو گئے' شرحبیل رضی اللہ عنہ اس نازک موقع پر رات بھر جاگتے رہے' کہ مبادا رومی عقب سے حملہ آور نہ ہوئیں' ان کی یہ پیش بینی اور احتیاط بہت کام آئی۔ رومی واقعی ایک دن اچانک پشت سے آ گئے' لیکن شرحبیل رضی اللہ عنہ ہوشیار تھے' اس لیے رومیوں کو شکست ہوئی۔[3]

بیسان:

فحل کے بعد شرحبیل اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیسان کی طرف بڑھے' بیسان والے فحل کا انجام دیکھ چکے تھے' اس لیے پہلے سے قلعہ بند تھے' شرحبیل رضی اللہ عنہ نے پہنچتے ہی محاصرہ کر لیا' عرصہ تک محاصرہ قائم رہا' ایک دن دو چار آدمی نکلے وہ مارے گئے اور آخر میں مجبور ہو کر دمشق کی شرائط پر صلح کر لی' طبریہ والوں نے بیسان کا حال دیکھ کر ابوالاعور سے خواہش ظاہر کی کہ اس کو شرحبیل رضی اللہ عنہ سے ملنے کی اجازت دی جائے' انہوں نے اجازت دے

---

[1] طبری ص ۲۱۵۱ [2] فتوح البلدان ص ۱۲۷ [3] اس واقعہ میں روایات مختلف ہیں۔

Marfat.com

دی چنانچہ اس نے ان سے مل کر بیسان کی شرائط پر صلح کر لی۔[1]

صوبہ اردن اور اس کی آبادیاں:

اس کے بعد شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ نے صوبہ اردن کے تمام شہر نہایت آسانی سے فتح کر لیے اور ان کو لینے میں کوئی زیادہ خونریزی نہیں ہوئی' تقریباً تمام مفتوحہ علاقہ میں دمشق کی شرائط پر صلح ہوئی' اردن کے شہروں میں سوسیبہ' افیق' جرش' بیت راس' قدس' جولان وغیرہ قابل ذکر ہیں۔[2]

یرموک:

یرموک کی مہم میں جب مسلمان شام کے مختلف حصوں سے سمٹ کر یرموک میں جمع ہوئے تو شرحبیل رضی اللہ عنہ بھی آئے اور یہ اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ایک جگہ ٹھہرے' خالد رضی اللہ عنہ سپہ سالار تھے' انہوں نے جدید طریقہ پر فوج کو چھتیس حصوں پر تقسیم کر کے ہر حصہ پر الگ الگ افسر مقرر کیے' چنانچہ میمنہ اور میسرہ کے حصہ پر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور شرحبیل رضی اللہ عنہ متعین تھے۔[3] میدان جنگ رومیوں کے ابتدائی حملہ میں جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑے گئے اور بہت سے مسلمان میدان جنگ سے باہر نکل آئے' اس وقت بھی شرحبیل رضی اللہ عنہ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی اور نہایت جانفروشی سے لڑے اور اخیر تک دادِ شجاعت دیتے رہے۔

وفات:

۱۸ھ میں ابھی اسلامی فوجیں شام میں برسر پیکار تھیں کہ عراق' شام اور مصر میں طاعون کی وبا پھیلی' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ فوجیں وبائی مقامات سے ہٹا کر محفوظ علاقوں میں بھیج دی جائیں' لیکن شرحبیل رضی اللہ عنہ بڑے متوکل شخص تھے۔ انہوں نے کہا کہ عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) نادان ہیں' میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ طاعون خدا کی رحمت اور انبیاءؑ کی دعا ہے' اس سے قبل صالحین نے اسی میں وفات پائی ہے اس لیے ہرگز نہ ہٹنا چاہیے۔[4]

---

[1] طبری ص ۲۱۵۸ [2] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۳

[3] طبری ج ۴ ص ۲۰۱۹ [4] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۹۶

Marfat.com

چنانچہ یہ کسی طرح نہ ہٹے اور اسی نامراد وبا میں ۶۷ سال کی عمر میں وفات پائی اور گذشتہ صلحائے امت سے جا ملے۔[1]

فضل وکمال:

گوان کی ساری زندگی جہاد کے میدان میں گزری' تاہم احادیث نبوی سے تہی دامن نہ تھے' جعفر بن ربیعہ اور عبدالرحمٰن الاشعری نے ان سے روایت کی ہے۔[2]

[1] استیعاب جلد۲ ص ۶۰۵ [2] تہذیب الکمال ص ۱۶۵

Marfat.com

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

خباب نام، ابو عبداللہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، خباب بن ارت بن جندلہ ابن سعد بن حزیمہ بن کعب بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم، زمانہ جاہلیت میں غلام بنا کر مکہ میں فروخت کیے گئے۔[1]

اسلام:

حضرت خباب رضی اللہ عنہ ان خوش نصیب بزرگوں میں ہیں جو دعوتِ اسلام کے بالکل ابتدائی زمانہ میں یعنی زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پناہ گزین ہونے کے قبل مشرف باسلام ہوئے۔[2] اسلام لانے والوں میں ان کا چھٹا نمبر تھا، اس لیے ''سادس الاسلام'' کہلاتے تھے۔

ابتلاو آزمائش:

ان کے اسلام قبول کرنے کے زمانہ میں اسلام کا اظہار تعزیرات مکہ میں ایسا شدید جرم تھا، جس کی سزا میں مال و دولت، ننگ و ناموس ہر چیز سے ہاتھ دھونا پڑتا تھا، لیکن حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے اس کی مطلق پرواہ نہ کی اور بانگ دہل اپنے اسلام کا اظہار کیا۔[3] یہ غلام تھے، ان کا کوئی بھی حامی و مددگار نہ تھا، اس لیے کفار نے ان کو مشق ستم بنا لیا، اور ان کو بڑی دردناک سزائیں دیتے تھے، ننگی پیٹھ دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا کر سینہ پر ایک بھاری پتھر رکھ کر ایک آدمی اوپر سے مسلتا اور وہ اس وقت تک ان انگاروں پر کباب ہوتے رہتے، جب تک خود زخموں کی رطوبت آگ کو نہ بجھاتی[4] لیکن اس سختی کے باوجود

---

1. اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۰۶
2. ابن سعد جلد ۳ قسم ا ص ۱۱۶
3. اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۱۶
4. ابن سعد جلد ۳ قسم ا ص ۱۱۷

Marfat.com

زبان کلمہ حق سے نہ پھرتی' رحمۃ العالمین ﷺ اس کسمپرسی کی حالت میں تالیف قلب فرماتے تھے' لیکن ان کا آقا اتنا سنگ دل تھا کہ وہ ان کے لیے اتنا سہارا بھی نہ برداشت کر سکا' اور اس کی سزا میں لوہا آگ میں تپا کر ان کا سر داغا[1] انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ میرے لیے بارگاہِ ایزدی میں دعا فرمایئے کہ وہ مجھ کو اس عذاب سے نجات دے' آپ نے دعا فرمایا کہ ''خدایا! خباب کی مدد کر''۔

جب اس جسمانی سزا سے بھی آتش انتقام سرد نہ پڑی تو مالی نقصان پہنچانے کی کوشش کی' عاص بن وائل کے ذمہ ان کا قرض تھا' وہ جب تقاضا کرتے تو جواب دیتا کہ جب تک محمد (ﷺ) کا ساتھ نہ چھوڑو گے' اس وقت تک نہیں مل سکتا' یہ جواب دیتے کہ جب تک تم مر کر دوبارہ زندہ نہ ہو گے' میں محمد (ﷺ) سے الگ نہیں ہو سکتا۔ وہ کہتا اچھا میں مر کر زندہ ہوں گا' اور مجھ کو مال اور اولاد ملے گی' اس وقت تمہارا قرض دوں گا' (اس سے مسلمانوں کے اس عقیدے پر تعریض تھی کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی ملے گی) اس واقعہ پر کلام اللہ کی یہ آیت نازل ہوئی۔[2]

﴿ اَفَرَأَیْتَ الَّذِیْ کَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا اَطَّلَعَ الْغَیْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَ نَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَ يَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴾ (مریم ۷۷ ، ۷۹)

''اے محمد (ﷺ)! کیا تم نے اس شخص کے حال پر نظر کی جس نے ہماری آیات سے کفر کیا اور کہا (قیامت میں بھی) مجھ کو مال اور اولاد ملے گی' کیا اس کو غیب کی خبر ہو گئی' یا اس خدائے رحمٰن سے عہد لیا ہے' ہرگز نہیں یہ جو کچھ کہتا ہے ہم اس کو لکھ لیتے ہیں اور اس کے عذاب میں ڈھیل دیتے چلے جائیں گے اور جو کچھ وہ کہتا ہے اس کے ہم وارث ہوں اور یہ تنہا ہمارے سامنے لایا جائے گا''۔

ہجرت و مواخات:

خباب رضی اللہ عنہ مدتوں نہایت صبر و استقلال کے ساتھ یہ تمام مصیبتیں جھیلتے رہے' پھر

[1] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۰۶ [2] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ و نرثہ ما یقول

Marfat.com

جب ہجرت کی اجازت ملی تو ہجرت کر کے مدینہ آ گئے' ہجرت بھی تکلیف و مصائب کے خوف سے نہ کی تھی' بلکہ خالصتاً لوجہ اللہ ہجرت کی تھی۔[1] مدینہ آنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان میں اور خراش بن صمہ غلام تمیم کے درمیان مواخات کرادی۔[2]

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد شروع سے آخر تک تمام غزوات میں شریک رہے۔[3]

خلافت فاروقی:

حضرت عمر ؓ ان کے فضائل کی وجہ سے ان کا بہت احترام کرتے تھے ایک دن یہ ان سے ملنے گئے تو حضرت عمر ؓ نے ان کو اپنے گدھے پر بٹھایا اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ان کے علاوہ صرف ایک شخص اور ہے جو اس پر بیٹھنے کا مستحق ہے' خباب ؓ نے پوچھا امیر المومنین! وہ کون ہے؟ فرمایا بلال (ؓ)' آپ نے عرض کیا' وہ میرے برابر کیوں کر مستحق ہو سکتے ہیں' مشرکین میں ان کے بہت سے مددگار تھے' لیکن میرا پوچھنے والا سوائے خدا کے کوئی نہ تھا اس کے بعد اپنا استحقاق بتاتے ہوئے اپنا مصائب کی داستان سنائی۔[4]

علالت و وفات:

۳۷ھ میں کوفہ میں بیمار پڑے' علاج سے افاقہ ہونے کے بجائے مرض اور بڑھ گیا' اس کی طوالت اور تکلیف سے گھبرا کر کہنے لگے کہ اگر خدا نے رسول اللہ ﷺ سے موت کی دعا کرنے کی ممانعت نہ کی ہوتی تو میں دعا کرتا۔ جب حالت زیادہ نازک ہوئی اور کفن لایا گیا تو اسے دیکھ کر آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے' فرمانے لگے' آہ! حمزہ (ؓ) کو پورا کفن بھی میسر نہ تھا' ایک معمولی چھوٹی سی چادر میں کفنائے گئے کہ اگر پیر ڈھانکا جاتا تو سر کھل جاتا اور سر ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتا تھا' آخر میں سر ڈھانک کر اذخر (ایک قسم کی گھاس) سے پاؤں چھپائے گئے۔

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۵ ص ۱۰۹ [2] اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۰۷
[3] ابن سعد جز ۳ ق ا ص ۱۷ [4] مستدرک حاکم ج ۳ تذکرہ خباب بن ارت ؓ

Marfat.com

کچھ لوگ عیادت کرنے کو آئے اور کہا ابو عبداللہ تم کو خوش ہونا چاہیے کل تک اپنے ساتھیوں سے مل جاؤ گے' یہ سن کر رقت طاری ہوگئی' فرمایا کہ میں موت سے نہیں گھبراتا۔ تم لوگوں نے ایسے لوگوں کو یاد دلایا جو اس دنیا سے اجر کے مستحق اٹھے' مجھ کو خوف ہے کہ کہیں ثواب آخرت کے بدلہ میں مجھ کو یہ دنیا نہ ملی ہو۔[1]

وصیت اور وفات:

کوفہ والے عموماً اپنے مردوں کو شہر کے اندر دفن کرتے تھے لیکن انہوں نے وصیت کر دی تھی کہ مجھ کو بیرون شہر دفن کرنا' اس وصیت کے مطابق ان کو شہر کے باہر دفن کیا گیا' آپ پہلے صحابی ہیں جن کی قبر سے کوفہ کے باہر ویرانہ کی آبادی ہوئی وفات کے وقت بہتر سال کی عمر تھی' حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ صفین سے واپس ہو رہے تھے کہ خباب رضی اللہ عنہ کی وفات کی اطلاع ملی' چنانچہ آپ ہی نے نماز جنازہ پڑھائی[2] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۳۷ھ میں وفات پائی' ایک روایت یہ بھی ہے کہ ۱۹ھ میں مدینہ میں پیوند خاک ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

ذریعہ معاش:

زمانہ جاہلیت میں اور اس کے بعد عرصہ تک تلواریں بنا کر کسب معاش کرتے رہے' اسلام کا ابتلائی زمانہ بہت عسرت میں بسر ہوا' لیکن کچھ دنوں کے بعد خدا نے فارغ البال کیا اور اتنی دولت ملی کہ پھر کسی پیشہ وغیرہ کی احتیاج باقی نہیں رہی' وفات کے وقت چالیس ہزار درہم پس انداز تھے۔[3]

فضل وکمال:

خباب رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واعمال کی بڑی جستجو رہتی تھی اور وہ کبھی

---

[1] ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۱۱۸ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تکفین کا واقعہ بخاری کتاب المغازی اور مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۰۹ میں ہے۔ [2] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۸۲

[3] ابن سعد ج ۳ ق ۱ تذکرہ خباب رضی اللہ عنہ

Marfat.com

کبھی آنحضرت ﷺ کی لاعلمی میں رات رات بھر آپ کے طریقہ عبادت کو دیکھتے اور صبح کو اس کے متعلق استفسار کرتے' ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ساری رات نماز پڑھی' یہ پوری رات دیکھتے رہے اور صبح کو آ کر پوچھا' فدیت بابی وامی' یارسول اللہ ﷺ! رات کو آپ نے ایسی نماز پڑھی کہ اس کے قبل کبھی نہ پڑھی تھی' فرمایا وہ بیم ورجا کی نماز تھی' میں نے بارگاہِ ایزدی میں تین چیزوں کی دعا کی تھی' دو مقبول ہوئیں اور ایک نامقبول۔ ایک دعا یہ تھی کہ خدا مسلمانوں کو اس عذاب سے نہ ہلاک کرے جس سے گذشتہ امتیں ہلاک ہوئیں اور میرے دشمنوں کو مجھ پر غالب نہ کرے' یہ دونوں دعائیں قبول ہو گئیں لیکن تیسری دعا قبول نہیں ہوئی۔[1]

ان کی مرویات کی مجموعی تعداد ۳۲ ہے' ان میں سے ۳ متفق علیہ ہیں اور ۲ میں امام بخاری اور ایک میں مسلم منفرد ہیں[2] صحابہ اور تابعین میں جن بزرگوں نے ان سے حدیثیں سنی ہیں' ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

آپ کے صاحبزادہ عبداللہ اور ابوامامہ باہلی' ابومعمر' عبداللہ بن شخیر' قیس ابن ابی حازم' مسروق بن اجدع اور علقمہ بن قیس وغیرہ۔[3]

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۰۸

[2] تہذیب الکمال تذکرہ خباب بن ارت رضی اللہ عنہ

[3] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۳۳

Marfat.com

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

سنان نام، ابوایاس کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، سنان بن عبداللہ بن عبداللہ بن قشیر بن حزیمہ بن مالک بن سلامان بن اسلم اقصی۔[1]

اسلام وہجرت:

ارباب سیران کے زمانہ اسلام کے بارہ میں خاموش ہیں، مگر اس قدر مسلم ہے کہ ۶ھ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے، اسلام کے بعد ہجرت کا شرف حاصل کیا۔ اکثر مہاجرین نے مع بال بچوں کے ہجرت کی تھی، لیکن سلمہ رضی اللہ عنہ نے راہ خدا میں بال بچوں کو بھی چھوڑ کر مدینہ کی غربت اختیار کی۔

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد قریب قریب تمام غزوات میں شریک رہے، سب سے پہلے غزوہ حدیبیہ میں شریک ہوئے اور خلعت امتیاز حاصل کیا، صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں بیعت رضوان کو تاریخ اسلام میں خاص اہمیت حاصل ہے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر مسلمانوں سے موت پر بیعت لینا شروع کی تو سلمہ رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ بیعت کی، پہلی مرتبہ سب سے اول جماعت کے ساتھ بیعت کر چکے تھے، دوبارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑی تو فرمایا سلمہ! بیعت کرو، عرض کی یا رسول اللہ! جاں نثار پہلے ہی بیعت کر چکا ہے، فرمایا کیا ہرج ہے دوبارہ سہی، اس وقت سلمہ رضی اللہ عنہ نہتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال عنایت فرمائی، تیسری مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑی تو فرمایا کہ سلمہ! بیعت نہ کرو گے؟ عرض کی یا رسول اللہ! دومرتبہ بیعت کر چکا ہوں، فرمایا تیسری مرتبہ سہی،

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۶۲

Marfat.com

چنانچہ انہوں نے سہ بارہ بیعت کی' آنحضرت ﷺ نے پوچھا سلمہ! ڈھال کیا کی؟ عرض کی کہ میرے چچا بالکل خالی ہاتھ تھے' ان کو دے دی' آپ نے ہنس کر فرمایا تمہاری مثال اس شخص کی سی ہے کہ اس نے دعا کی کہ خدایا! مجھ کو ایسا دوست دے جو مجھ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز ہو' ابھی بیعت کا سلسلہ جاری تھا کہ اہل مکہ اور مسلمانوں کے درمیان صلح ہوگئی اور لوگ مطمئن ہو کر ایک دوسرے سے ملنے جلنے لگے' سلمہ رضی اللہ عنہ بھی ایک درخت کے نیچے لیٹ رہے اتنے میں چار مشرکین آئے اور ان کے قریب بیٹھ کر آنحضرت ﷺ کے بارے میں ایسی باتیں کرنے لگے جو ان کو ناگوار ہوئیں' یہ اٹھ کر دوسرے درخت کے نیچے چلے گئے' ان کے جانے کے بعد چاروں ہتھیار اتار کر اطمینان سے یہ لیٹ گئے' ابھی لیٹے ہی تھے کہ کسی نے نعرہ لگایا مہاجرین دوڑنا ابن زنیم قتل کر دیے گئے' آواز سن کر سلمہ رضی اللہ عنہ نے ہتھیار سنبھال لیے اور مشرکیوں کی طرف لپکے' یہ سب سو رہے تھے' سلمہ رضی اللہ عنہ نے ان کے اسلحہ پر قبضہ کر کے ان سے کہا خیر اسی میں ہے کہ سیدھے میرے ساتھ چلو' خدا کی قسم! جس نے سر اٹھایا' اس کی آنکھیں پھوڑ دوں گا' چنانچہ ان سب کو کشاں کشاں لا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا' ان کے چچا عامر بھی ستر اکہتر مشرک گرفتار کر کے لائے تھے لیکن رحمت عالم نے سب کو چھوڑ دیا' اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْ ﴾ (فتح : ۳)

''اور وہ خدا ہی تھا' جس نے عین مکہ میں تم کو کافروں پر فتحیاب کرنے کے بعد ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک دیا''۔

مسلمانوں کا قافلہ مدینہ سے واپسی میں ایک پہاڑ کے قریب خیمہ زن ہوا' مشرکین کی نیت کچھ بد تھی' آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ہوگئی اور پڑاؤ کی نگرانی کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ آپ نے اس شخص کے لیے دعائے مغفرت کی جو پہاڑ پر چڑھ کر نگرانی کرے' سلمہؓ نے یہ سعادت حاصل کی اور رات بھر میں کئی مرتبہ پہاڑی پر چڑھ کر آہٹ لیتے رہے۔[1]

---

[1] مسلم ج ۲ ص ۹۸، ۹۹ مطبوعہ مصر

Marfat.com

غزوۂ ذی قردہ:

آنحضرت ﷺ کے کچھ اونٹ ذی قردہ کی چراگاہ میں چرتے تھے' ان کو بنو غطفان ہنکا لے گئے' سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ طلوع فجر کے قبل گھر سے نکلے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے غلام نے ان سے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے اونٹ لٹ گئے۔ پوچھا کس نے لوٹا؟ کہا بنوغطفان نے۔ یہ سن کر آپ نے ایک زور کا نعرہ لگایا کہ مدینہ کے اس سرے سے اس سرے تک آواز گونج گئی اور تن تنہا ڈاکوؤں کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے۔ وہ پانی کی تلاش کر رہے تھے کہ سلمہ رضی اللہ عنہ پہنچ گئے' یہ بڑے قادر انداز تھے' تاک تاک کر تیر برسانا شروع کر دیئے' تیر برساتے جاتے تھے اور یہ رجز پڑھتے جاتے تھے'

انا ابن الاکوع　　　　اليوم يوم الرضع

میں اکوع کا بیٹا ہوں　　　　آج کا دن سخت جنگ کا دن ہے

اور اس قدر تیر باری کی کہ ڈاکوؤں کو اونٹ چھوڑ کر بھاگ جانا پڑا' اور بدحواسی میں اپنی چادریں بھی چھوڑ گئے' اس درمیان میں آنحضرت ﷺ بھی لوگوں کو لے کر پہنچ گئے' سلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا' یارسول اللہ ﷺ! میں نے ان لوگوں کو پانی نہیں پینے دیا' اگر ابھی ان کا تعاقب کیا جائے تو مل جائیں' لیکن رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ قابو پانے کے بعد درگزر کرو۔[1]

خیبر:

اس کے بعد خیبر کی مہم میں دادِ شجاعت دی' فتح خیبر کے بعد اس شان سے لوٹے کہ آنحضرت ﷺ کے دست مبارک میں ہاتھ دیئے ہوئے تھے۔[2]

غزوہ ثقیف وہوازن:

خیبر کے بعد غزوہ ثقیف وہوازن میں شریک ہوئے۔ اس غزوہ کے دوران میں ایک شخص مسلمانوں کے لشکر گاہ میں اونٹ پر سوار ہو کر آیا اور اس کو باندھ کر مسلمانوں کے ساتھ ناشتہ میں شریک ہو گیا' اس کے بعد چاروں طرف نظر ڈال کر مسلمانوں کی طاقت کا

---

1. بخاری جلد ۲ کتاب المغازی باب غزوہ ذی قردہ اور مسلم جلد ۲ حوالہ مذکور
2. ایضاً باب غزوہ خیبر

Marfat.com

جائزہ لیا اور سوار ہو کر تیزی سے نکل گیا' اس طرح اچانک آنے اور فوراً چلے جانے سے مسلمانوں کو جاسوسی کا شبہ ہوا' ایک شخص نے اس کا تعاقب کیا' سلمہؓ نے بھی پیچھا کیا' اور آگے بڑھ کر اس کو پکڑ لیا' اور تلوار کا ایسا کاری وار کیا کہ ایک ہی وار میں وہ ڈھیر ہو گیا اور اس کی سواری پر قبضہ کر کے واپس ہوئے' آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو پوچھا' اس شخص کو کس نے قتل کیا' لوگوں نے عرض کیا سلمہؓ نے' فرمایا تو مقتول کا سب سامان ان کا ہے۔[1]

سریۂ بنی کلاب:

۷ھ میں آنحضرت ﷺ نے ایک دستہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امارت میں بنو فزارہ کی طرف بھیجا' اس میں سلمہ رضی اللہ عنہ بھی تھے' انہوں نے تن تنہا سات خانوادوں کو تہ تیغ کیا' جو لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تھے' ان کی عورتوں کو گرفتار کر لیا' ان میں ایک لڑکی نہایت حسین تھی' اسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سلمہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا' وہ جب اسے لے کر مدینہ آئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا' سلمہ! یہ لڑکی میرے حوالہ کر دو' عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں نے ابھی تک اس کو ہاتھ نہیں لگایا ہے اور لڑکی لا کر حاضر کر دی' آنحضرت ﷺ نے اس کو مکہ بھیج کر اس کے بدلہ میں ان چند مسلمانوں کو آزاد کرایا جو کفار کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے تھے۔[2]

غزوات کی مجموعی تعداد:

اسلام کے بعد بیشتر غزوات میں شرکت کا شرف حاصل کیا' بعض روایتوں میں ہے کہ ۱۴ غزوات میں انہوں نے شرکت کی' ان میں سے سات میں آنحضرت ﷺ کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا اور سات وہ تھے جو آنحضرت ﷺ نے مختلف اطراف میں بھیجے[3] اور مستدرک کی روایت کے مطابق ان غزوات کی تعداد سولہ تک پہنچ جاتی ہے۔[4]

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۵۱۔ [2] ابن سعد حصہ مغازی سریہ ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ سات خانوادوں کے قتل کا ذکر مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۶ میں بھی ہے۔

[3] استیعاب جلد ۲ ص ۵۸۴ [4] اصابہ جلد ۳ ص ۱۱۸

Marfat.com

وفات:

آنحضرت ﷺ کی وفات کے عہد سے برابر مدینہ میں رہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ چھوڑ کر ربذہ میں سکونت اختیار کر لی، وہاں شادی کی اور اولادیں ہوئیں۔ بروایت بخاری ۷۴ھ میں پھر مدینہ واپس ہوئے، واپسی کے دو ہی چار دن کے بعد وفات پائی اور گھوم پھر کر بالآخر دیار حبیب کی خاک کا پیوند ہوئے[1]

فضل وکمال:

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ شرف صحبت سے بھی فیضیاب تھے، اور غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب رہنے کا زیادہ موقع ملتا تھا اور حاشیہ نشینان بارگاہِ نبوت سے بھی استفادہ کرتے تھے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ حضرت عمر، عثمان اور طلحہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایتیں کی ہیں، اس لیے ان کی مرویات کی تعداد ۷۷ تک پہنچ جاتی ہے جن میں سے ۱۶ متفق علیہ ہیں، اور ۵ میں بخاری اور ۹ میں امام مسلم منفرد ہیں[2] ان کے رواۃ میں ایاس بن سلمہ، یزید بن عبید، عبدالرحمن بن عبداللہ اور محمد بن حنفیہ قابل ذکر ہیں[3]

انفاق فی سبیل اللہ:

خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں بہت فیاض تھے، جو شخص خدا کا واسطہ دے کر سوال کرتا اس کو کبھی ناکام نہ واپس کرتے اور فرماتے کہ جو شخص راہ خدا میں نہیں دے گا، پھر کس میں دے گا، لیکن خدا کا واسطہ دے کر مانگنے کو برا سمجھتے تھے کہ اس میں الحاف ہے۔[4]

صدقات سے اجتناب:

مگر اپنی ذات کے لیے صدقہ کا مال حرام سمجھتے تھے، اگر کسی چیز میں صدقہ کا شائبہ بھی ہوتا تو اس کا استعمال نہ کرتے، چنانچہ اپنی صدقہ کی کوئی چیز دوبارہ بقیمت خریدنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔[5]

---

[1] اصابہ جلد ۳ ص ۱۱۸ [2] تہذیب الکمال ص ۱۴۸ [3] تہذیب التہذیب تذکرہ سلمہ بن اکوعؓ
[4] ابن سعد جز ۴ قسم ۱ ص ۴۰ [5] ایضاً

Marfat.com

شدت احتیاط:

تمام اوامر و نواہی میں احتیاط کا یہی حال تھا[1] چنانچہ بعض ایسے کھیل جن میں جوئے کی مشابہت کا شائبہ نکلتا تھا اپنے بچوں کو نہ کھیلنے دیتے تھے۔[2]

شجاعت:

شجاعت و بہادری خصوصاً پیدل تیز دوڑنے میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں ممتاز تھے صاحب اصابہ لکھتے ہیں کان من الشجعان ویسبق الفرس عدوا[3] یعنی وہ بہادریوں میں سے ایک تھے اور دوڑ میں گھوڑوں سے مقابلہ کرتے تھے اور ان سے آگے بڑھ جاتے تھے صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہتر سواروں میں ابوقتادہ (رضی اللہ عنہ) اور بہتر پیادوں میں سلمہ بن اکوع (رضی اللہ عنہ) ہیں، اس تعریف کے بعد آپ کو دو حصے دیئے۔ سوار کا الگ اور پیدل کا الگ۔[4]

---

1. ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۴۰
2. اصابہ جلد ۳ ص ۱۱۸
3. اصابہ جلد ۳ ص ۱۱۸
4. ابن سعد جز ۴ ق ۲ ص ۳۹

Marfat.com

حضرت ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی کنیت اتنی مشہور ہوئی کہ ان کا اصلی نام بالکل چھپ گیا چنانچہ ارباب سیر نے ان کے مختلف نام لکھے ہیں بعض عبداللہ کہتے ہیں اور بعض عمرو بتاتے ہیں، باپ کا نام قیس تھا، لیکن ماں کی نسبت سے ابن ام مکتوم مشہور ہوئے، سلسلہ نسب یہ ہے، عمرو بن قیس بن زائدہ بن اصم بن ہرم بن رواحہ بن حجر بن عدی ابن معیص بن عامر بن لوی القرشی، ماں کا نام عاتکہ تھا، نانہالی شجرہ عاتکہ بنت عبداللہ ابن عنکشہ بن عامر بن مخزوم ہے۔[1]

اسلام:

ابتدائے بعثت میں سرزمین مکہ میں مشرف باسلام ہوئے، ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ گو ظاہری آنکھوں کی روشنی سے محروم تھے، مگر چشم دل واتھی، اس لیے مکہ میں جیسے ہی اسلام کا نور چمکا وہ کفر کی تاریکی سے باہر نکل آئے اور ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاص قرب و اختصاص حاصل ہو گیا، چنانچہ اکثر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ مکہ کے مغرور امراء اور رؤساء بھی مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آیا کرتے تھے، جو ابن ام مکتومؓ کی ظاہری نابینائی اور غربت وافلاس کی وجہ سے ان کو ذلیل سمجھتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ ہماری مجلس میں ایسے لوگ برابر نہ بیٹھا کریں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ لگن تھی کہ کسی طرح قریش کے رؤساء دعوت حق قبول کر لیں، اس لیے آپ ان کی خاطر داری کرتے تھے، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رؤسائے قریش میں تبلیغ فرما رہے تھے کہ اس درمیان میں حضرت ابن ام مکتومؓ آ گئے اور کچھ مذہبی مسائل پوچھنا شروع کر دیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی یہ بے موقع گفتگو اس لیے ناگوار ہوئی کہ اس سے رؤسائے

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۲۷

Marfat.com

یش کی تبلیغ میں رکاوٹ پیدا ہوتی اور ان کے دلوں میں تاثر کے بجائے تکدر پیدا ہوتا' ں لیے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی طرف التفات نہ فرمایا اور بدستور سلسلہ گفتگو جاری رکھا نحضرت ﷺ کا یہ طرز عمل گو تبلیغ حق اور دعوت اسلام کی سچی خواہش پر مبنی تھا' تاہم خدا کے دربار میں ناپسندیدہ ہوا اور اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔[1]

﴿ عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰی وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّهٗ یَزَّکّٰی اَوْ یَذَّکَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّکْرٰی اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی وَمَا عَلَیْکَ اَلَّا یَزَّکّٰی وَاَمَّا مَنْ جَاءَکَ یَسْعٰی وَهُوَ یَخْشٰی فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی ﴾ (عبس : ۱۰، ۱۱)

''محمد ﷺ! جب تمہارے پاس نابینا آیا تو تم ترش رو ہوئے اور منہ موڑ لیا اور تم کیا جانو کہ عجب نہیں وہ تمہاری تعلیم سے پاک ہو جائے یا نصیحت سنے' اور اس کو وہ نصیحت فائدہ بخشے' لیکن جو شخص بے توجہی کرتا ہے اس کی طرف تم خوب توجہ کرتے ہو' حالانکہ وہ اگر درست نہ ہو تو تم پر کوئی الزام نہیں اور جو تمہارے پاس خدا کے ڈر سے دوڑتا ہوا آتا ہے تو تم اس سے بے اعتنائی کرتے ہو''۔

اس آیہ کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ خاص طور پر ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا لحاظ رکھتے تھے اور کاشانہ نبوی ﷺ میں ان کی بڑی خاطر مداری ہوتی تھی' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کو لیموں اور شہد کھلایا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ نزول آیہ کے بعد یہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا روزینہ تھا۔[2]

ہجرت:

اذان ہجرت کے بعد حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بھی ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے اس وقت تک آنحضرت ﷺ نے ہجرت نہیں فرمائی تھی۔[3] آپ کی ہجرت کے بعد موذنی کے جلیل القدر منصب پر مامور ہوئے' رمضان میں ان کی اذان اختتام سحر کا اعلان ہوتی تھی۔ اس کے بعد لوگ کھانا پینا بند کر دیتے تھے۔[4]

---

1. فتح الباری جلد ۸ ص ۵۳۱ 2. مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۶۳۴
3. ابن سعد جز ۴ ق ا ص ۱۵۰ 4. بخاری کتاب الاذان باب اذان قبل الفجر

Marfat.com

غزوات:

ہجرت مدینہ کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا' لیکن ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اپنی مجبوری کے باعث جہاد کی شرکت سے معذور رہا کرتے تھے' جب یہ آیت نازل ہوئی

﴿ لَا يَسْتَوِى الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ (نساء: ۹۵)

''یعنی وہ مسلمان جو گھروں میں بیٹھے رہتے وہ رتبہ میں مجاہدین فی سبیل اللہ کے برابر نہیں ہیں''۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کاتب وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے اس کو لکھا رہے تھے لگے تو ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے اور عرض گزار ہوئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر مجھ کو جہاد کی قدرت ہوتی اور اس کے لائق ہوتا تو میں بھی شرف جہاد حاصل کرتا' ان کی یہ حسرت آرزو بارگاہِ خداوندی میں اتنی پسند ہوئی کہ وحی الٰہی نے ان کو اور ان کے جیسے تمام مجبور اشخاص کو اس حکم کے ذریعہ سے:

﴿ لَا يَسْتَوِى الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُوْلِى الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ﴾ (نساء: ۹۵)

''یعنی ضرر رسیدہ لوگوں کے علاوہ مسلمان جو گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں وہ مرتبہ میں ان مجاہدین فی سبیل اللہ کے برابر نہیں ہیں جو اپنے جان و مال سے جہاد کرتے ہیں''۔

مستثنیٰ کر دیا[1] اور تمام مجبور اشخاص پر سے شرکت جہاد کا فرض ساقط ہو گیا' لیکن اس حکم سے ان کا ولولہ جہاد کم ہونے کے بجائے اور بڑھ گیا' چنانچہ نابینا ہونے کے باوجود کبھی کبھی جنگ میں شریک ہوتے تھے اور لوگوں سے کہتے تھے کہ مجھ کو علم دے کر دونوں صفوں کے درمیان کھڑا کر دو' میں نابینا ہوں اس لیے بھاگنے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔[2] اللہ اللہ یہ جوش فدویت و جاں نثاری کہ ظاہری آنکھیں بے نور ہیں' ایک قدم چلنا مشکل ہے' لیکن جہاد فی سبیل میں کٹنے کے لیے رگ جاں تڑپ رہی ہے' درحقیقت یہی وہ کمال اخلاص تھا' جس

[1] بخاری کتاب التفسیر باب لا یستوی القاعدون [2] اصابہ واستیعاب ترجمہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ

Marfat.com

نے ذات خداوندی کو متوجہ کر لیا تھا' اور یہی ولولہ تھا جس نے اسلام کی قوت کا لوہا ساری دنیا سے منوا لیا تھا۔

گو حضرت ابن ام مکتوم ؓ اپنی معذوری کے باعث اکثر جہاد کے شرف سے محروم رہتے تھے' لیکن اس سے بڑھ کر شرف یہ حاصل ہوتا تھا کہ جب آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس اکابر مہاجرین وانصار کے ساتھ کہیں باہر تشریف لے جاتے تو ابن ام مکتوم ؓ کو جو معذوری کی وجہ سے مدینہ ہی میں رہتے تھے' امامت کی نیابت کا شرف عطا فرماتے تھے' چنانچہ غزوہ ابواء' بواط' ذوالعسیر' جہینہ' سویق' غطفان' حمراء الاسد' نجران' ذات الرقاع وغیرہ میں ان کو جلیل القدر منصب عطا ہوا' بدر میں بھی کچھ دنوں اس منصب کے حامل رہے' لیکن چندروز کے بعد یہ شرف ابولبابہ ؓ کی جانب منتقل ہو گیا[1] مجموعی حیثیت سے ان کو ۱۳ مرتبہ آنحضرت ﷺ کی نیابت کا شرف حاصل ہوا۔[2]

وفات:

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد سے خلافت فاروقی کے اختتام تک ان کے حالات پردہ خفا میں ہیں' صرف اس قدر پتہ چلتا ہے کہ جنگ قادسیہ میں علم بلند کیے زرہ بکتر لگائے میدان کارزار میں کھڑے تھے' واقدی کے بیان کے مطابق ان کی وفات مدینہ میں ہوئی' لیکن زبیر بن بکار کی روایت کی رو سے قادسیہ میں شہادت پائی[3] اکثر ارباب سیر اس روایت کو صحیح سمجھتے ہیں۔

جماعت کی حاضری:

نابینا تھے' مسجد نبوی سے گھر دور تھا' راستہ میں جھاڑیاں پڑتی تھیں' کوئی راہ نما بھی نہ تھا' اس تمام دشواریوں کے باوجود ابن ام مکتوم ؓ ہمیشہ مسجد نبوی میں نماز پڑھتے تھے' ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے گھر پر نماز پڑھنے کی اجازت چاہی' لیکن اذان اور اقامت کی آواز ان کے گھر تک جاتی تھی' اس لیے آپ نے اجازت نہ دی' چنانچہ اسی حالت میں چھڑی سے ٹٹولتے مسجد آتے تھے' حضرت عمر ؓ نے اپنے زمانے میں ان کو

---

[1] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۱۲۷ [2] تہذیب الکمال ص ۲۸۹ [3] ابن سعد جزو ۴ ق ۱ ص ۱۸۴

Marfat.com

رہنما دیا تھا۔[1]

فضل وکمال:

حضرت ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا طغرائے امتیاز تو یہی ہے کہ ان کو ۱۳ مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا اعزاز ملا، جس میں وہ مسجد نبوی کی امامت کرتے تھے، اس کے علاوہ قرآن مجید کے حافظ تھے اور مدینہ آنے کے بعد لوگوں کو قرأت سکھاتے تھے۔[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے احادیث سے بھی ان کا دامن خالی نہ تھا، چنانچہ ان سے انس رضی اللہ عنہ اور زر بن حبیش نے احادیث روایت کی ہیں۔[3]

---

1. ابن سعد حوالہ مذکور
2. ایضاً ص ۱۵۱
3. تہذیب الکمال ۲۸۹

Marfat.com

حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

بریدہ نام' ابو عبداللہ کنیت' نسب نامہ یہ ہے کہ بریدہ بن حصیب بن عبداللہ بن حارث بن اعرج بن سعد بن زراح بن عدی بن سہم بن مازن بن حارث بن سلامان بن اسلم اسلمی۔

اسلام:

بریدہ رضی اللہ عنہ عین زمانہ ہجرت میں مشرف باسلام ہوئے' اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ جب مرکز نبوت مکہ کے ستم کدہ سے مدینہ کے بیت الامن میں منتقل ہونے لگا اور کوکبہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم غمیم پہنچا تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' آپ نے اسلام پیش کیا۔ بریدہ رضی اللہ عنہ نے بلاپس وپیش قبول کرلیا' ان کے ساتھ بنواسلم کے اسی خانوادے حلقہ بگوش اسلام ہوئے' پھر کچھ دنوں قرآن کی تعلیم حاصل کر کے گھر لوٹ گئے۔[1]

ہجرت اور غزوات:

بدر واحد کے معرکے ان کے وطن کے قیام کے زمانہ میں ختم ہو چکے تھے' غالباً ۶ھ یا اس سے کچھ پہلے ہجرت کا شرف حاصل کیا[2] اور سب سے پہلے صلح حدیبیہ میں شریک ہوئے اور بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا۔[3] ۷ھ میں غزوہ خیبر پیش آیا' اس میں یہ پیش پیش تھے' چنانچہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگوں نے خیبر کا محاصرہ کیا پہلے دن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے علم لیا' لیکن فتح نہ کر سکے' دوسرے دن پھر یہی ہوا' لوگ بہت تھک چکے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا' جس کو خدا اور اس کا رسول محبوب رکھتا ہے اور وہ بھی خدا اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے وہ فتح کر کے لوٹے گا' لوگ بہت خوش ہوئے کہ کل یہ مہم سر ہو گی' دوسرے دن صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھ کر علم منگوایا' لوگ اپنی اپنی صفوں میں تھے' پھر علی رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا' ان کو آشوب چشم کی شکایت تھی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب دہن لگا

---

[1] ابن سعد جز ۴ ق اص ۱۷۸ واستیعاب ج اص ۶۹ [2] ایضاً [3] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۷۵ وابن سعد حوالہ مذکور

Marfat.com

کر علم مرحمت فرمایا اور ان ہی کے ہاتھوں خیبر فتح ہوا۔[1]

۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے مکہ پر چڑھائی کی اس میں بھی یہ ہمرکاب تھے چنانچہ بیان کرتے تھے کہ فتح کے دن آنحضرت ﷺ نے کئی نمازیں ایک وضو سے پڑھیں۔[2]

فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں جو سریہ یمن بھیجا تھا بریدہ رضی اللہ عنہ بھی اس میں ساتھ تھے بعد کو پھر اسی مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں مسلمانوں کی ایک اور جماعت بھیجی گئی اور پوری فوج کی امارت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تفویض ہوئی جنگ کے بعد آپ نے مال غنیمت میں سے ایک لونڈی خمس میں اپنے لیے مخصوص کر لی حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کو یہ بات پسند نہ آئی انہوں نے لوٹ کر یہ واقعہ آنحضرت ﷺ سے بیان کیا آپ نے سن کر فرمایا بریدہ کیا تم کو علی سے کینہ ہے انہوں نے صفائی سے اس کا اقرار کیا فرمایا ان سے کینہ نہ رکھو ان کو خمس میں سے اس سے زیادہ کا حق ہے۔[3] دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا اور فرمایا بریدہ! کیا مومنین پر میرا حق خود ان کی ذات سے مقدم نہیں ہے عرض کی ہاں یا رسول اللہ! فرمایا: جس کا میں مولیٰ ہوں علی (رضی اللہ عنہ) بھی اس کا مولیٰ ہے۔[4] حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے یہ لفظ سن کر میری ساری شکایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جاتی رہی اور ان سے اتنی محبت ہوگئی جو کسی دوسرے سے نہیں تھی۔[5]

آنحضرت ﷺ کی زندگی میں جس قدر غزوات بھی ہوئے بریدہ رضی اللہ عنہ تقریباً سب میں شریک تھے ان کے غزوات کی مجموعی تعداد سولہ ہے۔[6] آنحضرت ﷺ نے اپنے مرض الموت میں اسامہ رضی اللہ عنہ کی زیر سرکردگی جو سریہ شام بھیجا تھا اس میں بھی یہ شریک اور سریہ کے علمبردار تھے۔[7]

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۳۵۳۔ [2] ایضاً ص ۳۵۰۔ [3] صحیح بخاری جلد ۲ باب بعث علی الی الیمن ومسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۳۵۰۔ [4] مسند احمد ابن حنبل ج ۵ ص ۳۴۵۔ [5] ایضاً ص ۵۰۔
[6] بخاری کتاب المغازی باب کم غزا النبی ﷺ۔ [7] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۳۶

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھر دیار حبیب میں رہے، آپ کی وفات کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آباد ہوا تو دوسرے صحابہ کے ساتھ یہاں منتقل ہو گئے اور یہیں مستقل گھر بنالیا۔[1]

ان کی رگ رگ میں جہاد کا خون دوڑتا تھا، لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ زندگی کا مزہ گھوڑے کدانے میں ہے۔[2] اسی جذبہ و ولولہ کی بنا پر خلفاء کے زمانہ میں بھی مجاہدانہ شریک ہوتے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں خراسان پر فوج کشی ہوئی، اس میں آپ کی تلوار نے اپنے جوہر دکھائے۔[3]

مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی تلوار ہمیشہ نیام میں رہی، چنانچہ عہد شیخین رضی اللہ عنہما کے بعد جس قدر خانہ جنگیاں ہوئیں ان میں سے کسی میں شریک نہیں ہوئے، بلکہ شدت احتیاط کی بنا پر ان لوگوں کے بارہ میں جو اس میں شریک تھے کوئی رائے بھی نہ قائم کرتے تھے، ایک شخص نے حضرت علی، عثمان، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کے بارہ میں ان کی رائے معلوم کرنے کے لیے ان کے سامنے ان بزرگوں کا تذکرہ کیا، بریدہ رضی اللہ عنہ فوراً قبلہ رو ہو کر دست بدعا ہو گئے کہ خدایا علی (رضی اللہ عنہ) کی مغفرت فرما، عثمان (رضی اللہ عنہ) کی مغفرت فرما اور زبیر (رضی اللہ عنہ) کی مغفرت فرما پھر اس شخص سے مخاطب ہو کر کہا کہ تو مجھ کو میرا قاتل معلوم ہوتا ہے، اس نے کہا حاشا میں قاتل کیوں ہونے لگا، اس استفسار سے میرا یہ مقصد تھا، فرمایا ان لوگوں کا معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے اگر وہ چاہے گا تو ان نیکیوں کے بدلہ میں بخش دے گا اور اگر چاہے گا تو ان کی غلطیوں کی سزا میں عذاب دے گا۔[4]

وفات:

یزید کے عہد حکومت میں ۶۳ھ میں وفات پائی، دولڑکے یادگار چھوڑے، عبداللہ اور سلیمان۔

فضل وکمال:

فضل وکمال کے اعتبار سے بھی عام صحابہ کی جماعت میں ممتاز ہیں، احادیث نبوی کی

---

[1] ابن سعد ج ۴ ق ۱ تذکرہ بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ [2] ایضاً ص ۱۷۹

[3] اصابہ ج ۱ ص ۱۵۱ [4] ابن سعد جز و ۴ ق ۱ ص ۱۷۶

Marfat.com

کافی تعداد ان کے حافظہ میں محفوظ تھی' ان کی مرویات کا شمار ۱۶۴ حدیثوں تک پہنچتا ہے' اس میں ایک متفق علیہ ہے اور ۲ میں بخاری اور ۱۱ میں مسلم منفرد ہیں [۱] ان کی مرویات تمام تر براہ راست زبان نبوت سے منقول ہیں' ان کے تلامذہ میں ان کے صاحبزادہ عبداللہ اور سلیمان اور دوسرے لوگوں میں عبداللہ بن عوف خزاعی' شعبی اور ملیح بن اسامہ قابل ذکر ہیں۔ [۲]

عام حالات:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کو بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پذیرائی حاصل تھی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بے تکلفانہ ملتے تھے' کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے نکلتے تھے ایک مرتبہ یہ کسی ضرورت سے کہیں جا رہے تھے' راستہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوگئی آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور آگے بڑھے۔ [۳]

حق گوئی:

حق گوئی ان کا خاص وصف تھا' اور وہ بڑی سے بڑی شخصیت کے مقابلہ میں بھی کلمہ حق کے اظہار سے باز نہ رہتے تھے' ایک مرتبہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے' ایک شخص بیٹھا ہوا ان سے باتیں کر رہا تھا' بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں بھی کچھ کہہ سکتا ہوں' معاویہ رضی اللہ عنہ سمجھے یہ بھی پہلے شخص کی طرح مجھے سراہیں گے' کہا شوق سے' فرمایا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجھ کو امید ہے کہ قیامت کے دن میں روئے زمین کے کنکر' پتھر اور درختوں کی تعداد کے برابر لوگوں کی شفاعت کروں گا' معاویہ! کیا اس عام شفاعت کے تم مستحق ہو اور علی نہیں ہیں؟ [۴] (غالباً پہلا شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مذمت کر رہا تھا' اور معاویہ بریدہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے بھی یہی سننا چاہتے تھے)۔

فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ایک مرتبہ جو سن لیا' وہ حرز جان بن گیا' ایک

---

۱ تہذیب الکمال ص ۴۷ ۲ تہذیب التہذیب جلد اول ص ۴۳۳
۳ مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۳۵۰ ۴ ایضاً ص ۳۴۷

Marfat.com

مرتبہ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے تھے' آپ نے فرمایا کہ میری امت کو ڈھال کی طرح چوڑے چوڑے اور چھوٹی آنکھ والی قوم تین مرتبہ ہنکائے گی یہاں تک کہ اس کو ہنکاتے ہنکاتے جزیرۃ العرب کے اندر محدود کر دے گی' اس کے پہلے ہلہ میں جو لوگ بھاگ جائیں گے' وہ بچ جائیں گے' دوسرے ہلہ میں بعض بچیں گے اور بعض ہلاک ہو جائیں گے' تیسرے ہلہ میں سب کے سب اس آگ میں پڑ جائیں گے۔ لوگوں نے پوچھا یا نبی اللہ! وہ کون ہیں؟ فرمایا ترک' پھر فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ لوگ اپنے گھوڑوں کو مسلمانوں کی مسجدوں کے ستونوں سے باندھیں گے' اس ہولناک پیشین گوئی کے بعد بریدہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ دو تین اونٹ زاد سفر اور پانی پینے کا برتن ساتھ رکھتے تھے کہ جیسے ہی یہ وقت آئے فوراً اس عذاب سے بھاگ نکلیں۔[1]

---

1. مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۳۴۹

Marfat.com

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

طفیل نام' ذوالنور لقب' سلسلہ نسب یہ ہے' طفیل بن عمرو بن طریف بن العاص بن ثعلبہ بن سلیم بن فہم بن غنم بن دوس بن عدنان بن عبداللہ بن زہران بن کعب ابن حارث بن نصر بن ازداز دی۔[1]

دوس کے قبیلے سے تھے' اس لیے دوسی کہلاتے تھے' یہ قبیلہ یمن کے ایک گوشہ میں آباد اور خاصہ طاقتور تھا' ایک قلعہ بھی اس کے پاس تھا' حضرت طفیل رضی اللہ عنہ اس قبیلہ کے رئیس اور غالباً تجارت پیشہ تھا اور اسی تعلق سے مکہ معظمہ آتے رہتے تھے۔

مکہ کا سفر:

جس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں دعوت اسلام فرمارہے تھے' اس زمانہ میں طفیل رضی اللہ عنہ کا مکہ آنا ہوا' قریش کے وہ اشخاص جو لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے سے روکتے تھے' ان کے پاس بھی پہنچے اور کہا تم ہمارے شہر میں مہمان آئے ہو' اس لیے ازراہ خیر خواہی تم کو آگاہ کیے دیتے ہیں کہ اس شخص (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہماری جماعت میں پھوٹ ڈال کر ہمارا شیرازہ بکھیر دیا ہے اور ہم لوگوں کو بہت تنگ کر رکھا ہے' نہیں معلوم اس کی زبان میں کیا سحر ہے' جس کے زور سے بیٹے کو باپ سے' بھائی کو بھائی سے' بیوی کو شوہر سے چھڑا دیتا ہے' ہم کو خوف ہے کہ کہیں تم اور تمہاری قوم بھی ہم لوگوں کی طرح اس کے دام میں نہ آجائیں' اس لیے ہمارا دوستانہ مشورہ ہے کہ تم اس سے نہ ملو اور نہ اس کی بات سنو' غرض ان لوگوں نے طفیلؓ کو سب نشیب وفراز سمجھا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات سے روک دیا' طفیلؓ نے اس خیال سے کہ مبادا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کانوں میں نہ پڑ جائے' دونوں کانوں میں روئی ٹھونس لی۔

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۵۴

Marfat.com

اسلام:

اتفاق سے اسی حالت میں ایک دن مسجد کی طرف سے گزرے اس وقت آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے' اسلام کا شرف ان کی قسمت میں مقدر ہو چکا تھا' اس لیے تمام احتیاطیں بے کار ثابت ہوئیں اور کچھ آیتیں ان کے کان تک پہنچ گئیں۔ یہ کھڑے ہو کر سننے لگے' تو اس میں بڑی دلآویزی معلوم ہوئی' دل ہی دل میں کہنے لگے کہ میں بھی کیا وہمی ہوں' میں خود اچھا شاعر ہوں' کلام کے محاسن و معائب کو سمجھ سکتا ہوں' پھر اس شخص کا کلام کیوں نہ سنوں' اگر اس میں کوئی خوبی ہے تو اس کے اعتراف میں بخل نہ کرنا چاہیے اور اگر نا قابل توجہ ہے تو التفات کی ضرورت نہیں' غرض اس طرح دل کو تسلی دے کر پورے غور سے آیات قرآنی سنیں' یہ کیا معلوم تھا کہ کلام کے حسن و قبح کا فیصلہ ان کی قسمت کا فیصلہ کر دے گا جب تک آنحضرت ﷺ نماز پڑھتے رہے' طفیل رضی اللہ عنہ گوش ہوش سے سنتے رہے' ادھر آپ نے نماز ختم کی' ادھر طفیل رضی اللہ عنہ کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا اور وہ بے اختیارانہ آپ کے پیچھے پیچھے چلے' کاشانہ اقدس پر پہنچ کر قریش کی پوری گفتگو سنا کر عرض کیا اس خوف سے میں نے کانوں میں روئی رکھ لی تھی کہ آپ کا معجزانہ کلام نہ سن سکوں' لیکن خدا کو سنانا منظور تھا' اس لیے یہ احتیاط بے کار ثابت ہوئی' اب آپ اپنی تعلیمات سنائیے' آنحضرت ﷺ نے اسلام کی تعلیمات بتا کر قرآن کی کچھ اور آیات تلاوت فرمائیں' طفیل رضی اللہ عنہ سن کر متحیر ہو گئے اور بے اختیار زبان سے نکل گیا' خدا کی قسم آج تک اس سے بہتر کلام نہ میرے کانوں نے سنا اور نہ اس سے زیادہ عادلانہ کوئی مذہب دیکھا' میں بطیب خاطر اس مذہب کو قبول کرتا ہوں۔

وطن کی واپسی:

اسلام لانے کے بعض عرض کیا' یا رسول اللہ! میں اپنی قوم کا سربرآوردہ شخص ہوں' اس لئے چاہتا ہوں کہ وہاں جا کر اہل وطن کو بھی دعوت اسلام دوں' آپ دعا فرمائیے کہ خدا اس کار خیر میں میری مدد کرے' آنحضرت ﷺ نے اجازت دی اور دعا فرمائی۔ گھر پہنچے تو والد ملنے آئے' کہا قبلہ! آپ مجھ سے الگ رہیے' اب آپ کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں' انہوں نے کہا کیوں؟ کہا میں نے دین اسلام قبول کر کے محمد (ﷺ) کا طوق غلامی گردن میں ڈال چکا ہوں'

Marfat.com

اس لیے آپ سے کوئی واسطہ باقی نہیں رہا' باپ کی قسمت میں بھی یہ سعادت لکھی تھی' بو
بیٹا! جو دین تمہارا وہی دین میرا' چنانچہ اسی وقت نہلا دھلا کر ان کو اسلام کے دائرہ میں داخل
بیوی کو آمد کی خبر ہوئی تو وہ بھی آئیں' ان کو بھی وہی جواب دیا' جو پہلے والد کو دے چکے تھے'
نے کہا میں تمہارے مذہب کے خلاف کیسے رہ سکتی ہوں' مجھے بھی اس نعمت میں شریک کرو' چ
ان کو بھی مشرف باسلام کیا' گھر روشن کرنے کے بعد قبیلہ کی طرف متوجہ ہوئے' لیکن اس
آواز بے اثر رہی تو مکہ واپس آئے اور آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میری قوم میرا کہنا نہ
مانتی' آپ اس کی ہدایت کے لیے دعا فرمایئے' آپ نے دعا فرمائی کہ ''خدایا! دوس کو ہدایت
دے اور اس پر ابر رحمت کا نزول فرما'' دعا کے بعد ہدایت فرمائی کہ نرمی اور آشتی کے ساتھ
کر اسلام کی طرف مائل کرو' چنانچہ وہ حسب ارشادِ نبوی (ﷺ) دوبارہ گھر لوٹ کر تبلیغ و ہدایت
میں مشغول ہو گئے' اور آنحضرت ﷺ کی دعا کی برکت سے کچھ دنوں کے بعد دوس کی معتد
تعداد اسلام کے حلقہ اثر میں آ گئی۔[1]

آنحضرت ﷺ کو اپنے قلعہ میں چلنے کی دعوت دینا:

دائرہ اسلام کی وسعت کے وقت ساتھ ساتھ مشرکین مکہ کا جور و ستم بھی بڑھتا جاتا
اور ذات نبوی ﷺ کے ساتھ بھی گستاخیاں کرنے میں ان کو باک نہ تھا اور انہوں
آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی ایذا رسانی کو اپنا مستقل شعار بنا لیا تھا' دوس میں ایک نہایت
مضبوط قلعہ تھا' طفیل رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کو اپنے اس قلعہ میں منتقل ہو جانے کی دعوت دی
اور آپ کی حفاظت کی ذمہ داری لی' لیکن یہ فخر انصار کے لیے مقدور ہو چکا تھا' اس لیے آپ
نے ان کی دعوت قبول نہ فرمائی۔[2]

ہجرت:

اس درمیان میں آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے' بدر' احد اور خندق کی
لڑائیاں بھی ختم ہو گئیں' اور خیبر کی تیاریاں شروع ہوئی تھیں کہ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ تقریباً اسی
گھرانوں کے ساتھ مدینہ تشریف لائے' لیکن آنحضرت ﷺ خیبر میں تھے' اس لیے یہ پورا

[1] ابن سعد جزو ۴ ق ا ص ۱۷۵ [2] مسلم جلد ا ص ۵۸ باب الدلیل علی ان قاتل نفسہ لا یکفر

Marfat.com

بھی وہیں روانہ ہوگیا۔

غزوات:

اور یہ سب کے سب غزوہ خیبر میں شریک ہوئے اور طفیل رضی اللہ عنہ کی خواہش پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوسیوں کو خیبر شکن فوج کے میمنہ پر مقرر کیا' اس کے بعد سے پھر فتح مکہ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔[1]

بت کدہ ذوالکفین:

اگرچہ دوس کے اکثر خانوادے مشرف باسلام ہو چکے تھے' تاہم مدتوں کے عقائد دفعۃً نہیں بدل سکتے تھے' چنانچہ ذوالکفین نامی بت کا صنم کدہ باقی تھا اور بہت سے لوگ اس کی پوجا کرتے تھے' لیکن طفیل رضی اللہ عنہ کا موحد دل دوس کے دامن پر شرک کا کا ایک دھبہ بھی نہیں گوارا کرسکتا تھا' اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھ کو ذوالکفین گرانے کی اجازت مرحمت ہو' آپ نے اجازت دے دی۔[2] چنانچہ وہ کچھ دوسیوں کو لے کر گئے اور بت کدہ کو ڈھا کر بت میں آگ لگا دی اور یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔

یاذا الکفین لست من عبادکا میلادنا اقدم من میلادکا

انی حششت النار فی فوادکا

"اے دو ہاتھوں والے بت! اب میں تیرے پرستاروں میں نہیں ہوں' میری پیدائش تیری پیدائش سے قدیم ہے' میں نے تیرے قلب میں آگ بھر دی"۔

غزوہ طائف:

یہاں سے لوٹتے وقت دوس کے اور چار سو آدمی مع ساز و سامان کے ساتھ ہو گئے اور سب طائف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ طائف میں شریک ہوئے ان کا دستہ الگ تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تمہارا علم کون اٹھائے گا' طفیل رضی اللہ عنہ نے عرض کی نعمان بن باریہ مدتوں سے اس قبیلہ کے علمبردار ہیں' اس موقع پر بھی وہی اٹھائیں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ رائے پسند فرمائی۔[3]

---

[1] ابن سعد جز ۴ ق اص ۱۷۶ واستیعاب ج اص ۲۱۸ [2] ابن سعد جلد ۴ ق اص ۱۷۶ [3] ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۱۳

Marfat.com

طائف کی واپسی کے بعد وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مستقل طور سے
لگے اور تا وفات نبوی (ﷺ) آپ کے قدموں سے جدا نہ ہوئے۔
فتنہ ارتداد میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا اور طلیحہ ونجد کے فتنوں سے فراغت کر
یمامہ میں شریک ہوئے[1] اور ۱۱ھ میں اسی میں جام شہادت پیا۔[2]

اولاد:

اولاد میں صرف ایک لڑکے عمرو کا نام معلوم ہے' یہ بھی یمامہ کی جنگ میں شریک
اور یرموک کے معرکہ میں شہادت حاصل کی۔

فضل وکمال:

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ مذہبی علوم میں کوئی مرتبہ حاصل نہ کر سکے' اس کا سبب یہ تھا کہ
ابتدا میں مدینہ میں رہنے کے بجائے اپنے وطن میں اسلام کی دعوت کا فرض ادا کرتے رہے
لیکن فضل وکمال کا یہ باب بھی کچھ کم نہیں کہ آپ کی کوششوں سے قبیلہ دوس مشرف باسلام ہو
البتہ شاعر کی حیثیت سے ممتاز تھے۔

[1] مستدرک جلد ۳ ص ۲۶۰

[2] استیعاب جلد ا ص ۲۱۹

Marfat.com

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

عقبہ نام، ابو عمرو کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عقبہ بن عامر بن عبس بن عمرو بن عدی بن عمرو بن رفاعہ بن مودوعہ بن عدی بن غنم بن ربیعہ بن رشدان بن قیس بن جہینہ جہنی۔[1]

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد مشرف باسلام ہوئے، اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ جب کوکبۂ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ منتقل ہوا تو عقبہ رضی اللہ عنہ بکریاں چرا رہے تھے آپ کی تشریف آوری کی خبر سن کر بکریاں چھوڑ کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ مجھ سے بیعت لیجئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا بیعت عربیہ کرنا چاہتے ہو یا بیعت ہجرت، کہا بیعت ہجرت، چنانچہ بیعت کر کے مدینہ میں مقیم ہو گئے۔[2]

عہد خلفاء:

غزوات میں شرکت کا پتہ نہیں چلتا، عہد فاروقی میں شام کی فتوحات میں مجاہدانہ شریک ہوئے، دمشق کی فتح کا مژدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس یہی لائے تھے۔[3] جنگ صفین میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے طرفدار تھے اور ان ہی کی حمایت میں لڑے، مصر پر تسلط کے بعد انہوں نے ان کو وہاں کا امیر الخراج بنایا اور نماز کی امامت کا منصب بھی عطا کیا۔[4]

۴۷ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایما سے روڈس پر حملہ کیا، لیکن جنگ کے دوران میں معزول کر دیئے گئے، اور ان کی جگہ مسلمہ کا تقرر ہوا، معزولی کے بعد جنگ سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی۔[5]

---

۱ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۴۲۳ ۲ ابن سعد جز ۴ قسم ۲ ص ۶۶ و اصابہ تذکرہ ابن عامر رضی اللہ عنہ

۳ اصابہ جلد ۲ ص ۴۸۹ ۴ کتاب الولاۃ کندی ص ۳۷

۵ ابن سعد جز و ۴ قسم ۲ تذکرہ ابن عامر رضی اللہ عنہ

Marfat.com

وفات:

زمانہ وفات کے بعد میں مختلف روایتیں ہیں' بہ روایت صحیح ۵۸ھ میں وفات پائی۔

فضل وکمال:

علم وفضل کے اعتبار سے حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ ممتاز شخصیت رکھتے تھے' قرآن' حدیث' فقہ' فرائض اور شاعری سب میں امتیازی پایہ تھا' علامہ ذہبی لکھتے ہیں' عقبہ رضی اللہ عنہ فقیہ' کتاب اللہ کے قاری' فرائض کے ماہر' فصیح اللسان' شاعر اور بلند مرتبہ شخص تھے۔[1]

قرآن کی تلاوت سے خاص ذوق تھا اور بڑے ذوق وشوق سے اس کی تعلیم حاصل کرتے تھے' بعض بعض صورتیں خود زبانِ وحی والہام سے سیکھی تھیں' ایک مرتبہ آنحضرت کے قدموں سے چمٹ گئے کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھ کو سورۂ ہود و یوسف پڑھایئے' اس ذوق وشوق نے ان کو قرآن کا قاری بنا دیا تھا' ایک قرآن انہوں نے خود مرتب کیا تھا' اس کی ترتیب عثمانی مصحف سے مختلف تھی' یہ نسخہ نویں صدی ہجری تک مصر میں موجود تھا' اور اس کے اخیر میں عقبہ کے دست وقلم کی لکھی ہوئی یہ تحریر موجود تھی ''یہ قرآن عقبہ بن عامر نے اپنے ہاتھوں سے لکھا''۔[2]

حدیث:

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی تہی دامن نہ تھے' ان کی مرویات کی مجموعی تعداد ۵۵ ہے ان میں سے ۷ متفق علیہ ہیں اور ایک میں بخاری اور ۷ میں مسلم منفرد ہیں[3] گو ان کے علم کے مقابلہ میں یہ تعداد بہت کم ہے' لیکن اکابر صحابہ تک بڑی بڑی مسافت طے کر کے ان سے استفادہ کے لیے آتے تھے' حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ صرف ایک حدیث سننے کے لیے خاص طور پر مدینہ سے مصر آئے اور سن کر فوراً واپس گئے[4] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جو حبر الامہ تھے' عقبہ رضی اللہ عنہ سے خوشہ چینی کرتے تھے' ان کے تلامذہ کی تعداد کافی تھی' ان میں ابوامامہ رضی اللہ عنہ' قیس بن ابی حازم' جبیر بن نضر' بعجہ بن عبداللہ جہنی' دخین بن عامر' ربعی بن خراش' عبدالرحمٰن ابن شماسہ' علی بن

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۳۶ [2] تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۲۴۳
[3] تہذیب الکمال ص ۲۶۹ [4] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۵۹

Marfat.com

رباح قابل ذکر ہیں[1] فقہ میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔

شاعری:

مذہبی علوم کے علاوہ عرب کے دوسرے مروجہ علوم خطابت و شاعری میں بھی دخل تھا' خود بھی خوش گو شاعر تھے۔[2]

اخلاق:

عقبہ رضی اللہ عنہ گو بلند پایہ صحابی تھے' لیکن مذہبی ذمہ داری سے بہت گھبراتے تھے' وہ اگرچہ ایک زمانہ میں مصر میں امامت کے عہدہ پر رہ چکے تھے' لیکن پھر اس میں احتیاط کرنے لگے تھے' ابو علی ہمدانی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں لوگوں نے درخواست کی کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں' اس لیے آپ نماز پڑھایئے' فرمایا نہیں! میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس نے امامت کی اور صحیح وقت پر پورے شرائط کے ساتھ نماز پڑھائی تو امام اور مقتدی دونوں کے لیے باعث اجر ہے اور اگر اس میں کوئی فروگزاشت ہوئی تو امام ماخوذ ہوگا اور مقتدی بری الذمہ ہوں گے۔[3]

حرمت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم):

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری ان کا خاص مشغلہ تھا چنانچہ سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کھینچنے کی خدمت ان ہی کے متعلق ہوتی تھی' کان صاحب بغلة رسول الله صلی الله علیه وسلم الشهباء.[4]

اس خدمت و رفاقت کے طفیل میں ان کو بڑے قیمتی دینی فوائد حاصل ہوتے تھے' ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا میں سواری اقدس کھینچ رہا تھا' آپ نے فرمایا' عقبہ! میں تم کو دو بہترین سورتیں پڑھنے کے قابل بتاتا ہوں' میں نے عرض کی ارشاد ہو' فرمایا: قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس۔[5]

احترام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

ذات نبویؐ کا اتنا احترام ملحوظ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر بیٹھنا بھی سوء ادب

1۔ تہذیب الکمال ص ۲۶۹ 2۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۴۵

3۔ کتاب الولاۃ کندی ص ۴۷ 4۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۵۳ 5۔ ایضاً

Marfat.com

سمجھتے تھے' ایک مرتبہ سفر میں مفوضہ خدمت انجام دے رہے تھے' کہ آنحضرت ﷺ نے سواری بٹھا دی اور خود اتر کر فرمایا! عقبہ اب تم سوار ہو لو۔ عرض کی سبحان اللہ یا رسول اللہ! میں اور آپ کی سواری پر سوار ہوں! دوبارہ پھر آپ نے حکم دیا' انہوں نے وہی عرض کی' جب زیادہ اصرار بڑھا تو الامر فوق الادب کے خیال سے بیٹھ گئے اور سرکارِ دوعالم ﷺ ان کی جگہ سواری کھینچنے کی خدمت انجام دینے لگے۔[1]

عیب پوشی:

عیب پوشی عقبہ کا شیوہ تھا' کسی کی برائی کا اعلان کرنا بہت برا سمجھتے تھے' ایک مرتبہ غلام نے آ کر عرض کی ہمارے ہمسائے شراب پیتے ہیں' فرمایا جانے دو' کسی پر ظاہر نہ کرنا' اس نے کہا میں محتسب کو خبر دوں گا' فرمایا بڑے افسوس کا مقام ہے' جانے بھی دو میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے کسی کی عیب پوشی کی' اس نے گویا مردہ کو زندہ کیا۔[2]

سپاہیانہ فنون سے ذوق:

سپاہیانہ فنون سے بڑی دلچسپی تھی' تیر اندازی سے بڑا ذوق تھا' اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے' ایک مرتبہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہ حدیث سنائی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک تیر کے بدلہ میں تین اشخاص کو جنت میں داخل کرتا ہے اس کے بنانے والے کو' خدا کی راہ میں اس کے لے جانے والے کو اور چلانے والے کو' حضور نے یہ بھی فرمایا کہ تمام کھیلوں میں صرف تین کھیل جائز ہیں' تیر اندازی' گھوڑے کی تادیب اور اپنی بیوی سے ہنسی دل لگی کرنا' جس نے تیر اندازی سیکھ کر بھلا دی اس نے بڑی نعمت کھو دی۔[3]

اس دلچسپی کی بنا پر ان کے پاس اسلحہ کا بڑا ذخیرہ تھا' چنانچہ وفات کے وقت ان کے پاس ستر کمانیں تھیں' دوسرے لوازم اس کے علاوہ تھے' یہ سارا ذخیرہ خدا کی راہ میں وقف کر گئے۔[4]

سادگی:

عقبہ رضی اللہ عنہ گو فارغ البال تھے' غلام بھی پاس تھا' لیکن غایت سادگی کی بنا پر اپنا کام آپ کرتے تھے۔

---

[1] کتاب الولاۃ کندی ص ۴۷ [2] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۱۵۸ [3] ایضاً ص ۱۴۸ [4] ایضاً

Marfat.com

حضرت عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

عمیر نام' ابوامیہ کنیت' سلسلہ نسب یہ ہے' عمیر بن وہب بن خلف بن وہب بن حذافہ بن جمح' ماں کا نام ام سخیلہ تھا' نانہالی نسب نامہ یہ ہے ام سخیلہ بنت ہاشم بن سعید بن سہم قرشی۔

قبل اسلام:

عمیر رضی اللہ عنہ قریش کے سربرآوردہ اور بہادر لوگوں میں تھے' قبول اسلام کے پہلے اسلام اور پیغمبر اسلام کے سخت دشمن تھے' بدر میں مشرکین کے ساتھ تھے اور مسلمانوں کی قوت کا اندازہ لگانے کے لیے یہی نکلے تھے' مگر اس غزوہ میں انہوں نے جنگ کو ٹالنے کی بڑی کوشش کی' ابن سعد کا بیان ہے "وقد کان حریصا علی رد قریش عن رسول اللہ ﷺ ببدر" لیکن جب اس میں ناکامی ہوئی تو دوسرا طریقہ یہ اختیار کیا کہ قریش سے انصار کی تذلیل کے لیے کہا کہ ان کے چہرے سانپوں کی طرح ہیں' جو پیاس سے بھی نہیں مرتے' ان کی یہ مجال کہ ہمارے مقابلہ میں آکر بدلہ لیں' اس لیے ان روشن وتاباں چہرہ والوں (قریش) کو ان سے تعارض نہ کرنا چاہیے' انصار نے جواب دیا' یہ خیال چھوڑ دو' اور اپنے قبیلہ کو جنگ پر آمادہ کرو' جب یہ تدبیر بھی ناکام رہی تو مجبوراً لڑنا پڑا[1] جس کا نتیجہ قریش کی شکست کی صورت میں ظاہر ہوا اور ان کا لڑکا وہب مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوگیا۔

آنحضرت ﷺ کا ارادہ قتل:

بدر کی شکست سے مشرکین کی آتش انتقام اور تیز ہوگئی اور وہ مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے طرح طرح کے منصوبے سوچنے لگے ایک دن عمیر اور سرخیل مشرکین صفوان بن امیہ

---

[1] استیعاب ج ۲ ص ۴۳۷

Marfat.com

آپس میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے' صفوان نے کہا بدر کے مقتولین کے بعد زندگی بے مزہ ہوگئی' عمیر نے کہا بالکل سچ ہے' واللہ لطف زندگی جاتا رہا' اگر مجھ پر قرض اور اہل وعیال کی پرورش کا بار نہ ہوتا تو میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قتل کی کوشش کرتا۔ صفوان یہ سن کر پھولا نہ سمایا' بولا یہ کون سی بڑی بات ہے' تمہارے قرض کی ادائیگی کا میں ذمہ لیتا ہوں اور جس طریقہ سے میں اپنے اہل وعیال کی پرورش کرتا ہوں اسی طرح تمہارے اہل وعیال کی پرورش بھی کروں گا اور عمیر کے لیے ضروری سامان سفر مہیا کر دیا' اس میں ایک سم آلود تلوار بھی تھی اور عمیر یہ ہدایت کر کے کہ ابھی کچھ دنوں میرے حالات پوشیدہ رکھنا مدینہ پہنچے اور مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دروازہ پر سواری کھڑی کر کے تلوار لیے ہوئے سیدھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ دیکھ رہے تھے' وہ گھبرائے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی یارسول اللہ! عمیر کو کسی قیمت پر امان نہ دیجئے گا' فرمایا اچھا ان کو لے آؤ' حضرت عمر رضی اللہ عنہ چند اشخاص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے متعین کر کے خود عمیر کو لانے چلے گئے' وہ تلوار لیے ہوئے داخل ہوا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ کو ہٹا دیا' عمیر رضی اللہ عنہ نے سلام وعلیک کی جگہ ''انعموا صباحا'' جاہلیت کا سلام کہا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ عزوجل نے تمہارے طریقہ تحیہ سے ہم کو مستغنی کر دیا اور ہمارا طریقہ تحیہ سلام متعین کیا ہے' پھر پوچھا کیسے آنا ہوا؟ عمیر نے کہا اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لیے آخر تم بھی تو ہمارے ہی ہم قبیلہ اور ہم خاندان ہو' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا' یہ تلوار کیسی گلے میں آویزاں ہے' کہا ان تلواروں کا برا ہے' یہ ہمارے کس کام آئیں' اترتے وقت گلے سے نکالنا بھول گیا تھا' اس لیے لٹکی رہ گئی' پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا' سچ سچ بتاؤ تم کس ارادہ سے آئے ہو کہا صرف قیدیوں کو چھڑانے کے لیے' فرمایا تم نے صفوان سے کیا شرط کی تھی؟ اس سوال پر عمیر بہت گھبرائے اور کہا میں نے کیا شرط کی تھی' فرمایا ان ان شرائط کے ساتھ تم نے قتل کا وعدہ کیا تھا۔

اسلام:

یہ سنتے ہی حالت بدل گئی' جس زبان سے آنحضرت کے قتل کا عہد کر کے آئے

Marfat.com

تھے' اسی زبان سے بے اختیار اشھد انک رسول اللہ و اشھد ان لا الہ الا اللہ نکل گیا۔[1] قبول اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا کہ اپنے بھائی کو آرام پہنچاؤ' اور ان کے قیدی چھوڑ دو' چنانچہ وہب کو بغیر فدیہ کے رہا کر دیا گیا۔[2]

مکہ کی واپسی اور اشاعت اسلام:

مکہ میں صفوان نہایت بے چینی سے ان کے کام کا انتظار کر رہا تھا' اور قریش سے کہتا پھرتا تھا' کہ میں تم کو ایسی کامیابی کی خوشخبری سناتا ہوں جس کے بعد بدر کی شکست کا غم بھول جائے گا اور ہر آنے جانے والے سے پوچھتا کہ مدینہ میں کوئی نیا واقعہ تو نہیں پیش آیا (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تمام تو نہیں ہوا) ایک دن بالکل خلاف توقع خبر سنی کہ جو شکار کرنے نکلا تھا وہ خود شکار ہو گیا' یعنی عمیر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے' اس خبر سے بہت پیچ و تاب کھایا اور عہد کر لیا کہ اب کبھی عمیر سے نہ بولوں گا' اور نہ اس کی کسی قسم کی مدد کروں گا' تمام مشرکین نے عمیر رضی اللہ عنہ کو اسلام پر اظہار ملامت کیا' اس درمیان میں عمیر رضی اللہ عنہ نے قرآن کی کچھ تعلیم حاصل کر لی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا' اگر اجازت ہو تو میں مکہ میں جا کر اشاعت اسلام کا فرض انجام دوں' شاید خدا ان لوگوں کو ہدایت دے۔ آپ نے منظور فرمایا اور عمیر رضی اللہ عنہ نے مکہ میں آ کر بڑی سرگرمی سے تبلیغ شروع کر دی اور ان کی کوششوں سے بڑی تعداد اسلام کے شرف سے بہرہ ور ہوئے۔[3]

ہجرت وغزوات:

مکہ میں عرصہ تک تعلیم وارشاد کا فرض انجام دیتے رہے' پھر احد کے قبل ہجرت کر کے مدینہ آ گئے اور احد' تبوک' فتح مکہ وغیرہ تمام معرکوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے اور اپنی تلوار کے جوہر دکھائے۔[4]

عہد خلفاء:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مہمات امور میں

---

[1] اصابہ ج ۵ ص ۳۶ وابن سعد ج ۴ ق اول ص ۱۴۲، ۱۴۷ [2] ابن سعد جز ۴ ق ا ص ۱۴۷

[3] اصابہ جلد ۵ ص ۳۷ [4] ابن سعد ق ا ص ۱۴۷ واصابہ جلد ۵ ص ۳۷

Marfat.com

برابر شریک رہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر پر چڑھائی کی اور ابتدائی فتوحات کے بعد اسکندریہ کی تسخیر میں زیادہ دیر لگی' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دس ہزار امدادی فوج چار امرا کی سرکردگی میں بھیجی' ان میں ایک عمیر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔[1] اور یہ ہدایات کر دی تھی کہ حملہ کے وقت ان چاروں کو آگے آگے رکھنا' چنانچہ ان ہی چاروں کی کوششوں سے اسکندریہ کی مہم سر ہوئی' اسکندریہ کی فتح کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے متفرق چھوٹے چھوٹے مقامات کی تسخیر کے لیے علیحدہ علیحدہ افسر متعین کیے تھے' اس سلسلہ میں عمیر رضی اللہ عنہ نے بہت سے مقامات فتح کیے' تینس' دمیاط' تونہ' دمیرہ' شرطا' وقلہ' بنا اور بوسیر وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔[2]

وفات:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخر عہد خلافت میں وفات پائی۔

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۰ [2] ایضاً ص ۲۲۴

Marfat.com

حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

زید نام ابوعبدالرحمن کنیت سلسلہ نسب یہ ہے زید بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب ابن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ قرشی عدوی۔

ماں کا نام اسماء تھا' ننہالی سلسلہ نسب یہ ہے' اسماء بنت وہب بن حبیب اسدی' آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوتیلے بھائی اور عمر میں ان سے بڑے تھے۔[1]

اسلام و ہجرت:

گو ابتدا میں خطاب کا گھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سختیوں کے باعث اسلام کی دشمنی سے تیرہ و تار ہو رہا تھا' لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بہت پہلے مشرف باسلام ہو چکے تھے اور مہاجرین کے پہلے قافلہ کے ساتھ ہجرت کی تھی' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد ان میں اور معن بن عدی عجلانی رضی اللہ عنہ میں مواخاۃ کرادی۔[2]

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے بدر میں شرکت کا شرف حاصل کیا' پھر احد میں شریک ہوئے' غایت شجاعت نے زرہ سے بے نیاز کر دیا تھا' میدان جنگ میں ننگے بدن گئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان سے بڑی محبت تھی' انہوں نے قسم دلا کر اپنی زرہ پہنا دی لیکن طالب شہادت کے لیے زرہ عار تھی' تھوڑی دیر پہن کر اتار دی اب عریاں سینہ دشمنوں کا ہدف تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سبب پوچھا' فرمایا تمہاری طرح مجھ کو بھی جام شہادت پینے کی تمنا ہے۔[3]

احد کے بعد صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موت پر بیعت لینا شروع کی تو فداکارانہ جان بازوں کی فہرست میں نام لکھایا[4] اس کے علاوہ خندق حنین اور

---

[1] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۲۸ [2] استیعاب جلد ۱ ص ۱۹۰ [3] ابن سعد جز ۳ ق ا ص ۲۷۵ [4] استیعاب جلد ا ص ۱۹۰

Marfat.com

اوطاس وغیرہ میں بھی برابر شریک رہے۔

حجۃ الوداع میں بھی آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے اسی موقع پر آپ نے ان سے یہ حدیث بیان فرمائی تھی کہ جو تم کھاتے پہنتے ہو وہ اپنے غلاموں کو بھی کھلاؤ پہناؤ اور اگر وہ کسی جرم کے مرتکب ہوں اور تم نہ معاف کرسکو تو فروخت کر ڈالو۔[1]

فتنہ ردّہ اور شہادت:

عہد صدیقی میں فتنہ ارتداد کے استیصال کے لیے مسلمانوں ساتھ نکلے اور متعدد سرکش بے دینوں کو واصل جہنم کیا۔

مشہور مرتد نہاد بن عنفوہ جس کے متعلق اس کے زمانہ اسلام میں آنحضرت ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی ان ہی کے ہاتھ سے مارا گیا۔[2]

جنگ یمامہ میں اسلامی فوج کی علمبرداری کا منصب سپرد ہوا' بنوحنیفہ نے ایک مرتبہ اس زور کا حملہ کیا کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے' کچھ لوگ میدان جنگ سے بھاگ نکلے اس سے زید رضی اللہ عنہ کا جوش اور بڑھ گیا' انہوں نے قسم کھالی کہ میں اس وقت تک نہ بولوں گا جب تک دشمنوں کا منہ نہ پھیر دوں' یا خود لڑتے لڑتے شہید ہو جاؤں اور مسلمانوں کو للکارا کہ آنکھیں بند کرکے' داڑھیں داب کر دشمنوں کے قلب میں گھس جاؤ[3] ایک طرف لوگوں کو ابھارتے تھے' دوسری طرف زبان بارگاہِ ایزدی میں معذرت میں مصروف تھی کہ "خدایا میں اپنے ساتھیوں کی پسپائی پر تیری بارگاہ میں معذرت خواہ ہوں" اسی حالت میں علم ہلایا' اور دشمنوں کی صفیں چیرتے ہوئے گھستے چلے گئے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے[4] آپ کی شہادت کے بعد حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے علم سنبھالا' لوگوں نے کہا سالم! تمہاری علمبرداری سے شکست کا خطرہ ہے' کہا اگر میرے سبب سے شکست ہو تو مجھ سے بدتر حامل قرآن کون ہوگا۔[5]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غم:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو بہت محبوب رکھتے تھے' ان کی شہادت سے بہت غم زدہ ہوئے اور

---

[1] ابن سعد جزو ۳ ق اص ۲۷۴ [2] استیعاب ج اص ۱۹۰۔ [3] ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۷۷۔
[4] ایضاً ص ۲۷۷۔ [5] ابن سعد جزو ۳ ق اص ۲۷۴ و مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۲۷

Marfat.com

جب کبھی کوئی مصیبت پیش آتی تو فرماتے کہ سب سے بڑا داغ زید (رضی اللہ عنہ) کا تھا' اس کو اٹھایا اور صبر کیا[1] اکثر فرمایا کرتے کہ بادصبا سے زید کی خوشبو آتی ہے اس سے ان کی یاد تازہ ہو جاتی ہے[2]

اسی زمانہ میں مشہور شاعر متمم بن نویرہ کا بھائی ایک معرکہ میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا' متمم اپنے بھائی کا عاشق و شیفتہ تھا' اس حادثہ نے اس کو ایسا وارفتہ کر دیا کہ دیکھنے والوں کو ترس آتا تھا' اس عالم میں اپنے بھائی کا ایسا رقت انگیز مرثیہ لکھا کہ سننے والے بے قرار ہو جاتے' اتفاق سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی' آپ نے فرمایا تم کو اپنے بھائی کا کس قدر قلق ہے' کہا ایک مرض کی وجہ سے ایک آنکھ کے آنسو خشک ہو گئے تھے' لیکن بھائی کے غم میں جب سے اشکبار ہوئی ہے' آج تک نہ رکی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا' یہ رنج والم کی آخری حد ہے' کوئی جانے والے کا اتنا غم نہیں کرتا' اس کے بعد فرمایا کہ خدا زید رضی اللہ عنہ کی مغفرت کرے' اگر میں شاعر ہوتا تو میں بھی ان کا مرثیہ کہتا' متمم نے کہا' امیر المومنین' اگر آپ کے بھائی کی طرح میرا بھائی شہید ہوا ہوتا تو میں کبھی اشکباری نہ کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک گونہ تسلی ہوگئی[3] فرمایا کہ اس سے بہتر تعزیت کسی نے نہیں کی ہے[4] لیکن بھائی کے ساتھ شدید تعلق قلب کے باوجود صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا' جس وقت حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شہادت کی دلخراش خبر ملی تھی' اس وقت بجائے نالہ و شیون کرنے کے فرمایا کہ میرے بھائی دو نیکیوں میں مجھ سے سبقت لے گئے' مجھ سے پہلے اسلام لائے اور مجھ سے پہلے جام شہادت پیا۔[5]

حلیہ:

یہ تھا' قد بلند و بالا' رنگ گندم گوں۔

ازواج:

آپ کے دو بیویاں تھیں' لبابہ اور جمیلہ' لبابہ سے عبدالرحمن تھے اور جمیلہ سے اسماء تھیں۔[6]

فضل و کمال:

آپ سے متعدد اشخاص نے حدیث روایت کی ہے۔

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۲۷ [2] اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۲۷ [3] ابن سعد جز ۳ ق ا ص ۲۷۵

[4] استیعاب ج ا ص ۱۹۱ [5] استیعاب جلد ا ص ۱۹۱ [6] ابن سعد جز ۳ ق ا ص ۲۷۵

Marfat.com

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

نام میں بہت اختلاف ہے زیادہ مشہور اسلم اور ابورافع ہے نسبی شرف کے لیے یہ سند کافی ہے کہ آقائے دو عالم رضی اللہ عنہ کی غلامی کا شرف رکھتے تھے اور حضور ﷺ نے یہ کہہ کر کہ اپنے خاندان میں شامل کر لیا تھا کہ مولی القوم من انفسھم[1] اس مرتبہ کے بعد خاندانی اور نسبی عظمت کا کون درجہ باقی رہ جاتا ہے۔

غلامی اور آزادی:

ابتدا میں ابورافع رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے انہوں نے آنحضرت ﷺ کو دے دیا تھا' آنحضرت ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام کی مسرت پر آزاد کر دیا۔[2]

اسلام:

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں ہیں جن کے دل پر نبوت کا پرجلال چہرہ ہی دیکھ کر اسلام کا نقش بیٹھ گیا' ان کے اسلام کے متعلق ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مجھے قریش نے آنحضرت ﷺ کے پاس کسی کام سے بھیجا' آپ کو دیکھتے ہی میرا دل اسلام کی طرف ہو گیا میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اب میں واپس نہ جاؤں گا' آپ نے فرمایا میں قاصد کو نہیں روکتا اور عہد شکنی نہیں کرتا' اس وقت تم لوٹ جاؤ' اگر کچھ دنوں تک بدستور تمہارے دل میں اسلام کا جذبہ باقی رہا تو پھر چلے آنا' چنانچہ اس وقت تو یہ واپس چلے گئے اور پھر دوبارہ حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔[3]

ابتلا وآزمائش:

لیکن بدر تک جابرۂ قریش کے خوف سے اسلام کا اعلان نہیں کیا ایک دن چاہِ زمزم

---

[1] ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۶۶ [2] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۵۱

[3] ابوداؤد جلد ۱ ص ۲۷۳ ومستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۹۸

Marfat.com

کی چار دیواری میں بیٹھے تیر درست کر رہے تھے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ بھی پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں کہ اتنے میں ابولہب آ گیا اور حجرہ کی طناب کے پاس بیٹھا اس کے بعد ابوسفیان آئے ابولہب ان سے بدر کے حالات دریافت کرنے لگا اس نے کہا کیا پوچھتے ہو مسلمانوں نے ہماری ساری قوت تباہ کر دی بہتوں کو تہہ تیغ کر ڈالا کچھ لوگوں کو گرفتار کیا اس سلسلہ میں ایک واقعہ عجیب وغریب بیان کیا جاتا ہے کہ میدانِ جنگ میں آسمان سے زمین تک سفید پوش سوار بھرے ہوئے تھے اس پر ابورافع رضی اللہ عنہ نے کہا فرشتے تھے یہ سن کر ابولہب نے ان کے منہ پر زور سے ایک طمانچہ مارا یہ سنبھل کر لپٹ گئے مگر کمزور تھے اس لیے ابولہب نے پٹک دیا اور سینہ پر چڑھ کر جہاں تک مار سکا مارا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی سے یہ ظلم نہ دیکھا گیا انہوں نے ایک ستون اٹھا کر اس زور سے مارا کہ اس کا سر کھل گیا اور بولیں اس کا آقا موجود نہیں اس لیے کمزور سمجھ کر مارتا ہے۔[1]

ہجرت:

بدر کے بعد ہجرت کر کے مدینہ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقیم ہوئے۔[2]

غزوات:

بدر کے علاوہ احد خندق وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امارت میں یمن کی طرف جو سریہ بھیجا تھا اس میں یہ بھی تھے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی عدم موجودگی میں سریہ کی نگرانی ان کے سپرد کی تھی۔[3]

وفات:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ابتدائی زمانہ خلافت میں وفات پائی۔[4]

اولاد:

وفات کے وقت ۶ اولادیں تھیں حسن رافع عبیداللہ معتمر مغیرہ اور سلمی۔[5]

---

۱ ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۵۱ ۲ ایضاً ص ۵۲ ۳ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۹۸

۴ اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۹۱ ۵ تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۹۲

Marfat.com

فضل وکمال:

اسلام نے غلاموں کی ہر قسم کی ترقی کے جو مواقع عطا کیے' ابو رافع رضی اللہ عنہ اس کی بہترین مثال تھے' گو یہ غلام تھے' لیکن فضل وکمال میں آزادوں کے ہمسر تھے' ان کی ۶۸ روایتیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں' ان میں سے ایک میں بخاری اور ۳ میں مسلم منفرد ہیں۔[1]

آزادی کے بعد بھی آستانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری کا فخر نہ چھوٹا' اس لیے ان کو معمولات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بہت معلومات تھے' اور ان کے بارہ میں اکابر صحابہؓ ان سے استفادہ کرتے تھے' ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک مرتبہ کاتب لے کر آتے تھے اور سوال کرتے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں فلاں دن کیا کیا' کیا۔ یہ بیان کرتے جاتے تھے اور کاتب قلم بند کرتا جاتا۔[2]

تلامذہ:

ان کے سرچشمہ فضل وکمال سے سیراب ہونے والوں کا دائرہ خاصہ وسیع تھا چنانچہ ان کے لڑکوں میں حسن' رافع' عبید اللہ' معتمر' پوتوں میں حسن' صالح اور عام لوگوں میں عطاء بن یسار' ابو غطفان بن طریف' ابو سعید مقبری اور سلیمان بن یسار ان کے خوشہ چینوں میں تھے۔[3]

عام حالات:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ ابو رافع کو آزاد کر دیا تھا' مگر وہ بدستور آپ کی غلامی میں گرفتار رہے' آزادی کے وقت آنکھیں بے اختیار اشکبار ہو گئے' لوگوں نے کہا آزادی میں رونے کا کیا موقع ہے' کہا آج سے ایک اجر جاتا رہا[4] اس کے بعد اگرچہ قانوناً آزاد ہو گئے تھے' لیکن خدمت گزاری کا شرف نہیں چھوڑا' چنانچہ سفر وغیرہ میں خیمہ یہی نصب کرتے تھے۔[5]

آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غلامی کی نسبت بہت محبوب تھی' ہمیشہ اپنے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام کہتے تھے' عمرو بن سعید بن عاص مدینہ کی امارت کے زمانہ میں اپنا غلام کہلانا چاہا' لیکن یہ برابر انکار کرتے رہے' تا آنکہ سعید نے ۵۰۰ کوڑے لگا کر زبردستی اپنا غلام کہلایا۔[6]

---

[1] تہذیب الکمال ص ۴۴۹ [2] اصابہ جلد ۴ ص ۹۲ [3] تہذیب التہذیب حوالہ مذکور

[4] مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۳۴۴ [5] مسلم ج اول ص ۵۰۲ [6] تہذیب التہذیب حوالہ مذکور

Marfat.com

حضرت سعید بن عامر بن خدیم رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

سعید نام، سلسلۂ نسب یہ ہے، سعید بن عامر بن خدیم بن سلامان بن ربیعہ بن سعد ابن جمح بن عمرو بن ہصیص بن کعب، ماں کا نام اروی تھا، نانہالی سلسلۂ نسب یہ ہے اروی بنت ابی معیط بن ابی عمرو بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔[1]

اسلام وہجرت:

غزوہ خیبر کے قبل مشرف باسلام ہوئے، اسلام لانے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔[2]

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد سب سے اول غزوہ خیبر میں شریک، پھر تمام لڑائیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔[3]

جنگ یرموک:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے یرموک کی مہم کے لیے مزید امدادی فوج طلب کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک جمعیت کے ساتھ روانہ کیا اس مہم میں انہوں نے بڑے نمایاں کارنامے دکھائے۔[4]

حمص کی گورنری:

عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ ابن عامر کو حمص کی گورنری پر مامور کیا، ان کے عہد حکومت میں کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی کہ سعید پر جنون کا اثر رہتا ہے، آپ نے ان کو تحقیق کے لیے طلب کیا، اس طلبی پر حمص کا والی اس سرو

---

[1] ابن سعد جزو ۴ قسم ۲ ص ۱۳ [2] اصابہ جلد ۳ ص ۹۹ [3] استیعاب ج ۲ ص ۵۷۶ [4] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۱۱

Marfat.com

سامان سے آیا کہ ہاتھ میں ایک عصا تھا اور کھانے کے لیے ایک پیالہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا بس اسی قدر سامان ہے عرض کی اس سے زیادہ اور کس چیز کی ضرورت ہے پیالہ میں کھاتا ہوں اور عصا پر زادراہ لٹکا تا ہوں پوچھا میں نے سنا ہے تم پر جنون کا اثر ہے ابن عامر رضی اللہ عنہ نے اس سے انکار کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر مجھ کو کیسے اطلاع ملی کہ تم پر غشی کے دورے ہوتے ہیں؟ کہا ہاں سچ ہے اس کا سبب یہ ہے کہ خبیب بن عدی کے مصلوب ہوتے وقت میں بھی موجود تھا اور وہ اس حالت میں قریش کے لیے بددعا کرتے تھے اور چونکہ میں بھی قریشی ہوں اس لیے جب یہ منظر سامنے آتا ہے تو غشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اس تحقیقات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واپس کرنا چاہا ابن عامر رضی اللہ عنہ نے جانے سے انکار کیا مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجبور کر کے واپس کیا[1]

وفات:

سنہ وفات میں اختلاف ہے بعض ۱۹ھ اور بعض ۲۱ھ بتاتے ہیں وفات کے وقت چالیس سال کی عمر تھی[2]

فقر و درویشی:

ابن عامر رضی اللہ عنہ کو کا زہد و تقویٰ درجہ کمال کو پہنچا ہوا تھا حمص کی گورنری کے زمانہ میں اس فقیرانہ شان سے رہتے تھے کہ ان میں اور عام مساکین میں کوئی امتیاز باقی نہ رہا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب حمص گئے تو وہاں کے فقراء کے معاش کا انتظام کرنے کے لیے ان کی فہرست طلب کی فہرست تیار ہو کر آئی تو منجملہ اور ناموں میں ایک نام سعید بن عامر بھی تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ سعید بن عامر کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا امیر المومنین ہمارے اور آپ کے امیر آپ نے حیرت سے پوچھا کہ تمہارا امیر اور فقیر! وظیفہ کا کیا کرتا ہے؟ لوگوں نے کہا اس کو وہ ہاتھ نہیں لگاتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ زہد و ورع سن کر رونے لگے اور فوراً ایک ہزار دینار کی تھیلی ابن عامر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجی کہ اس کو اپنی ضروریات میں صرف کریں سعیدؓ نے اس کو دیکھتے ہی انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا بیوی نے پوچھا خیریت ہے کیا امیر المومنین

---

[1] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۱۱۔ [2] اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۱۱

Marfat.com

کو خدانخواستہ کوئی گزند پہنچا' فرمایا اس سے زیادہ اہم حادثہ ہے' بیوی نے کہا کیا قیامت آ گئی' فرمایا قیامت سے بھی زیادہ خطرناک' انہوں نے کہا آخر معاملہ کیا ہے؟ فرمایا' دنیا فتنوں کو لے کر میرے پاس آئی ہے' وہ بولیں پھر کوئی تدارک کرو' انہوں نے یہ تدارک کیا کہ پوری رقم ایک توبڑے میں ڈال دی اور ساری رات نماز پڑھتے رہے' صبح کو جب اسلامی لشکر ادھر سے گزرا تو کل روپیہ اٹھا کر اس کی ضروریات کے لیے دے دیا۔[1]

محکوم کی ہمدردی:

محکوموں کی ہمدردی و غمخواری آپ کا نمایاں وصف تھا' جہاں حاکم رہے وہاں کی رعایا آپ کی ہمدردی کی گرویدہ رہی' شام کی رعایا آپ سے بہت خوش رہتی تھی' ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ شام والے تم سے اس قدر محبت کیوں کرتے ہیں کہا میں ان کی گلہ بانی کے ساتھ ان کی غمخواری بھی کرتا ہوں' آپ نے خوش ہو کر دس ہزار کی گراں قدر رقم ان کو دینا چاہی' انہوں نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ میرے گھوڑوں اور غلاموں کی آمدنی میرے لیے کافی ہے' میں چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کا کام فی سبیل اللہ کروں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا کہ اس کو لے لو واپس نہ کرو' ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو کچھ مال دیا تھا' میں نے بھی تمہاری طرح یہی جواب دے کر واپس کرنا چاہا تھا' تو آپ نے فرمایا کہ اگر بغیر سوال کے خدا دے تو اس کو لے لیا کرو کہ وہ اس کا عطیہ ہے۔[2]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۱۱ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۸۶

Marfat.com

حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

عقیل نام، ابو یزید کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عقیل بن ابی طالب بن عبد المطلب ابن ہاشم بن عبد مناف القرشی الہاشمی، ماں کا نام فاطمہ تھا، آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوتیلے بھائی اور عمر میں ان سے بیس سال بڑے تھے۔[1]

بدر میں گرفتاری:

عقیل رضی اللہ عنہ کا دل ابتدا سے اسلام کی طرف مائل تھا، لیکن مشرکین مکہ کے خوف سے علی الاعلان اسلام نہیں قبول کر سکتے تھے، چنانچہ بدر میں بادل ناخواستہ مشرکین کے ساتھ شریک ہوئے اور جب ان کو شکست ہوئی تو دوسرے مشرکین کے ساتھ یہ بھی گرفتار ہوئے، آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ دیکھو میرے گھرانے والوں میں کون کون لوگ گرفتار ہوئے، آپ نے تحقیقات کر کے عرض کیا کہ نوفل، عباس اور عقیل گرفتار ہوئے ہیں یہ سن کر آنحضرت ﷺ خود بہ نفس نفیس تشریف لائے اور عقیل کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا کہ ابو جہل قتل ہو گیا، عقیل بولے اب تہامہ میں مسلمانوں کا کوئی مزاحم باقی نہیں رہا عقیل کے ہاتھ مال و دولت سے خالی تھے، اس لیے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی جیب سے ان کا فدیہ دے کر ان کو آزاد کرایا۔[2]

اسلام وہجرت اور غزوات:

آزاد ہونے کے بعد مکہ واپس گئے اور ۸ھ میں باقاعدہ اسلام لا کر ہجرت کا شرف حاصل کیا اور غزوۂ موتہ میں شریک ہو کر پھر مکہ واپس گئے، وہاں جا کر بیمار پڑ گئے، اس لیے فتح مکہ، طائف اور حنین میں شرکت سے معذور رہے[3] لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حنین میں شریک ہوئے، بلکہ جب مسلمانوں کو ابتدا میں شکست ہوئی اور مہاجرین وانصار کے پاؤں

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۴۲۲　[2] ابن سعد جزء ۴ ق ا ص ۲۹　[3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۴۲۲

Marfat.com

اکھڑے گئے تو اس وقت بھی یہ ثابت قدم رہے۔[1]

عہد مرتضوی:

خلفائے ثلثہ کے زمانہ میں کہیں پتہ نہیں چلتا' حنین کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور جناب امیر رضی اللہ عنہ کے اختلافات کے زمانہ میں نظر آتے ہیں' یہ گو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے لیکن اپنی ضروریات کی بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے تعلقات رکھتے تھے' اور مدینہ چھوڑ کر شام چلے گئے تھے' اس کا سبب یہ تھا کہ عقیل مفلس' مقروض اور روپیہ کے حاجت مند تھے اور جناب امیر رضی اللہ عنہ کے یہاں یہ شے عنقا تھی' اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا خزانہ ہر شخص کے لیے کھلا ہوا تھا' اس لیے افلاس و ناداری نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے پر مجبور کر دیا تھا' امیر معاویہؓ کے پاس جانے سے پہلے ایک مرتبہ قرض کی ادائیگی کی فکر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھی گئے تھے' انہوں نے بڑی پذیرائی کی۔ حسن رضی اللہ عنہ کو حکم دیا' انہوں نے لا کر کپڑے بدلائے' شام کو دستر خوان بچھا تو صرف روٹی' نمک اور ترکاری آئی' عقیل رضی اللہ عنہ نے کہا بس یہی سامان ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا' ہاں۔ عقیلؓ نے مطلب بیان کیا کہ میرا قرض ادا کر دو' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کس قدر ہے' کہا ۴۰ ہزار۔ آپ نے جواب دیا' میرے پاس اتنا روپیہ کہاں' تھوڑا صبر کیجئے' جب چار ہزار میرا وظیفہ ملے گا تو آپ کو دے دوں گا' عقیلؓ نے کہا تم کو کیا دشواری! بیت المال تمہارے ہاتھ میں ہے' مجھ کو وظیفہ کے انتظار میں کب تک رکھو گے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں مسلمانوں کا امین ہوں' آپ چاہتے ہیں کہ خیانت کر کے ان کا مال آپ کے حوالہ کر دوں یہ جواب سن کر عقیل چلے گئے اور امیر معاویہؓ کے پاس پہنچے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم نے علی اور ان کے ساتھیوں کو کیسا پایا' جواب دیا' وہ لوگ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح صحابی ہیں' بس صرف اس قدر کمی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان میں نہیں ہیں' اور تم اور تمہارے ساتھی ٹھیک ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کے حواریوں کی طرح ہو' مگر اس موازنہ کے بعد بھی دوسرے دن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دربار میں انہیں بلوا کر پچاس ہزار درہم دلوائے۔[2]

---

[1] اصابہ جلد ۴ ص ۲۵۵ [2] اسد الغابہ ج ۳ ص ۴۲۳

Marfat.com

عقیل رضی اللہ عنہ کے شام جانے کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ لوگوں کے سامنے ان کو مثال میں پیش کر کے ان کو اپنی حمایت پر آمادہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر میں حق پر نہ ہوتا تو علی کے بھائی ان کو چھوڑ کر میرا ساتھ کیوں دیتے'' ایک مرتبہ لوگوں کے سامنے یہی دلیل پیش کر رہے تھے، عقیل رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، انہوں نے جواب دیا کہ میرا بھائی دین کے لیے بہتر ہے اور تم دنیا کے لیے، یہ دوسری بات ہے کہ میں نے دنیا کو دین پر ترجیح دی، رہا آخرت کا معاملہ تو اس کے لیے خدا سے حسن خاتمہ کی دعا کرتا ہوں۔[1]

وفات:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اخیر عہد یا یزید کے ابتدائی زمانہ میں وفات پائی۔[2]

اہل وعیال:

عقیل رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، ان بیویوں اور اولادوں کے نام یہ ہیں:

بیوی	اولاد
ام سعید	یزید، سعید
خلیلہ	علی، محمد، رملہ
ام بنین	جعفر اکبر، ابوسعید احول
ام ولد	
اسماء بنت سفیان	مسلم، عبداللہ، عبدالرحمٰن، عبداللہ الاصغر

ان کے علاوہ جعفر اصغر، عثمان، ام ہانی، اسماء، فاطمہ، ام قاسم، زینب اور ام نعمان وغیرہ مختلف لونڈیوں کے بطن سے تھیں۔[3]

ذریعہ معاش:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی پیداوار سے ڈیڑھ سو وسق سالانہ مقرر فرمایا تھا۔[4]

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۴۲۳　[2] اصابہ جلد ۴ ص ۶۵۵　[3] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۲۹۔
[4] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۴۲۲

Marfat.com

استعداد علمی:

ہجرت کے بعد پھر مکہ لوٹ گئے تھے اور عرصہ تک وہاں مقیم رہے اس لیے صحبت نبوی سے فیضیاب ہونے کا بہت کم موقع ملا اسی لیے رسول اللہ ﷺ کے عزیز ہونے کی حیثیت سے علم میں ان کا جو پایہ ہونا چاہیے تھا وہ نہ پیدا ہو سکا تاہم حدیث کی کتابوں میں ان کی دو چار روایتیں موجود ہیں۔ محمد، حسن بصری اور عطا آپ کے زمرۂ رواۃ میں ہیں۔[1]

مذہبی علوم کے علاوہ علوم جاہلی میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے چنانچہ علم الانساب کے جو عربوں کا خاص علم تھا بڑے ماہر تھے ایام عرب کے کی داستانیں بھی ان کو ازبر تھیں اور ان علوم میں لوگ ان سے استفادہ کرتے تھے چنانچہ مسجد نبوی ﷺ میں نماز کے بعد یہ بیٹھتے تھے اور لوگ ان سے مستفید ہوتے تھے۔[2]

آنحضرت ﷺ کی محبت:

آنحضرت ﷺ ان سے بہت محبت کرتے تھے فرمایا کرتے تھے کہ ابوزید مجھ کو تمہارے ساتھ دوہری محبت ہے ایک قرابت کے سبب سے دوسری اس وجہ سے کہ میرے چچا تم کو محبوب رکھتے تھے۔[3]

پابندی سنت:

عقیل شادی و مسرت کے موقعوں پر بھی جبکہ لوگ عموماً کچھ نہ کچھ بے اعتدالی کر جاتے ہیں مسنون طریقوں کا لحاظ رکھتے تھے ایک مرتبہ نئی شادی کی صبح کو احباب مبارک باد دینے آئے اور عرب کے قدیم دستور کے مطابق ان الفاظ میں تہنیت پیش کی کہ ''بالرفاء والبنین'' اگرچہ ان الفاظ میں کوئی خاص قباحت نہیں تھی لیکن چونکہ مسنون طریقہ تہنیت موجود تھا اس لیے کہا کہ یہ نہ کہو بلکہ ''بارک اللہ لکم و بارک اللہ علیکم'' کہو کہ ہم کو اسی کا حکم ملا ہے۔[4]

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۷۶ [2] مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۲۰۱

[3] تہذیب الکمال ص ۲۷۰ [4] استیعاب جلد ۲ ص ۵۲۳

Marfat.com

حضرت نوفل بن حارث رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

نوفل نام، ابو حارث کنیت، نسب نامہ یہ ہے، نوفل بن حارث بن عبدالمطلب ابن ہاشم بن عبد مناف بن قصی قرشی ہاشمی، ماں کا نام غزیہ تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے، غزیہ بنت قیس بن طریف بن عبدالعزیٰ بن عامر بن عمیر بن دویعہ بن حارث بن فہر۔ نوفل آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی تھے۔

بدر:

دعوت اسلام کے زمانہ میں آنحضرت ﷺ کے عزیز قریب بھی آپ کے دشمن ہو گئے، لیکن نوفل کے خون میں ہمیشہ یکساں برادرانہ محبت قائم رہی، چنانچہ حالت شرک میں بھی آپ سے مقابلہ کرنا پسند نہ کرتے تھے، بدر میں جب طوعاً وکرہاً مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کو نکلے، اس وقت یہ پرخلوص اشعار وردزبان تھے

حرام علی حرب احمد اننی — اری احمد امنی قریبا او اصرہ

مجھ پر احمد (ﷺ) سے جنگ کرنا حرام ہے — وہ میرے قریبی عزیز ہیں۔

اسلام:

بدر میں جب مشرکین کو شکست ہوئی تو دوسرے قیدیوں کے ساتھ یہ بھی گرفتار ہوئے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، نوفل فدیہ دے کر رہا ہو جاؤ، عرض کی یا رسول اللہ! میرے پاس فدیہ کے لائق کوئی چیز نہیں، فرمایا جدہ والے نیزے فدیہ میں دے دو اس کے جواب میں انہوں نے رسالت کا اعتراف کیا اور ہزار نیزے فدیہ میں پیش کیے اور ذیل کے اشعار میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ [1]

---

[1] ابن سعد جز ۴ ق ا ص ۳۰

Marfat.com

الیکم الیکم اننی لست منکم تبرات من دین الشیوخ الاکابر

''دور ہو دور ہو میں تمہاری جماعت میں نہیں ہوں میں قریش کے بڑے بوڑھوں کے دین میں سے بیزار ہوں''۔

شھدت علی ان النبی محمد اتی بالھدی من ربہ والبصائر

''میں نے شہادت دی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی ہیں اور خدا کی جانب سے وہ ہدایت اور بصیرت لائے ہیں''۔

وان رسول اللہ یدعوا الی التقی وان رسول اللہ لیس لشاعر

''اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تقویٰ کی طرف بلاتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاعر نہیں ہیں''۔

علی ذلک احی ثم لبث موقتا واثوی علیہ میتا فی المقابر

''میں اسی پر زندہ رہوں گا اور اسی پر میں قبر میں موت کی حالت میں سوؤں گا اور پھر اسی پر قیامت کے دن اٹھوں گا''۔

اسلام کے بعد پھر مکہ واپس چلے گئے غزوۂ خندق یا فتح مکہ کے زمانہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ کے قصد سے روانہ ہوئے ابواء پہنچ کر ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب نے لوٹنے کا ارادہ کیا' نوفل (رضی اللہ عنہ) نے کہا' اس شرک کدہ میں کہاں جاتے ہو' جہاں کے آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے اور ان کی تکذیب کرتے ہیں' اب خدا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت دی ہے' اور ان کے ساتھی بھی زیادہ ہو گئے ہیں' ہمارے ساتھ چلے چلو' چنانچہ یہ قافلہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچا۔[1]

نوفل اور عباس رضی اللہ عنہما میں قدیم تعلقات تھے' اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں مواخات کرا دی اور قیام کے لیے دو مکان مرحمت فرمائے' ایک مکان رحبۃ القضا میں مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متصل تھا اور دوسرا بازار میں ثنیۃ الوداع کے راستہ پر۔[2]

---

[1] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۳۰ [2] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۴۶

Marfat.com

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے فتح مکہ میں شریک ہوئے' پھر طائف وحنین وغیرہ میں داد شجاعت دی' خصوصاً حنین میں نہایت شجاعت و پامردی سے مقابلہ کیا اور اس وقت بھی جب مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور وہ بے ترتیب ہو گئے ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔[1] اس غزوہ میں انہوں نے مسلمانوں کی بڑی گراں قدر مدد کی تھی' ۳ ہزار نیزے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے' آپ نے مدحیہ فرمایا "میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے نیزے مشرکوں کی پیٹھ توڑ رہے ہیں"۔

وفات:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے کے ایک سال ۳ ماہ بعد مدینہ میں وفات پائی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں سپرد خاک کیا۔[2]

اولاد:

وفات کے بعد متعدد اولادیں چھوڑیں' عبداللہ' عبدالرحمٰن' ربیعہ' سعید' مغیرہ۔ نوفل رضی اللہ عنہ کی اولاد مدینہ' بصرہ اور بغداد میں بکثرت پھیلی۔ عبداللہ' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مدینہ کے قاضی اور سعید فقیہ تھے۔[3]

عام حالات:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وقتاً فوقتاً ان کی خبر گیری فرمایا کرتے تھے' ان کو شادی کی ضرورت ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت سے شادی کرا دی' ان کے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان نہ تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو رافع اور ابوایوب رضی اللہ عنہما کے ہاتھ اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی اور اس کے بدلے تیس صاع جو لے کر عطا کی۔[4]

---

1. مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۴۶
2. ابن سعد جز ۴ ق ا ص ۳۱
3. ابن سعد ج ۴ ق ا ص ۳۱
4. مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۴۶

Marfat.com

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما

نام ونسب:

فضل نام، ابو محمد کنیت ''ہم رکاب رسول'' لقب، سلسلہ نسب یہ ہے، فضل ابن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی، ماں کا نام لبابہ تھا، آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی تھے۔

اسلام:

بدر کے قبل مشرف باسلام ہوئے[1] اس زمانہ میں ان کا پورا گھر اسلام سے منور ہو چکا تھا، لیکن مشرکین کے خوف سے اعلان نہیں کیا تھا۔[2]

ہجرت:

فتح مکہ کے کچھ دنوں پہلے اپنے والد بزرگوار حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کی۔

غزوات:

ہجرت کے بعد غزوہ فتح ہوا، یہ سب سے پہلے اس غزوہ میں فضل رضی اللہ عنہ شریک ہوئے۔ اس کے بعد حنین کا معرکہ پیش آیا اس میں غیر معمولی جان فروشی دکھائی اور مسلمانوں کی ابتدائی شکست میں جب فوج کا بڑا حصہ منتشر ہو گیا، ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی اور بدستور پیکر اقدس کے ساتھ جمے رہے۔[3]

پھر حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس شان سے نکلے کہ آپ کی سواری پر سوار تھے، اسی دن سے ''ردیف رسول'' یعنی ''ہم رکاب رسول'' لقب ہو گیا، اسی درمیان میں قبیلہ خثعم کی ایک نوجوان اور خوبصورت عورت حج کے متعلق ایک مسئلہ پوچھنے آئی، حج میں منہ چھپانا

---

[1] ابن سعد جزو ۴ ق ا ص ۳۷ [2] مسند احمد بن حنبل بروایت ابورافع رضی اللہ عنہ [3] ابن سعد جزو ۴ ق ا ص ۳۷

Marfat.com

عورتوں کے لیے درست نہیں' اس لیے اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا' فضل رضی اللہ عنہ بھی نہایت خوش رو تھے' وہ ان کی طرف گھورنے لگی اور یہ بھی دیکھنے لگے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بار باران کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیتے تھے' مگر یہ پھراس کی طرف رخ کر دیتے آخر میں آپ نے فرمایا ''برادر عزیز! آج کے دن جو شخص آنکھ' کان اور زبان پر قابو رکھے گا اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے[1]

رمی جمار کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر چادر آڑ کیے ہوئے سایہ کیے کھڑے تھے۔[2]

آخری سعادت:

فضل رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری خدمت کی سعادت بھی حاصل کی' آپ نے مرض الموت میں جو آخری خطبہ دیا تھا' اس کے لیے جن دو سعادت مندوں کے سہارے زنانخانہ سے باہر تشریف لائے تھے' ان میں سے ایک حضرت فضل رضی اللہ عنہ تھے' اور ان ہی کے ذریعہ سے مسلمانوں میں خطبہ دینے کا اعلان کرایا تھا۔[3] سب سے آخری سعادت جسد اطہر کے غسل کی حاصل ہوئی' چنانچہ جن لوگوں نے آپ کو غسل دیا تھا' ان میں ایک فضل رضی اللہ عنہ بھی تھے' وہ پانی ڈالتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نہلاتے تھے۔[4]

وفات:

آپ کی وفات کے بارہ مختلف روایتیں ہیں' بعض کہتے ہیں کہ شام میں طاعون عمواس میں وفات پائی' بعض کا خیال ہے کہ اجنادین کے معرکہ میں شہید ہوئے' دوسری روایت زیادہ مستند ہے' امام بخاری نے بھی اسی پر اعتماد کیا ہے۔[5]

حلیہ:

نہایت حسین وجمیل تھے۔[6]

اہل وعیال:

اولاد میں صرف ام کلثوم تھیں' جن کے ساتھ بعد میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے شادی کی

---

[1] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۳۷ تھوڑے تغیر کے ساتھ یہ واقعہ بخاری کتاب العمرہ باب حج المرأۃ میں بھی مذکور ہے۔ [2] ابوداؤد ج ۱ ص ۹۶ [3] اصابہ ج ۵ ص ۲۱۲

[4] استیعاب جلد ۲ ص ۵۳۵ [5] اصابہ ج ۵ ص ۲۱۲ [6] ایضاً

Marfat.com

ور ان کے طلاق کے بعد ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے عقد میں آئیں۔[1]

فضل وکمال:

فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے ۲۴ حدیثیں مروی ہیں' ان میں ۳ متفق علیہ ہیں۔[2] اکابر صحابہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما' اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور عام لوگوں میں کریب' قثم بن عباس' عبیداللہ' ربیعہ بن حارث' عمیر' ابو سعید' سلیمان بن یسار' شعبی' عطاء بن ابی رباح وغیرہ نے روایتیں کی ہیں۔[3]

---

[1] استیعاب جلد ۲ ص ۵۲۵

[2] تہذیب الکمال ص ۳۰۹

[3] تہذیب الکمال ج ۴ ص ۲۸۰

Marfat.com

حضرت طلیب بن عمیر رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

طلیب نام، ابو عدی کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے طلیب بن عمیر بن وہب بن عبد بن قصی بن کلاب بن مرہ قرشی عبدری، آپ کی ماں اروی عبدالمطلب کی لڑکی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں [1]

اسلام:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں پناہ گزین ہونے کے بعد دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے، قبول اسلام کے بعد گھر آئے اور ماں سے کہا "میں خلوص دل سے اسلام لا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرو ہو گیا ہوں" ان نیک خاتون نے جواب دیا کہ تمہارے بھائی غیروں سے زیادہ تمہاری مدد کے مستحق ہیں، اگر مجھ میں مردوں جیسی قوت ہوتی تو ان کو کفار کی دراز دستیوں سے بچاتی، ماں کے اس شریفانہ جذبات کو سن کر کہا کہ پھر آپ کو اسلام لانے سے کیا چیز روکتی ہے، آپ کے بھائی حمزہ (رضی اللہ عنہ) بھی اسلام لا چکے ہیں، بولیں مجھ کو اپنی بہنوں کا انتظار ہے کہ وہ کیا کرتی ہیں، ان کے بعد میں بھی ان کی پیروی کروں گی، طلیب رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا کہ میں آپ کو خدا کا واسطہ دلاتا ہوں، آپ محمدؐ کے پاس چلیے اور ان کی رسالت اور خدا کی توحید کا اقرار کیجیے۔

ماں کا اسلام:

ان خاتون کا دل شروع سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب مائل تھا، اس لیے اس اصرار پر انکار کی ہمت نہ ہوئی اور اسی وقت کلمہ توحید زبان پر جاری ہو گیا۔

اروی عورت تھیں مگر اسلام کے بعد مردانہ ہمت واستقلال کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امکانی مدد کرتی رہیں، نسائیت کی وجہ سے عملی امداد سے تو مجبور تھیں، مگر زبان سے جو کچھ بن

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۶۵

Marfat.com

پڑتا تھا' کہتی تھیں' اور اپنے فرزند کو آنحضرت ﷺ کی امداد و اعانت پر آمادہ کرتی تھیں۔[1]

آنحضرت ﷺ کی مدد:

ابتدائے اسلام میں جب آنحضرت ﷺ پر ظلم و ستم کی بدلیاں گرج گرج کر برستی تھیں' طلیب رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی حمایت کرتے تھے' مشرکین نے حضور انور ﷺ کی ایذا رسانی کو اپنا مستقل شیوہ بنالیا تھا' ایک مرتبہ عوف بن صبرہ سہمی آپ کی شان میں ناروا الفاظ استعمال کر رہا تھا' طلیب رضی اللہ عنہ نے اس کو اونٹ کی ہڈی سے مار کر زخمی کر دیا تھا' لوگوں نے ان کی ماں سے شکایت کی' ان نیک خاتون نے جواب دیا۔[2]

ان طلیبا نصر ابن خالہ واساہ فی دمہ ومالہ

"طلیب نے اپنے ماموں کے بیٹے کی مدد کی اور اس کے خون اور اس کے مال کی غمخواری کی"۔

ایک مرتبہ ابواہاب بن عزیز دارمی کو قریش نے آنحضرت ﷺ کے مارنے پر آمادہ کیا' مگر قبل اس کے کہ وہ یہ ناپاک ارادہ پورا کرتا' حضرت طلیب رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی' آپ نے اس کے ارادہ فاسد کو اسی کے ساتھ پورا کر دکھایا۔

مشرکین کا سرغنہ ابولہب جو مسلمانوں کی ایذا رسانی میں سب سے آگے رہتا تھا' ان کا حقیقی ماموں تھا' جب اس نے مسلمانوں کو قید کیا تو طلیب رضی اللہ عنہ نے اس کو مارنے میں بھی دریغ نہ کیا' اس جرأت پر مشرکین نے ان کو باندھ دیا' لیکن ابولہب کے بھانجے تھے' اس لیے اس نے خود چھوڑ دیا اور اپنی بہن سے شکایت کی' انہوں نے جواب دیا کہ طلیب (رضی اللہ عنہ) کی زندگی کا بہترین دن وہی ہے' جس میں وہ محمد ﷺ کی مدد کریں۔[3]

ہجرت و مواخات:

کفار مکہ کے ظلم و ستم کا مقابلہ کرنا آسان نہ تھا' اس لیے ہجرت ثانیہ میں حبشہ چلے

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۳۹

[2] اصابہ ج ۳ ص ۲۹۵

[3] اصابہ جلد ۳ ص ۲۹۵

Marfat.com

گئے، وہاں سے مدینہ آئے اور عبداللہ بن سلمہ عجلانی رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے۔[1]

بدر:

جس شخص نے ظلم وستم کی گھٹاؤں میں رسول اللہ ﷺ کی علانیہ مدد کی وہ آزادی ملنے کے بعد کب خاموش رہ سکتا تھا، اس لیے مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے معرکہ بدر عظمیٰ میں شریک ہوکر حق شجاعت ادا کیا۔[2]

وفات:

بدر کے بعد سے وفات تک کے حالات پردہ میں ہیں، لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی بھر جہاد میں شریک ہوتے رہے، چنانچہ اسی سلسلہ میں اجنادین کی جنگ میں جمادی الاولیٰ ۱۳ھ میں شہادت پائی، وفات کے وقت کل ۳۵ سال کی عمر تھی، اولاد کوئی نہ تھی۔[3]

---

[1] ابن سعد جز ۴ ق ا ص ۸۷

[2] استیعاب جلد ا ص ۲۱۶

[3] ابن سعد جلد ۳ ص ۸۷ قسم اوّل

Marfat.com

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

ثوبان نام، ابوعبداللہ کنیت، خاندانی تعلق یمن کے مشہور حمیری خاندان سے تھا، غلام تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید کر آزاد کر دیا، اور فرمایا دل چاہے اپنے خاندان والوں کے پاس چلے جاؤ اور دل چاہے میرے ساتھ رہو، میرے ساتھ رہو گے تو اہل بیت میں شمار ہو گا، انہوں نے خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کو اہل خاندان پر ترجیح دی اور زندگی بھر خلوت و جلوت میں آپ کے ساتھ رہے۔[1]

آپ کی وفات کے کچھ دنوں بعد تک مدینہ ہی میں رہے، لیکن آقا کے سانحہ رحلت نے گلشن مدینہ کو خار بنا دیا، اس لیے یہاں کا قیام چھوڑ کر رملہ (شام) میں اقامت اختیار کر لی اور مصر کی فتوحات میں شریک ہوتے رہے پھر رملہ سے منتقل ہو کر حمص میں گھر بنایا، اور یہیں ۵۴ھ میں وفات پائی۔[2]

فضل وکمال:

ثوبان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے اور ان کو خلوت و جلوت ہر وقت ساتھ رہنے کا موقع ملتا تھا، اس لیے قدرۃً وہ علوم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بہرہ ور ہوئے، چنانچہ ان سے ۱۲۷ حدیثیں مروی ہیں، وہ حفظ حدیث کے ساتھ اس کی اشاعت کا فرض بھی ادا کرتے تھے، علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ ثوبان رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں تھے جنہوں نے حدیثیں حفظ کیں اور اس کے ساتھ ان کی اشاعت بھی کی۔[3]

آپ کے حفظ حدیث کی بنا پر لوگ آپ سے حدیثیں سنتے تھے، ایک مرتبہ لوگوں نے حدیث سننے کی خواہش کی، آپ نے فرمایا جو مسلمان خدا کے لیے ایک سجدہ کرتا ہے، خدا اس کا

---

[1] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۴۹ و مستدرک حاکم جلد ۵ ص ۴۸۱

[2] استیعاب ج اوّل ص ۸۱۔ وفات کا ذکر مستدرک میں ہے۔ [3] ایضاً

Marfat.com

ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کی خطاؤں سے درگزر کرتا ہے۔[1]

محدثین دوسروں سے سنی ہوئی حدیثوں کی تصدیق ان سے چاہتے تھے' معدان بن طلحہ نے جو بلند پایہ محدث تھے' حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث سنی تو ثوبان رضی اللہ عنہ سے اس کی تصدیق کی۔[2] آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جو جماعت صاحب علم وافتاء تھی' اس کے ایک رکن یہ بھی تھے۔[3]

ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی وسیع تھا' معدان بن طلحہؒ، راشد بن سعدؒ، جبیر بن نفیرؒ، عبدالرحمن بن غنم' ابوادریس خولانی' آپ کے خوشہ چینوں میں تھے۔[4]

اخلاق وعادات:

ان کو احترام نبوی میں اتنا غلو تھا کہ غیر مسلموں سے بھی کوئی لفظ ایسا نہیں سن سکتے تھے جس سے ذرا بھی نبوت کے احترام کو صدمہ پہنچتا ہو' ایک مرتبہ ایک یہودی عالم نے آ کر السلام علیک یا محمد (ﷺ)! کہا ثوبان رضی اللہ عنہ بگڑ گئے اور اس زور سے دھکا دیا کہ وہ گرتے گرتے بچا' اس نے سنبھل کر اس برہمی کا سبب پوچھا' بولے تو نے یارسول اللہ کیوں نہ کہا وہ بولا' اس میں کیا گناہ تھا کہ میں نے ان کا خاندانی نام لیا' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہاں میرا خاندانی نام محمد (ﷺ) ہے۔[5]

نبوت کا احترام تو بڑی چیز ہے' ثوبان رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ اپنی غلامی کی نسبت کا بھی احترام کرتے تھے' اگر کوئی شخص اس میں ذرا کمی کرتا تو متنبہ کرتے تھے' حمص کے قیام کے زمانہ میں بیمار ہوئے' یہاں کا والی عبداللہ بن قرط ازدی عیادت کرنے نہیں آیا' آپ نے اس کو ایک رقعہ لکھوایا کہ اگر موسیٰ اور عیسیٰ کا غلام تمہارے یہاں ہوتا' تو تم اس کی عیادت کرتے۔ والی کو یہ رقعہ ملا تو اس بدحواسی کے ساتھ گھر سے نکلا کہ لوگ سمجھے کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آ گیا۔[6] اسی حالت میں

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۲۷۶ [2] ابوداؤد ج اوّل ص ۲۳۷

[3] اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۵ [4] تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۱

[5] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۸۱ [6] مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۸۰

Marfat.com

آپ کے گھر پہنچا اور دیر تک بیٹھا رہا۔[1]

پاس فرمانِ رسول:

آنحضرت ﷺ کے فرمان کا اس قدر لحاظ کرتے تھے کہ جو حکم آپ نے دے دیا وہ ہمیشہ جان کے ساتھ رہا اور ہر اس کام سے احتراز کرتے رہے، جس میں آپ کی عدول حکمی کا کوئی خفیف سا بھی پہلو نکلتا ہو۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ کبھی کسی سے سوال نہ کرنا، اس حکم کے بعد عمر بھر کبھی کسی کے سامنے دست سوال نہ دراز کیا، حتیٰ کہ اگر سواری کی حالت میں کوڑا ہاتھ سے چھوٹ جاتا تو خود اتر کر اٹھاتے مگر کسی کو اٹھانے کو نہ کہتے۔[2]

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۸۰

[2] ایضاً ص ۲۷۷

Marfat.com

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

عمرو نام' ابو نجیح کنیت' سلسلہ نسب یہ ہے' عمرو بن عبسہ بن عامر بن خالد بن غاضر ابن عتاب بن امرؤ القیس' ماں کا نام رملہ بنت دقیعہ تھا' یہ خاتون قبیلہ بنی حزام سے تھیں' عم مشہور صحابی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے ماں جائے بھائی تھے۔[1]

اسلام:

عمرو رضی اللہ عنہ ابتدا ہی سے سلیم الفطرت تھے' چنانچہ زمانہ جاہلیت میں جب کہ سار عرب بت پرستی میں مبتلا تھا' ان کو اس سے نفرت تھی اور بت پرستوں کو گمراہ سمجھتے تھے' بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پا کر مکہ آئے' اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کے معاندانہ روش کے باعث علی الاعلان دعوت اسلام نہیں کرتے تھے' اس لیے عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے خفیہ طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا' آپ کون ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نبی ہوں' پوچھا نبی کیا چیز ہے؟ فرمایا مجھ کو خدا نے بھیجا ہے' پوچھا کن تعلیمات کے ساتھ؟ فرمایا صلہ رحمی' بت شکنی اور توحید کے ساتھ۔ پوچھا کسی اور نے بھی اس دعوت کو قبول کیا؟ فرمایا ہاں! ایک غلام اور ایک آزاد نے۔ اس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سرخیل عشاق بلال رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے' اس سوال و جواب کے بعد عرض کی' مجھ کو بھی خدا پرستوں کے زمرہ میں داخل کیجئے' میں آپ کے ساتھ ہی رہوں گا' فرمایا اسی حالت میں جب کہ ہر چہار جانب سے میری مخالفت کے طوفان اٹھ رہے ہیں' میرے ساتھ کیسے رہ سکتے ہو اس وقت تم وطن واپس جاؤ' میرے ظہور کے بعد پھر چلے آنا۔

وطن کی واپسی:

غرض مشرف باسلام ہونے کے بعد حسب ارشاد نبوی وطن لوٹ گئے' اور آنے جانے

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۶۱۶

Marfat.com

والوں سے برابر حالات کا پتہ چلاتے رہے' اتفاق سے یثرب کے کچھ اشخاص آپ کے یہاں آ گئے' ان سے پوچھا کہ جو شخص مدینہ آیا ہے' اس کا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا کہ لوگ جوق در جوق اس کی طرف ٹوٹ رہے ہیں' اس کی قوم نے تو اس کو قتل کر دینے کا تہیہ کر لیا تھا' مگر قتل نہ کر سکی' اب وہ مدینہ آ گیا ہے۔

ہجرت:

اس خبر کے بعد مدینہ روانہ ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا تعارف کرایا' آپ نے فرمایا' میں نے تم کو پہچان لیا' تم مکہ میں مجھ سے ملے تھے' پھر کچھ صوم و صلوٰۃ کے مسائل وغیرہ دریافت کر کے وہیں مقیم ہو گئے۔[1]

غزوات:

بدر' احد' حدیبیہ اور خیبر کے معرکے وطن کے زمانہ قیام میں ختم ہو چکے تھے' سب سے پہلا غزوہ جس میں ابو رہم شریک ہوئے فتح مکہ ہے۔[2] طائف میں بھی شرکت کا ایک روایت سے پتہ چلتا ہے' ان کا بیان ہے کہ طائف کے محاصرہ میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص خدا کے راستہ میں ایک تیر چلائے گا' اس کے لیے جنت میں ایک دروازہ کھل جائے گا' یہ بشارت سن کر میں نے ۱۶ تیر چلائے۔[3] طائف کے علاوہ اور کسی غزوہ کی شرکت کی تصریح نہیں ملی' لیکن اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھی بعض غزوات میں شرکت کا شرف حاصل کیا۔

وفات:

زمانہ وفات صحت کے ساتھ نہیں بتایا جا سکتا' ارباب سیر قیاساً آخر عہد عثمانی بتاتے ہیں' چنانچہ صاحب اصابہ نے محض اس قیاس پر کہ یہ عہد عثمانی کے فتنوں اور معاویہؓ کے زمانہ میں کہیں نظر نہیں آتے' ان کا زمانہ وفات آخر عہد عثمانی لکھا ہے۔[4] لیکن مسند احمد بن حنبل میں سلیم بن عامر سے ایک روایت ہے کہ امیر معاویہؓ اور رومیوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا' جس کی

---

[1] مسلم جلد ا ص ۳۰۷، ۳۰۸ و مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۱۲ [2] اصابہ جلد ۵ ص ۵ [3] ایضاً ص ۲

[4] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۱۳' یہ روایت ترمذی میں بھی ہے۔

Marfat.com

رو سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک مدت معینہ تک ان پر حملہ نہیں کر سکتے تھے' چنانچہ یہ اس حساب سے حملہ کی تیاریاں کر چلے کہ رومیوں کی سرحد تک پہنچتے پہنچتے میعاد ختم ہو جانے کے ساتھ ہی فوراً حملہ کر دیا جائے' اس وقت حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ پکارتے پھرتے تھے کہ وعدہ وفا کرو' دھوکہ نہ دو۔[1]

اس روایت سے احتمال ہوتا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک زندہ تھے' لیکن اگر صاحب اصابہ کا قیاس صحیح مانا جائے تو یہ واقعہ اس عہد کا ہوگا' جب معاویہ رضی اللہ عنہ عہد عثمانی میں شام کے گورنر تھے' کیوں کہ اس زمانہ میں بھی ان کے اور رومیوں کے درمیان نبرد آزمائیاں ہوتی رہتی تھیں۔

فضل و کمال:

عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کو گو صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ فیضیاب ہونے کا کم موقع ملا' تاہم جو لمحات بھی میسر آئے ان میں خوشہ چینی سے غافل نہ رہے' چنانچہ مدینہ آنے کے اور اپنا تعارف کرانے کے بعد سب سے پہلا سوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی کیا کہ علمنی ما علمک اللہ آپ کو جو خدا نے سکھایا ہے' وہ تھوڑا مجھے بھی سکھایئے' اسی لئے اس قلیل مدت کے باوجود آپ کی ۴۸ روایتیں کتب حدیث میں موجود ہیں۔[2] اور آپ کے رواۃ کے نام حسب ذیل ہیں' عبداللہ بن مسعود' سہیل بن سعد' ابوامامہ باہلی' معدان بن ابی طلحہ' ابو عبداللہ صنابجی' شرحبیل بن سخط وغیرہ۔[3]

---

[1] اصابہ جلد ۵ ص ۲ [2] تہذیب الکمال ص ۲۹۱ [3] تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۶۹

Marfat.com

حضرت ولید بن ولید رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

ولید نام، سلسلہ نسب یہ ہے، ولید بن ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم القرشی، مشہور صحابی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور آپ ایک ہی ماں کے بطن سے تھے۔[1]

بدر کی شرکت اور گرفتاری:

بدر میں مسلمانوں کے خلاف مشرکین کے ساتھ لڑنے نکلے اور شکست کھا کر عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں گرفتار ہوئے، دونوں بھائی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ہشام بن ولید چھڑانے کے لیے آئے، حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے چار ہزار زر فدیہ طلب کیا، خالد رضی اللہ عنہ کو اتنی بڑی رقم دینے میں تردد ہوا، ہشام نے کہا تم کو کیا لاگ ہوگی، تم تو ان کے بھائی ہو نہیں، اگر عبداللہ اس سے بھی زیادہ مانگیں تو بھی چھڑانا ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رہائی کے معاوضہ میں نقد کے بجائے ان کے والد کی زرہ تلوار اور خود طلب کی، مجبوراً یہ قیمت بھی ادا کی، اور گلو خلاصی کے بعد بھائیوں کے ساتھ گھر روانہ ہوگئے، ذوالحلیفہ پہنچ کر بھاگ آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوگئے، دوبارہ جب بھائی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا، جب تم کو سلام ہی لانا تھا تو پھر فدیہ کے قبل کیوں نہ مسلمان ہوگئے، خواہ مخواہ والد کی نشانیاں بھی ضائع ہوگئیں اور کوئی نتیجہ نہ نکلا، کہا اس وقت اس لیے اسلام نہیں لایا کہ میں بھی اپنے قبیلہ کے لوگوں کی طرح فدیہ دے کر آزاد ہونا چاہتا تھا، تاکہ قریش کو یہ طعنہ دینے کا موقع نہ ملے کہ ولید فدیہ کے ڈر سے مسلمان ہوگیا۔

قید محن:

اسلام لانے کے بعد مکہ لوٹ گئے، راستہ میں بھائیوں نے تو کوئی تعرض نہ کیا مگر مکہ پہنچ کر دوسرے بلاکشانِ اسلام کی طرح ان کو بھی قید کر دیا، اور عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ اور سلمہ بن ہشام رضی اللہ عنہ کے ساتھ طوق وسلاسل کی نگرانی میں دن کاٹنے لگے، بدر کے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] استیعاب جلد ۲ ص ۶۱۹

Marfat.com

عیاش اور سلمہ کے لیے دعا فرماتے تھے' بدر کے بعد جب ولید رضی اللہ عنہ قید ہوئے تو ان کے لیے بھی دعا فرمانے لگے۔

قید سے فرار:

عرصہ تک قید محن کی مصیبتیں جھیلتے رہے' ایک دن موقع پا کر نکل بھاگے اور سیدھے مدینہ پہنچے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عیاش اور سلمہ کا حال پوچھا' عرض کیا ان پر بہت سختیاں ہو رہی ہیں' ایک بیڑی میں دونوں کے پیر ڈال دیئے گئے ہیں' فرمایا تم واپس جاؤ' وہاں کا لوہار اسلام قبول کر چکا ہے' اس کے یہاں ٹھہرو اور قریش کی آنکھ بچا کر خفیہ عیاش اور سلمہ کے پاس پہنچو اور ان سے کہو کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرستادہ ہوں میرے ساتھ نکلو۔

ایک کارنامہ:

اس فرمان کے مطابق یہ مکہ پہنچے اور عیاش و سلمہ رضی اللہ عنہما سے مل کر ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام سنا دیا' یہ دونوں نکل کر ساتھ ہو گئے' قریش کو خبر ہوئی تو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو لے کر تعاقب کیا' مگر ناکام رہے اور یہ مختصر قافلہ بخیر و خوبی پہنچ گیا۔[1]

عمرۃ القضا اور خالد رضی اللہ عنہ کا اسلام:

عمرۃ القضا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے خالد رضی اللہ عنہ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے' اس لیے کہیں روپوش ہو گئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا نہ ہو' آپ نے ولید رضی اللہ عنہ سے فرمایا اگر خالد میرے پاس آئے تو میں ان کا اعزاز و اکرام کرتا' مجھ کو سخت تعجب ہے کہ ان کے ایسے زیرک و دانا شخص کے دل میں ابھی تک اسلام کا اثر نہیں ہوا' چنانچہ ولید رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کو خط لکھا' اس خط سے انکا دل اسلام کی طرف مائل ہو گیا اور یہ میلان آئندہ چل کر اسلام کی شکل میں ظاہر ہوا۔[2]

وفات:

وفات کے متعلق دو روایتیں ہیں' ایک یہ کہ جب سلمہ اور ہشام کو چھڑا کر واپس ہو رہے تھے تو مدینہ سے کچھ فاصلہ پر اس قسم کے صدمات پہنچے کہ مدینہ آتے آتے انتقال کر گئے لیکن ارباب سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ عمرۃ القضا میں موجود تھے' علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں

---

[1] ابن سعد جز ۴ ق ا ص ۹۷، ۹۸ و استیعاب ترجمہ ولید بن ولید رضی اللہ عنہ [2] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۹۳

Marfat.com

والصحیح انه شهد مع رسول الله ﷺ عمرة القضاه.[1] اور عمرة القضا ۷ھ کے آخر میں ہوا، اور اس روایت کی رو سے ان کا انتقال عمرۃ القضا سے دو سال پہلے ۵ھ میں ماننا پڑے گا، کیونکہ ۲ھ کے آخر میں ایمان لائے اور اسلام کے بعد ہی بھائیوں نے قید کر دیا، جس کی مدت زیادہ سے زیادہ دو سال ہو گی، رہائی کے بعد فوراً حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ اور ہشام رضی اللہ عنہ کو چھڑانے گئے، یہ کل مدت ۵ھ سے آگے نہیں بڑھتی۔ دو سال حالت کفر کے، ڈیڑھ سال قید کے اور زیادہ سے زیادہ دو چار مہینہ سلمہ رضی اللہ عنہ اور ہشام رضی اللہ عنہ کے چھڑانے وغیرہ میں صرف ہوئے ہوں گے، ان سب کی مجموعی مدت ۵ھ سے آگے نہیں بڑھتی، اس لیے یہ روایت قطعاً غلط ہے، البتہ عمرۃ القضا کے بعد زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہے اور یہ مسلم ہے کہ ۸ھ کے اندر ہی آپ کا انتقال ہو گیا تھا۔[2]

ماں کی بے قراری:

آپ کے انتقال کے وقت آپ کی ماں زندہ تھیں، ان کے دل پر قیامت گزر گئی، یہ دل دوز صدمہ ان کے لیے ناقابل برداشت تھا، اس لیے آنحضرت ﷺ نے ان کو ماتم کرنے کی مخصوص اجازت دے دی تھی، اور وہ نہایت دل دوز لہجہ میں یہ مرثیہ پڑھتی تھیں جس کا ایک شعر یہ ہے:[3]

يا عين فابكي للوليد بن الوليد بن المغيرة

كان الوليد ابن الوليد فتى العشيرة

''اے آنکھو! اس ولید کی یاد پر اشکبار ہو، جو شجاعت اور بہادری میں اپنے باپ کی مثل خاندان کا ہیرو تھا''۔

آنحضرت ﷺ نے سنا تو فرمایا یہ نہ کہو بلکہ قرآن کی یہ آیت تلاوت کرو:

﴿ وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴾ (ق : ۱۹)

''اور موت کی بے ہوشی ضرور آ کر رہے گی اس وقت کہا جائے گا کہ یہ وہ ہے جس سے تو بھاگتا تھا''۔

[1] استیعاب جلد ۲ ص ۶۲۰ [2] ابن سعد جز ۴ ص ۹۸ [3] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۹۸

Marfat.com

حضرت سلمہ بن ہشام رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

سلمہ نام، سلسلہ نسب یہ ہے، سلمہ بن ہشام بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر المخزومی القرشی، ماں کا نام ضباعہ تھا، سلمہ رضی اللہ عنہ مشہور دشمن اسلام ابو جہل کے بھائی تھے۔[1]

اسلام ہجرت اور شدائد:

دعوتِ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت کر کے حبشہ گئے، لیکن کچھ دنوں کے بعد اہل مکہ کے اسلام کی غلط خبر سن کر دوسرے مہاجرین کے ساتھ واپس آ گئے[2] اس خبر کی تردید کے بعد اور لوگ تو واپس چلے گئے، لیکن ان کو ابو جہل نے نہ جانے دیا اور طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانا شروع کیں، کھانا پینا بالکل بند کر دیا، مار پیٹ بھی کرتا تھا، لیکن یہ وہ نشہ نہ تھا جس کو سختی کی تلخی اتار دیتی، اس لیے اس کی تمام کوششیں ناکام ہوئیں۔ ابھی اسلام بھی اتنا قوی نہیں ہوا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ مدد فرماتے، لیکن نماز کے بعد سلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے لیے دعا فرماتے تھے، کہ خدایا ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ کو مشرکین مکہ کی سختیوں سے نجات دلا۔[3]

رہائی اور ہجرت:

ولید رضی اللہ عنہ کے حالات میں ان کے ذریعہ سلمہ رضی اللہ عنہ کی رہائی اور ان کے مدینہ آنے کا واقعہ گزر چکا ہے۔[4]

مغازی:

بدر کا معرکہ ان کی قید کے زمانہ میں ختم ہو چکا تھا، رہائی کے بعد اور تمام لڑائیوں میں

---

[1] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۴۱　[2] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۹۶　[3] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۹۶

[4] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۵۲ و ابن سعد ص ۹۶

Marfat.com

برابر شریک ہوتے رہے' غزوۂ موتہ میں جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پیر اکھڑ گئے تھے' ان میں ایک سلمہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اس ندامت میں انہوں نے باہر نکلنا چھوڑ دیا' جب باہر نکلتے تو لوگ ''فرار'' بھگوڑا کہہ کر طعنہ زنی کرتے تھے[1] لیکن رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ''کرار'' حملہ آور کہہ کر حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔[2]

وفات:

عہد صدیقی میں شام کی فوج کشی میں شریک ہوئے' اسی سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ۱۴ھ میں مرج روم کے معرکہ میں شہید ہو گئے۔[3]

[1] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۴۰

[2] اصابہ جلد ۳ ص ۱۲۰

[3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۵۲

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

عبداللہ نام' ابوسہیل کنیت' سلسلہ نسب یہ ہے' عبداللہ بن سہیل بن عمرو ابن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی' ماں کا نام فاختہ تھا' نانہالی سلسلہ نسب یہ ہے' فاختہ بنت عامر بن نوفل بن عبد مناف بن قصی۔[1]

اسلام وہجرت:

دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے' ہجرت ثانیہ میں مہاجرین کے قافلہ کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ گئے۔[2]

مکہ کی واپسی:

حبشہ سے مکہ واپس آئے' ان کے باپ تبدیل مذہب پر بہت غضبناک تھے' اس لیے قابو پانے کے بعد قید کر کے ارتداد پر مجبور کرنا شروع کر دیا[3] انہوں نے مصلحت وقت کے خیال سے بظاہر ان کا کہنا مان لیا' لیکن دل میں بدستور اسلام کی محبت قائم رہی۔

غزوات:

ہجرت عظمیٰ کے بعد مشرکین مکہ بڑے اہتمام سے مسلمانوں کا استیصال کرنے نکلے عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے والد کے ساتھ مشرکین کے گروہ میں تھے' والد مطمئن تھے کہ اطاعت شعار بیٹا کہنے میں آ گیا' یہ نہ معلوم تھا کہ مذہب کی چنگاریاں اندر ہی اندر سلگ رہی ہیں جو موقع پاتے ہی بھڑک اٹھیں گی' چنانچہ جب جنگ کی تیاریاں شروع ہوئیں تو عبداللہ رضی اللہ عنہ موقع پا کر نکل گئے اور اسلامی فوج میں آ کر شامل ہو گئے' اس وقت والد پر حقیقت حال واضح ہوئی' لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا' اس لیے خاموش رہے اور عبداللہ رضی اللہ عنہ باطمینان مشرکین کے مقابلہ میں نبرد آزما ہوئے۔[4]

---

[1] ابن سعد جزو ۴ ق ا ص ۲۵۵ [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۸۰ [3] ایضاً [4] ابن سعد جز ۳ ق ا ص ۲۹۵

Marfat.com

اس کے بعد احد، خندق اور صلح حدیبیہ وغیرہ میں برابر شریک رہے، فتح مکہ میں جب کفار کی قوتیں ٹوٹ چکیں اور ہمتیں پست ہوگئیں اور ان کے لیے سوائے دامن رحمت کے کوئی جائے پناہ باقی نہ رہی، عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد کا نام بھی مجرموں کی فہرست میں تھا، اب ان کے لیے بجز روپوشی کے کوئی چارہ نہ تھا، اس لیے گھر میں گھس کر اندر سے کواڑے بند کر لیے اور عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہلا بھیجا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے میری جان بخشی کراؤ، ورنہ میں قتل کر دیا جاؤں گا، سعادت مند لڑکا خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے والد کو امان دے دیجیے، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ خدا کی امان میں مامون ہیں، اطمینان سے گھومیں پھریں اور حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم میں جو شخص ان سے ملے تو سختی سے نہ پیش آئے، خدا کی قسم! وہ صاحب عقل و شرف ہیں، ان کے جیسا زیرک آدمی اسلام سے ناواقف نہیں رہ سکتا۔[1]

جنگ یمامہ اور شہادت:

خلافت صدیقی ۱۲ھ میں جنگ یمامہ میں شریک ہوئے، اور جواث کے معرکہ میں شہید ہوئے، اس وقت ان کی عمر کل ۳۸ سال کی تھی، اور ان کے والد سہیل رضی اللہ عنہ زندہ تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر تعزیت فرمائی، اس پر انہوں نے کہا ''میں نے سنا ہے کہ شہید اپنے گھرانے کے ستر آدمیوں کی سفارش کر سکتا ہے، مجھ کو امید ہے کہ میرا شہید لخت جگر میری سفارش کرے گا۔[2]

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۸۱ [2] ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۲۹۶

Marfat.com

حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ دوسی رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

معیقیب نام، نسبی تعلق قبیلہ ازد سے تھا اور بنی عبد شمس کے حلیف تھے۔[1]

اسلام وہجرت:

دعوتِ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں ہجرت کر کے حبشہ گئے، وہاں سے خیبر کے زمانہ میں مدینہ آئے۔[2]

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد تمام لڑائیوں میں شریک ہوتے رہے، بعض روایتوں سے بدر اور بیعت رضوان کی شرکت کا شرف بھی ثابت ہوتا ہے، اس اعتبار سے وہ خیبر سے بھی پہلے مدینہ آچکے تھے، لیکن صحیح روایت یہی ہے کہ خیبر کے بعد مدینہ آئے اور بدر وخیبر میں شریک نہیں ہوئے تھے، ابن سعد نے بھی ان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس زمرہ میں لکھا ہے، جو قدیم الاسلام تو تھے لیکن بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔

عہد شیخین رضی اللہ عنہما:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں خاتم رسالت ان ہی کے پاس رہتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما خاتم بردار کی حیثیت سے ان کا خاص لحاظ کرتے تھے، چنانچہ دونوں بزرگوں کے عہد میں مالیات کا صیغہ ان کے متعلق رہا، اور بیت المال میں خازن کے عہدہ پر ممتاز تھے۔[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان سے بہت محبت تھی، ان کو جذام کی شکایت ہوگئی تھی حضرت عمرؓ نے علاج میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا، جہاں جہاں مشہور اطبا کا پتہ چلتا تھا، بلا کر علاج کراتے تھے، لیکن کوئی فائدہ نہ ہوتا تھا، آخر میں دو یمنی طبیبوں سے علاج کرایا، جس سے مرض تو زائل

---

[1] ابن سعد جزو ۴ ق ا ص ۸۶　[2] استیعاب ج ا ص ۲۹۰　[3] استیعاب جلد ا ص ۲۹۰

Marfat.com

نہیں ہوا البتہ آئندہ بڑھنے کا خطرہ باقی نہ رہا' عموماً لوگ جذامی آدمی کے ساتھ کھانے پینے سے پرہیز کرتے ہیں' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھاتے اور فرماتے کہ یہ طرز عمل تمہارے ساتھ مخصوص ہے۔[1]

عہد عثمانی اور وفات:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی وہی طرز عمل رہا اور غالباً خاتم بردار کا قدیم منصب بھی ان ہی کے سپرد تھا' کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی ان ہی کے ہاتھ سے بیر معونہ میں گری تھی[2] اسی عہد کے آخر میں وفات پائی۔[3]

اولاد:

آپ کی اولادوں میں صرف محمد بن معیقیب رضی اللہ عنہ کا پتہ چلتا ہے' انہوں نے آپ سے روایت بھی کی ہے۔[4]

علمی حالت:

علمی حیثیت سے کوئی ممتاز شخصیت نہ تھی' تاہم نوشت وخواند میں پوری مہارت رکھتے تھے' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اپنی املاک وقف کی تو اس وقف نامہ کی کتابت ان ہی نے کی تھی۔[5] احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خوشہ چین بھی تھے' چنانچہ ان کی متعدد مرویات احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں' ان میں دو متفق علیہ ہیں' اور ایک میں امام مسلم منفرد ہیں۔[6]

---

[1] ابن سعد جزو۴ ق ۱ص ۸۷ [2] مسلم ج ۲ ص ۲۱۴ مطبوعہ مصر

[3] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۴۰۳ [4] تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۲۵۴

[5] ابوداؤد جلد ۲ ص ۹ [6] تہذیب الکمال ص ۳۹۷

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

عبداللہ نام ابوحذیفہ کنیت' سلسلہ نسب یہ ہے' عبداللہ بن حذافہ بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوی قرشی سہمی۔[1]

اسلام وہجرت:

عبداللہ دعوتِ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے' اسلام لانے کے بعد عرصہ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے' پھر مہاجرین کے دوسرے قافلہ کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ گئے۔[2]

سفارت:

۶ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرب وجوار کے سلاطین کے پاس دعوت اسلام کے خطوط بھیجے تو شہنشاہ ایران کے پاس دعوت نامہ لے جانے کی خدمت ان کے سپرد ہوئی کہ اس کو ایرانی گورنر متعینہ بحرین تک پہنچا دیں اور وہ اس کو دربار ایران بھیج دے' انہوں نے اس کو امیر البحرین کے پاس بحفاظت پہنچا دیا۔[3]

مغازی:

بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بدری بتاتے ہیں' لیکن موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحٰق وغیرہ تمام اس کے مخالف ہیں۔

امارت سریہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک سریہ کا امیر بنا کر بھیجا اور ماتحتوں کو ہدایت فرما دی کہ کسی بات میں ان کی عدول حکمی نہ کرنا' منزل مقصود پر پہنچ کر عبداللہ رضی اللہ عنہ کو کسی بات پر غصہ آ گیا اور مجاہدین سے کہا کیا تم لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میری اطاعت کا حکم نہیں دیا ہے'

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۴۲ [2] ایضاً [3] بخاری جلد ۲ کتاب المغازی باب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی کسریٰ وقیصر

Marfat.com

سب نے کہا ہاں دیا ہے' کہا اچھا لکڑیاں جمع کر کے اس میں آگ دے دو اور پھاند پڑو' سب نے لکڑیاں جلائیں اور پھاندنے کو تھے کہ دفعتہً کسی خیال سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے' اور بعض لوگوں نے کہا کہ ہم نے آگ سے بچنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی پیروی کی ہے' اور پھر خود ہی آگ میں کود یں' یہ مباحثہ یہاں تک جاری رہا کہ آگ ٹھنڈی ہوگئی اور اس درمیان میں ان کی آتش غضب بھی سرد پڑ گئی' واپس آ کر سب نے آنحضرت ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا' آپ نے فرمایا' اگر تم لوگ آگ میں گھس گئے ہوتے تو پھر کبھی نہ نکلتے' اطاعت صرف ان ہی چیزوں میں واجب ہے جس کی خدا نے اجازت دی ہے۔[1]

خلفاء کا عہد:

عہد فاروقی میں فتوحاتِ شام میں شریک تھے' سوء اتفاق سے ایک معرکہ میں رومیوں نے گرفتار کر لیا' رومیوں کا قاعدہ تھا کہ جب وہ کسی کے سامنے اپنا مذہب پیش کرتے اور وہ انکار کرتا تو اس کو ایک عظیم الجثہ تانبے کی گائے کے جوف میں جس میں زیتون کا تیل کھولتا ہوتا تھا' ڈال لیتے' چنانچہ انہوں نے ان کے سامنے اپنا مذہب پیش کر کے کہا' اگر تم اس کو نہیں قبول کرو گے تو تم کو گائے پر قربان کر دیا جائے گا' مگر اس سے مطلق خوفزدہ نہ ہوئے' اور قبول مذہب سے انکار کر دیا' ان جلادوں نے ان کی عبرت پذیری کے لیے ایک دوسرے مسلمان قیدی کو بلا کر عیسویت کی دعوت دی' اس نے بھی انکار کیا تو اس کو زیتون کے کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا' وہ کشتۂ حق جل بھن کر کباب ہو گیا' یہ منظر دکھا کر بولے' اگر نہیں قبول کرتے تو تمہارا بھی یہی حشر ہوگا' لیکن جذبہ حق اس سے زیادہ آزمائش کے لیے تیار تھا' پھر انکار کر دیا' حکم ہوا ڈال دو' آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے' رومیوں نے کہا آخر ڈر کر رونے لگے' فرمایا میں اپنے انجام پر نہیں روتا بلکہ اپنی کم مائیگی پر آنکھیں اشکبار ہیں کہ صرف ایک جان خدا کی راہ میں کام آئے گی' کاش ایک جان کے بجائے میرے ہر موئے بدن میں ایک مستقل جان ہوتی اور یہ سب راہ خدا میں نثار ہوتیں' یہ قوت ایمانی دیکھ کر وہ لوگ دنگ رہ گئے اور اس شرط پر رہا کر دینے کے لیے تیار ہو گئے کہ شاہ روم کی پیشانی کا بوسہ دیں' لیکن اس پرستار حق کا لب ایک صلیب

---

[1] بخاری کتاب الاحکام باب السمع والطاعة امام مالم یکن معصیة

Marfat.com

پرست کی بوسہ ستانی سے آلودہ نہیں ہوسکتا تھا' اس سے انکار کیا۔ اس انکار پر انہوں نے مال و دولت اور حسن و رعنائی کے سبز باغ دکھائے' آپ نے ان دل فریبیوں کو بھی نہایت حقارت سے ٹھکرا دیا' آخر میں ان سے کہا' اگر میری پیشانی کو چوم لو تو تمام مسلمان قیدی چھوڑ دیے جائیں گے' مسلمانوں کی جان سب سے زیادہ عزیز تھی' اس لیے اس پر آمادہ ہو گئے اور ایک بوسہ کے صلہ میں اسی مسلمانوں کی گراں بہا جانیں بچ گئیں' جب واپس آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرط مسرت سے ان کی پیشانی چوم لی' بعض صحابہ رضی اللہ عنہم آپ سے مزاحاً کہتے کہ تم نے ایک بے دین کی پیشانی کا بوسہ دیا' جواب دیتے ہاں چوما' لیکن اس کے بدلہ میں اسی مسلمانوں کی جانیں بچ گئیں۔[1]

وفات:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مصر میں وفات پائی۔[2]

نسب کی تحقیق:

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جلال کی حالت میں فرمایا کہ تم لوگوں کو پوچھنا ہو پوچھو' اس وقت جو بات پوچھو گے بتاؤں گا' آپ نے اٹھ کر پوچھا میرا باپ کون ہے' فرمایا' حذیفہ! آپ کی ماں نے سنا تو کہا کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنا خطرناک سوال کیا تھا' اگر خدانخواستہ وہ کچھ اور بتاتے تو میں سب کے سامنے رسوا ہوتی' جواب دیا کہ میں نسب کی تحقیق کرنا چاہتا تھا۔[3]

فضل و کمال:

آپ سے متعدد حدیثیں مروی ہیں' ان میں سے ایک بخاری میں بھی ہے' آپ سے روایت کرنے والوں میں ابو وائل' سلیمان اور ابن یسار قابل ذکر ہیں۔[4]

---

1. اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۴۳ 2. استیعاب جلد ۱ ص ۳۵۷
3. بخاری کتاب الفتن و ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۳۹ 4. تہذیب الکمال ص ۱۹۴

Marfat.com

حضرت حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

حجاج نام' ابو محمد کنیت' سلسلہ نسب یہ ہے' حجاج بن علاط بن خالد بن نویرہ ابن خشر بن ہلال بن عبید بن ظرف بن سعد بن عمرو بن بہز بن امراؤ القیس بن بہثہ بن سلیم ابن منصور سلمی۔[1]

اسلام:

حجاج رضی اللہ عنہ خیبر کے قبل مشرف باسلام ہوئے' اسلام کا محرک یہ واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ چند ساتھیوں کے ساتھ مکہ جا رہے تھے' راستہ میں ایک بھیانک وادی میں رات ہوگئی اس لیے سب لوگ وہیں شب باش ہوگئے' حجاج رضی اللہ عنہ سب کی پاسبانی کرنے لگے' اتنے میں کوئی شخص یہ تلاوت کرتا سنائی دیا:

﴿ یَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطَانٍ ﴾ (رحمٰن)

''اے جن وانس کے گروہ! اگر تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ اور تم بغیر سلطان کے نہ نکل سکو گے''۔

مکہ پہنچے تو یہ واقعہ قریش سے بیان کیا' انہوں نے کہا معلوم ہوتا ہے تم بھی بے دین ہوگئے' یہ تو وہی کلام ہے' جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زعم میں ان کے اوپر نازل ہوتا ہے' حجاج رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کی تصدیق اپنے ہمراہیوں سے کرائی اور مدینہ آکر مشرف باسلام ہوگئے۔[2]

ہجرت:

ان کی بیوی مکہ میں رہتی تھیں اور کل مال ومتاع بھی وہیں تھا' اسلام لانے کے بعد کل اثاثہ مدینہ منتقل کرنے کی ضرورت ہوئی' ورنہ مشرکین کا دست تظلم دراز ہو جاتا' لیکن وہ لوگ مشتبہ ہو چکے تھے' آسانی سے لانا بھی ممکن نہ تھا' اس لیے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

[1] اسد الغابہ ج ا ص ۳۰۸　[2] استیعاب جلد ا ص ۱۳۲

Marfat.com

ایک تدبیر کی اجازت مانگی' آپ نے مصلحتاً دے دی' یہ اجازت لے کر مکہ گئے قریش نے آنحضرت ﷺ کے حالات دریافت کرنا شروع کیے' انہوں نے کہا محمد (ﷺ) نے بہت سخت شکست کھائی' ان کے تمام ساتھی مارے گئے وہ خود گرفتار کر لیے گئے ہیں اور عنقریب تم لوگوں کے سامنے لا کر قتل کیے جائیں گے' قریش کے لیے اس سے بڑھ کر مژدہ کیا ہو سکتا تھا' آن کی آن میں یہ خبر تمام شہر میں پھیل گئی اس طرح مشرکین کو خوش کر کے کہا محمد (ﷺ) ساز و سامان فروخت ہو رہا ہے میں چاہتا ہوں کہ تاجروں کے پہنچنے کے قبل خرید لوں' مکہ میں لوگوں پر میرا قرض ہے' اگر تم لوگ کوشش کرو تو آسانی سے وصول ہو سکتا ہے' سب اس ''کار خیر'' کے لیے تیار ہو گئے اور کوشش کر کے کل بقایا وصول کرا دیا' اس کے بعد گھر کا کل اندوختہ لیا' حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے کانوں تک یہ خبر پہنچی تو ان کو اس قدر صدمہ ہوا کہ خود واقعہ کی تحقیق کے لیے بھی نہ آ سکے اور ایک لڑکے کی زبان بلا بھیجا' حجاج رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور ان کو تخلیہ میں لے جا کر اصل واقعہ سنایا کہ میں نے روپیہ وصول ہو جانے کے لیے یہ خبر مشہور کی تھی' میں خود مشرف باسلام ہو چکا ہوں' اگر اہل مکہ کو اس کی خبر ہو جاتی تو ایک حبہ بھی نہ دیتے' آنحضرت ﷺ خدا کے فضل سے بالکل محفوظ ہیں' خیبر کا میدان بھی مسلمانوں کے ہاتھ رہا اور آنحضرت ﷺ حیی بن اخطب رئیس خیبر کی لڑکی کے ساتھ ایام عروسی بسر کر رہے ہیں' لیکن جب تک میں ان کی زد سے نہ نکل جاؤں' اس وقت تک اس راز کو کسی پر نہ ظاہر کرنا' چنانچہ تین دن تک حضرت عباس رضی اللہ عنہ بالکل خاموش رہے' چوتھے دن جب اطمینان ہو گیا کہ حجاج اہل مکہ کی دسترس سے باہر ہو گئے تو کپڑے بدل کر حجاج کے مکان پر گئے اور ان کی بیوی سے واقعہ بیان کیا' پھر مسجد میں آئے' یہاں بھی وہی تذکرہ تھا' آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر فتح کر لیا' حیی بن اخطب کی لڑکی ان کی زوجیت میں آئی' ابن ابی حقیق سرداران یثرب کی گردنیں اڑا دی گئیں اور حجاج اپنا مال و متاع لے کر روانہ ہو گئے' لوگوں نے پوچھا تم نے کس سے سنا؟ فرمایا حجاج سے۔ ان لوگوں نے ان کی بیوی سے تحقیق کیا تو واقعہ سچ نکلا' اس کے پانچویں دن مدینہ سے بھی خبریں آ گئیں' لیکن اب کیا ہو سکتا تھا' حجاج قابو سے نکل چکے تھے' اس لیے خاموش ہو گئے[1]

---

[1] ابن سعد جزو ۴ قسم ۲ ص ۱۴، ۱۵

Marfat.com

غزوات:

خیبر کے کچھ ہی دنوں پہلے مشرف باسلام ہوئے' اس لیے سب سے پہلے اسی غزوہ میں شریک ہوئے' فتح مکہ کے زمانہ میں مدینہ سے باہر تھے' آنحضرت ﷺ نے حملہ کا ارادہ کیا تو ان کو بلوا بھیجا۔[1]

تعمیر مکان و مسجد:

حجاج دولت مند تھے' اور اپنا کل اثاثہ مکہ سے لے آئے تھے' چنانچہ مدینہ میں اپنا ذاتی مکان بنوایا اور ایک مسجد تعمیر کرائی۔[2]

وفات:

وفات کے بارے میں دو روایتیں ہیں' ایک یہ کہ عہد فاروقی کی ابتدا میں وفات پائی' اور دوسری یہ کہ جنگ جمل میں کام آئے' لیکن پہلی روایت زیادہ مستند ہے' جنگ جمل میں یہ خود نہیں بلکہ ان کے لڑکے معرض قتل ہوئے تھے۔[3]

تمول:

حجاج رضی اللہ عنہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں مال و دولت کے لحاظ سے ممتاز تھے' اور بنو سلیم کی کانیں ان ہی کی ملکیت میں تھیں۔[4]

اولاد:

حجاج رضی اللہ عنہ کے متعدد اولادیں تھیں' ایک معرض جو جنگ جمل میں کام آئے اور دوسرے غصر' یہ اس قدر حسین تھے کہ اکثر عورتیں ان پر شیفتہ ہو جاتی تھیں' اسی خطرہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو مدینہ سے بصرہ منتقل کر دیا تھا۔[5]

---

[1] ابن سعد جز ۴ ص ۱۵ — [2] اصابہ جلد ۱ ص ۳۲۷

[3] ایضاً ص ۳۲۷ — [4] استیعاب جلد ۱ ص ۱۳۲

[5] اصابہ جلد ۶ ص ۲۶۰

Marfat.com

حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

نضلہ نام' ابو برزہ کنیت' سلسلہ یہ ہے' نضلہ بن عبداللہ بن حارث ابن حبال بن ربیعہ بن دعبل بن انس بن خزیمہ بن مالک بن سلامان بن اسلم بن افصی اسلمی۔

اسلام وغزوات:

دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اسلام لائے' اسلام کے بعد جس قدر غزوات ہوئے سب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔[1] فتح مکہ میں خون کا ایک قطرہ نہیں گرا تھا' اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دشمنان اسلام کے لیے عفو ودرگزر کا اعلان فرما دیا تھا' چند معاندین جن کا عناد اور جن کی سرکشی حد سے بڑھی ہوئی تھی البتہ اس سے مستثنیٰ تھے' اور ان کا خون ہدر کر دیا گیا تھا' ان میں ایک عبداللہ بن خطل تھا' یہ پہلے اسلام لا چکا تھا' مگر اپنے ایک مسلمان خادم کو قتل کر دیا' اور اسلامی عدالت کے قانون قصاص سے ڈر کر پھر مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا (زرقانی فتح مکہ) اس کی دو طوائفیں تھیں جو بازاروں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو گاتی پھرتی تھیں[2] اس لیے جب مکہ فتح ہوا تو امان کے لیے خانہ کعبہ کا غلاف پکڑ کر لٹک گیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے کہا کہ وہ کعبہ کے غلاف کی پناہ میں ہے' آپ نے فرمایا اس کو قتل کر دو' آقا کا اشارہ پاتے ہی ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا۔[3]

ابو برزہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھر مدینہ میں رہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بصرہ میں رہنے لگے' جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے' نہروان میں خارجیوں کا مقابلہ کیا' پھر خراسان کی فتوحات میں مجاہدانہ شریک ہوئے۔[4]

وفات:

زمانہ وفات میں اختلاف ہے' بعض ۶۰ھ اور بعض ۶۵ھ بتاتے ہیں' دوسری

---

[1] ابن سعد جلد ۱ص ۴ [2] ابوداؤد کتاب الجہاد فی قتل الاسیر صبرا [3] ایضاً [4] اصابہ جلد ۶ تذکرہ نضلہ

Marfat.com

روایت زیادہ صحیح ہے کیونکہ مروان اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے ہنگاموں تک زندہ تھے اور کہتے پھرتے تھے کہ یہ سب دنیا کے لیے جھگڑتے ہیں۔[1] وفات کے بعد ایک لڑکا مغیرہ یادگار چھوڑا۔

فضل وکمال:

ابو برزہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ کی صحبت سے فیضیاب ہونے کا کافی موقع ملا اس لیے احادیث نبوی ﷺ کی متعدد بہ تعداد ان کے حافظہ میں محفوظ تھی ان کی مرویات کی مجموعی تعداد ۶۴ ہے۔ ان میں سے ۲۷ متفق علیہ ہیں ان کے علاوہ ۲ میں بخاری اور ۴ میں مسلم منفرد ہیں۔[2]

ان کے تلامذہ کی تعداد بھی کافی ہے ذیل کے نام قابل ذکر ہیں۔

مغیرہ ابو منہال ریاحی ارزق بن قیس ابو عثمان نہدی ابو العالیہ ریاحی کنانہ ابن نعیم ابو الزراع رابسی ابو الوضی سعید بن عبداللہ ابو السوار عدوی ابو طالوت عبدالسلام وغیرہ۔[3]

زہد وعفاف:

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ میں زہد وعفاف کا رنگ بہت نمایاں تھا نہ کبھی بیش قیمت کپڑا پہنا اور نہ گھوڑے پر سوار ہوئے گیروے رنگ کے دو کپڑوں سے ستر پوشی کرتے تھے ان کے ایک معاصر عائذ بن عمر رضی اللہ عنہ بیش قیمت کپڑا بھی پہنتے اور گھوڑے پر بھی سوار ہوتے تھے۔ ایک شخص نے ان دونوں کے درمیان پھوٹ ڈلوانے کے خیال سے عائذ رضی اللہ عنہ سے آ کر کہا ابو برزہ کو دیکھئے وہ لباس اور وضع قطع میں بھی آپ کی مخالفت کرتے ہیں آپ خز (ایک بیش قیمت کپڑا) استعمال کرتے ہیں اور گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں اور وہ ان دونوں چیزوں سے احتراز کرتے ہیں لیکن صحابہ کی اخوت لباس اور طرزِ معاشرت کے اختلاف سے بلند تھی جواب دیا خدا ابو برزہ پر رحم کرے آج ہم میں ان کا رتبہ کا کون ہے یہاں سے مایوس ہو کر یہ شخص ابو برزہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور ان سے کہا عائذ کو دیکھئے آپ کی وضع تک ان کو ناپسند ہے گھوڑ سواری میں ہے خز کا لباس زیب تن ہے مگر یہاں بھی وہی جواب ملا کہ خدا عائذ پر رحم کرے ہم میں ان کا ہم رتبہ کون ہے؟[4]

---

1. اصابہ جلد ۶ تذکرہ حضرت نضلہ 2. تہذیب الکمال ص ۴۰۶
3. تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۴۴۶ 4. ابن سعد ق ۱ جز ۷ ص ۳۵

Marfat.com

مسکین نوازی:

مسکین نوازی ان کا خاص شعار تھا' صبح وشام معمولاً فقراء ومساکین کو کھانا کھلاتے تھے' حسن بن حکیم اپنی ماں کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ ابو برزہ (رضی اللہ عنہ) ایک کاسہ ثرید (ایک قسم کا عربوں کا مرغوب کھانا) صبح اور ایک کاسہ شام بیواؤں' یتیموں اور مساکین کو کھلاتے ہیں۔[1]

احترام نبوت:

ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی قسم کا طنز وتمسخر برداشت نہیں کر سکتے تھے' عبیداللہ ابن زیاد کو حوض کوثر کے متعلق کچھ پوچھنا تھا' اس نے لوگوں سے پوچھا' حوض کوثر کے متعلق کون بتا سکتا ہے' انہوں نے ابو برزہ کا نام لیا' عبیداللہ نے ان کو بلا بھیجا یہ گئے' اس نے آتے دیکھا تو بہ سبیل استہزاء کہا کہ تمہارے یہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے برہمی سے جواب دیا' خدا کا شکر ہے کہ میں ایسے زمانہ تک زندہ رہا جس میں شرف صحبت پر عار دلایا جاتا ہے' اور اس برہمی کی حالت میں تخت پر بیٹھ گئے' عبیداللہ نے اپنا سوال پیش کیا' انہوں نے جواب دیا کہ جو شخص اس (حوض کوثر) کو جھٹلائے گا' وہ نہ اس کے پاس جانے پائے گا اور نہ خدا اس کو اس سے سیراب کرے گا یہ کہا اور اٹھ کے چلے آئے۔[2]

---

[1] ابن سعد قسم اوّل جز ۷ ص ۳۵

[2] ابن سعد قسم اوّل جز ۷ ص ۳۵

Marfat.com

حضرت ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

ہشام نام' ابو معیط کنیت' سلسلہ نسب یہ ہے' ہشام بن عاص بن وائل ابن ہاشم بن سعید بن سہم قرشی اموی' مشہور صحابی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر کے چھوٹے بھائی تھے۔[1]

اسلام وہجرت:

خوش بختی اور بد بختی عمر کے تفاوت پر منحصر نہیں' گو ہشام رضی اللہ عنہ عمرو بن العاصؓ سے عمر میں چھوٹے تھے' لیکن ان کی قسمت ان سے زیادہ اور ان کا بخت ان سے زیادہ بیدار تھا' چنانچہ عمرو بن العاصؓ جب کفر کی ضلالت میں گھرے ہوئے تھے' اس وقت ہشامؓ کی پیشانی پر اسلام کا نور چمک رہا تھا' اسلام کے بعد مہاجر قافلہ کے ساتھ حبشہ گئے' کچھ دنوں رہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی خبر سن کر مکہ واپس آئے' یہاں سے پھر مدینہ کا قصد کیا' لیکن باپ اور اہل خاندان نے قید کر دیا' عرصہ تک محصور رہے' غزوہ خندق کے بعد موقع ملا تو مدینہ آئے۔[2]

غزوات:

بدر' احد اور خندق وغیرہ کی لڑائیاں ان کے ایام اسیری میں ختم ہو چکی تھیں' البتہ خندق کے بعد جتنے معرکے پیش آئے سب میں داد شجاعت دی۔[3]

عہد خلفاء:

ہشامؓ اس خاندان کے ممبر تھے' جو سپہ سالاری کے عہدۂ جلیل کا حامل اور اپنی شجاعت وشہامت میں ممتاز تھا' اس لیے تلواروں کی چھاؤں میں ان کی نشوونما ہوئی تھی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کی تلوار کے جوہر چمکے' پھر عہد فاروقی میں شام کی مہم میں شریک ہوئے' ایک ہی دو معرکوں کے بعد اجنادین کا معرکہ پیش آیا' اس میں قبقلاء اور تذارق رومی سپہ سالار ایک لشکر جرار کے ساتھ اجنادین میں مسلمانوں کے

---

[1] استیعاب جلد ۲ ص ۶۱۱' کنیت اصابہ میں ہے۔ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۴۰ [3] ایضاً

Marfat.com

مقابلہ میں آئے، جمادی الاولیٰ ۱۳ھ میں دونوں کا سخت مقابلہ ہوا[1] مسلمانوں میں کچھ کمزوری پیدا ہو چلی تھی، ہشام رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو جوش میں آ کر سر سے خود اتار کر پھینک دی اور للکار کر بولے مسلمانو! یہ غیر مختون تلوار کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے، جو میں کرتا ہوں وہی تم کرو، یہ کہہ کر رومیوں کی صفیں چیرتے ہوئے قلب لشکر میں گھستے چلے گئے اور مسلمانوں کو غیرت دلاتے جاتے تھے کہ مسلمانو! میں عاص بن وائل کا بیٹا ہشام ہوں میرے ساتھ آؤ، تم لوگ جنت سے بھاگتے ہو اسی طرح للکارتے، شجاعت اور بہادری سے لڑتے مارتے شہید ہو گئے[2] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہادت کا علم ہوا تو فرمایا خدا ان پر اپنی رحمت نازل کرے، اسلام کے بہترین مددگار تھے۔[3]

ہشام رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ایک مرتبہ چند قریشی خانہ کعبہ کے عقب میں بیٹھے ہوئے تھے، کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ طواف کرتے ہوئے گزرے، ان کو دیکھ کر لوگوں نے آپس میں سوال کیا کہ ہشام افضل تھے یا عمرو بن العاص، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس کو سن لیا، طواف ختم کرنے کے بعد آ کر پوچھا، تم لوگ کیا باتیں کرتے تھے، انہوں نے کہا ''تمہارا اور تمہارے بھائی کا مقابلہ کر رہے تھے کہ دونوں میں کون افضل ہے'' کہا میں تم کو ایک واقعہ سناتا ہوں اس سے فضیلت کا اندازہ ہو جائے گا، ہم اور وہ دونوں یرموک کی جنگ میں شریک ہوئے اور رات بھر شہادت کے لیے دست بدعا رہے، صبح ہوئی تو ان کی دعا کا ثمرہ مل گیا اور میری دعا نا مقبول ہوئی، اس سے تم فضیلت کا اندازہ کر لو۔[4]

فضائل:

اسلام کی پختگی کا آخری درجہ ایمان ہے، ہشام رضی اللہ عنہ کا اسلام اسی درجہ میں تھا، خود زبان نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ ابن العاص مومنان یعنی هشام و عمر رضی اللہ عنہما[5]

---

[1] ابن اثیر جلد ۲ ص ۳۲۰ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۴۰، شہادت کا تذکرہ ابن اثیر جلد ۲ و فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۰ میں بھی ہے۔ [3] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۴۳ [4] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۴۱ اس روایت میں اجنادین کے بجائے یرموک کا نام ہے، غالباً راوی سے سہو ہو گیا ہے، یا ان دونوں لڑائیوں کی قربت کی وجہ سے خود عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو التباس ہو گیا ورنہ اجنادین میں ان کی شہادت طے شدہ ہے۔ [5] مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۵۳۔

Marfat.com

حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

قدامہ نام' ابو عمر کنیت' سلسلہ نسب یہ ہے' قدامہ بن مظعون بن حبیب بن وہیب بن حذافہ بن جمح القرشی الجمحی۔ قدامہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی تھے۔[1]

اسلام وہجرت:

دعوت اسلام کے آغاز میں دولت اسلام سے بہرور ہوئے اور اپنے بھائی عثمان اور عبداللہ کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ گئے۔[2]

مغازی:

پھر حبشہ سے مدینہ آئے' اور سب سے پہلے غزوۂ بدر میں شرکت کا شرف حاصل کیا اور احد وخندق وغیرہ میں شریک ہوتے رہے۔[3]

بحرین کی گورنری:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں قدامہ رضی اللہ عنہ کو بحرین کا گورنر مقرر کیا' اسی زمانہ میں ان پر شراب نوشی کی حد جاری ہوئی' گو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے انہوں نے اس جرم کا اقرار نہیں کیا' اور بدری صحابی ہونے کی حیثیت سے ان کا بیان لائق اعتماد تھا' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک شہادت سے جرم ثابت ہو گیا تھا' اس لیے آپ نے حد جاری کی' اس کا واقعہ یہ ہے' ایک مرتبہ جارود' بنو عبد قیس کا سردار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس قدامہ رضی اللہ عنہ کی شراب نوشی کی شکایت لے کر آیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا' تمہارے علاوہ اور کون شاہد ہے' عرض کیا ابو ہریرہ' ان کو بلا کر پوچھا' انہوں نے شراب پیتے ہوئے تو نہیں دیکھا' البتہ نشہ میں قے کرتے ہوئے دیکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا' صرف اتنی شہادت سے جرم نہیں ثابت ہوتا'

[1] استیعاب جلد ۲ ص ۵۴۸ [2] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۱۹۸ [3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۷۹

Marfat.com

مزید تحقیقات کے لیے قدامہ رضی اللہ عنہ کو بحرین سے طلب کیا' جب وہ آئے تو جارود نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر حد جاری کرنے کا مطالبہ کیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم شاہد ہو یا فریق؟ کہا شاہد' فرمایا بس شہادت کا فرض ادا کر چکے' اب تم خاموش رہو' تیسری مرتبہ پھر جارود نے قسم دلا کر حد کا مطالبہ کیا' اس اصرار پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شبہ ہوا' آپ نے فرمایا تم اپنی زبان قابو میں رکھو' ورنہ مجھ کو تنبیہ کرنی پڑے گی' جارود نے کہا عمر! یہ انصاف سے بعید ہے کہ تمہارا ابن عم شراب پیے اور تم الٹے میری تنبیہ کرو' حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اگر آپ کو شک ہو تو قدامہ کی بیوی کو بلا کر پوچھ لیجئے' چنانچہ آپ نے ان کی بیوی ہند کو بلا کر شہادت طلب کی' انہوں نے ابو ہریرہؓ کی تصدیق کی' اس پر عدل فاروقی جوش میں آ گیا' اور فرمایا قدامہ! حد کے لیے تیار ہو جاؤ' قدامہؓ نے کہا' اگر بالفرض میں نے ان لوگوں کی شہادت کے بموجب شراب پی بھی ہے تو آپ کو اجرائے حد کا حق نہیں ہے' فرمایا کیوں؟ عرض کیا خدا فرماتا ہے:

﴿ لیس علی الذین امنوا و عملو الصلحت جناح فیما طعموا اذا ما اتقوا و امنوا و عملوا الصلحت ﴾ (مائدہ : ۱۱)

''جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو جو کچھ انہوں نے (تحریم کے قبل) کھایا اس پر کوئی گناہ نہیں ہے' جبکہ انہوں نے پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کیے''۔

فرمایا تم تاویل میں غلطی کر رہے ہو' اگر تم خدا سے ڈرتے تو قطعی حرام چیز حرام چیزوں سے احتراز کرتے' اس وقت حضرت قدامہ رضی اللہ عنہ بیمار تھے' اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے مشورہ سے کچھ دنوں کے لیے حد کا اجرا ملتوی کر دیا' لیکن اثبات جرم کے بعد اجرائے حد میں تاخیر آپ کے لیے بار تھی' اس لیے لوگوں سے مشورہ کیا' اس مرتبہ بھی سب نے التوا کا مشورہ دیا' فرمایا مجھ کو یہ زیادہ پسند ہے کہ وہ کوڑوں کے نیچے خدا سے ملیں' بہ نسبت اس کے کہ میں خدا سے ملوں' اور ان کا باری میری گردن پر ہو' غرض اسی بیماری کی حالت میں حد جاری کی' اور قدامہؓ سے تعلقات منقطع کر لیے' کچھ دنوں کے بعد دونوں نے ساتھ حج کیا' لوٹتے وقت ایک مقام پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھ لگ گئی' خواب میں آپ کو قدامہ رضی اللہ عنہ سے صفائی کرنے کی ہدایت ہوئی' بیدار ہوتے ہی قدامہؓ کو بلوایا' مگر انہوں نے ملنے سے انکار کر دیا دوسری مرتبہ

Marfat.com

پھر آدمی بھیجا کہ اگر آسانی سے نہ آئیں تو زبردستی لایا جائے' چنانچہ وہ آئے اور آپ نے خود گفتگو کی ابتدا کی اور پھر بدستور تعلقات قائم ہو گئے۔[1]

وفات:

عمر کے ۶۸ مرحلے طے کرنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ۳۶ھ میں وفات پائی۔[2]

اہل وعیال:

آپ کے تین بیویاں اور ایک لونڈی تھی' جن سے حسب ذیل اولادیں ہوئیں۔

نام بیوی	نام اولاد
ہند بنت ولید	عمر' فاطمہ
فاطمہ بنت ابی سفیان	عائشہ
صفیہ بنت خطاب	رملہ
ام ولد	حفصہ

---

[1] استیعاب جلد ۲ ص ۴۸

[2] اصابہ جلد ۵ ص ۲۳۴

Marfat.com

حضرت ابو احمد بن جحش رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

عبد نام' ابو احمد کنیت' سلسلہ نسب یہ ہے' عبد بن جحش بن رئاب بن یعمر بن جبیر ابن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر'ان کی والدہ امیمہ عبدالمطلب کی بیٹی تھیں' اور یہ ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے حقیقی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔[1]

اسلام وہجرت:

وہ اپنے بھائی عبداللہ اور عبیداللہ کے ساتھ دعوتِ اسلام کے آغاز یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں پناہ گزین ہونے کے قبل مشرف باسلام ہوئے' اور بھائیوں ہی کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے' اور مبشر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے گھر مہمان ہوئے۔[2]

ابوسفیان کی شرارت:

مکہ میں ایک جماعت تھی' جس کا مقصد صرف اسلام کو نقصان پہنچانا اور مسلمانوں کو اذیت دینا تھا' ابوسفیان اور ابوجہل اس کے سرغنہ تھے' ابو احمدؓ ہجرت کے بعد ان کے قابو سے باہر ہو چکے تھے' اس لیے براہِ راست ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں کر سکتے تھے' چنانچہ انہوں نے ان کا گھر ابن علقمہ عامری کے ہاتھ بیچ ڈالا' فتح مکہ میں جب مسلمان فاتحانہ مکہ میں داخل ہوئے' اور دشمنانِ اسلام کی قوتیں ٹوٹ گئیں' اس وقت ابو احمد رضی اللہ عنہ نے سب کے سامنے اپنے مکان کا مطالبہ کیا' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے چپکے سے کچھ کہلا دیا' انہوں نے ابو احمد رضی اللہ عنہ کے کان میں جا کر کہہ دیا' اس کے بعد پھر آخر دم تک انہوں نے مکان کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا' بعد کو ان کی اولاد سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

---

[1] ابن سعد ج۴ ق۱ ص۷۶ [2] ایضاً

Marfat.com

عثمان رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے کہلایا تھا کہ تم اس سے مکان کو جانے دو اور اس کے عوض میں تم کو خلد بریں میں قصر ملے گا۔[1]

وفات:

سنہ وفات صحیح طور پر متعین نہیں کیا جا سکتا' لیکن ۲۰ھ سے قبل وفات پا چکے تھے' کیونکہ ان کی بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ۲۰ھ میں ہوا اور یہ ان کی زندگی میں وفات پا چکے تھے۔[2]

ازواج واولاد:

اولاد کوئی نہ تھی' گھر میں تنہا بیوی تھیں' ایک مرتبہ عتبہ بن ربیعہ' عباس بن مطلب اور ابوجہل ادھر سے گزرے' رفاعہ کو تنہا دیکھ کر عتبہ نے ٹھنڈی سانس لی کہ افسوس آج بنی جحش کے گھر میں کوئی رہنے والا تک نہیں' ابوجہل جو اپنی کینہ پروری کا ہر جگہ ثبوت دیتا تھا' بولا ان پر روتے کیا ہو یہ سب ہمارے بھتیجے کا کیا دھرا ہے' ان ہی نے ہمارا شیرازہ درہم برہم کیا۔[3]

فضل وکمال:

شاعری قریش کا طغرائے کمال تھا' حضرت ابواحمد رضی اللہ عنہ بھی شاعر تھے' چنانچہ ابوسفیان نے ان کا گھر بیچا تو انہوں نے ایک منظوم شکایت لکھی' جس کے دو شعر یہ ہیں۔[4]

اقطعت عقدک بیننا   والجاریات الی ندامہ

دار ابن عمک بعتھا   تشری بھا عنک الندامہ

---

[1] ابن سعد جز ۴ قسم ۱ ص ۷۶   [2] استیعاب جلد ۲ ص ۶۴۱

[3] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۳۴   [4] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۷۶

Marfat.com

حضرت عمرو بن سعید بن العاص الاکبر رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

عمرو نام' ابو عقبہ کنیت' سلسلہ نسب یہ ہے' عمرو بن سعید بن العاص بن امیہ بن عبد شمس القرشی الاموی' ماں کا نام صفیہ تھا' قبیلہ بنو مخزوم سے تعلق رکھتی تھیں' حضرت عمرو رضی اللہ عنہ' خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پھوپھی زاد بھائی تھے[1]

اسلام و ہجرت:

ان کے گھر میں سب سے پہلے ان کے بھائی خالد بن سعید مشرف باسلام ہوئے[2] ان کے کچھ دنوں کے بعد عمرو دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے' تیسرے بھائی ابان نے جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے' دونوں بھائیوں کے اسلام پر اشعار میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا اس کا ایک شعر یہ ہے[3]

الا لیت میتا بالظریبة شاهد لما یفتری فی الدین عمرو و خالد

ان تینوں کے والد مقام ظریبہ میں دفن تھے' ان کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے

"کاش ظریبہ کا مرنے والا دیکھتا کہ عمرو اور خالد نے دین میں کیا افترا پردازی کی ہے"۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے بھی اس کا جواب نظم میں دیا' جس کا آخر شعر یہ ہے

فدع عنک میتا قد مضی بسبیله و اقبل علی الحق الذی هو اظهر

"اب اس مرنے والے کا تذکرہ چھوڑ دو جو اپنا راستہ لے چکا اور اس حق کی طرف آؤ جس کا حق ہونا بالکل عیاں ہے"۔

عمرو بن سعیدؓ نے اپنے بھائی خالدؓ کی ہجرت کے دو سال بعد ہجرت ثانیہ میں مع اپنی

---

1. اسد الغابہ جلد ۴ ص ۱۰۶ 2. ایضاً 3. اصابہ جلد ۴ ص ۳۰۰

Marfat.com

بیوی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور وہاں سے مسلمانوں کے قافلہ کے ساتھ کشتی کے ذریعہ سے غزوہ خیبر کے دوران میں مدینہ آئے۔[1]

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد فتح مکہ، حنین، طائف اور تبوک وغیرہ تمام غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔[2]

امارت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ کے مغربی مقامات تبوک، خیبر اور فدک وغیرہ کا عامل مقرر کیا۔[3] جہاں وہ حیات نبوی تک اپنے خدمات نہایت جانفشانی سے انجام دیتے رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر وفات سن کر وہاں سے واپس ہوئے۔ واپسی کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم سے زیادہ امارت کا کون مستحق ہو سکتا ہے[4] اور دوبارہ واپس جانے کی خواہش کی، لیکن آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عامل نہ بنیں گے۔[5]

فتوحاتِ شام اور وفات:

امارت سے واپسی کے کچھ ہی دنوں بعد شام پر فوج کشی کی تیاریاں شروع ہوئیں، عمرو رضی اللہ عنہ بھی اس میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور ۱۳ھ میں اجنادین کے معرکہ میں نہایت جوش وخروش سے لڑے، جب مسلمانوں کے پیروں میں ذرا بھی لغزش ہوتی یہ للکار کر ثبات واستقلال پر آمادہ کرتے، ایک مرتبہ جوش میں آ کر کہا کہ میں اپنے ساتھیوں کا میدان جنگ میں پلہ کمزور نہیں دیکھ سکتا، اب میں خود گھستا ہوں یہ کہہ کر دشمنوں کے قلب میں گھستے ہوئے چلے گئے اور بڑی بے جگری سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، شہادت کے بعد دیکھا گیا تو سارا بدن زخموں سے چھلنی ہو گیا تھا، شمار کرنے پر تیس سے زیادہ زخم جسم پر نکلے۔[6]

---

[1] ابن سعد جزو۴ق اص ۷۳ [2] استیعاب جلد ۲ ص ۴۴۱

[3] ایضاً ص ۴۲۲ [4] اصابہ جلد ۴ ص ۳۰۱

[5] استیعاب جلد اص ۱۵۵ [6] اس واقعہ کی تفصیل اصابہ جلد ۴ ص ۳۰۱ سے ماخوذ ہے۔ لیکن شہادت کا تذکرہ فتوح البلدان بلاذری، فتح اجنادین میں ہے۔

Marfat.com

حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

عوف نام' ابو عباد کنیت' سلسلہ نسب یہ ہے' مسطح بن اثاثہ بن عباد بن مطلب ابن عبد مناف بن قصی قرشی مطلبی' عوف رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے۔[1]

اسلام وغزوات:

مسطح رضی اللہ عنہ بہت ابتدا میں مشرف باسلام ہوئے' البتہ ہجرت کا وقت متعین نہیں ہے' لیکن بدر کے قبل ہجرت کر کے مدینہ آ چکے تھے' اور بدر میں شریک تھے' بدر کے بعد اور غزوات میں بھی ان کی شرکت کا پتہ چلتا ہے' چنانچہ غزوہ بنو مصطلق جس میں افک کا واقعہ پیش آیا' یہ شریک تھے' اور اس فتنہ میں ان کا دامن بھی محفوظ نہ رہ سکا' جب منافقین نے یہ واقعہ مشہور کیا تو بعض صحابہ بھی ان کے دام فریب میں آ گئے' اور ان میں ایک مسطح رضی اللہ عنہ بھی تھے جنگ سے واپسی کے بعد انہوں نے یہ واقعہ اپنی ماں سے بیان کیا' وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور کسی بات پر مسطح رضی اللہ عنہ کو بددعا دی' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا تم بدری صحابی کو بددعا دیتی ہو' انہوں نے کہا تم کو نہیں معلوم' ان لوگوں نے افترا پردازی کا سب سے پہلے انہی کے ذریعہ سے علم ہوا' مسطح رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے' اس لیے وہ ان سے مسلوک ہوتے رہتے تھے' جب انہوں نے افک کے واقعہ میں شرکت کی اور قرآن پاک نے اس کو افترا قرار دیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی امداد کرنا بند کر دی اور فرمایا کہ اب مسطح پر ایک حبہ نہیں خرچ کروں گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی

﴿ ولا یاتل اولوا الفضل منکم و السعة ان یوتوا اولی القربیٰ والمسٰکین والمهاجرین فی سبیل الله و لیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر الله لکم

[1] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۵۴　[2] بخاری جلد ۱ ص ۳۶۴، ۳۶۵

Marfat.com

والله غفور رحیم ﴾ (نور: ۲)

''تم میں سے جو لوگ صاحب فضیل اور صاحب مقدرت ہیں، وہ قرابت والوں محتاجوں اور مہاجرین فی سبیل اللہ کو (مدد نہ دینے کی) قسم نہ کھائیں اور چاہیے کہ معاف کر دیں، اور درگزر کریں، مسلمانو! کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مدد کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت کے نزول کے بعد، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بدستور ان کی خبر گیری کرنے لگے[1] لیکن چونکہ ایک محصنہ پر تہمت لگائی تھی اور اس کی سزا قرآن نے یہ تجویز کی تھی

﴿ والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعة شهداء فاجلد وهم ثمانین جلدة ﴾ (نور: ۲)

''یعنی جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور چار گواہ نہ لاسکیں تو ان کو اس کوڑے لگاؤ''۔

اس لیے دوسرے لوگوں کے ساتھ ان پر بھی حد جاری ہوئی۔[2]

وفات:

زمانہ وفات میں اختلاف ہے، بعض روایتوں سے ۳۴ھ عہد عثمانی میں وفات ثابت ہوتی ہے اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد تک زندہ تھے، اور جنگ صفین میں ان کی حمایت میں لڑے اور اسی سال ۳۷ھ میں انتقال فرمایا، وفات کے وقت ۵۶ سال کی عمر تھی[3] آخری روایت زیادہ مستند ہے۔

---

[1] بخاری جلد ا ص ۳۶۴، ۳۶۵ [2] اسد الغابہ ج ۴ ص ۳۵۵ [3] ایضاً

Marfat.com

حضرت مرثد بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

مرثد نام، سلسلہ نسب یہ ہے، مرثد بن کناز بن حصین بن یربوع بن جہینہ بن سعد بن طریف بن خرشہ بن عبید بن سعد بن عوف بن کعب بن جلاں بن غنم بن یحییٰ بن یعصر بن سعد ابن قیس عیلان بن مضر۔[1]

اسلام وہجرت:

مرثد رضی اللہ عنہ بہت ابتدا میں مکہ میں مشرف باسلام ہوئے اور بدر کے قبل ہجرت کر کے مدینہ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس بن صامت رضی اللہ عنہ سے مواخات کرادی۔[2]

بدر:

سلسلہ غزوات کے سب سے پہلے غزوۂ بدر میں شریک ہوئے، میدانِ جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو بہ پہلو سبل نامی گھوڑے پر سوار دادِ شجاعت دے رہے تھے۔[3]

نزول آیۃ:

زمانہ جاہلیت میں مکہ کی عناق نامی ایک طوائف سے تعلقات تھے، تحریم زنا کے بعد قطع تعلق کر لیا، مرثدؓ نہایت قوی اور بہادر آدمی تھے، اس لیے قیدیوں کو مکہ سے مدینہ لے جانے کی خدمات ان ہی کے سپرد تھی، اس سلسلہ میں ایک مرتبہ مکہ جانے کا اتفاق ہوا، چاندنی رات میں ایک گلی سے گزر رہے تھے، اتفاق سے عناق کی نظر پڑ گئی، اس نے آواز دی، یہ رک گئے، اس نے اپنے مخصوص دلربائی کے انداز میں بڑی خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہا، اور شب باشی کی خواہش کی، فرمایا عناق! اب خدا نے زنا حرام کر دیا ہے، اس کو اس خشک جواب پر غصہ آ گیا اور لوگوں سے کہہ دیا کہ مرثد یہاں کے قیدی مدینہ لے جاتے ہیں، چنانچہ آٹھ آدمیوں نے ان کا تعاقب

---

[1] ابن سعد جز ۳ قسم ۱ ص ۳۲ [2] استیعاب جلد ۱ ص ۲۷۴ [3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۲۱

Marfat.com

کیا، مگر یہ ایک محفوظ مقام پر چھپ گئے اور جب وہ لوگ تلاش کر کے واپس ہو گئے تو مدینہ کا راستہ لیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! عناق سے میرا نکاح کر دیجئے، آپ نے کوئی جواب نہیں دیا، اور اس کے بعد یہ حکم نازل ہوا۔[1]

﴿ اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً وَالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُھَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ وَ حُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ (نور: ۳)

"بدکردار مرد بدکردار عورت یا مشرکہ سے نکاح کرے گا اور بدکردار عورت کو بدکار مرد یا مشرک کے سوا کوئی نکاح میں نہ لائے گا اور ایمان والوں پر یہ حرام ہے"۔

شہادت:

بنو عضل وقارہ نے اسلام لانے کے بعد آنحضرت ﷺ سے مذہبی تعلیم کے لیے چند معلم بھیجنے کی درخواست کی تھی، آپ نے ان کی درخواست پر باختلاف روایت حضرت مرثد رضی اللہ عنہ یا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی زیر امارت ایک جماعت بھیجی، یہ لوگ مقام رجیع تک پہنچے تھے کہ بنو ہذیل اچانک ننگی تلواریں لیے ہوئے آ گئے اور کہا ہمارا مقصد تمہارا خون بہانا نہیں ہے، بلکہ تمہارے بدلہ میں اہل مکہ سے روپیہ حاصل کرنا چاہتے ہیں اور تمہاری حفاظت جان کا عہد کرتے ہیں، حضرت مرثد، خالد اور عاصم رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہم مشرکین سے کسی قسم کا عہد کرنا نہیں چاہتے اور تینوں نے لڑ کر جان دی۔[2]

فضل وکمال:

فضل وکمال کے ثبوت کے لیے یہ واقعہ کافی ہے کہ مذہبی تعلیم کے لیے آنحضرت ﷺ نے ان کا انتخاب فرمایا تھا، چونکہ آنحضرت ﷺ کی حیات میں انتقال کر گئے، اس لیے ان کے علمی جوہر کھلنے نہ پائے، تاہم ان کی روایت سے حدیث کی کتابیں یکسر خالی نہیں ہیں۔[3]

---

[1] یہ واقعہ استیعاب جلد ا ص ۲۷۴ میں مفصل اور ابوداؤد جلد ا ص ۲۰۳ میں مجمل مذکور ہے، ابن جریر نے اس آیۃ کے نزول کے سلسلہ میں منجملہ اور واقعات کے یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے۔

[2] ابن سعد حصہ مغازی ص ۳۹ [3] تہذیب الکمال ص ۳۷۲

Marfat.com

حضرت ابورہم غفاری رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

کلثوم نام، ابورہم کنیت "منحور" لقب، سلسلہ نسب یہ ہے، کلثوم بن حصین بن خالد بن عسعس بن زید بن عمیس بن احمس بن غفار۔[1]

اسلام:

آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔

غزوۂ احد:

سب سے پہلے احد میں شریک ہوئے اور ایک تیر سینہ پر کھا کر نشان امتیاز حاصل کیا، آنحضرت ﷺ نے زخم پر لعاب دہن لگایا تھا، اور سینہ کو "نحر" کہتے ہیں، اس مناسبت سے لوگ ان کو "منحور" کہنے لگے۔[2]

صلح حدیبیہ میں بھی آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے، اور بیعت رضوان میں شرف بیعت حاصل کیا۔[3]

اس کے بعد غزوہ خیبر میں شریک ہوئے، اور مال غنیمت میں سے آنحضرت ﷺ نے ان کو دوہرا حصہ دیا۔[4]

فتح مکہ میں شریک نہ ہو سکے تھے، لیکن اس میں اس سے بھی بڑا یہ شرف حال ہوا کہ جب آنحضرت ﷺ فتح مکہ کے لیے نکلے تو مدینہ میں ان کو اپنا قائم مقام بنا گئے اس کے علاوہ عمرۃ القضا میں بھی یہ شرف حاصل ہوا تھا۔[5]

---

[1] اصابہ جلد ۷ ص ۶۸ [2] ابن سعد جز ۴ ق اص ۱۸۰ [3] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۹

[4] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۹۶ [5] استیعاب جلد ۲ ص ۶۶۸

Marfat.com

طائف کے محاصرہ میں شریک تھے' واپسی کے وقت یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپسی کے بعد جعرانہ کی طرف چلے تو ابورہم رضی اللہ عنہ کی اونٹنی آپ کی اونٹنی سے بھڑ گئی اوران کے جوتے کا کنارہ ران مبارک سے رگڑ کھا گیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خراش سے تکلیف ہوئی' آپ نے ان کے پاؤں کو کوڑے سے کونچ کر فرمایا پاؤں ہٹاؤ' میری ران میں خراش آ گئی' ابورہم رضی اللہ عنہ بہت خوفزدہ ہوئے کہ مبادا وحی کے ذریعہ اس گستاخی کی تنبیہ نہ ہو' صبح کو جب قافلہ جعرانہ پہنچ کر خیمہ زن ہوا تو ابورہم رضی اللہ عنہ حسب معمول اونٹ چرانے نکل گئے' مگر دل میں یہ خطرہ لگا رہا' اس لیے واپس آتے ہی لوگوں سے دریافت کیا تو بظاہر اس خطرہ کی صحت کے آثار نظر آئے' معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد فرمایا تھا' چنانچہ یہ ڈرتے ڈرتے حاضر خدمت ہوئے لیکن یہ قیصر وکسریٰ کی شہنشاہی نہ تھی' جس میں ادنیٰ گستاخی بھی سخت ترین پاداش کا مستحق بنا دیتی ہے' بلکہ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے لطف وکرم کا دربار تھا' جس میں آقا غلام' مالک اور مملوک کا کوئی امتیاز نہیں اور جس کی تعزیرات میں غیظ وغضب' سزا اور انتقام سے زیادہ لطف وترحم کی دفعات ہیں' چنانچہ جب یہ پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ تم نے مجھ کو تکلیف پہنچائی تھی' اس کے بدلہ میں میں نے تمہارے پیر کو کوڑے سے ہٹایا تھا' اب اس کے عوض میں یہ بکریاں انعام میں لو' حضرت ابورہم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت کی رضا مندی میرے لیے دنیا و مافیہا سے بہتر تھی۔[1]

غزوہ تبوک میں شریک ہوئے اور اپنے ساتھ اپنے اور بہت سے قبیلہ والوں کو شریک کیا' اس غزوہ میں عرب میں ایسا قحط اور ایسی شدت کی گرمی تھی کہ لوگوں کا گھروں سے نکلنا دشوار تھا' اور منافقین مسلمانوں کو شرکت جنگ سے منع کرتے تھے' اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے لیے خاص اہتمام کی ضرورت پیش آئی' چنانچہ جب ابورہم رضی اللہ عنہ نے حسب معمول دوسرے غزوات کی طرح اس میں بھی شرکت کے لیے تیاریاں شروع کیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تم جا کر اپنے قبیلہ والوں کو جنگ پر آمادہ کرو' اس ارشاد کی تعمیل میں انہوں نے قبیلہ غفار کے بہت سے لوگوں کو شرکت پر آمادہ کر دیا' اوران کے معتد بہ تعداد اس غزوہ میں شریک ہوئی۔[2]

---

[1] ابن سعد جز ۴ قسم ۱ ص ۱۸۰ [2] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۸۰

Marfat.com

اتفاق سے اس مرتبہ بھی واپسی میں ان کی سواری آنحضرت ﷺ کی سواری کے پہلو میں تھی، رات کا وقت تھا' بار بار غنودگی طاری ہو جاتی تھی' اس لیے آنحضرت ﷺ کی سواری سے بھڑ جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا تھا' اس لیے جہاں ایسا موقع آتا وہ فوراً اپنی سواری ہٹا لیتے۔[1]

وفات:

وفات کے بارہ میں ارباب سیر خاموش ہیں۔

فضل وکمال:

آپ سے دو حدیثیں مروی ہیں۔[2]

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۸۰

[2] تہذیب الکمال ص ۳۲۱

Marfat.com

حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

عمرو نام' ابوامیہ کنیت' سلسلہ نسب یہ ہے' عمرو بن امیہ بن خویلد بن عبداللہ ابن ایاس بن عبید بن ناشرہ بن کعب بن جدی بن حمزہ بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ کنانی۔[1]

اسلام:

بدر اور احد کی لڑائیوں میں مشرکین کے ساتھ تھے' اور مسلمانوں کے خلاف نہایت شجاعت اور پامردی سے لڑے' لیکن بدر واحد کے معرکوں میں جو شخص مسلمانوں کے خون سے پیاس بجھانے آیا تھا' وہ احد کے بعد اسلام کے سرچشمہ ایمان سے سیراب ہو گیا۔[2]

بیر معونہ:

اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے بیر معونہ میں شریک ہوئے' اس کا واقعہ یہ ہے کہ ۴ھ میں ابو براء قبیلہ کلاب کے رئیس نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ آپ کچھ مسلمان ہمارے قبیلہ میں دعوت اسلام کے لیے بھیجیے' آپ نے فرمایا مجھ کو نجد والوں کی طرف سے خطرہ ہے' لیکن اس کی ضمانت کے بعد ستر آدمیوں کی جماعت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں بھیج دی' ان لوگوں نے بیر معونہ پہنچ کر قیام کیا اور حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آنحضرت ﷺ کا دعوت نامہ عامر بن طفیل کے پاس بھجوا دیا' اس نے ان کو قتل کر دیا' اور عصیہ' رعل اور ذکوان وغیرہ کے قبائل میں منادی کرا دی' یہ سب جمع ہو گئے' یہاں جب حرام کی واپسی میں دیر ہوئی تو مسلمان ان کی تلاش میں نکلے' لیکن آگے بڑھ کر رعل و ذکوان وغیرہ کا سامنا ہو گیا ان سب نے مل کر مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کی پوری جماعت تہ تیغ کر دی' صرف حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کو عامر بن طفیل نے یہ کہہ کر کہ "میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے

---

[1] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۸۶ [2] استیعاب جلد ۲ ص ۴۴۳

Marfat.com

کی نذر تھی' چھوڑ دیا' اور نشان ذلت کے طور پر پیشانی کے بال تراش لیے' یہ واپس ہو رہے تھے کہ راستہ میں دو کلابی شخص ملے' ان دونوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امان دے دی تھی' لیکن عمرو رضی اللہ عنہ کو معلوم نہ تھا' اس لیے دونوں کو قصاص میں قتل کر دیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ کو بہت صدمہ ہوا' اور دونوں کی دیت ادا کی۔[1]

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کی سفارت اور نجاشی کا اسلام:

۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نجاشی کے پاس دعوت اسلام کا خط لے جانے پر مامور کیا' اس خط میں دعوت اسلام کے علاوہ مہاجرین کی میزبانی کی سفارش اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا (جو اس وقت مہاجرین حبش کے ساتھ حبشہ میں موجود تھیں) کے ساتھ نکاح کا پیام بھی تھا' اس دعوت نامہ کے اثر سے نجاشی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نکاح کا پیام دیا' اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وکیل بنا اور نکاح کے بعد آپ کی طرف سے چار سو دینار مہر معجّل ادا کیا۔[2]

ایک سریہ:

اس سفارت کے بعد ابوسفیان کی ایک شرارت کا بدلہ لینے کی خدمت سپرد ہوئی' اس کا واقعہ یہ ہے کہ ابوسفیان قریش کے کچھ لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل پر آمادہ کر رہا تھا' ایک اعرابی نے اس کا بیڑا اٹھایا اور ابوسفیان نے ضروری سامان مہیا کر دیا' وہ مدینہ پہنچا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف رکھتے تھے' یہ بھی وہیں پہنچا' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نیت تاڑ گئے' فرمایا کہ یہ کوئی فریب کرنا چاہتا ہے' اعرابی حملہ کرنے ہی والا تھا کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے جھپٹ کر دبوچ لیا' اعرابی کے ازار سے خنجر گرا' جرم کھلا ہوا تھا' کسی شاہد کی ضرورت نہ تھی' لیکن رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف کر دیا' اس نے پورا پورا واقعہ سنایا' چونکہ اس جرم کا اصل بانی ابوسفیان تھا اور اس کے بدولت اہل مدینہ اور قریش کی دائمی جنگ کی سی حالت قائم تھی' اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ اور سلمہ بن اسلم کو اس غرض سے بھیجا کہ اگر موقع ملے تو اس فتنہ کے بانی کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا جائے' یہ دونوں بزرگ مکہ پہنچے' لیکن معاویہ نے خانہ

---

[1] ابن سعد حصہ مغازی ص ۳۶ [2] طبری ص ۱۵۶۹، ۱۵۷۰

Marfat.com

کعبہ کا طواف کرتے ہوئے ان کو دیکھ لیا اور قریش کو خبر کر دی' ان لوگوں نے کہا' ان کا آنا بے سبب نہیں ہے اور یہ کوئی نہ کوئی حرکت ضرور کریں گے ان لوگوں نے جب دیکھا کہ راز فاش ہو گیا تو مکہ سے نکل گئے' راستہ میں عبداللہ بن مالک اور بنو ہذیل کا ایک آدمی ملا' عمرو رضی اللہ عنہ نے عبداللہ کا اور سلمہ نے دوسرے شخص کا کام تمام کر دیا' اس کے بعد قریش کے دو جاسوس ملے جو انہیں کی تلاش میں پھر رہے تھے' ان دونوں بزرگوں نے ان میں سے بھی ایک کو قتل کر دیا' اور ایک کو پکڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔[1]

وفات:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخری عہد امارت ۶۰ھ کے قبل مدینہ میں وفات پائی۔[2]

اولاد:

جعفر' عبداللہ اور فضل تین لڑکے یادگار تھے۔[3]

فضل وکمال:

فضل وکمال میں گو کوئی ممتاز حیثیت نہ تھی' تاہم ان کی ۲۰ روایات حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں' تلامذہ میں ذیل کے نام ہیں' عبداللہ' جعفر' فضل' زبرقان' شعبی' ابو سلمہ بن عبدالرحمن' ابو قلابہ' جرمی اور ابو المہاجر۔[4]

عام حالات:

شجاعت وشہامت اور جرأت ودلیری میں عرب کے ممتاز لوگوں میں تھے[5] اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہم امور کی تکمیل ان کے سپرد فرماتے تھے۔[6]

---

1. ابن سعد جز ۲ ق ۱ ص ۶۸ 2. تہذیب الکمال ص ۲۸۷ 3. تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۶
4. تہذیب الکمال ص ۲۸۷ 5. تہذیب التہذیب حوالہ مذکور 6. اسد الغابہ جلد ۴ ص ۱۸۶

Marfat.com

حضرت ابان بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

ابان نام' سلسلہ نسب یہ ہے' ابان بن سعید بن العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی القرشی الاموی' ماں کا نام ہند بنت مغیرہ تھا' اس کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں عبد مناف پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا تھا۔[1]

زمانہ جاہلیت:

اسلام لانے کے قبل ابان رضی اللہ عنہ بھی دوسرے اہل خاندان کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے سخت خلاف تھے' چنانچہ جب ان کے بھائی خالد اور عمرو مشرف باسلام ہوئے تو انہوں نے اشعار میں اظہار ناراضگی کیا[2] جس کا ایک شعر یہ ہے:

الا لیت میتا بالظریبہ شاھد　　لما یفتری فی الدین عمرو و خالد

"کاش ظریبہ میں موت کی نیند سونے والا دیکھتا کہ عمرو اور خالد نے دین میں کیا افترا کیا ہے"۔

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے خلافت مشرکین کی حمایت میں اپنے بھائی عبیدہ اور عاص کے ساتھ لڑنے نکلے' عبیدہ اور عاص مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے' لیکن ابان بچ کر نکل گئے۔[3]

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش کے پاس صلح کی گفت وشنید کے لیے بھیجا تو وہ ابان رضی اللہ عنہ ہی کے یہاں مہمان ہوئے تھے' کیوں کہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عزیز تھے' اور ان ہی نے ان کی حفاظت کی ذمہ داری لی تھی۔[4]

---

[1] اسد الغابہ جلد اص ۳۵　[2] ایضاً

[3] اصابہ جلد اص ۱۰　[4] استیعاب جلد اص ۳۵

Marfat.com

ایک راہب سے گفتگو:

گو وہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف تھے تاہم اصل حقیقت کی جستجو رہتی تھی' اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بارہ میں واقف کاروں سے پوچھا کرتے تھے' اس وقت شام اصحاب علم وخبر کا مرکز تھا' یہ تجارت کے سلسلہ میں وہاں جایا کرتے تھے' ایک مرتبہ ایک راہب سے کہا میں قبیلہ قریش سے تعلق رکھتا ہوں' اسی قبیلہ کا ایک شخص اپنے کو خدا کا فرستادہ ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ کو بھی خدا نے عیسیٰ اور موسیٰ علیہما السلام کی طرح نبی بنا کر بھیجا ہے' راہب نے نام پوچھا' انہوں نے کہا محمد (ﷺ)' راہب نے صحف آسمانی کی رو سے نبی مبعوث کا سن اور نسب وغیرہ بتایا' ابان رضی اللہ عنہ نے کہا یہ تمام باتیں تو اس شخص میں موجود ہیں' راہب نے کہا تو خدا کی قسم! وہ شخص عرب پر اقتدار حاصل کرنے کے بعد تمام دنیا پر چھا جائے گا' تم واپس جانا تو خدا کے اس نیک بندے تک میرا اسلام پہنچا دینا' چنانچہ ابان رضی اللہ عنہ جب واپس ہوئے تو رنگ بدل چکا تھا' اور اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ وہ پرخاش باقی نہ رہی۔[1]

اسلام وہجرت:

کچھ دنوں تک آبائی مذہب کی لاج اور ہم چشموں کی طعنہ زنی کے خیال سے خاموش رہے لیکن زیادہ دنوں تک جذبہ حق نہ دب سکا اور خیبر سے قبل مشرف باسلام ہو گئے[2] اور غالباً اسلام کے بعد ہی ہجرت کی سعادت بھی حاصل کی۔

غزوات:

اسلام لانے کے بعد ہی آنحضرت ﷺ نے ایک سریہ کا امیر بنا کر نجد روانہ کیا' وہاں سے کامیاب ہو کر واپس ہوئے تو خیبر فتح ہو چکا تھا' اسی وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی مہاجرین حبش کے ساتھ واپس ہوئے تھے' دونوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ خیبر کے مال غنیمت سے کچھ ہم لوگوں کو بھی مرحمت ہو' ان میں اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں پہلے سے کچھ چشمک تھی' انہوں نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ)! ان لوگوں کو نہ دیجئے' ابان رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا بولے پہاڑ کی بھیڑی اتری وہ بھی بولی! آنحضرت ﷺ نے دونوں کو خاموش کیا۔[3]

---

[1] اسد الغابہ جلد اص ۳۶ [2] استیعاب جلد اص ۳۵ [3] بخاری جلد ۲ کتاب المغازی غزوۂ خیبر میں دو مختلف قسم کی روایتیں ہیں ہم نے دونوں کی تطبیق کی کوشش کی ہے۔

Marfat.com

نجد کی مہم کے علاوہ ان کو دوسرے سریوں کی امارت بھی عطا کی گئی۔

بحری کی امارت:

علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو بحرین کے بری اور بحری دونوں حصوں کا عامل مقرر کیا' آپ کی وفات تک یہ اپنے فرائض ذمہ داری سے انجام دیتے رہے' وفات کی خبر سن کر وہاں سے واپس ہوئے۔[1]

خلافت صدیقی:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت عام کے بعد قریش کے جو چند افراد کچھ دنوں تک ان کی بیعت سے دست کش رہے تھے' ان میں ایک ابان رضی اللہ عنہ بھی تھے' لیکن جب بنو ہاشم نے بیعت کر لی' تو ان کو بھی کوئی عذر نہ ہوا' صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کے کسی عامل کو معزول نہیں کیا تھا' ابان رضی اللہ عنہ بھی آپ کے مقرر کردہ عامل تھے' اس لیے ان سے دوبارہ واپس جانے کی خواہش کی' لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں آنحضرت ﷺ کے بعد کسی کا پیش کردہ عہدہ قبول نہیں کر سکتا' بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ دنوں تک اس عہد پر قائم نہیں رہے اور خلیفہ اول کے اصرار پر یمن کی گورنری قبول کر لی۔[2]

وفات:

زمانہ وفات میں بہت اختلاف ہے' بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آخر عہد خلافت میں جنگ اجنادین میں شہادت پائی' ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ جنگ یرموک میں شہید ہوئے' ایک اور روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک زندہ تھے' اور مصحف عثمانی ان ہی کی نگرانی میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کاتب وحی نے لکھا تھا' لیکن ان سب میں مستند تر اجنادین کی شہادت کی روایت ہے چنانچہ مصعب زبیر اور دوسرے نسابوں کا بھی یہی خیال ہے۔[3]

---

[1] استیعاب جلد ا ص ۳۰ [2] اسد الغابہ جلد ا ص ۳۷ [3] استیعاب جلد ا ص ۳۶

Marfat.com

حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

نعیم نام' ابوسلمہ کنیت' نسب نامہ یہ ہے' نعیم بن مسعود بن عامر بن انیف بن ثعلبہ ابن قنفذ بن حلاوہ بن سبیع بن بکر بن اشجع بن ریث بن غطفان غطفانی اشجعی۔

قبل اسلام:

غزوہ احزاب ۵ھ میں اپنے قبیلہ کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کو نکلے نعیم رضی اللہ عنہ اس وقت آبائی مذہب پر تھے' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قدیم شناسائی کی بنا پر ان کا دل اسلام سے متاثر تھا' غزوہ احزاب میں یہ اثر پورے طور پر نمایاں ہوگیا۔

چنانچہ ایک دن کسی کو اطلاع دیئے بغیر مغرب وعشاء کے درمیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' اس وقت آپ نماز میں مشغول تھے' اس سے فارغ ہونے کے بعد ان کو دیکھا' پوچھا کیسے آئے ہو؟ عرض کیا حلقہ بگوش ہونے آیا ہوں' جو خدمت میرے قابل ہو اس کے لیے حاضر ہوں' فرمایا اگر ان قبائل (احزاب کا اجتماع) کو کسی طرح ہٹا سکتے ہو تو ہٹانے کی کوشش کرو' گو عرب کے ٹڈی دل قبائل کا منتشر کرنا آسان نہ تھا' اس لیے نعیم نے ان میں پھوٹ ڈلوادی' پہلے بنوقریظہ کے پاس گئے اور کہا قریش اور غطفان کا کوئی اعتبار نہیں' اگر موقع ملا تو وہ مسلمانوں سے لڑیں گے ورنہ واپس چلے جائیں گے' تم لوگوں کو ہمیشہ مسلمانوں کے ساتھ رہنا ہے' اس لیے تم درمیان پڑ کر خواہ مخواہ کیوں جھگڑا خریدتے ہو' اگر تم کو قریش کا ساتھ ہی دینا ہے تو ان کے کچھ آدمی ضمانت کے طور پر اپنے یہاں رکھ لو کہ وہ کسی قسم کی بدعہدی نہ کر سکیں' ان لوگوں نے یہ مشورہ قبول کیا' اس کے بعد ابوسفیان کے پاس گئے اور کہا بنوقریظہ مسلمانوں کے ساتھ کشیدگی پر بہت نادم ہیں اور ان سے ازسرنو تعلقات خوشگوار بنانا چاہتے ہیں' چنانچہ انہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس کہلا بھیجا ہے کہ ہم قریش اور غطفان کے ستر آدمی عنقریب تمہارے پاس معاون و مددگار رہیں گے' اس لیے میرا دوستانہ مشورہ ہے کہ تم ان کے دام فریب میں نہ آؤ' اگر وہ ضمانت وغیرہ میں کچھ آدمی مانگیں تو ہرگز نہ دو' اس کے بعد اپنے قبیلہ غطفان کو بھی یہی مشورہ دیا' یہ خود اس قبیلہ کے آدمی تھے' اس لیے سب نے متفقہ

Marfat.com

ان کی تائید کی۔

اس کے بعد بنو قریظہ نے ابوسفیان کے پاس آدمی بھیجا کہ ہم کو خطرہ ہے کہ تم لوگ ہم کو چھوڑ کر محمد (ﷺ) کا ساتھ دو گے' اس لیے ہم اس وقت محمد (ﷺ) سے لڑنے میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتے' جب تک ہمارے اطمینان کے لیے ستر آدمی ضمانت کے طور پر ہمارے یہاں نہ بھیج دو' ابوسفیان نے کہا نعیم کا کہنا سچ تھا' اس کے بعد غطفان کے پاس بھی یہی پیام بھیجا' لیکن سب نے آدمی دینے سے انکار کر دیا اور کہا ہم آدمی تو نہیں دے سکتے اگر یقین نہیں ہے تو ہم سے الگ ہو کر تم خود مسلمانوں سے مقابلہ کرو' یہودیوں نے کہا توراۃ کی قسم نعیم کا کہنا بالکل سچ تھا' غرض اس کے بعد کسی کو ایک دوسرے پر اعتبار نہیں رہا' اور آپس میں پھوٹ پڑ گئی۔[1]

اتفاق سے اسی دوران میں ہوا کا ایسا طوفان آیا کہ خیموں کی طنابیں اکھڑ اکھڑ گئیں اور چولھوں پر سے ہانڈیاں الٹ گئیں' غرض کچھ نا اتفاقی اور کچھ موسم کی خرابی کی وجہ سے سب نے اپنی اپنی راہ لی اور نعیم رضی اللہ عنہ کی کارکردگی سے کفار کے بادل ہوا بن کر اڑ گئے۔

ہجرت:

اس غزوہ کے بعد ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔[2]

غزوات:

غزوہ احزاب کے بعد دوسرے غزوات میں بھی شریک ہوتے رہے غزوہ تبوک میں اپنے قبیلہ کو ابھار کر لائے' پھر فتح مکہ کے لیے بنو اشجع کو آمادہ کرنے کے لیے گئے۔[3]

وفات:

وفات کے بارہ میں دو روایتیں ہیں' ایک یہ کہ جنگ جمل میں کام آئے' دوسری یہ کہ اسی عہد میں وفات پائی۔[4]

فضل وکمال:

فضل وکمال کے اعتبار سے کوئی قابل ذکر مرتبہ نہ تھا' تاہم ان کے صاحبزادے سلمہ نے ان سے روایتیں کی ہیں۔[5]

---

[1] ابن سعد جز ۴ ق ۲ ص ۲۰، ۲۱ [2] ایضاً [3] ایضاً

[4] استیعاب ج اوّل ص ۳۱۲ و اصابہ تذکرہ نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ [5] تہذیب الکمال ص ۴۰۳

Marfat.com

حضرت واقد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

واقد نام' والد کا نام عبداللہ تھا' سلسلہ نسب یہ ہے' واقد بن عبداللہ بن عبد مناف ابن عرین بن ثعلبہ بن یربوع بن حنظلہ بن مالک بن زید مناۃ بن تمیم تمیمی حنظلی۔

اسلام وہجرت:

دعوت کے آغاز یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں پناہ گزین ہونے کے قبل مشرف باسلام ہوئے' اور اذن ہجرت کے بعد وطن چھوڑ کر مدینہ کی غربت اختیار کی اور رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غربت کی اجنبیت دور کرنے کے لیے ان میں اور بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ میں مواخاۃ کرادی۔[1]

غزوات:

ہجرت عظمیٰ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے سریہ مقام نخلہ میں عبداللہ ابن جحش رضی اللہ عنہ کی زیر امارت قریش کی نقل وحرکت کا پتہ چلانے کے لیے بھیجا' اس میں حضرت واقد رضی اللہ عنہ بھی تھے' ان لوگوں نے منزل مقصود پر پہنچ کر قیام کیا' ابھی یہ لوگ پہنچے ہی تھے کہ قریش کا قافلہ ادھر سے آنکلا' مسلمانوں نے حملہ کرنے کا مشورہ کیا' لیکن رجب کا مہینہ تھا جس میں عرب میں خونریزی حرام تھی' اس لیے سب ابتدا کرتے ہوئے جھجکتے تھے' لیکن حضرت واقد رضی اللہ عنہ نے ہمت کر کے عمرو بن حضرمی کو تیر کا نشانہ بنادیا' مکہ والوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کہلا بھیجی کہ تم لوگ بھی شہر حرام کی حرمت کرتے ہو اور اس میں خونریزی کرنا برا سمجھتے ہو' پھر تمہارے آدمی نے ہمارے ایک آدمی کا خون کیوں بہایا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔[2]

﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ

[1] ابن سعد ج ۳ ق ا ص ۲۸۴ [2] تفسیر ابن جریر جلد ۲ ص ۱۹۴

Marfat.com

اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهٖ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ﴾ (بقرہ : ٢٦)

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! مشرکین تم سے شہر حرام میں لڑائی کے متعلق پوچھتے ہیں ان سے کہہ دو کہ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے لیکن خدا کی راہ سے روکنا اور لوگوں کو مسجد حرام میں نہ جانے دینا اور اس مسجد میں عبادت کرنے والوں کو نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور فساد برپا کرنا قتل سے بڑھ کر ہے''۔

سریہ نخلہ میں ایک مشرک کا سب سے پہلا خون تھا جو حضرت واقد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے بہا' اس سریہ کے بعد بدر' احد' خندق وغیرہ کی تمام معرکہ آرائیوں میں برابر شریک ہوتے رہے۔[1]

وفات:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔[2]

فضل وکمال:

فضل وکمال کے لحاظ سے گو کوئی لائق ذکر مرتبہ نہ پا سکے' تاہم ان کی ایک آدھ روایت کتاب احادیث میں موجود ہے۔

---

[1] ابن سعد جز ۳ ق اص ۲۸۴

[2] ایضاً

Marfat.com

حضرت عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

عیاش نام ابوعبدالرحمٰن کنیت نسب نامہ یہ ہے عیاش بن ابی ربیعہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم مخزومی عیاش رضی اللہ عنہ مشہور دشمن اسلام ابوجہل کے ماں جائے بھائی تھے۔[1]

اسلام وہجرت:

گوعیاش رضی اللہ عنہ ابوجہل جیسے کینہ پرور کے بھائی اور اس کے ہم صحبت تھے تاہم ان کا آئینہ قلب کدورتوں سے پاک اور پرتو حق قبول کرنے کے لیے آمادہ تھا چنانچہ دعوت اسلام کے ابتدائی ہی ایام میں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں تشریف لانے کے قبل دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں مع اپنی بیوی اسماء رضی اللہ عنہا کے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے یہاں ایک صاحبزادہ عبداللہ پیدا ہوا پھر حبشہ سے مکہ آئے اور مکہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت مدینہ کا شرف حاصل کیا۔[2]

ابتلا وآزمائش:

ابوجہل جو دوسروں کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرتا تھا اور اس جرم میں اپنے زیردستوں کو سخت سے سخت سزائیں دیتا تھا اپنے بھائی کا اسلام کس طرح ٹھنڈے دل سے گوارا کر لیتا چنانچہ ان کی تلاش میں مکہ سے مدینہ آ گیا اور عیاش رضی اللہ عنہ سے کہا کہ والدہ تمہاری جدائی سے سخت بے قرار ہیں اور انہوں نے قسم کھالی ہے کہ جب تک وہ تم کو دوبارہ نہ دیکھ لیں اس وقت تک نہ سر میں تیل ڈالیں گی اور نہ سایہ میں بیٹھیں گی عیاش رضی اللہ عنہ ماں کی یہ حالت سن کر ان کی محبت میں ابوجہل کے ساتھ مکہ واپس آ گئے یہاں پہنچ کر ابوجہل نے ان کو قید کر دیا اور وہ عرصہ تک اس قید میں گرفتار رہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے مسلمان قیدیوں کے

---

[1] اسد الغابہ ج ۴ ص ۱۶۱ [2] ابن سعد جزو ۴ ق ا ص ۹۵

Marfat.com

ساتھ ان کے لیے بھی دعا فرماتے تھے کہ خدایا ان کو مشرکین کے ظلم سے نجات دلا۔[1]

عیاش رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک اور بزرگ ولید رضی اللہ عنہ بھی اسی جرم میں قید تھے، وہ کسی طرح چھوٹ کر نکل گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی مصیبت بیان کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دوبارہ عیاش رضی اللہ عنہ اور سلمہ رضی اللہ عنہ کو چھڑانے کے لیے واپس کیا چنانچہ یہ مکہ گئے، اور ان دونوں بزرگوں کو قید سے نکال لائے۔[2]

وفات:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتوحات شام میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور ایک روایت کی رو سے اسی سلسلہ میں یرموک یا یمامہ کے معرکہ میں شہید ہوئے، اور دوسری روایت کی رو سے شام میں وفات پائی، لیکن طبری کے بیان کے مطابق شام سے واپس ہو کر مکہ میں پیوند خاک ہوئے۔[3]

فضل وکمال:

ان کی روایات احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں، ان سے روایت کرنے والوں میں انس اور عبدالرحمٰن قابل ذکر ہیں۔[4]

---

[1] استیعاب جلد ۲ ص ۵۰۹
[2] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۹۵
[3] اصابہ جلد ۵ ص ۴۷
[4] تہذیب الکمال ص ۳۰۰

Marfat.com

حضرت ابوفکیہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

یسار نام، ابوفکیہ کنیت، نسبی تعلق قبیلہ ازد سے تھا، ابتدا میں بنو عبدالدار کے غلام تھے۔[1]

اسلام وشدائد:

دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے، آغاز دعوت میں آزاد مسلمان بھی مشرکین مکہ کے ظلم وستم سے محفوظ نہ تھے، ابوفکیہ رضی اللہ عنہ تو بے یار و مددگار غلام تھے، اور سنگدل آقا خود آمادہ ستم تھا، اس لیے اسلام لانے کے بعد ظلم وستم کا نشانہ بن گئے اور بنو عبدالداران کو طرح طرح کی دردانگیز سزائیں دیتے تھے، ٹھیک دوپہر کو تپتی ہوئی ریت پر منہ کے بل لٹا کر پیٹ پر ایک بھاری پتھر رکھ دیتے، تا کہ جنبش نہ کر سکیں اور اس عبرت انگیز سزا کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہتا جب تک ابوفکیہؓ بے ہوش نہ ہو جاتے، ایک مرتبہ امیہ نے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر گھسیٹ کے جلتی ہوئی ریت میں ڈال دیا، ادھر سے ان کا بیٹا صفوان گزرا، یہ بھی "گرگ زادہ" تھا، ابوفکیہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا یہ (امیہ) تیرے رب نہیں ہیں؟ اس حالت میں انہوں نے جواب دیا کہ میرا رب خدا ہے، اس جواب پر صفوان نے غضبناک ہو کر ابوفکیہ رضی اللہ عنہ کا گلا گھونٹنا شروع کیا، اس کے دوسرے بھائی نے للکارا کہ ذرا اور زور سے، صفوان نے شکنجہ اور کس دیا، اور اس وقت چھوڑا جب موت کا خطرہ پیدا ہو گیا، حسن اتفاق سے اسی وقت ستم زدہ غلاموں کے مولیٰ (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) ادھر سے گزرے، انہوں نے اس حال میں دیکھا تو خرید کر آزاد کر دیا۔[2]

ہجرت ووفات:

آزادی کے بعد ہجرتِ ثانیہ میں حبشہ چلے گئے، لیکن طرح طرح کے المناک عذاب سہتے سہتے قویٰ ضعیف اور اعضا کمزور ہو چکے تھے، اس لیے ہجرت کے بعد زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہ سکے، اور غزوہ بدر سے قبل انتقال کر کے کشتگانِ خنجر تسلیم میں جا ملے۔[3]

---

[1] اصابہ جلد ۲ ص ۷۲ [2] اسد الغابہ جلد ۵ [3] ابن سعد ج ۴ ق اوّل ص ۹۱

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

عبداللہ نام' ابو محمد کنیت' سلسلہ نسب یہ ہے' عبداللہ بن مخرمہ بن عبدالعزیٰ ابن ابی قیس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی قرشی' عامری۔ ماں کا نام بہنانہ تھا اور قبیلہ بنو کنانہ سے تعلق رکھتی تھیں۔[1]

اسلام وہجرت:

آغاز دعوت میں مشرف باسلام ہوئے' اسلام کے بعد ہجرت حبشہ کا شرف حاصل کیا' پھر وہاں سے مدینہ آئے اور کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے یہاں اترے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں اور فروہ بن عمرو بیاضی رضی اللہ عنہ میں مواخاۃ کرادی۔[2]

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے بدر عظمیٰ میں شریک ہوئے اور بدری ہونے کا امتیاز حاصل کیا' اس وقت ان کی عمر تیس سال تھی' بدر کے بعد احد اور خندق وغیرہ تمام معرکوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔[3]

شہادت:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا جذبہ شہادت اتنا بڑھا ہوا تھا کہ ہر موئے بدن خونابہ فشانی کے لیے بے قرار رہتا تھا' چنانچہ وہ دعا کیا کرتے تھے' کہ "خدایا تو مجھے اس وقت تک دنیا سے نہ اٹھا جب تک میرے جسم کا جوڑ جوڑ تیری راہ میں زخموں سے چور چور نہ ہو جائے' یہ دعا قبول ہوئی اور بہت جلد اس کا موقع مل گیا' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتنہ ارتداد کی مہم میں مجاہدانہ شریک ہو گئے اور مرتدوں کے مقابلہ میں اس بے جگری سے لڑے کہ جسم کے تمام جوڑ بند زخموں سے چور ہو گئے' رمضان کا مبارک مہینہ تھا' روزہ رکھے ہوئے تھے' عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما غروبِ آفتاب کے وقت جب کہ ابن مخرمہ رضی اللہ عنہ کا آفتاب عمر لب بام آچکا تھا' ان کی خبر

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۲ [2] ابن سعد جلد ۳ ق ا ص ۲۹۴ [3] ایضاً

Marfat.com

لینے آئے' انہوں نے پوچھا ابن عمر (رضی اللہ عنہما) تم افطار کر چکے؟ انہوں نے کہا ہاں' فرمایا میرے لیے بھی پانی لاؤ' لیکن پانی آتے آتے ابن مخرمہ رضی اللہ عنہ تشنہ لب حوض کوثر پر پہنچ گئے' اس وقت ان کا اکتالیسواں سال تھا۔[1]

اہل وعیال:

اولاد میں صرف ایک صاحبزادہ مساحق کا پتہ چلتا ہے' یہ زینب بنت سراقہ کے بطن سے تھے۔[2]

فضل وکمال:

ابن مخرمہ رضی اللہ عنہ علم وعمل اور زہد وورع کے لحاظ سے ممتاز شخصیت کے مالک تھے' صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں وکان فاضلا عابدا' یعنی ابن فلکیہ رضی اللہ عنہ فاضل اور عبادت گزار تھے۔[3]

حضرت نعیم النحّام رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

نعیم نام' نحام لقب' نسب نامہ یہ ہے' نعیم بن عبداللہ بن اسید بن عوف بن عبید بن عویج بن عدی بن کعب عدوی قرشی' نحام کے لقب کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے' کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں نے جنت میں نعیم رضی اللہ عنہ کی ''نحمہ'' یعنی آواز سنی اسی وقت سے نحام ان کا لقب ہو گیا۔[4]

اسلام:

نعیم رضی اللہ عنہ نے اس وقت توحید کی دعوت پر لبیک کہا جب کل ۹ یا ۱۰ بندگانِ خدا نے اس دعوت حق کا جواب دیا تھا۔ حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس وقت تک کفر کی تاریکی میں محصور تھے[5] لیکن اس زمانہ میں اسلام کا اظہار تعزیراتِ مکہ میں شدید ترین جرم تھا' اس لیے عرصہ تک اسلام کا اعلان نہ کر سکے' ہجرت کے اذن کے بعد جب مسلمانوں کے لیے بیت الامن مدینہ کا

---

[1] استیعاب جلد اوّل ص ۳۷۰ [2] ابن سعد جلد ۳ ق ا ص ۲۹۴ [3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۵۳
[4] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۵۹ [5] استیعاب جلد اوّل ص ۳۱۱

Marfat.com

دروازہ کھلا تو انہوں نے بھی ہجرت کا ارادہ کیا' مگر بنی عدی کی جن بیواؤں اور یتیموں کی پرورش اور خبر گیری کرتے تھے' انہوں نے التجا کی کہ ہم کو چھوڑ کر نہ جایئے' جس مذہب میں دل چاہے رہیے مگر جانے کا قصد نہ کیجئے' آپ سے کوئی شخص تعرض نہیں کرسکتا' پہلے ہم سب کی جانیں قربان ہو جائیں گی' اس وقت آپ کو کوئی گزند پہنچ سکے گا' اس مجبوری کی بنا پر ابتدا میں ہجرت کا شرف حاصل نہ ہو سکا[1] لیکن یتیموں اور بیواؤں کی پرورش خود ایسی فضیلت ہے' جس کے مقابلہ میں ہجرت کی تاخیر چنداں اہمیت نہیں رکھتی۔

ہجرت:

۶ھ میں اپنے چالیس اہل خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ گئے' آنحضرت ﷺ نے گلے لگا کر بوسہ[2] دیا اور فرمایا نعیم تمہارا قبیلہ تمہارے حق میں میرے قبیلہ سے بہتر تھا' انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! میرا قبیلہ بہتر تھا' فرمایا یہ کیسے؟ فرمایا میرے قبیلہ نے تو مجھ کو نکال دیا' مگر تمہارے قبیلہ نے تم کو ٹھہرائے رکھا' عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) آپ کی قوم نے آپ کو ہجرت پر آمادہ کیا' اور میری قوم نے مجھ کو اس شرف سے محروم رکھا۔[3]

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب رہے۔

وفات:

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اجنادین کے معرکہ میں شہادت پائی اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۵ھ میں یرموک میں شہید ہوئے۔[4]

اولاد:

وفات کے بعد اولاد ذکور میں ابراہیم اور اناث میں امہ چھوڑیں' اول الذکر زینب بنت حنظلہ کے بطن سے تھے اور ثانی الذکر عاتکہ بنت حذیفہ کے بطن سے تھیں۔[5]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۳۳ حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے کہ حبشہ کی ہجرت میں شریک تھے' لیکن اور تمام ارباب سیر اس کے مخالف ہیں۔ [2] ابن سعد جلد ۴ ق ا ص ۱۰۲ [3] اصابہ جلد ۶ ص ۲۴۸
[4] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۳۴ [5] ابن سعد جز و ۴ ق ا ص ۱۰۲

Marfat.com

عام حالات:

نہایت فیاض، رحم دل، یتیموں کا ملجا، بیواؤں کا ماویٰ اور غریبوں کے مددگار تھے، بنی عدی میں یتیموں اور بیواؤں کے علاوہ اور جس قدر فقراء تھے، ان سب کو مہینہ مہینہ کر کے کھانا کھلاتے تھے۔[1]

حضرت معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

معمر نام، باپ کا نام عبداللہ، سلسلہ نسب یہ ہے، معمر بن عبداللہ بن نضلہ بن عبدالعزیٰ بن حرثان بن عوف بن عبید بن عویج بن عدی بن کعب القرشی العدوی۔

اسلام وہجرت:

معمر رضی اللہ عنہ ابتدائے دعوت اسلام میں اسلام لائے، اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے، پھر وہاں سے مکہ واپس آئے، اور عرصہ تک یہاں مقیم رہے، اس لیے مدینہ کی ہجرت میں تاخیر ہوئی، اور بالکل آخر میں یہ شرف حاصل ہو سکا۔[2]

حجۃ الوداع:

اسلام کے بعد کا زمانہ زیادہ تر حبشہ اور مکہ میں گزرا تھا، اس لیے غزوات میں شرکت کا موقع نہ مل سکا اور مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے، اس سفر میں سواری مبارک کا اہتمام انہی کے سپرد تھا اور کجاوہ وغیرہ یہی کستے تھے، ایک دن کسی حاسد نے اس کو ڈھیلا کر دیا جس سے وہ چلنے میں ہلنے لگا، صبح کو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "رات تنگ ڈھیلا معلوم ہوتا تھا"، عرض کی میں نے حسب معمول کس کر باندھا تھا اس شرف پر کسی حاسد نے ڈھیلا کر دیا ہوگا، تا کہ میری جگہ کسی دوسرے کو یہ خدمت سپرد کر دی جائے، آپ ﷺ نے فرمایا: "تم مطمئن رہو، میں تمہارے علاوہ کسی دوسرے کو نہ مقرر کروں گا" اسی

[1] ابن سعد جز ۳ ق ا ص ۱۰۲۔

[2] ابن سعد جز ۳ ق ا ص ۱۰۲ ترجمہ معمر ؓ

Marfat.com

حج میں ان کو موئے مبارک تراشنے کا شرف حاصل ہوا' جب یہ استرا لے کر تیار ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے مزاحاً فرمایا: ''معمر تم کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے کان کی لو پر قابو دے دیا ہے' اور تمہارے ہاتھ میں استرہ ہے''۔ عرض کی خدا کی قسم یا رسول اللہ ﷺ! یہ خدا کی کتنی بڑی نعمت اور اس کا کتنا بڑا احسان ہے کہ مجھ کو حضور کے بال تراشنے کا فخر حاصل ہو رہا ہے۔[1]

فضل وکمال:

معمر کو آنحضرت ﷺ کی صحبت کا زیادہ موقع نہیں ملا تھا' اس لیے صرف دو حدیثیں مروی ہیں۔[2]

احتیاط:

تاہم عملی زندگی میں ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں بڑی احتیاط کرتے تھے' ایک مرتبہ غلام کو گیہوں دیا کہ اس کو بیچ کر اس کی قیمت سے جو خرید لائے' غلام نے بیچنے کے بجائے جو سے بدل لیا اور جو کی مقدار زیادہ تھی' ان کو معلوم ہوا تو باز پرس کی کہ تم نے ایسا کیوں کیا' تبادلہ میں مساوات کا لحاظ رکھا کرو' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کھانے کی چیزوں کا تبادلہ کھانے کی چیزوں کے ساتھ برابر برابر ہونا چاہیے' اور اسی وقت غلام کو بھیج کر واپس کرا دیا۔[3]

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

عمرو نام' ابوعبداللہ کنیت' سلسلہ نسب یہ ہے' عمرو بن عوف بن زید بن ملیحہ ابن عمرو بن بکر بن افرک بن عثمان بن عمرو بن اد بن طانجہ بن ایاس بن مضر۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۴۰۰۔

[2] تہذیب الکمال ص ۳۸۴۔

[3] مسلم جلد ۱ ص ۶۳۳ طبع مصر

Marfat.com

اسلام وہجرت:

عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ ابتدائے اسلام میں مشرف باسلام ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئے۔[1]

غزوات:

ابن سعد کی روایت کے مطابق سب سے پہلے غزوۂ ابواء میں شریک ہوئے لیکن بعض خندق بتاتے ہیں۔[2]

غزوہ تبوک:

غزوہ تبوک کے زمانہ میں عرب میں ایسا سخت قحط تھا کہ ذی حیثیت صحابہ کے لیے اس میں شریک ہونے کا انتظام مشکل تھا نادار صحابہ کا تو ذکر ہی نہیں' چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے غزوہ تبوک کے لیے تیاریاں شروع کیں اور دولتمند صحابہ نے اپنا ساز وسامان درست کیا تو وہ اصحاب جو ایمان کی لازوال دولت کے سوا مادی دولت سے تہی دامن تھے' خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے' ان میں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بھی تھے' ان سب نے مل کر درخواست کی کہ ''ہم بالکل بے مایہ ہیں' اگر ہمارے لیے کچھ انتظام فرمایا جائے' تو ہم بھی شرف جہاد سے محروم نہ رہیں''۔ یہاں فقر وفاقہ کے سوا کیا تھا' جواب ملا' میرے پاس کیا ہے یہ لوگ جہاد کی محرومی پر غمگین وملول روتے ہوئے واپس ہوئے' مگران آنسوؤں نے دامن رحمت کو نم کر دیا اور اس حکم نے ان کو جہاد سے مستثنیٰ کر دیا۔[3]

﴿ وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴾ (توبہ : ۱۲)

''اور نہ ان لوگوں پر (الزام) ہے جو تمہارے پاس آئے کہ ان کو سواری بہم پہنچا

---

[1] استیعاب جلد ۲ ص ۴۵۰۔

[2] اصابہ جلد ۵ ص ۹۔

[3] تفسیر ابن جریر جلد ۱۰ ص ۱۳۶

Marfat.com

دو تو تم نے جواب دیا کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے، جس پر تم کو سوار کروں (یہ سن کر) وہ لوٹ گئے، اور خرچ نہ میسر آنے کے غم میں ان کی آنکھیں اشک بار تھیں"۔

وفات:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدینہ میں وفات پائی۔[1]

[1] استیعاب جلد ۲ ص ۴۵۱

Marfat.com

حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

عثمان نام، والد کا نام طلحہ تھا، نسب نامہ یہ ہے، عثمان بن طلحہ بن عبد اللہ بن عبد العزیٰ بن عثمان بن عبد الدار بن قصی بن کلاب بن مرہ قرشی العبدری، ماں کا نام سنامہ تھا، یہ قبیلہ بنی عمرو سے تھیں، عثمان رضی اللہ عنہ کے والد طلحہ احد میں مشرکین کے ساتھ صف آرا تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں آئے، لیکن ذوالفقار حیدری سے نہ بچ سکے، زمانہ جاہلیت میں خانہ کعبہ کی کلید برداری کا منصب طلحہ کے متعلق تھا، اور زمانہ اسلام میں یہ وراثت عثمان رضی اللہ عنہ کو ملی۔[1]

اسلام وہجرت:

فتح مکہ کے پہلے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ اسلام قبول کیا، اور ۸ھ میں ہجرت کر کے مدینہ کا قیام اختیار کیا۔[2]

غزوہ فتح:

ہجرت کے بعد سب سے پہلے غزوۂ فتح میں شریک ہوئے اور خانہ کعبہ میں آنحضرت ﷺ کے جلو میں داخل ہوئے، اس وقت کلید برادری کے منصب پر یہی فائز تھے، آنحضرت ﷺ نے ان سے کنجی طلب کی، انہوں نے گھر جا کر ماں سے مانگی، ماں نے دینے سے انکار کر دیا، (غالباً اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئی تھیں) بولے ابھی حوالہ کر دو، ورنہ خدا کی قسم یہ تلوار پیٹھ میں اتار دوں گا اور کنجی لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کی، آپ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے، یہ بھی ساتھ ساتھ تھے دونوں کے اندر جانے کے بعد دروازہ اندر سے بند کر لیا گیا۔[3] پھر تطہیر کعبہ کے بعد جب آنحضرت ﷺ برآمد ہوئے تو کنجی عثمان رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر کے فرمایا، جو شخص اس کو تم سے چھینے گا وہ ظالم ہوگا۔[4]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۷۲ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۲۹ [3] مسلم جلد ۱ ص ۵۰۸ طبع مصر

[4] استیعاب جلد ۲ ص ۴۴۷

Marfat.com

وفات:

تا حیات نبوی ﷺ مدینہ میں رہے' آپ کی وفات کے بعد کلید برداری کے فرائض کی وجہ سے پھر مکہ آئے اور یہیں ۴۲ھ میں وفات پائی۔[1]

حضرت سہل بن بیضاء رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

سہل نام' والد کا نام وہب' نسب نامہ یہ ہے' سہل بن وہب بن ربیعہ ابن ہلال بن مالک بن ضبہ بن حارث بن فہر بن مالک' ماں کا نام بیضاء تھا' نانہالی شجرہ یہ ہے بیضاء بنت جحدم بن عمرو بن عائش بن ظرب بن حارث بن فہر' سہل رضی اللہ عنہ باپ کے بجائے ماں کی نسبت سے مشہور ہوئے' چنانچہ عام طور پر سہل بن بیضا کہلاتے تھے۔

قبل از اسلام:

اسلام لانے سے پہلے بھی سہل رضی اللہ عنہ منصب مزاج اور رقیق القلب تھے' چنانچہ دعوتِ اسلام کے آغاز میں جب قریش نے آپس میں معاہدہ کر کے آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھ آپ کے خاندان والوں کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا' اور بنی ہاشم کئی برس تک مصیبتیں جھیلتے رہے تو آخر میں بعض خدا ترس اور منصب مزاج آدمیوں نے اس معاہدہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیا اور ان کی کوششوں سے یہ معاہدہ ٹوٹا' ان عدل پرور لوگوں میں سہل رضی اللہ عنہ بھی تھے۔[2]

اسلام:

اس واقعہ کے کچھ ہی دنوں کے بعد سہل رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے لیکن مشرکین مکہ کے خوف سے اپنے اسلام کا اعلان نہیں کیا اور مذہبی فرائض خفیہ ادا کرتے رہے۔

بدر:

غزوہ بدر تک انہوں نے اسلام کا اعلان نہیں کیا تھا' اور مشرکین مکہ ان کو آبائی مذہب

[1] استیعاب جلد ۲ ص ۴۴۷ [2] استیعاب جلد ۲ ص ۵۸۵

Marfat.com

پر سمجھتے تھے چنانچہ اپنے ساتھ بدر میں لے گئے، جب مشرکین کو شکست ہوئی تو سہل رضی اللہ عنہ بھی گرفتار ہوئے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے اسلام سے واقف تھے اور مکہ میں ان کو نماز بھی پڑھتے دیکھ چکے تھے، چنانچہ ان کی شہادت پر سہل رضی اللہ عنہ کی رہائی ہوئی۔[1]

ہجرت اور غزوات:

رہائی کے بعد مستقلاً مدینہ میں رہنے لگے اور بعض بعض غزوات میں بھی شریک ہوئے۔[2]

وفات:

زمانہ وفات کی تعیین نہیں کی جا سکتی، مگر اس قدر مسلم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وفات پائی۔

حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

سہیل نام، ابو موسیٰ کنیت، باپ کا نام وہب تھا، حضرت سہیل رضی اللہ عنہ مذکور الصدر بزرگ حضرت سہل رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی تھے۔

اسلام وہجرت:

دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے[3] اسلام کے بعد ہجرت کر کے حبشہ گئے، وہاں عرصہ تک مقیم رہے اور جب اسلام کی علانیہ تبلیغ ہونے لگی تو مکہ واپس آئے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ گئے۔[4]

---

[1] ابن سعد جلد ۴ ق اص ۱۵۶ [2] ایضاً [3] بعض ارباب سیر لکھتے ہیں کہ انہوں نے بھی اپنا اسلام چھپایا تھا، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی پہلے اسلام لا چکے تھے، اور حبشہ کی ہجرت کی تھی، پھر مدینہ جانے کے بعد غزوات میں برابر شریک ہوتے رہے، اسلام چھپانے والے ان کے بھائی حضرت سہل رضی اللہ عنہ تھے جو بدر میں گرفتار ہوئے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی شہادت پر چھوڑے گئے، ابن سعد کا بھی یہی خیال ہے دیکھو ابن سعد جلد ۴ ق اص ۱۵۶۔ [4] استیعاب جلد ۲ ص ۵۶۱

Marfat.com

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے بدر میں شریک ہوئے' اس وقت ان کی عمر ۳۰ سال کی تھی' اس کے بعد احد اور خندق وغیرہ کے تمام معرکوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔[1] غزوہ تبوک میں آپ کے ساتھ آپ کی سواری پر سوار تھے' راستہ میں آپ نے ان کو دو تین مرتبہ بلند آواز سے پکارا' یہ برابر جواب دیتے رہے اور لوگ بھی اس پکار کا مقصد سمجھ گئے' اور سب آپ کے گرد جمع ہو گئے' آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے خدا کی توحید کی شہادت دی' اس پر خدا آتش دوزخ حرام کر دے گا اور جنت یقینی ہو جائے گی۔[2]

وفات:

تبوک سے واپس کے بعد ۹ ھ میں وفات پائی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھائی۔[3] موت کے بعد ان کی کوئی اولاد یادگار نہ تھی۔

حضرت ابوقیس بن حارث رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

نام اور کنیت دونوں ابوقیس ہے' والد کا نام حارث تھا' نسب نامہ یہ ہے ابوقیس بن حارث بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم قرشی السہمی' ان کے دادا قیس بن عدی سرداران قریش میں سے تھے' اور باپ حارث اس کینہ پرور گروہ میں تھا' جو قرآن کا مضحکہ اڑایا کرتا تھا' اور جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی۔[4]

﴿ الذین جعلوا القرآن عضین فوربک لنسئلنھم اجمعین عما کانوا یعملون فاصدع بما تومروا عرض عن المشرکین انا کفیناک المستھزئین ﴾ (حجر : ۵)

''جن لوگوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے' تمہارے رب کی قسم ہم ان کے

---

[1] ابن سعد جلد ۳ قسم اوّل ص ۳۰۲ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۶۳۰' مستدرک میں تبوک کا ذکر ہے لیکن ابن سعد نے تصریح کر دی ہے۔ [3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۶۲۹ [4] استیعاب جلد ۲ ص ۷۰۴

Marfat.com

اعمال کی ضرور باز پرس کریں گے پس تم کو جو حکم دیا گیا ہے اس کو کھول کر سنا دو اور مشرکین کی پرواہ نہ کرو، جو لوگ تم پر ہنستے ہیں ہم ان کے لیے کافی ہیں"۔

اسلام و ہجرت:

لیکن اسی آذر کے گھر میں ابو قیس جیسا بت شکن پیدا ہوا، جس نے دعوتِ حق کی آواز سنتے ہی لبیک کہا اور سبقت فی الاسلام کا شرف حاصل کیا، اسلام کے بعد پھر ہجرت حبشہ کا شرف حاصل کیا۔[1]

غزوات:

احد اور خندق وغیرہ سب میں شریک ہوئے۔[2]

شہادت:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ارتداد کے سلسلہ کی مشہور جنگ یمامہ میں شہادت پائی۔[3]

حضرت ابو کبشہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

سلیم نام، ابو کبشہ کنیت، وطن اور نسب کے بارہ میں مختلف روایات ہیں، بعض فارسی، بعض دوسی اور بعض مکی بتاتے ہیں، ابو کبشہ غلام تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید کر آزاد کیا۔[4]

اسلام:

ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور پر نہیں بتایا جا سکتا، شرف غلامی سے قیاس ہوتا ہے کہ دعوتِ اسلام کے قریب تر زمانہ میں اس شرف سے مشرف ہوئے ہوں گے۔

ہجرت:

مکہ کے ارباب ثروت اور صاحب وجاہت مسلمانوں کی عزت و آبرو تک مشرکین کے ہاتھوں محفوظ نہ تھی، ابو کبشہ رضی اللہ عنہ غلام تھے، ان کا پشت پناہ کون تھا، اس لیے اذن ہجرت کے

[1] اصابہ جلد ۷ ص ۱۵۸ [2] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۷۹ [3] اصابہ جلد ۷ ص ۱۵۸ [4] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۸۲

Marfat.com

بعد مدینہ چلے آئے اور کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے یہاں مقیم ہوئے۔[1]

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے بدری ہونے کا شرف حاصل کیا' پھر احد اور دوسرے غزوات میں بھی شریک ہوئے تھے۔[2]

مشرکین کی سفاہت:

کفار قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں طرح طرح کی گستاخیاں کرتے تھے' چنانچہ ایک سفاہت یہ بھی تھی کہ آپ کو نعوذ باللہ ابو کبشہ کا بیٹا کہتے تھے' ارباب سیر اس کی مختلف توجیہیں کرتے ہیں' ان میں سب سے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ ابو کبشہ کے نانہالی اجداد میں کوئی شخص ابو کبشہ گزرا تھا' جو تمام عرب کے خلاف ''شعریٰ'' کی پرستش کرتا تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سرے سے بت پرستی کے خلاف آواز بلند کی تھی' اس لیے عربوں کی مخالفت کے اس اشتراک کی بنا پر لوگ کہنے لگے کہ یہ دوسرا اس کا بیٹا پیدا ہوا اور یہ ابو کبشہ رضی اللہ عنہ اصحابِ کرام میں تھے' اس لیے ادھر ڈھال دیا کہ محمد ابو کبشہ کے بیٹے ہیں۔[3]

وفات:

۲۲/ جمادی الثانی ۱۳ھ یوم سہ شنبہ کو جس دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے وفات پائی۔[4]

حضرت سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

سلیط نام' والد کا نام عمرو تھا' نسب نامہ یہ ہے' سلیط بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود بن نضر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی قرشی' ماں کا نام خولہ تھا' نانہالی شجرہ نسب یہ ہے' خولہ بنت عمرو بن حارث بن عمرو بن عبس۔

---

[1] ابن سعد جلد۳ ق ا ص ۳۳ [2] استیعاب جلد۲ ص ۶۷۴ [3] ایضاً [4] ابن سعد جلد۳ ق ا ص ۳۳

Marfat.com

اسلام:

دعوت اسلام کے آغاز میں مکہ میں مشرف باسلام ہوئے اور حبشہ کی ہجرت کا شرف حاصل کیا۔[1] پھر مدینہ آئے۔

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد بدر' احد' خندق وغیرہ تمام معرکوں میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب رہے۔[2]

سفارت:

۶ھ میں جب آپ نے آس پاس کے امراء اور سلاطین کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے تو ہوزہ بن علی حنفی کے پاس خط لے جانے کی خدمت سلیط رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی' ہوزہ نے بڑی خاطر و مدارت کی اور انعام و اکرام اور خلعت سے نوازا اور جواب میں لکھا کہ تم جس چیز کی دعوت دیتے ہو وہ بہت بہتر ہے' لیکن میں بھی عرب کا ایک معزز و مقتدر شخص ہوں' اس لیے اگر بعض امور میں مجھے بھی شریک کرلو تو میں تمہاری پیروی کے لیے تیار ہوں' آنحضرت ﷺ نے یہ جواب سنا تو فرمایا کہ اگر وہ زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی مانگے تو میں نہیں دے سکتا۔[3]

شہادت:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتنہ ارتداد کی مشہور جنگ یمامہ میں شہید ہوئے' اولاد میں تنہا ایک لڑکے سلیط بن سلیط تھے۔[4]

حضرت ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

کناز نام' ابومرثد کنیت' باپ کا نام حصین تھا' نسب نامہ یہ ہے' کناز بن حصین ابن یربوع بن جہینہ بن سعد بن طریف بن خرشہ بن عبید بن سعد بن عوف بن کعب بن جلان ابن غنم

[1] اصابہ جلد ۱ ص ۳۱۵ [2] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۴۹۔ بدر کی شرکت کا ذکر اصابہ میں ہے۔
[3] زرقانی جلد ۳ ص ۴۰۷، ۴۰۸ [4] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۵۹

Marfat.com

بن یحییٰ بن یعصر بن سعد بن قیس عیلان بن مضر۔

اسلام وہجرت:

ابو مرثد رضی اللہ عنہ نے آغاز دعوت میں اسلام قبول کیا اور اذنِ ہجرت کے بعد مدینہ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ میں مواخاۃ کرادی۔[1]

غزوات:

بدر، احد، خندق اور دوسری معرکہ آرائیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔[2] مشہور صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے مدینہ آگئے تھے، لیکن ان کے اہل وعیال مکہ ہی میں ان کے حلیف کی نگرانی میں تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کا ارادہ کیا تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بال بچوں کی حفاظت کے خیال سے اپنے حلیف کو اس کی خفیہ تحریر اطلاع دے دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے چند سوار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں اس تحریر کی تلاش میں دوڑائے ان میں ایک ابو مرثد رضی اللہ عنہ بھی تھے، ان لوگوں نے خاخ کے باغ میں خط لے جانے والی عورت کو گرفتار کرلیا اور جامہ تلاشی لے کر خط برآمد کیا۔[3]

وفات:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت ۱۲ھ میں چھیاسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔[4]

حضرت ذوالشمالین رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

عمیر نام، ابو محمد کنیت، ذوالشمالین لقب، نسب نامہ یہ ہے، عمیر بن عبد عمرو بن نضلہ بن عمرو بن غبشان بن سلیم بن مالک بن عبسی بن حارثہ[5] بن عمرو بن عامر۔[6]

---

[1] مستدرک حاکم جلد۳ ص۲۲ [2] ایضاً [3] بعض ارباب سیر ذوالشمالین اور ذوالیدین ایک ہی شخص کو قرار دیتے ہیں جو محض التباس ہے، یہ دونوں دو شخص ہیں، احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ۔۔۔۔۔۔

Marfat.com

اسلام وہجرت:

ان کا زمانہ اسلام متعین نہیں' قبول اسلام کے بعد مدینہ ہجرت کی' اور سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں اور یزید بن حارث رضی اللہ عنہ میں مواخات کرادی۔[1]

شہادت:

حضرت ذوالشمالین رضی اللہ عنہ ان خوش نصیب بزرگوں میں تھے' جن کا دامن زیادہ عرصہ تک دنیا سے ملوث نہ ہونے پایا' مدینہ آنے کے بعد بدر عظمیٰ میں شریک ہوئے' ان کا اول و آخر غزوہ یہی تھا' اس میں جام شہادت پی کر پاک و صاف دنیا سے اٹھ گئے[2] غربت کے غمگسار بھائی زید رضی اللہ عنہ نے بھی جو زندگی میں رفیق تھے' سفر آخرت میں ساتھ نہ چھوڑا اور انہوں نے بھی اسی غزوہ میں مرتبہ شہادت حاصل کیا۔[3]

حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

ابوسبرہ کنیت' مگر اس کی شہرت نے اصل نام چھپا دیا' نسب نامہ یہ ہے' ابوسبرہ بن

---

[1] ...... ذوالیدین رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے' جس کو صحیحین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۴ رکعتوں کے بجائے دو ہی رکعتیں نماز پڑھا کر سلام پھیر دیا' تمام صحابہ رضی اللہ عنہم متحیر تھے' لیکن کسی کو پوچھنے کی ہمت نہ پڑتی تھی' ذوالیدین رضی اللہ عنہ جری آدمی تھے' انہوں نے بڑھ کر پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کم کردی گئی یا آپ بھول گئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے تصدیق چاہی' سبھوں نے تائید کی کہ ہاں آپ نے دو ہی رکعتیں پڑھیں' تصدیق کے بعد آپ نے بقیہ دو رکعتیں پوری کرکے سجدہ سہو کیا۔ بخاری کتاب الاذان باب ہل یا خذالامام اذا شک بقول الناس' اس روایت کے راوی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں جو غزوۂ خیبر ۷ھ میں اسلام لائے اور ذوالشمالین رضی اللہ عنہ اس کے پانچ سال قبل بدر ۲ھ میں شہید ہو چکے تھے' اس لیے ذوالیدین اور ذوالشمالین' دونوں ایک شخص نہیں ہو سکتے' دونوں کے نام میں بھی فرق ہے' ذوالیدین کا نام خرباق ہے' اور ذوالشمالین کا عمیر تھا۔ [1] ابن سعد جزو ۳ ق ۱ ص ۱۱۸

[2] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۴۱ [3] ابن سعد جزو ۳ ق ۱ ص ۱۱۹

Marfat.com

ابی رہم بن عبدالعزیٰ بن ابی قیس بن عدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی قرشی عامری، ان کی والدہ برہ عبدالمطلب کی بیٹی تھیں اس رشتہ سے آنحضرت ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی ہوئے۔[1]

اسلام و ہجرت:

حضرت ابوسبرہ رضی اللہ عنہ سابقین اسلام میں تھے، اور حبشہ کی دونوں ہجرتوں کا شرف حاصل کیا، دوسری ہجرت میں ان کی بیوی کلثوم رضی اللہ عنہا بھی ساتھ تھیں، ہجرت مدینہ کے بعد دوسرے مہاجرین کے ساتھ حبشہ سے مدینہ آئے، اور منذر بن محمد رضی اللہ عنہ کے یہاں اترے آنحضرت ﷺ انہوں نے ان میں اور سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ میں مواخاۃ کرادی۔[2]

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد بدر، احد اور خندق وغیرہ جس قدر غزوات ہوئے سب میں شریک رہے[3] تا حیات نبوی ﷺ مدینہ میں قیام رہا، آپ کی وفات کے بعد مکہ چلے آئے، بدری صحابیوں میں تنہا یہی ہیں، جنہوں نے مدینہ کا قیام ترک کر کے دوبارہ مکہ کی سکونت اختیار کی۔[4]

وفات:

اور یہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔[5]

حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

خنیس نام، ابو حذافہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، خنیس بن حذافہ بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوی قرشی، ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پہلے ان ہی کی زوجیت میں تھیں، ان کا انتقال کے بعد ام المومنین کے زمرہ میں شامل ہوئیں۔[6]

---

[1] ابن سعد جزو ۳ ق ا ص ۲۹۳ [2] ایضاً [3] استیعاب جلد ۲ ص ۶۰۷ [4] اصابہ جلد ۷ ص ۱۸۱
[5] ابن سعد جزو ۳ ق ا ص ۲۹۳ [6] اسدالغابہ

Marfat.com

اسلام وہجرت:

آنحضرت ﷺ کے ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں پناہ گزین ہونے سے پہلے آپ کے دست حق پرست پر مشرف باسلام ہوئے' اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے اور پھر وہاں سے مدینہ آئے' اور رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے' آنحضرت ﷺ نے ان میں اور ابی عبس بن جبیر رضی اللہ عنہ میں مواخاۃ کرادی۔[1]

غزوات وشہادت:

سب سے پہلے بدر عظمیٰ میں تلوار کے جوہر دکھائے' پھر احد میں شریک ہوئے' اور میدان جنگ میں زخم کھایا' زخم کاری تھا' اس سے جان بر نہ ہو سکے' اور اسی صدمہ سے ۳ھ میں مدینہ میں وفات پائی' آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن کیے گئے' دفن کے وقت کوئی اولاد نہ تھی۔[2]

حضرت عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

عتبہ نام' والد کا نام مسعود تھا' نسب نامہ یہ ہے' عتبہ بن مسعود بن غافل بن حبیب ابن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کاہل بن حارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ۔ حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی تھے۔[3]

اسلام وہجرت:

دعوت اسلام کے آغاز میں مشرف باسلام ہوئے' ہجرتِ ثانیہ میں حبشہ پھر وہاں سے مدینہ گئے۔[4]

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد سب سے اوّل احد میں شریک ہوئے اور اس کے بعد کے تمام

---

[1] ابن سعد جزو۳ ق اص ۲۸۶ [2] ابن سعد جزو۳ ق اص ۲۸۶' زخمی ہونے کا واقعہ استیعاب سے ماخوذ ہے۔
[3] ابن سعد جلد۴ ق اص ۹۳ [4] ایضاً

Marfat.com

غزوات میں آنحضرت ﷺ کی ہمرکابی کا فخر حاصل کرتے رہے۔[1]

وفات:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی' ان ہی نے نماز جنازہ پڑھائی۔[2] حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس وقت زندہ تھے' ان کو بھائی کی موت کا سخت قلق ہوا' ضبط وتحمل کے باوجود بے اختیار آنسو جاری ہو گئے[3] لوگوں نے تعجب کے لہجہ میں پوچھا آپ بھی روتے ہیں؟ جواب دیا میرا بھائی آنحضرت ﷺ کی صحبت کا میرا ساتھی تھا' اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے علاوہ مجھے دنیا میں سب سے زیادہ محبوب تھا۔[4]

فضل وکمال:

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے فضل وکمال کے لحاظ سے حبر الامۃ کہلاتے تھے۔ عتبہ بھی اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے ان سے کم نہ تھے' لیکن دنیا سے کم سن گئے' اس لیے ان کے جوہر نہ چمکنے پائے۔[5]

حضرت صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

صفوان نام' ابوعمرو کنیت' نسب نامہ یہ ہے' صفوان بن وہب بن ربیعہ ابن ہلال بن مالک بن ضبہ بن حارث بن فہر فہری' حضرت صفوانؓ، حضرت سہلؓ اور سہیلؓ کے بھائی تھے۔

اسلام وہجرت:

حضرت سہل رضی اللہ عنہ ارض مکہ میں مشرف باسلام ہوئے اور اذن ہجرت کے بعد مدینہ آئے اور کلثوم بن ہدم کے یہاں اترے' آنحضرت ﷺ نے ان میں اور رافع بن معلیٰ میں مواخاۃ کرادی۔[6]

غزوات:

ہجرت کے بعد سب سے اوّل عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک سریہ میں شریک

---

[1] استیعاب جلد ۲ ص ۵۰۸ [2] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۵۸ [3] ابن سعد جلد ۴ ص ۹۳

[4] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۵۸ [5] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۵۸ [6] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۳۰۲

Marfat.com

ہوئے' پھر بدر عظمیٰ میں شرکت کا شرف حاصل کیا' ابن اسحٰق کی روایت کی رو سے اسی غزوہ میں طیمہ ابن عدی کے ہاتھ سے جام شہادت پیا' لیکن ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں طاعون عمواس میں وفات پائی اور بعض روایتوں سے ۳۸ھ میں وفات کا پتہ چلتا ہے۔[1]

حضرت سنان بن ابی سنان رضی اللہ عنہما

نام ونسب:

سنان نام' سلسلہ نسب یہ ہے' سنان بن ابی سنان بن محصن بن حرثان بن قیس بن لبید بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔

اسلام وہجرت:

زمانہ اسلام وہجرت متعین نہیں' غالباً اپنے والد حضرت ابی سنان رضی اللہ عنہ کے ساتھ اسلام لائے ہوں گے اور ان ہی کے ساتھ ہجرت کی ہوگی۔

غزوات:

بدر واحد وخندق وغیرہ تمام لڑائیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے[2] پھر ۶ھ میں غزوہ تبوک میں شریک ہوئے' اور بیعت رضوان میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کی بیعت لینی شروع کی تو سنان رضی اللہ عنہ نے بھی ہاتھ بڑھایا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کس چیز پر بیعت کرتے ہو' عرض کی کہ جو آپ کے دل میں ہے۔[3]

وفات:

۳۲ھ میں وفات پائی۔

---

[1] اصابہ ج ۳ ص ۲۵۱ واسد الغابہ ج ۳ ص ۲۷ [2] ابن سعد جلد ۳ ق ا ص ۶۶

[3] ایضاً واستیعاب جلد ۲ ص ۷۰۷، وابن عبدالبر نے یہ واقعہ حضرت ابی سنان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے' جو صحیح نہیں ہے کیوں کہ ابی سنان رضی اللہ عنہ بیعت رضوان کے قبل بنو قریظہ میں وفات پا چکے تھے۔

Marfat.com

حضرت آنسہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

آنسہ نام' ابومسروح کنیت' سراۃ میں پیدا ہوئے' نسب کے لیے یہ شرف کافی ہے کہ سرورِ عالم ﷺ کی غلامی کا طوق ان کی گردن میں تھا۔[1]

اسلام وہجرت:

اس شرف کی بنا پر آنسہ رضی اللہ عنہ دعوتِ اسلام کے آغاز ہی میں مشرف باسلام ہوئے' اور ہجرت کے زمانہ میں مدینہ گئے اور سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے۔[2] اور جب تک زندہ رہے آنحضرت ﷺ کی خدمت گزاری محبوب مشغلہ رہا۔

غزوات:

ہجرت کے بعد بدر عظمیٰ میں شریک ہوئے' ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں جام شہادت پیا۔

وفات:

لیکن زیادہ روایتیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں وفات کی ہیں۔[3]

حضرت طفیل بن حارث رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

طفیل نام' والد کا نام حارث' نسب نامہ یہ ہے' طفیل بن حارث بن مطلب ابن عبدمناف قرشی مطلبی' ماں کا نام سخیلہ تھا' یہ ثقفی قبیلہ سے تھیں۔

اسلام وہجرت:

بدر کے قبل مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت کر کے مدینہ گئے' آنحضرت ﷺ نے

---

[1] اسد الغابہ ج ا ص ۱۳۶ [2] ابن سعد ج ۳ ق ا ص ۳۳ [3] ایضاً واصابہ تذکرہ آنسہ رضی اللہ عنہ

Marfat.com

ان میں اور سفیان بن نسر میں مواخاۃ کرادی۔[1]

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد تمام غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے بدر، احد اور خندق وغیرہ کوئی غزوہ نہ چھوٹا۔[2]

وفات:

عمر کے ستر مرحلے طے کرنے کے بعد ۳۲ھ میں وفات پائی۔[3]

اولاد:

اولاد میں صرف عامر بن طفیل کا پتا چلتا ہے۔[4]

حضرت سائب بن عثمان رضی اللہ عنہما

نام ونسب:

سائب نام، باپ کا نام عثمان تھا، نسب نامہ یہ ہے، سائب بن عثمان بن مظعون ابن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوی بن غالب قرشی الجمحی، ماں کا نام خولہ تھا، ننہالی سلسلہ نسب یہ ہے، خولہ بنت حکیم بن امیہ بن حارث بن اوقص۔

ہجرت حبشہ اور واپسی:

دعوتِ اسلام کے آغاز میں مشرف باسلام ہوئے[5] اور ۵ھ میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔[6] وہاں سے اہل مکہ کے اسلام کی افواہ سن کر مکہ واپس آئے، قریب پہنچے تو یہ خبر غلط نکلی، اس وقت واپس جانا بھی دشوار تھا، سخت کشمکش میں مبتلا ہوئے، بالآخر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اور ولید بن مغیرہ کی حمایت حاصل کر کے مکہ میں مقیم ہو گئے۔[7]

ہجرت مدینہ:

بدر سے پہلے اپنے پورے کنبہ کے ساتھ مکہ کی سرزمین چھوڑ کر یثرب کی غریب الوطنی

---

[1] ابن سعد ج ۳ ق ا ص ۳۵ [2] استیعاب جلد ا ص ۲۱۶ [3] استیعاب جلد ا ص ۲۱۶

[4] ابن سعد ق ا ص ۳۵ [5] اصابہ جلد ۳ ص ۲۰ [6] ابن سعد جز ۳ ق ا ص ۲۹۲

Marfat.com

اختیار کی[1] مدینہ آنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان میں اور حارثہ بن سراقہ انصاری رضی اللہ عنہ میں مواخاۃ کرادی۔[2]

نیابت رسول (ﷺ):

بدر سے پہلے آنحضرت ﷺ چھوٹے چھوٹے دستے قریش کے کاروان تجارت کا پتہ لگانے کے لیے بھیجتے تھے' اور بعض میں بہ نفس نفیس شرکت فرماتے تھے' اسی سلسلہ کے ایک سریہ بواط میں جب نکلے تو سائب کو مدینہ میں اپنی قائم مقامی کا شرف عطا فرمایا۔[3]

غزوات:

سائب رضی اللہ عنہ مشہور تیرانداز تھے' اس لیے غزوات میں بڑے جوش وولولہ کے ساتھ شریک ہوتے تھے' چنانچہ بدر' احد' خندق اور ان کے علاوہ تمام معرکوں میں داد شجاعت دی۔[4]

وفات:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت ۱۲ھ میں جنگ یمامہ میں شریک ہوئے اور جنگ میں ایسا کاری زخم کھایا کہ اس کے صدمہ سے کچھ دنوں بعد وفات پاگئے' وفات کے وقت ۳۰ سال سے کچھ اوپر عمر تھی۔[5]

حضرت عامر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

عامر نام' والد کا نام ابی وقاص تھا' سلسلہ نسب یہ ہے' عامر بن ابی وقاص بن وہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب' ماں کا نام حمنہ تھا' نانہالی شجرہ یہ ہے' حمنہ بنت سفیان بن امیہ بن عبدشمس امویہ' عامر مشہور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتح ایران کے حقیقی بھائی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھانجے تھے۔[6]

---

[1] ابن سعد ج ۳ ق ا ص ۲۸۸ [2] ایضاً ص ۲۹۲ [3] سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۳۴۱

[4] استیعاب جلد ۲ ص ۵۸۸ [5] ابن سعد جز و ۳ ق ا ص ۲۹۲ [6] ابن سعد ج ۴ ق ا ص ۱۹۱

Marfat.com

اسلام:

حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے نانا ابوسفیان اسلام اور پیغمبر اسلام کے سخت دشمن تھے' لیکن حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے اس ماحول میں اور اس وقت دعوتِ اسلام کو لبیک کہا' جب مسلمانوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی' چنانچہ اسلام لانے والوں میں ان کا دسواں نمبر ہے۔[1]

اس وقت ان کی والدہ زندہ تھیں' ان کو لڑکے کی اس ''بے راہ روی'' کا سخت صدمہ ہوا' انہوں نے قسم کھالی کہ جب تک عامر اسلام سے تائب نہ ہوں گے اس وقت تک وہ نہ سایہ میں بیٹھیں گی اور نہ کھانا کھائیں گی' حضرت سعد رضی اللہ عنہ بھی اس وقت دولت اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے' ماں کی اس بے جا ضد پر بولے' اماں آپ عامر کے لیے عہد کیوں کرتی ہیں' میرے لیے کیجئے' انہوں نے کہا کیوں؟ کہا تا کہ اس وقت تک آپ نہ سایہ میں بیٹھ سکیں اور نہ کھا سکیں' جب تک اپنے جائے قیام دوزخ کو نہ دیکھ لیں' انہوں نے جواب دیا میں تیرے لیے کیوں عہد کروں' میں اپنے سعادت مند بیٹے کے لیے عہد کرتی ہوں' اس پر یہ آیت نازل ہوئی[2]

﴿ وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰۤی اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا ﴾ (لقمان)

''اگر تیرے ماں باپ تجھ کو اس بات پر مجبور کریں کہ تو کسی کو میرا شریک بنا جس کا تجھ کو کوئی علم نہیں تو اس میں ان کی اطاعت نہ کر ہاں دنیا میں بھلائی کے ساتھ ان کی رفاقت کر''۔

ہجرت اور غزوات:

بالآخر ماں کی اس بے جا ضد سے تنگ آ کر ہجرت ثانیہ میں حبشہ چلے گئے' اور وہاں سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ آ کر احد[3] میں شریک ہوئی۔[4]

وفات:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں شام میں وفات پائی۔[5]

---

[1] استیعاب ج ۲ ص ۴۶۱ [2] اسد الغابہ ج ۳ ص ۹۷ بعض ارباب سیر اس کا نزول حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے متعلق کرتے ہیں۔ [3] اصابہ ج ۶ ص ۱۶ [4] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۹۱ [5] اصابہ ج ۴ ص ۱۶

Marfat.com

حضرت وہب بن سعد رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

وہب نام' والد کا نام سعد تھا' نسب نامہ یہ ہے' وہب بن سعد بن ابی سرح بن حارث بن حبیب بن جذیمہ بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی۔

اسلام و ہجرت:

زمانہ اسلام متعین طور پر نہیں بتایا جا سکتا' لیکن سرزمین مکہ ہی میں اسلام لائے' اسلام کے بعد مدینہ ہجرت کی اور کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے یہاں اترے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور سوید بن عمرو رضی اللہ عنہ کو رشتہ اخوت میں منسلک کر دیا۔[1]

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد احد' خندق اور حدیبیہ وغیرہ تمام معرکوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔[2]

شہادت:

غزوۂ موتہ ۸ھ میں حق مذہب ادا کرتے ہوئے شہید ہوئے' ان کے اسلامی بھائی سوید رضی اللہ عنہ جنہوں نے زندگی میں رفاقت کی تھی' موت میں بھی ساتھ دیا' چنانچہ یہ بھی اسی جنگ میں شہید ہوئے[3] شہادت کے وقت ان کی عمر ۴۰ سال تھی۔[4]

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

عبداللہ نام' والد کا نام حارث تھا' سلسلہ نسب یہ ہے' عبداللہ بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی' ماں کا نام عزیہ تھا' نانہالی شجرہ میں یہ عزیہ بنت قیس بن طریف بن عبدالعزیٰ بن عمیرہ بن ودیعہ بن حارث بن فہر' آبائی نام عبد شمس تھا' اسلام کے بعد آنحضرت

[1] ابن سعد جز ۳ ق ا ص ۲۹۶ [2] ایضاً [3] استیعاب ج ۲ ص ۶۱۸ [4] اسد الغابہ ج ۲ ص ۶۵

Marfat.com

نے عبداللہ رکھا تھا۔[1]

اسلام و ہجرت:

فتح مکہ کے پہلے اسلام قبول کر کے مدینہ آئے۔[2]

غزوات:

گو ان کی شرکت غزوات کی تصریح و تفصیل نہیں ملتی، لیکن اس قدر مسلم ہے کہ اس شرف سے محروم نہ تھے۔

وفات:

چنانچہ کسی غزوہ میں آنحضرت ﷺ نے اپنے پیراہن مبارک میں کفنا کر دفن کیا اور فرمایا کہ ان کو سعادت مل گئی۔[3]

حضرت عمرو بن سراقہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

عمرو نام، والد کا نام سراقہ تھا، شجرہ نسب یہ ہے، عمرو بن سراقہ بن معتمر بن انس ابن اواہ بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی قرشی عدوی۔

اسلام و ہجرت:

دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور بلا کشانِ اسلام کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئے اور رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے یہاں مہمان ہوئے۔[4]

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب رہے بدر، احد اور خندق سب میں شرف جہاد حاصل کیا[5] بڑے معرکوں کے علاوہ چھوٹے سرایا میں بھی شریک ہوتے رہے، بعض بعض سریوں میں فاقہ پر فاقہ ہوتے، لیکن ابرو پر شکن تک نہ پڑتی

---

[1] ابن سعد جزو ۴ ق ۱ ص ۴۳ [2] ایضاً [3] اصابہ ج ۴ ص ۱۸ بحوالہ ابن سعد والغ نو۔

[4] ابن سعد جزو ۳ ق ۱ ص ۲۸۱ [5] اصابہ ج ۴ ص ۲۹۹

Marfat.com

عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک سریہ میں عمرو بن سراقہ ہمارے ہمراہ تھے' راستہ میں فاقہ کی نوبت آ گئی' عمرو چھریرے بدن کے نازک اندام اور لمبے آدمی تھے' اس لیے ان کی حالت زیادہ نازک ہوگئی' اور پتھر باندھ کر چلنے کے لائق ہوئے۔[1]

وفات:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی اولاد کوئی نہ تھی۔[2]

حضرت عبداللہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

عبداللہ نام' نسب نامہ یہ ہے' عبداللہ بن سراقہ بن معتمر بن انس بن اواہ بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی قرشی عدوی۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ مذکور الصدر صحابی حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔

اسلام وہجرت:

بدر کے قبل مشرف باسلام ہوئے اور مکہ سے براہ راست مدینہ آئے اور رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے یہاں اترے۔[3]

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد بدر' احد وغیرہ تمام معرکوں میں شریک ہوتے رہے۔[4]

وفات:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی' وفات کے بعد ان کی نسل نہ چلی۔[5]

---

[1] ابن سعد جزو ۳ ق ا ص ۲۸۱ [2] ایضاً

[3] ابن سعد جزو ۴ ق ا ص ۱۰۴

[4] استیعاب ج ا ص ۳۹۳ و اصابہ ترجمہ عبداللہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ

[5] تہذیب الکمال ص ۱۹۹

Marfat.com

حضرت اسود بن نوفل رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

اسود نام، والد کا نام نوفل، شجرہ نسب یہ ہے، اسود بن نوفل بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ قرشی اسدی، ماں کا نام فریعہ تھا، ننہالی نسب نامہ یہ ہے، فریعہ بنت عدی بن نوفل بن عبد مناف بن قصی، حضرت اسود رضی اللہ عنہ ام المومنین خدیجہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے اور ورقہ بن نوفل کے بھائی تھے، ان کے والد نوفل سخت کینہ پرور مشرک اور مسلمانوں کے بڑے دشمن تھے۔[1]

اسلام:

لیکن جس گھر میں خدا کا نام لینا سخت ترین جرم تھا، اسی میں اسود رضی اللہ عنہ نے توحید کی صدا بلند کی۔[2]

ہجرت:

سبقت اسلام کے ساتھ اسود رضی اللہ عنہ نے ہجرت حبشہ کا شرف بھی حاصل کیا اور وہاں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آنے کے بعد مدینہ گئے۔[3]

حضرت ثمامہ بن عدی رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

ثمامہ نام، باپ کا نام عدی تھا، نسبی تعلق قریش سے تھا، لیکن اس کی تصریح نہیں ملتی کہ اس کی کس شاخ سے تعلق تھا۔[4]

اسلام:

زمانہ اسلام کی تعیین بھی نہیں کی جاسکتی، مگر اتنا معلوم ہے کہ یہ شرف ابتدائی ایام میں حاصل ہوا، چنانچہ ارباب سیر نے آپ کو مہاجرین اولین کے زمرہ میں شامل کیا۔[5]

---

[1] اسد الغابہ ج اوّل ص ۸۸ [2] ایضاً [3] اصابہ جلد اوّل ص ۵۴ [4] اسد الغابہ جلد ا ص ۲۴۸ [5] اصابہ ج ا ص ۲۱۲

Marfat.com

غزوات:

ہجرت کے بعد بدر عظمیٰ میں شریک ہو کر امتیاز خاص حاصل کیا۔[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں صنعاء کی مسند حکومت پر سرفراز ہوئے' آپ کی شہادت کے وقت یہیں تھے' یہ المناک خبر سن کر آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے' اسی حالت میں خطبہ دیا' ضبط گریہ گلوگیر تھا' بمشکل چند جملے کہہ سکے کہ ''امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آج خلافت سلطنت سے بدل گئی' اب جو شخص جس چیز پر قابض ہو گا اس کو کھائے گا''۔[2]

حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

سعد نام' والد کا نام خولہ تھا' یہ عجمی نژاد یمنی مسکن اور بنو عامر بن لوی کے حلیف تھے۔

اسلام و ہجرت:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سابقین اسلام میں تھے' حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ کی ہجرت کی' وہاں سے مدینہ آئے' اور کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے یہاں قیام پذیر ہوئے۔[3]

غزوات:

بدر' احد' خندق اور حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' اور بدر میں پچیس سال کی عمر تھی۔[4]

وفات:

حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ گئے' یہیں بیمار پڑے اور وفات پا گئے۔[5] مہاجرین کے لیے مکہ میں مرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پسند نہ فرماتے تھے' اس لیے سعد رضی اللہ عنہ کی وفات سے بہت محزون ہوئے۔[6]

---

1. اسد الغابہ جلد اوّل ص ۲۴۹ 2. استیعاب ج اوّل ص ۷۹ 3. ابن سعد ج ۳ ق ا ص ۲۹۷
4. ایضاً 5. مسلم جلد اوّل ص ۵۸۷ طبع مصر 6. ابن سعد ج ۳ ق ا ص ۲۹۷

Marfat.com

اولاد:

آپ کی وفات کے بعد دو ہی ایک دن بعد آپ کی بیوی سبیعہ بنت حارث کے بطن سے ایک اولاد ہوئی، لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد فوت ہوگئی۔

حضرت معمر بن ابی سرح رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

معمر نام، ابو سعید کنیت، نسب نامہ یہ ہے، معمر بن ابی سرح بن ربیعہ بن ہلال بن مالک بن ضبہ بن حارث بن فہر فہری، ماں کا نام زینب تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے، زینب بنت ربیعہ بن ہلال بن ضباب بن حجیر بن عبد بن معیص بن عامر بن لوی۔

اسلام وہجرت:

دعوتِ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اسلام لائے، دوسری ہجرت میں حبشہ گئے، وہاں سے مدینہ ہجرت کی اور کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے۔[1]

غزوات:

بدر، احد اور خندق تمام مشہور لڑائیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔[2]

وفات:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔[3]

ازواج واولاد:

حضرت معمر رضی اللہ عنہ کے دو بیویاں تھیں، امامہ بنت عامر اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی بہن، پہلی کے بطن سے عبداللہ تھے اور دوسری سے عمیر۔[4]

---

[1] ابن سعد جلد ۳ ق ا ص ۳۰۳ [2] ایضاً

[3] استیعاب جلد اوّل ص ۲۷۸

[4] ابن سعد حوالہ مذکور

Marfat.com

حضرت محمیہ بن جزء رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

محمیہ نام، والد کا نام جزء تھا، نسب نامہ یہ ہے، محمیہ بن جزء بن عبد یغوث ابن عویج بن عمرو بن زبید الاصغر۔ بنو جمح کے حلیف تھے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے چھوٹے صاحبزادے فضل رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی صاحبزادی بیاہی تھیں۔

اسلام وہجرت:

دعوت اسلام کے ابتدائی ایام میں اسلام لائے، اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔[1]

غزوات:

غزوہ مریسیع (بنو مصطلق) کے زمانہ میں مدینہ ہجرت کی، اسی غزوہ سے شرکت کی ابتدا ہوئی۔[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خمس کا عامل بنایا، غزوۂ مریسیع میں بھی یہ خدمت ان ہی کے سپرد تھی۔[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت خوش رہا کرتے تھے، ایک مرتبہ اظہارِ خوشنودی کے طور پر نہایت خوبصورت لونڈی عطا فرمائی تھی۔[4]

حضرت عدی بن نضلہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

عدی نام، والد کا نام نضلہ تھا، شجرۂ نسب یہ ہے، عدی بن نضلہ بن عبدالعزیٰ ابن حرثان بن عوف بن عویج بن عدی بن کعب۔

---

[1] ابن سعد جزو ۴ ق ۱ ص ۱۴۵ [2] استیعاب ج ۱ ص ۲۹۵

[3] اصابہ ج ۶ ص ۶۸ وابن سعد حوالہ مذکور [4] اصابہ جلد ۶ ص ۶۸

Marfat.com

اسلام وہجرت:

دعوتِ اسلام کے آغاز میں مکہ میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت کر کے حبشہ گئے۔[1]

وفات:

وقت پورا ہو چکا تھا' اس لیے مدینہ جانے کی نوبت نہیں آئی اور اسی غربت کدہ میں پیوند خاک ہو گئے' مہاجرین میں عدی پہلے شخص ہیں' جنہوں نے ارض حبشہ کو آرام گاہ بنایا۔[2]

اولاد:

وفات کے بعد متعدد اولادیں یادگار چھوڑیں' صاحبزادوں میں نعمان اور نعیم اور صاحبزادیوں میں آمنہ تھیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک زمانہ خلافت میں نعمان کو بیسان کا عامل بنایا تھا' یہ شاعر آدمی تھے' ایک غزل میں ایک عورت کی تشبیب کر ڈالی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے فوراً معزول کر دیا' نعمان نے بڑی صفائی پیش کی کہ اس کا مقصد شاعری تھا واقعہ سے اس کو کوئی تعلق نہیں' لیکن آپ نے کوئی عذر مقبول نہ سمجھا اور فرمایا ان اشعار کے بعد تم میرے عامل نہیں رہ سکتے۔[3]

حضرت یزید بن زمعہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

یزید نام' والد کا نام زمعہ تھا' نسب نامہ یہ ہے' یزید بن زمعہ بن اسود بن مطلب ابن اسد بن عبدالعزیٰ قرشی اسدی' ماں کا نام قریبہ تھا' ننہالی شجرہ یہ ہے' قریبہ بنت ابی امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم' قریبہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں' یزید رضی اللہ عنہ کا خاندان زمانہ جاہلیت سے مشورہ کے عہد جلیل کا حامل چلا آتا تھا' اور ظہور اسلام کے وقت یہ اس پر فائز تھے۔[4]

---

1. ابن سعد جز ۴ ق ا ص ۱۰۳ 2. ایضاً و اصابہ ج ۴ ص ۲۲۳ 3. ابن سعد جز ۴ ق ا ص ۱۰۳
4. اصابہ ج ۶ ص ۳۴۰

Marfat.com

اسلام وہجرت:

دعوتِ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے' اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔

غزوات وشہادت:

مدینہ آنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برابر جہاد میں شریک ہوتے رہے
غزوہ طائف میں بھی آپ کے ساتھ تھے' اتفاق سے میدان جنگ میں ان کا گھوڑا بھڑک کر
بھاگا' انہوں نے پکڑ کر شہید کر دیا[2] کوئی اولاد نہ تھی۔

حضرت سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

سکران' نام' والد کا نام عمرو تھا' نسب نامہ یہ ہے' سکران بن عمرو بن عبد شمس ابن عبدود
بن نضر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی قرشی عامری' ماں کا نام جبی تھا' نانہالی شجرہ یہ ہے
جبی بنت قیس بن خبیس بن ثعلبہ بن حبان بن غنم بن ملیح بن عمرو خزاعی۔

اسلام وہجرت:

دعوت اسلام کے آغاز میں اسلام قبول کیا اور ہجرت ثانیہ میں مع اپنی اہلیہ سودہ
رضی اللہ عنہا کے حبشہ گئے۔

وفات:

موسیٰ بن عقبہ کی روایت کے مطابق حبشہ میں وفات پائی' اور ابن اسحاق کی روایت
کے رو سے حبشہ سے مکہ آئے' اور مدینہ جانے کی نوبت نہ آ سکی' یہیں وفات پا گئے[3] ان کی
وفات کے بعد ان کی بیوی سودہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کے زمرہ میں شامل ہوئیں۔

---

1. ابن سعد ج ۴ ق ا ص ۸۹
2. ایضاً واستیعاب ج ۲ ص ۲۶۶ واقعہ کی تفصیل ابن سعد میں ہے۔
3. ابن سعد جزو ۴ ق ا ص ۱۵۰
4. استیعاب ج ۲ ص ۵۹۹ وابن سعد حوالہ مذکور

Marfat.com

حضرت ابوسنان بن محصن رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

وہب نام، ابوسنان کنیت، والد کا نام محصن تھا، نسب نامہ یہ ہے، وہب ابن محصن بن حرثان بن قیس بن لبہ بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ، وہب رضی اللہ عنہ مشہور صحابی حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کے بھائی اور قبیلہ بنو عبد شمس کے حلیف تھے۔

اسلام وہجرت:

زمانہ اسلام کی صحیح تعیین نہیں کی جاسکتی، مگر اتنا مسلم ہے کہ اذنِ ہجرت کے پہلے اسلام لا چکے تھے، اور بدر سے پہلے مدینہ آگئے تھے۔

بدر:

مدینہ آنے کے بعد ہی بدر کا معرکہ پیش آیا، چنانچہ اوّل اوّل اسی میں شریک ہوئے پھر احد اور خندق میں جان بازیاں دکھائیں[1]

وفات:

۵ھ میں بنو قریظہ کی مہم میں نکلے اور دورانِ محاصرہ میں انتقال کر گئے اور بنو قریظہ کے قبرستان میں سپرد خاک ہوئے[2]

بعض ارباب سیر کا بیان ہے کہ ابوسنان صلح حدیبیہ میں موجود تھے اور بیعت رضوان میں سب سے پہلے ان ہی نے بیعت کی تھی، لیکن یہ محض التباس ہے غزوۂ بنو قریظہ میں ان کی وفات مسلم ہے، اور بیعت اس سے ایک سال بعد ۶ھ میں ہوئی، بیعت کرنے والے یہ نہیں بلکہ ان کے لڑکے سنان بن ابوسنان رضی اللہ عنہ تھے۔

---

[1] ابن سعد ج ۳ ق ا ص ۶۵ [2] اصابہ ج ۸ ص ۹۲

Marfat.com

حضرت فراس بن نضر رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

فراس نام، والد کا نام نضر تھا، نسب نامہ یہ ہے، فراس ابن نضر بن حارث ابن علقمہ بن کلدہ بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصی، ماں کا نام زینب تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے زینب بنت بناش بن زراہ بن اسد بن عمرو تمیم تمیمی۔

اسلام وہجرت:

مکہ میں ابتدا میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔[1]

شہادت:

ان کی مدنی زندگی کے حالات کچھ نہیں معلوم۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شام کی لڑائیوں میں شریک ہوئے اور اس سلسلہ کے مشہور معرکہ یرموک میں جام شہادت پیا۔[2]

حضرت حاطب بن حارث رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

حاطب نام، والد کا نام حارث تھا، نسب نامہ یہ ہے، حاطب بن حارث بن معمر بن حبیب ابن وہب بن حذافہ بن جمح، ماں کا نام قتیلہ تھا، نانہالی سلسلہ نسب یہ ہے، قتیلہ بنت مظعون ابن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح۔

اسلام وہجرت:

دعوتِ اسلام کے آغاز میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں مع اہل وعیال حبشہ گئے۔[3]

وفات:

پیمانہ عمر لبریز ہو چکا تھا، اس لیے مدینہ جانے کی نوبت نہ آسکی اور اسی سرزمین کو

---

[1] ابن سعد ج ۴ ق ۱ ص ۹۰ [2] اصابہ واستیعاب ترجمہ فراس رضی اللہ عنہ [3] ابن سعد ج ۴ ق ۱ ص ۱۴۷

Marfat.com

آرام گاہ بنالیا[1] ۷ھ میں آپ کے اہل و عیال مدینہ واپس ہوئے' بچوں میں محمد اور حارث یادگار تھے۔[2]

حضرت معمر بن حارث رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

معمر نام' والد کا نام حارث تھا' سلسلہ نسب یہ ہے' معمر بن حارث بن معمر ابن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح ' ماں کا نام قتیلہ تھا' حضرت معمر رضی اللہ عنہ مشہور صحابی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابن مظعون رضی اللہ عنہ کے بھانجے تھے۔

اسلام وہجرت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں تشریف لانے کے قبل مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت کے زمانہ میں مکہ سے مدینہ گئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں اور معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ میں مواخاۃ کرادی۔[3]

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد بدر واحد وخندق وغیرہ تمام غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔[4]

وفات:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

حضرت ابورہم اشعری رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

مجدی نام' ابورہم کنیت' سلسلہ نسب یہ ہے' مجدی بن قیس بن حضار بن جرب بن عامر بن بکر بن عامر بن عذر بن وائل بن ناجیہ بن جماہر بن اشعر' حضرت ابورہم رضی اللہ عنہ مشہور صحابی

[1] اصابہ ج ا ص ۳۱۵ [2] ابن سعد حوالہ مذکور [3] ابن سعد جز ۳ ق ا ص ۲۹۳ [4] استیعاب ج ا ص ۲۷۸

Marfat.com

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی تھے۔[1]

اسلام وہجرت:

بڑے بھائی کے ساتھ مشرف باسلام ہوئے' اور ان ہی کے ساتھ حبشہ گئے' اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ آئے' یہ جنگ خیبر کا زمانہ تھا' مگر ابورہم رضی اللہ عنہ اس میں شریک نہ ہو سکے تھے' تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے مال غنیمت میں ان کا حصہ بھی لگایا اور فرمایا تم لوگ دوہرے مہاجر ہو' ایک مکہ سے حبشہ کی ہجرت' دوسری حبشہ سے مدینہ کی۔[2]

مدینہ آنے کے بعد سے ان کے حالات کا پتہ نہیں چلتا پھر دور فتن میں نظر آتے ہیں' یہ طبعاً ہنگامہ پسند تھے' فتنہ کے زمانہ میں بھی بہت نکلتے تھے' اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ان کو روکتے تھے۔[3]

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

عامر نام' ابوبردہ کنیت' یہ بھی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔

اسلام:

بھائی کے ساتھ اسلام لائے' اور ان ہی کے ساتھ حبشہ گئے' پھر وہاں سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ آئے۔[4]

مدینہ آنے کے بعد کے حالات کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

حضرت حارث بن خالد رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

حارث نام' والد کا نام خالد تھا' نسب نامہ یہ ہے' حارث بن خالد بن صخر بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ۔

---

[1] استیعاب جلد ۱ ص ۲۷۸ [2] اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۴۵ [3] استیعاب جلد ۲ ص ۶۴۵ [4] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۹۷

Marfat.com

اسلام و ہجرت:

دعوت کے ابتدائی زمانہ میں اسلام لائے' اور دوسری ہجرت میں مع اپنی اہلیہ ریطہ رضی اللہ عنہا کے حبشہ گئے۔[1]

وفات:

حبشہ میں ان کے چار اولادیں ہوئیں' موسیٰ' عائشہ' زینب اور فاطمہ' حبشہ سے مدینہ کی واپسی میں ایک مقام پر پانی پیا' اس میں سمیت تھی' اس کے اثر سے گھر کا گھر صاف ہو گیا' البتہ خود بچ گئے' اور راہ خدا میں پورے گھر کو دفنا کر یکہ و تنہا مدینہ آئے' آنحضرت ﷺ نے دلجمعی کے لیے یزید بن ہاشم کے غلامی کی لڑکی سے شادی کر دی۔[2]

حضرت عیاش بن زہیر رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

عیاض نام' ابو سعد کنیت' سلسلہ نسب یہ ہے' عیاض بن زہیر بن ابی شداد ابن ربیعہ بن ہلال بن مالک بن ضبہ بن حارث بن فہر قرشی' ماں کا نام سلمیٰ تھا' نانہالی شجرہ یہ ہے۔ سلمیٰ بنت عامر بن ربیعہ بن ہلال بن مالک بن ضبہ بن حارث۔[3]

اسلام و ہجرت:

زمانہ اسلام کی تعیین نہیں کی جا سکتی' ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے وہاں سے مدینہ آئے

---

1. ابن سعد جزو ۴ ق ا ص ۹۵   2. اصابہ جلد اول ص ۲۹۰

3. ارباب سیر میں عیاض بن زہیرؓ اور عیاض بن غنمؓ فاتح جزیرہ کے بارہ میں سخت اختلاف ہے' بعض ان دونوں کو دو شخص بتاتے ہیں اور عیاض بن غنم کو عیاض بن زہیر کا بھتیجا کہتے ہیں' اور بعض دونوں کو ایک ہی شخص لکھتے ہیں اور نسبت کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ عیاض بن زہیرؓ اپنے دادا زہیر کی طرف منسوب ہو گئے' ورنہ دراصل وہ ان کے بیٹے نہیں بلکہ پوتے ہیں اور اصل سلسلہ اس طرح ہے' عیاض بن غنم بن زہیر' بہر حال جن لوگوں کے نزدیک یہ دو شخص ہیں انہوں نے ان دونوں کے حالات الگ الگ لکھے ہیں' لیکن عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کا نام مہاجرین کے زمرہ میں نہیں ملتا' اس لیے وہ ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔

Marfat.com

اور کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے یہاں اترے۔[1]

غزوات:

بدر و احد اور خندق وغیرہ تمام غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔[2]

وفات:

۳۰ھ میں وفات پائی۔[3]

حضرت خباب رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

خباب نام، ابو یحییٰ کنیت، خباب بنو نوفل بن عبد مناف کے حلیف اور مشہور صحابی حضرت عتبہ بن غزوان کے غلام تھے۔

اسلام و ہجرت:

ان کے اسلام کا زمانہ متعین نہیں، لیکن قیاس ہے کہ اپنے آقا حضرت عتبہ کے ساتھ مشرف باسلام ہوئے ہوں گے، حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام تھے، ان ہی کے ساتھ انہوں نے ہجرت کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں اور تمیم کے غلام خراش ابن صمہ میں مواخاۃ کرادی۔[4]

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے بدر عظمیٰ میں شریک ہوئے، پھر احد اور خندق وغیرہ میں دادِ شجاعت دی۔[5]

وفات:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت ۱۹ھ میں مدینہ میں وفات پائی، وفات کے وقت پچاس سال کی عمر تھی۔[6]

---

[1] ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۳۰۴ [2] ایضاً [3] اسد الغابہ ج ۴ ص ۱۶۴
[4] ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۳۸۲، ۳۸۳ [5] ایضاً [6] استیعاب جلد اوّل ص ۱۵۶

Marfat.com

حضرت مسعود بن ربیع رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

مسعود نام' ابوعمیر کنیت' نسب نامہ یہ ہے' مسعود بن ربیع بن عمرو بن سعد بن عبدالعزیٰ'

اسلام وہجرت:

دعوت اسلام کے آغاز یعنی آنحضرت ﷺ کے ارقمؓ کے گھر میں تشریف لانے سے پہلے مشرف باسلام ہوئے' پھر ہجرت کے زمانہ میں مکہ سے مدینہ گئے آنحضرت ﷺ نے غربت کی اجنبیت دور کرنے کے لیے ان میں اور ابوعبیدہ بن تیہانؓ میں مواخاۃ کرادی۔[1]

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد بدر' احد اور خندق وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوتے رہے۔[2]

وفات:

۳۰ھ میں وفات پائی' وفات کے وقت ساٹھ سال سے اوپر کی عمر تھی۔[3]

حضرت ربیعہ بن اکثم رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

ربیعہ نام' ابوزید کنیت' نسب نامہ یہ ہے' ربیعہ بن اکثم بن سنجرہ بن عمرو بن بکیر ابن عامر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ اسدی۔

اسلام وہجرت:

بدر کے قبل مشرف باسلام ہوئے' اسلام کے بعد ہجرت کر کے مدینہ گئے۔[4]

شہادت:

اور سب سے پہلے بدر عظمیٰ میں شرکت کا امتیاز حاصل کیا' پھر اس کے بعد کی تمام مہموں

۱؎ اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۵۷　۲؎ ابن سعد جز ۳ ق ا ص ۱۱۶　۳؎ استیعاب ج ا ص ۲۵۱　۴؎ ایضاً ص ۱۸۵

Marfat.com

احد' خندق اور حدیبیہ وغیرہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب رہے اور غزوہ خیبر میں حارث یہودی کے ہاتھ سے جام شہادت پیا۔[1]

حضرت عمیر بن رئاب رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

عمیر نام' والد کا نام رئاب تھا' شجرہ نسب یہ ہے' عمیر بن رئاب بن حذیفہ بن جھشم ابن سعد بن سلہم' ماں کا نام ام وائل تھا' نانہالی نسب نامہ یہ ہے' ام وائل بنت معمر بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح۔

اسلام وہجرت:

اذن ہجرت کے قبل اسلام لائے اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔[2]

شہادت:

عراق کی مہم میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے' اور عین التمر کے معرکہ میں شہید ہوئے۔[3]

حضرت عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

عمرو نام' والد کا نام عثمان تھا' سلسلہ نسب یہ ہے' عمرو بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ۔

اسلام وہجرت:

مکہ میں دعوتِ اسلام کے آغاز میں اسلام لائے' اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔[4]

---

[1] ابن سعد جزو۳ ق اوّل ص ۶۷ [2] ابن سعد جزو۴ ق اول ص ۱۴۵ [3] ابن سعد جلد۲ ص ۲۲۸

[4] ابن سعد جزو۴ ق ا ص ۹۲

Marfat.com

وفات:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایران کی فوج کشی میں شریک ہوئے' اور اس سلسلہ کے مشہور معرکہ قادسیہ میں شہادت پائی' شہادت کے وقت کوئی اولاد نہ تھی۔[1]

حضرت خطاب بن حارث رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

خطاب نام' والد کا نام حارث تھا' سلسلہ نسب یہ ہے' خطاب بن معمر بن حبیب ابن وہب بن حذافہ بن جمح۔

اسلام:

دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اسلام لائے' اور ہجرت ثانیہ میں مع اپنے بچوں کے حبشہ گئے۔[2]

وفات:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔[3]

عاقل بن ابی بکیر رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

حضرت عاقل رضی اللہ عنہ چار بھائی تھے' عاقل' ایاس' خالد اور عامر' ان کے والد کا نام ابی بکیر تھا' ان سب کا نسب نامہ یہ ہے' ابناء ابی بکیر بن عبد یا لیل بن ناشب بن غیرہ ابن سعد بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ لیثی۔

اسلام وہجرت:

ارقمؓ کے گھر میں قبول اسلام کا آغاز ان ہی چاروں بھائیوں سے ہوا تھا' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارقمؓ کے گھر میں تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے یہی چاروں مشرف

---

[1] اصابہ ج ۵ ص ۷ [2] ابن سعد جزو ۴ ق ا ص ۱۸ [3] اصابہ جلد ۳ ص ۱

Marfat.com

باسلام ہوئے اور سب نے مع بال بچوں کے ایک ساتھ مدینہ کی ہجرت کی اور مکہ میں گھر کا دروازہ بالکل بند ہو گیا' مدینہ آنے کے بعد چاروں رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے یہاں اترے[1] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایاس اور حارث بن خزیمہ میں' خالد یزید بن دثنہ میں' عاقل اور مجذر بن زیاد میں' اور عامر اور ثابت بن قیس بن شماس میں مواخاۃ کرادی۔

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد چاروں غزوات میں شریک ہوتے رہے' عاقل رضی اللہ عنہ ان سب میں زیادہ خوش نصیب تھے' انہوں نے بدر میں مالک بن زہیر کے ہاتھوں حیات جاوید حاصل کی[2] اس کے بعد خالد رضی اللہ عنہ نے بدر اور احد کے معرکوں میں شرکت کے بعد سریہ رجیع میں ۴ھ میں جام شہادت پیا[3] عامر بدر' احد اور خندق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے اور ۱۲ھ میں مرتدوں کی سرکوبی پر مامور ہوئے' اور اس سلسلہ کی مشہور جنگ یمامہ میں شہادت حاصل کی[4] سب سے آخر میں ایاس' بدر' احد' خندق' خیبر اور دوسں معرکہ آرائیوں میں شریک ہوتے رہے[5] ۳۴ھ میں راہی ملک بقا ہوئے۔[6]

---

[1] ابن سعد جز ۳ ق ا ص ۲۸۳ [2] ابن سعد جز ۳ ق ا ص ۲۸۳
[3] استیعاب ج ا ص ۱۵۶ [4] استیعاب ج ۲ ص ۴۶۱
[5] استیعاب جلد ا ص ۱۴۸ [6] اسد الغابہ جلد ا ص ۱۵۳

Marfat.com

حضرت عبداللہ الاصغر رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

عبداللہ نام والد کا نام شہاب تھا' سلسلہ نسب یہ ہے' عبداللہ بن شہاب ابن عبداللہ بن حارث بن زہرہ بن کلاب' عبداللہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بھانجے اور امام شعبی کے نانا تھے۔

ہجرت:

دعوتِ اسلام کے ابتدائی ایام میں اسلام قبول کیا' اور اذن ہجرت کے بعد حبشہ گئے۔[1]

وفات:

پیمانہ عمر لبریز ہو چکا تھا' اس لیے مدینہ آنے کی نوبت نہ آ سکی' اور اسی غربت کدہ میں پیوند خاک ہوئے۔[2]

حضرت قیس بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

قیس نام' والد کا نام عبداللہ تھا' نسبی تعلق قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ سے تھا' ان کی لڑکی آمنہ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی دایہ تھیں اور یہ خود ان کے پہلے شوہر عبید اللہ بن جحش کے خدمتگار تھے۔[3]

اسلام و ہجرت:

دعوتِ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور اپنے آقا عبید اللہ بن

---

[1] ابن سعد جزو ۴ ق ا ص ۹۲ و اصابہ ج ۴ ص ۱۸۵

[2] ابن سعد جزو ۴ ق ا ص ۹۲ و اصابہ ج ۴ ص ۱۸۵

[3] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲۲۱ و اصابہ جلد ۵ ص ۲۶

Marfat.com

جحش کے ساتھ مع اپنی بیوی برکہ بنت یسار رضی اللہ عنہا کے حبشہ گئے' عبیداللہ نے یہاں مذہب عیسو قبول کرلیا' لیکن قیس رضی اللہ عنہ نے اس میں آقا کی پیروی نہ کی اور اپنے مذہب پر قائم رہے۔[1]

حضرت مالک بن زمعہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

مالک نام' والد کا نام زمعہ تھا' نسب نامہ یہ ہے' مالک بن زمعہ بن قیس ابن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی' مالک ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی تھے۔[2]

اسلام وہجرت:

دعوتِ اسلام کے آغاز میں مشرف باسلام ہوئے' اور ہجرت ثانیہ میں معہ اپنی بیوی عمیرہ رضی اللہ عنہا کے حبشہ گئے۔[3] اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہیں۔

حضرت حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

حاطب نام' والد کا نام عمرو تھا' نسب نامہ یہ ہے' حاطب بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی' ماں کا نام اسماء تھا۔

اسلام وہجرت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں تشریف لانے کے قبل مشرف باسلام ہوئے' اسلام کے بعد حبشہ کی ہجرت کی' دونوں ہجرتوں کا شرف حاصل کیا۔[4] پھر وہاں سے مدینہ گئے' اور رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے۔[5]

---

[1] ابن سعد جز ۴ ق ا ص ۷۷ [2] ابن سعد جز ۴ ق ا ص ۱۵۰

[3] ایضاً [4] استیعاب ج ا ص ۱۳۳۔ [5] ابن سعد جز ۳ ق ا ص ۲۹۴

Marfat.com

غزوات:

مدینہ آنے کے بعد بدر عظمیٰ میں شریک ہوئے[1] بدر کے بعد احد میں بھی شرکت کا پتہ چلتا ہے[2] مگر اس کے بعد کے حالات معلوم نہیں۔

حضرت اربد بن حمیر رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

اربد نام ابومخشی کنیت، نسباً قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ سے تھے۔

اسلام وہجرت:

مکہ میں مشرف باسلام ہوئے، پھر ہجرت کر کے حبشہ گئے، وہاں سے ہجرت کر کے زمانہ میں مدینہ آئے[3]

غزوات:

اور بدر عظمیٰ میں شریک ہوئے، بدر کے بعد کے حالات کا پتہ چلتا۔[4]

حضرت جہم بن قیس رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

جہم نام، ابوخزیمہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، جہم بن قیس بن عبداللہ ابن شرحبیل بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصی، ماں کا نام رہیمہ تھا۔[5]

---

1. اصابہ جلد اوّل ص ۳۱۵۔
2. ابن سعد حوالہ مذکور
3. اسد الغابہ جلد اوّل ص ۵۸۔
4. ابن سعد جلد ۳ ق ا ص ۶۸
5. ابن سعد واسد الغابہ ترجمہ جہم

Marfat.com

اسلام و ہجرت:

دعوتِ اسلام کے آغاز میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں مع بیوی بچوں کے حبشہ گئے، یہیں ان کی بیوی حریملہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔[1] ان کی وفات کے حالات نہیں معلوم۔

حضرت ہاشم بن ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

ہاشم نام، والد کا نام ابوحذیفہ تھا، نسب نامہ یہ ہے، ہاشم بن ابوحذیفہ ابن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم مخزومی۔

ہجرت:

حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام تھے، ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔[1]

وفات:

وفات کے متعلق صرف اس قدر معلوم ہے کہ اس وقت کوئی اولاد نہ تھی۔

---

[1] ابن سعد و اسد الغابہ ترجمہ جہم رضی اللہ عنہ

[2] ابن سعد جزو چہارم قسم اوّل ص ۹۹

Marfat.com

Marfat.com

اسلامی کُتب خانہ
فضل الٰہی مارکیٹ ○ چوک اُردو بازار ○ لاہور
Ph: 7223506-7230718

Marfat.com